

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ.

(۹-التوبة: ۱۲۲)

# مَنَاقِبُ فَلَاحِيَّةِ

جلد دوم

از: حضرت مفتی احمد ابراہیم بیات

رحمۃ اللہ علیہ

سابق شیخ الحدیث و صدر مفتی: دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر، گجرات،

صدر جمعیتہ علماء ہند، گجرات شاخ، وبانی دارالعلوم مدنی دارالتر بیت، کرمالی

ناشر:

حافظ اسجد بن مفتی احمد بیات صاحب

حنادم: مسجد عمر، ہیملٹن، کینیڈا۔ فون: 1905 966 4141

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ.

(۹-التوبہ: ۱۲۲)

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتہم بہما: کتاب اللہ، وسنة نبیہ. (موطأ امام مالک)

# فتاویٰ فلاحیہ

جلد دوم

دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل اور  
دارالعلوم مدنی دارالتربیت، کرمالی کے مسند افتاء سے دیے گئے فتاویٰ کا پیش قیمت مجموعہ

از: حضرت مفتی احمد ابراہیم بیات رحمۃ اللہ علیہ

سابق شیخ الحدیث و صدر مفتی: دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر، گجرات،  
صدر جمعیت علماء ہند، گجرات شاخ، و بانی دارالعلوم مدنی دارالتربیت، کرمالی

مرتب: مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی

استاذ حدیث و فقہ: دارالعلوم اسلامیہ عربیہ، ماٹلی والا، بھروچ، گجرات

ناشر: حافظ اسحاق بن مفتی احمد بیات صاحب

حنادم: مسجد عمر، ہیملٹن، کینیڈا۔ فون: 905 578 2547

رکن منظمہ: دارالعلوم مدنی دارالتربیت، کرمالی، بھروچ، گجرات، پن نمبر: 394115

## تفصیلات

جملہ حقوق بہ حق ناشر محفوظ

نام: فتاویٰ فلاحیہ جلد اول

صاحب فتاویٰ: حضرت مفتی احمد بن ابراہیم بیات رحمۃ اللہ علیہ

مرتب: مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی

بہ اہتمام: دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر

ناشر: حافظ اسجد بن مفتی احمد بیات

(حسام: مسجد عمر، ہیملٹن، کینیڈا)

سن طباعت: جمادی الاخریٰ، ۱۴۳۳ھ، مارچ، موافق: ۲۰۱۶ء

## ملنے کے پتے:

- (۱) دارالعلوم مدنی دارالتربیت، کرمالی، انگلشور، بھروچ، گجرات  
 (۲) حافظ اسجد بن مفتی احمد بیات صاحب، خادم: مسجد عمر، ہیملٹن، کینیڈا  
 (۳) مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی، دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ، گجرات  
 (۴) مدنی ویلفیئر ٹرسٹ، کوسمبا، سورت، گجرات  
 (۵) ادارہ صدیق، ڈاہیل، ضلع: نوساری، گجرات  
 (۶) مکتبہ نعیمیہ، دیوبند، یوپی  
 (۷) جے ایم سی انڈیا پبلشرز پرائیویٹ لمیٹڈ، جھاہاؤس، ویسٹ نظام الدین  
 (۸) مدرسہ اسلامیہ عربیہ، آزادویل، ساؤتھ افریقہ  
 (۹) مدرسہ تعلیم الدین، اسپنکوئچ، ڈربن، ساؤتھ افریقہ  
 (۱۰) انظر اکیڈمی لمیٹڈ، 60 لٹل ایلفورڈ لین، مائٹ پارک، لندن، یو۔ کے
- 02646 274243  
 905 578 2547  
 940 95 18452  
 9408 746664  
 09904 886188  
 01336 22329  
 011 24352220  
 114 132786  
 273 19029916  
 0208 9119797

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## فہرست فتاویٰ فلاحیہ جلد دوم

- ۳۵ ..... تقریظ و تائید: فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم
- ۴۰ ..... تقریظ و تائید: حضرت مولانا اقبال محمد نیکاروی صاحب دامت برکاتہم
- ۴۶ ..... اظہار تائید: جناب مولانا اناجود مفتی احمد بیات دامت برکاتہم
- ۴۸ ..... عرض ناشر: از حافظ اسحاق مفتی احمد بیات صاحب مدظلہ
- ۵۰ ..... عرض مرتب: از مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی

### باب الوضوء (۵۲-۸۱)

#### [وضو کا بیان]

- ۵۳ ..... ناگواری کی حالت میں وضو کرنے سے گناہوں کی معافی
- ۵۵ ..... ببول کی مسواک سے سنت ادا ہو جائے گی
- ۵۵ ..... اعضاء وضو پر کلر لگ جائے، تو کیا حکم ہے؟
- ۵۶ ..... درجہ حفظ کے طلبہ کے لیے متعدد بار وضو اور سجدہ تلاوت کا مسئلہ
- ۵۸ ..... مسجد میں یا وضو کے دوران باتیں کرنا
- ۵۹ ..... مذی اور ودی کے خروج سے وضو ٹوٹ جاتا ہے
- ۵۹ ..... مذی کا حکم
- ۶۱ ..... ایضاً

- ۶۲ ..... ❁ خروجِ مذی کی وجہ سے وضو اور کپڑے کی طہارت کا حکم
- ۶۳ ..... ❁ عضو تناسل سے چکنے سیال ماڈے کا نکلنا
- ۶۴ ..... ❁ انبیاء کرام علیہم السلام کی نیند ناقض وضو نہیں ہے
- ۶۵ ..... ❁ آشوب چشم کے مرض کی وجہ سے نکلنے والے پانی کا حکم
- ۶۶ ..... ❁ وضو کے دوران آنکھوں میں پانی کے چھینٹے مارنا
- ۶۶ ..... ❁ ودی کا حکم
- ۶۷ ..... ❁ ناپاکی سے متعلق وسوسہ کا حکم
- ۶۷ ..... ❁ جب تک وضو ٹوٹنے کا یقین نہ ہو، وضو باقی سمجھا جائے گا
- ۶۸ ..... ❁ خروجِ ریح کے شک کی وجہ سے وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟
- ۶۹ ..... ❁ دوران نماز معمولی ریح خارج ہوئی تو؟
- ۷۰ ..... ❁ گالیاں بکنا ناقض وضو نہیں ہے
- ۷۰ ..... ❁ تعلیم الاسلام کے ایک سوال و جواب کے متعلق تفصیل
- ۷۱ ..... ❁ چہارز انوبیٹھ کرسونے سے وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟
- ۷۲ ..... ❁ وضو یا اذان کے دوران سلام اور اُس کا جواب
- ۷۳ ..... ❁ وضو میں استعمال ہونے والا پانی گٹر میں گرانا کیسا ہے؟
- ۷۴ ..... ❁ بلی اگر کسی کی گود میں بیٹھ جائے، تو اس کا کپڑا ناپاک ہوگا یا نہیں؟
- ۷۵ ..... ❁ پیشاب شرم گاہ میں آکر رک جائے، تو کیا وضو ٹوٹ جائے گا؟
- ۷۶ ..... ❁ کیا وضو کرتے وقت ”یا قادر“ کا ورد ثابت ہے؟
- ۷۶ ..... ❁ نماز جنازہ کے لیے کیے جانے والے وضو سے فرض نماز پڑھنا
- ۷۷ ..... ❁ نماز کے دوران شرم گاہ میں ایستادگی پیدا ہو جائے، تو وضو ٹوٹ جائے گا؟
- ۷۷ ..... ❁ تلاوت قرآن کے دوران تھوڑے تھوڑے وقفے سے ریح کا خارج ہونا
- ۷۸ ..... ❁ اگر چہرے یا ہاتھ پر گھی، دیسلین یا تیل وغیرہ لگا ہو، تو وضو ہوگا یا نہیں؟

- ۷۸ ..... گلوی گلچ کرنے یا گانا بجانے کی وجہ سے وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟
- ۸۰ ..... وضو کے بعد بدن پر نجاست لگ جائے، تو صرف اس عضو کو دھولینا کافی ہے
- ۸۰ ..... دورانِ صلاۃ، نیند اور بیداری کی حالت میں ہنسنے سے وضو کا حکم

## باب الغسل (۸۲-۱۰۱)

### (غسل کا بیان)

- ۸۳ ..... غسل کے فرائض
- ۸۴ ..... ہم بستری کے بعد عورت غسل کیسے کرے؟
- ۸۵ ..... غسل کا مسنون طریقہ
- ۸۶ ..... غیر مسلم لڑکی یا جانور سے خواہش پوری کرنے کے بعد غسل صحیح ہوگا یا نہیں؟
- ۸۷ ..... اعتکاف کی حالت میں غسل جمعہ کا حکم
- ۸۸ ..... سر کے مریض کو غسل جنابت میں کب رخصت ملے گی؟
- ۸۸ ..... غسل خانے میں برہنہ ہو کر غسل کرنا
- ۸۹ ..... غسل کے بعد تپلی مذی نکلنے سے دوبارہ غسل کرنا ضروری ہے؟
- ۸۹ ..... شرم گاہ میں دو الگانے سے غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟
- ۹۰ ..... دو جماع کے درمیان غسل ضروری نہیں
- ۹۱ ..... متعدد جماع کے بعد غسل واحد کافی ہے یا نہیں؟
- ۹۳ ..... کسی جنیہ (خاتون جن) کے ساتھ وطی کے بعد غسل کا حکم
- ۹۴ ..... جنی شخص کا بغیر غسل کیے نماز پڑھ لینا
- ۹۴ ..... بالوں کو انگریزی دواؤں سے رنگنا غسل سے مانع ہے یا نہیں؟
- ۹۵ ..... مسنون طریقے پر غسل کرنے کے بعد وضوء کے وقت کلی کرنا یا ناک میں پانی ڈالنا
- ۹۷ ..... وضوء اور غسل میں صرف کلی کرنا کافی ہے یا غرارہ بھی ضروری ہے؟
- ۹۷ ..... غسل میں فرائض ادا کرنا اور سنتوں کو ترک کر دینا

- ۹۸ ..... ❁ احتلام میں خروجِ منی کے وقت عضو تناسل پر انگلی رکھ دینا
- ۹۹ ..... ❁ شراب یا نشہ کی وجہ سے غسل کرنا ضروری ہے؟
- ۹۹ ..... ❁ دانت پر سونے کا گورچڑھانا اور اس کے ساتھ نماز پڑھنا

## باب المیاء (۱۰۲-۱۳۳)

### [پانی کے احکام]

- ۱۰۳ ..... ❁ شرعی حوض کی پیمائش
- ۱۰۶ ..... ❁ حوض کی مختلف شکلوں میں ان کا حساب کیا ہونا چاہیے؟
- ۱۰۷ ..... ❁ کولا واٹر کے صابن کا حکم
- ۱۰۸ ..... ❁ بیت الخلاء کے کنویں اور پانی کے کنویں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟
- ۱۰۹ ..... ❁ مسجد کا کنواں گندے نالے سے کتنے فاصلے پر رکھو جائے؟
- ۱۱۰ ..... ❁ کتا کنویں میں داخل ہو کر زندہ نکل جائے، تو کیا حکم ہے؟
- ۱۱۰ ..... ❁ ”گرگٹ“ کنویں میں ملے، تو کیا حکم ہے؟
- ۱۱۲ ..... ❁ ناپاک کنویں کو پاک کرنے کی صورت
- ۱۱۳ ..... ❁ دو آبی یا اس جیسی صاف کرنے والی دوسری چیز پانی میں ڈال کر کپڑے دھونا
- ۱۱۴ ..... ❁ حوض سے وضو کرنے میں حقارت محسوس کرنا
- ۱۱۵ ..... ❁ دہ دردہ حوض کا پانی ناپاک ہوگا؟
- ۱۱۶ ..... ❁ بارش کا پانی نجاست سے گذر کر کنویں میں گرا ہو، تو کنواں ناپاک نہ ہوگا
- ۱۱۷ ..... ❁ کنویں میں کافر داخل ہو جائے یا غیر ماکول اللحم جانور مر جائے، تو کیا حکم ہے؟
- ۱۱۸ ..... ❁ ناپاک پانی کنویں میں گرے، تو کنواں ناپاک ہو جائے گا
- ۱۲۰ ..... ❁ نجاست کے احتمال کی وجہ سے کنواں ناپاک شمار ہوگا یا پاک؟
- ۱۲۰ ..... ❁ کنویں میں کوٹا، گر کر مر جائے اور پھول جائے، تو کتنا پانی نکالا جائے گا؟
- ۱۲۱ ..... ❁ کنویں میں مر کر پھولا ہوا کوٹا پایا جائے، تو کتنے دن کی نماز کا اعادہ ضروری ہے؟

- ۱۲۲ ..... کنویں میں کوآمر کر پھولا ہوا پایا جائے، تو کتنا پانی نکالا جائے گا؟
- ۱۲۳ ..... اگر پانی میں بال گر جائے، تو کیا حکم ہے؟
- ۱۲۴ ..... کنواں سے بلبی دورات اور ایک دن کے بعد زندہ نکلے، تو کتنا پانی نکالا جائے؟
- ۱۲۶ ..... کنواں نجس اشیاء کے گرنے سے ہی ناپاک ہوگا
- ۱۲۷ ..... کتا اگر حوض سے پانی پی لے، تو کیا حکم ہے؟
- ۱۲۹ ..... نابالغ کا فریجہ یا بالغ کا فر مرد غسل کے لیے کنویں میں اترے، تو کیا حکم ہے؟
- ۱۳۰ ..... اگر کوئی غیر مسلم شراب پی کر کنویں میں گر جائے؟
- ۱۳۱ ..... کنویں میں جب کوئی مسلمان عورت گر کر مر جائے، تو کنواں کیسے پاک ہوگا؟
- ۱۳۲ ..... غیر مسلم عورت کنویں میں گر کر زندہ نکل آئے، تو کیا حکم ہے؟

## باب التیمم (۱۳۴-۱۳۷)

### تیمم کا بیان

- ۱۳۵ ..... جو شخص پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو اس کا تیمم کرنا
- ۱۳۶ ..... کیا پتھر پر تیمم کر سکتے ہیں

## باب المسح علی الخفین (۱۳۸-۱۴۱)

### [موزے پر مسح کا بیان]

- ۱۳۹ ..... بعض عرب کا نالون اور سوتی موزوں پر مسح کو جائز کہنا
- ۱۴۱ ..... معذور شخص کا چڑے کے موزے پہن کر اس پر مسح کرنا

## باب الحيض والنفس والاستحاضة (۱۴۲-۱۵۳)

### [حيض، نفاس اور استحاضہ کا بیان]

- ۱۴۳ ..... کم عمری میں نیلی پلاننگ کی خاطر آپریشن کرانے والی خاتون کے ”ایام حیض“ کا حکم
- ۱۴۵ ..... اسقاط حمل کے بعد نفاس کی مدت کا بیان



- ۱۴۵ ..... حالت نفاس میں عورت دعاء کر سکتی ہے؟
- ۱۴۶ ..... استقاط حمل کے بعد کتنی مدت تک خون کا انتظار کرے؟
- ۱۴۷ ..... ایام حیض کے دوران ایک دن کے لیے خون بند ہو جائے، تو کیا حکم ہے؟
- ۱۴۸ ..... نفاس کے بند ہونے کے ایک ہفتہ بعد آنے والے خون کا حکم
- ۱۴۹ ..... عورت نفاس کا غسل کیسے کرے؟
- ۱۵۰ ..... حیض کے بند ہونے کے بعد عورت غسل کیسے کرے؟
- ۱۵۱ ..... خالص سفید پانی حیض نہیں ہے
- ۱۵۲ ..... حیض کی اکثر مدت ختم ہونے کے بعد غسل سے قبل وطی کرنا
- ۱۵۲ ..... اگر ولادت کے بعد خون نہ دکھائی دے

## باب احکام المعذورین (۱۵۴-۱۶۵)

### [ معذورین کے احکام ]

- ۱۵۵ ..... معذور کے لیے وضو کا حکم
- ۱۵۷ ..... سلس البول کے مریض کے لیے طہارت کا حکم اور اس کا طریقہ
- ۱۵۷ ..... خروج ریح کے مریض کے لیے شرعی حکم
- ۱۵۹ ..... جس کو بار بار ریح خارج ہوتی رہتی ہو، وہ کیا کرے؟
- ۱۵۹ ..... کیا معذور آدمی ہر نماز کے وقت نیا وضو کرے؟
- ۱۶۰ ..... جسے بار بار پیشاب کے قطرات ٹپکتے ہوں، وہ کس طرح نماز ادا کرے
- ۱۶۱ ..... وضو میں کلی کرتے وقت خون کا نکلنا عذر ہے یا نہیں؟
- ۱۶۲ ..... کیا معذور فجر کے وضو سے بعد فجر تلاوت قرآن اور اشراق پڑھ سکتا ہے؟
- ۱۶۳ ..... جن کو ودی کے قطرات ٹپکنے کی دائمی بیماری ہو، وہ کیا کرے؟
- ۱۶۳ ..... سلس البول کے معذور کی طہارت کا حکم
- ۱۶۴ ..... پیشاب کی تھیلی اور اس میں استنجاء کا حکم

## باب الانجاس (۱۶۶-۱۷۹)

### [ نجاست کا بیان ]

- ۱۶۷ ..... اگر کپڑے یا بدن پر نجاست لگ جائے، تو کس قدر معاف ہے؟ ❀
- ۱۶۸ ..... نجاست کی کتنی مقدار معاف ہے؟ ❀
- ۱۶۸ ..... انسان کے پاخانہ سے گیس حاصل کرنا اور اس سے کھانا پکانا ❀
- ۱۶۹ ..... اگر سالن میں سنڈاسیہ نامی کیڑا گر جائے، تو کیا حکم ہے؟ ❀
- ۱۶۹ ..... الکل آمیز سینٹ کا حکم ❀
- ۱۷۲ ..... کپڑوں میں سینٹ کا اسپرے کرنا اور ان کپڑوں میں نماز پڑھنا ❀
- ۱۷۲ ..... ہم بستری کے بعد پہنے گئے پاک کپڑوں کا حکم ❀
- ۱۷۳ ..... نبی کریم ﷺ نے قبیلہ عرینہ کے چند لوگوں کو پیشاب پینے کے حکم کیوں دیا؟ ❀
- ۱۷۶ ..... شیر خوار بچے کا پیشاب ناپاک ہے ❀
- ۱۷۸ ..... بیمار آدمی کا ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا، جس میں نجاست کا گمان ہو ❀
- ۱۷۹ ..... کپڑے ناپاک رکھنا گناہ ہے یا نہیں؟ ❀

## باب الاستنجاء (۱۸۰-۱۸۵)

### [ استنجاء کا بیان ]

- ۱۸۱ ..... استنجاء میں کلوخ (ڈھیلے) کے بعد پانی استعمال نہ کرنے کا حکم ❀
- ۱۸۱ ..... استنجاء میں استبراء کی ایک تدبیر ❀
- ۱۸۳ ..... سردی اور گرمی کے زمانہ میں استنجاء کے متعلق تفصیل ❀

# کتاب الصلاة

## باب المواقیت (۱۸۶-۲۲۷)

### [ اوقات نماز ]

- ۱۸۷ ..... فجر کی نماز کے لیے مستحب وقت
- ۱۸۸ ..... ظہر سے پہلے مکروہ وقت کی تعیین
- ۱۸۹ ..... فجر کی نماز تنہا پڑھنے کے بعد دوسری جماعت میں شرکت
- ۱۹۰ ..... وقت زوال کی تحدید اور اس میں نماز کا حکم
- ۱۹۱ ..... زوال کے بعد وقت مکروہ کب تک ہے؟ اور کتنی دیر بعد اذان دے سکتے ہیں؟
- ۱۹۱ ..... جمعہ کے دن زوال کے وقت کا حکم
- ۱۹۲ ..... مکروہ اوقات میں نماز پڑھنا جائز نہیں
- ۱۹۳ ..... طلوع آفتاب کے بعد وقت مکروہ کی تحدید
- ۱۹۳ ..... وہ اوقات، جن میں قضاء نماز پڑھنا ممنوع ہے
- ۱۹۴ ..... وہ اوقات جن میں نفل نماز پڑھنا ممنوع ہے
- ۱۹۵ ..... عصر کی نماز سے قبل نوافل کا حکم
- ۱۹۶ ..... عصر کی نماز کے وقت عصر کی ادائیگی سے پہلے ظہر کی قضا کرنا
- ۱۹۷ ..... فجر کی سنت سے پہلے یا بعد میں کوئی قضا نماز پڑھنا
- ۱۹۷ ..... جہاں سورج غروب ہونے کے بعد ڈیڑھ گھنٹے میں ہی طلوع ہو جاتا ہو، وہاں تراویح کا حکم
- ۱۹۹ ..... جہاں سورج غروب ہونے کے فوراً بعد طلوع ہو جاتا ہو، وہاں نماز اور روزے کا حکم
- ۲۰۰ ..... سفر میں نکلتے وقت ظہر کی اذان اول وقت میں دینا اور نماز پڑھنا کیسا ہے؟
- ۲۰۱ ..... کیا صبح صادق کے بعد فجر کی اذان میں دس منٹ کی تاخیر ضروری ہے؟
- ۲۰۲ ..... تقویم میں درج شدہ وقت سے پہلے منبر میں عشاء کی اذان

- ۲۰۳ ..... دارالعلوم تریسور اور مفتی کفایت اللہ صاحب کی دائمی تقویم میں اختلاف کی حقیقت
- ۲۰۳ ..... منیار والوں کی شائع کردہ شمسی تقویم اور دائمی اوقات نامی تقویم میں سے کس پر عمل کیا جائے؟
- ۲۰۶ ..... غروب آفتاب کے بعد کب سے عشاء کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے؟
- ..... مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا عشاء اور مغرب کے درمیان کا فاصلے کا نقشہ صرف ہندوستان کے لیے ہے
- ۲۰۹ ..... یاد دوسرے ممالک میں بھی اُس پر عمل کی گنجائش ہے؟
- ۲۱۰ ..... عشاء کا وقت غروب آفتاب کے کتنے گھنٹے بعد شروع ہوتا ہے؟
- ۲۱۱ ..... جون کے مہینہ میں نماز کی دائمی تقویم پر عمل کرنا
- ۲۱۲ ..... جمعہ کی اذان کا وقت ۱۲:۳۰ (ساڑھے بجے) پورے سال کے لیے متعین کرنا
- ۲۱۲ ..... حنفی حضرات کا عصر ایک مثل پر پڑھنا
- ۲۱۳ ..... سایہ ایک مثل ہونے پر عصر کی نماز پڑھنا
- ۲۱۵ ..... حرم شریف میں شافعی یا حنبلی المسلمک امام کی اقتدا
- ۲۱۶ ..... عذر کی وجہ سے عصر کی نماز اذان سے پہلے پڑھ لینا
- ۲۱۸ ..... حالت سفر میں جمع تقدیم اور جمع تاخیر کا حکم
- ۲۲۱ ..... رمضان کے علاوہ مغرب کی جماعت میں تاخیر جائز نہیں
- ۲۲۳ ..... چاشت کی نماز کا وقت کب سے کب تک رہتا ہے؟
- ۲۲۴ ..... اشراق کی نماز کا آخری وقت کیا ہے اور چاشت کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے؟
- ۲۲۶ ..... رات اور دن کا اطلاق کب سے کب تک ہوتا ہے؟

## باب الاذان والاقامة (۲۲۸-۲۶۳)

### [ اذان واقامت کا بیان ]

- ۲۲۹ ..... اذان کی ابتداء کس طرح ہوئی؟
- ۲۳۲ ..... خطبہ سے پہلے اذان کیوں؟
- ۲۳۳ ..... جب نماز لوٹائی جائے، تو کیا دوبارہ اقامت کہی جائے گی؟
- ۲۳۳ ..... کیا عیدین کی نماز کے لیے اذان دینا مشروع ہے؟

- ۲۳۴ ..... ﴿اذان واقامت میں ”أشهد أن محمداً رسول الله“ پراگلوٹھے چومنا
- ۲۳۵ ..... تکبیر میں افراد اور اذان میں ترجیح احناف کے یہاں سنت نہیں۔
- ۲۳۶ ..... اذان کے وقت تلاوت جاری رکھنا اور اذان کا جواب نہ دینا۔
- ۲۳۸ ..... اذان کے دوران سر آیا جہر اُتلاوت کرنا۔
- ۲۳۹ ..... مؤذن کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا اقامت کہنا۔
- ۲۳۹ ..... مؤذن کے علاوہ کوئی شخص تکبیر کہے تو کیا حکم ہے؟
- ۲۴۰ ..... جو اذان دے، وہی اقامت کہنے کا زیادہ حق دار ہے۔
- ۲۴۱ ..... اذان دینے والے شخص ہی کا اقامت کہنا ضروری ہے؟
- ۲۴۳ ..... امام کے مصلیٰ پر پہنچتے ہی تکبیر کہنا لازم نہیں۔
- ۲۴۴ ..... ڈاڑھی منڈے کی اذان واقامت۔
- ۲۴۴ ..... ڈاڑھی منڈے کی اقامت کا حکم۔
- ۲۴۵ ..... صحن مسجد میں اذان دینا۔
- ۲۴۶ ..... اذان کے لیے آلہ مکبر الصوت کا استعمال۔
- ۲۴۷ ..... نابالغ کی اذان کا حکم۔
- ۲۴۸ ..... امرداور نامرد کی اذان و تکبیر کا حکم۔
- ۲۴۹ ..... بارہ یا تیرہ سالہ لڑکے کا اذان دینا۔
- ۲۵۰ ..... مانگ بند ہونے کی وجہ سے مؤذن کو اذان سے روک دینا۔
- ۲۵۱ ..... تکبیر میں قد قامت الصلاة کو وصل کے ساتھ پڑھنا۔
- ۲۵۱ ..... مؤذن نے ”حی علی الفلاح“ پہلے پڑھ لیا تو اذان کا دہرا ضروری ہے یا نہیں؟
- ۲۵۲ ..... مسجد میں ایک ہی مصلیٰ ہو، تو وہ پست آواز سے اقامت کہے گا۔
- ۲۵۲ ..... جماعت ثانیہ کے لیے تکبیر کہنا۔
- ۲۵۳ ..... اگر مؤذن خلاف فطرت کام کروا تا ہو؟
- ۲۵۵ ..... نفاس کی حالت میں ماں کا بچے کے کان میں اذان و تکبیر کہنا۔

- ۲۵۵ ..... وقت سے پہلے اذان دینا جائز نہیں ہے، اعادہ مسنون ہے
- ۲۵۷ ..... فاسق و فاجر شخص کو اذان و اقامت کے لیے رکھنا مکروہ تحریمی ہے
- ۲۵۹ ..... ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈ کی اذان معتبر نہیں ہے
- ۲۶۰ ..... لاؤڈ اسپیکر میں اذان کے بعد کی دعاء پڑھنا
- ۲۶۱ ..... اذان کے بعد کی دعاء میں چند کلمات کی زیادتی
- ۲۶۳ ..... اذان کے بعد فوراً ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا

## باب صفۃ الصلاة (۲۶۴-۳۰۵)

### [ شرائط و ارکان اور آداب کا بیان ]

- ۲۶۵ ..... وضو کے بغیر نماز پڑھنا
- ۲۶۶ ..... مسبوق امام کے ساتھ قعدہ اخیرہ میں درود شریف پڑھے گا یا نہیں؟
- ۲۶۷ ..... امام صاحب کا قعدہ اولیٰ میں دیر لگانا
- ۲۶۸ ..... عورتوں کے لیے رکوع اور سجدے کا طریقہ
- ۲۷۰ ..... آنے والے کے لیے امام کا قراءت یا رکوع کو لمبا کرنا
- ۲۷۱ ..... امام سے پہلے یا ساتھ میں سلام پھیرنا
- ۲۷۲ ..... نماز کے بعد کی تسبیحات سے قبل امام کا دعا کرنا
- ۲۷۳ ..... نماز کے بعد دعاء کرنا
- ۲۷۴ ..... نماز کا وقت ہو جانے پر قبرستان میں وقتیہ نماز پڑھنا
- ۲۷۵ ..... تکبیرات انتقالیہ کا ابتدائی اور انتہائی وقت
- ۲۷۶ ..... سورہ فاتحہ اور ضم سورت کی حیثیت
- ۲۷۷ ..... ظہر کی سنن قبلیہ کی چوتھی رکعت میں ضم سورت کا حکم
- ۲۷۸ ..... مقتدی کا سورہ فاتحہ پڑھنا
- ۲۷۸ ..... واجبات، سنن اور نوافل کی ہر رکعت میں اور فرض کی پہلی دو رکعات میں قراءت کی حکمت
- ۲۸۱ ..... فجر، مغرب اور عشاء میں جہری اور ظہر و عصر میں سری قراءت کی حکمت

- ۲۸۲ ..... نماز میں زائد دعاؤں کے پڑھنے کا حکم
- ۲۸۳ ..... نماز کے بعد طلب رزق کی دعا اخلاص کے منافی نہیں
- ۲۸۴ ..... اگر امام پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو، اور مقتدی اقتدا نہ کرے، تو کیا حکم ہے؟
- ۲۸۵ ..... سنت نماز میں اس طرح نیت کرنا کہ: ”میں رسول اللہ ﷺ کے نام کی نماز پڑھتی ہوں“
- ۲۸۶ ..... نماز میں صرف دو آیتیں پڑھنا۔
- ۲۸۷ ..... رکوع کے بارے میں فقہاء کی عبارت ”نصب ساق“ کا مطلب
- ۲۸۸ ..... تشهد میں انگلیوں کا حلقہ کب تک باقی رکھا جائے؟
- ۲۸۹ ..... کثرتِ ازدحام کی وجہ سے اگلی صف کے مصلیٰ کے پیر پر سجدہ کرنا۔
- ۲۹۰ ..... سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ
- ۲۹۰ ..... حالت سجدہ میں اپنے دونوں ہاتھ زمین پر بچھا دینا۔
- ۲۹۱ ..... جمعہ کی نماز میں اگر حدیث لاحق ہو جائے، تو کیا کرے؟
- ۲۹۲ ..... مقتدی کے بعض مسائل
- ۲۹۶ ..... سجدہ میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنے پھر ہاتھ ناک پیشانی رکھے اور اٹھتے وقت اس کے برعکس کرے
- ۲۹۷ ..... سجدے میں پہلے گھٹنے زمین پر رکھنا
- ۲۹۸ ..... ڈیوٹی کے دوران نماز کس طرح ادا کرے؟
- ۳۰۰ ..... امام کا فرض نماز پڑھاتے وقت عمامہ باندھنا
- ۳۰۰ ..... مصلیٰ کو کیسے بند کیا جائے؟
- ۳۰۲ ..... دوران نماز دو پیروں کے درمیان چار انگل کا فاصلہ رکھنا
- ۳۰۳ ..... اگر نماز کے دوران وضو ٹوٹ جائے؟
- ۳۰۴ ..... امام کا سمع اللہ لمن حمد کہنے کے بعد ذرا توقف کرنا

## باب الإمامة (۳۰۶-۳۵۱)

### [ امامت کا بیان ]

- ۳۰۷ ..... ایسے شخص کو امام بنانا، جسے نماز کے فرائض کا علم نہ ہو

- ۳۰۸ ..... نماز میں اس شخص کی اقتدا کرنا، جس کی قراءت صحیح نہ ہو
- ۳۰۸ ..... نماز میں اس شخص کی اقتدا کرنا، جس کی قراءت صحیح نہ ہو
- ۳۰۹ ..... دائمی امام کی غیر حاضری میں عارضی امام نیت کس طرح کرے؟
- ۳۱۱ ..... سوال سے توبہ کرنے والے فقیر کا نماز میں امام بننا
- ۳۱۲ ..... شافعی امام کے پیچھے نماز پڑھنا
- ۳۱۲ ..... وتر کی نماز میں حنفی شخص کا شافعی کی اقتدا کرنا
- ۳۱۶ ..... امر کی امامت کا حکم
- ۳۱۷ ..... ایسے آدمی کے پیچھے فرض نماز پڑھنا جن کی داڑھی نہیں نکلی ہے
- ۳۱۸ ..... پندرہ سالہ بچے کی امامت
- ۳۱۹ ..... پندرہ سالہ بچہ تراویح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟
- ۳۱۹ ..... تیرہ یا چودہ سالہ نابالغ بچے کی امامت
- ۳۲۱ ..... لڑکا اور لڑکی کے بالغ ہونے کی کم سے کم عمر
- ۳۲۲ ..... عورت کا نماز میں امام بننا
- ۳۲۳ ..... مرد کا صرف عورتوں کی امامت کرنا
- ۳۲۳ ..... دوسرے مقتدی کے آنے پر خود امام کا آگے بڑھ جانا
- ۳۲۵ ..... مشق شدہ سورتیں ہی نماز میں پڑھنا
- ۳۲۵ ..... عمامہ کے بغیر نماز پڑھانا
- ۳۲۷ ..... امام صاحب یا مدرس کا نیل بوٹے والا لباس پہننا
- ۳۲۸ ..... حنفی امام کا شافعی مذہب کے موافق نماز پڑھانا
- ۳۲۹ ..... قراءت میں غلطی امام کے لیے موجب ملامت نہیں
- ۳۳۱ ..... نائب امام کی تعداد کتنی ہونی چاہئے؟
- ۳۳۲ ..... عیسائی عورت کے ساتھ نکاح کرنے والے کی امامت
- ۳۳۲ ..... امام کا تقرری کے وقت بدعات سے متعلق شرائط منظور کرنا اور صلح حدیبیہ سے استدلال کرنا



- ۳۳۵ ..... ❁ ولد الزنا کے پیچھے نماز کا حکم
- ۳۳۶ ..... ❁ امام کی تقرری کے لیے متولی کن چیزوں کا خیال رکھے؟
- ۳۳۷ ..... ❁ میت کو غسل دینے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا
- ۳۳۹ ..... ❁ دوران صلاۃ اگر کسی امام کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ کیا کرے؟
- ۳۳۹ ..... ❁ امام صاحب کی اجازت کے بغیر امامت کرانا جائز نہیں
- ۳۴۱ ..... ❁ پیش امام کی اجازت کے بغیر نائب امام کا امامت کرانا
- ۳۴۳ ..... ❁ مہینے میں چار یا پانچ مرتبہ امام صاحب کی جماعت فجر کا فوت ہو جانا
- ۳۴۳ ..... ❁ اگر امام صاحب کی صبح میں آنکھ نہ کھلے، تو انہیں جگانا کیسا ہے؟
- ۳۴۵ ..... ❁ دارالعلوم میں پڑھنے والے طلبہ کے پیچھے نماز پڑھنا
- ۳۴۶ ..... ❁ امام صاحب کی سخت کلامی کی وجہ سے اُن کو معزول کرنا
- ۳۴۷ ..... ❁ حرم شریف میں تعمیر شدہ اونچے مکانات میں رہ کر امام کی اقتدا کرنا
- ۳۴۸ ..... ❁ ایسے شخص کا امامت کرنا، جسے ریح کے خارج ہونے کا عذر ہو
- ۳۴۸ ..... ❁ سفید داغ والے شخص کی امامت
- ۳۴۹ ..... ❁ حافظ قرآن شخص کا جمعہ کے دن تقریر، خطبہ اور نماز پڑھانا
- ۳۴۹ ..... ❁ ناظرہ پڑھے ہوئے شخص کی امامت
- ۳۵۰ ..... ❁ ایسے حافظ کی امامت، جو مسائل نماز سے واقف نہ ہو
- ۳۵۱ ..... ❁ امامت کا زیادہ مستحق کون ہے؟ مسائل جاننے والا غیر حافظ یا بے خبر حافظ قرآن
- ۳۵۱ ..... ❁ ایسے شخص کی امامت، جس کے ہاتھ اور پیر میں نقص ہو

## باب امامۃ الفاسق (۳۵۲-۳۴۱)

### [ فاسق کی امامت کا بیان ]

- ۳۵۳ ..... ❁ ڈاڑھی منڈوانے والے کی امامت
- ۳۵۴ ..... ❁ چار چھ مہینے بیوی سے دور رہنے والے کی امامت
- ۳۵۵ ..... ❁ امام کا ایک مشیت سے کم داڑھی رکھنا

- ۳۵۶ ..... فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام..... ❁
- ۳۵۸ ..... بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت..... ❁
- ۳۵۸ ..... نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری..... ❁
- ۳۶۱ ..... ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا، جن کی بیوی الیکشن کی امیدوار ہو..... ❁
- ۳۶۳ ..... امام و مدرس کی بیوی بے پردہ رہے، تو اُن کی امامت مکروہ ہوگی یا نہیں؟..... ❁
- ۳۶۵ ..... عید میلاد اور مشاعرہ وغیرہ میں پیش پیش رہنے والے حافظ کے پیچھے نماز..... ❁
- ۳۶۶ ..... امام کا ڈاڑھی کٹانا اور اپنی بیوی کو میلے میں بے پردہ گھمانا..... ❁
- ۳۷۰ ..... فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا..... ❁
- ۳۷۱ ..... أَيْضاً..... ❁
- ۳۷۱ ..... ڈاڑھی منڈے کے پیچھے نماز پڑھنا..... ❁
- ۳۷۲ ..... شرابی۔ جس نے فی الحال توبہ کی ہے۔ کا امام بننا..... ❁
- ۳۷۳ ..... بیان میں ایک بات کہنے کے بعد مکر جانے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم..... ❁
- ۳۷۵ ..... امام کا ظہر کی چار سنت پڑھے بغیر امامت کرانا..... ❁
- ۳۷۶ ..... کسی امام سے سنت مؤکدہ چھوٹ جائے، تو اُس کو امامت پر برقرار رکھا جائے گا یا نہیں؟..... ❁
- ۳۷۷ ..... بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت..... ❁
- ۳۷۹ ..... پردے کے متعلق تاویل کرنے والے کی امامت..... ❁
- ۳۸۰ ..... میراث نہ ادا کرنے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم..... ❁
- ۳۸۲ ..... میراث ہڑپ کر لینے والے کو امامت سے علاحدہ کرنا..... ❁
- ۳۸۲ ..... امام متہم کے پیچھے نماز کا حکم..... ❁
- ۳۸۳ ..... أَيْضاً..... ❁
- ۳۸۵ ..... شک کی بنیاد پر امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنے والے کا حکم..... ❁
- ۳۸۶ ..... خلاف شرع بال رکھنے اور داڑھی کتروانے والے کی امامت..... ❁
- ۳۸۷ ..... فاسق امام کے پیچھے نماز اور تراویح کا حکم..... ❁

- ۳۸۹ ..... امام کا کسی اجنبیہ سے ناجائز تعلقات رکھنا۔ ❀
- ۳۹۰ ..... سود کھانے والے کے پیچھے نماز پڑھنے کا شرعی حکم۔ ❀
- ۳۹۱ ..... سودی کاروبار کرنے والے امام اور مؤذن کی امامت و اذان کا حکم۔ ❀
- ۳۹۲ ..... غیر شرعی وضع قطع والے امام کی امامت حکم۔ ❀
- ۳۹۳ ..... داڑھی کٹوانے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم۔ ❀
- ۳۹۶ ..... جھگڑا، بد زبان اور جھوٹے امام کے پیچھے نماز کا حکم۔ ❀
- ۳۹۸ ..... گالی دے کر معافی مانگنے والے شخص کی امامت۔ ❀
- ۴۰۰ ..... بیوی کے حقوق ادا نہ کرنے والے کی امامت۔ ❀
- ۴۰۲ ..... ایضاً۔ ❀
- ۴۰۴ ..... تصویر کھینچوانے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم۔ ❀
- ۴۰۴ ..... سید نہ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو سید کہلانے والے کی امامت۔ ❀
- ۴۰۶ ..... ڈھول بجا بجوانے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم۔ ❀
- ۴۰۷ ..... امام صاحب کاریڈیو کے ذریعہ گانے سننا اور اُن گانوں کے طرز پر نعت پڑھنا۔ ❀
- ۴۰۹ ..... ڈھول تاشے کی نذر کو حضرت خدیجہؓ کی جانب منسوب کرنے والے کی امامت۔ ❀
- ۴۱۱ ..... ڈھول تاشے کی نذر کو حضرت فاطمہؓ کی جانب منسوب کرنے والے کی امامت۔ ❀
- ۴۱۲ ..... اخلاق خراب ہونے کے باوجود امام کو منصب امامت پر برقرار رکھنا۔ ❀
- ۴۱۴ ..... مرض کی وجہ سے نس بندی کرانے والے شخص کی امامت۔ ❀
- ۴۱۵ ..... خاندانی منصوبہ بندی کروانے والے کے پیچھے نماز پڑھنا۔ ❀
- ۴۱۶ ..... اپنی بیوی کی بچہ دانی نکلوا دینے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا۔ ❀
- ۴۱۷ ..... مجبوری میں بچہ دانی نکلوا دینے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا۔ ❀
- ۴۱۸ ..... وضع حمل کی تکلیف کی وجہ سے آپریشن کرانا۔ ❀
- ۴۱۹ ..... نس بندی کرنے والے کی امامت۔ ❀
- ۴۱۹ ..... شراب کا گڑ بیچنے والے امام صاحب کے پیچھے نماز۔ ❀
- ۴۲۰ ..... فاسق امام کے پیچھے نماز کا حکم۔ ❀

- ۴۲۱ ..... ڈیوٹی میں کوتاہی کرنے والے اور جھوٹ بولنے والے شخص کی امامت
- ۴۲۳ ..... ایسے فاسق کی امامت، جو قرآن کریم صحیح نہ پڑھ پاتا ہو
- ۴۲۴ ..... امام کے ساتھ جھگڑا ہو جانے کی وجہ سے مقتدی کا علاحدہ نماز پڑھنا
- ۴۲۷ ..... اس شخص کی امامت، جو ٹی وی دیکھتا ہو اور اس کی بیوی بے پردہ رہتی ہو؟
- ۴۲۹ ..... مرتکب کبائر کی امامت
- ۴۳۱ ..... **ایضاً**
- ۴۳۴ ..... سیاہ خضاب لگانے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا
- ۴۳۵ ..... اجنبیہ کی شرم گاہ سے شرم گاہ ملانے والے کی امامت
- ۴۳۶ ..... گورنمنٹ سے اپنی تنخواہ چھپانے والے کی امامت
- ۴۳۷ ..... مقتدی کا ایسے امام کی اقتدا کرنا، جس کی عیب جوئی میں وہ لگا رہے
- ۴۳۸ ..... اسے شخص کی امامت، جو کرکٹ ٹیم کا کپتان ہو
- ۴۳۹ ..... فلم دیکھنے والے شخص کی امامت

## باب الجماعة (۴۴۲-۴۷۵)

### [جماعت کا بیان]

- ۴۴۳ ..... ترک جماعت کی عادت بنالینا
- ۴۴۶ ..... جماعت کے وقت مسجد کے صحن میں سنت فجر پڑھنا
- ۴۴۷ ..... داعی کا نماز نہ پڑھنے والوں کو مارنا
- ۴۴۸ ..... مسواک کرنے پر رکعت فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو، تو کیا کرے؟
- ۴۴۹ ..... عورتوں کا پردے کے ساتھ مسجد میں تراویح پڑھنا
- ۴۵۰ ..... عورتوں کی تنہا جماعت کا حکم
- ۴۵۱ ..... عورتوں کا رمضان میں ایک امام کی اقتدا میں تراویح ادا کرنا
- ۴۵۱ ..... کیا رکوع میں شامل ہونے والے مقتدی کو تکبیر تحریمہ کا ثواب ملے گا؟

- ۴۵۲ ..... تکبیر اولیٰ کا وقت کب تک رہتا ہے؟
- ۴۵۳ ..... رمضان میں افطاری کے عذر کی وجہ سے مغرب کی جماعت ترک کرنا۔
- ۴۵۳ ..... منفرد حنفی کے پیچھے کسی شافعی کا اقتداء کی نیت سے کھڑا ہو جانا۔
- ۴۵۷ ..... کبیرے میں امام کی تصویر دیکھ کر اقتداء کرنا۔
- ۴۵۹ ..... قریب میں مسجد ہونے کے باوجود چند افراد کا اپنی قیام گاہ پر باجماعت نماز پڑھنا۔
- ۴۶۰ ..... مسجد دور ہونے کی وجہ سے اپنے مکان پر باجماعت فرض نماز ادا کرنا۔
- ۴۶۱ ..... جس امام سے نمازی ناراض ہوں، ان کے پیچھے نماز پڑھنا۔
- ۴۶۲ ..... نجی عداوت کی وجہ سے امام صاحب کے پیچھے نماز نہ پڑھنا۔
- ۴۶۳ ..... جس امام سے مقتدی ناراض ہوں، ان کی امامت کا حکم۔
- ۴۶۳ ..... امام سے ناراض ہو کر اگر کوئی جماعت ترک کر دے؟
- ۴۶۴ ..... نماز باجماعت ہو جانے کے گمان سے گھر پر نماز پڑھ لینا۔
- ۴۶۵ ..... غلطی کی وجہ سے امام نماز کا اعادہ کرے، تو مسبوق اور نو وارد کیا کرے؟
- ۴۶۶ ..... بغیر وضو ادائیگی کی ہوئی نماز کا اعادہ کرتے وقت نئے مقتدی کا شرکت کرنا۔
- ۴۶۶ ..... واجب الاعادہ نماز میں امام کے ساتھ نو وارد شخص کی شرکت۔
- ۴۶۷ ..... صحن مسجد میں جماعت ثانیہ۔
- ۴۶۸ ..... جماعت فوت ہونے پر مسجد میں الگ سے جماعت کرنا۔
- ۴۶۸ ..... جماعت ثانیہ کا حکم۔
- ۴۷۰ ..... ایک مسجد میں دوسری مرتبہ جماعت۔
- ۴۷۱ ..... افطار کے بعد تاخیر سے آنے پر مغرب کی جماعت ثانیہ کا حکم۔
- ۴۷۱ ..... جماعت ثانیہ جائز ہے یا نہیں؟
- ۴۷۲ ..... **ایضاً**
- ۴۷۳ ..... جماعت ثانیہ کا شرعی حکم۔
- ۴۷۴ ..... صحن مسجد میں دوسری جماعت قائم کرنا۔

## باب الصفوف (۴۷۶-۴۹۹)

### [جماعت کی صف بندی]

- ۴۷۷ ..... نماز میں صفیں کیسے سیدھی کی جائیں؟
- ۴۷۸ ..... صف اول کی تعریف اور امام کا صف میں کھڑا ہونا۔
- ۴۸۰ ..... جمعہ کے دن امام کا مصلیٰ محراب کی جانب کھینچ کر آگے صف بنانا۔
- ۴۸۱ ..... امام کا پہلی صف میں مقتدیوں سے کچھ آگے کھڑا رہنا۔
- ۴۸۲ ..... پہلی صف کے درمیان منبر حائل ہو جائے، تو کیا وہ پہلی صف کہلائے گی؟
- ۴۸۳ ..... امام کے دائیں بائیں کچھ پیچھے ہٹ کر صف بنانا۔
- ۴۸۵ ..... مصلیٰ پر کھڑا ہونے کے بعد امام کا ادھر ادھر دیکھنا۔
- ۴۸۵ ..... بڑوں کا صف بنانے کے لیے بچوں کی صف کے سامنے سے گزرنا۔
- ۴۸۶ ..... نابالغ بچے کا بڑوں کی صف میں کھڑا ہونا۔
- ۴۸۷ ..... امام کی ہردو جانب مقتدی برابر ہوں۔
- ۴۸۹ ..... اگلی صف پر کیے بغیر پچھلی صف میں کھڑے ہونے والوں کا حکم۔
- ۴۹۰ ..... ضرورت کے وقت چھوٹے بچوں کو بڑوں کی صف میں کھڑا کرنے کا حکم۔
- ۴۹۱ ..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے نواسوں کو صف میں اپنے ساتھ رکھ کر نماز ادا کرنا۔
- ۴۹۲ ..... کسی نمازی کا مسجد سے قریب مدرسہ میں رہ کر امام کی اقتدا کرنا۔
- ۴۹۳ ..... مقتدی حضرات حجتی علی الفلاح کہنے سے قبل ہی کیوں کھڑے ہو جاتے ہیں؟ (ایک تحقیقی جواب)۔
- ۴۹۶ ..... مقتدی حجتی علی الصلاة کے وقت کھڑے ہوں یا اس سے پہلے؟
- ۴۹۸ ..... امام کی دائیں جانب کھڑے ہونے کی فضیلت۔

## باب إدراك الفرائض وقضاء الفوائت (۵۰۰-۵۱۱)

### [فرائض کو پانے اور فوت شدہ نماز کی قضا کا بیان]

- ۵۰۱ ..... امام صاحب کو رکوع میں پانے والا، رکعت کو پانے والا ہوگا۔

- ۵۰۲ ..... مقتدی تکبیر تحریمہ کہہ کر قعدہ میں جا رہا ہو کہ امام سلام پھیر دے
- ۵۰۲ ..... رکوع میں مقتدی کے ہاتھ گھٹنوں تک نہیں پہنچے تھے کہ امام کھڑا گیا
- ۵۰۳ ..... دوران صلاۃ وضو ٹوٹ جائے اور جمع کی زیادتی کی وجہ سے نکلنا دشوار ہو تو کیا کرے؟
- ۵۰۴ ..... فدیہ صلاۃ اپنی بہن یا بھانجی کو دینا
- ۵۰۵ ..... کیا مغرب کی نماز میں مسبوق کے لیے تین قعدے ہو سکتے ہیں؟
- ۵۰۶ ..... نماز میں شریک ہونے والا نو وارد کب رکعت کا پانے والا شمار کیا جائے گا؟
- ۵۰۷ ..... فدیہ صوم کی طرح زندہ آدمی کا فدیہ صلاۃ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟
- ۵۰۹ ..... خروج وقت کے بعد اذان کہہ کر باجماعت نماز پڑھنا
- ۵۰۹ ..... چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا کا طریقہ

## باب مایفسد الصلاة وما یکرہ فیہا (۵۱۲-۵۵۷)

### [ مفسدا ت و مکروہات کا بیان ]

- ۵۱۳ ..... ناپاک کپڑا مصلیٰ پر رکھ کر نماز پڑھنا
- ۵۱۳ ..... لاؤڈ اسپیکر میں نماز پڑھانا
- ۵۱۴ ..... نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کا حکم
- ۵۱۵ ..... بلا ضرورت نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال
- ۵۱۶ ..... نماز اور لاؤڈ اسپیکر
- ۶۱۷ ..... سجدہ میں پیر کا انگوٹھا اٹھ جانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے
- ۵۱۸ ..... بہ حالت سجدہ پاؤں کی انگلیوں کا زمین سے اٹھالینا
- ۵۱۹ ..... سجدہ کی حالت میں پاؤں اٹھالینا
- ۵۱۹ ..... نماز میں گرم ٹوپی وغیرہ سے پیشانی ڈھانک کر سجدہ کرنا
- ۵۲۱ ..... امام کا لنگی پہن کر نماز پڑھانا

- ۵۲۲ ..... نماز میں آگے پیچھے ہٹنا
- ۵۲۳ ..... نماز میں پیر آگے پیچھے ہو جانا یا ایڑی زمین سے اٹھ جانا
- ۵۲۴ ..... رکوع یا سجدہ میں امام سے سبقت کرنا
- ۵۲۵ ..... نماز میں محبوبہ کا خیال آنے سے نماز ترک کرنا
- ۵۲۶ ..... نماز میں شیطانی وسوسا کا علاج
- ۵۲۷ ..... شخنوں سے نیچے پا جامہ لٹکانا ہر حال میں ممنوع ہے
- ۵۲۷ ..... نماز کے وقت پائینچے چڑھانا پھر اتار دینا
- ۵۲۸ ..... امام کا قعدہ اخیرہ چھوڑ کر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جانا
- ۵۳۰ ..... قعدہ اخیرہ ترک کر کے سیدھا کھڑا ہو جانا
- ۵۳۰ ..... تصویر والے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا
- ۵۳۳ ..... نماز میں بار بار چھینک آنے پر ہاتھ، منہ پر رکھنا
- ۵۳۴ ..... نماز میں چھینک آنے پر الحمد للہ کہنا
- ۵۳۴ ..... ایک رکن میں تین مرتبہ کھجلا نا
- ۵۳۵ ..... نماز میں مقتدی کا ایک رکن میں تین مرتبہ ہاتھ اٹھانا
- ۵۳۵ ..... نماز میں اللہ کے خوف سے رونے سے کوئی فساد نہیں آتا ہے
- ۵۳۶ ..... مسجد کی چھت پر تراویح اور فرض نماز پڑھنا
- ۵۳۷ ..... گرمی کی شدت کی وجہ سے مسجد کی چھت پر نماز اور تراویح ادا کرنا
- ۵۳۸ ..... نفل نماز میں قرآن کریم دیکھ کر قراءت کرنا
- ۵۳۹ ..... قعدہ اخیرہ چھوڑ کر مزید دو رکعت ملانے کی صورت میں فرض کا متغیر ہو جانا
- ۵۴۰ ..... چار رکعت فرض کی جگہ پانچ رکعت پڑھنا
- ۵۴۱ ..... کسی وجہ سے امام صاحب کے ساتھ رکوع چھوٹ جائے، تو کیا کرے؟
- ۵۴۲ ..... امام کے ساتھ کسی مقتدی کا سجدہ ثانیہ چھوٹ جائے تو کیا کرے؟
- ۵۴۳ ..... قراءتِ سبعہ کی تمام روایتوں کو ایک نماز میں پڑھنا



- ۵۴۳ ..... پلاسٹک کی سخت ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا
- ۵۴۴ ..... امام صاحب کو لقمہ دینا مفسد صلاۃ نہیں ہے
- ۵۴۴ ..... مصلیٰ کے سامنے کا پردہ سترہ کے قائم مقام ہے
- ۵۴۶ ..... امام کا سترہ مقتدیوں کے لیے کافی ہے
- ۵۴۶ ..... سجدے میں جاتے ہوئے ازار اور پتلون کو سمیٹنا
- ۵۴۷ ..... نماز کی حالت میں جمائی آنا اور روکنے کی صورت میں آنکھوں سے پانی بہنا
- ۵۴۸ ..... نماز کا وقت ختم ہو جانے کے خوف سے استنجاء کے شدید تقاضہ کے ساتھ نماز پڑھنا
- ۵۴۹ ..... امام سری نماز میں جہر اقرآت شروع کر دے تو مقتدی اُسے کیسے آگاہ کرے؟
- ۵۵۰ ..... دوران صلاۃ امام صاحب کی لنگی کی گرہ کھل جائے، تو وہ بقیہ نماز کیسے پوری کریں؟
- ۵۵۱ ..... نماز میں کسی نابالغ کا لقمہ دینا
- ۵۵۱ ..... کھجور کے درخت کی پتیوں سے بنی ہوئی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا
- ۵۵۲ ..... عورتوں کا ایسی چوڑیاں پہن کر نماز پڑھنا، جن میں باریک تصویریں ہوں
- ۵۵۲ ..... جان بوجھ کر بغیر ٹوپی پہنے نماز پڑھنا
- ۵۵۳ ..... قلیل کلام مفسد صلاۃ ہے
- ۵۵۴ ..... نماز میں بلا ضرورت عادتاً کھٹکھٹا کرنا
- ۵۵۵ ..... کیا نمازی کے آگے سے گزرنا اور ہٹنا دونوں برابر ہیں؟
- ۵۵۶ ..... مصلیٰ کے آگے سے اٹھ جانا
- ۵۵۶ ..... امام کا محراب میں کھڑا ہونا
- ۵۵۷ ..... امام کا محراب کے اندر کھڑے رہ کر نماز پڑھنا

## باب القراءة وزلة القاري (۵۵۸-۵۹۱)

[قراءت اور قاری کی لغزش کا بیان]

- ۵۵۹ ..... فجر کی نماز میں ۴۰ سے ۵۰ آیتیں پڑھنا استحباب کے لیے کافی ہے

- ۵۶۲ ..... قراءت کے دوران آیات کے ترک یا رد و بدل سے نماز کا حکم
- ۵۶۳ ..... آیت کی تبدیلی میں تغیر فاحش ہو گیا، تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟
- ۵۶۳ ..... کیا اسی رکعت میں اصلاح ضروری ہے، بعد میں اصلاح کافی نہیں؟
- ۵۶۵ ..... قراءت کی غلطی کی دوسری رکعت میں اصلاح معتبر ہے یا نہیں؟
- ۵۶۷ ..... قراءت میں غلطی کے بعد اصلاح کر لینے سے نماز کا حکم
- ۵۶۷ ..... امام کا ”إن الأبرار لفي نعيم“ کے بجائے ”إن الأبرار لفي جحيم“ پڑھ کر اصلاح کر لینا
- ۵۶۸ ..... امام نے یَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَبَاقِ دُمُورٍ کے بجائے یَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ پڑھا تو؟
- ۵۶۸ ..... تجوید کے لحاظ سے امام صاحب کی قراءت صحیح نہ ہونے پر کیا حکم ہے؟
- ۵۷۴ ..... سورۃ عادیات کی آیتوں میں وصل کرتے ہوئے تنوین کو ظاہر نہ کرنا
- ۵۷۴ ..... امام کو متنبہ کرنے کی غرض سے ”جزاک اللہ“ کہنا
- ۵۷۶ ..... ”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ“ الآية کے بجائے يَا أَيُّهَا النَّاسُ پڑھنا
- ۵۷۷ ..... امام کا قراءت میں وقف وغیرہ میں غلطی کرنا اور آیتوں کا بھول جانا
- ۵۷۸ ..... نماز میں غلطی سے ”رب العرش العظیم“ کے بجائے ”رب العرش الکریم“ پڑھ لیا
- ۵۷۸ ..... امام کا الراء میں لام کو کھینچنے بغیر اور ”إن نسینا“ میں دوسرے نون کو کھینچ کر پڑھنا
- ۵۸۰ ..... لحن جلی کے ساتھ تلاوت کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا
- ۵۸۲ ..... امام کا قراءت میں کسی حرف کو بڑھا دینا
- ۵۸۳ ..... ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جو ترتیب قراءت سے واقف نہ ہوں
- ۵۸۴ ..... ایسا امام متعین کرنا، جس کے پیچھے نماز فاسد ہوتی ہو
- ۵۸۴ ..... غلط قراءت کرنے والے کے پیچھے علماء و حفاظ کی نماز صحیح ہوگی؟
- ۵۸۵ ..... فرض نماز کی قراءت میں اعتدال ہونا چاہیے
- ۵۸۸ ..... سورتوں کی ترتیب الٹنے سے نماز ہوگی یا نہیں؟
- ۵۸۸ ..... امام صاحب کا لہب میں کاکی جگہ ح اور الحمد کی جگہ ہ پڑھنا

## باب الوتر والنوافل والتہجد (۵۹۲-۶۳۱)

### [ وتر، نوافل اور تہجد کا بیان ]

- ۵۹۳ ..... تہجد کی رکعتوں کی تعداد
- ۵۹۳ ..... صلاۃ التبیح افضل ہے یا تہجد؟
- ۵۹۵ ..... نماز تہجد پڑھنا افضل ہے یا صلاۃ التبیح؟
- ۵۹۵ ..... کیا نوافل کا اہتمام سنت کے خلاف ہے؟
- ۵۹۶ ..... وتر کی نماز مسلسل ترک کرنا
- ۵۹۷ ..... ضرورت کے پیش نظر فرض نماز پر اکتفاء کرنا
- ۵۹۷ ..... سنن مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کی تعریف اور ان کا حکم
- ۶۰۲ ..... نفل اور سنت نماز کا حکم اور ان کی تعداد
- ۶۰۲ ..... کم وقت میں زیادہ رکعت پڑھنے والا بہتر ہے یا زیادہ وقت میں کم رکعت پڑھنے والا؟
- ۶۰۳ ..... بہن کی ہم نام خاتون کے ساتھ نکاح کے لیے صلاۃ استخارہ
- ۶۰۴ ..... استخارہ کا طریقہ
- ۶۰۶ ..... سنن ونوافل کو گھر میں ادا کرنا اور عشاء کی اخیری دو رکعت بیٹھ کر ادا کرنا
- ۶۰۸ ..... رمضان میں تہجد کی نماز باجماعت پڑھنے کا حکم
- ۶۱۰ ..... تہجد کی نماز باجماعت پڑھنا اور طلوع صبح صادق کے بعد اور اذان فجر سے قبل پڑھنا
- ۶۱۰ ..... نماز کی حالت میں کھجلانا، چمچھر کو بھگانا اور سجدے کی حالت میں زمین سے پیراٹھانا
- ۶۱۳ ..... نماز وتر میں دعاء قنوت کے وجوب پر ایک اشکال کا جواب
- ۶۱۳ ..... رمضان میں عشاء کی نماز باجماعت کے ساتھ نہ پڑھنے والے کے لیے وتر کا حکم
- ۶۱۵ ..... سنن قبلیہ کو فرض نماز کے بعد پڑھنا
- ۶۱۶ ..... تنہا فجر کی سنت کی قضاء کرنا
- ۶۱۷ ..... وتر کی نماز میں دعاء قنوت کے بعد درود شریف پڑھنا
- ۶۱۸ ..... وتر کی نماز تہجد کے بعد پڑھنا

- ۶۱۹ ..... ❁ فرض نماز کے بعد سنن و نوافل کے لیے جگہ تبدیل کرنا
- ۶۲۰ ..... ❁ نماز کا وقت ہو جانے پر اذان سے پہلے سنن قبلیہ پڑھی جاسکتی ہیں یا نہیں؟
- ۶۲۱ ..... ❁ اذان کے بعد تحیۃ الوضوء یا تحیۃ المسجد پڑھنا
- ۶۲۲ ..... ❁ فجر کی نماز کے علاوہ کسی اور نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھنا
- ۶۲۳ ..... ❁ قنوتِ نازلہ کب تک پڑھی جائے؟
- ۶۲۵ ..... ❁ وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں دعائے قنوت پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟
- ۶۲۵ ..... ❁ زوال کے بعد پڑھی جانے والی سنت کا ثواب
- ۶۲۶ ..... ❁ فرض پڑھے بغیر وتر کی اقتدا کرنا
- ۶۲۷ ..... ❁ جمعہ کی پہلی چار سنت مؤکدہ چھوٹ جائے تو کب پڑھے؟

## باب الاستسقاء (۶۲۹-۶۳۱)

[ طلب باران کا بیان ]

- ۶۲۹ ..... ❁ قحط سالی میں قنوتِ نازلہ اور نمازِ استسقاء پڑھنا

## باب التراویح (۶۳۲-۶۵۳)

[ تراویح کا بیان ]

- ۶۳۳ ..... ❁ بیس رکعات تراویح کا ثبوت اور اس کی حقیقت
- ۶۳۵ ..... ❁ حضرت عمرؓ کا بیس رکعات تراویح پر لوگوں کو جمع کرنے کی حکمت
- ۶۳۶ ..... ❁ بیس رکعات تراویح کا ثبوت حضرت عمرؓ کے عمل سے
- ۶۳۸ ..... ❁ مستقل امام کو حق تراویح ہے یا دوسرے مقررہ حافظ کو؟
- ۶۳۹ ..... ❁ نابالغ کا تراویح پڑھانا
- ۶۴۱ ..... ❁ مسجد کے فنڈ سے تراویح پڑھانے والے کا ہدیہ اور خطیب کا خرچ ادا کرنا
- ۶۴۲ ..... ❁ تراویح کے بعد وتر سے پہلے اجتماعی دعاء کا حکم
- ۶۴۳ ..... ❁ تراویح پڑھانے والے کو ہدیہ پیش کرنا

- ۶۴۳ ..... تراویح پر اجرت لینا
- ۶۴۴ ..... تراویح پڑھانے کی اجرت لینا
- ۶۴۵ ..... تراویح اور ہدیہ
- ۶۴۶ ..... رمضان میں عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ نہ پڑھنے والے کے لیے وتر کا حکم
- ۶۴۶ ..... تراویح کے کسی ترویجہ میں آیت سجدہ چھوٹ جانے پر دوسرے ترویجہ میں قضا کرنا
- ۶۴۷ ..... تراویح کی تمام رکعت کی ایک ساتھ نیت کرنا کافی ہے
- ۶۴۸ ..... رمضان کی ستائیسویں شب میں ہی قرآن مکمل کرنا ضروری نہیں ہے
- ۶۴۹ ..... ۲۷ رویں شب میں ختم قرآن کو ضروری سمجھنا
- ۶۵۱ ..... بلا عذر تہا نماز تراویح ادا کرنا
- ۶۵۲ ..... محلہ کی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں نماز اور تراویح ادا کرنا
- ۶۵۳ ..... پیشگی اعلان کرنا کہ پہلی یا دوسری رکعت میں سجدہ تلاوت ہے

## باب سجود السہو (۶۵۳-۶۶۶)

### [ سجدہ سہو کا بیان ]

- ۶۵۵ ..... ارکان کی ادائیگی کے دوران ایک رکن کی مقدار میں یا اس سے زیادہ تفکر کرنا
- ۶۵۶ ..... ایک رکعت کا مسبوق فوت شدہ رکعت میں سورت ملانا بھول گیا تو؟
- ۶۵۷ ..... تیسری رکعت میں سہو کس قدر بیٹھنے سے سجدہ سہو لازم ہوگا؟
- ۶۵۹ ..... قعدہ اولیٰ میں التیامات کے بعد درود شریف پڑھنا
- ۶۶۰ ..... قیام میں امام صاحب کا تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے بعد خاموش کھڑا رہنا اور قراءت شروع نہ کرنا
- ۶۶۰ ..... فرض کی تیسری رکعت میں سورت ملا لینے سے سجدہ سہو واجب نہ ہوگا
- ۶۶۱ ..... قعدہ اولیٰ میں تشهد کے بعد درود شریف پڑھنے سے سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں
- ۶۶۲ ..... امام صاحب کا قعدہ اولیٰ میں درود شریف پڑھنا موجب سہو ہے
- ۶۶۳ ..... سجدہ سہو میں دو کے بجائے ایک ہی سجدہ کیا، تو کیا حکم ہے؟

- ۶۶۳ ..... ❁ تیسری رکعت میں قعدہ کر کے چوتھی رکعت کے بعد سجدہ سہو کر لے تو نماز درست ہو جائے گی
- ۶۶۵ ..... ❁ سجدہ تلاوت کی آیت پڑھنے سے قبل سجدہ تلاوت کرنا
- ۶۶۵ ..... ❁ امام کا قعدہ اخیرہ چھوڑ کر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جانا

## باب سجود التلاوة (۶۶۷-۶۷۷)

### [ سجدہ تلاوت کا بیان ]

- ۶۶۷ ..... ❁ خارج صلاۃ شخص نے امام صاحب سے سجدہ کی آیت سنی، تو کیا کرے؟
- ۶۶۷ ..... ❁ نماز کے باہر کوئی شخص، امام سے آیت سجدہ سنے
- ۶۶۸ ..... ❁ ایک ہی جگہ متعدد آیات سجدہ تلاوت کرنے کا حکم
- ۶۶۹ ..... ❁ مسجد کی مختلف جگہوں میں آیت سجدہ متعدد بار تلاوت کرنے کا حکم
- ۶۷۰ ..... ❁ نماز میں دو مرتبہ ایک ہی آیت سجدہ کی تلاوت سے، ایک سجدہ واجب ہوگا
- ۶۷۱ ..... ❁ نماز میں آیت سجدہ پر سجدہ تلاوت نہ کرنا
- ۶۷۲ ..... ❁ سجدہ کی آیت سننے والوں پر سجدہ کا واجب ہونا
- ۶۷۲ ..... ❁ امام کا وقتاً فوقتاً نماز میں آیت سجدہ پڑھنا
- ۶۷۳ ..... ❁ آیت سجدہ پڑھ کر فوراً رکوع کر کے، اس میں سجدے کی نیت کر لینا
- ۶۷۵ ..... ❁ سجدہ تلاوت ادا کرنے کا طریقہ
- ۶۷۵ ..... ❁ تفسیر قرآن کے دوران لوگوں کی رعایت کرتے ہوئے آیت سجدہ آہستہ پڑھنا

## باب صلاة المريض والمسافر (۶۷۸-۷۰۹)

### [ مریض اور مسافر کی نماز کا بیان ]

- ۶۷۹ ..... ❁ پہلی صف میں کرسی پر نماز پڑھنا
- ۶۸۱ ..... ❁ مسافر کا چار رکعت پڑھنا یا پڑھانا
- ۶۸۲ ..... ❁ ایام حج میں مسافر کا امامت کرنا

- ۶۸۲ ..... ایس ٹی کانڈیکٹر روزانہ اٹھتر کلومیٹر کا سفر کرے، تو کون سی نماز پڑھے گا؟
- ۶۸۳ ..... مسافر سفر سے واپس ہوتے ہوئے کہاں پہنچے گا، تو مقیم ہوگا؟
- ۶۸۳ ..... بس کی سیٹ پر نماز پڑھنا.....
- ۶۸۴ ..... بس کے انجن کی سیٹ پر نماز پڑھنا.....
- ۶۸۵ ..... منی، عرفات اور مزدلفہ میں نمازوں کا حکم.....
- ۶۸۶ ..... سفر کے دوران فرض نمازوں کا حکم.....
- ۶۸۶ ..... مختلف مقامات میں ٹھہرنے کی نیت سے نمازوں کا حکم.....
- ۶۸۷ ..... ٹھہر ٹھہر کر سفر کرنے کی صورت میں نمازوں کا حکم.....
- ۶۸۸ ..... ملازمت کرنے والا جب اپنے وطن اصلی آئے تو اس کی نمازوں کا حکم.....
- ۶۸۸ ..... مسافر کسی ایک جگہ پندرہ دن اقامت کی نیت کرنے سے مقیم ہو جاتا ہے.....
- ۶۸۹ ..... مقیم کا مسافر امام کی اقتداء میں نماز ادا کرنا.....
- ۶۹۰ ..... سفر شرعی کی مقدار.....
- ۶۹۱ ..... مسافتِ سفر میں طویل و قریب دور استوں میں سے کس کا اعتبار ہوگا؟
- ۶۹۱ ..... مسافر کب قصر کرے اور کب اتمام؟
- ۶۹۳ ..... مسافر پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے.....
- ۶۹۳ ..... وطن اصلی میں اتمام ضروری ہے، خواہ ایک دن ہی ٹھہرنے کا ارادہ کیوں نہ ہو.....
- ۶۹۳ ..... مسافر نے بھول سے ظہر کی چار رکعت پڑھ لی تو کیا حکم ہے؟
- ۶۹۵ ..... ایک ہی شہر کی مختلف جگہوں پر پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت ہو تو؟
- ۶۹۶ ..... مسافتِ سفر پر جانے والا بس ڈرائیور قصر کرے گا.....
- ۶۹۷ ..... مسافتِ سفر میں فناءِ مصر کا اعتبار.....
- ۶۹۹ ..... سمندری جہاز کے ملازم کے لیے قصر کا حکم.....
- ۷۰۰ ..... بیرون ملک سے فرض نماز ادا کر کے ہندوستان آنے والے کی دوبارہ اسی نماز میں شرکت.....
- ۷۰۰ ..... وطن سے کتنی مسافت پر قصر کا حکم ہے؟ کن کن نمازوں میں قصر کا حکم ہے؟ اگر لمبا سفر ہو تو کب تک قصر کرے؟

- ۷۰۱ ..... شہر کے ریلوے اسٹیشن سے قصر شروع کرنا
- ۷۰۲ ..... ایام حج میں منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کے قیام کے دوران کن نمازوں میں قصر کیا جائے؟
- ۷۰۳ ..... وطن اصلی کے علاوہ کسی اور جگہ دس بارہ دن رہنے والا شخص مقیم ہوگا یا نہیں؟
- ۷۰۴ ..... ۴۸ میل کی مسافت کا ارادہ کرنے والا دوران سفر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کرے، تو قصر کرے گا یا اتمام؟
- ۷۰۵ ..... تحقق سفر کے لیے وطن ہی سے نیت سفر شرط ہے یا نہیں؟
- ۷۰۷ ..... مسافر کے لیے مقیم امام کی اقتدا میں پوری نماز پڑھنا.....

## باب الجمعة (۷۱۰-۷۲۹)

### [ جمعہ کا بیان ]

- ۷۱۱ ..... جمعہ کی اذان اول پر سعی واجب ہے یا اذان ثانی پر؟
- ۷۱۲ ..... نماز جمعہ کی جماعت کی صحت کے لیے کتنے مقتدی کا ہونا ضروری ہے؟
- ۷۱۳ ..... خطبہ میں ان اللہ و ملئکتہ... سن کر بلند آواز سے درود پڑھنا.....
- ۷۱۴ ..... جمعہ کے بعد امام سے مصافحہ کرنا.....
- ۷۱۵ ..... جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے وعظ کہنا اور مقررہ وقت سے زائد لینا.....
- ۷۱۶ ..... جمعہ سے قبل بیان ثابت ہے، بدعت نہیں ہے.....
- ۷۲۰ ..... جمعہ میں خطبہ سے پہلے تقریر کرنا ثابت ہے یا نہیں؟
- ۷۲۱ ..... جمعہ کے خطبہ سے پہلے کس موضوع پر بیان کرنا چاہیے؟
- ۷۲۲ ..... جمعہ کے دن اذان اور خطبہ کے درمیان وعظ کا حکم.....
- ۷۲۳ ..... جمعہ کی نماز کے لیے عمامہ باندھنا.....
- ۷۲۴ ..... خطیب کا ہاتھ میں عصا لینا.....
- ۷۲۶ ..... جمعہ کے دن خطبہ دیتے وقت خطیب کا عصا کو ہاتھ میں لینا.....
- ۷۲۶ ..... خطبہ جمعہ میں امام کا عصا لے کر کھڑا ہونا.....
- ۷۲۷ ..... خطبہ جمعہ کے دوران امام کا عصا پکڑنا.....



- ۷۲۷ ..... سنت مؤکدہ، غیر مؤکدہ اور مباح کے معنی
- ۷۳۰ ..... بڑی مسجد میں خطبہ اردو میں ہو تو چھوٹی مسجد میں قیام جمعہ
- ۷۳۱ ..... خطبہ جمعہ کا اردو ترجمہ منبر پر پڑھنا
- ۷۳۱ ..... ایک گاؤں میں دو جگہ جمعہ کی نماز قائم کرنا
- ۷۳۳ ..... ایک سے زیادہ جگہ پر جمعہ ادا کرنا
- ۷۳۴ ..... ایک گاؤں میں دو جگہ جمعہ ادا کرنا
- ۷۳۵ ..... شہر یا قصبہ کی ایک سے زائد مسجدوں میں جمعہ جائز ہے
- ۷۳۶ ..... بلا ضرورت گاؤں کی متعدد مساجد میں جمعہ شروع کرنا
- ۷۳۸ ..... بارش کے عذر کی وجہ سے صرف برسات کے موسم کے لیے عبادت خانہ میں جمعہ پڑھنا
- ۷۳۸ ..... جمعہ کی صرف دو رکعتیں فرض پڑھنا اور سنتوں کو چھوڑ دینا
- ۷۴۰ ..... جمعہ کی نماز کے لیے جامع مسجد جانا ضروری نہیں
- ۷۴۰ ..... جمعہ کی پہلی اذان کے بعد غسل کرنے کا حکم
- ۷۴۱ ..... منبر کے چوتھے زینے سے خطبہ دینا کیسا ہے؟
- ۷۴۲ ..... جمعہ کا بیان مقررہ وقت پر ختم نہ کرنا
- ۷۴۴ ..... جمعہ کے روز تقریر کو ضروری سمجھنا اور اس کی وجہ سے جمعہ کو مؤخر کرنا
- ۷۴۶ ..... جمعہ کی اذانِ ثانی امام کے سامنے ہونی چاہیے یا صحنِ مسجد میں؟
- ۷۴۷ ..... قید خانہ میں نماز جمعہ ادا کرنا
- ۷۴۸ ..... جمعہ کی نماز کے وقت تجارت کے لیے دکان کھلی رکھنا
- ۷۴۹ ..... جمعہ کے خطبہ کے دوران مسجد کا چندہ کرنا

## باب الجمعة في القرى (۷۵۰-۷۸۷)

[ گاؤں میں جمعہ کا قیام ]

- ۷۵۲ ..... چھوٹے گاؤں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جا رہا ہو تو؟

- ۷۵۵ ..... دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل
- ۷۶۰ ..... قصبہ میں نماز جمعہ اور دیہات کے باشندے کی اس میں شرکت
- ۷۶۰ ..... چار ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم
- ۷۶۱ ..... چھوٹے دیہات والوں کا جمعہ کے دن ظہر پڑھنا
- ۷۶۳ ..... چار ہزار کی آبادی والے گاؤں میں جمعہ پڑھنا
- ۷۶۵ ..... رویدرا میں جمعہ
- ۷۶۹ ..... رویدرا اور کرمالی میں جمعہ جائز ہے؟
- ۷۷۱ ..... چھوٹے گاؤں میں عرصہ سے جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھی جا رہی ہو تو اس کو بند کرنا کیسا ہے؟
- ۷۷۲ ..... چھوٹے گاؤں میں جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھنا
- ۷۷۳ ..... جمعہ کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے اپنے گاؤں میں جمعہ کی نماز قائم کرنا
- ۷۷۴ ..... چھوٹے دیہات میں جمعہ اور عیدین کی نماز کا شرعی حکم
- ۷۷۵ ..... بڑے دیہات اور قصبہ میں نماز جمعہ کا شرعی حکم
- ۷۷۵ ..... فناء شہر کے باشندگان پر جمعہ لازم ہے
- ۷۷۶ ..... گاؤں سے چار کیلومیٹر کی دوری پر واقع باڑی میں کام کرنے والوں کے لیے نماز جمعہ کا حکم
- ۷۷۷ ..... سروس والے گاؤں میں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تو کیا کیا جائے؟
- ۷۷۸ ..... چھوٹی بستی میں جمعہ کی نماز کا حکم
- ۷۷۹ ..... چھوٹے گاؤں میں جمعہ و عیدین صحیح نہیں ہے
- ۷۸۲ ..... بستی سے باہر ایک کلومیٹر کی دوری پر کالونی میں جمعہ ادا کرنا
- ۷۸۲ ..... چھوٹے دیہات میں رہنے والے کا جمعہ ترک کرنا
- ۷۸۳ ..... چھوٹی بستی میں قیام جمعہ
- ۷۸۴ ..... کارخانے والے علاقے میں جمعہ کا حکم
- ۷۸۵ ..... دیہات میں فتنہ و فساد سے بچنے کے لیے امام کا نماز جمعہ پڑھانا
- ۷۸۶ ..... قصبہ سے قریب ہوٹل والوں پر جمعہ

## باب العیدین (۷۸۸-۸۰۸)

### [ عیدین کا بیان ]

- ۷۸۸ ..... ۱۳ رذی الحجہ کی عصر کی نماز اور عید کی نماز کے بعد تکبیر تشریح پڑھنے کا حکم
- ۷۸۹ ..... تکبیر تشریح پڑھنے کی مقدار.....
- ۷۹۰ ..... عید کی نماز میں ایک زائد تکبیر چھوٹ جائے، تو کیا حکم ہے؟
- ۷۹۱ ..... امام صاحب اگر عیدین کی زائد تکبیر کہنا بھول جائے.....
- ۷۹۳ ..... عید کے دن مصافحہ کرنا.....
- ۷۹۴ ..... نماز عید میں تقدیم خطبہ مکروہ ہے.....
- ۷۹۴ ..... خطبہ سننے کے لیے لوگوں کو پھلانگ کر آگے جانا.....
- ۷۹۵ ..... عید میں نماز، دعا، خطبہ اور بیان میں ترتیب.....
- ۷۹۷ ..... نماز عید کے بعد کب دعاء مانگی جائے؟.....
- ۷۹۸ ..... نماز عید کے بعد دعا کا مناسب محل.....
- ۷۹۹ ..... عید گاہ میں نماز جنازہ اور جنازہ گاہ میں عید کی نماز پڑھنا.....
- ۸۰۰ ..... عیدین کی نماز کہاں ادا کرنا افضل ہے؟.....
- ۸۰۱ ..... عید الفطر میں عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیر آہستہ آواز سے پڑھی جائے.....
- ۸۰۲ ..... صرف عید الفطر کی رات کو لیلۃ الجائزہ کہا جاتا ہے.....
- ۸۰۳ ..... عید کی نماز سے پہلے نفل نماز پڑھنا.....
- ۸۰۴ ..... عید گاہ نہ ہونے کی وجہ سے کھیل کود کے میدان میں عیدین کی نماز ادا کرنا.....
- ۸۰۶ ..... بارش کی وجہ سے عید گاہ میں چھت قائم کرنا.....
- ۸۰۷ ..... کھیل کود کے میدان میں عید کی نماز پڑھنا.....
- ۸۰۸ ..... عید کی نماز میں شافعی امام کی اقتدا کرے، تو کتنی تکبیر کہے؟.....

## تقریظ و تائید

## فقہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم

ناظم: المعهد العالی الاسلامی، حیدرآباد، جنرل سکرٹری: اسلاک فقہ اکیڈمی - انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فتویٰ کا مادہ ”ف، ت، ی“ ہے، فتویٰ اور فتیاء، افتاء سے ماخوذ ہے، افتاء کے معنی کسی امر کو واضح کرنے کے ہیں: أفناه في الأمر، أبانه له. (القاموس المحیط ص: ۷۰۲) فتیاء تو ”ف“ کے پیش کے ساتھ ہی استعمال ہوتا ہے؛ لیکن فتویٰ ”ف“ کے پیش اور زبر؛ دونوں طریقے پر استعمال کیا جاتا ہے۔ (حوالہ سابق) البتہ ”ف“ پر زبر زیادہ مشہور اور مروج ہے، اور اہل مدینہ کی لغت بھی یہی ہے: الفتح في الفتوى لأهل المدينة. (لسان العرب: ۳۳۳۸) بل کہ علامہ زبیدی کا رجحان تو اس طرف ہے کہ فتیاء ”ف“ کے پیش کے ساتھ ہونا چاہیے اور فتویٰ ”ت“ کے زبر کے ساتھ ہی ہونا چاہیے۔ (دیکھیے: تاج العروس: ۳۸۲۰)۔ افتاء کے معنی فتویٰ دینے کے ہیں اور استفتاء کے معنی فتویٰ طلب کرنے کے ہیں۔

قرآن مجید میں افتاء اور استفتاء کے الفاظ مجموعی طور پر گیارہ (۱۱) جگہ استعمال ہوئے ہیں، اور حدیث کی نو (۹) مشہور کتب، جن کی فہرست سازی ”المعجم المفہرس“ میں کی گئی ہے، میں بارہ (۱۲) مواقع پر فتیاء کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ (دیکھیے ”المعجم المفہرس“ لالفاظ الحدیث النبوی الشریف“ کی متعلقہ بحث)

فتویٰ کی اصطلاحی تعریف کے سلسلے میں اہل علم نے مختلف تعبیرات اختیار کی ہیں؛ بعض لوگوں نے فتویٰ کی وہی تعریف کی ہے، جو ”اجتہاد“ کی ہے؛ کیوں کہ متقدمین کے نزدیک افتاء اور مفتی سے مراد مجتہد ہوا کرتا تھا؛ اس لیے بہت سے علمائے اصول نے اجتہاد و تقلید کی بحث میں افتاء اور استفتاء کے احکام ذکر کیے ہیں، بعد کے فقہاء نے افتاء کی ایسی تعریف کی ہے، جس میں بہ مقابلہ اجتہاد کے عموم پایا جاتا ہے، علامہ قرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الفتوى إخبار عن الله تبارك وتعالى في إلزام أو إباحة. (كتاب الفروق: ۵۳/۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی امر کے لازم ہونے یا مباح ہونے کی خبر دینا فتویٰ ہے۔

علامہ بنائی رقم طراز ہیں:

الإخبار بالحکم من غیر الزام. (حاشیہ جع الجوامع: ۲/۳۹۷)

لازم قرار دیے بغیر کسی حکم کی بابت خبر دینے کو فتویٰ کہتے ہیں۔

علامہ حصکفیؒ کی عبارت سے ظاہر ہے کہ حکم کے بارے میں خبر دینے کا نام ”افتاء“ ہے:

... إلا أن المفتی مخبر عن الحکم. (الدر المختار ج ۱: ۱۷۶، مقدمہ)

فتویٰ کی اصطلاحی تعریف کے سلسلے میں چند باتیں ملحوظ رکھنی چاہئیں:

☆ مفتی کے فتویٰ کی حیثیت خبر و اطلاع کی ہوتی ہے، جیسے قاضی، فریقین پر احکام کو لازم قرار دیتا ہے، مفتی، مستفتی پر اپنے حکم کو لازم نہیں کرتا، اور نہ وہ اس کا مجاز ہے۔

☆ فتویٰ، حکم سے متعلق ایسی اطلاع کو کہتے ہیں، جو کسی سوال کے جواب میں ہو، سوال و استفسار کے بغیر اپنی طرف سے حکم شرعی کی رہنمائی کی جائے، وہ وعظ و ارشاد ہے نہ کہ فتویٰ۔

☆ فتویٰ ایسے سوال کا جواب ہوتا ہے، جو پیش آمدہ واقعات سے متعلق ہو، اگر کوئی واقعہ پیش نہیں آیا؛ بل کہ اس کو فرض کر کے جواب دیا گیا، تو یہ تعلیم ہے، نہ کہ افتاء، اس طرح فتویٰ کی جامع تعریف ڈاکٹر شیخ حسین محمد ملاح کے الفاظ میں اس طرح ہوگی:

الإخبار بحکم اللہ تعالیٰ عن الوقائع بدلیل شرعی لمن سأل عنه. (الفتویٰ: نشأتها و تطورها: ۱/۳۹۸)

پیش آمدہ واقعات کے بارے میں دریافت کرنے والے کو دلیل شرعی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں خبر دینے کو فتویٰ کہتے ہیں۔

منصب افتاء کی اہمیت اور کار افتاء کی نزاکت:

افتاء کی ذمے داری، بہت ہی نازک ذمے داری ہے، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی ہے: ﴿قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِیْہِمْ﴾ [النساء: ۱۲۷] ایک اور موقع پر ارشاد ہے: ﴿قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِی الْکَلِمَۃِ﴾ [النساء: ۱۷۶] گویا اللہ تعالیٰ کی ذات خود مفتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے منشا کی تشریح و توضیح، اپنے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کو حوالے کی: ﴿لَعَلَّہُمْ یَلْتَمِیْنُوْنَ لِلنَّاسِ مَا نَزَّلَ الْبَحْرِ﴾ [النحل: ۳۳] یہ بیان و وضاحت کی ذمے داری، آپ ﷺ کے بعد ہر عہد کے علماء و ارباب افتاء کے حصے میں آئی، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ”مفتی“ گویا خود ”شارع“ کا نائب ہے، اور اس کی طرف سے احکام شرعیہ میں لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے، اسی لیے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مفتی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ فتویٰ دینے میں وہ کس کا قائم مقام ہے:

وليعلم المفتی عنینوب فی فتواہ۔ (اعلام الموقعین: ۱۱/۱)

اور امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ ”مفتی“ اللہ کی جانب سے رائے کا اظہار کرتا ہے: المفتی موقع عن اللہ تعالیٰ۔ (شرح مہذب: ۴۰/۱، مقدمہ)

اسی لیے فتویٰ دینے میں بہت احتیاط کرنی چاہیے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: تم میں جو شخص فتویٰ دینے میں جری ہو، وہ دراصل دوزخ پر جری ہے۔ (سنن دارمی: ۱۱/۵۷)

ابن ابی لیلیٰ سے منقول ہے: میں نے ایک سو بیس (۱۲۰) انصاری صحابہؓ کو دیکھا کہ ان میں ایک سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا، تو وہ دوسرے کا، دوسرا تیسرے کا حوالہ دیتا اور اسی طرح ایک دوسرے سے رجوع کرنے کی تلقین کرتا، یہاں تک کہ یہ سوال پھر پہلے شخص کی طرف لوٹ آتا۔ (شرح مہذب: ۴۰/۱، مقدمہ)

ان ہی سے منقول ہے کہ صحابہؓ کا حال یہ تھا کہ اگر انھیں کوئی حدیث یاد ہوتی، تو ان کی خواہش ہوتی کہ ان کے بجائے ان کا بھائی اس روایت کو نقل کر دے اور کسی سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو وہ چاہتا کہ اس کے بجائے اس کا بھائی بتا دے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جو شخص ہر سوال کا جواب دے، وہ مجنون ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کہا کرتے تھے کہ اگر علم کے ضائع ہو جانے کا خوف نہ ہوتا، تو فتویٰ نہ دیتا۔ امام مالکؒ کا حال یہ تھا کہ اڑتالیس (۴۸) مسائل پوچھے گئے، تو بتیس (۳۲) کے بارے میں کہہ دیا کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ ایک مسئلے کے جواب کے بارے میں فرمایا: مجھے معلوم نہیں، عرض کیا گیا کہ یہ تو آسان اور معمولی مسئلہ ہے، تو آپ غصہ ہو گئے اور فرمایا کہ علم کی کوئی بات معمولی نہیں۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ فتویٰ کی جو صلاحیت اور مطلوبہ استعداد سفیان بن عیینہؒ میں تھی، میں نے کسی میں نہیں دیکھی؛ لیکن میں نے ان کو فتویٰ سے جتنا زیادہ بچتے ہوئے دیکھا، کسی اور کو نہیں دیکھا۔ اثرم ناقل ہیں کہ میں نے امام احمدؒ کو بہت سے مسائل میں یہ کہتے ہوئے دیکھا ہے: ”مجھے معلوم نہیں“۔ سفیان بن عیینہؒ اور سحنونؒ کہتے ہیں کہ فتویٰ دینے میں جری وہی ہو سکتا ہے، جو کم علم ہو۔ عطاء بن سائبؒ تابعی ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ ان سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا جاتا تو گفتگو کرتے ہوئے ان پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ (مختصر از: شرح مہذب: ۴۰/۱-۴۱)

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سلف صالحین افتاء کے سلسلے میں کس قدر احتیاط برتتے تھے۔

امت میں سب سے پہلے مفتی خود رسول اللہ ﷺ تھے، علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

و أول من قام بهذا المنصب الشريف سيد المرسلين. (اعلام الموقعین: ۱۱/۱)

آپ ﷺ کی شان یہ تھی کہ آپ ﷺ کی ہر بات وحی پر مبنی اور منشاء ربانی کی ترجمان ہوتی تھی:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۗ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ [النجم: ۳-۴] نیز ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الْكَلِمَةَ لَآتَىٰ آلَٰهَ﴾ [يونس: ۱۵]

اس لیے یہ بات تو ظاہر ہے کہ بنیادی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتاویٰ وحی کی بنیاد پر ہوا کرتے تھے، لیکن کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد سے بھی فتویٰ دیا کرتے تھے، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام ابو یوسفؒ اور اکثر اصولیین اس کے قائل ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم احکام شرعیہ میں بھی اجتہاد پر مامور تھے۔ (دیکھیے: تیسرا آخری: ۱۸۵/۴، کشف الاسرار للبخاری: ۳/۳۸۶) یہی رائے امام رازویؒ اور قاضی بیضاویؒ کی بھی ہے۔ (دیکھیے: الحصول للرازی: ج: ۲، قسم: ۳، ص: ۹، نہایۃ السؤل شرح منهاج الوصول للأسنوی: ۳/۲۶۲، منهاج الوصول للبیضاوی، ص: ۱۷۶) امام غزالیؒ کے نزدیک بھی یہی رائج ہے۔ (المستصی: ۲/۳۵۵)

امام سرخسیؒ نے امام ابو حنیفہؒ کے نقطہ نظر کی اس طرح صراحت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر مامور تھے کہ کسی بھی واقعہ میں وحی کا انتظار کریں، اگر انتظار کے باوجود وحی کا نزول نہیں ہوتا، تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رائے اور اجتہاد پر عمل کرنے کی من جانب اللہ اجازت ہوتی، البتہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجتہاد میں چونک ہوتی، تو من جانب اللہ متوجہ فرمایا جاتا، لہذا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی امر کی بابت اجتہاد فرمایا ہو، اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس پر کوئی تنبیہ نازل نہ ہوئی ہو، تو یہ اس اجتہاد کے قطعی ہونے کی علامت ہے۔ (دیکھیے: اصول السرخسی: ۲/۱۹۶، کشف الاسرار: ۳/۳۸۶)

عہد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے صحابہ نے بھی فتویٰ دیا ہے، قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ و علیؓ عہد نبوی میں بھی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد: ۲/۲۳۵) سہل بن ابی ہثمہ راوی ہیں کہ عہد نبوی میں تین مہاجر صحابہ: حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور تین انصاری صحابہ: حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ فتویٰ دیا کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱/۸۶)

علامہ ابن قیمؒ کی تفصیل و تحقیق کے مطابق ۱۳۰ سے کچھ زیادہ صحابہؓ اور صحابیاتؓ نے فتاویٰ دیے ہیں، صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا دور، فقہ و فتاویٰ میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے، ائمہ مجتہدین اور بعد کے فقہاء نے ان فتاویٰ سے خاص طور پر استفادہ کیا ہے۔

دوسری صدی ہجری فقہ و فتاویٰ اور اجتہاد و استنباط کے لحاظ سے سب سے زرین دور کہلانے کا مستحق ہے، جس میں ایسے ائمہ مجتہدین پیدا ہوئے، جنہوں نے فقہ و فتاویٰ کا نہایت ہی نمایاں کارنامہ انجام دیا اور ایک بڑے گروہ نے ان کی اتباع و پیروی اور اقتداء و تقلید کا راستہ اختیار کیا، انہیں میں امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اہل سنت کے چاروں ائمہ مجتہدین ہیں، جن کی فقہ و کرامت کے سوا داعظم نے اپنی چشمِ محبت کا سرمہ بنایا۔

یہ حقیقت ہے کہ اس آخری دور میں ”برصغیر“ کو فتاویٰ کے نظام کے سلسلہ میں، ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے، جس کا آغاز شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوتا ہے اور جس کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ ہندوستان کے تقریباً تمام ہی خطوں میں وہاں کی ممتاز دینی درس گاہوں کے تحت دارالافتاء کا ایک مضبوط، منضبط

اور ذمہ دارانہ شعبہ قائم ہے، وہاں فقہ و فتاویٰ کی معتبر شخصیات اس ذمہ داری کو انجام دیتی ہیں۔

صوبہ گجرات کا ایک امتیازی پہلو یہ ہے کہ یہاں قرن اول میں مسلمانوں کا قدم پہنچا، تابعین اور تبع تابعین نے یہاں رخت سفر کھولا، اسی لیے اس علاقہ میں ماشاء اللہ بہ مقابلہ ہندوستان کے دوسرے علاقہ کے، زیادہ دین داری پائی جاتی ہے اور ایک اہم بات یہ ہے کہ معاشی فارغ البالی اور مرزہ الحالی کے باوجود یہاں لوگوں میں تدین پایا جاتا ہے اور جب دین پر عمل کا جذبہ بڑھے گا، تو دین و شریعت سے متعلق سوالات بھی ذہن میں جنم لیں گے؛ اسی لیے گجراتی زبان میں فتاویٰ کا اچھا خاصہ ذخیرہ موجود ہے اور خوشی کی بات ہے کہ اب اسے اردو زبان کے پیکر میں ڈھالنے کی کوشش کی جا رہی ہے، تاکہ اردو کی وسیع دنیا بھی اس سے مستفید ہو سکے۔

انہی علمی و فقہی ذخائر میں ممتاز عالم دین حضرت مولانا مفتی احمد بیات کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے، جسے یہ زبان اردو شائع کیا جا رہا ہے۔ — راقم الحروف کو حضرت مفتی بیات صاحب سے نیاز حاصل ہے اور متعدد فقہی مجالس میں ان کی آراء کو سننے اور ان کے فقہی مباحث سے استفادہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، ان کی فقیہانہ شان ان کے ان فتاویٰ سے بھی ظاہر ہے، ان کے فتاویٰ عام طور پر فقہ حنفی پر مبنی ہے، کیوں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا سواد اعظم اسی فقہ کا تبع ہے؛ لیکن بعض مواقع پر لوگوں کی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے توسع سے بھی کام لیا گیا ہے، فتویٰ دیتے ہوئے فقہ کی مستند کتابیں پیش نظر رکھی گئی ہیں اور راجح اقوال کی رہنمائی کی گئی ہے، نیز بجمہ اللہ زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق اہم مسائل فتاویٰ کے ذیل میں آگئے ہیں۔ ان شاء اللہ جب اس مجموعہ کی تمام جلدیں مرتب ہو کر آئیں گی، تو یہ علمائے ہند کے ذخیرہ فتاویٰ میں ایک نمایاں اضافہ ہوگا۔

فتاویٰ کے اس مجموعہ کو بڑی محنت، خوش سلیقگی اور حسن ترتیب کے ساتھ عزیز گرامی مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی سلمہ (استاذ حدیث و فقہ: دارالعلوم ماٹلی والا، بھروچ) نے مرتب کیا ہے۔ انہوں نے حسب ضرورت فتاویٰ کی زبان کو آسان بنایا ہے، آیات و احادیث کے حوالہ جات کا اضافہ کیا ہے اور فقہ کے مستند مراجع سے مسائل کی تفصیلی تخریج کی ہے، سوالات پر عنایں قائم کئے گئے ہیں۔ باب اور مسئلہ کی نمبر اندازی کی گئی ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مرتب کی محنت نے اس کی اہمیت اور خوبصورتی کو چار چاند لگا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ مولف، مرتب اور ناشر کو بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے اور اس کے نفع کو عام و تمام کرے، آمین۔

خالد سیف اللہ رحمانی

کیم جنادی الثانی ۷۳ھ

ناظم: المعهد العالی الاسلامی، حیدرآباد

۱۱ مارچ: ۲۰۱۶ء بروز جمعہ (درہنگہ ریلوے اسٹیشن)



## تقریظ و تاثر:

حضرت مولانا اقبال محمد نیکاروی دامت برکاتہم  
(مہتمم و استاذ تفسیر و حدیث: دارالعلوم اسلامیہ عربیہ، ماٹلی والا، بھروچ)

الحمد لله رب العالمین، والصلاة والسلام علی رسولہ الکریم، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، أما بعد!  
اسلام کی ابتدائی دو صدیوں میں مسلمانوں کی آمد و رفت کے نتیجے میں گجرات کے کناروں پر واقع متعدد  
بندر گاہوں میں مسلمانوں کی نوآبادیاں قائم ہو گئیں، جن کی شہادت تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں گجرات آنے  
والے عرب سیاحوں نے دی ہے۔

قرب مکانی کے باعث حجاز، یمن، بصرہ وغیرہ سے سمندری راستوں کے ذریعہ گجرات تک آمد و رفت آسان  
ہونے کی وجہ سے بڑی تعداد میں ہم جو تاجر پیشہ افراد اور خاندان یہاں مختلف جگہوں پر آباد ہو گئے، ان آباد ہونے والوں  
نے مسجدیں اور درس گاہیں قائم کیں، جن کے ذریعہ ابتدائی سطح پر دینی تعلیم کی بنیاد پڑی اور اس میں ہر دم ترقی ہوتی گئی۔  
علمی ترقی کا دوسرا سبب گجرات کے سلاطین و امراء کی علم دوستی اور علم پروری تھا، گجرات میں مسلمانوں کے اقتدار  
کے قیام سے پیشتر جو راجپوت راجے مہاراجے حکومت کرتے تھے، وہ بھی وسیع المشرب اور روشن خیال حکمران تھے۔

ان اسباب و عوامل کے نتیجے میں گجرات کے تعلقات حجاز، یمن اور مصر کے ساتھ قریب سے قریب تر ہوتے گئے،  
گجرات کے چند بڑے شہر مثلاً احمد آباد، پٹن، بھروچ اور سورت تو ملک حجاز کا حصہ معلوم ہونے لگے تھے، ان تعلقات  
میں حکومت اور سیاست کو بہت زیادہ دخل نہیں تھا، ان کی بنیاد تجارت، ثقافت اور تعلیم و تعلم کے عمل پر رکھی گئی تھی، ان سے  
دونوں جانب کے عوام و خواص متاثر ہوئے تھے، اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ عرب مؤرخین نے اپنی  
تصانیف میں گجرات کو اہم مقام عطا کیا اور گجراتیوں کے علوم دینیہ کے میدان میں کارہائے نمایاں کا خاص ذکر کیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ گجرات کی سرزمین، فقہاء و محدثین سے کبھی خالی نہیں رہی، بلکہ بعض دور ایسے آئے کہ یہاں کے

علماء، فقہاء اور فضلاء کا شہرہ پورے عالم اسلام میں گونجنے لگا، البتہ ایسے وقفے بھی آئے، جس میں یہاں علم کی لودھیسی ہوگئی؛ مگر پھر اس کی نشاۃ ثانیہ ہوتی رہی، خصوصاً آٹھویں صدی کے بعد مسلسل فقہاء کی ایک بڑی تعداد گجرات میں موجود رہی ہے۔ ابوالفتح رکن الدین بن حسام الدین مفتی ناگوری، جو ناگپور کے مفتی تھے، انہوں نے بمقام نہروالہ اپنے قیام کے دوران، گجرات کے قاضی القضاۃ قاضی حماد الدین احمد بن قاضی اکرم کی فرمائش پر اپنے بیٹے داؤد کی مدد سے ”الفتاویٰ الحمادیہ“ لکھی، اس کتاب میں جن تصانیف کا حوالہ دیا گیا ہے یا جن تصانیف میں اس کتاب کا حوالہ ہے، ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب آٹھویں صدی کے اواخر میں یا نویں صدی کے اوائل میں لکھی گئی ہے، مصنف نے ان کتابوں کی طویل فہرست (۲۰۴) درج کی ہے، جن سے انہوں نے اپنی کتاب مرتب کرنے میں استفادہ کیا ہے، یہ ایک معتبر تصنیف ہے اور فتاویٰ عالمگیری میں بھی اس کے حوالے دیئے گئے ہیں۔

یہ کتاب مخطوط شکل میں بانگی پور (۱۹-۱۲۳: ۱۷۲۳) فہرست عربی مخطوطات، دہلی، انڈیا آفس لنڈن (۸۱۵) خدیوی کتب خانہ قاہرہ (۸۸/۳) رامپور (۲۲۲) بنگال (۱۳) کتب خانہ کلکتہ مدرسہ (۴۱) کتب خانہ انڈیا آفس (۱۶۸۹-۱۶۹۱) میں موجود ہے۔

اور گجرات ہی کے ایک ممتاز عالم قاضی جگن گجراتی کی ترتیب دی ہوئی کتاب خزائن الروایات ہے، جو فقہ حنفی کے احکام کی تفصیلات پر مشتمل ہے، یہ کتاب چھٹی، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں لکھی جانے والی کتابوں سے اقتباسات کا مجموعہ ہے، شروع میں کتاب العلم کے عنوان سے ایک مقدمہ بھی تحریر کیا گیا ہے، اس میں انہوں نے علم اور علماء کی فضیلت بیان کی ہے، وہ خود حنفی تھے، اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف و فضائل پر بھی ایک مقالہ قلم بند کیا ہے، انہوں نے فتاویٰ اور مفتی سے متعلق فنی نکات کی بھی تشریح کی ہے، یہ کتاب مخطوط شکل میں دہلی (۱۳۳۷) فہرست دینی کتب خانہ استنبول (۶۰۵) فہرست کتب خانہ نوری عثمانیہ استنبول (۱۵۲۰) فہرست کتب خانہ عشیرہ آفندی استنبول (۳۲۶) بوہار (۱۵۶/۲) بانگی پور (۱۹-۱۳۹: ۱۷۲) آصفیہ (۱۰۸۴/۲) میں موجود ہے۔

شہاب الدین احمد بن محمد جبیلانی: ایک جید عالم تھے، گجرات میں پرورش پائی، اس میں اختلاف ہے کہ ان کا تعلق نویں صدی سے تھا یا دسویں صدی سے، اردو کے مشہور ماہنامہ ”المعارف“ اعظم گڑھ بابت مئی ۱۹۳۰ء صفحہ ۳۴ پر شائع شدہ ایک مضمون کے مطابق، انہوں نے ایک کتاب فتاویٰ ابراہیم شاہ شرقی کے لیے لکھی تھی، محمد عبدالاول جو نیپوری نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ شہاب الدین دولت آبادی کے ہم عصر تھے اور ان کی قبر جو نیپور میں موجود ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ فتاویٰ ابراہیم عادل شاہ کے نام معنون کی گئی ہے۔

مذکورہ کتاب فتاویٰ ابراہیم شاہیہ بوہار عربی مخطوطات فہرست (۱۵۹/۲) بانگی پور (۵۲-۱۷۴۹) آصفیہ

(۲: ۱۰۵۲-۳: ۴۴۲) رامپور (۲۲۱) انڈیا آفس (۴-۱۷) میں موجود ہے، نیز اس پر حافظ نذیر احمد جریدہ کا مختصر نوٹ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (۴۶) میں موجود ہے۔

شاہ وجیہ الدین گجراتی نے حاشیہ علی شرح الوقایہ، بوبار (۱۶۴) رامپور (۱۸۶) حاشیہ علی التلویح ندوة العلماء، لکھنؤ (۷۱۲) حاشیہ علی أصول البزدوی تذکرہ علماء ہند (۲۵۰) اور حاشیہ علی الشرح العضدی علی المختصر لابن حاجب تحریر فرمائی۔

شیخ عبداللطیف بن جمال بن حامد نہروالی نے ابراہیم بن موسیٰ طرابلسی کی کتاب مواہب الرحمن کی شرح لکھی، جو شکل مخطوط بائگی پور (۱۷۴۳) میں موجود ہے۔

قاضی محمد عیسیٰ بن شیخ عبدالماجد صدیقی جو ناگرھی: جو ناگرھ کے قاضی تھے اور اسلامی علوم پر بہت عبور رکھتے تھے، انہوں نے فتح القادر شرح الہدایہ لکھی، اس کا صرف ایک حصہ قاضی احمد میاں اختر جو ناگرھی کے پاس تھا، جو ان کی اولاد میں سے ہے۔

شیخ نور الدین بن شیخ محمد احمد آبادی نے حاشیہ علی التلویح، حاشیہ علی شرح الوقایہ اور حاشیہ علی شرح المطالع تصنیف فرمائی، ان کتابوں کا تذکرہ رحمن علی لکھنوی نے تذکرہ علماء ہند میں کیا ہے۔

نعمت اللہ بن طاہر نہروالی نے صلوة التراويح تالیف فرمائی، جو اسلامیہ کالج پیشاور کی لائبریری کے اورینٹل سیکشن کی فہرست (۶۵۴) میں درج ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی کچھ کتابیں اس فن میں لکھی گئیں، جیسے فیض الحسن بن نور الحسن سورتی گجراتی نے فوح شاہی شرح خلاصۃ الکیدانی، فتاویٰ نقشبندیہ، قاضی عیسیٰ بن عبدالرحیم گجراتی نے مسئلہ سماع پر سب سے زیادہ مفصل اور نافع کتاب عربی زبان میں لکھی، اسی طرح بندوق کی گولی سے مرے ہوئے جانور کے حکم کے متعلق ایک کتاب شیخ محمد بن یوسف سورتی کی ہے، شیخ عبدالقادر بن عبدالاحد باعظہ شافعی سورتی نے تحفة المشتاق فی احکام النکاح والانفاق اور شیخ ابراہیم بن عبداللہ باعظہ شافعی سورتی نے تحفة الاخوان لکھی۔

اصول فقہ میں شیخ احمد بن سلیمان گجراتی نے حاشیہ بر حاشیہ ملا عبدالکیم، شیخ عبدالنبی بن عبداللہ شطاری گجراتی نے المواہب الالہی شرح اصول ابراہیم شاہی، علم الفرائض میں شیخ محمد ہاشم سامرودی سورتی نے جوہر النظم تحریر فرمائی اور ایک جامع کتاب اردو زبان میں بھی تحریر فرمائی۔

دورانہ میں فقہ و فتاویٰ کے خدمات انجام دینے والوں میں مفتی احمد بزرگ سملکی، مفتی اسماعیل بسم اللہ، مفتی اسماعیل گوراراندیری، مولانا مفتی اکبر (مولانا نذیر صاحب پالن پوری کے برادر خورد) مفتی سید شمس الدین بڑودوی،

مفتی علی محمد تراجوی، مفتی محمد سعید احمد صاحب راندیری، مفتی محمد حسین صاحب راندیری، مفتی مرغوب احمد لاجپوری، مفتی احمد اشرف راندیری، مفتی عبدالغنی کاوی، مفتی احمد بیات صاحب، مفتی گجرات حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری، مفتی اسماعیل واڈی والا صاحب راندیری، مفتی اسماعیل بھڑکوردی رحمۃ اللہ علیہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

### حضرت مفتی احمد بیات صاحب رحمۃ اللہ علیہ :

استاذ محترم، شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی احمد بیات صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ شانہ نے مختلف النوع صلاحیتوں سے نوازا تھا، درس کی پختگی و تحقیق کے اعتبار سے جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل سے ہی آپ کی شہرت تھی، فلاح دارین۔ ترکیب میں بخاری شریف کے اسباق انتہائی ضبط و اتقان اور پابندی اوقات کے ساتھ ہوتے تھے، درس کے علاوہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زیادہ تر مشغولیت فتاویٰ نویسی کی تھی، آپ کے پاس آنے والے مختلف النوع مسائل سے آپ کو امت کی ہر قسم کی پریشانیوں، پیش آمدہ مسائل اور اخلاقی پستی کا بھی اندازہ ہوتا تھا؛ کیوں کہ سوالات (استفتاء) امت کی اعتقادی، عملی، اخلاقی، معاشرتی اور معاملاتی زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔

فتاویٰ کے علاوہ آپ نے گجراتی زبان میں مختلف موضوعات (اعتقادات، عبادات، اخلاقیات، معاملات اور معاشرت) پر وقت کی ضرورت کے مطابق کتابیں تصنیف فرمائیں، یہ تصانیف درحقیقت آپ کے فتاویٰ ہی کی تکمیل و تشریح ہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مستفتی کو تفصیلی جواب لکھنا مشکل معلوم ہوتا ہے، اور مسئلے کی وضاحت کے لیے طویل تحریر کی ضرورت ہوتی ہے، آپ نے اسی کے پیش نظر ”مسائل حج، مسائل قربانی اور سودی لین دین“ وغیرہ تصنیف فرمائیں۔

آپ کا درسی و روحانی تعلق اپنے استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا، لہذا حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ والا سوز و درد، اعتقادی پختگی، لایخاف فی اللہ لومة لائم جیسی عمدہ صفات آپ میں بھی علی وجہ الائم موجود تھیں، جو آپ کے فتاویٰ میں بھی جھلکتی نظر آتی ہے، چنانچہ اعتقادی مسائل میں جہاں آپ نے کتاب و سنت کی روشنی میں رہنمائی کی ہے، وہیں معاشرہ میں پھیلی ہوئی بدعات و خرافات کا بھی خوب اچھے انداز میں تعاقب فرمایا ہے۔ مسائل کی جزئیات پر آپ کو کافی عبور تھا، فلاح دارین۔ ترکیب کی مسجد میں کبھی طلبہ عزیز سے نماز کے درمیان سہو ہو جاتا، تو حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب اور دیگر اساتذہ۔ جو مسئلہ سے واقف ہوتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس طالب علم کو بھیجتے تھے اور ان کی ہدایت کی مطابق ہی عمل کرتے تھے، حضرت مفتی صاحب دوسری مسجد میں ہوتے تھے، تو آپ کے آنے کا انتظار کیا جاتا تھا۔

چوں کہ جمعیت علمائے ہند، اصلاح المسلمین اور دینی تعلیم بورڈ سے آپ کی گہری وابستگی تھی، اور معاملات و معاشرت کے مسائل سے خوب سابقہ پڑتا تھا، اس لیے آپ نے معاملاتی نزاکتوں اور معاشرتی پریشانیوں کا حل

بہت عمدہ طریقے سے پیش کیا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کے بیشتر فتاویٰ اور اکثر کتابیں گجراتی زبان میں تھیں، جن سے استفادہ محدود تھا، اللہ تبارک و تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائے صاحب زادہ محترم جناب حافظ اسجد صاحب کو، کہ انہوں نے حضرت مفتی صاحب کے تمام فتاویٰ اور گجراتی میں لکھی ہوئی حضرت مفتی صاحب کی تمام قیمتی علمی تصنیفات کو اردو زبان میں منتقل کرنے کے لیے جدوجہد فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی جدوجہد کو اتمام تک پہنچایا۔ فلله الحمد علی ذلك۔

کتابوں کے ترجمے کے مقابلہ میں حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ کو ترتیب دینا مشکل امر تھا؛ کیوں کہ فتاویٰ کی اردو زبان میں منتقلی، حوالے جات کی تلاش، عناوین سازی، زبان کی سلاست، مسائل کی تخریج اور ان پر نظر ثانی و ثالث کے مختلف مراحل طے کرنے تھے۔

خوشی کی بات ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ، مختلف مراحل سے گزر کر ”فتاویٰ فلاحیہ“ کے نام سے ہمارے سامنے آرہے ہیں، پہلی جلد ایمان و عقائد کے مسائل پر مشتمل تھی، اب دوسری جلد کتاب الطہارت اور کتاب الصلاۃ پر مشتمل ہے، فتاویٰ کی زبان عام فہم اور سلیس رکھی گئی ہے، تخریج میں آیات، احادیث اور خاص کر کے فقہی عبارات (مسئلہ کے ہر ہر جزء کی تفصیلی تخریج) اور تخریج کے دیگر اصول و قواعد کی پابندی کی گئی ہے، جدید اطلاع اور رموز اوقاف کی بھی رعایت کی گئی ہے۔

مسائل میں معمولی سی تشنگی نظر آتی تھی، جو تخریج کے تحت دیگر عبارتوں اور فتاویٰ کے حوالہ سے مکمل کر لی گئی ہے، اسی طرح بعض جدید مسائل کی تنقیح نہیں ہوئی تھی، تخریج کے ذریعہ اس کی بھی تلافی کر لی گئی ہے، تخریج کا یہ عمل خاص کر کے کچھ مسائل کی تشنگی دور کرنا، حوالجات اور جدید مسائل کی تنقیح، اسی طرح کچھ مسائل میں استدراکات کا جو عمل کیا گیا ہے (جو بہت ضروری تھا) یہ مفتی صاحب کے فتاویٰ کو مدلل کر رہا ہے۔

ناچیز نے نمونے کی فائل دیکھنے کے بعد مشورہ دیا تھا کہ جدید مسائل کی تنقیح میں مختلف فقہ اکیڈمی کی تجاویز اور عصر حاضر کی تبدیلی، عرف و عادات کا بدلنا، نیز جدید میڈیکل اور جینیٹک سائنس کی نئی تحقیقات بھی مد نظر رکھی جائیں، مرتب فتاویٰ نے اس کا بھرپور خیال کیا ہے؛ اور فقہ اکیڈمی کی تجاویز کے حوالے متعدد جگہ موجود ہیں؛ اس لیے توقع ہے کہ ان شاء اللہ حضرت مفتی صاحب کے یہ فتاویٰ، عصر حاضر کے دیگر فتاویٰ میں اپنی انفرادی شان برقرار رکھیں گے۔

**نوٹ:** کچھ فتاویٰ میں اجمال کی وجہ یہی ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر مستقل

کتابیں لکھی ہیں، لہذا حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ پڑھنے والوں کو آپ کی تصانیف سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیے۔

اس موقع پر میں کتاب کے مختلف مراحل میں علمی تعاون کرنے والے تمام علمائے کرام کو مبارک باد دیتا

ہوں، کتاب کا سب سے مشکل مرحلہ تخریج کے بعد تنقیح اور اس کو عصر حاضر کی تحقیقات جدیدہ سے منطبق کرنے کا عمل جس شخصیت نے انجام دیا ہے، میری مراد اس سے حضرت مولانا مفتی مجتبیٰ حسن صاحب قاسمی دامت برکاتہم ہیں، میں بہ طور خاص انھیں مبارک باد دیتا ہوں؛ کہ انہوں نے حضرت مفتی بیات صاحب کے فتاویٰ کو اپنی جدوجہد اور علمی کاوش سے مفید سے مفید تر بنا دیا ہے۔ میں نے پورا مسودہ استفادہ کے ساتھ تنقیدی نقطہ نظر سے بھی دیکھا ہے؛ تاکہ استاذ محترم کی بات منقح ہو کر لوگوں کے سامنے آئے، اور علمائے کرام بھی اس سے زیادہ مستفید ہوں، اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مزاج بھی میں نے دیکھا ہے کہ کوئی شاگرد آپ سے کسی مسئلہ کی تحقیق میں اپنا اختلاف ظاہر کرتا، تو حضرت مفتی صاحب بہت سنجیدگی کے ساتھ اس کی بات سنتے تھے، مجھے خود دورہ حدیث کے سال کئی مسائل کے دریافت کرنے میں اس کا احساس ہوا، نیز کچھ فتاویٰ میں نے بھی گجراتی رجسٹر میں نقل کیے ہیں، اس وقت بھی سوال کرنے پر حضرت نے بڑی فراخ دلی سے میری بات سن کر حوصلہ افزائی فرمائی تھی۔

لہذا مسودہ کے مطالعہ کے دوران جہاں جواب میں معمولی سی تشنگی محسوس ہوئی، وہاں مولانا مفتی مجتبیٰ حسن صاحب نے حاشیہ میں اس کی تلافی کر دی ہے، اسی طرح کچھ مسائل جدیدہ میں مزید تحقیق ہوئی ہے، وہاں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ عام متون کی عبارتوں اور قدیم فقہائے کرام کی طرز پر ہے، لیکن محشی صاحب نے وہاں دیگر فقہائے کرام کی عبارتیں نقل کر کے اس کی مکمل تنقیح فرمادی ہے، اور کچھ مواقع پر استدرکات بھی کئے ہیں۔ امید ہے کہ کتاب کے بقیہ حصوں میں بھی تخریج، تنقیح اور استدرکات کا یہ عمل اسی نہج کے ساتھ تسلسل سے جاری رہے گا اور کتاب کے حسن کو دو بالا کرے گا۔

اس موقع پر استاذ زادہ حافظ اسجد سلمہ ربہ کو دوبارہ مبارک بادی پیش کرتا ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لیے اس کو ذخیرہ آخرت بنائے اور تمام معاونین کو دنیا و آخرت میں بہترین بدلہ نصیب فرمائے۔ آمین بجزمۃ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم۔

### اقبال بن محمد نیکاروری

مہتمم دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا

عید گاہ روڈ، بھروچ، گجرات، الہند

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ

موافق: ۲۹ فروری ۲۰۱۶ء

رائے گرامی:

جناب مولانا اجود بن مفتی احمد بیات صاحب دامت برکاتہم

مہتمم: دارالعلوم مدنی دارالتر بیت، کرمالی، بھروچ

رب ذوالجلال کا بے پناہ کرم و احسان ہے کہ اس نے ہمیں اسلام کے عظیم سرمایے کے ساتھ، علم دین سے وابستہ فرمایا، اور علمائے ربانیین سے استفادے کا موقع فراہم کیا، یقیناً رب کریم ہر قرن، ہر صدی، ہر دور، اور ہر زمانے میں ایسے مرد میدان اور رجال کار پیدا فرماتے ہیں، جن کے ذریعے نہ صرف ایک خطہ اور ایک علاقہ؛ بل کہ ایک دنیا سیراب ہوتی ہے، اور اپنی علمی، ادبی اور دینی پیاس بجھاتی ہے، انھیں افراد با تمکین میں والد گرامی حضرت مولانا مفتی احمد ابراہیم بیات نور اللہ مرقدہ کی ذات بابرکات ہے۔

والد صاحب پوری زندگی، انتہائی مخلص و مربی اور کہنہ مشق استاذ کی حیثیت سے، درس و تدریس سے وابستہ رہے، اس درمیان آپ نے مختلف موضوعات پر لکھے گئے، جس کے ذریعے نہ صرف ایک خطہ اور ایک علاقہ؛ بل کہ ایک دنیا سیراب ہوتی ہے، اور اپنی علمی، ادبی اور دینی پیاس بجھاتی ہے، انھیں افراد با تمکین میں والد گرامی حضرت مولانا مفتی احمد ابراہیم بیات نور اللہ مرقدہ کی ذات بابرکات ہے۔

والد گرامی کی رحلت کے بعد ہمیں ان کی کمی کا احساس ستا تا رہا اور یہ خواہش رہی کہ وہ تمام کتابیں، جو مقامی زبان (گجراتی) میں تصنیف کی گئی ہیں، کسی طرح اردو کے قالب میں ڈھل جائیں، اور اس گراں قدر علمی سرچشمے سے استفادے کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے برادر محترم حافظ اسجد بیات صاحب کو، کہ انہوں نے یہ بار گراں اپنے مضبوط کاندھے پر اٹھایا، اور جہد مسلسل کے بعد، یکے بعد دیگرے، والد گرامی کی تقریباً تیس سے زائد گجراتی کتابوں کا ترجمہ کرایا اور انھیں شان دار انداز میں طبع کرایا، خدا کا شکر ہے کہ ساری کتابیں ہاتھوں

ہاتھ لی گئیں، اور اہل علم نے خوب استفادہ کیا۔

کتابوں کے علاوہ والد گرامی نے فتاویٰ کا عظیم ذخیرہ چھوڑا ہے، ضرورت اس بات کی تھی کہ اسے موجودہ زمانے کے معیار کے مطابق، جمع و ترتیب اور تخریج و تنقیح کر کے شائع کیا جائے، یہ کام جہاں بہت اہم تھا، وہیں بڑا نازک بھی۔

چنانچہ برادر محترم جناب حافظ اسجد بیات صاحب دامت برکاتہم نے بڑی سعی و کوشش کے بعد اسے بھی شائع کیا ہے، پہلی جلد طبع ہو کر مقبول خاص و عام ہو گئی ہے، اب دوسری جلد طبع ہونے جا رہی ہے، میں اس موقع سے مرتب فتاویٰ حضرت مولانا مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی (استاذ حدیث و فقہ: دارالعلوم ماٹلی والا، بھروچ) کا شکر گزار ہوں، کہ انہوں نے خاصی محنت سے اسے مرتب فرمایا ہے، ساتھ ہی دارالعلوم کرمالی کے رکن منظمہ اور فتاویٰ کی طباعت کے سلسلے میں حد درجہ فکر مند اپنے بھائی حافظ اسجد بیات صاحب کا ممنون ہوں کہ ان کی محنت اور لگن سے فتاویٰ کا یہ قیمتی ذخیرہ ہمارے ہاتھوں پہنچ رہا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوں کہ ان تمام حضرات کو اپنی شایان شان بدلہ عطا فرمائے اور والد گرامی کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے، آمین، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

(مولانا) اجود بن مفتی احمد بیات (صاحب)

مورخہ: ۲۱/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ

مہتمم: دارالعلوم مدنی دارالترتیب، کرمالی



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
عرض ناشر

اللہ کا شکر و احسان ہے کہ اس ناچیز کو والد گرامی کے فتاویٰ بہ نام ”فتاویٰ فلاحیہ“ کی دوسری جلد قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

یہ جلد چھ سو سے زائد مسائل اور ۸۰۰ سے زائد صفحات پر مشتمل ہے، طہارت اور نماز کے مسائل کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اس جلد کی طباعت میں کچھ تاخیر ہوئی، جس کے لیے میں شائقین سے معذرت خواہ ہوں، ان شاء اللہ فتاویٰ کی تیسری جلد، عنقریب ہی آپ کی خدمت میں ہوگی۔

پہلی جلد کی طباعت کے بعد بہت سے اکابر علماء اور شائقین نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا، حوصلہ افزا کلمات کہے، اور تمام جلدوں میں اسی معیار کو برقرار رکھنے کی تاکید کی، میں ان تمام کا شکر گزار ہوں، اور دعاء کرتا ہوں کہ انہوں نے اس ناچیز سے جس معیار کی طباعت کی توقع لگا رکھی ہے، اللہ تعالیٰ اسے پورا فرمادے، آمین۔ وماذ لک علی اللہ بعزیز۔

میں شکر گزار ہوں مشہور فقیہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کا، کہ انہوں نے اپنی قیمتی تحریر عنایت فرمائی، نیز احسان مند ہوں حضرت مولانا اقبال محمد فلاحی ٹیکاروی دامت برکاتہم (شیخ الحدیث و مہتمم: دارالعلوم اسلامیہ عربیہ، ماٹلی والا، بھروچ) کا، کہ انہوں نے فتاویٰ فلاحیہ کی اس دوسری جلد کے تعلق سے گراں قدر تاثر کا اظہار کیا، نیز مرتب فتاویٰ کو اپنے دارالعلوم میں علمی ماحول فراہم کیا، سہولتیں عطا فرمائی، جس کے نتیجے میں دوسری جلد منظر عام آسکی۔

اس موقع پر میں ممنون ہوں مرتب فتاویٰ حضرت مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی صاحب کا، کہ انہوں نے انتہائی جاں فشانی کے ساتھ فتاویٰ کی ترتیب و نظر ثانی کا کام انجام دیا، اور معیار کو بلند سے بلند تر کرنے کے لیے ہر

طرح کی سعی و کوشش کو بروئے کار لائے، اللہ تعالیٰ انھیں اپنی شایان شان بدلہ عطا فرمائے۔  
 قارئین کے علم میں یہ بات ہوگی کہ والد گرامی کے بیشتر فتاویٰ گجراتی زبان میں تھے، مختلف علماء  
 کے ذریعے ترجمے کرائے گئے، میں ان تمام علماء کا شکر یہ ادا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا  
 فرمائے، آمین۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں ان اہل خیر حضرات کا شکر یہ ادا نہ ہوں، جنہوں نے اپنی جائز آمدنی  
 اور حلال مال سے ہمارا تعاون فرمایا، اللہ ہر ایک کی جائز تمناؤں کو پوری فرمادے اور فتاویٰ فلاحیہ کو مفتی صاحب  
 کی دیگر تصانیف کی طرح شرف قبولیت سے نوازے، آمین یا رب العالمین۔

(حافظ) اسجد بن مفتی احمد بیات

۲ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۷ھ

رکن منظمہ: دارالعلوم مدنی دارالترہیت، کرمالی، بھروچ، گجرات

موافق: ۱۲ مارچ ۲۰۱۶ء

خادم: مسجد عمر، ہیملٹن، کینیڈا

e-mail: hafizasjed@hotmail.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## عرض مرتب

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وصحبه

أجمعين، أما بعد!

فتاویٰ فلاحیہ کی دوسری جلد پیش خدمت ہے، شکرگذاری کے اس موقع پر احقر بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہے کہ اس نے اس کم سواد کو فتاویٰ فلاحیہ کے اس اہم علمی سلسلہ کو جاری رکھنے کی توفیق بخشی، ورنہ تو یہ کسی بھی لائق نہیں ہے، دعاء ہے کہ جس نے توفیق بخشی ہے، وہی اسے قبولیت بھی عطا فرمادے، اور بقیہ جلدوں کی تکمیل کی ہمت بھی، وما ذلك عليه بعزيز.

طہارت و نماز سے متعلق ۲۵ سے زائد ابواب اور ۶۰۰ سے زائد سوال و جواب پر مشتمل اس دوسری جلد کو احقر نے اپنی وسعت کے مطابق خوب سے خوب تر بنانے کی سعی کی ہے، کوشش کی ہے کہ کوئی مسئلہ حوالے کے بغیر نہ رہے، نصوص کے ذکر کرنے کا خاص اہتمام کیا گیا ہے، اور ان تمام امور کا لحاظ کیا گیا ہے، جن سے پہلی جلد مزین ہے۔ فتاویٰ فلاحیہ کی پہلی جلد کی اشاعت کے تقریباً ایک سال بعد دوسری جلد پریس کے حوالے کی جا رہی ہے، اس درمیان احقر پر بڑے حالات آئے، اور اپنی زندگی کے سب سے عظیم حادثے سے دوچار ہوا، میری والدہ - جو اسی (۸۰) سے زائد بہاریں دیکھ چکی تھیں، اور انتہائی کمزور تھیں، اس کے باوجود احقر کی محبت میں احقر کے ساتھ ہی رہتی تھیں - ۴ رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ کو اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی شایان شان مقام عطا فرمائے، آمین)

اس حادثے کا ذہن و دماغ پر ایسا اثر پڑا کہ کچھ دنوں تک کچھ بھی لکھنے پڑھنے سے لاتعلق رہا۔

اور بھی کچھ حالات ایسے آئے کہ ایک مرحلے میں تو ایسا لگ رہا تھا کہ شاید اب میں یہ کام آگے جاری نہیں رکھ سکوں گا، لیکن اسے حضرت مفتی بیات صاحبؒ کی کرامت کہیے یا صاحب زادہ محترم، میرے کرم فرما جناب

حافظ اسجد صاحب کا خلوص، کہ کام جاری رہا اور پہلی جلد سے کم عرصے میں کام مکمل ہوا، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اگلی تمام جلد کو بھی جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچائے، آمین۔

میں اس موقع پر ممنون ہوں استاذ محترم حضرت مولانا حنظلہ سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کا، کہ انہوں نے انتہائی مصروفیت کے باوجود قیمتی تحریر سے نوازا، اور حوصلہ افزائی فرمائی، احقر جو دو چار لفظ لکھ لیتا ہے، وہ درحقیقت استاذ محترم کی خاص توجہ و تربیت کا نتیجہ ہے، ورنہ تو حقیر خوب جانتا ہے کہ وہ کس لائق ہے۔

اسی طرح میں شکر گزار ہوں دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا کے عالی وقار مہتمم و شیخ الحدیث حضرت مولانا اقبال محمد ٹنکاروی فلاحی دامت برکاتہم کا، کہ انہوں نے اپنی قیمتی تحریر عنایت فرمائی، جو ان کی دیگر تحریر کی طرح انتہائی محقق ہے اور گجرات کے فقہ و فتاویٰ کی خدمات کا احاطہ کیے ہوئے ہے، فجزاہ اللہ أحسن الجزاء۔

میں اپنے کرم فرما جناب حافظ اسجد بیات صاحب کا رسمی شکر یہ ادا کر کے ان کے احسان کو کم نہیں کرنا چاہتا، کہ ان کے خلوص کی ہی برکت ہے کہ فتاویٰ کا کام جاری ہے، اللہ تعالیٰ انھیں بہترین بدلہ عطا فرمائے، ان کے اہل خانہ کو دینی و دنیوی ترقیات سے نوازے، آمین۔

دوسری جلد کے کام کے دوران دارالعلوم ماٹلی والا کے شعبہ تخصص فی الفقہ کے طلبہ (مولوی سعد عالم مذکر دہلوی، مولوی محمد نعیم امتیاز ٹنکاروی، مولوی عقان محمد ہارون مولپور، مولوی شاہد یونس بھاؤنگر، مولوی اعجاز مولانا ایوب ہنگلوٹ، مولوی محمد بن عثمان مجاور، مولوی محمد بن ہارون ڈینڈرول اور مولوی عرفان بن حنیف رادھن پوری) شکر یہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے حوالہ جات کی تخریج اور پروف ریڈنگ میں تعاون کیا، اللہ تعالیٰ ان میں علمی ذوق پیدا فرمائے، اور مستقبل میں علمی مشغلہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اہل ذوق سے درخواست ہے کہ اس میں اگر کوئی غلطی در آئی ہو، تو اسے اس ناچیز کی جانب سے سمجھیں اور بلا تکلف مطلع فرمائیں، ناچیز ممنون ہوگا۔

## مجتبیٰ حسن تاسمی

خادم حدیث: دارالعلوم اسلامیہ عربیہ، ماٹلی والا، بھروچ

مورخہ: ۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۷ھ

برائے رابطہ: 09409518452

۱۲ مارچ ۲۰۱۶ء، یہ روز: ہفتہ

Email: qasmimujtaba@gmail.com

عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا وجد أحدكم في بطنه شيئاً، فأشكَل عليه أخرج منه شيء أم لا، فلا يخرجن من المسجد حتى يسمع صوتاً، أو يجد ريحاً.

(مسلم شریف: ۱۵۸/۱، حدیث نمبر: ۳۶۲)

## باب الوضوء

[وضو کا بیان]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب الوضوء

### [وضو کا بیان]

#### [۱] ناگواری کی حالت میں وضو کرنے سے گناہوں کی معافی

۴۳۷-سوال: جامعہ اشرفیہ راندر کے تبلیغی اشاعتی رسالہ نمبر: ۵۴، بہ نام: ”انوار محمدی“ میں ایک حدیث ہے، جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تکلیف اور ناگواری کے باوجود جو شخص اچھی طرح وضو کرے، اس کے گناہ مٹا دیے جاتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

(۱) عن أبي هريرة، أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال: ألا أدلكم على ما يمحو الله به الخطايا، ويرفع به الدرجات؟ قالوا بلى يا رسول الله قال: إسباغ الوضوء على المكاره، وكثرة الخطا إلى المساجد، وانتظار الصلاة بعد الصلاة، فذلكم الرباط. (الصحيح لمسلم: ۱/۱۲۷، رقم الحديث: ۴۱- (۲۵۱)، كتاب الطهارة، باب فضل إسباغ الوضوء على المكاره، ط: رشيدية- دہلی ☆ سنن الترمذی: ۱/۱۸، أبواب الطهارة، باب في إسباغ الوضوء، ط: فيصل- دیوبند ☆ المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي- أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳ھ): ۱/۸۹، كتاب الطهارة، باب الفضل في ذلك، بعد باب الأمر بإسباغ الوضوء، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية- حلب ☆ سنن ابن ماجه: ۱/۳۴، رقم الحديث: ۴۲۷، ۴۲۸، أبواب الطهارة و سننها، باب ما جاء في إسباغ الوضوء، و رقم الحديث: ۷۷۶، ص: ۵۶، باب المشي إلى الصلاة، أبواب المساجد والجماعات، ط: اشرفي بك ڈپو- دیوبند)

(علی المکاره): جمع مکروہ بفتح المیم من الکرہ بمعنی المشقة والألم قيل: منها إغواز الماء والحاجة إلى طلبه أو ابتياعه بالثمن الغالي، كذا ذكره الطيبي رحمه الله تعالى. وقيل: المراد حال ما يكره استعمال الماء كالتوضؤ بالماء البارد في الشتاء أو ألم الجسم. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح- علي بن سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروري القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۱/۳۴۴، رقم الحديث: ۲۸۲، كتاب الطهارة، الفصل الأول، ط: دار الفكر- بيروت) ————— مزيد تفصيل کے لیے دیکھیے: المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج المعروف بـ شرح النووي- أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ۷۶۷ھ): ۳/۱۴۱، كتاب الطهارة، باب فضل إسباغ الوضوء على المكاره، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت ☆ لقوت المغتذي على جامع الترمذی- عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (م: ۹۱۱ھ): ۱/۲۲، أبواب الطهارة، ط: رسالة الدكتوراة - جامعة أم القرى، مكة المكرمة- كلية الدعوة وأصول الدين، قسم الكتاب والسنة)

ناگواری اور مشقت کبھی سستی کی وجہ سے ہوتی ہے، مثلاً: پانی اتنا کم ہے کہ سنت کے مطابق وضو کرنے اور ہر عضو کو تین تین مرتبہ دھونے کے لیے کافی نہیں ہو سکتا؛ بل کہ ایسا کرنے کے لیے پانی کچھ دور چل کر لانا پڑتا ہے، اور کبھی سخت ٹھنڈی کی وجہ سے بھی ناگواری ہوتی ہے، کہ پانی ٹھنڈا ہے اور موسم سردی کا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ فضیلت اور ثواب فقط وضو کرنے سے ہی مل جاتا ہے یا اس کے ساتھ دور کعت نماز کی بھی شرط ہے؟ بیّنوا تو جو ا۔

### الجواب حامد ومصليا:

ترمذی شریف (۲/۱) سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف اسباغ وضو (کامل طور پر وضو کرنے) سے ہی ثواب ملے

گا۔<sup>(۱)</sup>

اللہ تعالیٰ بہت فیاض ہیں، ان کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے؛ نیت کر کے وضو کر لیا جائے، تو ثواب ملے گا۔ (ان شاء اللہ)<sup>[۲]</sup> اور یہ بات یاد رہے کہ نیک کام کرنے سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، جب کہ کبیرہ گناہوں کی معافی توبہ ہی سے ہوتی ہے۔<sup>(۳)</sup> رہے حقوق العباد، تو ان میں توبہ بھی کافی نہیں ہے؛ بل کہ

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے: سوال کا حاشیہ نمبر: ۱۔

(۲) و کیفیتها أن ينوي رفع الحدث أو إقامة الصلاة أو ينوي الوضوء أو امتثال الأمر ومحلها القلب... والنية سنة لتحصيل الثواب لأن الأمور به ليس إلا غسلًا ومسحًا في الآية ولم يعلمه النبي صلى الله عليه وسلم للأعرابي مع جهله. (مراقبي الفلاح شرح متن نور الإيضاح - حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹ھ)، ص: ۳۳، باب في الوضوء، فصل في سنن الوضوء، اعنتني به وراجعته: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية) علامہ شامی نے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: فعلم أنه لا تلازم بين الثواب والصحة فقد يوجد الثواب بدون الصحة كما ذكر، وبالعكس كما في الوضوء بلانية فإنه صحيح، ولا ثواب فيه. (رد المحتار: ۲/۲۵، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، فرع يكره إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم يتخطر قاب الناس، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

وقال الحنفية الذين لم يشترطوا النية في الوسائل: المراد كمال الأعمال ويكون تقديرهم كمال الأعمال بالنيات، فالنية شرط كمال فيها، لتحصيل الثواب فقط. (الفقه الإسلامي وأدلته - د. وهبة الزحيلي: ۱/۳۰، المطلب الثاني عشر -

النية والباعث في العبادات والعقود والفسوخ والتروك، أولاً - حقيقة النية أو تعريفها، من الشاملة، وهو غير موافق للمطبوع)

(۳) وكون التوبة سبباً لغفران الذنوب وعدم المؤاخظة بها، مما لا خلاف فيه بين الأمة. وليس شيء يكون سبباً لغفران جميع الذنوب إلا التوبة، قال تعالى: {قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ} [النور: ۵۳]، وهذا لمن تاب. (شرح العقيدة الطحاوية - صدر الدين محمد بن علاء الدين، ابن أبي العز الحنفي، الأذرع الصالحى الدمشقى (م: ۹۲ھ)، ص: ۳۲۷، أهل القبلة مسلمون مؤمنون، تخريج: ناصر الدين الألباني، ط: دار السلام للطباعة والنشر، الطبعة المصرية الأولى: ۱۳۲۶ھ - ۲۰۰۵م)

متعلقہ بندوں کے حقوق ادا کرنا ضروری ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲] ببول کی مسواک سے سنت ادا ہو جائے گی

۴۳۸-سوال: کیا صرف پیلو کا مسواک ہی استعمال کر سکتے ہیں یا کسی دوسرے درخت کی

لکڑی سے بھی مسواک کا حق ادا ہو جائے گا؟ ببول کے مسواک میں کیا کوئی حرج ہے؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

علماء کرام لکھتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ مسواک کڑوے درخت کی ہو اور اس کے ریشے نرم ہوں، ببول

کی مسواک کرنے سے بھی سنت ادا ہو جائے گی۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۳] اعضاء وضو پر کلر لگ جائے، تو کیا حکم ہے؟

۴۳۹-سوال: اگر بدن کے کسی عضو پر کلر (پکارنگ) لگ گیا ہو اور اس کو اچھی طرح صاف

کرنے کے باوجود تھوڑا سا کلر رہ جائے، تو ایسی صورت میں وضوء یا غسل ہوگا یا نہیں؟

نوٹ:- بعض لوگوں کا پیشہ ہی کلر کا ہوتا ہے، ان کے لیے کلر سے بچنا دشوار ہوتا ہے، ایسی صورت میں

پکے کلر لگ جانے سے محفوظ نہ رہنے کی وجہ سے وضوء یا غسل ہوگا یا نہیں؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

جن اعضاء کو وضوء میں دھونا فرض ہے، ان پر پکارنگ اس طور پر لگ جائے، کہ اس کے رہتے ہوئے

(۱) وإن كانت عما فرط فيه من حقوق الله كصلاة وصيام وزكاة، فتوبته أن يندم على تفریطه أولاً، ثم يعزم على أن لا يعود أبداً...، وإن كانت عما يتعلق بالعباد، فإن كانت من مظالم الأموال، فتتوقف صحة التوبة منها مع ما قدمنا في

حقوق الله تعالى على الخروج عن عهدة الأموال، وإرضاء الخصم في الحال والاستقبال، بأن يتحلل منهم، أو يردها إليهم أو إلى من يقوم مقامهم من وكيل، أو وارث هذا. (شرح كتاب الفقه الأكبر - ملا علي القاري (م: ۱۰۱۳ھ)،

ص: ۲۶۳، مسألة في التوبة وشرائطها وفيها أبحاث، ت: علي محمد دندل، ط: مكتبة دار الإيمان - سهارن فور)

(۲) والمستحب... أن يكون من شجر مر، ليكون أقطع للبلغم، وأنقى للصدر، وأهناً للطعام، وأفضل له الأراك، ثم الزيتون، ويصح بكل عود إلا الرمان والقصب لمضرتهما، وأن يكون طول شبر مستعمله، لأن الزائد يركب عليه

الشیطان ۱ھ- حاشية الطحطاوي على مرآة الفلاح - أحمد بن محمد، الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱ھ)، ج: ۶،

كتاب الطهارة، فصل في سنن الوضوء، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)



پانی جسم تک نہ پہنچ سکے، تو اس کو دھو کر زائل کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر وضو درست نہیں ہوگا، خوب اچھی طرح صاف کرنے کے باوجود رنگ کا اثر باقی رہ گیا ہو اور وہ کیمیکل (چکنا اور گاڑھا رنگ) نہ ہو، تو رنگ کا کام کرنے والوں کے لیے اس کو زائل کرنا ضروری نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۴] درجہ حفظ کے طلبہ کے لیے متعدد بار وضو اور سجدہ تلاوت کا مسئلہ

۴۴۰-سوال: مجھے ایک مسئلہ معلوم کرنا ہے، میں نے اس سوال کو کئی علماء سے پوچھا؛ لیکن اطمینان بخش جواب نہیں مل سکا، سوال یہ ہے کہ قرآن شریف حفظ کرنے والے طلبہ، جو صبح سے شام تک پڑھتے رہتے ہیں، ان کے لیے قرآن شریف بغیر وضو کے پڑھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ یعنی اگر کسی سے دیر تک وضو باقی نہیں رکھا جاسکتا ہے اور اگر سبق کے وقت بار بار وضو کرے، تو اس کی پڑھائی میں کافی نقصان ہوتا ہے اور وقت بھی کافی ضائع ہوتا ہے اور جو تھوڑا بہت یاد کیا ہوا ہوتا ہے، تسلسل کے فوت ہونے کی وجہ سے وہ بھی ذہن سے نکل جاتا ہے اور اس کو پھر سے یاد کرنا پڑتا ہے، تو اس صورت میں طالب علم کے لیے گنجائش نکل سکتی ہے یا نہیں؟ اور قرأت پڑھانے والوں کے لیے بھی گنجائش نکل سکتی ہے یا نہیں؟

نیز استاذ اور طلبہ کو سجدہ تلاوت کے متعلق کیا کرنا چاہیے؟ طالب علم متعدد جگہ اپنا سبق استاذ اور

(۱) وفي الجامع الصغير سنن أبو القاسم عن وافر الظفر الذي يبقی في أظفارہ الدرر أو الذي يعمل عمل الطين أو المرأة التي صبغت أصبعها بالحناء، أو الصرام، أو الصباغ، قال: كل ذلك سواء يجزيهم وضوءهم إذ لا يستطاع الامتناع عنه إلا بحرج، والفتوى على الجواز. (الفتاوى الهندية: ۴/۱، كتاب الطهارة، الباب الأول في الوضوء، ط: مكتبة رشيدية-پاکستان)

(ولا يمنع) الطهارة (ونیم) أي خرد ذباب وبر غوث لم يصل الماء تحته (وحناء) ولو جرمه به يفتى (ودرن ووسخ) عطف تفسیر وکذا دهن و دسومة (و تراب) وطین ولو (في ظفر مطلقا) أي قرویا أو مدینا فی الأصح بخلاف نحو عجین. (و) لا يمنع (ما علی ظفر صباغ) لا (طعام بین أسنانه) أو فی سنه المجوف به یفتی. وقیل إن صلبا منع، وهو الأصح. (الدر المختار) — قال ابن عابدین: (قوله: لم يصل الماء تحته) لأن الاحتراز عنه غیر ممکن، حلیة. (رد المحتار علی الدر المختار) ۴/۱۵۴، مطلب أبحاث الغسل، ط: بیروت)

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

”اگر محض رنگ اور کسی قدر چکناہٹ باقی ہے، تو اس سے وضو میں خلل نہیں آتا، جیسے کہ اگر تیل لگا ہوا ہو اور اس پر پانی بہا دیا جائے، اگر صرف رنگ اور چکناہٹ ہی نہیں، بل کہ موم بھی باقی ہے، جس سے پانی نہیں پہنچ سکتا، تو وضو درست ہے نہ غسل۔“ (فتاویٰ محمودیہ: ۴/۱، کتاب الطهارة، باب الوضوء، پاش ناخن پر لگی رہ جائے، تو وضو کا حکم، ط: اشرفی بک ڈپو-دیوبند)

ساتھیوں کو سناتے ہیں اور اپنی جگہ پر بھی پڑھتے ہیں، ان تمام کی گنتی یاد رکھنا بھی مشکل ہے اور یہ سجدے جمع ہوتے جاتے ہیں، تو ان سجدوں کا کیا حکم ہے؟ کیا سب مجموعی سجدوں کو ادا کرنا ضروری ہے؟ آپ اگر مہربانی کر کے ان مسائل کا حل بتلا دیں، تو میں آپ کا شکر گزار ہوں گا، میں درجہ حفظ کا طالب علم ہوں۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

اگر ایک ہی آیت سجدہ طالب علم درس گاہ میں بار بار پڑھتا ہے اور استاذ یا دوسرے ہم سبق کو سناتا ہے، تو جب تک درس گاہ میں رہے گا، ایک ہی سجدہ واجب ہوگا، درس گاہ ”مکان واحد“ کے حکم میں ہے، کونے اور جگہ کے بدلنے سے مجلس نہیں بدلے گی اور جب تک پڑھتا رہے گا، کام (فعل) ایک ہی ہوگا؛ لہذا ایک سجدہ کافی ہوگا، اگر مجلس بدل جائے اس طور پر کہ درس گاہ سے باہر چلا جائے، یا پڑھتے پڑھتے دوسرا کام کرنے لگے، مثلاً اسی درس گاہ میں دسترخوان بچھائے اور کھانے لگے، پھر اسی آیت سجدہ کی تلاوت کرے، تو چونکہ حکماً مجلس بدل گئی ہے؛ اس لیے اس پر دوسرا سجدہ واجب ہوگا۔ (در مختار مع الشامی: ۲/۵۹۰ ☆ مجمع الانہر فی شرح ملتقى الأبحر: ۱/۲۳۵، باب سجود الصلاة، کتاب الصلاة) [۱]

اور نابالغ لڑکا لڑکی پر وضو واجب نہیں ہے، مگر سکھلانے کی غرض سے ابتداءً وضو کر کے اس کو قرآن شریف کی تلاوت کا حکم کیا جائے گا، اور بالغ کو بغیر وضو کے قرآن چھوना بالکل جائز نہیں ہے۔

استاذ کو بار بار وضو کی تکلیف ہو، تو وہ طالب علم سے قرآن کی خدمت (ورق کا پلٹنا وغیرہ) کا کام لے اور بالغ طالب علم رومال یا علاحدہ کپڑے سے اوراق کھولے، مجبوری کی صورت میں اس طرح کی تدبیر اختیار

[۱] ولو تلاها في مسجد جماعة أو في المسجد الجامع في زاوية، ثم تلاها في زاوية أخرى، لا يجب عليه إلا سجدة واحدة؛ لأن المسجد كله جعل بمنزلة مكان واحد في حق الصلاة ففي حق السجدة أولى، وكذا حكم السماع، وكذلك البيت والمحمل. (بدائع الصنائع: ۱/۴۳۳، كتاب الصلاة، فصل أما سبب وجوب السجدة، ط: زكريا-ديوبند)

الأصل أن السجدة لا يتكرر وجوبها إلا بأحد أمور ثلاثة: إما اختلاف المجلس، أو التلاوة، أو السماع حتى أن من تلا آية واحدة مراراً في مجلس واحد تكفيه سجدة واحدة، والأصل فيه ما روي أن جبريل عليه السلام كان ينزل بالوحي فيقرأ آية السجدة على رسول الله صلى الله عليه وسلم ورسول الله صلى الله عليه وسلم كان يسمع ويتلقن ثم يقرأ أعلى أصحابه وكان لا يسجد إلا مرة واحدة. (حوالہ سابق: ۱/۴۳۱) ☆ مزید دیکھیے: البحر الرائق: ۲/۲۲۰-۲۱، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ط: زكريا-ديوبند)

کرنا گناہ کا باعث نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۵] مسجد میں یا وضو کے دوران باتیں کرنا

۴۴۱-سوال: دوران وضو یا مسجد میں دنیوی باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا:

وضو کے دوران دنیوی باتیں کرنا پسندیدہ نہیں ہے، اسی طرح مسجد میں بھی بلا ضرورت دنیوی باتیں کرنا مکروہ ہے، اس سے نیکیاں اس طرح برباد ہوتی ہیں، جس طرح سوکھی گھاس کو آگ جلا دیتی ہے؛ لہذا مسجد میں بلا ضرورت دنیوی باتوں سے بچنا بہت ضروری ہے، مسجد میں نماز، تلاوت قرآن، ذکر وغیرہ عبادت الہی میں مشغول رہنا چاہیے، مسجد اللہ تبارک و تعالیٰ کا گھر ہے، اس کا احترام بہر صورت ضروری ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) عن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- قال: رفع القلم عن ثلاثة: عن النائم حتى يستيقظ، وعن المبتلى حتى يبرأ، وعن الصبي حتى يكبر. (سنن أبي داود: ۲/۶۰۴، رقم الحديث: ۴۳۹۸-۴۴۰۳، كتاب الحدود، باب في المجنون يسرق أو يصيب حدا، ط: مختار ايند كميني - ديوبند)

(و) يحرم (به) أي بالأكبر (وبالأصغر) مس مصحف أي ما فيه آية كدرهم و جدار ... (إلا بغلاف متجاف). [در مختار مع الشامى: ۱/۳۲۵، ط: ذكرى - ديوبند ☆ مزيد دیکھیے: مجمع الانهر في شرح ملتقى الابرار: ۱/۴۲، كتاب الطهارة، ط: مكتبة فقيه الامت، ديوبند]

(ولا) يكره (مس صبي لمصحف ولوح) ولا بأس بدفعه إليه وطلبه منه للضرورة إذ الحفظ في الصغر كالنقش في الحجر. وقال الشامى: (قوله: ولا يكره مس صبي إلخ) فيه أن الصبي غير مكلف والظاهر أن المراد لا يكره لوليه أن يتركه يمس، بخلاف ما لوراة يشرب خمرا مثلاً فإنه لا يحل له تركه. (قوله: ولا بأس بدفعه إليه) أي لا بأس بأن يدفع البالغ المتطهر المصحف إلى الصبي، ولا يتوهم جوازهم مع وجود حدث البالغ. (قوله: للضرورة) لأن في تكليف الصبيان وأمرهم بالوضوء حرجاً بهم، وفي تأخيرهم إلى البلوغ تقليل حفظ القرآن، درر. (رد المحتار مع الدر المختار المعروف بالشامى: ۱/۱۷-۳۱۶، كتاب الطهارة، مطلب يطلق الدعاء على ما يشمل الثناء)

(۲) وأما الثالث وهو أنه لا يتكلم إلا بخير فلقوله تعالى: وقل لعبادي يقولوا التي هي أحسن. {الإسراء: ۵۳} وهو بعمومه يقتضي أن لا يتكلم خارج المسجد إلا بخير فالمسجد أولى كذا في غاية البيان. وفي التبيين وأما التكلم بغير خير؛ فإنه يكره لغير المعتكف فما ظنك للمعتكف ۵... الكلام المباح في المسجد مكروه يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب. (البحر الرائق: ۲/۵۳۱، كتاب الصوم، باب الاعتكاف)

مزيد دیکھیے: رد المحتار على الدر المختار: ۳/۴۴۱، كتاب الصوم، باب الاعتكاف ☆ فتح القدير: ۱/۴۳۵، كتاب الصلاة قبيل باب الوتر، ط: ذكرى، ديوبند

## [۶] مذی اور ودی کے خروج سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

۴۴۲-سوال: ایک شخص کو پیشاب کرنے کے بعد منی کے قطرات نکلتے ہیں، ایسا شخص پیشاب

کے بعد جلد وضوء کر کے جماعت میں شامل ہو سکتا ہے؟ بینوا تو جروا۔

## الجواب حامدا ومصليا:

پیشاب کے بعد جو قطرات نکلتے ہیں، اس کو ودی کہتے ہیں، عضو تناسل بوجہ شہوت ایستادگی کی حالت میں ہو اور قطرات ٹپکنے کے باوجود شہوت باقی رہے، تو اس (ٹپکنے والے قطرہ) کو مذی کہتے ہیں اور اگر قطرات نکلنے سے شہوت ختم ہو جائے، تو اس (ٹپکنے والے قطرہ) کو منی کہتے ہیں۔ مذی اور ودی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، جب کہ منی کا خروج غسل کو واجب کرتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

اگر کسی کو پیشاب کے بعد قطرات آتے ہوں اور وہ جلدی سے وضوء کر کے جماعت میں شریک ہو جائے، پھر قطرہ نکل آئے، تو اس کا وضوء ٹوٹ جائے گا، اور بغیر وضوء کے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے؛ اس لیے ایسا شخص استبراء کرے، یعنی مکمل طریقے سے اطمینان حاصل کر لے کہ اب پیشاب کا کوئی قطرہ مخرج میں باقی نہیں ہے، پھر وضوء کر کے جماعت میں شریک ہو۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۷] مذی کا حکم

۴۴۳-سوال: بیوی سے ملاعبت ( مذاق و دل لگی) کے وقت شرم گاہ سے جورطوبت

(مذی) نکلتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ کیا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا؟ اگر وہ بدن یا کپڑے پر لگ جائے، تو کیا

(۱) قال (وفي المنى الغسل) لقلوله - صلى الله عليه وسلم - إنما الماء من الماء «يعني الاغتسال من المنى»... قال (وفي المذي الوضوء) لحديث علي - رضي الله تعالى عنه - قال كنت فحلاماء فاستحييت أن أسأل رسول الله - صلى الله عليه وسلم - لمكان ابنته تحتي، فأمرت المقداد بن الأسود حتى سأله، فقال كل فحل يمذي، وفيه الوضوء. وكذلك الودي فإنه الغليظ من البول فهو كالرقيق منه، ثم فسر هذه المياه فقال (المنى خائر أبيض ينكسر منه الذكر... والمذي رقيق يضرب إلى البياض يخرج عند ملاعبة الرجل أهله، والودي رقيق يخرج منه بعد البول)

وتفسير هذه المياه مروى عن عائشة - رضي الله تعالى عنها - بهذه الصفة. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۸۳ ۴هـ): ۷۷/۱، كتاب الصلاة، باب الوضوء والغسل، ط: دار المعرفة - بيروت)

(۲) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے عنوان: استبراء میں استبراء کی ایک تدریر۔ (باب الاستبراء)

اس کا دھونا ضروری ہے؟ کیا صرف کپڑے وغیرہ سے صاف کر لینا کافی نہیں ہوگا؟ بیٹو اتو جروا۔

### الجواب حامداً ومصلياً:

بیوی کے ساتھ ملاعبت کے وقت جو رطوبت نکلتی ہے اور اس کے نکلنے سے شہوت ٹھنڈی (ختم) نہیں ہوتی ہے، اس کو ”مذی“ کہا جاتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور یہ خود نجس ہے؛ اس لیے جس جگہ لگ جائے، اس حصہ کا دھونا ضروری ہوگا: المذی ينقض الوضوء. (عالم گیری: ۱۰/۱، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، كتاب الطهارة، ط: دار الفكر، الطبعة الثانية: ۳۱۰ھ ☆ شامی: ۱/۱۶۵، ط: دار الفکر-بیروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ-۱۹۹۲ء) وقال الكاساني: كل ما يخرج من بدن الإنسان مما يجب بخروجه الوضوء أو الغسل فهو نجس، من البول والغائط والودي والمذي والمنى... الخ. (بدائع الصنائع: ۱۹۳/۱، كتاب الطهارة، فصل في الطهارة الحقيقية، ط: زكريا، ديوبند)

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ج: ۱، ص: ۵۴ پر ایک ترجمہ الباب قائم کیا ہے، جس کا عنوان ہے: ”باب غسل المذي والوضوء منه“ (مذی کو دھونا اور اس کے نکلنے پر وضو کرنا) اس کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں: مجھے بہ کثرت مذی نکلتی تھی، چون کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میری زوجیت میں تھی؛ اس لیے میں نے اس سلسلے میں خود مسئلہ معلوم کرنا مناسب نہیں سمجھا؛ حضرت مقداد بن اسودؓ سے درخواست کی کہ وہ مسئلہ معلوم کریں، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلے کو دریافت کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ذکر (آلہ تناسل) کو دھولو، اور وضو کرو“۔<sup>(۱)</sup> اور امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب (۱۶/۱) میں عنوان قائم کیا ہے: ”کپڑے پر مذی لگ جائے، تو کیا حکم ہے؟“ اس کے تحت بیان کیا ہے کہ: امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک کپڑے کا دھونا ضروری ہے۔ حنفی مذہب کے مطابق مذی ناپاک ہے، اگر وہ کپڑے یا بدن پر لگ جائے، تو اس کا دھونا ضروری ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) عن علي، قال: كنت رجلاً مذاء فأمرت رجلاً أن يسأل النبي صلى الله عليه وسلم، لمكان ابنته، فسأل فقال: توضأ واغسل ذكرك. (صحيح البخاري: ۱/۴۱۱، رقم الحديث: ۲۶۹، كتاب الغسل، باب غسل المذي والوضوء منه، ط: ديوبند)

(۲) عن سهل بن حنيف قال: كنت ألقى من المذي شدة وعناء، فكننت أكثر منه الغسل، فذكرت ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم - وسألته عنه، فقال: إنما يجزئك من ذلك الوضوء، فقلت: يا رسول الله! كيف بما يصيب ثوبي منه، قال: يكفيك أن تأخذ كفاً من ماء فتضع به ثوبك حيث ترى أنه أصاب منه. قال أبو عيسى: وقد اختلف أهل =

## [۸] ایضاً

۴۴۴- سوال: بندہ کئی دنوں سے خروج مذی کا شکار ہے، عضو مخصوص سے اس کا خروج ہوتا ہے، کبھی انتشار عضو کے ساتھ اور کبھی بغیر انتشار عضو کے، البتہ مذی کا خروج انتہائی قلیل مقدار میں ہوتا ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ خروج مذی کے وقت جو کپڑا پہن رکھا تھا، اس کو دھویا جائے یا تبدیل کر دیا جائے، اس میں احتیاطی پہلو کیا ہے؟ نیز اس سلسلے میں حضرت والا کے پاس کوئی علاج ہو، تو ضرور تحریر فرمائیں تاکہ اس پر عمل کیا جائے، عین کرم ہوگا۔

### الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اگلی شرم گاہ سے سیال مادہ کے خروج کے بعد عضو مخصوص کا انتشار ختم ہو جائے اور عضو مخصوص ساکن ہوئے، تو غسل فرض ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں خارج ہونے والی شے مذی نہیں ہوگی، بل کہ منی ہوگی۔ ہاں اگر نکلنے والے مادہ کے بعد بھی عضو ساکن نہ ہوتا ہو، تو اس صورت میں غسل فرض نہیں ہوگا، البتہ وضو واجب ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

کپڑا خواہ مذی سے آلودہ ہو یا منی سے، اگر قابلِ عفو مقدار سے زیادہ ہو، تو صرف اتنا ہی دھونا ضروری ہے، جتنا کپڑا آلودہ ہوا ہے، پورے کپڑے کا دھونا ضروری نہیں ہے اور مذی چوں کہ رقیق ہے؛ اس

العلم في المذي يصيب الثوب، فقال بعضهم: لا يجزئ إلا الغسل، وهو قول الشافعي، وإسحاق، وقال بعضهم: يجزئه النضح. وقال أحمد: أَرَجُو أَنْ يَجْزِيَهُ النَّضْحُ بِالْمَاءِ. (سنن الترمذي: ۳۱/۱، رقم الحديث: ۱۱۵، أبواب الطهارات، باب في المذي يصيب الثوب، ط: مكتبة البدر - ديوبند)

(۱) (وفرض) الغسل (عند) خروج (منی) من العضو وإلا فلا يفرض اتفاقاً؛ لأنه في حكم الباطن (منفصل عن مقره) هو صلب الرجل وثرائب المرأة... (بشهوة) أي لذة ولو حكما كمحتلم. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۵۹-۱۶۰، باب الغسل، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

المذي ينقض الوضوء. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۰، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، كتاب الطهارة، ط: دار الفكر، الطبعة الثانية: ۱۳۱۰ھ ☆ شامی: ۱/۱۶۵، ط: دار الفكر - بيروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ - ۱۹۹۲ء)

وقال الكاساني: كل ما يخرج من بدن الإنسان مما يجب بخروجه الوضوء أو الغسل فهو نجس، من البول والغائط والودي والمذي والمنی، الخ. (بدائع الصنائع: ۱/۱۹۳، كتاب الطهارة، فصل في الطهارة الحقيقية، ط: زكرياء، ديوبند)

لیے ایک درہم کی مقدار تک معاف ہے، ایک درہم سے زیادہ معاف نہیں ہے، اگر ایک درہم سے زیادہ آلودہ ہوا ہو، تو کپڑے کو دھو دینا کافی ہے، تبدیل کرنا ضروری نہیں ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں حرج عظیم لازم آئے گا؛ لیکن ایسے شخص کے لیے، جسے خروج مذی کا عارضہ لاحق ہو، بہتر صورت یہ ہے کہ نماز کے لیے کوئی علاحدہ کپڑا رکھے، تاکہ نماز سے پہلے کپڑے تبدیل کر کے بہ سہولت نماز ادا کر سکے۔<sup>(۱)</sup> علاج کے لیے کسی حکیم سے رجوع کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۹] خروج مذی کی وجہ سے وضو اور کپڑے کی طہارت کا حکم

۴۴۵-سوال: دل میں برے خیالات آتے ہیں، جن کی وجہ سے پیشاب کے راستے سے ”پانی جیسا رقیق چکنامادہ“ نکلتا ہے، تو کیا کرنا چاہیے، اس کی صفائی ضروری ہے یا نہیں؟ اسی حالت میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج لاحق تو نہیں ہوگا؟ وضو باقی رہے گا یا نہیں؟ مذی اگر کپڑے پر لگ جائے تو کیا کپڑا ناپاک ہو جائے گا؟ کپڑا دھوئے بغیر نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ جوانی میں برے خیالات کی وجہ سے اگر مذی نکل جائے، تو اس سے کس طرح بچا جائے؟

عبدالرحیم حسن ماہرول (جونا گڑھ)

### الجواب حامدًا ومصليًا:

خروج مذی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، کیوں کہ مذی ناپاک ہے، اس کو دھونا ضروری ہے۔<sup>(۲)</sup> اس کے

(۱) دیکھیے عنوان ”خروج مذی کی وجہ سے وضو اور کپڑے کی طہارت کا حکم“ کا حاشیہ نمبر ۲۔

(وعفی قدر الدرهم) وزنا فی المتجسدة وهو عشرون قیراطا ومساحة فی المائعة وهو قدر مقعر الکف داخل مفاصل الأصابع كما وفقه الهندواني وهو الصحيح فذلك عفو (من) النجاسة (المغلظة) فلا يعفى عنها إذا زادت على الدرهم مع القدرة على الإزالة (و) عفی قدر (ما دون ربع الثوب) الكامل (أو البدن) كله على الصحيح من الخفيفة لقيام الربع مقام الكل كمسح ربع الرأس. (مراقی الفلاح، ص: ۳۷، کتاب الطہارة، باب الأنجاس والطہارة منه، ط: زکریا- دیوبند)

(۲) المذی ینقض الوضوء. (الفتاویٰ الہندیة: ۱/۱۰، الفصل الخامس فی نواقض الوضوء، کتاب الطہارة، ط: دار الفکر، الطبعة الثانية: ۱۳۱۰ھ ☆ شامی: ۱/۱۶۵، ط: دار الفکر- بیروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ- ۱۹۹۲ء) وقال الکاسانی: کل ما ینخرج من بدن الإنسان مما ینجب بخروجه الوضوء أو الغسل فهو نجس، من البول والغائط والودي والمذی والمنی، الخ. (بدائع الصنائع: ۱/۱۹۳، کتاب الطہارة، فصل فی الطہارة الحقیقیة، ط: زکریا، دیوبند)

روکنے کے لیے علاج یہ ہے کہ اگلی شرم گاہ (ذکر) پر ٹھنڈے پانی کا چھڑکاؤ کیا جائے، اس کی ٹھنڈک کی وجہ سے مذی کا سیلان رک جائے گا، پھر ناپاکی کو دھو کر وضو کر کے نماز پڑھے، کپڑے پر مذی کے لگ جانے سے کپڑا بھی ناپاک ہو جائے گا، ناپاکی ایک درہم کے برابر پھیل گئی ہو، تو کپڑا دھونا ضروری ہے، مذی کپڑے پر ایک درہم کی مقدار سے کم پھیلی ہوئی ہے، تو معاف ہے، اس کو دھوئے بغیر بھی نماز پڑھے، تو نماز ہو جائے گی۔<sup>(۱)</sup> خروج مذی سے غسل واجب نہیں ہوتا ہے، صرف وضو واجب ہوگا۔<sup>(۲)</sup> اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ شادی کر لو اور اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کر کے غسل کر کے نماز پڑھ لیا کرو۔ واللہ اعلم بالصواب

## [۱۰] عضو تناسل سے چکنے سیال ماڈے کا نکلنا

۴۴۶-سوال: ایک شخص کو اگلی شرم گاہ سے، دن میں چلتے وقت کئی مرتبہ بغیر کسی شہوت کے چکنی

سیال چیز خارج ہوتی ہے، اُس کا کیا حکم ہے؟

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

اس سے وضوء ٹوٹ جائے گا، غسل فرض نہیں ہے، غسل فرض ہونے کے لیے شہوت کے ساتھ کوڈ کر منی کا نکلنا ضروری ہے۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) نجاست غلیظہ میں پتلی اور بننے والی نجاست (خون، آدمی کا پیشاب وغیرہ) کپڑے یا بدن میں لگ جائے، تو پھیلاؤ میں مساحت کف یعنی ہتھیلی کے گڑھے (ایک روپے کے سکے) کے برابر یا اس سے کم معاف ہے، اگر اس کو دھوئے بغیر کوئی نماز پڑھے، تو اس کی نماز ہو جائے گی؛ لیکن نہ دھونا اور اس کے ساتھ نماز پڑھتے رہنا مکروہ اور برا ہے۔ اور اگر نجاست غلیظہ میں سے گاڑھی چیز (پاخانہ، مرغی کی بیٹ وغیرہ) لگ جائے، تو وزن میں ساڑھے چار ماشہ یا اس سے کم معاف ہے۔ اور اگر نجاست خفیفہ ہو، تو بدن یا کپڑے کے جس حصے میں لگی ہے، اگر اس کے چوتھائی سے کم ہو، تو معاف ہے اور اگر پورا چوتھائی یا اس سے زیادہ ہو، تو معاف نہیں ہے: (وعفی قدر الدرهم) و زنا فی المتجسدة وهو عشرون قیراطاً و مساحة فی المائعة وهو قدر مقعر الکف داخل مفاصل الأصابع کما وفقه الہندوانی وهو الصحیح فذلک عفو (من) النجاسة (المغلظة) فلا یعفی عنها إذا زادت علی الدرهم مع القدرة علی الإزالة (و) عفی قدر (مادون ربع الثوب) الکامل (أو البدن) کلہ علی الصحیح من الخفیفة لقیام الربع مقام الكل کمسح ربع الرأس. (مراقی الفلاح، ص: ۳۷، کتاب الطہارة، باب الأنجاس والطہارة منه، ط: زکریا-دیوبند)

(۲) عن علی، قال: کنت رجلاً مذاء فأمرت رجلاً أن یسأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم، لمکان ابنتہ، فسأل فقال: توضعاً و اغسل ذکرک. (صحیح البخاری: ۴۱/۱، رقم الحدیث: ۲۶۹، کتاب الغسل، باب غسل المذی والوضوء منه، ط: دیوبند)

(۳) تفصیلی مسئلہ اور اس کی تخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان: خروج مذی کی وجہ سے وضو اور کپڑے کی طہارت کا حکم ☆ مذی کا حکم۔



## [۱۱] انبیاء کرام علیہم السلام کی نیند ناقض وضو نہیں ہے

۴۴۷- سوال: ایک آدمی یہ معلوم کر رہے تھے کہ جب انبیاء کرام علیہم السلام کی نیند ناقض وضو نہیں ہے، تو کیا واقعی آپ ﷺ اور آپ کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام رات کی نیند کے بعد صبح اٹھ کر وضو کیے بغیر نماز پڑھ لیتے تھے؟ کیا یہ حضرات وضو نہیں کرتے تھے؟ ایک مولانا صاحب نے اس کا جواب یہ دیا کہ نوم سے انبیاء کرام کا وضو نہیں ٹوٹتا ہے، تو اس شخص نے پھر یہ کہا: کیا ہمارے نبی ﷺ وضو نہیں کرتے تھے، آپ بغیر وضو کے نماز پڑھ لیتے تھے؟

اے دائی ٹیل ملاڈ (مئی ۶۳)

### الجواب حامدًا ومصلياً:

یہ صحیح ہے کہ انبیاء کرام کا سونا ناقض وضو نہیں ہے، احادیث کی معتبر کتابوں میں یہ ملتا ہے کہ آپ ﷺ سونے کے بعد جب بیدار ہوتے، تو وضو کیے بغیر نمازیں پڑھتے تھے؛ البتہ آپ ﷺ کا وضو بول و براز سے اسی طرح ٹوٹ جاتا تھا، جس طریقہ سے امتی کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب

(۱) وفي الدر المختار: والعتة لا ينقض كنوم الأنبياء - عليهم الصلاة والسلام -، وهل ينقض إغماؤهم وغشيهم؟ ظاهر كلام الميسوط نعم. قال ابن عابدين: (قوله: كنوم الأنبياء) قال في البحر: صرح في القنية بأنه من خصوصياته - صلى الله عليه وسلم - ولذا ورد في الصحيحين «أن النبي - صلى الله عليه وسلم - نام حتى نفخ ثم قام إلى الصلاة ولم يتوضأ» لما ورد في حديث آخر «وإن عيني تنامان ولا ينام قلبي». وفي القهستاني: لا نقض من الأنبياء - عليهم الصلاة والسلام -، ومقتضاه التعميم في كل النواقض، لكن نقل طعن عن شرح الشفاء لملا علي القاري الإجماع على أنه - صلى الله عليه وسلم - في نواقض الوضوء كالأمة إلا ما صح من استثناء النوم. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۱۳۳، كتاب الطهارة، مطلب نوم الأنبياء غير ناقض، ط: دار الفكر - بيروت، طبع دوم: ۱۳۱۲ھ - ۱۹۹۲ء) عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: نمت عند ميمونة والنبي صلى الله عليه وسلم عندها تلك الليلة، فتوضأ، ثم قام يصلي، فقممت عن يساره، فأخذني، فجعلني عن يمينه، فصلى ثلاث عشرة ركعة، ثم نام حتى نفخ، وكان إذا نام نفخ، ثم أتاه المؤذن، فخرج، فصلى ولم يتوضأ. (صحيح البخاري: ۱/۹۷، رقم الحديث: ۲۹۸، كتاب الأذان، باب: إذا قام الرجل عن يسار الإمام، فحوله الإمام إلى يمينه، لم تفسد صلاتهما، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۲۶۰، رقم الحديث: ۱۸۷ - (۷۲۳)، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة النبي صلى الله عليه وسلم ودعائه بالليل، ط: ديوبند ☆ المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي (م: ۳۰۳ھ) - ۲/۲۱۸، رقم الحديث: ۱۱۲، كتاب التطبيق، باب الدعاء في السجود، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

## [۱۲] آشوب چشم کے مرض کی وجہ سے نکلنے والے پانی کا حکم

۴۴۸-سوال: آشوب چشم کے مرض کی وجہ سے جو پانی آنکھوں سے نکلتا ہے، وہ پاک ہے یا ناپاک؟ اور کیا اس کی وجہ سے وضو ٹوٹ جائے گا؟ بہشتی زیور<sup>(۱)</sup> اور فتاویٰ رحیمیہ<sup>(۲)</sup> میں لکھا ہے کہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، جب کہ فتاویٰ رشیدیہ<sup>(۳)</sup> اور فتاویٰ دارالعلوم<sup>(۴)</sup> میں لکھا ہے کہ وہ پانی ناپاک نہیں ہے اور اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا، تو اب عمل کس پر کیا جائے؟

### الجواب حامدًا ومصلياً

آشوب چشم کے مرض کی وجہ سے جو پانی آنکھوں سے نکلتا ہے، وہ ناپاک ہے؛ کیوں کہ اس مرض کی وجہ سے آنکھوں میں چھوٹے چھوٹے دانے ہو جاتے ہیں، اور ان ہی دانوں سے وہ پانی نکلتا ہے؛ اس لیے وہ

(۱) ایسے ہی اگر آنکھیں دکھتی ہوں اور کھٹکتی ہوں، تو پانی بنے اور آنسو نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور اگر آنکھیں نہ دکھتی ہوں، اور نہ اس میں کچھ کھٹک ہوں، تو آنسو نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (بہشتی زیور کامل، ص: ۶۱)

(۲) فتاویٰ رحیمیہ (۲۶/۳، کتاب الطہارت، مرض آشوب چشم (آنکھ دکھنا) میں آنکھوں سے نکلنے والے پانی کا حکم، ط: دارالاشاعت، پاکستان) میں ہے: مرض آشوب چشم (آنکھ دکھنا) لاحق ہونے کی حالت میں جو چکنا پانی یا پیپ نکلتا ہے، اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور جو چیز ناقض وضو ہوتی ہے وہ ناپاک ہوتی ہے، آنکھوں میں تکلیف اور درد نہ ہو، اس وقت آنکھ سے پانی نکلے، اس سے وضو نہیں ٹوٹتا: (کما) لا ینقض (لو خرج من اذنه) ونحوها کعینہ ونیدیہ (قیح) ونحوہ کصدید و ماء سرة وعین (لا بوجع) وان خرج (به) أي بوجع (نقض) لأنه دلیل الجرح، فدمع من بعینہ رمد أو عمش ناقض. (در مختار مع رد المحتار: ۱۳۷/۱، مطلب نواقض الوضوء)

(۳) آنکھ دکھنے میں جو پانی نکلتا ہے، پاک ہے، اگرچہ بعض نے ناپاک کہہ دیا ہے؛ لیکن تحقیق کے خلاف ہے۔ (ص: ۲۹۵، طہارت، آنکھ دکھنے کی وجہ سے اگر پانی آنکھ سے بہے، ط: دارالاشاعت - کراچی)

(۴) آنکھ دکھنے میں جو پانی نکلتا ہے، اس میں تحقیقی قول وہی ہے، جو حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ نے ارقام فرمایا ہے، اس مسئلے کی بحث در مختار و شامی (۱۳۷/۱) میں اس طرح کی ہے کہ صاحب در مختار نے یہ لکھا ہے کہ وہ پانی نجس اور ناقض وضو ہے، عبارت اس کی یہ ہے: فدمع من بعینہ رمد أو عمش ناقض الخ. اس پر شامی نے امام ابن ہمام کی تحقیق یہ نقل کی ہے کہ ایسی صورت میں وضو کا حکم استحباً ہے و جو بائیں، جیسا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے کلام سے ظاہر ہوتا ہے، پس معلوم ہوا کہ وہ پانی ناقض وضو نہیں ہے، عبارت شامی کی یہ ہے: قال في المنية: وعن محمد إذا كان في عينيه رمد وتسيل الدموع منها أمره بالوضوء لوقت كل صلاة لأنها أخاف أن يكون ما يسيل منها صديداً فيكون صاحب العذر. ۱ھ. اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام ابن ہمام کی تحقیق یہ ہے کہ وہ ناقض وضو نہیں ہے، اور یہ موافق قواعد شرعیہ کے ہے، یہی راجح ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم: ۱۳۴/۱، سوال نمبر: ۲۶، طہارت، آنکھ سے پانی گرنا ناقض وضو ہے یا نہیں؟ ط: ذکر یا - دیوبند)

ناپاک ہے، آشوب چشم کے مرض کے علاوہ کسی اور وجہ سے اگر پانی نکلے، تو وہ پاک ہے، ناپاک نہیں۔<sup>(۱)</sup>  
فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۱۳] وضو کے دوران آنکھوں میں پانی کے چھینٹے مارنا

۴۴۹-سوال: وضو کرتے وقت بہت سے لوگ منہ دھونے کے بعد آنکھ پر دو تین مرتبہ پانی مار کر اسے دھوتے ہیں، کیا اس طرح دھونا ثواب کی زیادتی کا سبب ہے؟ آنکھوں میں پانی مارنا طبی اعتبار سے آنکھوں کی روشنی بڑھانے میں اور صفائی میں مفید بتلایا جاتا ہے، اس مقصد سے اگر یہ عمل وضو کے ساتھ کیا جائے، تو کیسا ہے؟

#### الجواب حامدا ومصليا:

وضو میں آنکھ کے اندرونی حصے کا دھونا ثواب کی زیادتی کا باعث نہیں ہے، اس سے منع کیا گیا ہے، کیوں کہ اس سے آنکھ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آنکھ چربی کی طرح ایک لطیف شے ہے، جس کے لیے سرد و گرم پانی نقصان دہ ہے۔<sup>(۲)</sup> ہاں طبی اعتبار سے فائدہ ہو، تو ایسا کرنے کی اجازت ہوگی۔ تاہم فقہاء کی تصریح اس کے خلاف ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۱۴] ودی کا حکم

۴۵۰-سوال: زید جب پیشاب کرتا ہے، تو آخر میں دو تین گاڑھے قطرے منی جیسے نکلتے ہیں اور وہ کد کر شہوت کے ساتھ نہیں نکلتے، تو کیا اس سے غسل واجب ہوگا؟ اور ان قطروں کو شریعت کی اصطلاح میں کیا کہتے ہیں؟

#### الجواب حامدا ومصليا:

شریعت کی اصطلاح میں ان قطروں کو ”ودی“ کہا جاتا ہے، یہ ناپاک ہیں، ان کے نکلنے سے وضو

(۱) (کما) لا ینقض (لو خرج من أذنه) ونحوها کعینہ وئدیہ (قیح) ونحوہ کصدید و ماءسرة وعین (لا بوجع) وإن خرج (به) أي بوجع (نقض) لأنه دلیل الجرح، فدمع من بعینه رمد أو عمش ناقض. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۱۳۷-۱۳۸، مطلب نواقض الوضوء، ط: دار الفکر - بیروت)

(۲) لا غسل باطل العینین. (الدر المختار) وفي الشامیة: لأنه شحم یضربه الماء الحار والبارد. (رد المحتار: ۱/۹۷، کتاب الطهارة، فی بیان فرائض الوضوء) — فمنها التعنیف فی ضرب الماء علی الوجه والمضمضة والاستنشاق بالیسار والامتخاط بالیمین من غیر عذر. (الفتاویٰ الہندیة: ۱/۹۷، الوضوء، الفصل الرابع فی المکروهات)

ٹوٹ جاتا ہے؛ لیکن غسل فرض نہیں ہوتا۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۵] ناپاکی سے متعلق وسوسہ کا حکم

۴۵۱-سوال: مجھے ناپاکی کے متعلق وسوسے آتے رہتے ہیں، یہ خیال ہوتا ہے کہ کہیں میرا وضو تو نہیں ٹوٹ گیا؟ اسی طرح یہ خیال آتا ہے کہ میں ناپاک تو نہیں ہو گیا؟ اس کے متعلق مجھے کیا کرنا چاہیے، کیا کسی انسان کو غلط وسوسے آسکتے ہیں؟

### الجواب حامدًا ومصلياً:

قاعدہ ہے کہ جو چیز یقینی طور پر ثابت ہو، وہ محض شک سے زائل نہیں ہوتی؛ لہذا اگر آپ کو کپڑے کی ناپاکی کا اور وضو کا یقین ہے، تو آپ کا وضو محض وسوسہ کی وجہ سے نہیں ٹوٹے گا اور کپڑا بھی پاک رہے گا، اس طرح کے وسوسے انسان کے ذہن و دماغ میں پیدا ہو سکتے ہیں، ان کو خاطر میں نہیں لانا چاہیے۔ ورنہ وسوسے ڈالنے والا شیطان آپ کو کبھی چین سے نہیں رہنے دے گا۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۶] جب تک وضو ٹوٹنے کا یقین نہ ہو، وضو باقی سمجھا جائے گا

۴۵۲-سوال: نماز کی حالت میں اکثر یہ وہم ہوتا ہے کہ گویا ریح خارج ہو رہی ہے۔ اب حقیقت میں ہوا خارج ہوتے وقت ہوا نکلنے کی جگہ بڑی ہوتی ہے اور پھولتی ہے؛ لیکن وہ جگہ بڑی ہو کر پھولتی نہ ہو اور ہم کو ریح خارج ہونے کا وہم پیدا ہو، تو مشکوٰۃ شریف کی جو حدیث ہے کہ شیطان وساوس ڈالنے کے لیے ہوا نکلنے کی جگہ کے بال کھینچتا ہے، تاکہ لوگوں کے دلوں میں وضو ٹوٹ جانے کا وسوسہ پیدا ہو، تو کیا مذکورہ صورت حال بال کھینچنے سے پیدا ہو سکتی ہے؟ بینوا تو جروا۔

(۱) "ودي" وهو ماء أبيض كدر ثخين، لارائحة له، يعقب البول وقد يسبقه، أجمع العلماء على أنه لا يجب الغسل بخروج المذي والودي. (مراقي الفلاح، ص: ۲۳، كتاب الطهارة، فصل: عشرة أشياء لا يغسل منها، ط: زكريا-ديوبند)

(۲) الأصل أن مائت باليقين لا يزول بالشك. قال الإمام النسفي: من مسائله أن من شك في الحدث بعدما يتيقن بالوضوء فهو على وضوئه ما لم يتيقن بالحدث، ومن شك في وضوئه بعدما يتيقن بحدثه، فهو على حدثه ما لم يتيقن بوضوئه. (أصول الكرخي مع ذكر أمثلتها من النسفي، مندرجہ: قواعد الفقہ ص: ۱۱، ط: دار الكتاب-ديوبند ☆ مزید دیکھیے: بدائع الصنائع، ۱/۱۳۰، كتاب الطهارة، فصل في نواقض الوضوء)

**الجواب حامد ومصليا:**

یہ بات تو صحیح ہے کہ جب تک وضو ٹوٹنے کا یقین نہ ہو، وضو کو باقی سمجھنا چاہیے۔<sup>(۱)</sup> اور شیطان اس طرح کے وساوس ڈالتا ہے۔ لیکن بال کھینچنے والی حدیث مشکوٰۃ شریف میں کون سی جگہ ہے؟ تحریر کیجیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

**[۱۷] خروج ریح کے شک کی وجہ سے وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟**

گذشتہ سے بہتہ

۴۵۳-سوال: اگر کسی شخص کو یہ محسوس ہو کہ دبر سے بال کی طرح کوئی پتلی چیز نکلی، البتہ وہ ریح ہے یا نہیں، اس میں اسے شک ہے، جیسا کہ مشکوٰۃ شریف کی ایک روایت میں مذکور ہے کہ شیطان بہت سی دفعہ اس طرح کے وساوس ڈالتا ہے، تو اس وہم کو شیطانی وسوسہ سمجھا جائے، یا وضو کا ٹوٹنا؟<sup>(۲)</sup>

**الجواب حامد ومصليا:**

اگر یہ یقین ہو جائے کہ ریح خارج ہوئی ہے، تو وضو ٹوٹ جائے گا اور دوبارہ وضو کرنا پڑے گا اور اگر خروج ریح کا صرف شک ہوا ہے، تو اس کی وجہ سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔ (در مختار: ۱۵۰/۱)<sup>[۳]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ولو أيقن بالطهارة، وشك بالحدث أو بالعكس أخذ باليقين. (الدر مع الرد: ۱۵۰/۱، كتاب الطهارة، باب الوضوء، مطلب في ندب مراعاة الخلاف إذالم يرتكب مكره مذهب، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)  
(۲) وعن أبي بن كعب عن النبي -صلى الله عليه وسلم- قال: إن للوضوء شيطاناً، يقال له الولهان، فاتقوا وسواس الماء. رواه الترمذي وابن ماجه. وقال الترمذي: هذا حديث غريب، وليس إسناده بالقوي عند أهل الحديث؛ لأننا لا نعلم أحداً أسنده غير خارجه، وهو ليس بالقوي عند أصحابنا. (مشكاة المصابيح- محمد بن عبد الله الخطيب العمري، أبو عبد الله، ولي الدين، التبريزي (م: ۷۴۱هـ): ۱/۱۳۱، رقم الحديث: ۴۱۹، باب سنن الوضوء، الفصل الثاني، ت: محمد ناصر الدين الألباني، ط: المكتبة الإسلامية-بيروت)

[۳] ولو أيقن في الطهارة وشك بالحدث أو بالعكس أخذ باليقين. (الدر المختار) — وقال ابن عابدين: (قوله: ولو أيقن بالطهارة إلخ) حاصلہ اُنہ اِذا علم سبق الطهارة وشك في عروض الحدث بعدها أو بالعكس أخذ باليقين وهو السابق. قال في الفتح إلا إن تأييد اللاحق؛ فعن محمد علم المتوضى دخول الخلاء للحاجة وشك في قضائها قبل خروجه عليه الوضوء، أو علم جلوسه للوضوء ببناء وشك في إقامته قبل قيامه لا وضوء. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۵۰/۱، باب الوضوء، ط: بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۳، كتاب الطهارة، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، ط: رشيدية-پاکستان ☆ المحيط البرهاني - أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مازة =

## [۱۸] دوران نماز معمولی ریح خارج ہوئی تو؟

۴۵۳-سوال: نماز کے دوران پیچھے کی راہ سے ہلکی سی ہوا خارج ہو جائے، تو کیا حکم ہے؟

کیا نماز توڑ دینی چاہیے؟ اور کس مقدار میں ہوا خارج ہونے سے وضو لازم ہوتا ہے؟

## الجواب حامدا ومصليا:

نماز کے دوران پیچھے کی راہ سے ہوا خارج ہوئی اور اس کا یقین ہو گیا تو وضو ٹوٹ گیا، لہذا وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھے، یا جس قدر نماز پڑھ چکا تھا، اس پر بناء کرے۔ البتہ پیٹ میں گڑ گڑا ہٹ ہوئی، جس سے شک پیدا ہوا، تو محض شک سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور وضو ٹوٹنے کے لیے ہوا کی کوئی مقدار معین نہیں، معمولی ہوا بھی وضو ٹوٹنے کے لیے کافی ہے، جب کہ اس کے نکلنے کا یقین ہو جائے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= البخاري الحنفي (م: ۶۱۶ھ): ۷۶/۱، كتاب الطهارات، الفصل الثاني: في بيان ما يوجب الوضوء وما لا يوجب، قبيل الفصل الثالث، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)  
قال: ومن شك في الحدث فهو على وضوئه، وإن كان محدثا فشك في الوضوء فهو على حدثه؛ لأن الشك لا يعارض اليقين، وما يتيقن به لا يرتفع بالشك. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۳۸۳ھ): ۸۶/۱، كتاب الصلاة، باب الوضوء والغسل، ط: دار المعرفة - بيروت)  
(۱) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا وجد أحدكم في بطنه شيئا، فأشكك عليه أخرج منه شيء أم لا، فلا يخرج من المسجد حتى يسمع صوتا، أو يجد ريحا. (الصحيح لمسلم: ۱/۱۵۸، رقم الحديث: ۳۶۲-۹۹، كتاب الحيض، باب الدليل على أن من يتيقن الطهارة، ثم شك في الحدث فله أن يصلي بطهارته تلك، ط: رشيدية - دهلي)

قال الملا علي القاري: (حتى يسمع صوتا): أي: صوت ريح يخرج منه (أو يجد ريحا): أي: يجد رائحة ريح خرجت منه، وهذا مجاز عن يتيقن الحدث. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - علي بن سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۳ھ): ۳۶۰/۱، رقم الحديث: ۳۰۶، باب ما يوجب الوضوء، ط: دار الفكر - بيروت ☆ فيض القدير شرح الجامع الصغير - زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين، المناوي القاهري (م: ۱۰۳۱ھ): ۳۵۲/۲، حرف الهمزة، ط: المكتبة التجارية الكبرى - مصر)  
قال: ومن شك في الحدث فهو على وضوئه، وإن كان محدثا فشك في الوضوء فهو على حدثه؛ لأن الشك لا يعارض اليقين، وما يتيقن به لا يرتفع بالشك. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۳۸۳ھ): ۸۶/۱، كتاب الصلاة، باب الوضوء والغسل، ط: دار المعرفة - بيروت)

## [۱۹] گالیاں بکنا ناقض وضو نہیں ہے

۳۵۵-سوال: وضو کی حالت میں گالیاں بکنے اور لایعنی باتیں کرنے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ اور کیا نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

## الجواب حامداً ومصلياً:

صورت مسئلہ میں وضو نہیں ٹوٹے گا، جب وضو نہیں ٹوٹے گا، تو نماز کے صحیح نہ ہونے کا کیا مطلب؟<sup>(۱)</sup>  
فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۰] تعلیم الاسلام کے ایک سوال و جواب کے متعلق تفصیل

۳۵۶-سوال: تعلیم الاسلام کے تیسرے حصے میں ایک سوال اور اس کا جواب حسب ذیل ہے:  
س: اگر قرآن مجید پڑھنے، یا چھونے، یا مسجد میں جانے، یا اذان کہنے یا سلام کا جواب دینے کی نیت سے تیمم کیا، تو اس سے نماز جائز ہے یا نہیں؟  
ج: جائز نہیں۔<sup>(۲)</sup>

اب میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا یہی حکم وضو کا بھی ہے؟ یا یہ حکم تیمم کے ساتھ ہی خاص ہے؟

## الجواب حامداً ومصلياً:

یہ حکم صرف تیمم ہی کے ساتھ خاص ہے، وضو کے لیے نہیں ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ تیمم مجبوری کی

(۱) نوٹ: البتہ اعادۃ وضو مستحب ہے: والثالث مندوب للنوم على طهارة، وإذا استيقظ منه وللمداومة عليه، وللوضوء على الوضوء، وبعد غيبة، وكذب، ونميمة، وكل خطيئة. (نور الإيضاح، ص: ۳۷، كتاب الطهارة، فصل في الوضوء على ثلاثة أقسام، ط: تاج کمپنی چوك بازار، سہارن پور)

وقال في شرحه: "وبعد" كلام "غيبة" بذكرك أذاك بما يكره في غيبته. "وكذب" اختلاق ما لم يكن ولا يجوز إلا في نحو: الحرب وإصلاح ذات البين وإرضاء الأهل، "ونميمة" النمام: المضرب والنميم والنميمة: السعاية بنقل الحديث من قوم إلى قوم على جهة الإفساد "و" بعد "كل خطيئة وإنشاد شعر" قبيح لأن الوضوء يكفر الذنوب الصغائر. (مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح - حسن بن علي الشرنبلالي، الحنفی (م: ۱۰۶۹ھ)، ص:

۳۷، كتاب الطهارة، فصل في الوضوء على ثلاثة أقسام، اعتنى به وراجعته: نعیم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

(۲) تعلیم الاسلام، ۳/۴۵، تیمم کا بیان، ط: کتب خانہ عزیز یے۔ جامع مسجد، دہلی۔

حالت میں پاکی کا سبب ہے، اور مذکورہ اعمال میں سے کوئی عمل عبادت مقصودہ نہیں ہے؛ اس لیے اُس تیمم سے نماز جیسی عبادت مقصودہ ادا نہیں ہوگی۔ (درمختار)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۱] چہارز انو بیٹھ کر سونے سے وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟

۴۵۷-سوال: ایک شخص مسجد میں با وضو ہونے کی حالت میں چہارز انو بیٹھ کر سو گیا، اُسی حالت میں اُسے نیند کا جھونکا آیا اور مقعد کا حصہ زمین سے اونچا ہو گیا، تو کیا اس سے اُس کا وضو ٹوٹ جائے گا؟

### الجواب حامدا ومصليا:

چہارز انو بیٹھ کر سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اور ایسی حالت میں ایک یا دو مرتبہ نیند کا جھونکا آ گیا اور مقعد کا حصہ زمین سے اٹھ گیا؛ لیکن وہ فوراً سنبھل کر سیدھا بیٹھ گیا، تو وضو نہیں ٹوٹے گا؛ لیکن اگر ایک مرتبہ اس طرح ہونے کے بعد بھی اُس کی نیند برقرار رہی اور متنبہ نہیں ہوا، تو اُس کا وضو ٹوٹ جائے گا، اور اسی میں احتیاط ہے۔ (شامی: ۱/۱۳۳)<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] وقالوا: لو تیمم لدخول مسجد، أو لقراءة، أو لو من مصحف، أو مسه، أو كتابته، أو تعليمه، أو لزيارة قبور، أو عيادة مريض، أو دفن ميت، أو أذان، أو إقامة، أو إسلام، أو سلام، أو رده، لم تجز الصلاة به عند العامة. (الدر مع الرد: ۱/۲۳۵، كتاب الطهارة، باب التيمم، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

قال ابن عابدين: (قوله لم تجز الصلاة به) أي لفقد الشرط، وهو أمران: كون المنوي عبادة مقصودة، وكونها لا تحل إلا بالطهارة. \_\_\_\_\_ أما في دخول المسجد ففي المحدث فقد الأمرين، وفي الجنب فقد الأول؛ وأما في القراءة للمحدث فلقد الثاني،... وأما المس مطلقا فلقد الأول... فإذا تيمم لذلك كانت العلة فقد الأمرين. (رد المحتار: ۱/۲۳۵، كتاب الطهارة، باب التيمم، ط: بيروت)

[۲] وإن نام جالسا وهو يتمايل وربما تزول مقعدته عن الأرض قال شمس الأئمة الحلواني: ظاهر المذهب أنه لا يكون حدثا. كذا في فتاوى قاضي خان. \_\_\_\_\_ ولو نام قاعدا فسقط على وجهه أو جنبه إن انبته قبل سقوطه أو حالة سقوطه أو سقط نائما وانبته من ساعته لا ينتقض وإن استقر نائما ثم انبته ينتقض. كذا في التبيين. وإن نام متربعا لا ينتقض الوضوء وكذا لو نام متور كابأن يبسط قدميه من جانب ويلصق أليتيه بالأرض كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۲، كتاب الطهارة، الباب الأول في الوضوء، الفصل الخامس في نواقض الوضوء، ط: دار الفكر - بيروت)

(و) ينقضه حكما (نوم يزيل مسكته) أي قوته الماسكة بحيث تزول مقعدته من الأرض، وهو النوم على أحد جنبيه أو ورقيه أو قفاه أو وجهه (وإلا) يزل مسكته (لا) ينقض... ولو نام قاعدا يتمايل فسقط، إن انبته حين سقط فلا نقض، به يفتى كنا عس يفهم أكثر ما قيل عنده. (الدر مع الرد: ۱/۱۳۱-۱۳۲، كتاب الطهارة، باب الوضوء) =



## [۲۲] وضو یا اذان کے دوران سلام اور اُس کا جواب

۴۵۸-سوال: آپس میں سلام کا پھیلانا ایک اہم دینی حکم ہے، اس کو بنیاد بنا کر بعض حضرات وضو یا اذان کے دوران بھی سلام کرتے ہیں اور جب انھیں کوئی جواب نہ دے، تو اُس پر نالاں ہو کر کہتے ہیں کہ لگتا ہے یہاں کوئی انسان نہیں بستا، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا وضو یا اذان کے دوران سلام کا جواب دینا ضروری ہے؟ نیز سلام کن جگہوں میں نہیں کر سکتے؟ تفصیلاً جواب عنایت فرمائیں؛ تاکہ آپسی غلط فہمی کا ازالہ ہو سکے۔

### الجواب حامدًا ومصليًا:

سلام کرنا سنت ہے اور اُس کا جواب دینا واجب ہے؛ لیکن ۲۰ سے زیادہ احوال ایسے ہیں، جن میں فوراً سلام کا جواب دینا واجب نہیں اور بعض احوال میں تو خود سلام کرنے والا گنہگار شمار ہوتا ہے، تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) نماز پڑھنے کے دوران۔ (۲) کھانے کے دوران۔ (۳) پانی پینے کے دوران۔ (۴) تلاوت قرآن کے دوران۔ (۵) ذکر و اذکار اور دعا کے دوران۔ (۶) خطبہ کے دوران۔ (۷) تلبیہ کے دوران۔ (۸) استنجاء کے دوران۔ (۹) اقامت کے دوران۔ (۱۰) اذان کے دوران۔ (۱۱) بچے کے سلام پر۔ (۱۲) مدہوش کے سلام پر (۱۳) جوان عورت کے سلام پر۔ (۱۴) فاسق کے سلام پر۔ (۱۵) اونگھنے کی حالت میں۔ (۱۶) سونے کی حالت میں۔ (۱۷) جماع کی حالت میں۔ (۱۸) فیصلے کے دوران۔ (۱۹) غسل خانے میں۔ (۲۰) مجنون کے سلام پر۔ (۲۱) مسائل فقہیہ کی تعلیم کے دوران۔

ان صورتوں میں سلام نہیں کرنا چاہیے، اور اگر کسی نے سلام کیا، تو جواب دینا واجب نہیں ہے؛ لہذا اگر وضو کے دوران سلام کیا جائے، تو جو لوگ وضو سے فارغ ہو چکے ہیں، اُن میں سے کوئی ایک شخص جواب

= قال ابن عابدین: (قوله: به يفتى) كذا في الخلاصة. وقيل: إن ارتفعت مقعدته قبل انتباهه نقض وإن لم يسقط. وفي الخانية عن شمس الأئمة الحلواني أنه ظاهر المذهب، وعليه مشى في [نور الإيضاح] قال في شرح المنية: والأول أولى لأنه لا يتم الاسترخاء بعد مزيلة المقعدة حيث انتبه فوراً. (رد المحتار: ۱۴۳/۱، كتاب الطهارة، باب الوضوء، ط: بيروت)

دے دے، تمام کی جانب سے کفایت کر جائے گا، اور اگر وضو کرنے والے نے جواب دیا، تب بھی صحیح ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط واللہ اعلم بالصواب۔

### [ ۲۳ ] وضو میں استعمال ہونے والا پانی گٹر میں گرانا کیسا ہے؟

۴۵۹-سوال: سورت میں ہمارا ایک چار منزلہ مکان ہے، جس میں بیت الخلاء اور حمام ایک ساتھ ہی ہے، بیت الخلاء اور حمام میں ایک ہی پائپ لائن ہے، جس کے ذریعہ مستعمل پانی گٹر (GUTTER) میں جاتا ہے، تو کیا وضو میں استعمال شدہ پانی کا گٹر میں جانا شریعت کے اعتبار سے ناجائز ہے؟ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

#### الجواب حامداً ومصلياً

وضو کا مستعمل پانی گٹر (GUTTER) میں جاتا ہو، تو شرعاً کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔  
رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق ہاتھ، منہ، آنکھ، ناک سے سرزد ہونے والے گناہ وضو کے پانی کے ساتھ صاف ہو جاتے ہیں۔<sup>(۲)</sup>

(۱) وفي شرح الشريعة: صرح الفقهاء بعدم وجوب الرد في بعض المواضع: القاضي إذا سلم عليه الخصمان، والأستاذ الفقيه إذا سلم عليه تلميذه أو غيره أو أن الدرس، وسلام السائل، والمشتغل بقراءة القرآن، والدعاء حال شغله، .... اهـ. وفي البزازیة: لا يجب الرد على الإمام والمؤذن والخطيب عند الثاني، وهو الصحيح اهـ. ... وقد نظم الجلال السيوطي المواضع التي لا يجب فيها رد السلام ونقلها عنه الشارح في هامش الخزان، فقال:

رد السلام واجب إلا على	من في الصلاة أو بأكل شغلا
أو شرب أو قراءة أو أذعيه	أو ذكر أو في خطبة أو تلبيه
أو في قضاء حاجة الإنسان	أو في إقامة أو الأذان
أو سلم الطفل أو السكران	أو شابة يخشى بها الفتان
أو فاسق أو ناعس أو نائم	أو حالة الجماع أو تحاكم
أو كان في الحمام أو مجنوناً	فواحد من بعدها عشروناً

(ردالمحتار على الدر المختار: ۱/۶۱۸، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب

المواضع التي لا يجب فيها رد السلام، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «إذا توضأ العبد المسلم - أو المؤمن - فغسل وجهه خرج من وجهه كل خطيئة نظر إليها بعينيه مع الماء - أو مع آخر قطر الماء -، فإذا غسل يديه خرج من يديه كل خطيئة =

اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے مطابق مستعمل پانی ناپاک ہے۔<sup>(۱)</sup> تو جس گٹر (GUTTER) میں ناپاک پانی جاتا ہو، اس میں اگر وضو کا پانی بھی چلا جائے، تو کیا حرج ہے؟<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۴] بلی اگر کسی کی گود میں بیٹھ جائے، تو اس کا کپڑا ناپاک ہوگا یا نہیں؟

۴۶۰-سوال: جب میں گھر آتا ہوں، تو بلی کا بچہ میری گود میں آکر بیٹھ جاتا ہے، کیا اس سے

کپڑا ناپاک ہو جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بلی کے بدن پر کوئی ناپاک لگی ہوئی نہ ہو، تو اس کے محض بیٹھنے سے نہ بدن ناپاک ہوگا اور نہ ہی کپڑا۔<sup>(۳)</sup>

= كان بطشيتها يدها مع الماء أو مع آخر قطر الماء -، فإذا غسل رجليه خرجت كل خطيئة مشتهار جلاها مع الماء - أو مع آخر قطر الماء - حتى يخرج نقياً من الذنوب». (الصحيح لمسلم: ۱/۱۲۵، رقم الحديث: ۳۲- (۲۴۴)، كتاب الطهارة، باب خروج الخطايا مع ماء الوضوء. ط: رشيدية - دهلبي ☆ سنن الترمذي: ۱/۴، رقم الحديث: ۲، أبواب الطهارة، باب ما جاء في فضل الطهور، ط: فيصل - ديوبند ☆ الموطأ للإمام مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (م: ۱۷۹ هـ): ۲/۴۲، رقم الحديث: ۳۲/۸۵، وقوت الصلاة، جامع الوضوء، ت: محمد مصطفى الأعظمي، ط: مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية - أبوظبي - الإمارات)

(۱) ثم مشايخ بلخ حققوا الخلاف فقالوا: الماء المستعمل نجس عند أبي حنيفة وأبي يوسف. وعند محمد طاهر غير طهور، ومشايخ العراق لم يحققوا الخلاف فقالوا: إنه طاهر غير طهور عند أصحابنا، حتى روي عن القاضي أبي حازم العراقي أنه كان يقول: إننا نرجو أن لا تثبت رواية نجاسة الماء المستعمل عن أبي حنيفة، وهو اختيار المحققين من مشايخنا بما وراء النهر. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني

الحنفي (م: ۵۸۷ هـ): ۱/۶۷، كتاب الطهارة، فصل في الطهارة الحقيقية، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۲) مزید دیکھیے: کتاب الفتاویٰ - مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ: ۲/۴۲، ۳۳، طہارت کے احکام، وضوء کا پانی بیت الخلاء کی موری میں، ط: کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند۔

(۳) عن حميدة بنت عبيد بن رفاعه، عن كبشة بنت كعب بن مالك - وكانت تحت ابن أبي قتادة - أن أبا قتادة، دخل فسكبت له وضوءاً، فجاءت هرة فشربت منه، فأصغى لها الإناء حتى شربت، قالت كبشة: فرأني أنظر إليه، فقال: أتعجبين يا ابنة أخي؟ فقلت: نعم، فقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إنها ليست بنجس، إنها من الطوافين عليكم والطوافات. (سنن أبي داؤد: ۱۰/۱۰، رقم الحديث: ۷۵، كتاب الطهارة، باب سؤر الهرة، ط: ديوبند ☆ سنن الترمذي: ۱/۲۷، رقم الحديث: ۹۲، أبواب الطهارة، باب ما جاء في سؤر الهرة، ط: ديوبند ☆ المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي: ۱/۵۵، رقم الحديث: ۶۸، سؤر الهرة، انظر أيضاً: ۳۳۰، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: حلب) =

لیکن ملی بدن چائے یا ہاتھ چائے، تو اس جگہ کو دھونا مستحب ہے۔ (عالمگیری: ۱/۱۸۰) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] پیشاب شرم گاہ میں آکر رک جائے، تو کیا وضو ٹوٹ جائے گا؟

۳۶۱-سوال: پیشاب شرم گاہ کے اندرونی حصے میں آکر رک جائے؛ لیکن باہر نہ نکلا ہو، تو کیا

وضو ٹوٹ جائے گا؟

الجواب حامدًا ومصلياً:

پیشاب شرم گاہ کے اندرونی حصے میں اتر آئے؛ لیکن شرم گاہ سے باہر ظاہر نہ ہو، تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔<sup>(۲)</sup>

"= وسؤر الهرة طاهر مكروه" وعن أبي يوسف رحمه الله أنه غير مكروه؛ لأن النبي عليه الصلاة والسلام كان يصغي لها الإناء، فنتشرب منه ثم يتوضأ به ولهما قوله عليه الصلاة والسلام "الهرة سبع". (الهداية في شرح بداية المبتدي: ۲۶/۱، باب: الماء الذي يجوز به الوضوء وما لا يجوز، فصل في الأسار وغيرها، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت ☆ تبیین الحقائق شرح كنز الدقائق: ۱/۳۳، أقسام الماء، ماء البئر إذا وقعت فيه نجاسة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة)

[۱] ويكره أن تلحس الهرة في كف إنسان ثم يصلي قبل غسلها. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۴، كتاب الطهارة، الباب الثالث في المياه، الفصل الثاني فيما لا يجوز به التوضؤ، ط: بيروت ☆ تبیین الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارع، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ): ۱/۳۳، كتاب الطهارة، ماء البئر إذا وقعت فيه نجاسة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة ☆ البناية شرح الهداية - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۱/۴۸۱، سؤر الهرة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح، ص: ۱۸، فصل في بيان أحكام السؤر، اعتنى به وراجعته: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

(۲) وإذا وقع البول في قصبه الذكر لم ينتقض وضوؤه. (الأصل المعروف بالمبسوط - أبو عبد الله محمد بن الحسن بن فرقد الشيباني (م: ۱۸۹هـ): ۱/۶۵، كتاب الصلاة، باب الوضوء والغسل من الجنابة، ت: أبو الوفاء الأفغاني، ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية - كراتشي)

ثم المراد بالخروج من السبيلين مجرد الظهور. (الدر المختار) \_\_\_\_\_ قال ابن عابدين: (قوله: مجرد الظهور) من إضافة الصفة إلى الموصوف: أي الظهور المجرد عن السيلان، فلو نزل البول إلى قصبه الذكر لا ينتقض لعدم ظهوره. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۱۳۵، سنن الوضوء، ط: بيروت ☆ العناية شرح الهداية - محمد بن محمد بن محمود، أكمل الدين، الرومي البابر تي (م: ۷۸۶هـ): ۱/۳۹، كتاب الطهارة، فصل في نواقض الوضوء، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق شرح كنز الدقائق - ابن نجيم المصري (م: ۷۹۰هـ): ۱/۳۲، نواقض الوضوء، ط: دار الكتاب الإسلامي)

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۶] کیا وضو کرتے وقت ”یا قادر“ کا ورد ثابت ہے؟

۴۶۲-سوال: ایک شخص نے بیان کیا کہ انہوں نے مولانا حقانی صاحب و انکانیری (گجرات) کے وعظ میں سنا ہے کہ جب کوئی آدمی وضو کے لیے بیٹھے اور وضو کے شروع میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنے کے بعد سے وضو کے ختم ہونے تک (یا قادر) پڑھتا رہے اور اخیر میں پھر ایک مرتبہ درود شریف پڑھے، تو انشاء اللہ اس کی جو بھی حاجت ہوگی، وہ پوری ہوگی۔

کیا یہ عمل صحیح و معتبر ہے؟ اور ثابت ہے یا نہیں؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے تو ثابت نہیں ہے، البتہ بزرگان دین کے وظائف میں ہے؛ لہذا اس کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۷] نماز جنازہ کے لیے کیے جانے والے وضو سے فرض نماز پڑھنا

۴۶۳-سوال: ایک شخص نے جنازہ کی نماز کے لیے وضو کیا، تو کیا اس وضو سے فرض یا سنت نماز پڑھ سکتا ہے؟ ہمارے امام صاحب کا کہنا ہے کہ ”اس وضو سے فرض اور سنت نماز جائز نہیں ہے“۔ کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا تو جروا۔

**الجواب حامدا ومصليا:**

وضو کی صحت کے لیے نیت شرط نہیں ہے، نیت کے بغیر بھی وضو ادا ہو جائے گا۔ (کیری، ص: ۵۲)<sup>[۱]</sup> لہذا جنازہ کی نماز کے لیے جو وضو کیا گیا ہے، اس سے فرض نماز پڑھنا جائز ہے، آپ کے امام صاحب سے مسئلہ بتانے میں چوک ہوئی ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) والنیة سنة فی الوضوء، ولیست بفرض. (غنیة المستملی فی شرح منیة المصلی، ص: ۲۳، قبیل باب فی آداب الوضوء، ط: دار الکتب - دیوبند)

(وَأَمَّا النِّيَّةُ فَلَيْسَتْ مِنَ الشَّرَائِطِ. (بدائع الصنائع: ۱/۱۷، کتاب الطهارة، فصل شرائط أركان الوضوء، ط: بيروت)

[۲۸] نماز کے دوران شرم گاہ میں ایستادگی پیدا ہو جائے، تو وضو ٹوٹ جائے گا؟

۳۶۴-سوال: نماز کی حالت میں خیالات فاسدہ کے آنے کی وجہ سے شرم گاہ (ذکر)

میں تبدیلی پیدا ہو جائے اور عضو مخصوص ایستادہ ہو جائے، تو اس سے نماز یا وضو میں کوئی خرابی تو نہیں آئے گی؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

اگر منی یا ندی (چکنا مادہ/پانی) کا ایک قطرہ بھی خارج ہوگا، تو وضو ٹوٹ جائے گا اور نماز بھی ٹوٹ

جائے گی، ناپاکی دھو کر دوبارہ نماز ادا کرنی ہوگی۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] تلاوت قرآن کے دوران تھوڑے تھوڑے وقفے سے ریح کا خارج ہونا

۳۶۵-سوال: کوئی آدمی قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہو اور اس درمیان تھوڑے تھوڑے وقفے

پر ہوا خارج ہوتی ہو، تو کیا ہر مرتبہ وضو کرنا ضروری ہے؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

قرآن کریم کو ہاتھ لگائے بغیر، رومال وغیرہ کی مدد سے کھول کر تلاوت کرنا صحیح ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) عن أبي هريرة، أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- قال: لا وضوء إلا من صوت أريح. (سنن الترمذي: ۱/۲۳،

رقم الحديث: ۷۴، أبواب الطهارة، باب ما جاء في الوضوء من الريح، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن ابن ماجه، ص: ۳۹،

رقم الحديث: ۵۱۶۳۵۱۳، أبواب الطهارة وسننها، باب لا وضوء إلا من حدث، ط: المكتبة الأشرفية - ديوبند)

"المعاني الناقضة للوضوء كل ما يخرج من السبيلين" لقلو له تعالى: {وَأَوْجَاءٌ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ} [النساء: ۳۳] وقيل

لرسول الله صلى الله عليه وسلم: ما الحدث؟ قال: "ما يخرج من السبيلين". وكلمة ما عامة فتناول المعتاد وغيره

"(الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر، الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ):

۱/۷، كتاب الطهارة، باب الوضوء، فصل في نواقض الوضوء، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي -

بيروت ☆ درر الأحكام شرح غرر الأحكام - محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا - أو منلا أو المولى - خسرو

(م: ۸۸۵هـ): ۱/۱۲، كتاب الطهارة، نواقض الوضوء، ط: دار إحياء الكتب العربية)

(۲) أما المحدث فحكمه وحكم الظاهر سواء غير أنه لا يجوز له أداء الصلاة إلا بالوضوء، ولا يباح له مس

المصحف إلا بغلافه... ويباح له دخول المسجد وقراءة القرآن وأداء الصوم... واختلف المشايخ في تفسير

الغلاف، قال بعضهم: هو الجلد الذي عليه. وقال بعضهم هو الكم. وقال بعضهم: هو الخريطة، وهو الصحيح؛ لأن

الجلد تبع للمصحف والكم تبع للحامل فأما الخريطة فليست بتبع. (تحفة الفقهاء - محمد بن أحمد بن أبي =

[۳۰] اگر چہرے یا ہاتھ پر گھی، ویسلین یا تیل وغیرہ لگا ہو، تو وضو ہوگا یا نہیں؟

۳۶۶-سوال: سردی کے موسم میں بعض لوگ چہرہ اور ہاتھ پر چکنی چیزیں لگاتے ہیں، اس صورت میں وضو کرنے سے چکنائی والی جگہ پر پانی ٹھہرتا نہیں ہے، تو کیا اس سے وضو میں کوئی خرابی آئے گی؟

**الجواب حامداً ومصلياً:**

تیل، گھی یا ویسلین ہاتھ یا چہرے پر لگایا ہو اور دوران وضو اس پر پانی بہا دیا ہو، تو وضو ہو جائے گا، پانی کا بہانا ضروری ہے، ہاں اگر ان کے رہتے ہوئے پانی جسم اعضاء وضو تک سرایت نہ کرے، تو وضو نہیں ہوگا۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۱] گالی گلوچ کرنے یا گانا بجانے کی وجہ سے وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟

۳۶۷-سوال: وضو کی حالت میں کوئی آدمی گالی گلوچ کرے، گانا سنے، یا گندی اور نامناسب باتیں کرے، تو اس سے وضو باقی رہے گا یا نہیں؟ اس طرح کی حرکتوں کے بعد نماز پڑھنے یا قرآن مجید کی تلاوت کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

= أحمد أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۳۰ھ): ۳۱/۱، كتاب الطهارة، باب الحدث، ط: دار الكتب العلمية

المحدث لا يمس المصحف ولا الدرهم الذي كتب عليه القرآن، لقوله تعالى: {لا يمسسه إلا المطهرون} (الواقعة: ۷۹). ولا بأس بأن يقرأ القرآن؛ لما روي عن بعض الصحابة أن رسول الله عليه السلام: كان لا يحجزه شيء عن قراءة القرآن إلا الجنابة. (المحيط البرهاني - أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶ھ): ۷۷/۱، كتاب الطهارة، الفصل الثاني: في بيان ما يوجب الوضوء وما لا يوجب، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۱) (ولا يمنع) الطهارة (ونيم) أي خرف ذباب وبرغوث لم يصل الماء تحته (وحناء) ولو جرّمه به يفتى (ودرن ووسخ) عطف تفسير وكذا دهن ودسومة (وتراب) وطين. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله: ودسومة) هي أثر الدهن. قال في الشرنبلالية قال المقدسي: وفي الفتاوى دهن رجله ثم توضع وأمر الماء على رجله ولم يقبل الماء للدسومة جاز لوجود غسل الرجلين. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۱۵۳، كتاب الطهارة، مطلب في أبحاث الغسل، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

## الجواب حامد اومصلیا:

مذکورہ اعمال گناہ کے ہیں۔<sup>(۱)</sup> لیکن ان سے وضوء نہیں ٹوٹے گا، اس سے نماز پڑھنا جائز ہے، البتہ ایسی بدکلامی کے بعد وضوء کر لینا مستحب ہے۔ (شامی: ۱/۱۱۲)<sup>[۲]</sup> فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) عن عبد الله، قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم- : سباب المسلم فسوق، وقتاله كفر. (صحيح البخاري: ۶/۱، رقم الحديث: ۶۰۴۴، كتاب الأدب، باب ما ينهى من السباب واللعن، ط: رشيدية- دهلي ☆ الصحيح لمسلم: ۵۶/۱، رقم الحديث: ۱۱۶- (۶۳)، كتاب الإيمان، باب بيان قول النبي صلى الله عليه وسلم: سباب المسلم فسوق وقتاله كفر، ط: رشيدية- دهلي)

عن ابن مسعود، قال: " الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء الزرع، والذكر ينبت الإيمان في القلب كما ينبت الماء الزرع ". (السنن الكبرى- أبو بكر البيهقي (م: ۵۸۵۸هـ): ۳/۱۰، رقم الحديث: ۲۱۰۰، كتاب الشهادات، باب: الرجل يغني فيتخذ الغناء صناعة يؤتى عليه... الخ، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(وعن جابر - رضي الله تعالى عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الغناء): بكسر الغين ممدود أي: التغني (ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء الزرع): يعني الغناء سبب النفاق ومؤد إليه، فأصله وشعبته كما قال: "البذاء والبيان شعبتان من النفاق". وفي شرح السنة قيل: الغناء رقية الزنا... وقال النووي في الروضة: غناء الإنسان بمجرد صوته مكروه وسماعه مكروه، وإن كان سماعه من الأجنبية كان أشد كراهة، والغناء بألات مطربة هو من شعار شارب الخمر كالعود والطبور والصنج والمعازف وسائر الأوتار حرام، وكذا سماعه حرام. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح- علي بن (سلطان) محمد، الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۳هـ): ۳/۲۴، رقم الحديث: ۲۸۱۰، كتاب الآداب، باب البيان والشعر، ط: دار الفكر- بيروت)

(۲) قال (ولا ينقض الكلام الفاحش الوضوء) لحديث ابن عباس - رضي الله تعالى عنهما - الوضوء مما خرج يعني الخارج النجس، ولأنه لا كلام أفحش من الردة، والمتوضى إذا ارتد - نعوذ بالله -، ثم أسلم فهو على وضوئه، والذي روي عن عائشة - رضي الله تعالى عنها - أنها قالت للمتسايبين: إن بعض ما أتمتم فيه شر من الحدث فجددوا الوضوء إنما أمرت به استحسانا ليكون الوضوء على الوضوء مكفرا الذنوب بهما. (المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۳۸۳هـ): ۱/۷۹، كتاب الصلاة، باب الوضوء والغسل، ط: دار المعرفة- بيروت ☆ المحيط البرهاني: ۱/۷۵، كتاب الطهارات، الفصل الثاني: في بيان ما يوجب الوضوء وما لا يوجب، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

والثالث مندوب للنوم على طهارة وإذا استيقظ منه وللمداومة عليه وللوضوء على الوضوء وبعد غيبة وكذب ونميمة وكل خطيئة وإنشاد شعر وقهقهة خارج الصلاة... الخ. (مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح- حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹هـ): ۳/۷، كتاب الطهارة، باب في الوضوء، فصل في أوصاف الوضوء، اعنتي به وراجع: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)



[۳۲] وضو کے بعد بدن پر نجاست لگ جائے، تو صرف اس عضو کو دھولینا کافی ہے  
 ۴۶۸-سوال: وضو کرنے کے بعد ہاتھ پاؤں یا بدن کے کسی حصے پر کوئی نجاست، مثلاً: کسی جانور کا  
 بننے والا خون، پیشاب پاخانہ وغیرہ لگ جائے، تو صرف اس عضو کو دھولینا کافی ہے یا از سر نو پورا وضو کرنا پڑے گا؟  
**الجواب حامدا ومصليا:**

وضو کرنے کے بعد نجاست بدن پر لگ جائے، تو صرف اس کو دور کر لینا کافی ہے، از سر نو وضو کی  
 ضرورت نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۳] دورانِ صلاۃ، نیند اور بیداری کی حالت میں ہنسنے سے وضو کا حکم

۴۶۹-سوال: نماز کی حالت میں اگر کوئی شخص سو جائے اور اسی حالت میں ہنس پڑے، تو اس  
 کا وضو کیوں نہیں ٹوٹتا ہے؟ اور بیداری کی حالت میں اگر ہنستے، تو اس کا وضو کیوں ٹوٹ جاتا ہے؟  
**الجواب حامدا ومصليا:**

بیدار شخص ہوش و ہواس کے ساتھ اگر نماز میں قہقہہ لگا دے، تو اس کی نماز اور اس کا وضو دونوں ٹوٹ  
 جائے گا اور عند اللہ اس کی سخت گرفت کا اندیشہ ہے، ایسے شخص کو سزا دینے کے لیے شریعت نے مذکورہ حکم لگایا  
 ہے، ہاں! البتہ اگر یہ شخص نیند میں تھا اور اس نے قہقہہ لگایا، تو اس کی نماز تو فاسد ہو جائے گی؛ مگر وضو نہیں ٹوٹے  
 گا۔ (الدر المختار: ۱/۱۳۴)<sup>[۲]</sup>

(۱) فصل في نواقض الوضوء "المعاني الناقضة للوضوء كل ما يخرج من السيلين" والدم والقيح إذا خرجا من  
 البدن فتجاوزا إلى موضع يلحقه حكم التطهير والقي ملء الفم". (الهداية: ۱/۲۳، كتاب الطهارة، فصل في نواقض  
 الوضوء، ط: ياسر نديم ايند كمپني - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۹ - ۱۰، كتاب الطهارة، الفصل الخامس في  
 نواقض الوضوء، ط: زكريا - ديوبند)

(۲) عن معبد الجهني، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي الغداة فجاء رجل أعمى وقريب من مصلى رسول  
 الله صلى الله عليه وسلم بثر على رأسها جلة، فجاء الأعمى يمشي حتى وقع فيها، فضحك بعض القوم وهم في الصلاة،  
 فقال النبي صلى الله عليه وسلم بعدما قضى الصلاة: من ضحك منكم فليعد الوضوء وليعد الصلاة. (سنن الدار  
 قطنی - أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد، البغدادی الدار قطنی (م: ۳۸۵ھ) : ۱/۳۰۷، رقم الحديث: ۶۲۳، باب  
 =  
 أحاديث القهقهة في الصلاة وعللها، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت)

سونے والا شخص اگر مکمل طور پر ہوش و ہوا اس میں نہ ہو، تو اس کے تہتہ لگانے کی وجہ سے اس کی اس درجہ سخت گرفت نہیں ہوتی؛ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر سونے والے کی نماز قضا ہوگئی تو بیدار ہونے کے بعد وہ پڑھ لے۔<sup>(۱)</sup> مگر نماز قضا ہونے کا گناہ اس پر عائد نہیں ہوگا؛ کیوں کہ نیند میں ہونے کی وجہ سے اس نے قصد اجان بوجھ کر ترک نہیں کیا ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= (و) ینقضہ... (وقہقہة) (بالغ یقظان) فلا یبطل وضوء صبی و نائم بل صلاتہما بہ یفتی۔ (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۱۳۵، کتاب الطہارۃ، سنن الوضوء، ط: دار الفکر)

(قولہ ولیست القہقہة إلی آخرہ) وعللہ فی فتح القدیر، بأنها إنما جعلت حدثاً بشرط كونها جنایة ولا جنایة من النائم... ثم قال الکمال - رحمہ اللہ - فی کتابہ زاد الفقیر ینقضہ القہقہة فی الصلاة المطلقة إلا إذا كان نائماً فی صلاتہ وقہقہة فی نومہ لا ینتقض، ولكن تفسد صلاتہ فی المختار۔ (تبیین الحقائق - عثمان بن علی بن محجن الباری، فخر الدین الزیلعی الحنفی (م: ۷۳۳ھ): ۱/۱۱، کتاب الطہارۃ، نواقض الوضوء، ط: المطبعة الکبری الامیریة - بولاق، القاہرة)

(۱) عن أنس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من نام عن صلاة أو نسيها فليصلها إذا ذكرها. (مسند أبي يعلى - أبو يعلى أحمد بن علي بن المشني بن يحيى بن عيسى بن هلال التميمي، الموصلي (م: ۳۰۷ھ): ۵/۳۰۹، قتادة، عن أنس، ط: دار المأمون للتراث - دمشق)

قال الله تعالى:

وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا. (۵-المائدة: ۶)

وفرض الغسل: المضمضة والاستنشاق وغسل سائر البدن.

(الهداية: ۱/۲۹، كتاب الطهارة، فصل في الغسل)

## باب الغسل

[غسل کا بیان]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

**باب الغسل****[غسل کا بیان]****[۱] غسل کے فرائض**

۱- سوال: ایک شخص نے غسل جنابت میں صرف ایک مرتبہ غرارہ کیا اور ایک مرتبہ پورے بدن پر پانی بہایا، تو اس کا غسل ہوگا یا نہیں؟

**الجواب حامداً ومصلياً:**

غسل جنابت میں تین فرض ہیں: (۱) کلی کرنا۔ (۲) ناک میں پانی ڈالنا (کلی کی حد یہ ہے کہ تمام منہ کے اندر پانی پہنچ جائے اور ناک میں پانی ڈالنے کی حد یہ ہے کہ نرمہ بینی یعنی ناک کے نرم حصے تک پانی پہنچ جائے۔ ☆☆) اور (۳) پورے بدن پر ایک بار پانی بہانا۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی ترک کر دے، تو غسل صحیح نہیں ہوگا۔ صورت مسئلہ میں اگر غسل کرنے والے نے ناک میں پانی نہیں ڈالا ہے، تو اس کا غسل صحیح نہیں ہوگا۔ (عالم گیری، ۱۳/۱، الباب الثاني في الغسل، كتاب الطهارة، ط: زكريا، ديوبند۔ الدر المختار مع رد المحتار، ۲۸۴/۱، كتاب الطهارة، مطلب في أبحاث الغسل، ط: زكريا، ديوبند) [۱] فقط، والتداعلم بالصواب۔

☆☆☆ وحده المضمضة استيعاب الماء جميع الفم، وحده الاستنشاق: أن يصل الماء إلى مارن الأنف، كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۶/۱، كتاب الطهارة، الفصل الثاني في سنن الوضوء، ط: زكريا، ديوبند)

[۱] قال الله تعالى: وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا. (۵- المائدة: ۶)

وفي الهداية: وفرض الغسل: المضمضة والاستنشاق وغسل سائر البدن. (۲۹/۱، كتاب الطهارة، فصل في الغسل) قال الكاساني: (وأما) ركنه فهو إسالة الماء على جميع ما يمكن إسالته عليه من البدن من غير حرج مرة واحدة، حتى لو بقيت لمعة لم يصبها الماء لم يجز الغسل، وإن كانت يسيرة؛ لقوله تعالى {وإن كنتم جنبا فاطهروا}، أي: طهروا أبدانكم، واسم البدن يقع على الظاهر والباطن، فيجب تطهير ما يمكن تطهيره منه بلا حرج، ولهذا وجبت المضمضة، والاستنشاق في الغسل. (بدائع الصنائع: ۱۳۲/۱، كتاب الطهارة، تفسير الغسل، ط: زكريا، ديوبند) مزید دیکھیے: کنز الدقائق مع البحر: ۸۶/۱، كتاب الطهارة، ط: دار الكتاب - ديوبند ☆☆ غنية المستملی فی شرح =

## [۲] ہم بستری کے بعد عورت غسل کیسے کرے؟

سوال: ہم بستری کے بعد عام طور پر عورتیں غسل کے متعلق لاپرواہ ہوتی ہیں، دریافت یہ کرنا ہے کہ اس کا صحیح وقت اور بہتر طریقہ کیا ہے؟

**الجواب حامداً ومصلياً:**

ہم بستری کے بعد اگر میاں بیوی سونا چاہتے ہوں اور اسی وقت غسل کا ارادہ نہ ہو؛ بل کہ صبح میں غسل کرنا چاہیں، تو اس کی اجازت ہے، البتہ دونوں کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ اپنے مخصوص اعضاء کو خوب اچھی طرح دھولیں، پھر وضوء کر کے سوئیں اور صبح جلد اٹھ کر غسل کریں۔<sup>(۱)</sup>

غسل میں تین فرض ہیں: کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اور پورے بدن پر اس طرح پانی بہانا، کہ کوئی حصہ خشک نہ رہ جائے۔<sup>(۲)</sup>

کلی کرتے وقت گلے کے اندرون تک پانی لے جا کر پانی کو خوب پھیرے، پورا منہ اندرون سے اچھی طرح دھوئے، ناک میں تین مرتبہ پانی اس طرح ڈالے کہ ناک کے نرم حصے تک پانی پہنچ جائے، پھر

= منية المصلى: ۴۱، ط: دار الكتاب - ديوبند.

والدرن اليابس في الأنف يمنع تمام الغسل. كذا في الزاهدي. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۳، كتاب الطهارة، الباب الثاني في الغسل، الفصل الأول في فرائض الغسل، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) عن عائشة، قالت: كان النبي - صلى الله عليه وسلم - إذا أراد أن ينام، وهو جنب، غسل فرجه، وتوضأ للصلاة. (صحيح البخاري: ۱/۴۳، رقم الحديث: ۲۸۸، كتاب الغسل، باب الجنب يتوضأ ثم ينام، ط: رشيدية - دهلي) ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۱۴۴، رقم الحديث: ۲۱- (۳۰۵)، كتاب الحيض، باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء له، وغسل الفرج إذا أراد أن يأكل الخ... ط: مختار ايند كمپني - ديوبند ☆ سنن أبي داؤد: ص: ۲۹، رقم الحديث: ۲۲۲، باب الجنب يأكل، ط: البدر - ديوبند)

عن عبد الله بن عمر، أنه قال: ذكر عمر بن الخطاب لرسول الله - صلى الله عليه وسلم - أنه تصيبه الجنابة من الليل، فقال له رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: توضأ واغسل ذكرك، ثم نم. (صحيح البخاري: ۱/۴۳، رقم الحديث: ۲۹۰، كتاب الغسل، باب الجنب يتوضأ ثم ينام) ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۱۴۴، رقم الحديث: ۲۵- (۳۰۶)، كتاب الحيض، باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء له، وغسل الفرج إذا أراد أن يأكل... الخ ☆ سنن أبي داؤد: ص: ۲۹، رقم الحديث: ۲۲۱، باب الجنب يأكل، ط: البدر - ديوبند)

(۲) تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان: غسل کے فرائض۔

مسنون دعاء پڑھ کر وضوء کرے، پھر پورے سر کو ایک مرتبہ اس طرح دھوئے کہ تمام بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچ جائے، نیز پورے بدن میں جہاں تک ممکن ہو، پانی پہنچانا شرط ہے، ناف کے اندرون میں پانی پہنچائے، عورت کا اپنی شرم گاہ کے بالکل اندرون تک پانی پہنچانا ضروری نہیں۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳] غسل کا مسنون طریقہ

۲- سوال: غسل کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ تفصیل مطلوب ہے۔

الجواب حامدًا ومصلياً:

غسل کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ غسل کرنے والا سب سے پہلے پاک جگہ پر بیٹھ کر تین دفعہ گنوں تک ہاتھ دھوئے، پھر شرم گاہ دھوئے، اس کے بعد بدن کے جس حصے پر ناپاکی لگی ہو، اس کو صاف کرے، پھر نماز کے وضو کی طرح مکمل وضو کرے، پھر داہنے کندھے پر تین مرتبہ، پھر سر پر تین مرتبہ پھر بائیں کندھے پر تین مرتبہ پانی بہائے۔ (یہاں تک کہ پورے بدن پر پانی پہنچائے) پانی بہانے میں یہ ترتیب سنت ہے۔ اگر ناک میں رطوبت اس طور پر سوکھ کر چپک گئی ہو کہ کھال تک پانی کے پہنچنے میں مانع ہو، تو اسے (رینٹ) صاف کیے بغیر غسل درست نہیں ہوگا۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) (ويجب) أي يفرض (غسل) كل ما يمكن من البدن بلا حرج مرة كاذن و (سرة وشارب و حاجب و) أثناء (لحية) وشعر رأس ولو متبلدا المافي - {فاطهروا} [المائدة: ٦] - من المبالغة (وفر ج خارج) لأنه كالفم لا داخل؛ لأنه باطن، ولا تدخل أصبعها في قبلها به يفتى... الخ. (الدر المختار مع رد المحتار: ١٥١/١-١٥٢، كتاب الطهارة، في بيان الغسل، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۲) نوٹ: بدن پر پانی بہانے کے سلسلے میں تین طریقے فقہاء سے منقول ہیں: (۱) پہلے سر، پھر داہنے کندھے پھر بائیں کندھے پر پانی بہائے۔ ظاہر متن، ہدایہ، دوسری کتب فقہ اور حدیث کا مقتضی یہی ہے۔ (۲) جو حضرت مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ پہلے داہنے کندھے پر پانی بہائے، پھر سر پر پھر بائیں کندھے پر، فقہاء سے یہ بھی منقول ہے۔ (۳) پہلے داہنے کندھے پر، پھر بائیں کندھے پر پھر سر پر پانی بہائے۔ موجودہ دور کے متداول کتب فتاویٰ میں اسی قول کو اختیار کیا گیا ہے۔ مکمل تفصیل کے لیے ذیل کی عبارت ملاحظہ فرمائیں: وسنة الغسل أن يقدم الوضوء عليه كوضوء الصلاة... وأن يزيل النجاسة الحقيقية كالمني ونحوه عن بدنه إن كانت... ثم يصب الماء على رأسه وسائر جسده ثلاثا كما في الصحيحين عن حديث ابن عباس قال: قالت ميمونة: وضعت للنبي - صلى الله عليه وسلم - غسلا، فسترته بثوب فصب على يديه فغسلهما، ثم أدخل يمينه في الإناء فأفرغ بها على فرجه ثم غسله بشماله، ثم ضرب بشماله الأرض، فدلکھا دلکھا شديدا، ثم غسلها، فمضمض، واستنشق، وغسل وجهه وذراعيه، ثم أفرغ على رأسه ثلاث حثيات مل كفيه، ثم غسل سائر جسده، ثم تنحى =

[۴] غیر مسلم لڑکی یا جانور سے خواہش پوری کرنے کے بعد غسل صحیح ہوگا یا نہیں؟

سوال: کسی غیر مسلم لڑکی سے زنا کر کے جب آدمی غسل کرے، تو اس کا غسل صحیح ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح جانوروں کے ساتھ خواہش پوری کرنے کے بعد غسل صحیح ہوگا یا نہیں؟ عوام میں مشہور ہے کہ ایسے شخص کا غسل صحیح نہیں ہوتا ہے، آدمی ناپاک ہی رہتا ہے اور نماز و روزہ کے قابل نہیں رہتا، کیا یہ صحیح ہے؟ بیٹو! تو جروا۔

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

زنا کا ارتکاب کرنا ایک مسلمان؛ بل کہ شریف انسان کی شان سے بعید ہے اور شریعت کی نگاہ میں سخت گناہ ہے، اگر کسی نے اس کا ارتکاب کر لیا ہے، تو اللہ کے حضور ندامت کے آنسو بہائے، اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔<sup>(۱)</sup>

جب کسی شخص پر غسل فرض ہو جائے اور وہ شرائط کا لحاظ کر کے غسل کرے، تو فرض غسل ادا ہو جائے گا اور وہ پاک ہو جائے گا۔<sup>(۲)</sup> لوگوں میں جو مشہور ہے کہ غیر مسلم سے زنا کرنے کے بعد یا جانور سے خواہش

= فغسل قدميه، فناولته ثوبا فلم يأخذه، فانطلق وهو يفض يديه. ثم كيفية الصب قال شمس الأئمة الحلواني: يفيض على منكب الأيمن ثلاثا ثم الأيسر ثلاثا ثم على رأسه وسائر جسده. وقيل يبدء بالأيمن ثم بالرأس، ثم بالأيسر. وقيل يبدأ بالرأس ثم بالأيمن ثم بالأيسر، وهو ظاهر المتن والهداية وغيرها وظاهر الحديث. (غنية المستملي في شرح منية المصلي: ۴۴، ط: دار الكتاب - ديوبند. مزيد تفصيل کے لیے دیکھیے: الفتاوى الهندية: ۱/۱۳، الفصل الثاني في سنن الغسل، ط: زكريا - ديوبند)

(۱) وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانِيَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا. (الإسراء: ۳۴)

عن ابن حجرية، أنه سمع أبا هريرة رضي الله عنه، يقول: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: من زنى وشرب الخمر نزع الله منه الإيمان كما يلخلع الإنسان القميص من رأسه. (المستدرک علی الصحیحین - أبو عبد الله الحاكم النيسابوري (م: ۴۰۵ھ) - ۱/۴۳، رقم الحديث: ۵۷، كتاب الإيمان، وأما حديث معمر، ت: مصطفى عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

عن أنس بن مالك، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن من أشرط الساعة: أن يرفع العلم ويثبت الجهل، ويشرب الخمر، ويظهر الزنا". (صحيح البخاري: ۱/۱۸، رقم الحديث: ۸۰، كتاب العلم، باب رفع العلم وظهور الجهل، ط: رشيدية - دهلي ☆ الصحيح لمسلم: ۲/۳۴۰، رقم الحديث: ۸ - (۲۶۷۱)، كتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه وظهور الجهل والفتن في آخر الزمان، ط: مختار ايند كمنبي - ديوبند)

(۲) وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَأَطْفِئُوا. (المائدة: ۶)

غسل کے فرائض کی تفصیل اور تخریج کے لیے ملاحظہ کریں عنوان: غسل کے فرائض۔

پوری کرنے کے بعد فرض غسل چالیس دنوں تک ادا نہیں ہوتا، یہ غلط ہے، اُس کی شرعاً کوئی حقیقت نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۵] اعتکاف کی حالت میں غسلِ جمعہ کا حکم

۵- سوال: رمضان کے اخیر عشرہ کے اعتکاف یا پورے مہینے کے اعتکاف کے دوران جمعہ کے غسل کے لیے مسجد سے باہر نکلنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

معتكف مستقلاً غسلِ جمعہ کی نیت سے مسجد سے باہر نکلے گا، تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا، البتہ استنجاء کے ضمن میں غسلِ جمعہ کر لے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یعنی استنجاء کے لیے جانے سے پہلے کسی خادم کے ذریعہ غسل کا انتظام کروا لے اور استنجاء کے تقاضہ کے وقت استنجاء کی نیت سے نکلے، پھر استنجاء کے بعد جلدی سے بدن پر پانی بھی ڈال لے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) (و حرم عليه) أي على المعتكف اعتكافاً واجباً... (الخروج لإلحاجة الإنسان) طبيعية كبول وغائط وغسل لو احتلم ولا يمكنه الاغتسال في المسجد، كذا في النهر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۵۳-۳۴۴، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: زكريا-ديوبند☆ مزید دیکھیے: الفتاویٰ الہندیہ: ۲۱۲/۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، ط: زكريا-ديوبند☆ البحر الرائق: ۵۲۷/۲، كتاب الصوم، باب الاعتكاف)

نوٹ: فقہ و فتاویٰ کی عام کتابوں میں یہی ذکر کیا گیا ہے کہ غیر واجب غسل کے لیے مسجد سے باہر نکلنا معتکف کے لیے جائز نہیں ہے، جمعہ کا غسل بھی غیر واجب غسل ہے؛ لہذا اس کے لیے بھی خروج کی اجازت نہیں ہوگی۔ خود حضرت مفتی بیات صاحب نے یہی لکھا ہے؛ لیکن بعض ارباب افتا نے مطلقاً غسل کے لیے معتکف کو اجازت دی ہے، اھتہ للمعات (۱۲۸/۲)، کتاب الصوم، باب الاعتکاف) میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی یہی لکھا ہے۔ مفتی سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم نے بھی گنجائش کی بات لکھی ہے۔ (کتاب المسائل ۱۱۰/۲) انہوں نے استدلال میں یہ عبارت نقل کی ہے: وقال في التاتار خانية ويخرج للوضوء و الاغتسال فرضا كان أو نفلاً. تاتار خانية: ۴۲۶/۳۔ مفتی رشید احمد صاحب نے لکھا ہے کہ کم از کم تیرہ کتابوں میں بلا تردید منقول ہے کہ غسل واجب ہو یا غیر واجب، معتکف کے لیے مسجد سے باہر نکلنے کی اجازت ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: احسن الفتاویٰ: ۵۱۳/۴، کتاب الصوم، باب الاعتکاف) لیکن ان سب کے باوجود مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے لکھا ہے: واضح رہے کہ آج کل بعض علماء نے غسلِ جمعہ کے لیے مسجد سے نکلنے کو جائز قرار دیا ہے، لیکن اس کی کوئی اطمینان بخش دلیل احقر کو اب تک نہیں ملی، اور جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں، ان سے اطمینان نہیں ہوتا۔ (دیکھیے: فتاویٰ عثمانی: ۱۹۶/۲، ط: کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند)



## [۶] سر کے مریض کو غسل جنابت میں کب رخصت ملے گی؟

۶- سوال: جس عورت کو سر کا شدید درد رہتا ہو، اور پانی کا استعمال نقصان دہ ہو، تو کیا اس کے لیے غسل جنابت میں سر پر پانی ڈالنا لازم ہوگا؟ یا اس کے لیے کوئی رخصت ہوگی؟

**الجواب حامدًا ومصلياً:**

ماہر مسلمان حکیم یا ڈاکٹر کی رائے ہو کہ سر پر پانی ڈالنے سے موت واقع ہو سکتی ہے یا بدن کا کوئی عضو معطل ہو سکتا ہے یا کوئی مہلک بیماری طاری ہو سکتی ہے، تو ایسی صورت میں سر پر پانی ڈالنے کی فرضیت ساقط ہو جائے گی، اس کے بغیر بھی غسل جنابت ادا ہو جائے گا۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۷] غسل خانے میں برہنہ ہو کر غسل کرنا

۱۲- سوال: ایک غسل خانہ ہے، جس میں سورج کی روشنی بالکل نہیں آتی ہے، اس میں کوئی شخص ننگا ہو کر غسل کرے، تو کیا اس کا غسل ہو جائے گا؟

**الجواب حامدًا ومصلياً:**

مستحب تو یہی ہے کہ ناف سے گھٹنے تک کپڑا وغیرہ اس طرح باندھ کر غسل کیا جائے کہ اس سے ستر چھپ جائے۔ تاہم غسل خانہ بند کر کے مکمل پردے کا اہتمام کر کے غسل کرے، تو بلا کراہت جائز ہے، اور سورج کی روشنی کے آنے سے بھی کوئی حرج نہ ہوگا، اس میں گناہ کی کوئی بات نہیں۔ البتہ لوگوں کے سامنے ستر کھول کر غسل کرنا جائز نہیں، گناہ ہے؛ لیکن غسل بہر حال ہو جائے گا۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) من بہ وجع رأس لا يستطيع معه مسحه محدثا ولا غسله جنبا، ففي الفيض عن غريب الرواية يتيمم، وأفتى قارئ الهداية أنه يسقط عنه فرض مسحه. (الدر المختار مع رد المحتار - ابن عابدين شامي، ۱۱۹۸-۱۲۵۲ھ): ۱/۳۳۳، كتاب الطهارة، باب التيمم، ط: زكريا - ديوبند ☆ مزید دیکھیے: البحر الرائق: ۱/۲۸۶، كتاب الطهارة، باب التيمم) ويعرف ذلك الخوف إما بغلبة الظن عن امارة أو بتجربة أو باخبار طبيب حاذق مسلم غير ظاهر الفسق. (غنية المستملى في شرح منية المصلى: ۵۷، ط: دار الكتاب - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۲۸، الباب الرابع في التيمم ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۹۷، كتاب الطهارة، باب التيمم)

(۲) أم هانئ بنت أبي طالب تقول: ذهبت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم عام الفتح فوجدته يفتسل وفاطمة تستره فقال: من هذه؟ فقلت: أنا أم هانئ. (صحيح البخاري: ۱/۴۲، رقم الحديث: ۲۸۰، ۳۵۷، ۳۱۷، ۶۱۵۸، باب التستر في الغسل عند الناس، كتاب الغسل ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۱۵۳، رقم الحديث: ۷۰-۳۳۶، كتاب الحيض، باب =

## [۸] غسل کے بعد پتلی مذی نکلنے سے دوبارہ غسل کرنا ضروری ہے؟

25 سوال: (۲۵۲) ایک شخص پر غسل واجب تھا، اُس نے غسل کیا اور غسل کے بعد پتلی اور چکنی سیال شے (مذی) نکلی، تو کیا اُس پر دوبارہ غسل کرنا فرض ہے؟

### الجواب حامداً ومصلياً:

غسل کرنے کے بعد ذکر میں ایسا دگی تھی اور منی جوش و شہوت کے ساتھ نکلی، جس کے بعد انتشار جاتا رہا اور شہوت ختم ہوگئی، تو دوبارہ غسل فرض ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں نکلنے والا مادہ ”منی“ ہے اور اگر غسل کے بعد شرم گاہ میں جوش و شہوت باقی نہیں تھی، تو غسل فرض نہیں ہوگا، کہ اس صورت میں نکلنے والا سیال مادہ ودی یا مذی ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۹] شرم گاہ میں دو الگانے سے غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

۱۶- سوال: ایک شخص کو مستا<sup>(۱)</sup> کی بیماری لاحق ہوگئی ہے، ڈاکٹر نے ایک ٹیوب لگانے کے لیے دی ہے، اس میں سے دو امقعد میں لگانا ہے اور وہ دو ایک دو انچ اندر تک لگانی ہوتی ہے، تو اس طرح دو الگانے سے اس پر غسل واجب ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح ایک عورت کو فرج (آگے کی شرم گاہ) میں زخم ہے، اس کو خاتون ڈاکٹر نے روزانہ رات کو دووائی کی ایک گولی فرج کے اندر رکھنے کو کہا ہے، تو اس گولی کو فرج میں رکھنے کی وجہ سے اس عورت پر غسل واجب ہوگا یا نہیں؟ جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

= تستر المغتسل بثوب ونحوہ، مختار اینڈ کمپنی - دیوبند

وفي الدر المختار: (و) الرابع (ستر عورتہ) ووجوبہ عام ولو في الخلوۃ علی الصحیح الا لغرض صحیح. وقال ابن عابدین: (قوله الا لغرض صحیح) كتفوط واستنجااء. وحكى في القنية أقوالاً في تجرده للاغتسال منفرداً: منها أنه يكره، ومنه أنه يعذر إن شاء الله، ومنها لا بأس به، ومنها يجوز في المدة اليسيرة، ومنها يجوز في بيت الحمام الصغير. (رد المحتار مع الدر: ۱/۴۰۳، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، ط: دار الفكر - بيروت، الطبعة الثانية:

۱۳۱۲ھ-۱۹۹۲ء)

(۱) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے باب الوضوء کا عنوان: مذی کا حکم۔

[۱] از اندک گوشت، جو بولسایر کے سبب مقعد میں پیدا ہوجاتا ہے۔ (فیروز اللغات - الحان مولوی فیروز الدین: ۱۳۳۹ء، مادہ: م-س، ط: فیروز سنز، لاہور)

## الجواب حامدًا ومصلياً:

غسل فرض ہونے کے لیے جن اسباب<sup>(۱)</sup> کا وجود ضروری ہے، ان میں سے کوئی ایک بھی سبب یہاں موجود نہیں ہے، اس لیے مسے یا فرج (☆☆) میں زخم ہونے کی وجہ سے ایک دوا نچ اندر تک دوا رکھنے سے غسل واجب نہیں ہوگا۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۰] دو جماع کے درمیان غسل ضروری نہیں

۲۶- سوال: بیوی کے ساتھ ایک مرتبہ ہم بستری کر کے دوسری مرتبہ ہم بستری کرنے کا ارادہ ہو، تو کیا غسل کرنا ضروری ہے؟ بغیر غسل کیے اگر دوسری مرتبہ ہم بستری کر لے، تو یہ عمل کیسا ہے؟ اور کیا اس سے پیدا ہونے والی اولاد پر کوئی اثر پڑے گا؟ اگر دوسری مرتبہ ہم بستری کے لیے غسل ضروری ہے، تو کیا دونوں (میاں اور بیوی) پر ضروری ہے یا صرف مرد پر؟ تسلی بخش جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

## الجواب حامدًا ومصلياً

ایک مرتبہ ہم بستری کے بعد دوسری مرتبہ ہم بستری کے لیے غسل کرنا ضروری نہیں ہے؛ البتہ افضل

[۱] وجوب غسل کے اسباب تین ہیں: (۱) جنابت (۲) انقطاع حیض (۳) انقطاع نفاس۔ أسباب الغسل ثلاثة: الجنابة، والحیض، والنفاس. وفي مختار الفتاوى: المراد بقوله والحیض والنفاس انقطاعهما. (الفتاوى التاتاریخانیة: ۱۵۲/۱، ذکر یا-دیوبند)

(☆☆) نوٹ: مسے کی وجہ سے مقعد میں ایک دوا نچ اندر تک دوا رکھنے سے غسل فرض نہیں ہوگا۔ اور فرج میں ایک دوا نچ اندر رکھنے سے غسل فرض ہونے نہ ہونے میں یہ تفصیل ہے، کہ اگر یہ عمل علاجاً ہو، چاہے ڈاکٹری کرے یا عورت خود کرے اور عورت کے اندر شہوت پیدا نہیں ہوتی، تو محض ہاتھ یا انگلی داخل کرنے سے غسل واجب نہ ہوگا؛ لیکن اگر عورت غلبہ شہوت سے بہ قصد استمتاع (یعنی لذت اندوز ہونے کے ارادے سے) اپنی انگلی داخل کرے یا میاں بیوی بہ قصد استمتاع یہ عمل کریں (اور شوہر انگلی داخل کرے) تو بعض فقہاء کے قول کے مطابق غسل واجب ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۲۸/۳، دارالاشاعت، کراچی، پاکستان)

(۲) (و) لا عند (إدخال إصبع ونحوه) كذا ذكر غير آدمي وذکر خنثی ومیت وصبي لا يشتهي وما يصنع من نحو خشب (في الدبر أو القبل) على المختار. قال ابن عابدين: (قوله: على المختار) قال في التنجيس: رجل أدخل إصبعه في دبره وهو صائم اختلف في وجوب الغسل والقضاء. والمختار أنه لا يجب الغسل ولا القضاء؛ لأن الأصبع ليس آلة للجماع فصار بمنزلة الخشبة... وقيد بالدبر؛ لأن المختار وجوب الغسل في القبل إذا قصدت الاستمتاع؛ لأن الشهوة فيهن غالبية في مقام السبب المسبب دون الدبر لعدمها، نوح أفندي. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۶۶/۱، كتاب الطهارة، مطلب سنن الغسل، ط: دار الفكر-بيروت)

ہے کہ غسل کر لے، اگر کوئی غسل نہ کر سکتا ہو، تو وضو کر لے اور اگر وضو بھی نہیں کر سکتا ہے، تو کم از کم اپنے ذکر کو پانی سے اچھی طرح سے دھو لے، کہ یہ مستحب ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۱] متعدد جماع کے بعد غسلِ واحد کافی ہے یا نہیں؟

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ایک ہی رات میں تین مرتبہ جماع کرے، پھر اخیر میں غسل کرے، تو کیا یہ تینوں جماع کے غسل کے لیے کافی ہو جائے گا؟ یا ہر جماع کے بعد غسل کرنا ضروری ہے؟

### الجواب حامدًا ومصليًا:

کوئی شخص اپنی متعدد بیوی سے ایک رات میں کئی مرتبہ جماع کرے یا ایک ہی بیوی سے دو تین مرتبہ جماع کرے، تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ ہر جماع سے پہلے وضو کر لے، اخیر میں ایک مرتبہ غسل کافی ہے، ہر جماع کے بعد غسل کرنا فرض نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup>

امام بخاریؒ نے اس سلسلے میں ایک باب قائم فرمایا ہے: ”جماع کے بعد دوسری مرتبہ جماع کرنا اور چند عورتوں سے جماع کرنے کے بعد ایک ہی مرتبہ غسل کرنا“۔<sup>(۳)</sup>

(۱) عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أتى أحدكم أهله، ثم أراد أن يعود، فليتوضأ. (الصحيح لمسلم: ۱/۱۴۴، رقم الحديث: ۲۷- (۳۰۸)، باب من أتى أهله فأراد أن يعود (باب جواز نوم الجنب الخ)، كتاب الحيض، ط: مختار ايند كمپني - ديوبند)

قال العيني: أجمع العلماء على أنه لا يجب بينهما، وإنما هو مستحب... وأما الوضوء بين الجماعين فقد اختلفوا فيه فعند الجمهور ليس بواجب... قال أبو عمر: ما أعلم أحدًا من أهل العلم أو جبه إلا طائفًا من أهل الظاهر... كان ابن سيرين يقول: لا أعلم بذلك بأسًا إنما قبل ذلك لأنه أجرى أن يعود. ونقل عن إسحاق بن راهويه أنه حمل الوضوء المذكور على الوضوء اللغوي، حيث نقل ابن المنذر عنه أنه قال: لا بد من غسل الفرج إذا أراد العود. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۳/۱۳-۲۱۲، باب إذا جامع ثم عاد ومن دار على نسائه في غسل واحد، كتاب الغسل، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(۲) قد تقدم تخريجه عن: (عمدة القاري شرح صحيح البخاري - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۳/۱۳-۲۱۲، باب إذا جامع ثم عاد ومن دار على نسائه في غسل واحد، كتاب الغسل، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت) ضمن عنوان: دو جماع کے درمیان غسل ضروری نہیں۔

(۳) باب إذا جامع ثم عاد، ومن دار على نسائه في غسل واحد. (صحيح البخاري: ۱/۴۱، كتاب الغسل، قبل، باب غسل المذي والوضوء منه، ط: البدر - ديوبند)

اس باب کے تحت آپؐ نے دو حدیث ذکر فرمائی ہے، جن میں ایک یہ ہے:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات یا دن کے کسی حصے میں اپنی تمام ازواج مطہرات کو صحبت سے نوازتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ ازواج (نوبیویاں اور دو باندیاں) تھیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر طاقت تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیس مردوں کی قوت و طاقت دی گئی تھی۔ (بخاری شریف: ۴۱/۱) [۱]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام ازواج مطہرات سے جماع کے بعد ایک ہی غسل فرماتے تھے۔ (ترمذی شریف: ۲۰/۱) [۲]

”حلیہ“ نامی کتاب میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس جنتی مردوں کی طاقت دی گئی تھی۔ (۳) اور ترمذی کی روایت ہے کہ جنت میں ایک شخص کو دنیا کے سو مردوں کی طاقت دی جائے گی۔ (۴) تو

[۱] صحیح البخاری: ۴۱/۱، کتاب الغسل، باب إذا جامع ثم عاد، ومن دار علی نسانہ فی غسل واحد، ط: البدر - دیوبند ☆ مسند الإمام أحمد بن حنبل (م: ۲۴۱ھ) : ۴۷۲/۲۱، رقم الحدیث: ۱۴۱۰۹، مسند أنس بن مالك، ت: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة ☆ السنن الكبرى - أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳ھ) : ۲۰۷/۸، رقم الحدیث: ۸۹۸۴، کتاب عشرة النساء، طواف الرجل علی نسانہ فی الليلة الواحدة، ت: حسن عبد المنعم شلبي، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت

[۲] عن قتادة، عن أنس، أن النبي - صلى الله عليه وسلم - كان يطوف على نسانه في غسل واحد. (سنن الترمذي: ۳۶/۱، رقم الحدیث: ۱۴۰، أبواب الطهارة، باب ما جاء في الرجل يطوف على نسانه بغسل واحد، ط: فيصل بيلي كيشنز - ديوبند)

(۳) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أتاني جبريل بقدر يقال لها الكفيت فأكلت منها أكلة فأعطيت قوة أربعين رجلا في الجماع. غريب من حديث صفوان تفرده وكيع. (حلية الأولياء وطبقات الأصفياء - أبو نعيم أحمد بن عبد الله بن أحمد الأصبهاني (م: ۴۳۰ھ) : ۳۷۶/۸، باب: وكيع بن الجراح ومنهم النصح والمفهم المفصاح أبو سفيان وكيع بن الجراح، ط: السعادة - بجوار محافظة مصر ☆ الفتح الكبير في ضم الزيادة إلى الجامع الصغير - عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (م: ۹۱۱ھ) : ۲۳/۱، رقم الحدیث: ۱۲۱، و ۱۲۲، حرف الهمزة، ت: يوسف النبهاني، ط: دار الفكر - بيروت ☆ كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال - علاء الدين علي بن حسام الدين الهندي البرهانفوري، الشهير بالمتقي الهندي (م: ۹۷۵ھ) : ۳۳۶/۱۶، رقم الحدیث: ۴۳۸۵۱، ت: بكری حیانی - صفوة السقا، ط: مؤسسة الرسالة)

(۴) عن أنس، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: يعطى المؤمن في الجنة قوة كذا وكذا من الجماع، قيل: يارَسُولَ اللَّهِ أَوْ يَطِيقُ ذَلِكَ؟ قَالَ: يُعْطَى قُوَّةَ مِائَةٍ. (سنن الترمذي: ۸۰/۲، رقم الحدیث: ۲۵۳۶، أبواب صفة الجنة، باب ما جاء =

اس اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار ہزار مردوں کی طاقت عطا کی گئی تھی۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات جماع کے بعد ایک ہی غسل فرماتے تھے، اس لیے ہر جماع کے بعد مستقل غسل فرض نہیں ہے، لیکن حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے جماع کرے اور دوسری بار جماع کا ارادہ ہو، تو اسے وضوء کر لینا چاہیے۔ (ترمذی: ۲۰/۱) [۱]

اس لیے جماعین کے درمیان وضوء کرنا مستحب ہے، فرض اور واجب نہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۲] کسی جنبیہ (خاتون جن) کے ساتھ وطی کے بعد غسل کا حکم

۳۱- سوال: کسی مسلمان نے کسی جنبیہ (خاتون جن) کے ساتھ وطی کی، یا کسی خاتون کے ساتھ کسی جن نے زنا کیا، تو اس کے اوپر کتنے دنوں تک غسل کرنا ضروری ہوگا؟ کب غسل ساقط ہوگا؟ اور جتنے دنوں تک غسل ساقط نہیں ہوگا، اتنے دنوں کی عبادتیں قبول ہوں گی یا نہیں؟۔

(مولوی یوسف پانڈوراٹالوا)

## الجواب حامدًا ومصلياً

کوئی شخص بیداری کی حالت میں جنبیہ (خاتون جن)، جب کہ وہ انسانی شکل میں نمودار ہو) سے وطی کرے، یا جن مرد کی شکل میں آکر کسی عورت کے ساتھ بیداری کی حالت میں زنا کرے، تو غسل فرض ہوگا، خواہ انزال ہو یا نہ ہو، دخول محض سے غسل واجب ہو جائے گا؛ ہاں نیند کی حالت میں یہ امر پیش آیا ہو، تو انزال ہونے کی صورت میں غسل فرض ہوگا، انزال نہ ہو، تو غسل فرض نہیں ہوگا۔ البتہ بیداری کی حالت میں زنا

= في صفة جماع أهل الجنة، ط: فيصل - ديوبند ☆ مسند أبي داود الطيالسي - أبو داود سليمان بن داود بن الجارود الطيالسي البصري (م: ۲۰۴ھ) - ۳/ ۵۰۳، رقم الحديث: ۲۱۲۴، وما أسند أنس بن مالك الأنصاري، ماروي عنه قتادة، د: محمد بن عبد المحسن التركي، ط: دار هجر - مصر

[ ۱ ] عن أبي سعيد الخدري، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا أتى أحدكم أهله، ثم أراد أن يعود، فليتوضأ بينهما وضوءاً. (سنن الترمذی: ۲۰/۱، رقم الحديث: ۱۴۱، باب ما جاء إذا أراد أن يعود توضأ، ط: فيصل - ديوبند ☆ وكذا في: الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۴۴، رقم الحديث: ۲۷ - (۳۰۸)، باب من أتى أهله فأراد أن يعود / باب جواز نوم الجنب (الخ)، كتاب الحيض، ط: مختار ايند کمپني - ديوبند)

کرنے کی صورت میں زنا کا گناہ ہوگا؛ لیکن صرف ایک مرتبہ غسل فرض کر لینے سے ذمہ سے غسل ساقط ہو جائے گا۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۱۳] جنبی شخص کا بغیر غسل کیے نماز پڑھ لینا

11 سوال: ایک آدمی کو غسل جنابت کی حاجت تھی، محض شرم کی وجہ سے اس کے نے غسل نہیں کیا اور بغیر غسل کے نماز پڑھ لی، دل میں نیت یہ تھی کہ بعد میں اس کو دہرا لوں گا، تو اس شخص کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

عبد الرحیم حسن ماگرولی (سوراشر)

#### الجواب حامدًا ومصليًا:

اگر اس نے نماز کی بے حرمتی اور بے عزتی کرنے کے لیے جنابت کی حالت میں نماز ادا کیا ہے، تو اس کے ایمان سے نکل جانے کا خطرہ ہے؛ لیکن دل میں نماز کا ادب و احترام باقی ہے اور اس گناہ پر دل ملامت بھی کرتا ہے، اس کے باوجود بھی اس نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھ لی، تو گنہ گار ہوگا اور توبہ کرنا ضروری ہے، البتہ ایمان سے خارج نہ ہوگا۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۱۴] بالوں کو انگریزی دواؤں سے رنگنا غسل سے مانع ہے یا نہیں؟

سوال برطانیہ میں سر کے بالوں کو مختلف قسم کی انگریزی دواؤں سے رنگنے کا رواج ہے، یہ رنگ چار سے پانچ ماہ تک بالوں پر رہتا ہے، اس طرح انگریزی دواؤں سے رنگے ہوئے بالوں کے ساتھ غسل صحیح

(۱) أما إذا ظهر في صورة آدمي وكذا إذا ظهر للرجل جنبية في صورة آدمية فوطئها وجب الغسل لوجود المجانسة الصورية المفيدة لكمال السببية. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۶۱/۱، كتاب الطهارة، مطلب في تحرير الصاع والمد والرطل، ط: ايج، ايم سعيد - پاکستان)

(۲) وبه ظهر أن تعمد الصلاة بلا طهر غير مكفر كصلاته لغير القبلة أو مع ثوب نجس، وهو ظاهر المذهب كما في الخانية. (الدر المختار) وقال ابن عابدين (م: ۱۲۵۲ھ): (قوله: كما في الخانية) حيث قال بعد ذكره الخلاف في مسألة الصلاة بلا طهارة وأن الإكفار رواية النوادر. وفي ظاهر الرواية لا يكون كفراً، وإنما اختلفوا إذا صلى لا على وجه الاستخفاف بالدين، فإن كان وجه الاستخفاف ينبغي أن يكون كفراً عند الكل. (رد المحتار: ۸۱/۱، كتاب الطهارة، ط: دار الفكر - بيروت)

ہوگا یا نہیں؟ نماز درست ہوگی یا نہیں؟ بیٹو اتو جروا۔

### الجواب حامدًا ومصليًا:

صورت مسنولہ میں جب کہ رنگ بالوں پر باقی رہتا ہو اور پانی بالوں تک پہنچنے سے روکتا ہو، تو غسل جنابت اور غسل حیض و نفاس کچھ بھی صحیح نہیں ہوگا، اس صورت میں مرد و عورت دونوں ناپاک ہی رہیں گے اور اس صورت میں پڑھی گئی نمازیں بھی صحیح نہیں ہوں گی۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] مسنون طریقے پر غسل کرنے کے بعد وضو کے وقت کلی کرنا یا ناک میں پانی ڈالنا

سوال: (۱۵) اگر کسی نے سنت طریقے کے مطابق غسل کیا ہے، تو کیا بعد میں وضو کے وقت بھی کلی کرنا

اور ناک میں پانی ڈالنا ضروری ہے؟

### الجواب حامدًا ومصليًا:

غسل مسنون کا جو طریقہ ہے، جس میں اولاً دونوں ہاتھ پہنچوں تک دھونا ہے، پھر کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ہے، جس کی تفصیل معروف و مشہور ہے۔<sup>(۲)</sup> اس طرح غسل کرنے کے بعد جب تک حدث پیش

(۱) ولو كان على بدنه قشر سمك أو خيز ممضوغ متلبد وجب إزالته، وكذا الخضاب المتجسد والحناء. (الجوهرة النيرة - أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزبيدي اليمني الحنفي (م: ۸۰۰ھ): ۱۰/۱، كتاب الطهارة، سنن الطهارة، ط: المطبعة الخيرية ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۳، الباب الثاني في الغسل، الفصل الأول في فرائض الغسل، ط: بيروت)

نعم ذكر الخلاف في شرح المنية في العجين واستظهر المنع؛ لأن فيه لزوجة وصلابة تمنع نفوذ الماء... ومفاده عدم الجواز إذا علم أنه لم يصل الماء تحته، قال في الحلية وهو أثبت. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۱۵۳، مطلب في أبحاث الغسل، ط: بيروت)

(۲) قال: "وسنته أن يبدأ بالمغتسل فيغسل يديه وفرجه ويزيل نجاسة إن كانت على بدنه ثم يتوضأ وضوءه للصلاة إلا رجليه ثم يفيض الماء على رأسه وسائر جسده ثلاثاً ثم يتنحى عن ذلك المكان فيغسل رجليه" هكذا حكى ميمونة رضي الله عنها اغتسال رسول الله صلى الله عليه وسلم. (الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر، الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱۹/۱، كتاب الطهارات، فصل في الغسل، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت ☆ الدر مع الرد: ۱/۱۵۶-۱۵۸، كتاب الطهارة، في بيان سنن الغسل، ط: بيروت)



نہ آئے، وضوء لازم نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) لیکن اگر کوئی غسل کے بعد دوبارہ وضوء کرے، تو کیا اس میں کراہت ہے؟

عن عائشة، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان لا يتوضأ بعد الغسل. هذا حديث حسن صحيح، وهذا قول غير واحد من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، والتابعين: أن لا يتوضأ بعد الغسل. (سنن الترمذي: ۳۰/۱، رقم الحديث: ۱۰۷۷، أبواب الطهارة، باب في الوضوء بعد الغسل، ط: فيصل - ديوبند ☆ سنن أبي داؤد: ۳۳/۱، رقم الحديث: ۲۵۰، كتاب الطهارة، باب في الوضوء بعد الغسل، ط: مختار ايند کمپنی - ديوبند ☆ المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي - أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب، النسائي (م: ۳۰۳ هـ): ۱۳۷/۱، رقم الحديث: ۲۵۲، باب ترك الوضوء من بعد الغسل، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

علامہ شامی نے اس سلسلے میں تفصیلی بحث کی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

قال الحصكفي: أو لقصد الوضوء على الوضوء لا بأس به، وحديث " فقد تعدى " محمول على الاعتقاد، ولعل كراهة تكراره في مجلس تنزيهية. — قال ابن عابدين: (قوله: أو لقصد الوضوء على الوضوء) أي بعد الفراغ من الأول، بحر. وفي التتارخانية عن الناطقي: لو زاد على الثلاث فهو بدعة، وهذا إذا لم يفرغ من الوضوء؛ أما إذا فرغ ثم استأنف الوضوء فلا يكره بالاتفاق. اهـ ومثله في الخلاصة. — وعارض في البحر دعوى الاتفاق بما في السراج من أنه مكروه في مجلس واحد: وأجاب في النهر بأن ما مر فيما إذا أعاده مرة واحدة، وما في السراج فيما إذا كرره مرارا، ولفظه في السراج: لو تكرر الوضوء في مجلس واحد مرارا لم يستحب؛ بل يكره لما فيه من الإسراف فتدبر اهـ. — قلت: لكن يرد ما في شرح المنية الكبير حيث قال: وفيه إشكال لإطباقهم على أن الوضوء عبادة غير مقصودة لذاتها فإذا لم يؤد به عمل مما هو المقصود من شرعيته كالصلاة وسجدة التلاوة ومس المصحف ينبغي أن لا يشرع تكراره قربة؛ لكونه غير مقصود لذاته فيكون إسرافاً محضاً، وقد قالوا في السجدة لما لم تكن مقصودة: لم يشر التقرب بها مستقلة وكانت مكروهة، وهذا أولى. اهـ. — أقول: يؤيده ما قاله ابن العماد في هديته. قال في شرح المصابيح: وإنما يستحب الوضوء إذا صلى بالوضوء الأول صلاة، كذا في الشرعة والقنية. اهـ. وكذا ما قاله المناوي في شرح الجامع الصغير للسيوطي عند حديث «من توضأ على طهر كتب له عشر حسنات» من أن المراد بالطهر الوضوء الذي صلى به فرضاً أو نفلاً كما بينه فعل راوي الخبر وهو ابن عمر، فمن لم يصل به شيئاً لا يسن له تجديده. اهـ. ومقتضى هذا كراهته، وإن تبدل المجلس ما لم يؤد به صلاة أو نحوها لكن ذكر سيدي عبد الغني النابلسي أن المفهوم من إطلاق الحديث مشروعيته ولو بلا فصل بصلاة أو مجلس آخر، ولا إسراف فيما هو مشروع، أما لو كرره ثالثاً أو رابعاً فيشترط لمشروعيته الفصل بما ذكر، وإلا كان إسرافاً محضاً اهـ فتأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۱۹/۱، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، مطلب في الوضوء على الوضوء، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

وقالوا: لو توضأ أولاً لا يأتي به ثانياً؛ لأنه لا يستحب وضوءان للغسل اتفاقاً، أما لو توضأ بعد الغسل واختلف المجلس على مذهبن أو فصل بينهما بصلاة كقول الشافعية فيستحب. (الدر المختار)

## [۱۶] وضو اور غسل میں صرف کلی کرنا کافی ہے یا غرارہ بھی ضروری ہے؟

سوال: (۱۶) وضوء اور غسل میں روزے کی حالت کے علاوہ میں صرف کلی کرنا کافی ہوگا، یا منہ اونچا کر کے حلق میں پانی گھمانا (غرارہ) ضروری ہے؟ بیوقوف تو جروا۔

### الجواب حامدًا ومصليًا:

وضوء اور غسل میں حلق تک پانی لے جانا ضروری نہیں، صرف پانی کے ذریعہ منہ بھر کے کلی کرنے سے ہی فرض ادا ہو جائے گا؛ البتہ غیر صائم کے لیے غرارہ مسنون ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۷] غسل میں فرائض ادا کرنا اور سنتوں کو ترک کر دینا

سوال: (۱۷) غسل میں صرف فرائض ادا کر لینے سے غسل ہو جائے گا؟ یا سنت کے چھوڑنے کا گناہ بھی ہوگا؟

= قال ابن عابدین: (قوله: لأنه لا يستحب إلخ) قال العلامة نوح أفندي: بل ورد ما يدل على كراهته. أخرج الطبراني في الأوسط عن ابن عباس - رضي الله عنهما - قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - «من توضأ بعد الغسل فليس منا» اه تأمل. والظاهر أن عدم استحبابه لوبقي متوضئا إلى فراغ الغسل. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۱۵۸، كتاب الطهارة، سنن الغسل، ط: بيروت)

(۱) قال الشرنبلالي: "و" يسن "المبالغة في المضمضة" وهي إيصال الماء لرأس الحلق "و" المبالغة في الاستنشاق" وهي إيصاله إلى ما فوق المارن "لغير الصائم" والصائم لا يبالغ فيها خشية إفساد الصوم لقوله عليه الصلاة والسلام: "بالغ في المضمضة والاستنشاق إلا أن تكون صائما" (مراقى الفلاح) وقال الطحطاوي: قوله: "والمبالغة" فيهما هي سنة في الطهارتين على المعتمد وقيل سنة في الوضوء واجبة في الغسل إلا أن يكون صائما نقله القهستاني عن المنية وشرح الشريعة عن صلاة البقالي. (حاشية الطحطاوي على مراقى الفلاح - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفى (م: ۱۲۳۱هـ)، ص: ۷۰، كتاب الطهارة، فصل في سنن الوضوء، ت: محمد عبدالعزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: الدر المختار مع رد المحتار ۱/۱۱۵-۱۱۶، کتاب الطهارة، فی بیان سنن الوضوء

☆ الدر مع الرد: ۱/۱۵۱-۱۵۲، کتاب الطهارة، فی بیان فرض الغسل، مطلب فی مهمات الغسل، ط: بیروت ☆  
الجوهرة النيرة - أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزبيدي اليمني الحنفى (م: ۸۰۰هـ) ۱/۶، سنن الطهارة، ط: المطبعة الخيرية

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

غسل کے فرائض ادا کرنے سے غسل تو صحیح ہو جائے گا، اس کے لیے غسل مسنون شرط نہیں ہے؛ لیکن سنتوں پر عمل کرنے کے ثواب سے محروم رہے گا۔ ہاں! کوئی شخص سنتوں پر عمل کرے اور کبھی کبھار چھوڑ دے، تو گنہگار نہ ہوگا، سنتوں کو ترک کرنے کا معمول بنالینا حرام نصیبی ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

**[۱۸] احتلام میں خروج منی کے وقت عضو تناسل پر انگلی رکھ دینا**

سوال: (۱۹) زید نے نیند کی حالت میں جب کہ احتلام کی وجہ سے منی خارج ہونے کے بالکل قریب تھی، اپنی انگلی کے ذریعہ عضو تناسل کے سرے کو بند کر دیا، جس کی وجہ سے منی باہر نہیں نکل سکی، تو کیا اس حالت میں زید پر غسل فرض ہوگا؟ اور کیا اس طرح عضو تناسل کا سرابند کر دینے سے صحت خراب ہو سکتی ہے؟

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

اس طرح کرنے سے منی اگر بالکل باہر نہ آئے، تو مہمان اور مسافر کے لیے غسل نہ کرنے کی گنجائش ہے، سخت سردی کے موسم میں مسافر کے لیے گنجائش ہے اور مہمان کو حیاء کی وجہ سے گنجائش ہے؛ لیکن حالت اقامت میں اس کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) قال الحصكفي: وحكمها ما يؤجر على فعله ويلازم على تركه. (الدر المختار)

(قوله: ويلازم) أي يعاتب بالثناء لا يعاقب، كما أفاده في البحر والنهر؛ لكن في التلويح ترك السنة المؤكدة قریب من الحرام يستحق حرمان الشفاعة، لقوله - عليه الصلاة والسلام - : «من ترك سنتي لم ينل شفاعتي» . اهـ. وفي التحرير: إن تاركها يستوجب التضليل واللوم. اهـ. والمراد التارك بلا عذر على سبيل الإصرار كما في شرح التحرير لابن أمير حاج، ويؤيده ما سيأتي في سنن الوضوء من أنه لو اكتفى بالغسل مرة إن اعتاده أتم، وإلا لا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۱۰۴، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، مطلب في السنة وتعريفها، ط: بيروت)

(۲) (وفرض) الغسل (عند) خروج (منی) من العضو وإلا فلا يفرض اتفاقاً؛ لأنه في حكم الباطن (منفصل عن مقره) هو صلب الرجل وترائب المرأة... (بشهوة) أي لذة ولو حكما كمتعلم، ولم يذكر الدفق ليشمل منی المرأة؛ لأن الدفق فيه غير ظاهر... ولأنه ليس بشرط عندهما خلافاً للثاني، ولذا قال (وإن لم يخرج) من رأس الذكر (بها) وشرطه أبو يوسف، وبقوله يفتى في ضيف خاف ريبة أو استحبى كما في المستصفى. وفي القهستاني والتتارخانية معزيا للنوازل: وبقول أبي يوسف نأخذ؛ لأنه أيسر على المسلمين قلت: ولا سيما في الشتاء والسفر. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله: وشرطه أبو يوسف) أي شرط الدفق، وأثر الخلاف يظهر فيما لو احتلم أو نظر بشهوة =

اس حرکت کی وجہ سے صحت کے خراب ہونے نہ ہونے کے بارے میں کسی طیب سے معلوم کر لیا جائے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۹] شراب یا نشہ کی وجہ سے غسل کرنا ضروری ہے؟

سوال: ایک آدمی نے تاڑی<sup>(۱)</sup> یا شراب پی رکھی ہے، اس کے محلہ میں ایک شخص کا انتقال ہوا، تو یہ آدمی غسل کیے بغیر جنازے کی نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

### الجواب حامدًا ومصليًا:

شراب پینے کی وجہ سے غسل کرنا فرض نہیں ہوتا ہے، اس لیے غسل کی ضرورت نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup> ہوش و حواس درست ہے، تو نماز صحیح ہو جائے گی۔<sup>(۳)</sup> (البتہ شراب پینا گناہ کبیرہ ہے، اس سے احتراز ضروری ہے، شراب پینے والے کو توبہ کرنی چاہیے۔<sup>(۴)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۰] دانت پر سونے کا گور چڑھانا اور اس کے ساتھ نماز پڑھنا

سوال: ۳۳: میرا ایک دانت گر گیا ہے، میرا ارادہ دانت فٹ کروانے اور اس پر سونے کا گور

= فأمسك ذكره حتى سكنت شهوته ثم أرسله فأنزل وجب عندهما لا عنده. — (قوله: ويقول أبي يوسف نأخذ أي في الضيف وغيره. وفي الذخيرة أن الفقيه أبا الليث وخلف بن أيوب أخذوا بقول أبي يوسف. وفي جامع الفتاوى أن الفتوى على قول إسماعيل. — (قوله: قلت إلخ) ظاهره الميل إلى اختيار ما في النوازل، ولكن أكثر الكتب على خلافه حتى البحر والنهر، ولا سيما قد ذكر وأن قوله قياس وقوله استحسان وأنه الأحوط، فينبغي الإفتاء بقوله في مواضع الضرورة فقط تأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۱۵۹-۱۶۰، كتاب الطهارة، أبحاث الغسل) (۱) تاڑی: تاڑ کا نشہ آور رس۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۳۶، ت-۱)

(۲) کیوں کہ وجوب غسل کے اسباب میں سے کوئی سبب یہاں موجود نہیں ہے، وجوب غسل کے اسباب تین ہیں: [۱] جنابت [۲] انقطاع حیض [۳] انقطاع نفاس۔ اسباب الغسل ثلاثة: الجنابة، والحیض، والنفاس. وفي مختار الفتاوى: المراد بقوله والحیض والنفاس انقطاعهما. (الفتاوى التاتاری خانیة: ۱/۱۵۲، زکریا-دیوبند)

(۳) بِمَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ {۳- النساء: ۴۳}

[۴] يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا فَلَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ © (۵- المائدة: ۹۰)

چڑھانے کا ہے، تو ایسا دانت لگانے سے غسل و وضوء میں کوئی حرج تو نہیں ہوگا اور نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

### الجواب حامدا ومصليا:

”دانت“ فٹ کرانا اور اس پر سونے کا کور چڑھانا جائز ہے، سونے کا دانت بھی جائز ہے۔ (رد المحتار: ۶/۲۳۳☆ عالمگیری جلد ۵، صفحہ ۵۳۳) [۱] دانت کو فٹ کرادے، تو اس پر سونے کا کور ہونے کے

[۱] (ولا يشد سنه) المتحرك (بذهب بل بفضة) وجوزهما محمد (ويتخذ أنفامنه) لأن الفضة تنتنه. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله المتحرك) قيد به لما قال الكرخي: إذا سقطت ثنية رجل، فإن أبا حنيفة يكره أن يعيدها، ويشدها بفضة أو ذهب ويقول هي كسن ميتة ولكن يأخذ سن شاة ذكية يشدها مكانها وخالفه أبو يوسف فقال لا بأس به ولا يشبهه سنه سن ميتة استحس ذلك وبينهما فرق عندي وإن لم يحضرني اهـ إتقاني. زاد في التارخانية قال بشر قال أبو يوسف: سألت أبا حنيفة عن ذلك في مجلس آخر فلم ير يعادتها بأسا (قوله وجوزهما محمد) أي جوز الذهب والفضة أي جوز الشد بهما وأما أبو يوسف فقليل معه وقيل مع الإمام (قوله لأن الفضة تنتنه) الأولى تنتن بلا ضمير وأشار إلى الفرق للإمام بين شد السن، واتخاذ الأنف فجوز الأنف من الذهب لضرورة تنتن الفضة لأن المحرم لا يباح للضرورة، وقد اندفعت في السن بالفضة، فلا حاجة إلى الأعلى وهو الذهب. قال الأتقاني: ولقائل أن يقول مساعدة لمحمد لا نسلم أنها في السن ترتفع بالفضة؛ لأنها تنتن أيضا، وأصل ذلك ما روى الطحاوي بإسناده إلى «عرفجة بن أسعد أنه أصيب أنفه يوم الكلاب في الجاهلية فاتخذ أنفا من ورق فأنتن عليه، فأمره النبي - صلى الله عليه وسلم - أن يتخذ أنفا من ذهب، ففعل»، والكلاب بالضم والتخفيف: اسم واد كانت فيه وقعة عظيمة للعرب هذا وظاهر كلامه جواز الأنف منهما اتفاقا، وبه صرح الإمام البزدوي وذكر الإمام الإسيجاني أنه على الاختلاف أيضا. وفي التارخانية وعلى هذا الاختلاف إذا جدد أنفه أو أذنه أو سقط سنه، فأراد أن يتخذ سنا آخر فعند الإمام يتخذ وذلك من الفضة فقط، وعند محمد من الذهب أيضا اهـ، وأنكر الأتقاني ثبوت الاختلاف في الأنف بأنه لم يذكر في كتب محمد والكرخي والطحاوي، وبأنه يلزم عليه مخالفة الإمام للنص، ونازه المقدسي بأن الإسيجاني حجة في النقل، وبأن الحديث قابل للتأويل، واحتمال أن ذلك خصوصية لعرفجة كما خص - عليه الصلاة والسلام - الزبير وعبد الرحمن بلبس الحرير لحكة في جسدهما، كما في التبيين أقول: يمكن التوفيق بأن ما ذكره الإسيجاني رواية شاذة عن الإمام فلذا لم تذكر في كتب محمد والكرخي والطحاوي والله تعالى أعلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/۲۳۲، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، ط: دار الفكر - بيروت)

قال محمد - رحمه الله تعالى - في الجامع الصغير: ولا يشد الأسنان بالذهب، ويشدها بالفضة يريد به إذا تحركت الأسنان وخيف سقوطها، فأراد صاحبها أن يشدها يشدها بالفضة، ولا يشدها بالذهب، وهذا قول أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - وقال محمد - رحمه الله تعالى - : يشدها بالذهب أيضا، ولم يذكر في الجامع الصغير قول أبي يوسف - رحمه الله تعالى - قيل: هو مع محمد - رحمه الله تعالى -، وقيل: هو مع أبي حنيفة - رحمه الله تعالى -.

وذكر الحاكم في المنتقى لو تحركت سن رجل وخاف سقوطها فشدّها بالذهب أو بالفضة لم يكن به =

باوجود غسل ووضو میں کوئی فرق نہیں پڑے گا اور نماز جائز ہوگی۔ (عالمگیری جلد ۱، صفحہ ۱۳) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= بأس عند أبي حنيفة وأبي يوسف - رحمهما الله تعالى - وروى الحسن عن أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - أنه فرق بين السن والأنف فقال في السن لا بأس بأن يشدها بالذهب، وفي الأنف كره ذلك، كذا في المحيط. وقال أبو يوسف - رحمه الله تعالى -: لا بأس بأن يعيد سن نفسه وأن يشدها، وإن كان سن غيره يكره ذلك، كذا في السراج الوهاج. قال بشر: قال أبو يوسف - رحمه الله تعالى - في مجلس آخر: سألت أبا حنيفة - رحمه الله تعالى - عن ذلك، فلم ير يعادتها بأساً، كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۶/۳۳۶، كتاب الكراهية، الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) (ولا يمنع) الطهارة (ونيم) أي خرز ذباب وبرغوث لم يصل الماء تحته (وحناء) ولو جرمه به يفتى. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله: ونيم الخ) ظاهر الصحاح والقاموس أن الونيم مختص بالذباب نوح أفندي، وهذا بالنظر إلى اللغة، وإلا فالمراد هنا ما يشمل البرغوث؛ لأنه أولى بالحكم. — (قوله: لم يصل الماء تحته) لأن الاحتراز عنه غير ممكن حلية. — (قوله: به يفتى) صرح به في المنية عن الذخيرة في مسألة الحناء والطين والدرن معللاً بالضرورة. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۱۵۳، كتاب الطهارة، فرض الغسل، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۳، كتاب الطهارة، الباب الثاني في الغسل، الفصل الأول في فرائض الغسل، ط: دار الفكر - بيروت)

عن أبي هريرة-رضي الله تعالى عنه- قال: قال رسول الله  
صلى الله عليه وسلم: طهور إناء أحدكم إذا ولغ فيه الكلب،  
أن يغسله سبع مرات أولاهن بالتراب.

(مسلم شریف: ۱۳۷۱، حدیث: نمبر: ۲۷۹)

## باب المياہ

### [پانی کا بیان]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب المیاء

### [پانی کے احکام]

#### [۱] شرعی حوض کی پیمائش

۴۹۰-سوال: مارچ کے ماہنامہ ”الاصلاح“ میں ایک مسئلہ حوض کی پیمائش کے متعلق مذکور ہے، اس میں لکھا ہے: حوض دہ دردہ ہونا چاہیے اور دہ دردہ کا مطلب ۶۰ مربع فٹ ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ دہ دردہ کا مطلب دس بائی دس گز ہے اور ایک گز ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے، تو اس حساب سے شرعی حوض ۱۵ بائی ۱۵ فٹ کا ہوگا، اور اس کا مربع جب ہم نکالتے ہیں، تو  $۱۵ \times ۱۵ = ۲۲۵$  (دوسو پچیس) مربع فٹ نکلتا ہے۔ پس ۶۰ مربع فٹ جو اس میں لکھا ہے، وہ کس حساب سے ہے؟ ممکن ہے ہمیں سمجھنے میں کوئی غلطی ہوئی ہو، درخواست ہے کہ صحیح صورت حال کی وضاحت فرمادیں۔

مستفتی: محمد اسماعیل وڈیا

#### الجواب حامد اومصلیٰ:

برادر عزیز مولانا محمد صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ  
آپ کا کہنا بالکل صحیح ہے، مذکورہ پرچہ کی طباعت میں غلطی واقع ہوئی ہے۔ حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب قدس سرہ نے ایک مختصر رسالہ ”اوزان شرعیہ“ کے نام سے لکھا ہے، جس پر حکیم الامت حضرت تھانویؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ، حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ، اور مظاہر علوم کے صدر مفتی حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ وغیرہ اکابرین امت کے تصدیقی دست خط بھی موجود ہیں، اس کے صفحہ: ۳۳ تا ۳۶ پر اس سلسلہ میں کافی تفصیل موجود ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:  
عرب میں دو قسم کے ”ذراع“ مستعمل تھے، ایک ذراع کرباس (کپڑے ناپنے کا گز) دوسرا ذراع مساحت (زمین ناپنے کا گز) ذراع مساحت حسب تصریح قاضی خان وغیرہ سات مشت (مٹھی) ہیں، جن میں



ہر ایک مٹھی کے ساتھ انگوٹھا بھی کھڑا ہو۔ (کذافی البحر الرائق: ۱۸، بحث المیاء)

اور یہ مٹھی، جس پر انگوٹھا کھڑا ہو، آج کل کی پیمائش کے حساب سے چھ انچ ہوتی ہے؛ کیوں کہ اس طرح کی دو مٹھی کا فٹ قرار دیا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ذراع مساحت ساڑھے تین فٹ یا بیالیس انچ کا ہوتا ہے، جو انگریزی گز سے چھ انچ زیادہ ہے؛ لیکن فقہاء کے کلام میں عموماً جس جگہ ذراع کا لفظ بولا گیا ہے، ذراع مساحت مراد نہیں؛ بل کہ ذراع کر باس مراد ہوتا ہے، اور بعض مواضع میں فقہاء کا اختلاف بھی رہا ہے، کہ بعض نے اس میں ذراع کر باس مراد لیا، بعض نے ذراع مساحت، جیسا کہ ماء (پانی) کثیر کی بحث اور درہ درہ کی تعیین میں قاضی خان نے ذراع مساحت کو اختیار کیا ہے؛ لیکن جمہور فقہاء، صاحب ہدایہ اور عامہ متون و شروح نے اس جگہ بھی ذراع کر باس ہی کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور ذراع کر باس بھی دو قسم کا مشہور ہے، متقدمین میں ۳۲ انگشت کا ذراع معروف ہے، اور متاخرین میں ۲۴ انگشت کا، انگشت سے مراد یہ ہے کہ ۴ انگلیاں ملا کر رکھی جاویں اور انگوٹھا اس کے ساتھ شامل نہ کیا جائے، پھر چار ان کی برابر، اور پھر اسی طرح ۴، یہاں تک کہ ۳۲ یا ۲۴ ہو جاویں، اور چوں کہ ایک مشت (مٹھی) بھی ۴ انگشت ہوتی ہے؛ اس لیے متقدمین کا ذراع آٹھ مشت (مٹھی) اور متاخرین کا چھ مشت کا ہوگا۔ عامہ کتب مذہب، متون و شروح اور فتاویٰ میں متاخرین کا ذراع مستعمل ہے، اسی پر سب حسابات شرعیہ قائم کیے گئے ہیں، یعنی ۶ مشت یا ۲۴ انگشت کا ایک ذراع؛ و ذلك لما في تيمم الهندية بعد قوله أقرب الاقوال: كل ذراع أربع وعشرون أصبعاً وعرض كل أصبع ست حبات شعير ملصقة ظهر البطن. هكذا في التبيين. (عالم گیری: ۲۸/۱، ط: دار الفکر، الطبعة الثانية: ۱۳۱۰ھ) و في میاء البحر الرائق: اختلف المشايخ في الذراع على ثلاثة أقوال ففي التجنيس المختار ذراع الكرباس، واختلف فيه ففي كثير من الكتب أنه ست قبضات ليس فوق كل قبضة إصبع قائمة فهو أربعة وعشرون إصبعاً بعدد حروف لا إله إلا الله محمد رسول الله والمراد بالإصبع القائمة ارتفاع الإبهام كما في غاية البيان. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق - ابن نجيم المصري (م: ۷۹۷۰ھ): ۸۰/۱، ط: دار الكتاب الإسلامي) و مثله في تيمم البحر عن الينابيع و ذكر أنه ذراع العامة و في حاشية البحر (منحة الخالق) للشامي هناك أنه هو المعول و عزاه إلى الرملي صاحب الخيرية. (بحر: ۱/۱۳۷☆ مزید دیکھیے، شامی: ۱/۱۹۶، کتاب الطہارۃ، باب المیاء، مطلب فی مقدار الذراع و تعیینہ، ط: ایچ، ایم سعید، پاکستان)

عبارات مرقومہ بالا سے واضح ہو گیا کہ قول معتمد فقہاء رحمہم اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ پانی کی مساحت کے متعلق وہ درودہ کے مسئلے میں ذراع کر باس معتبر ہے اور اس کی صحیح و رائج پیمائش ۲۴ انگلیاں یا ۶ مشت ہے، اور یہ بعینہ وہ مقدار ہے، جس کو ہمارے عرف میں ایک ہاتھ کہا جاتا ہے، چنانچہ مغرب میں (جس میں خاص فقہ ہی کے لغت جمع کیے گئے ہیں) ہے: (الذراع) من المرفق إلى أطراف الأصابع ثم سمي بها الخشبة التي يزرع بها... والذراع المكسرة ست قبضات وهي ذراع العامة وإنما وصفت بذلك لأنها نقصت عن ذراع الملك بقبضة وهو بعض الأكاسرة لا الأخير وكانت ذراعه سبع قبضات. (المغرب - أبو الفتح برهان الدين الخوارزمي المُنْتَزِعِي (م: ۶۱۰ھ): ۱/۱۷۴، الذال مع الراء المهملة، ط: دار الكتاب العربي)

مغرب کی اس تحریر سے یہ معلوم ہو گیا کہ البحر الرائق، بحث المياہ، میں جو قول ولوالجی سے نقل کیا ہے، کہ سات مشت کا ایک ذراع ہوتا ہے، یہ اس قدیم ذراع کی پیمائش ہے، جو آخری کسری ملک فارس کا ذراع ہے، اور اسلام میں جو ذراع رائج ہوا وہ ایک مٹھی کم یعنی ۶ مٹھی یا ۲۴ انگلیوں کا ذراع ہے، اور یہی معتبر و مستند ہے اور عرب اور فقہاء کی سذاجت و سادگی کا بھی یہی منتہی ہے، کہ ان کے کلام میں ذراع سے یہی ذراع مراد ہو؛ کیوں کہ وہ ذراع طبعی (یعنی ایک ہاتھ) کی صحیح مقدار ہے، اور یہ ذراع انگریزی گز سے نصف یعنی ڈیڑھ فٹ یا ۱۸ انچ ہوتا ہے، جیسا کہ عام طور پر چکرورتی (علم حساب) میں اس کی تصریحات الفاظ ذیل میں موجود ہیں:

۱- [۹ انچ = ایک باشت]      ۲- [۲ باشت یا ۱۸ انچ = ایک ہاتھ]

۳- [دو ہاتھ = ایک گز]      ۴- [ایک گز = ۳ فٹ یا ۳۶ انچ]

خلاصہ یہ ہے کہ رائج الوقت انگریزی گز اور فٹ کے اعتبار سے:

ذراع مساحت = ایک گز ۶ انچ یا ساڑھے تین فٹ یا بیالیس انچ ہے۔

ذراع کر باس = نصف گز یا ڈیڑھ فٹ یا اٹھارہ انچ ہے۔

پانی کے مسائل میں ذراع کر باس معتبر ہے، جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے۔

(اوزان شرحیہ: ۳۶۳۳، ط: مکتبہ امدادیہ، سہارن پور)

لہذا وہ درودہ حوض جب مربع (چوکور) ہو، تو  $225 = 15 \times 15$  کا ہوگا، اور لمبائی چوڑائی میں کمی بیشی

کے ساتھ اس طرح بھی ہو سکتا ہے:  $225 = 7.50 \times 30$  یا  $225 = 3.50 \times 60$ ۔ جیسی سہولت ہو، بنا سکتے ہیں، اور یہی حساب صحیح ہے، کفایت المفتی میں یہی لکھا گیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

لہذا اصلاح میں جو وہ درود کا مطلب ۶۰ مربع فٹ بیان کیا گیا ہے، وہ صحیح نہیں ہے، اور امکان ہے کہ طباعت کی غلطی ہو۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲] حوض کی مختلف شکلوں میں ان کا حساب کیا ہونا چاہیے؟

۴۹۱-سوال: ہمارے یہاں مسجد کا ایک حوض ہے، جس کی لمبائی ساڑھے ستائیس فٹ اور چوڑائی سواچودہ فٹ ہے، اس کا کل رقبہ اس حساب سے ۳۹۱ مربع فٹ ہے، اس حوض کا بعض حصہ چھت کے بالمقابل ہے اور بعض حصہ کھلا ہوا ہے، چھت کے بالمقابل حصے کو ہوا بالکل نہیں ملتی ہے، کیوں کہ چھت کا نیچے والا حصہ پانی کی اوپر کی سطح سے بالکل لگ چکا ہے، لوگ کھلی جگہ میں بیٹھ کر لوگ وضو کر لیا کرتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ کفایت المفتی میں لکھا ہے کہ اس طرح کے حوض کا کل رقبہ ۲۲۵ مربع فٹ ہونا چاہیے۔<sup>(۲)</sup> اور فتاویٰ رحیمیہ میں لکھا ہے کہ گول حوض کا رقبہ ۳۶ چھتیس گز ہونا چاہیے۔<sup>(۳)</sup> اور تعلیم الاسلام میں لکھا ہے کہ ۵۴ رقبہ ہونا چاہیے۔ سوال یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے اس حوض کو کون سا حوض شمار کریں؟ اگر ہمارا حوض گول شمار نہ ہو، تو لمبا گول شمار کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس کا حساب کیا ہوگا؟

### الجواب حامد اومصلیٰ:

مذہب حنفی کے مطابق ماء کثیر اس پانی کو کہا جاتا ہے جو  $10 \times 10 = 100$  گز ہو، جو ہمارے حساب سے  $15 \times 15$ ، یعنی ۲۲۵ مربع فٹ ہونا ضروری ہے، لمبا چوکور ہو، تو:  $225 = 7.50 \times 30$ ، یا  $225 = 3.50 \times 60$  ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حوض کیسا بھی ہو، اس کا کل رقبہ ۲۲۵ ر دو سو پچیس مربع (اسکوائر) فٹ ہونا ضروری ہے۔ اگر گول حوض ۳۶ چھتیس گز ہوگا، تو بھی اس کا کل رقبہ ۲۲۵ مربع (اسکوائر) فٹ ہی ہوگا، گولائی میں ۵۴ چون فٹ کا رقبہ ہوگا، تو بھی ۲۲۵ مربع فٹ کا ہی ہوگا؛ لہذا آپ کی

(۱) کفایت المفتی: ۲/۲۹۲، حوض اور کنویں کے احکام، ط: زکریا بک ڈپو۔ دیوبند۔

(۲) دیکھیے: کفایت المفتی: ۲/۲۹۲، حوض اور کنویں کے احکام، ط: زکریا بک ڈپو، دیوبند۔

(۳) اور اگر حوض مدور (گول) ہے، تو اس کا محیط (گھیراؤ) چھتیس گز ہو۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۳۸/۴، کتاب الطہارت، اگر پانچ ہاتھ

چوڑا اور تیس ہاتھ لمبا حوض ہو، تو وہ درود کا مطلب ہے۔ مسئلہ نمبر: ۳۲۔)

مسجد کے حوض کو حوض کبیر شمار کیا جائے گا۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب

کتبہ احمد ابراہیم بنات غفرلہ ۱۹۸۶/۱۱/۲۷

### [ ۳ ] کولا واٹر کے صابن کا حکم

۴۹۲-سوال: کولا واٹر کو بدن پر لگانے کے بعد اس کا دھونا ضروری ہوتا ہے، تو کیا جو لوگ کولا واٹر کا صابن استعمال کرتے ہیں، ان کا غسل صحیح ہو جاتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ اس سے غسل صحیح نہیں ہوتا ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

#### الجواب حامداً ومصلياً:

کولا واٹر کا صابن اگر ناپاک چیزوں سے بنایا جاتا ہو، اس طور پر کہ اس ناپاک چیز کی ماہیت نہ بدلی ہو، تو وہ ناپاک ہے اور اس سے غسل کرنا درست نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup> اور اگر وہ پاک چیزوں سے بنایا جاتا ہے،

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے سوال سابق کا تفصیلی جواب بہ عنوان: شرعی حوض کی پینائش۔ ☆ مزید دیکھیے: کفایت المفتی: ۲/۲۹۲، حوض اور کنوئیں کے احکام، ط: زکریا بک ڈپو، دیوبند ☆ فتاویٰ رحیمیہ: ۳/۳۸، کتاب الطہارت، دارالاشاعت، پاکستان۔

فی النہر: وأنت خبير بأن اعتبار العشر أضبط ولا سيما في حق من لا رأي له من العوام، فلذا أفتى به المتأخرون الأعلام: أي في المربع بأربعين، وفي المدور بستة وثلاثين، وفي المثلث من كل جانب خمسة عشر وربعاً وخمسة بذراع الكرباس، ولو له طول لا عرض لكنه يبلغ عشر في عشر جاز تيسيراً، ولو أعلاه عشر أو أسفله أقل جاز حتى يبلغ الأقل، ولو بعكسه فوقع فيه نجس لم يجز حتى يبلغ العشر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۱۹۳-۱۹۴، فصل في المياہ، ط: دار الفکر - بیروت)

(۲) لیکن اگر انقلاب ماہیت کا تحقق ہو جائے، تو اس کی طہارت کا حکم لگایا جائے گا:

والأعيان النجسة تطهر بالاستحالة عندنا، وذلك مثل الميتة إذا وقعت في المملحة، فاستحلت حتى صارت ملحاً، والعدرة إذا صارت تراباً أو أحرقت بالنار وصارت رماداً، فهي نظير الخمر إذا تخللت أو جلد الميتة إذا دبغت فإنه يحكم بطهارتها للاستحالة، وذكر في الفتاوى أن رأس الشاة لو أحرق حتى زال الدم يحكم بطهارته، وكذا البلة النجسة في التنور نزولاً بالأحراق. (تبیین الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارع، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۳۳ هـ): ۱/۷۶، باب الاستنجاء، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق - القاهرة ☆ البحر الرائق: ۱/۲۳۹، باب الأنجاس، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۲۶، باب الأنجاس، مطلب: العروقي الذي يستقطر من دردي الخمر نجس حرام، ط: دار الفکر - بیروت)

(و کذا يطهر حمار وقع في المملحة فصار ملحاً) لانقلاب العين، وهو من المطهرات فإن كان من الخمر فلا خلاف في الطهارة، وإن كان من غيرها كالخنزير يطهر عند محمد خلافاً لأبي يوسف. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: ۱/۶۱، باب الأنجاس، ط: دار إحياء التراث العربي)

تو پاک ہے اور اس سے غسل درست ہے، یہی حکم کولاوا اثر کا بھی ہے، اور جب تک کسی قسم کا کوئی ثبوت نہ ہو، محض شبہ کی بنیاد پر اسے ناپاک نہیں کہا جائے گا۔<sup>(۱)</sup> فقط واللہ اعلم بالصواب۔

### [۴] بیت الخلاء کے کنویں اور پانی کے کنویں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟

۴۹۳-سوال: ہمارے یہاں کرنج میں ایک شخص اپنی زمین میں پانی کا کنواں کھودنا چاہتا ہے اور ساتھ میں اسی زمین میں بیت الخلاء بھی بنانا چاہتا ہے، تو بیت الخلاء کے ٹینک اور پانی کے کنویں کے درمیان کتنا فاصلہ رکھنا شرعاً ضروری ہے؟ واضح رہے کہ اس زمین کی لمبائی جس میں یہ دو کنویں کھودے جانے ہیں، ۵۵ فٹ ہے، امید ہے کہ جواب دے کر مومن فرمائیں گے۔ نیز درخواست ہے کہ ایسا کوئی عمل بتائیں، جس سے میٹھا پانی نکلے۔

#### الجواب حامدًا ومصلياً:

پانی کے کنویں اور نجاست کے کنویں کے درمیان مسافت کے متعلق علماء نے کوئی قطعی بات نہیں لکھی ہے، اس کا مدار زمین کی نرمی اور سختی پر ہے، نرم زمین میں اگر دس فٹ کا فاصلہ ہوگا، تب بھی نجاست کا اثر پہنچنے کا امکان رہے گا اور اگر پتھر ملی اور سخت زمین ہوگی، تو چھ، سات فٹ کی دوری پر بھی اثر نہیں پہنچے گا؛ اس لیے وہ دور ہو یا قریب، اگر نجاست کے اثر سے پانی کے رنگ، بو یا مزہ میں تبدیلی آجائے، تو کنویں کا سارا پانی ناپاک ہو جائے گا، اور جب تک یہ اثر نہ آئے، پانی پاک رہے گا؛ لہذا کرنج کی زمین اگر نرم ہو، پتھر ملی اور سخت نہ ہو، تو ۱۵ سے ۲۰ فٹ کا فاصلہ رکھنا بہتر ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) قال ابن عابدين (م: ۲۵۲ھ): في التتارخانية: من شك في إنائه أو في ثوبه أو بدن أصابته نجاسة أو لافهو طاهر مالم يستيقن، وكذا الآبار والحياض والحباب الموضوعه في الطرقات ويستقي منها الصغار والكبار والمسلمون والكفار؛ وكذا ما يتخذة أهل الشرك أو الجهلة من المسلمين كالسمن والخبز والأطعمة والشياب اهـ ملخصاً. (رد المحتار: ۱/۱۵۱، مطلب نواقض الوضوء، كتاب الطهارة، ط: دار الفكر - بيروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ - ۱۹۹۲ء) ☆الأصل في الأشياء الإباحة. (قواعد الفقه - محمد عميم الإحسان المجددي البركتي: ۵۹، قاعده نمبر: ۳۳، ط: الصدف بيلشرز - كراتشي، الطبعة الأولى: ۱۳۰۷-۱۹۸۶ء ☆مزید دیکھیے: رد المحتار: ۱/۱۰۵، كتاب الطهارة، سنن الوضوء)

(۲) في الدر المختار: [فرع] البعد بين البئر والبالوعة بقدر ما لا يظهر للنجس أثر. وقال ابن عابدين: (قوله البعد إلخ) اختلف في مقدار البعد المانع من وصول نجاسة البالوعة إلى البئر، ففي رواية خمسة أذرع، وفي رواية سبعة. =

اور میٹھا پانی نکلے، اس کا عمل یہ ہے کہ طلب خیر کی نیت کرے کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں اور میرے لیے صدقہ جاریہ ہو، ان شاء اللہ میٹھا پانی نکلے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [ ۵ ] مسجد کا کنواں گندے نالے سے کتنے فاصلے پر کھودا جائے؟

۳۹۴-سوال: ہمارے یہاں مسجد کے استعمال کے لیے ایک پانی کا کنواں کھودنا ہے؛ مگر مشکل یہ ہے کہ اس کے ایک طرف بیت الخلاء کا کنواں ہے، تو اس صورت میں پانی کا کنواں اُس (بیت الخلاء کے کنواں) سے کتنا دور رکھیں؟ بیت الخلاء کے کنویں سے ۱۰ یا ۱۵ فٹ فاصلہ پر کنواں کھودا جائے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ جواب لکھ کر رہنمائی فرمائیں۔

#### الجواب حامدا ومصليا:

شامی میں لکھا ہے کہ پانی کا کنواں بیت الخلاء کے کنویں سے اتنے فاصلہ پر ہو کہ ناپاکی کا کوئی اثر پانی کے کنویں میں نہ پایا جائے، اثر سے مراد، رنگ، مزہ اور بو ہے، دوسری بات یہ ہے کہ ہر جگہ کی زمین یکساں نہیں ہوتی، بعض جگہ زمین نرم اور بعض جگہ سخت ہوتی ہے، اور زمین کی نرمی اور سختی، نجاست کے سرایت کرنے اور نہ کرنے میں اثر انداز ہوتی ہے، جہاں زمین نرم ہو، وہاں دور تک نجاست سرایت کرتی ہے اور جہاں زمین سخت ہو، وہاں نجاست دور تک سرایت نہیں کرتی ہے، الغرض نجاست کتنی دور تک سرایت کرتی ہے، اس کا دار و مدار زمین کی سختی اور نرمی پر ہے؛ اس لیے حتمی طور پر ہر جگہ کی ایک ہی مقدار متعین نہیں کی جاسکتی؛ اس لیے کسی اہل تجربہ و اہل بصیرت سے دریافت کرنا چاہیے۔ ہمارے دیار میں کنویں کو بیت الخلاء کے کنویں سے ۱۵ فٹ دور تو رکھنا ہی چاہیے، اگر اس سے زیادہ ہو، تو اور بہتر ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= وقال الحلواني: المعتبر الطعم أو اللون أو الريح، فإن لم يتغير جاز وإلا لا ولو كان عشرة أذرع. وفي الخلاصة والنخانية: والتعويل عليه و صححه في المحيط بحر. والحاصل أنه يختلف بحسب رخاوة الأرض وصلابتها، ومن قدره اعتبر حال أرضه. (رد المحتار مع الدر: ۲۲۱/۱، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الفكر - بيروت، طبع دوم: ۱۳۱۲ھ - ۱۹۹۲ء)

(۱) قد تقدم تخريجه عن رد المحتار مع الدر: ۲۲۱/۱، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الفكر - بيروت، طبع دوم: ۱۳۱۲ھ - ۱۹۹۲ء، تحت عنوان سابق.

## [۶] کتا کنویں میں داخل ہو کر زندہ نکل جائے، تو کیا حکم ہے؟

۴۹۵-سوال: ہمارے گھر کے احاطے کے پیچھے ایک کنواں ہے، اس کا پانی پینے، نہانے اور دھونے کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس میں چند دنوں پہلے ایک کتا گر گیا تھا، مگر اس کو زندہ ہی باہر نکال دیا گیا، اس کے بعد اس میں سے تین سوساٹھ ڈول پانی نکالا گیا؛ پھر اس کا پانی غیر مسلم حضرات کے پینے اور ان کے دوسرے کام؛ مثلاً: ان کے تعمیری کام کے لیے استعمال ہوا، اب کنویں کا پانی مسلمانوں کے پینے اور ان کے استعمال کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ یعنی اس پانی کو نہانے، دھونے اور پینے میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

علامہ محمد یوسف لسبذا

### الجواب حامد اومصلیٰ:

کتے کے بدن پر اگر کوئی ناپاکی لگی ہوئی ہو، یا اس کا منہ پانی کے اندر ایک مرتبہ بھی پہنچ گیا ہو، تو کنواں ناپاک ہو جائے گا۔<sup>(۱)</sup>

کنواں ناپاک ہو جائے، تو اس کو پاک کرنے کے لیے پورا پانی نکالنا ضروری ہوتا ہے، مثلاً کنویں میں اگر پانچ ہزار ڈول پانی تھا، مسلم اور غیر مسلم سب نے مل کر اپنے تعمیری کام اور کھیت کی سیچائی وغیرہ کے لیے پانچ ہزار ڈول پانی نکال دیا ہے، تو کنواں پاک ہو جائے گا؛ تھوڑا تھوڑا کر کے اگر الگ الگ دنوں میں پانی نکالا ہے، تب بھی کنواں پاک ہو جائے گا؛ خلاصہ یہ ہے کہ پورا پانی نکالنا ضروری ہے؛ جب تک پورا پانی نہیں نکالا جائے گا، کنواں پاک نہیں ہوگا۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب

## [۷] ”گرگٹ“ کنویں میں ملے، تو کیا حکم ہے؟

۴۹۶-سوال: ہمارے یہاں گاؤں کے کنویں میں جمعرات کو شام کے تقریباً ساڑھے چھ بجے

(۱) واعلم أنه (ليس الكلب بنجس العين) عند الإمام وعليه الفتوى... ولو أخرج حيا ولم يصب فمه الماء لا يفسد ماء البئر. (الدر مع الرد: ۲۰۸/۱، كتاب الطهارة، باب المياة، فرع ما يخرج من دار الحرب كسجباب إن علم دبغه بظاهر، ط: دار الفكر - بيروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ - ۱۹۹۲ء)

(۲) لو أخرج حيا وليس بنجس العين ولا به حدث أو خبث لم ينزح شيء إلا أن يدخل فمه الماء فيعتبر بسؤره، فإن نجس انزح الكل وإلا هو الصحيح. (حوالہ سابق: ۲۱۳/۱، كتاب الطهارة، فصل في البئر)

ایک گرگٹ دیکھا گیا، دیکھنے والے شخص نے دو تین آدمیوں کو اطلاع دی؛ البتہ یہ لوگ دوسروں کو بتانا بھول گئے، اس کنویں کا پانی مسجد کی ٹنکی میں بھی آتا ہے، ٹنکی میں تھوڑا پانی پہلے سے ہوتا ہے؛ البتہ جیسے جیسے اس میں پانی کم ہوتا ہے، اس میں تھوڑا تھوڑا پانی کنواں سے آتا رہتا ہے اور ٹنکی بھرتی رہتی ہے، اس ٹنکی کے پانی سے لوگوں نے وضو کر کے مغرب، عشاء، فجر اور ظہر وغیرہ کی متعدد نمازیں پڑھی ہیں، اس کنویں کا پانی لوگوں کے گھروں میں بنی ہوئی ٹنکیوں میں بھی جاتا رہتا ہے، انہوں نے بھی اس پانی سے وضو اور غسل کیا ہے، اور دوسرے کاموں میں بھی استعمال کیا ہے، تو سوال یہ ہے کہ اس پانی سے وضو اور غسل کر کے جو نمازیں ادا کی گئی ہیں، اور جن کپڑوں کو دھویا گیا ہے، ان کا کیا حکم ہوگا؟

### الجواب حامدا ومصليا:

حضرات صاحبین کے مسلک کے مطابق، کنویں میں مراہو اجا نور جس وقت سے دیکھا گیا ہے، اس وقت سے کنویں کے ناپاک ہونے کا حکم لگایا جائے گا؛ اس لیے کنویں میں گرگٹ دیکھنے سے پہلے پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ نہیں کیا جائے گا، اسی طرح اس پانی کے ذریعہ کیے گئے غسل، صحیح اور دھوئے گئے کپڑے پاک ہوں گے؛ البتہ گرگٹ کے گرنے کا جب علم ہوا، اس وقت سے پانی ناپاک سمجھا جائے گا، اس کے بعد بھی اگر لوگوں نے وضو یا غسل کیا ہے، یا کپڑے دھونے میں اس پانی کو استعمال کیا ہے، تو نہ وضو اور غسل صحیح ہوگا اور نہ ہی کپڑے پاک ہوں گے، اور اس وضو یا غسل سے جتنی نمازیں ادا کی گئی ہیں، ان سب کا اعادہ ضروری ہوگا۔

اگر مرے ہوئے گرگٹ کے دیکھنے کے بعد مسجد اور گاؤں کے لوگوں کی ٹنکیوں میں اس کنویں کا پانی نہ آیا ہو، تو ان کی ٹنکیاں پاک رہیں گی، ان کو اپنے غسل اور نمازوں کے لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے، گرگٹ دیکھنے کے بعد اگر پانی ٹنکیوں میں آیا ہو، تو وضو، غسل اور نمازوں کا اعادہ کرنا ضروری ہوگا۔ لوگوں کی آسانی کی خاطر حضرات صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احزابہم بیات مغفر لہ (۱۹۷۳/۶/۱۹۷۳ء)

(۱) (ویحکم بنجاستہا) مغلظة (من وقت الوقوع ان علم، والا فمذیوم وليلة ان لم ينتفخ ولم يتفسخ) وهذا (في حق الوضوء) والغسل؛... أما في حق غيره كغسل ثوب فيحکم بنجاستہ في الحال. وقالوا: من وقت العلم فلا يلزم مهم شيء قبله، قيل وبه يفتى. قال ابن عابدين: (قوله قيل وبه يفتى) قائله صاحب الجوهره. وقال العلامة قاسم في تصحيح القدوري: قال في فتاوى العتابي: قولهما هو المختار. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۹/۱-۲۱۸، كتاب الطهارة، فصل في البشر، ط: دار الفكر - بيروت، طبع دوم: ۱۳۱۲ھ - ۱۹۹۲ء)

نوٹ: فقہاء کے یہاں گرگٹ (سام ابرص) وہ ہے، جس کی دم دراز ہوتی ہے، اور جو مختلف طرح کے رنگ بدلتا رہتا ہے، یہ عموماً =



## [۸] ناپاک کنویں کو پاک کرنے کی صورت

۴۹۷-سوال: ہمارے گاؤں میں ایک غیر آباد کنواں ہے، پہلے اس میں بقر عید کے موقع پر قربانی کے جانوروں کی ہڈیاں اور اوجھ وغیرہ ڈالی جاتی تھیں، مگر اب دو سال سے اس میں ہڈیاں اور اوجھ تو نہیں ڈالی جاتی ہیں، البتہ حیض و نفاس کے ناپاک کپڑے اور دوسری نجاستیں ابھی تک ڈالی جاتی ہیں، اس کنویں کو پاک کرنے کے لیے صرف اس میں سے پانی نکالا گیا ہے، کنویں کو صاف نہیں کیا گیا ہے، اور جو پانی نکالا گیا ہے، وہ بھی بدبودار ہے، پانی نکالنے کے بعد بھی کنویں میں ہڈی وغیرہ نظر آتی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ کنواں محض پانی نکالنے سے پاک ہو جائے گا، یا اسے صاف بھی کرنا پڑے گا؟

**الجواب حامداً ومصلياً:**

نجاست کنویں میں گر جائے، اور اس کو نکالنے کے بعد کنویں کا پانی نکال دیا جائے، تو کنواں پاک ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر کنویں کو صاف کرنا اور اس میں گرمی ہوئی اشیاء مثلاً ناپاک کپڑوں کو نکالنا دشوار ہو، تو کنویں کو صاف کرنا ضروری نہیں ہوگا۔

صورت مسئلہ میں جب کنویں کا پورا پانی نکالا گیا، تو اس کنویں میں ڈالی گئی نجس اشیاء کو بھی نکالنا ضروری تھا، سوال میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس کنویں میں اوجھ بھی ڈالی جاتی رہی ہے، جس میں نجاست بھری ہوئی ہوتی ہے؛ لہذا جب تک کنویں میں نجاست، مردہ جانور یا اس کا گوشت موجود ہوگا، اس وقت تک وہ کنواں ناپاک رہے گا، ہاں اگر ان نجاستوں کے گرنے پر اتنی مدت گزر گئی، کہ اب وہ ساری نجاستیں کچھڑے سے بدل چکی ہیں، (جس کی مقدار چھ مہینے ہے) تو کنواں صاف کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہڈیاں جو کنویں میں رہ گئی ہیں، وہ پاک ہیں، البتہ پھر بھی نکال لینا بہتر ہے اور اگر نہ نکالی گئیں، تب بھی پانی نکالنے کے بعد

= جنگلوں میں رہتا ہے، یہ دموی جانور ہے، اور اس کے کنویں میں گرنے سے کنواں ناپاک ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ ایک اور جانور ہے، جسے ”وزغہ“ یعنی چھپکلی کہتے ہیں، اور یہ دو طرح کی ہوتی ہے، ایک بڑی اور ایک چھوٹی، بڑی چھپکلی میں خون ہوتا ہے، بڑی چھپکلی کنویں میں گر جائے تو کنواں ناپاک ہوتا ہے، چھوٹی سے نہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: منتہی الارب: ۳/۴، باب الواو، فصل الزاء، ادارہ اسلامیات، لاہور ☆ غیاث اللغات: ۵۴۲، فصل وازمع زاء، مجمہ)

فتاویٰ محمودیہ (۱۵۱/۵)، ناشر: ادارہ صدیق، ڈابھیل، ۲۰۰۷ء) میں ہے: جو چھپکلی عامہ ہمارے دیار میں چھت پر ہوتی ہے، وہ چھوٹی ہی ہے۔

کنواں پاک ہو جائے گا۔

پانی میں بدبو اگر نجاست کی وجہ سے ہو، تو نیا پانی بھی ناپاک ہوگا، تاہم کبھی کنویں کے ویران پڑے رہنے کی وجہ سے بھی بدبو پیدا ہو جاتی ہے، اگر پانی نکالنے کے بعد بھی اس قسم کی بدبو آرہی ہو، تو پانی پاک ہے۔ البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ ہڈیاں، کپڑے اور دوسری نجس اشیاء کنویں سے نکالنے کے بعد دوبارہ پانی نکال لیا جائے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۹] دوائی یا اس جیسی صاف کرنے والی دوسری چیز پانی میں ڈال کر کپڑے دھونا

۴۹۸-سوال: اگر پانی میں دوا، پٹرول، مٹی تیل یا اسپرٹ وغیرہ ڈال کر کپڑے دھوئے جائیں، تو اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ بیوقوف تو جروا۔

### الجواب حامدًا ومصليًا:

دوا، پٹرول، مٹی تیل، اسپرٹ یا اس جیسی کوئی دوسری چیز، جس سے مقصد صرف نظافت ہے، ان کو پانی میں ملا دیا جائے، پھر اس کے ذریعے کپڑے صاف کیے جائیں اور کپڑوں کا میل کچیل دور کیا جائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات مغرلہ (۲/۹/۱۹۸۶ء)

(۱) إذا وقعت نجاسة... في بئر دون القدر الكثير... أو مات فيها... حيوان دموي غير مائي وانتفخ... أو تفسخ... ينزح كل مائها، الذي كان فيها وقت الوقوع، ذكره ابن الكمال، بعد إخراجها، لا إذا تعذر كخشبة أو خرقة متنجسة، فبنزح الماء إلى حد لا يملأ نصف الدلو يطهر الكل تبعاً. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۱۱-۲۱۲) وفي الشامية: وأشار بقوله متنجسة إلى أنه لا بد من إخراج عين النجاسة كلحم ميتة وخنزير. اهـ ح. قلت: فلو تعذر أيضا ففي القهستاني عن الجواهر: لو وقع عصفور فيها فعجزوا عن إخراجها فمادام فيها فنجسة فتترك مدة يعلم أنه استحال وصار حمأة، وقيل: مدة ستة أشهر. اهـ (رد المختار على الدر المختار: ۲۱۲، فصل في البئر، باب المياه، كتاب الطهارة، ط: دار الفكر - بيروت، طبع دوم: ۱۳۱۲ھ - ۱۹۹۲ء)

(۲) (يطهر المتنجس) ثوبا كان أو غير (عن) نجاسة (مرئية بزوال عينها) و زوال (أثرها) كاللون، والرائحة (إن لم يشق) عليه (زواله) بأن لا يحتاج إلى الصابون ونحوه فإن الآلة المعدة لقلع النجاسات هي الماء فإذا احتيج إلى شيء آخر يشق عليه ذلك (بالماء) متعلق بقوله بزوال (وبمانع مزيل) أي من شأنه الإزالة بأن يكون إذا عصر انعصر (كالخل ونحوه) كماء الورد (بخلاف نحو اللبن) كالدهن فإن فيه دسومة لا تنعصر عن الثوب فيبقى بنفسه في الثوب فلا يزال غيره. (درر الحکام شرح غرر الأحكام - محمد بن فرامر بن علي الشهير بملا - أو منلا أو =

## [۱۰] حوض سے وضو کرنے میں حقارت محسوس کرنا

۴۹۹-سوال: اکثر لوگ حوض میں وضو کرنے میں حقارت محسوس کرتے ہیں؛ کیوں کہ مسجد کے شرعی حوض میں وضو کرتے وقت اکثر لوگ بے احتیاطی سے کام لیتے ہیں، ان کے پاؤں کا میل، رینٹ کے چھینٹے، کلی کا پانی وغیرہ حوض میں جاتا ہے، تو حوض سے وضو کرنے میں حقارت محسوس کرنا کیسا ہے؟ اور جب شریعت نے حوض کو ایک مقام دیا ہے، تو حوض میں وضو کرنے کے کچھ فضائل بھی ہونے چاہیے، نیز کیا حوض میں وضو کی کوئی خصوصیت ہے؟

## الجواب حامد اومصلیٰ:

حوض، نہر یا نل سے وضو کرنا سب برابر ہے، ثواب کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ہاں نہر سے وضو کرنا اس حیثیت سے افضل ہے کہ اس کا پانی جاری ہے اور جاری پانی نجاست گرنے کے بعد بھی پاک رہتا ہے؛ کیوں کہ نجاست آگے بہہ کر ختم ہو جاتی ہے، حوض میں بھی ناپاکی کا خطرہ نہیں؛ کیوں کہ حوض کو اتنا بڑا بنایا جاتا ہے کہ نہر کی طرح ماء جاری کے حکم میں آجاتا ہے؛ لہذا اس میں اگر کوئی ناپاکی گر جائے، تو جب تک نجاست کا رنگ یا بو یا مزہ کا اثر پانی میں ظاہر نہ ہو، اس وقت تک وہ پاک ہی شمار ہوگا۔ حوض کو گندگی سے بچانا بہتر ہے؛ لیکن لوگوں کی بے احتیاطی کی وجہ سے وہ ناپاک نہیں ہوتا، اس وجہ سے اس میں وضو کرنے کو حقیر سمجھنا ٹھیک نہیں۔ یہ معتزلہ کا عقیدہ ہے؛ اس لیے اہل سنت حوض سے وضو کرنے کو بہتر سمجھتے ہیں، اور اہل سنت جس کام کو بہتر سمجھیں، اس کا کرنا بہتر ہے؛ لہذا حوض میں وضو کرنے سے کترانا ٹھیک نہیں، پانی کی ٹنکی چھوٹی ہوتی ہے، جس میں نجاست گرنے کی وجہ سے پانی کے ناپاک ہونے کا بھی احتمال ہوتا ہے، اگرچہ اس احتمال کا کوئی

= المولیٰ - خسرو (م: ۸۸۵ھ) : ۱/ ۴۴، کتاب الطہارۃ، باب تطہیر الأنجاس، ط: دار إحياء الكتب العربية  
فأما إذا كان شينا يطبخ الماء به أو يخلط لزيادة التطهير فإنه لا يمنع التوضي به وإن تغير لون الماء وطعمه وذلك نحو ماء الصابون وماء الأسنان إلا إذا صار غليظا لا يمكن تسييله على العضو فإنه لا يجوز لأنه زال عنه اسم الماء ومعناه و هذا كله في غير حالة الضرورة، فأما عند الضرورة فيجوز التوضي به. (تحفة الفقهاء - محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو: ۵۳۰ھ) : ۱/ ۶۷، کتاب الطہارۃ، باب النجاسات، ط: دار الكتب العلمية، بيروت - لبنان، طبع دوم: ۱۳۱۳ھ - ۱۹۹۴ء)

نوٹ: جب اس طرح کے پانی سے وضو کرنا جائز ہے، تو کپڑے دھونا بہ درجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

اعتبار نہیں، مگر حوض میں ایسا کوئی احتمال نہیں۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۱] وہ درودہ حوض کا پانی ناپاک ہوگا؟

۵۰۰-سوال: مسجد کے کنویں سے نالی تقریباً ۲۵ فٹ دور واقع ہے، اس کے باوجود اس کا پانی مسجد کے کنویں میں گرنے لگا ہے، گرچہ گرنے والے پانی کی مقدار زیادہ نہیں ہے، صرف بندل سے پانی ٹپکنے کی طرح معمولی مقدار میں ہے۔

تحقیق اس طرح ہوئی کہ وضو کے نل کے پانی میں بدبو کا بعض لوگوں نے احساس کیا، جس کے نتیجے میں تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ نالی کا پانی کنویں میں گر رہا ہے۔ اس کنویں کا پانی حوض میں آتا ہے، مگر حوض کی مقدار وہ درودہ سے زیادہ (۱۵×۱۵=۲۲۵، مربع فٹ) ہے، جس کی وجہ سے اس میں بدبو ظاہر نہیں ہوئی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ پانی کی ٹنگی کے ساتھ حوض کا پانی بھی ناپاک ہوگا یا نہیں؟

فی الحال نالی کو صاف کر کے پلاسٹر کر دیا گیا ہے اور کنویں کی دراڑیں بھی بند کر دی گئی ہیں، جس کی بنا پر نالی کا پانی بھی بند ہو گیا ہے، تو ایسی صورت میں کنویں سے کتنا پانی باہر نکالنا ہوگا؟ اور حوض کے پانی میں بدبو نہیں آتی ہے؛ لیکن درحقیقت پانی کنویں میں سے ہی آتا ہے؛ لہذا جب کنویں کا پانی ناپاک ہو گیا ہے۔ تو حوض کا پانی نکالنا ضروری ہوگا یا نہیں؟

### الجواب حامداً ومصلياً:

جب تک حوض کے پانی کے اوصاف ثلاثہ (رنگ، بو، مزہ) میں سے کوئی ایک وصف نہ بدل جائے، اس وقت تک حوض کا پانی پاک شمار ہوگا؛ لیکن جب ان اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی ایک وصف بدل جائے، تو حوض کا پانی ناپاک شمار ہوگا۔<sup>(۲)</sup>

(۱) وفي فوائد الرستغفني: التوضؤ بماء الحوض أفضل من النهر؛ لأن المعتزلة لا يجيزون، من الحياض فترغمهم بالوضوء منها اهـ۔۔۔۔۔ وهذا إنما يفيد الأفضلية لهذا العارض ففي مكان لا يتحقق النهر أفضل كذا في فتح القدير۔ (البحر الرائق: ۹۱/۱، كتاب الطهارة، أحكام المياه، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الدر المختار مع الرد: ۱۸۶/۱، باب المياه، مطلب في أن التوضؤ من الحوض أفضل رغماً للمعتزلة، ط: بيروت)

(۲) (و) يجوز (بجاء وقعت فيه نجاسة و) الجاري (هو ما يعد جارياً) عرفاً، وقيل ما يذهب بتبنة، والأول أظهر، والثاني (وإن) وصلية (لم يكن جريانه بمدد) في الأصح،... (إن لم ير) أي يعلم (أثره) فلو فيه جيفة أو بال فيه =

کنواں چھوٹا ہو، پانی کم ہو، موٹر لگا کر یا ڈول سے کھینچ کر کنویں کو صاف کیا جاسکتا ہو، تو پورا پانی نکال کر صاف کرنا ضروری ہوگا، اگر کنویں کے پانی کا سوت زور سے ابلتا ہو، اوپر سے پانی کھینچتے ہی سوت کا پانی بڑھ جاتا ہو اور پورا پانی نکالنا ممکن نہ ہو، تو اب پاک کرنے کی صورت یہ ہے کہ اولاً کنویں کے پانی کو ناپ لیا جائے، اگر کنویں میں دس فٹ پانی ہے اور ایک گھنٹہ موٹر کے ذریعہ کھینچنے سے دو فٹ پانی کم ہوا ہو، تو پانچ گھنٹہ موٹر چلا کر پانی کھینچ لیا جائے، اس صورت میں کنویں کا سارا پانی نکل جائے گا۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۲] بارش کا پانی نجاست سے گذر کر کنویں میں گرا ہو، تو کنواں ناپاک نہ ہوگا

۵۰۱-سوال: ہماری مسجد کا کنواں جو ۶۰ فٹ گہرا ہے اور ۴×۴ چوڑا ہے، جس میں ہمیشہ ۱۵ سے ۲۰ فٹ پانی رہتا ہے، اس کے پاس سے ایک گندے پانی کی نالی بہتی ہے، جس میں پیشاب خانہ کا پانی اور پیشاب بھی بہتا ہے، اب بارش ہونے کی وجہ سے کچھڑ پیدا ہو کر وہ نالی بند ہوگئی اور نالی کے گندے پانی کے ساتھ بارش کا پانی مل کر کنویں میں چلا گیا، فی الحال اس کنویں میں ۴۵ سے ۵۰ فٹ تک پانی ہے، جس میں نالی کا ناپاک پانی بھی شامل ہے، تو کنویں کا پانی پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

### الجواب حامد اومصلیٰ:

مذکورہ صورت میں بارش کا پانی نالی سے ہو کر کنویں میں گرا ہے، تو وہ ماء جاری ہے، لہذا پانی ناپاک نہیں ہوا، اگرچہ بارش کا پانی پیشاب پر سے گذرا ہو یا پیشاب کو لے کر بہا ہو، ایسے پانی کے کنویں میں گرنے کی وجہ سے کنواں ناپاک نہیں ہوا، اس کو خالی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہاں اگر بارش کے پانی میں نجاست یا پیشاب کی بو آ رہی ہو، یا پانی کا مزہ بدلا ہوا ہو، ایسا پانی کنویں میں واقعی طور گرا ہو، تو وہ کنواں

= رجال فتوياً آخر من أسفله جاز ما لم ير في الجرية أثره (وهو) إما (طعم أو لون أو ريح). (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۱۸۷-۱۸۸، کتاب الطہارۃ، باب المیاء، ط: بیروت)

(وبتغیر أحد أوصافه) من لون أو طعم أو ريح (ینجس) الكثير ولو جارياً إجماعاً، أما القليل فینجس وإن لم یتغیر. (الدر مع الرد: ۱/۱۸۵، کتاب الطہارۃ، باب المیاء، ط: بیروت)

(۱) (إذا وقعت نجاسة)... (في بئر دون القدر الكثير)... (ینزح کل ما نھا)... (بعد إخراجہ)... (وإن تعذر نزح کلھا لكونھا معینا (فبقدر ما فیھا) وقت ابتداء النزح. (الدر مع الرد: ۱/۲۱۳-۲۱۱، کتاب الطہارۃ، فصل فی

البئر، ط: دار الکتب العلمیة-بیروت)

ناپاک ہے، اس کا پورا پانی نکالنا ضروری ہے، اگر ۳۵ فٹ پانی ہو، موٹر کے ذریعہ پانی نکالنا ہو، تو اگر ایک گھنٹے میں مثلاً ۱۰ فٹ پانی نکلتا ہو، تو ساڑھے چار گھنٹے پانی نکالنا چاہیے، اس کے بعد اگر کنویں میں پانی جاری ہونے کی وجہ سے پانی باقی رہ جائے، تب بھی وہ پاک شمار ہوگا۔ (درمختار)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] کنویں میں کافر داخل ہو جائے یا غیر ماکول اللحم جانور مر جائے، تو کیا حکم ہے؟

۵۰۲-سوال: ایک کنویں میں ایک جنگلی بلی گر گئی، وہ زندہ تھی، اس کو باہر نکالنے کے لیے ایک کافر کنویں میں اتر اور اس نے بلی کو مار کر باہر نکالا، تو کنویں کا کیا حکم ہے؟

**الجواب حامدا ومصیبا:**

صورت مسئلہ میں کنواں ناپاک ہو گیا، پہلی وجہ تو یہ کہ کافر کنویں میں اتر ہے، فتاویٰ شامی میں ہے کہ أن الکافر إذا وقع في البئر وهو حي نزع الماء. (جلد اول صفحہ ۱۹۷)<sup>[۲]</sup> دوسری وجہ یہ ہے کہ جنگلی بلی کو مارنے کی وجہ سے اس کا منہ پانی میں چلا گیا اور جنگلی بلی کا سورا (جھوٹا) ناپاک ہے۔ (درمختار صفحہ ۲۰۶)<sup>[۳]</sup> لہذا کنواں ناپاک ہو جائے گا، اور اس کا تمام پانی نکالنا پڑے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] (و) يجوز (بجاء وقعت فيه نجاسة)... (إن لم ير) أثره... (وهو) إما (طعم أو لون أو ريح). (الدر مع الرد: ۱/۱۸۷-۱۸۸)

(وإن تعذر) نزع كلها لكونها معينا (فيقدر ما فيها) وقت ابتداء النزع قاله الحلبي (يؤخذ ذلك بقول رجلين عدلين لهما بصارة بالماء) به يفتى، وقيل يفتى بمائة إلى ثلاثمائة وهذا أيسر، وذلك أحوط. (الدر المختار مع رد المختار: ۱/۲۱۴-۲۱۵، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

[۲] [تتمة] نقل في الذخيرة عن كتاب الصلاة للحسن أن الكافر إذا وقع في البئر وهو حي نزع الماء. وفي البدائع: أنه رواية عن الإمام، لأنه لا يخلو من نجاسة حقيقية أو حكمية، حتى لو اغتسل فوقه فيها من ساعته لا ينزع منها شيء. أقول: ولعل نزعها للاحتياط، تأمل. (رد المختار: ۱/۱۱۴، فصل في البئر، باب المياه، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

[۳] (و) سؤر (خنزير و كلب و سباع بهائم) ومنه الهرة البرية... (نجس) مغلظ. (الدر مع الرد: ۱/۲۲۳، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

## [۱۴] ناپاک پانی کنویں میں گرے، تو کنواں ناپاک ہو جائے گا

۵۰۳-سوال: ہمارے گاؤں کرنج میں ایک مسجد کے کنویں کا پانی وضو وغیرہ میں استعمال ہوتا ہے، اس کے اندر سے کافی بدبو آنے لگی، لہذا اسے بند کر دیا۔ مذکورہ کنویں میں دو کچھوے اور ایک اس کا بچہ تھا، فی الحال وہ دکھائی نہیں دیتے، اس میں ایک بلی بھی داخل ہو گئی تھی، جس کے بارے میں غالب گمان یہ ہے کہ وہ مر گئی ہو، یا کسی حصے میں پھنس گئی ہو، ایک ہفتہ موٹر چلا کر اندازاً ۱۰۰۰ (ایک ہزار) ڈول کے بہ قدر پانی نکال دیا گیا ہے، اب پانی مکمل صاف ہے اور بوبھی نہیں آتی ہے، تو کیا اس سے وضو کرنا جائز ہے؟

مذکورہ کنویں کے قریب تقریباً ۲۰-۲۲ فٹ کے فاصلہ پر بیت الخلاء اور پیشاب خانہ کا کنواں ہے، پانی کی موثر فٹ کرنے کے لیے جب مسجد کے کنویں کے اندرونی حصے کو تھوڑا کندہ کیا گیا، تو پیشاب کے کنویں کا پانی مسجد میں ٹپکنے لگا، اب سوال یہ ہے کہ مسجد کے کنویں کا پانی شرعی اعتبار سے پاکی کے لیے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

### الجواب حامداً ومصلياً:

جو کچھ پانی میں پیدا ہوا ہو اور اسی میں رہتا ہو، اس کے مرجانے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا؛ لیکن جو کچھ ابری و بحری دونوں میں رہتا ہے، اس کے مرنے سے پانی ناپاک ہو جائے گا۔<sup>(۱)</sup>

حکم یہ ہے کہ جب کنواں ناپاک ہو جائے، تو اس کا پورا پانی نکالنا ضروری ہے اور آپ نے کنویں کا پورا پانی نکال دیا ہے؛ اس لیے اب وہ پاک ہو گیا۔<sup>(۲)</sup>

(۱) وإن مات فيه أي الماء ولو قليلاً (غير دموي كزنبور) وعقرب وبق: أي بعوض،... (ومائي مولد) ولو كلب الماء وخنزيره (كسمنك و سرطان) و ضفدع إلا برياً له دم سائل، وهو ما لا سترة له بين أصابعه، فيفسد في الأصح كحبة برية، إن لها دم وإلا لا... (وينجس) الماء القليل (بموت مائي معاش بري مولد) في الأصح (كبط وإوز). [الدر المختار مع الرد: ۱/ ۱۸۳-۱۸۵، كتاب الطهارة، باب المياہ، ط: بيروت]

ويتغير أحد أو صافه، من لون أو طعم أو ريح (ينجس) الكثير ولو جارياً اجماعاً أما القليل فينجس وإن لم يتغير (الدر مع الرد: ۱/ ۱۸۵، كتاب الطهارة، باب المياہ، ط: ایچ/ایم سعید-پاکستان)

(۲) (إذا وقعت نجاسة)... (في بئر دون القدر الكثير)... (ينزح كل مائها)... (بعد إخراجها)... (وإن تعذر) نزح كلها لكونها معينا (فبقدر ما فيها) وقت ابتداء النزح. (الدر مع الرد: ۱/ ۲۱۳-۲۱۱، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

جو کچھوے کنویں کے اندر تھے اور مر کر ریزہ ریزہ ہو گئے، یا وہ ملی، جس کے بارے میں غالب گمان یہ ہے کہ وہ اسی میں مر کر ریزہ ریزہ ہو گئی، اور اس کی وجہ سے جو بو آ رہی تھی، آپ نے اپنی استطاعت کے مطابق اسے تلاش کیا؛ لیکن ان میں سے کوئی چیز نہیں ملی اور نہ ہی دکھائی دیتی ہے؛ تو اس صورت میں کنویں کو پاک خیال کیا جائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ پانی کے ساتھ اس کے سارے اجزاء نکل گئے۔<sup>(۳)</sup>

اگر پیشاب کے کنویں کا پانی مسجد کے کنویں میں ٹپکتا ہو، تو مسجد کا کنواں ناپاک ہو جائے گا۔<sup>(۴)</sup> اور جب تک ناپاک پانی کا کنویں میں گرنا یقین معلوم نہ ہو اور رنگ، مزہ اور بو میں سے کوئی ایک وصف بھی نہ بدلا ہو، اس وقت تک کنویں کے ناپاک ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔<sup>(۵)</sup>

پیشاب کے کنویں کو پانی کے کنویں سے اتنا دور رکھنا چاہیے، جس سے اس کا اثر کنویں میں نہ آئے، بعد و دوری کی کوئی حد مقرر نہیں کی ہے۔ زمین کی سختی و نرمی کے اعتبار سے بعد و دوری کی حد مختلف ہو سکتی ہے۔<sup>(۶)</sup>

اگر واقعی پیشاب کے کنویں کا پانی مسجد کے کنویں میں ٹپکتا ہو، تو پہلے اس جگہ کو پتھر اور سمینٹ وغیرہ سے بند کر دیا جائے، تاکہ پانی کا ٹپکنا بند ہو جائے، اس کے بعد کنویں کا پانی نکال لیا جائے، اس طرح کنواں پاک ہو جائے گا۔<sup>(۷)</sup> فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

(۳) إذا وقعت في البئر نجاسة نرحم، وكان نرحم ما فيها من الماء طهارة لها يجمع السلف - رحمهم الله - كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية: ۱۹/۱، كتاب الطهارة، الباب الثالث في المياه، الفصل الأول فيما يجوز به التوضؤ، ط: دار الفكر - بيروت)

(۴) دیکھیے حاشیہ نمبر ۳ و ۲۔

(۵) (و بتغير أحد أو صافه) من لون أو طعم أو ريح (ينجس) الكثير ولو جاريا إجماعا، أما القليل فينجس وإن لم يتغير. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۸۵/۱، باب المياه، ط: بيروت)

(۶) في الدر المختار: [فرع] البعد بين البئر والبالوعة بقدر ما لا يظهر للنجس أثر. وقال ابن عابدين: (قوله البعد إلخ) اختلف في مقدار البعد المانع من وصول نجاسة البالوعة إلى البئر، ففي رواية خمسة أذرع، وفي رواية سبعة. وقال الحلواني: المعتبر الطعم أو اللون أو الريح، فإن لم يتغير جاز وإلا لا ولو كان عشرة أذرع. وفي الخلاصة والنخانية: والتعويل عليه و صححه في المحيط بحر. والحاصل أنه يختلف بحسب رخاوة الأرض وصلابتها، ومن قدره اعتبر حال أرضه. (رد المحتار مع الدر: ۲۲۱/۱، كتاب الطهارة، فصل في البشر، ط: دار الفكر - بيروت)

(۷) دیکھیے حاشیہ نمبر ۳ و ۲۔



## [۱۵] نجاست کے احتمال کی وجہ سے کنواں ناپاک شمار ہوگا یا پاک؟

۵۰۴-سوال: ایک کنویں کا پانی استعمال نہیں ہوتا ہے، اور اس وجہ سے اُس میں درخت کے پتے، کپڑے اور دیگر کچڑے پڑے رہتے ہیں، جو پانی کی اوپری سطح پر تیرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، اس کنویں کا پانی روزانہ دو یا تین ٹینکر نکال کر مکانات کی تعمیر میں استعمال کیا جاتا ہے، اس طرح روزانہ تقریباً دو ہزار لیٹر پانی نکالا جاتا ہے، مفتیان کرام سے سنا گیا ہے کہ کنویں میں اگر چھوٹی ناپاکی گرجائے، تو دو سو سے تین سو ڈول پانی نکال دینے سے کنواں اور پانی پاک ہو جائیں گے، تو کیا اس قول کے مطابق ٹینکر کے ذریعہ پانی نکالے جانے کی وجہ سے یہ کنواں پاک شمار ہوگا یا ناپاک کہا جائے گا؟

**الجواب حامداً ومصلياً:**

شریعت مطہرہ میں شکوک و شبہات کا کوئی اعتبار نہیں، جب تک ناپاکی کنویں میں نظر نہ آئے، اس وقت تک پانی پاک شمار ہوگا۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۶] کنویں میں کوآ، گر کر مر جائے اور پھول جائے، تو کتنا پانی نکالا جائے گا؟

۵۰۵-سوال: مسجد کے احاطہ میں ایک کنواں ہے، جس کے پانی کا استعمال وضو اور استنجاء وغیرہ میں ہوتا ہے، اس کنویں میں ایک کوآ، گر کر مر گیا، بدبو آنے پر دیکھا گیا، تو وہ پھولا ہوا نکلا، اب تک پھٹا نہیں تھا، تو کیا اس کنویں کو پاک کرنے کے لیے اُس کا تمام پانی نکالنا ضروری ہے؟ یا کچھ مقدار میں پانی نکال دینے سے کنواں پاک ہو جائے گا؟

**الجواب حامداً ومصلياً:**

کوآ کنویں میں گرنے کے بعد مر کر پھول گیا ہو یا باہر مرنے کے بعد پھولا ہوا کوآ کنویں میں گرا ہو،

(۱) ولو شك في نجاسة ماء أو ثوب أو طلاق أو عتق لم يعتبر، وتماهه في الأشباه. (الدر المختار) وفي الشامية: (قوله: ولو شك إلخ) في التتارخانية: من شك في إنائه أو في ثوبه أو بدن أصابته نجاسة أو لافهو طاهر مالم يستيقن، وكذا الآبار والحياض والجباب الموضوعة في الطرقات ويستقي منها الصغار والكبار والمسلمون والكفار؛ وكذا ما يتخذة أهل الشرك أو الجهلة من المسلمين كالسمن والخبز والأطعمة والثياب اہـ ملخصاً. (رد المحتار:

دونوں صورتوں میں کنویں کا پورا پانی نکالنا واجب ہے؛ لیکن اگر کنواں ایسا ہے کہ اس کا پورا پانی نکالنا مشکل ہے، تو دوایسے دین دار آدمی، جن کو پانی کے باب میں صحیح اندازہ لگانے کی مہارت ہو، انہیں بلا کر اتنا پانی نکال دیا جائے، جتنا کنویں میں کٹوے کے پائے جانے کے وقت تھا، مثلاً جس وقت کٹوے کا مرکز پھول جانا معلوم ہوا، اُس وقت پچاس فٹ تک پانی تھا، تو اولاً کٹوے کو نکالنے کے بعد پچاس فٹ تک کا پانی نکالا جائے، تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ پہلی صورت کے مطابق پورا پانی خالی کر دیا جائے۔ (درمختار مع شامی: ۱/۱۵۶) [۱]

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] کنویں میں مرکز پھولا ہوا کٹوا پیا جائے، تو کتنے دن کی نماز کا اعادہ ضروری ہے؟

۵۰۶- سوال: ایک کنویں میں مرکز پھولا ہوا کٹوا پیا گیا، تو اس کنویں کے پانی سے وضوء اور غسل کر کے جو نمازیں پڑھی گئی ہیں، اُن کے دہرانے کا کیا حکم ہے؟

### الجواب حامدًا ومصليًا:

جانور مرکز پھول گیا ہے؛ اس لیے اگر اُس کے گرنے کا وقت معلوم ہو، تو اُس وقت سے، اور اگر گرنے کا وقت معلوم نہ ہو، تو تین دن سے کنواں ناپاک سمجھا جائے گا؛ لہذا ان تین دنوں کے دوران اُس پانی سے وضوء اور غسل کر کے جو نمازیں پڑھی گئی ہیں، اُن کا اعادہ ضروری ہے، نیز اُس پانی سے برتن یا کپڑے وغیرہ دھوئے گئے ہوں، تو اُن کو بھی پاک کرنا ضروری ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] (إذا وقعت نجاسة)... (في بئر دون القدر الكثير)... (أو مات فيها) أو خارجها وألقي فيها ولو فأرة يابسة على المعتمد... كسقط (حيوان دموي) غير مائي لما مر (وانتفخ) أو تمعط (أو تفسخ) ولو تفسخه خارجها ثم وقع فيها (ينزح كل ما فيها) الذي كان فيها وقت الوقوع ذكره ابن الكمال (بعد إخراجها)... (وإن تعذر) نزح كلها؛ لكونها معينا (فبقدر ما فيها) وقت ابتداء النزح، قاله الحلبي (يؤخذ ذلك بقول رجلين عدلين لهما بصارة بالماء) به يفتى، وقيل يفتى بمائة إلى ثلاثمائة وهذا أيسر، وذاك أحوط. (الدر مع الرد: ۱/۲۱۱-۲۱۵، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲) "وإن وجدوا في البئر فأرة أو غيرها، ولا يدري متى وقعت، ولم تنتفخ، ولم تفسخ، أعادوا صلاة يوم وليلة إذا كانوا توضؤوا منها، وغسلوا كل شيء أصابه ماؤها، وإن كانت قد انتفخت، أو تفسخت، أعادوا صلاة ثلاثة أيام ولياليها، وهذا عند أبي حنيفة رحمه الله. وقالوا: ليس عليهم إعادة شيء، حتى يتحققوا متى وقعت". (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر، الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن، برهان الدين (م: ۵۹۳ھ-): ۱/۲۵، كتاب =

[۱۸] کنویں میں کٹوا کر پھولا ہوا پاپا جائے، تو کتنا پانی نکالا جائے گا؟

۵۰۷-سوال: ہمارے گاؤں کرنج کی مسجد کے کنویں میں ایک کٹوایا اُس کا بچہ مر کر پھولا ہوا پاپا گیا، اُس کے کنویں میں گرنے کا وقت کسی کو معلوم نہیں ہے؛ اس لیے گاؤں کے لوگوں نے موٹر کے ذریعہ تقریباً پانچ یا چھ گھنٹے تک پانی نکالا، جس سے ۴۵ منٹ میں ایک فٹ کے حساب سے پانی نکلا، مزید ستر ڈول پانی نکالے گئے؛ چونکہ کنویں کی تہ سے پانی مسلسل نکلتا رہتا ہے، اس لیے اُس کا مکمل خالی کرنا ممکن نہیں ہے، نیز کنواں بہت پرانا ہے اور اُس کی دیواریں کمزور ہیں، اس لیے بڑی موٹر کے ساتھ بڑا پائپ فٹ کر کے پانی نکالنے میں کنویں کی دیواریں ٹوٹ کر گر جانے اور کنویں کے ناقابل استعمال ہو جانے کا اندیشہ ہے، تو کیا شرعی اعتبار سے جو پانی نکالا گیا، وہ کافی ہے؟ اور کیا اتنا پانی نکال دینے سے کنواں پاک ہو جائے گا؟ یا کسی بھی شکل میں پورا پانی نکالنا ضروری ہے؟

### الجواب حامدًا ومصليًا:

صورتِ مذکورہ کا اصل حکم شرعی تو یہی ہے کہ کٹوا جب مر کر پھولا ہوا پاپا گیا، تو پورا پانی نکال دیا جائے؛ چونکہ پورا پانی نکالنا مشکل ہے، تو اب پانی نکالنے سے پہلے دو ایسے نیک اور صالح آدمیوں کو بلا کر اُن سے اندازہ کرنے کو کہا جائے جنہیں پانی کے باب میں تجربہ ہو، کہ کنویں میں پانی کتنا ہوگا؟ مثلاً جانور کے نکالنے کے بعد کنویں میں بیس فٹ پانی ہے؛ لیکن پورا پانی نکالنا مشکل ہے؛ اس لیے موٹر کے ذریعہ بیس فٹ پانی نکالا

= الطہارات، باب: الماء الذي يجوز به الوضوء وما لا يجوز، فصل في البئر، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت - لبنان ☆ الجوهرة النيرة - أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزبيدي اليميني الحنفي (م: ۸۰۰ھ) ۱/۱۹، كتاب الطهارة، الأغسال المسنونة، ط: المطبعة الخيرية ☆ البناية شرح الهداية - أبو محمد محمود بن أحمد، الحنفي، بدر الدين العيني (م: ۸۵۵ھ) ۱/۴۶۱، كتاب الطهارات، فصل في البئر، حكم وقوع النجاسة في البئر، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ البحر الرائق شرح كنز الدقائق - زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ) ۱/۱۳۰، قبيل التيمم، [التداوي ببول ما يؤكل لحمه]، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار: ۲۱۸-۲۱۹، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: بيروت ☆ اللباب في شرح الكتاب - عبد الغني بن طالب، الغنيمي الدمشقي الميداني الحنفي (م: ۱۲۹۸ھ) ۲۸/۱، قبيل باب التيمم، ت: محمد محيي الدين عبد الحميد، ط: المكتبة العلمية - بيروت ☆ الفتاوى الهندية - لجنة علماء برناسة نظام الدين البلخي: ۲۰/۱، كتاب الطهارة، الباب الثالث في المياہ... إلخ، الفصل الأول فيما يجوز به التوضؤ، ط: دار الفكر

جائے، سوال میں مذکور صورت کے اعتبار سے جب پونے گھنٹے میں ایک فٹ پانی نکلا، تو بیس فٹ کے برابر پانی نکالنے کے لیے پندرہ گھنٹے تک موٹر چلا کر پانی نکالنا ہوگا، اس صورت میں بعض فقہاء نے تین سو ڈول پانی نکالنے کو کافی قرار دیا ہے، اگر اس طرح سے پانی نکال دیا جائے، تب بھی کافی ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (شامی: ۱۵۶/۱)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۹] اگر پانی میں بال گر جائے، تو کیا حکم ہے؟

۵۰۸-سوال: بہشتی زیور میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ بال کی جڑ ناپاک ہے، تو اگر جڑ والا بال ماءِ قلیل میں گر جائے، تو اُس کی وجہ سے پانی ناپاک شمار ہوگا یا پاک؟

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

جو بال بہ ذاتِ خود جھڑ جاتے ہیں، اُن کی جڑیں پاک ہیں۔<sup>(۲)</sup> البتہ ایسے بال، جنہیں اکھیڑا گیا ہو اور اُن کی جڑوں میں چربی کا حصہ لگا ہوا ہو، تو وہ ناپاک ہے، اگر اس طرح کے بال کی تری خشک نہ ہوئی ہو اور وہ تھوڑے پانی میں گر گئے ہوں، تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔

بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر بال چھڑی کے خشک حصے کے ساتھ جھڑ گئے ہوں، جن میں بال کی جڑ بھی ہوتی ہے، اگر وہ ایک ناخن کی مقدار بھی پانی میں گر جائے، تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔ (شامی: ۱۵۲/۱)<sup>[۳]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] (إذا وقعت نجاسة)... (في بئر دون القدر الكثير)... (أو مات فيها) أو خارجها وألقي فيها ولو فأرة يابسة على المعتمد... كسقط (حيوان دموي) غير مائي لما مر (وانتفخ) أو تمعط (أو تفسخ) ولو تفسخه خارجها ثم وقع فيها (ينزح كل مائها) الذي كان فيها وقت الوقوع ذكره ابن الكمال (بعد إخراجها)... (وإن تعذر) نزع كلها؛ لكونها معينا (فبقدر ما فيها) وقت ابتداء النزع، قاله الحلبي (يؤخذ ذلك بقول رجلين عدلين لهما بصارة بالماء) به يفتى، وقيل يفتى بمائة إلى ثلاثمائة وهذا أيسر، وذلك أحوط. (الدر مع الرد: ۲۱۱/۱-۲۱۵، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲) (وشعر الإنسان) غير المنتوف.... (ودم سمك طاهر). [الدر المختار مع رد المحتار: ۲۰۷/۱]  
 [۳] ويفسد الماء بوقوع قدر الظفر من جلده لا بالظفر. (المصدر السابق) — وقال ابن عابدين: (قوله غير المنتوف) أما المنتوف فنجس. بحر، والمراد عوسه التي فيها الدسومة. أقول: وعليه فما يبقى بين أسنان المشط ينجس الماء القليل إذا بل فيه وقت التسريح؛ لكن يؤخذ من المسألة الآتية كما قال أن ما خرج من الجلد مع الشعر إن لم يبلغ مقدار الظفر لا يفسد الماء، تأمل. (رد المحتار: ۲۰۷/۱، كتاب الطهارة، باب المياة، ط: دار الفكر)

[ ۲۰ ] کنواں سے بلی دورات اور ایک دن کے بعد زندہ نکلے، تو کتنا پانی نکالا جائے؟

۵۰۹-سوال: کنویں میں بلی گر گئی اور اس میں دورات اور ایک دن تک پڑی رہی، نکالنے کی کوشش کی گئی، تو وہ زندہ نکل آئی، اب ظاہری بات ہے کہ دورات اور ایک دن تک جب اندر رہی، تو اُس نے اُس میں ضرور پیشاب و پاخانہ کیا ہوگا، تو اب کنویں سے کتنا پانی نکالنا ضروری ہے؟

### الجواب حامداً ومصلياً:

جب اس بات کا یقین ہے کہ بلی نے کنویں میں پیشاب و پاخانہ کیا ہے، تو کنویں کا پورا پانی نکالنا ضروری ہے، اگر صرف پیشاب کیا ہو، تو معاف ہے؛ لیکن پھر بھی پورا پانی نکالنا بہتر ہے۔<sup>(۱)</sup>

[ ۱ ] (إذا وقعت نجاسة)... (في بئر دون القدر الكثير)... (أو مات فيها) أو خارجها وألقى فيها ولو فأرة يابسة على المعتمد... كسقط (حيوان دموي) غير مائي لما مر (وانتفخ) أو تمعط (أو تفسخ) ولو تفسخه خارجها ثم وقع فيها (ينزح كل مائها) الذي كان فيها وقت الوقوع ذكره ابن الكمال (بعد إخراجها)... (وإن تعذر) نزح كلها؛ لكونها معينا (فبقدر ما فيها) وقت ابتداء النزح، قاله الحلبي (يؤخذ ذلك بقول رجلين عدلين لهما بصارة بالماء) به يفتى، وقيل يفتى بمائة إلى ثلاثمائة وهذا أيسر، وذلك أحوط. (الدر مع الرد: ۲۱۱/۱-۲۱۵، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

بلی کے پیشاب کی نجاست کے سلسلے میں روایات مختلف ہیں، اکثر روایات سے اس کی نجاست کا پتہ چلتا ہے، البتہ بعض روایات میں ضرورت کی بناء پر اوانی مانعات (سیال اشیاء کے برتنوں) کے علاوہ (مثلاً: کپڑوں کے حق) میں اسے طاہر قرار دیا گیا ہے، علت بیان کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ عموماً برتنوں کے ڈھانکنے کا رواج ہے؛ اس لیے اس میں ضرورت متحقق نہیں ہے، جب کہ دوسری چیزوں میں ایسا نہیں ہے، لہذا ان میں ضرورت کی بناء پر اسے طاہر قرار دیا جائے گا۔ اس علت کی بناء پر کنویں کو کپڑوں کے ساتھ لائق کیا جانا چاہیے، جیسا کہ حضرت مفتی صاحب نے کیا ہے، تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

واختلف التصحيح في بول الهرة، وقال الشيخ زين في قاعدة المشقة تجلب التيسير من الأشباه: الفتوى على أن بول الهرة عفو في غير أواني الماء، وهو قول الفقيه أبي جعفر، قال في الفتح: وهو حسن لعادة تخمير الأواني فلا ضرورة في ذلك بخلاف الثياب، وهو مروى عن محمد؛ فإنه قال في السنور يعتاد البول على الفراش بوله طاہر للضرورة وعموم البلوى، قال في الفتح: والحق صحة هذه الرواية اهـ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱ هـ) ص: ۱۵۳ - ۱۵۵، كتاب الطهارة، باب الأنجاس والطهارة عنها، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

في الدر المختار: (ولا نزح) في بول فأرة في الأصح فيض. وقال ابن عابدين: (قوله في بول فأرة في الأصح) وسيدكر في الأنجاس أن عليه الفتوى، وأن خراًها لا يفسد ما لم يظهر أثره؛ وأن بول السنور عفو في غير أواني =

اور اگر یقین نہ ہو کہ اُس نے پیشاب کیا ہے؛ بل کہ صرف احتمال ہے، تو اُس شک کا اعتبار نہیں، اس صورت میں صرف ساٹھ ڈول پانی نکال لیا جائے۔<sup>(۲)</sup>

=الماء وعليه الفتوى. اهـ. ————— أقول: وفي الخانية أن بول الهرة والفأرة وخرأهما نجس في أظهر الروايات يفسد الماء والثوب. اهـ ولعلمهم رجحوا القول بالعمو للضرورة. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۲۲۰، فصل في البثر، فرع: وجد في ثوبه منيا أو بولا أو دما، ط: بيروت)

وقال ابن عابدين: اعلم أنه ذكر في الخانية أن بول الهرة والفأرة وخرأها نجس في أظهر الروايات يفسد الماء والثوب. ولو طحن بعر الفأرة مع الحنطة ولم يظهر أثره يعفى عنه للضرورة. وفي الخلاصة: إذا بولت الهرة في الإناء أو على الثوب تنجس، وكذا بول الفأرة، وقال الفقيه أبو جعفر: ينجس الإناء دون الثوب. اهـ. قال في الفتح: وهو حسن لعادة تخمير الأواني، وبول الفأرة في رواية لا بأس به، والمشايخ على أنه نجس لخفة الضرورة بخلاف خرنها، فإن فيه ضرورة في الحنطة. اهـ. ————— والحاصل أن ظاهر الرواية نجاسة الكل. لكن الضرورة متحقة في بول الهرة في غير المانع كالثياب، وكذا في خراء الفأرة في نحو الحنطة دون الثياب والمانعات. وأما بول الفأرة فالضرورة فيه غير متحقة إلا على تلك الرواية المارة التي ذكر الشارح أن عليها الفتوى، لكن عبارة التتارخانية: بول الفأرة وخرؤها نجس، وقيل بولها معفو عنه، وعليه الفتوى. وفي الحجة الصحيح أنه نجس. اهـ. ولفظ الفتوى وإن كان أكد من لفظ الصحيح إلا أن القول الثاني هنا تأيد بكونه ظاهر الرواية فافهم، لكن تقدم في فصل البثر أن الأصح أنه لا ينجسه وقد يقال: إن الضرورة في البثر متحقة، بخلاف الأواني؛ لأنها تخمر كما مر فتدبر. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۱۹، باب الأنجاس، ط: بيروت)

مزيركيه: البحر الرائق شرح كنز الدقائق - ابن نجيم المصري (م: ۷۰: ۹۷۰هـ): ۱/۲۳۱ - ۲۳۲، باب الأنجاس، التطهير بالدهن، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد، المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ 'داماد أفندي' (م: ۷۸: ۱۰۷۸هـ): ۱/۶۲، باب الأنجاس، ط: دار إحياء التراث العربي (۲) ولو شك في نجاسة ماء أو ثوب أو طلاق أو عتق لم يعتبر، وتماهه في الأشباه. (الدر المختار) وفي الشامية: (قوله: ولو شك إلخ) في التتارخانية: من شك في إنائه أو في ثوبه أو بدن أصابته نجاسة أو لافهو طاهر ما لم يستيقن، وكذا الآبار والحياض والحجاب الموضوعة في الطرقات ويستقي منها الصغار والكبار والمسلمون والكفار؛ وكذا ما يتخذة أهل الشرك أو الجهلة من المسلمين كالسمن والخبز والأطعمة والثياب اهـ ملخصا. (رد المحتار: ۱/۱۵۱، كتاب الطهارة، قبيل: مطلب في أبحاث الغسل، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

= بلی کے کنویں میں داخل ہو کر زندہ نکل جانے کی صورت میں استحباً ساٹھ ڈول پانی نکالنے کی کوئی عبارت احقر کو نہیں ملی، ساٹھ ڈول تک نکالنے کا حکم اس صورت میں ہے، جب کہ وہ کنویں میں مرجائے اور فوراً سے نکال لیا جائے۔ (قال: "فإن ماتت فيها حمامة أو نحوها كالدجاجة والسنور نزع منها ما بين أربعين دلو إلى ستين وفي الجامع الصغير أربعون أو خمسون" وهو الأظهر. الهداية في شرح بداية المبتدي: ۱/۲۳، فصل في البثر، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت) البتہ چالیس ڈول نکالنے کے سلسلے میں یہ عبارت صریح ہے:

اگر پورا پانی نکالنے کی ضرورت ہو؛ لیکن کنویں کا چشمہ بڑا ہو اور پورا پانی نکالنا ممکن نہ ہو، تو اندازہ لگا کر بھی نکالا جاسکتا ہے، جس وقت بلبی گری، اُس وقت جتنے فٹ پانی تھا، اُسی قدر پانی موٹر کے ذریعہ نکال لیا جائے، مثلاً بلبی کے گرنے کے وقت دس فٹ پانی تھا، اور موٹر کے ذریعہ ایک گھنٹے میں ایک فٹ پانی نکلتا ہے، تو دس گھنٹے تک موٹر کے ذریعہ پانی نکال لیا جائے۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۱] کنواں نجس اشیاء کے گرنے سے ہی ناپاک ہوگا

۵۱۰-سوال: ہماری بستی کی مسجد کا ایک چھوٹا سا کنواں ہے، جس کی گہرائی ایک فٹ اور چوڑائی تین فٹ ہے، کنویں کا تعمیری کام جاری ہے، جس کا ملبہ (سیمنٹ اور اینٹ کے ٹکڑے وغیرہ) کنویں کے پانی میں گرتا ہے، اور اسی پانی سے وضو اور غسل کیا جاتا ہے اور کھانا بھی پکا یا جاتا ہے، کنویں میں چشمہ کا پانی ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ کنویں سے چشمہ کا پانی نکلتا ہے اور چشمہ کا پانی پاک ہے؛ لہذا کنویں کا پانی پاک ہوگا، جب کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ کنویں سے پانی نکلتا ہو یا نہ نکلتا ہو، کنواں صاف کرنے کے بعد ہی اس کا پانی غسل، وضو اور کھانا پکانے کے کام میں لایا جاسکتا ہے۔ واضح رہے کہ کام کرنے والے مزدور احتیاط سے کام نہیں لیتے ہیں، تفصیلی جواب مطلوب ہے۔

### الجواب حامد اومصلیٰ:

کنواں چھوٹا ہو یا بڑا، اس کا پانی پاک ہے، اینٹ، ریت اور سیمنٹ وغیرہ پاک ہے، لہذا ان کے

= إذا وقع في البئر فأرة أو عصفور أو دجاجة أو سنور أو شاة وأخرجت منها حية لا ينجس الماء. ولا يجب نزع شيء منه، وهذا استحسان... ولكن مع هذا إن كان الواقع فأرة يستحب لهم أن ينزحوا عشرين دلوًا. وإن كان الواقع سنور أو دجاجة مخللة يستحب لهم أن ينزحوا أربعين دلوًا؛ لأن سؤر هذه الحيوانات مكروه على ما يأتي بعد هذا إن شاء الله تعالى. (المحيط البرهاني - أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶ھ): ۱۰۱/۱، كتاب الطهارات، الفصل الرابع في المياه التي يجوز التوضؤ بها، والتي لا يجوز التوضؤ بها، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(والثاني ما يستحب فيه نزع الماء) إذا وقع في البئر فأرة يستحب نزع عشرين دلوًا، وفي السنور والدجاجة المخللة نزع أربعين؛ لأن سؤر هذه الحيوانات مكروه، والغالب أن الماء يصيب فم الواقع حتى لو تيقنا أن الماء لم يصب فم هذه الحيوانات لا ينزح شيء من الماء. (الفتاوى الهندية: ۲۱/۱، كتاب الطهارة، الباب الثالث في المياه، الفصل الثاني فيما لا يجوز به التوضؤ، ط: دار الفكر)

(۳) ملاحظہ کیجیے، حاشیہ نمبر: ۱۔

کنویں میں گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

لیکن اگر ناپاکی گرجائے،<sup>(۱)</sup> یا کافراس میں غوطہ لگائے، تو پانی ناپاک شمار ہوگا۔<sup>(۲)</sup>

جب تک کنویں کے پانی کے ناپاک ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہوگی، وضوء اور غسل کرنا اور اس کا پانی

دیگر ضروریات میں استعمال کرنا جائز ہوگا۔ (فتاویٰ عالمگیری: ۱/۱۳، مطحطاوی: ۱/۲۲، خلاصۃ الفتاویٰ: ۱/۱۱)<sup>[۳]</sup> فقط

واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۲] کتا اگر حوض سے پانی پی لے، تو کیا حکم ہے؟

۵۱۱-سوال: کتے نے حوض سے پانی پی لیا، تو وہ پانی پاک ہے یا ناپاک؟ اگر پانی ناپاک

ہو، تو حوض میں سے کس قدر پانی نکالنے سے وہ پاک ہو جائے گا؟ بینواتو جروا۔

### الجواب حامد او مصليا:

حوض اگر وہ دردہ ہو، یعنی لمبائی اور چوڑائی میں دو سو پچیس (۱۵×۲۲۵) فٹ یا اس سے زائد

ہو، جسے فقہاء کثیر لکھتے ہیں، تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں ناپاکی گرجائے، تو اس سے پانی ناپاک نہیں ہوگا،

جب تک کہ پانی میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو جائے، اگر پانی میں نجاست کا اثر ظاہر ہو گیا، تو پانی ناپاک

[۱] (إذا وقعت نجاسة)... (في بئر دون القدر الكثير)... (أو مات فيها)... (حيوان دموي) غير مائي لما مر

(وانتفخ) أو تمعط (أو تفسخ) ولو تفسخه خار جهائم وقع فيها (ينزح كل مائها). [الدر مع الرد: ۱/۲۱۱-۲۱۲،

كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۲) اگر اس کو غسل کروا دیا جائے، پھر اسے کنویں میں اتارا جائے، تو ظاہر ہے کہ اب اس کے بدن پر کوئی نجاست نہیں ہے، اس لیے

کنواں پاک ہوگا:

وروي عن أبي حنيفة أنه قال في الكافر إذا وقع في البئر: ينزح ماء البئر كله؛ لأن بدنه لا يخلو من نجاسة حقيقية أو

حكومية، حتى لو تيقنا بطهارته بأن اغتسل، ثم وقع في البئر من ساعته لا ينزح منها شيء. (بدائع الصنائع في ترتيب

الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ): ۱/۷۴، فصل في بيان المقدار

الذي يصير به المحل نجسا، ط: دار الكتب العلمية)

(۳) قال: ومن شك في الحدث فهو على وضوئه، وإن كان محدثا فشك في الوضوء فهو على حدثه؛ لأن الشك لا

يعارض اليقين، وما تيقن به لا يرتفع بالشك. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي

(م: ۳۸۳ھ): ۱/۸۶، كتاب الصلاة، باب الوضوء والغسل، ط: دار المعرفة - بيروت)



ہو جائے گا۔<sup>(۱)</sup> اس لیے حوض کا پانی (جس سے کتے نے منہ ڈال کر پی لیا ہے) ناپاک نہیں ہوگا۔

ہاں اگر پانی کی وہ مقدار نہ ہو، جو اوپر تحریر کی گئی ہے، مثلاً ڈول، برتن یا لوٹا وغیرہ ہو اور اس میں کتا منہ ڈال دے، تو پانی اور برتن دونوں ناپاک ہو جائیں گے، پانی کو چھینک دیا جائے اور برتن تین بار دھویا جائے۔ (شامی، عالمگیری، وغیرہ)<sup>[۲]</sup> اگر مٹی ہو تو مٹی سے مانجھنا اور پھر پانی سے دھونا سنت ہے۔ (حدیث)

[۱] جس جگہ نجاست گری ہے (موضع نجاست) اس کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ پاک ہے یا ناپاک؟ کیا نجاست کے مرئی وغیر مرئی ہونے کی وجہ سے بھی کوئی فرق پڑے گا؟ اس سلسلے کی نفیس اور عمدہ بحث کے لیے ملاحظہ فرمائیں درج ذیل عبارت:

(وکذا) - أي رفع الحدث - يجوز (بر اكد) كثير (كذلك) أي وقع فيه نجس لم ير أثره ولو في موضع وقوع المرئية، به يفتى بحر. — قال ابن عابدین: (قوله: لم ير أثره) أي من طعم أو لون أو ريح، وهذا القيد لا بد منه... (قوله: به يفتى) أي بعدم الفرق بين المرئية وغيرها، وعزاه في البحر إلى شرح المنية عن النصاب،... على أنه يشكل عليه ما في شرح المنية للحلي عن الخلاصة أنه في المرئية بنجس موضع الوقوع بالإجماع. وأما في غيرها، فقول كذا: وقيل لا. اهـ. ومثله في الحلية، وكذا البدائع، لكن عبر بظاهر الرواية بدل الإجماع قال: ومعناه أن يترك من موضع النجاسة قدر الحوض الصغير ثم يتوضأ اهـ. وقيل يتحري،... قال في الحلية: قلت هو الأصح اهـ وكذا جزم في الخانية بنجس موضع المرئية بلانقل خلاف، ثم نقل القولين في غير المرئية، وصحح في المبسوط أولهما، وصحح في البدائع وغيرها ثانيهما نعم. قال في الخزانة: والفتوى على عدم التنجس مطلقاً إلا بالتغير بلا فرق بين المرئية وغيرها لعموم البلوى. وقال في الفتح: وعن أبي يوسف أنه كالجاري لا يتنجس إلا بالتغير، وهو الذي ينبغي تصحيحه، فينبغي عدم الفرق بين المرئية وغيرها؛ لأن الدليل إنما يقتضي عند الكثرة عدم التنجس إلا بالتغير من غير فصل. اهـ. فقد ظهر أن ما ذكره الشارح مبني على ظاهر هذه الرواية عن أبي يوسف حيث جعله كالجاري، وقدمنا عنه أنه اعتبر في الجاري ظهور الأثر مطلقاً، وأنه ظاهر المتون وكذا قال في الكنز هنا، وهو كالجاري، ومثله في الملتقى. وظاهره اختيار هذه الرواية؛ فلذا اختارها في الفتح واستحسنها في الحلية لموافقتها لما مر عنه في الجاري. قال: ويشهد له ما في سنن ابن ماجه عن «جابر - رضي الله عنه - قال: انتهيت إلى غدير فإذا فيه حمار ميت فكففتنا عنه حتى انتهى إلينا رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فقال: إن الماء لا ينجسه شيء فاستقينا وأروينا وحملنا» " اهـ وهذا وارد على نقل الإجماع السابق، والله أعلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۱۹۰ - ۱۹۱، كتاب الطهارة، باب المياه، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

مزید دیکھیے: البحر الرائق شرح كنز الدقائق - زين الدين بن إبراهيم بن محمد المعروف بابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ) ۱/۱۳۳ - ۱۳۵، سؤر الكلب والخنزير وسباع البهائم، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ البناية شرح الهداية - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵ھ) ۱/۳۷۵، الموضوعاء الذي وقعت فيه نجاسة. ۱/۳۷۰ - ۳۷۲، فصل في الأسار وغيرها، سؤر الكلب، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۲) عن عطاء، عن أبي هريرة «أنه كان إذا ولغ الكلب في الإناء أهرأقه وغسله ثلاث مرات». (سنن الدارقطني - أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد، ابن دينار البغدادي الدارقطني (م: ۳۸۵ھ) ۱/۱۱۰، رقم الحديث: ۱۹۷، كتاب =

[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] نابالغ کافر بچہ یا بالغ کافر مرد غسل کے لیے کنویں میں اترے، تو کیا حکم ہے؟

۵۱۲- سوال: مدرسہ میں پانی کی قلت ہے، جس کی وجہ سے کچھ طلبہ غسل کے لیے کنویں پر جاتے ہیں، سنا گیا ہے کہ اُس میں چرواہے بھی نہانے کے لیے اترتے ہیں۔ (نہانے والے چرواہے نابالغ بچے ہوتے ہیں) لیکن کسی نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے، تو اُن کے نہانے کی وجہ سے طلبہ کا غسل صحیح ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح اگر اُس میں بالغ غیر مسلم غسل کرے، تو کیا حکم ہے؟ مینو اتو جروا۔

### الجواب حامداً ومصلياً

کافر- نابالغ ہو یا بالغ- غسل کے لیے کنویں میں داخل ہو، تو کنواں ناپاک ہو جائے گا؛ کیوں کہ کافر کا بدن عموماً نجاست سے پاک نہیں ہوتا۔ [۲]

= الطهارة، باب ولو غ الكلب في الإناء، ت: شعيب الارنؤوط، حسن عبد المنعم شلبي، عبد اللطيف حرز الله، أحمد برهوم، ط: مؤسسة الرسالة- بيروت)

(و) سؤر (خنزير و كلب وسباع بهائم... نجس) مغلظ. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۲۲۳، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: بيروت) — أما القليل فينجس وإن لم يتغير. (المصدر السابق: ۱/۱۸۵، كتاب الطهارة، باب المياه، ط: بيروت) — ويغسل الإناء من ولو غ الكلب ثلاثاً، كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۳، كتاب الطهارة، الباب الثالث في المياه، الفصل الثاني فيما لا يجوز به التوضؤ، ط: بيروت) الهداية في شرح البداية: ۱/۲۶، كتاب الطهارات، باب: الماء الذي يجوز به الوضوء وما لا يجوز، فصل في الأسار وغيرها، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت)

[۱] عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طهور إناء أحدكم إذا ولغ فيه الكلب، أن يغسله سبع مرات أولاً هن بالتراب. (الصحيح لمسلم: ۱/۱۳۷، رقم الحديث: ۹۱- (۲۷۹)، كتاب الطهارة، باب حكم ولو غ الكلب، ط: مختار ايندو کمپني- ديوبند)

(۲) حضرت مفتی محمود حسن نے اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے:

اگر وہ (کافر) خوب غسل کر کے کنویں میں داخل ہوا ہے، تب تو پانی نکالنے کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر غسل کر کے اور پاک ہو کر داخل نہیں ہوا ہے، اور اس کے بدن پر کسی نجاست کا ہونا متعین نہیں، تو احتیاطاً کنویں کا تمام پانی نکالا جائے، اور اگر اس کے بدن پر نجاست تھی، تو تمام پانی کا نکالنا واجب ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۳۶/۵، سوال نمبر: ۱۹۰۰، کیا کنویں میں غیر مسلم کے اترنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے؟، ط: اشرفی بک ڈپو- دیوبند)

نقل في الذخيرة عن كتاب الصلاة للحسن أن الكافر إذا وقع في البئر وهو حي نزع الماء. وفي البدائع أنه رواية =

شریعتِ مطہرہ میں احکام کا دار و مدار یقین پر ہے، شکوک و شبہات پر نہیں؛ اس لیے جب تک دین دار لوگ اُن غیر مسلمین کو کنویں میں غسل کرتے ہوئے نہ دیکھیں، اُس کنویں کے ناپاک ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا اور اس سے طہارت حاصل کرنا جائز ہوگا۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۴] اگر کوئی غیر مسلم شراب پی کر کنویں میں گر جائے؟

۵۳-سوال: ایک غیر مسلم شراب پینے کے بعد کنویں میں گر گیا، تو اس کنویں کا پانی ناپاک ہو آیا نہیں؟

اس کنویں سے غیر مسلم چار پانچ دن سے پانی بھر رہے ہیں، تقریباً ایک ہزار سے زیادہ ڈول پانی ان لوگوں نے بھرا ہوگا، تو اس سے کنواں پاک ہو آیا نہیں؟

استفتیٰ: اسماعیل پانچ ہمایا لوہاری

### الجواب حامدًا ومصليًا:

کافر اگر کنویں میں گر جائے، تو اگرچہ اسے زندہ نکالا جائے، پھر بھی کنویں کا پورا پانی نکالا جائے گا؛ اس لیے کہ عموماً اس کا جسم ناپاک ہوتا ہے:

نقل في الذخيرة عن كتاب الصلاة للحسن أن الكافر إذا وقع في البئر وهو حي نزع الماء. وفي البدائع أنه رواية عن الإمام؛ لأنه لا يخلو من نجاسة حقيقية أو حكمية. [شامي: ۱/۱۳۷]<sup>(۲)</sup>

ایک ہی وقت میں پورا پانی نکالنا ضروری نہیں ہے، رفتہ رفتہ نکالا جائے، تب بھی کنواں پاک ہو جائے

= عن الإمام؛ لأنه لا يخلو من نجاسة حقيقية أو حكمية، حتى لو اغتسل فوق وقوع فيها من ساعته لا ينزع منها شيء. أقول: ولعل نزعها للاحتياط تأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۲۱۳، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۱/۴۷، كتاب الطهارة، فصل في بيان المقدار الذي يصير به المحل نجسًا، ط: دار الكتب العلمية)

(۱) ولو شك في نجاسة ماء أو ثوب أو طلاق أو عتق لم يعتبر، وتماهه في الأشباه. (الدر المختار) وفي الشامية: (قوله: ولو شك إلخ) في التارخانية: من شك في إنائه أو في ثوبه أو بدن أصابته نجاسة أو لافهو طاهر ما لم يستيقن، وكذا الآبار والحياض والجباب الموضوعه في الطرقات ويستقي منها الصغار والكبار والمسلمون والكفار؛ وكذا ما يتخذة أهل الشرك أو الجهلة من المسلمين كالسمن والخبز والأطعمة والثياب اهـ ملخصاً. (رد المحتار: ۱/۱۵۱، كتاب الطهارة، قبيل: مطلب في أبحاث الغسل. ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲) رد المحتار على الدر المختار: ۱/۲۱۳، فصل في البئر، ط: بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۱/۴۷، كتاب الطهارة، فصل في بيان المقدار الذي يصير به المحل نجسًا، ط: دار الكتب العلمية-بيروت.

گا: اس لیے اندازہ لگایا جائے کہ غیر مسلم کے کنویں میں گرتے وقت جتنا پانی تھا، وہ نکل گیا یا نہیں؟ مثلاً اس میں چار ہزار ڈول پانی تھا، اور ابھی تک صرف ایک ہزار ڈول پانی نکالا جاسکا ہے، تو مزید تین ہزار ڈول نکالنا ضروری ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] کنویں میں جب کوئی مسلمان عورت گر کر مر جائے، تو کنواں کیسے پاک ہوگا؟

۵۱۴- سوال: تقریباً دو مہینہ پہلے ہمارے گاؤں کے کنویں میں ایک مسلمان عورت گر گئی تھی، گرنے کے ایک گھنٹے بعد اسے بہ حالت مردہ باہر نکالا گیا، پھر دو دن تک مشین کے ذریعہ پانی نکالا جاتا رہا، اندازاً آدھا پانی نکال دیا گیا، اب جو پانی کنویں میں باقی ہے، مشین اُس کو مکمل نہیں نکال سکتا؛ کیوں کہ پائپ کا وہاں تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔

اس واقعہ کے بعد سے اب تک جانوروں کو پلانے کے لیے اسی کنویں سے پانی نکالا جاتا رہا ہے، ادھر پندرہ بیس دنوں سے لوگ اُس پانی سے کپڑے بھی دھورہے ہیں اور پینے میں بھی استعمال کر رہے ہیں، تو کیا اس سے کپڑے دھونا اور پینا جائز ہے؟ اگر اُس پانی کے ذریعہ دھوئے ہوئے کپڑے پہن کر لوگوں نے نماز ادا کی، تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بیوقوف تو جروا۔

### الجواب حامدًا ومصليًا:

اگر کنواں دہ دردہ نہ ہو، تو عورت کے گر کر مرجانے کی وجہ سے پانی ناپاک ہو جائے گا، انتقال کے وقت جس قدر پانی کنویں میں موجود تھا، اُسے نکال دیا جائے تو کنواں پاک ہو جائے گا۔<sup>(۲)</sup>

(۱) (إذا وقعت نجاسة)... (في بئر دون القدر الكثير)... (أو مات فيها) أو خارجها وألقي فيها ولو فأرة يابسة على المعتمد... كسقط (حيوان دموي) غير مائي لمامر (وانتفخ) أو تمعط (أو تفسخ) ولو تفسخه خارجها ثم وقع فيها (ينزح كل مائها) الذي كان فيها وقت الوقوع ذكره ابن الكمال (بعد إخراجها)... (وان تعذر) نزح كلها؛ لكونها معينا (فيقدر ما فيها) وقت ابتداء النزح، قاله الحلبي (يؤخذ ذلك بقول رجلين عدلين لهما بصارة بالماء) به يفتى، وقيل يفتى بمائة إلى ثلثمائة وهذا أيسر، وذلك أحوط. (الدر مع الرد: ۲۱۱/۱- ۲۱۵، كتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۲) (إذا وقعت نجاسة... في بئر دون القدر الكثير) على مامر، ولا عبرة للعمق على المعتمد (أو مات فيها) أو خارجها وألقي فيها... إلا الشهيد التنظيف والمسلم المغسول... الخ. (الدر المختار) قال ابن عابدين: قوله والمسلم المغسول) أما قبل غسله فنصوا على أنه يفسد الماء القليل ولا تصح صلاة حامله، وبذلك استدل في =

لگاتار (مسلل) پانی نکالنا ضروری نہیں ہے، دو دن تک مسلسل پانی نکالا، پھر بعد میں پندرہ دن تک جانوروں کو پلانے کے لیے پانی نکلتا رہا، اگر یقین ہے کہ جتنا پانی کنویں میں تھا، سب نکل گیا ہے، تو اُس پانی سے کپڑے دھونا اور وضوء و غسل کرنا سب جائز ہے: لا یشترط التوالی، وهو المختار، كما فی البحر والقہستانی. (شامی: ۱/۱۹۶) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۶] غیر مسلم عورت کنویں میں گر کر زندہ نکل آئے، تو کیا حکم ہے؟

۵۱۵-سوال: میرے گاؤں کے کنویں میں ۲۱/۴/۳۱ء کو، گیارہ بچے بھیلی (ایک غیر مسلم قوم کی عورت) [۲] گر گئی تھی، گرنے کے بعد اُس نے پانی میں دو غوطے کھائے اور تیسرے غوطے میں اُس کے ہاتھ میں پائپ آ گیا، جسے پکڑ کر وہ زندہ حالت میں باہر نکل گئی، تو اُس بھیلی کے گرنے سے پانی پاک رہا یا ناپاک؟ اگر پانی ناپاک ہوا ہے، تو اُسے کتنی مقدار میں نکالنا ضروری ہے؟ مذکور کنویں سے جانوروں کے پلانے کے لیے پانی نکالتے ہیں، تو اس طرح پانی نکالنے سے کنواں پاک ہو جائے گا یا نہیں؟ اس پانی سے کپڑے دھونا یا پینا جائز ہے یا نہیں؟ بیوقوف تو جروا۔

## الجواب حامدًا ومصليًا

بھیلی کے کنویں میں گرنے سے پانی ناپاک ہو گیا۔ (اس لیے کہ عموماً اس کا جسم ناپاک رہتا ہے۔) واتفقوا علی أن الکافر لا یطہر بالغسل. (شامی: ۱/۱۹۵) [۳] علماء نے لکھا ہے: وأما الکافر فینجسہا مطلقاً. (الدر المختار) [۴]

- = المحيط علی أن نجاسة الميت نجاسة خبث؛ لأنه حیوان دموی فینجس بالموت کفیرہ من الحیوانات لانجاسة حدث، و صححه فی الکافی، ونسبه فی البدائع إلى عامة المشایخ كما فی جنانز البحر. (رد المختار علی الدر المختار: ۱/۲۱۱، کتاب الطہارة، فصل فی البئر، ط: دار الکتب العلمیة- بیروت)
- (۱) رد المختار: ۱/۲۱۳، کتاب الطہارة، فصل فی البئر، ط: دار الکتب العلمیة- بیروت.
- (۲) بھیلی تانیث بھیل: (۵-۱-مذ) ہندوستان کی ایک قدیم نسل کے لوگ، جو راجپوتانہ کے علاقے میں پائے جاتے ہیں۔ (فیروز اللغات: ۲۴۳، فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹید- لاہور)
- (۳) رد المختار علی الدر المختار: ۱/۲۱۲، کتاب الطہارة، فصل فی البئر، ط: دار الکتب العلمیة- بیروت.
- (۴) الدر المختار مع رد المختار: ۱/۲۱۱، کتاب الطہارة، فصل فی البئر، ط: دار الکتب العلمیة- بیروت.

اب حکم یہ ہے کہ جب تک پورا پانی نکل نہ جائے، اُسے کسی بھی کام میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>  
فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) تقدم التخریج عن [الدرمع الرد: ۱/۲۱۱-۲۱۴، کتاب الطهارة، فصل فی البشر، ط: بیروت]

وَإِنْ كُنْتُمْ مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ  
 أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا  
 بِرُءُوسِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا ۝۴۳

(۳-النساء: ۴۳)

## باب التیمم

[ تیمم کا بیان ]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب التیمم

[تیمم کا بیان]

[۱] جو شخص پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو اس کا تیمم کرنا

۵۱۶-سوال: ایک شخص کے پورے پاؤں میں سیمنٹ کا پٹا بندھا ہوا تھا، چار پائی سے نیچے اترنے اور پانی استعمال کرنے سے ڈاکٹر نے سختی سے منع کیا تھا، چنانچہ اس نے ڈاکٹر کے کہنے کی وجہ سے صرف تیمم کر کے ایک مہینہ تک نماز پڑھی، غسل کی جگہ بھی تیمم کیا، قبلہ رخ ہونے میں بھی تکلیف ہوتی تھی، اس لیے مجبوراً دوسری طرف رخ کر کے اشارے سے نماز پڑھی۔

اب وہ آدمی تندرست ہو گیا ہے، اور عذر کی حالت میں تیمم سے غیر قبلہ کی جانب پڑھی ہوئی ایک مہینے کی نمازوں کو لوٹانا چاہتا ہے، تو اس سلسلے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ تفصیلی جواب دیجیے۔

**الجواب حامد اومصلیٰ:**

اگر چار پائی پر بیٹھ کر وضو کر سکتا تھا، یا پٹی پر مسح کی قدرت تھی اور دوسرے اعضاء وضو کو دھونا ممکن تھا، اس کے باوجود اس نے صرف تیمم کر کے نماز ادا کی ہے، تو یہ اس کے لیے جائز نہیں تھا، ایسی صورت میں نماز کا اعادہ ضروری ہے۔<sup>(۱)</sup> اگر وضو کرنے پر بالکل قدرت نہ ہو، تو تیمم کر کے نماز پڑھنا جائز ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں، اسی طرح غسل کی حالت میں تیمم کر کے نماز پڑھ لی، تب بھی اعادہ کی ضرورت نہیں، اعادہ کر لے، تو کوئی

(۱) وإذا كان بدن الجنب جريحاً أو أعضاء المحدث، فإنه يتيمم ولا يستعمل الماء فيما كان صحيحاً، وإن كان على العكس فإنه يغسل، والمسح على الجراحة إن أمكنه أو فوق الخرقه إن كان المسح يضره، ولا يتيمم، وهو قول علمائنا. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني - أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶ھ) ۱/۱۰۷-۱۳۸، كتاب الطهارة، الفصل الخامس في التيمم، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط:



حرج بھی نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲] کیا پتھر پر تیمم کر سکتے ہیں

۵۱۷-سوال: پتھر پر تیمم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس کی دلیل کیا ہے؟ تحریر فرمائیں۔

### الجواب حامدا ومصليا:

پتھر پر تیمم کرنا جائز ہے، قرآن کریم میں ہے: فتيمموا صعيدا طيبا.<sup>(۲)</sup> بنیاد، کلمہ ”صعيد“ ہے، جس کا معنی ہے: وجه الأرض. یعنی زمین کا وہ حصہ، جس پر اگنے کی صلاحیت ہو، مٹی ہو یا پتھر: قلنا: الصعيد وجه الأرض ترابا كان أو غيره. وقال الزجاج: لا أعلم اختلافا بين أهل اللغة فيه. (کبیری: ۷۴)<sup>[۳]</sup>

(۱) ثم اختلف مشايخنا في حد الكثرة: فمنهم من اعتبر الكثرة من حيث عدد الأعضاء في الكثرة في نفس العضو، بيانه: إذا كان برأسه ووجهه ويدنه وجراحة والرجل صحيح؛ فإنه يتيمم، سواء كان الأكثر من الأعضاء الجرحه جريحا وأقله، ومنهم من اعتبر الكثرة في نفس العضو، فقال: إن كان الأكثر من كل عضو من أعضاء الوضوء جريحا كان كثير أبيض له التيمم. (المصدر السابق: ۱/۱۳۸)

(۲) ۴-النساء: ۴۳☆ و ۵-المائدة: ۶.

[۳] والأصل فيه قوله تعالى: فتيمموا صعيدا طيبا. فقال من شرط التراب والرمل أو التراب خاصة المراد بالصعيد التراب أو الرمل، وبالطيب المنبت نقلا عن ابن عباس. وقلنا: الصعيد وجه الأرض ترابا كان أو غيره. وقال الزجاج: لا أعلم اختلافا بين أهل اللغة فيه. وأما الطيب فلفظ مشترك يستعمل بمعنى المنبت، وبمعنى الحلال، وبمعنى الطاهر، وقد أريد به الطاهر إجماعا، فلا يراد غيره؛ لأن المشترك لا عموم له. (غنية المستملي في شرح منية المصلي، المعروف بالحلبي الكبير) - إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي الحنفي (م: ۹۵۶هـ)، ج: ۶۷، فصل في التيمم، ط: دار الكتاب - ديوبند

والصعيد في كلام العرب على وجوه: فالتراب الذي على وجه الأرض يسمى صعيدا، ووجه الأرض يسمى صعيدا، والطريق يسمى صعيدا، وقد قال بعض الفقهاء: إن الصعيد وجه الأرض سواء كان عليه التراب أو لم يكن ويرى التيمم بوجه الصفاة الملساء جائزا وان لم يكن عليها تراب إذ يمسح بها التيمم. (الزاهر في غريب ألفاظ الشافعي - محمد بن أحمد بن الأزهر الهروي، أبو منصور (م: ۳۷۰هـ)، ص: ۳۳، باب التيمم، ت: مسعد عبد الحميد السعدني، ط: دار الطلائع)

(ص ع د): (الصعيد) وجه الأرض ترابا كان أو غيره، قال الزجاج: ولا أعلم اختلافا بين أهل اللغة في ذلك، ومن قال هو ففيل بمعنى مفعول أو فاعل من الصعود ففيه نظر. (المغرب - ناصر بن عبد السيد أبي المكارم ابن علي، أبو الفتح، برهان الدين الخوارزمي المَطْرِيْزِي (م: ۶۱۰هـ)، ص: ۲۶۷، الصادر مع الغين المعجمة، ط: دار الكتاب العربي)

حيث جاز التيمم على الصخرة وإن لم يعلق باليد شيء. (كبيرى: ۷۵) [۱] فقط، والله أعلم بالصواب۔

[ ۱ ] غنية المستملي في شرح منية المصلي، المعروف بالحلبى الكبيرى، ص ۶۷، فصل في التيمم.

عن المغيرة بن شعبة - رضى الله تعالى عنه - قال: وضأت  
النبي صلى الله عليه وسلم فمسح على خفيه وصلى.

(صحیح البخاری: ۳۸۸)

## باب المسح على الخفين

[موزوں پر مسح کا بیان]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب المسح علی الخفین

[موزے پر مسح کا بیان]

[۱] بعض عرب کا نائلون اور سوتی موزوں پر مسح کو جائز کہنا

۵۱۸-سوال: کس طرح کے موزوں پر مسح درست ہے؟ کپڑے کے موزے پر مسح کرنے کو

عرب علماء جائز کہتے ہیں، اور دلیل میں کہتے ہیں کہ: حدیث شریف میں صرف خفین کا لفظ آیا ہے، جس کے معنی ”موزے“ کے ہیں، لہذا جس پر بھی موزے کا اطلاق ہوگا، اس پر مسح کرنا درست ہوگا اور خفین (دبیز ہونا) کی قید تو صرف فقہ میں مذکور ہے، حدیث سے ثابت نہیں، لہذا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ ان کے اس استدلال کا کیا جواب ہے؟

**الجواب حامداً ومصلياً:**

سوت یا اون کے موزے کو ”جورب“ کہا جاتا ہے، پھر جورب کے دونوں جانب اگر چمڑا لگا ہوا ہو، تو اسے ”مجلد“ کہتے ہیں، اور اگر صرف نچلے حصے میں چمڑا چڑھا ہوا ہو، تو اسے ”منعل“ کہتے ہیں۔<sup>(۱)</sup> اور اگر موزے پورے کے پورے چمڑے کے ہوں، یعنی سوت وغیرہ کا ان میں کوئی دخل نہ ہو، تو ایسے موزوں کو

(۱) الجورب: نوع من الخف يكون من الغزل والشعر والجلد الرقيق. ولا يجوز المسح عليه إلا إذا كان مجلداً وهو الذي وضع الجلد على أعلاه وأسفله أو منعلا وهو الذي وضع الجلد على أسفله كالنعل. (دستور العلماء = جامع العلوم في اصطلاحات الفنون - القاضي عبد النبي بن عبد الرسول الأحمدي نكري: ۱/۲۸۷، باب الجيم مع الواو، عرب عباراته الفارسية: حسن هاني فحوص، ط: دار الكتب العلمية - لبنان - بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۱ھ = ۲۰۰۰ء ☆ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: تاج العروس من جواهر القاموس - الزبيدي (م: ۱۲۰۵ھ): ۲/۱۵۶، مادہ: ج ر ب، ط: دار الهداية)

”خفین“ کہتے ہیں۔<sup>(۲)</sup> خفین، جور بین مجلدين، اور جور بین منعلین پر بالاتفاق مسح جائز ہے، اور اگر جور بین مجلديا منعل نہ ہوں؛ لیکن خفین ہوں،<sup>(۳)</sup> تو اس پر مسح کے سلسلے میں ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) اور احناف میں سے صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمدؒ) فرماتے ہیں کہ اس پر بھی مسح جائز ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اولاً اس پر مسح کو ناجائز سمجھتے تھے، بعد میں انہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا، گویا اب اس مسئلے پر اتفاق ہے کہ ایسے موزوں پر مسح جائز ہے۔ اگر جور بین مجلديا منعل نہ ہوں اور رقیق ہوں یعنی اس میں ٹخنیں کی شرائط نہ پائی جاتی ہوں، تو ان پر مسح بالاتفاق ناجائز ہے؛ لہذا نائلون یا سوت کے باریک موزوں پر مسح بالکل درست نہیں ہے۔<sup>(۴)</sup>

واضح رہے کہ مسح علی الجورین کا جواز درحقیقت ”تنقیح مناط“ (علت) کے طریقے پر ہے، یعنی جن جواریں میں ٹخنیں ہونے کی تین شرائط پائی جاتی ہوں، ان کو ”خفین“ ہی میں داخل کر کے ان پر جواز مسح کا حکم

(۲) (الخف)... ما یلبس فی الرجل من جلد رقیق. (المعجم الوسیط - مجمع اللغة العربیة بالقاهرة) (ابراہیم مصطفیٰ / أحمد الزیات / حامد عبد القادر / محمد النجار) / ۱: ۲۴۷، باب الخفاء، ط: دار الدعوة ☆ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: القاموس الفقہی لغة واصطلاحاً - الدكتور سعدي أبو حبيب، ص: ۱۱۸، حرف الخفاء، ط: دار الفکر.

دمشق - سوریه، الطبعة الثانية ۱۴۰۸ھ = ۱۹۸۸ء)

[۳] ٹخنیں کا مطلب یہ ہے کہ اس میں تین شرائط پائی جاتی ہوں: (۱) شفاف نہ ہو، یعنی اگر ان پر پانی ڈالا جائے، تو پاؤں تک نہ پہنچے۔ (۲) مستمسک بغیر الاستمساک ہو، یعنی کسی چیز سے باندھے بغیر خود بخود پاؤں پر تک جائے، لاسک وغیر کی ضرورت نہ پڑے۔ (۳) اس کو پہن کر تالاع مٹی ممکن ہو، یعنی اسے پہن کر ایک فرسخ (تین میل) پیدل چلنا دشوار نہ ہو۔ قال الحصکفی: (الٹخینین) بحیث یمشی فرسخاً ویشب علی الساق ولا یری ما تحتہ ولا یشف. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۶۹/۱، کتاب الطہارة باب المسح علی الخفین، ط: دار الفکر - بیروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ - ۱۹۹۲ء)

(۳) قال عامة العلماء بأن المسح علی الخفین مشروع... وأما المسح علی الجورین فهو علی أقسام ثلاثة إن كانا مجلدين أو منعلين جاز المسح باجماع بین أصحابنا، وأما إذا كانا غیر منعلین فإن كانا رقیقین بحیث یری ما تحتہما لا یجوز المسح علیہما، وإن كانا ٹخینین، قال أبو حنیفة: لا یجوز المسح علیہما، وقال أبو یوسف ومحمد: یجوز، وروی عن أبي حنیفة أنه رجوع الی قولہما فی آخر عمرہ. (تحفة الفقہاء - محمد بن أحمد، أبو بکر علاء الدین السمرقندی (م: نحو ۵۴۰ھ): ۱: ۸۳-۸۶، کتاب الطہارة، باب المسح، ط: دار الکتب العلمیة، بیروت - لبنان، الطبعة الثانية: ۱۴۱۴ھ - ۱۹۹۴ء ☆ مزید دیکھیے: بدائع الصنائع: ۱: ۷-۱۰، فصل المسح علی الخفین، دار الکتب العلمیة - بیروت ☆ المحيط البرہانی فی الفقہ النعمانی - أبو المعالی برہان الدین الحنفی (م: ۶۱۶ھ): ۱: ۱۶۹-۱۷۰، الفصل السادس فی المسح علی الخفین، ت: عبد الکریم سامی الجندی، ط: دار الکتب العلمیة - بیروت)

لگایا گیا ہے، ورنہ جن روایات میں مسح علی الجوربین کا ذکر ہے، وہ سب ضعیف ہیں، یا کم از کم خبر واحد ہیں، جن سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہو سکتی؛ بل کہ اس کا جواز مسح علی الخفین کی احادیث متواترہ سے ہی تنقیح مناط کے طور پر ثابت ہوا ہے۔<sup>(۱)</sup>

بعض عرب دین سے آزاد ہوتے جا رہے ہیں، ان کا یہ کہنا کہ خفین کا اطلاق ہر قسم کے موزے پر ہوتا ہے، صحیح نہیں ہے؛ اس لیے نائلون یا سوتی موزوں پر مسح کے سلسلے میں ان کی بات لائق تسلیم نہیں ہے۔ ان سے نائلون اور سوت کے موزے پر مسح کے جواز کے متعلق کسی روایت کا ثبوت طلب کیجیے، فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲] معذور شخص کا چمڑے کے موزے پہن کر اس پر مسح کرنا

۵۱۹-سوال: معذور شخص چمڑے کا موزے پہن کر اس پر مسح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا:

شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے جائز ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) قال الحصكفي: أو جوربيه، ولو من غزل أو شعر. قال ابن عابدين: قوله ولو (من غزل أو شعر)... وخرج عنه ما كان من كرباس بالكسر: وهو الثوب من القطن الأبيض؛ ويلحق بالكرباس كل ما كان من نوع الخيط كالكتان والابريسم ونحوهما. وأقول: الظاهر... أنهم آخر جوه لعدم تأتي الشروط فيه غالباً. (رد المحتار مع الدر المختار: ۲۶۹/۱، كتاب الطهارة، باب المسح علي الخفين، مطلب: مطلب إعراب قولهم إلا أن يقال: ط: دار الفكر - بيروت، طبع دوم: ۱۳۱۲ھ - ۱۹۹۲ء)

مستفاد از: درس ترمذی: ۱/۳۳۳-۳۳۵، باب مسح علی الجوربین والعلین، ط: مکتبہ رشیدیہ - سہارن پور۔

(۲) تفصیلی شرائط اور تخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان: بعض عرب کا نائلون اور سوتی موزوں پر مسح کو جائز کہنا۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذَى ۖ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي  
 الْمَحِيضِ ۖ وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهَرْنَ ۚ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ  
 حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿۳۳﴾  
 (۲-البقرة: ۲۲۲)

## باب الحيض والنفاس والاستحاضة

[حيض و نفاس اور استحاضہ کا بیان]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب الحيض والنفاس والاستحاضة

[ حیض، نفاس اور استحاضہ کا بیان ]

[۱] کم عمری میں فیملی پلاننگ کی خاطر آپریشن کرانے والی خاتون کے ”ایام حیض“ کا حکم ۵۲۰-سوال: بہت سی عورتیں فیملی پلاننگ کے لیے کم عمری (بیس پچیس سال کی عمر) ہی میں اپنی بچہ دانی کا آپریشن کرا لیتی ہیں، جس کی وجہ سے ان کو حیض نہیں آتا ہے، حالاں کہ عورتوں کے لیے حیض کی مدت ہر ماہ ”تین سے دس روز تک“ رہتی ہے اور یہ عادت آپریشن کروا دینے سے ختم ہو جاتی ہے اور حیض بالکل نہیں آتا ہے، تو ”آپریشن کی وجہ سے منقطع ہونے والے حیض“ کو شرعی طور پر ایام حیض شمار کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ان ایام میں حیض کے ایام کے احکام جاری ہوں گے یا نہیں؟ یعنی ان ایام کی نمازیں، روزے وغیرہ کی ادائیگی اور اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہو، تو حیض کے ذریعے عدت کا گزارنا اور قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ کے احکام حیض سے متعلق ہوں گے یا نہیں؟ کہ اگر معدوم حیض کو موجود مانا جائے، تو نماز کی ادائیگی درست نہ ہو، روزہ کی بعد میں قضا کرے، اس وقت روزہ رکھنا جائز نہ ہو، طلاق کی صورت میں تین حیض کی مدت کے ذریعے عدت پوری ہو، قرآن کریم کی تلاوت ان ایام میں جائز نہ ہو۔

واضح رہے کہ آپریشن کے بعد ان ایام میں خاتون کو دم حیض نہیں آتا ہے، مقام بالکل صاف رہتا ہے؛ تاہم اس کو حائضہ کے حکم میں شمار کیا جانا چاہیے؛ کیوں کہ اس نے اپنا یہ آپریشن جان بوجھ کر کروایا ہے اور اس کو آئسہ بھی نہیں کہہ سکتے ہیں؛ کیوں کہ عورت کا یہ زمانہ تو بوڑھا پے میں آتا ہے اور یہ عورت تو بوڑھی نہیں ہے؛ بل کہ بالکل جوان ہے۔ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامدًا ومصليًا:

بڑی عمر کے ہو جانے سے حیض کا خون بند ہو جائے یا کسی بیماری کی وجہ سے حیض نہ آئے یا حمل



ٹھہر جانے کی وجہ سے حیض نہ آئے یا بعض مانع حیض ادویات کا استعمال کرنے کی وجہ سے دم حیض نہ آئے، تو ان تمام صورتوں میں عورت پر حیض کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔<sup>(۱)</sup>

فی زمانہ بعض ایسی دوائیاں ایجاد ہو گئیں ہیں کہ اگر ان کی ایک گولی عورت کو دی جائے، تو اس کو عادت کے مطابق خون نہیں آتا ہے، بعض عورتیں تو اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے حج کے زمانے میں ایسی دوائیاں استعمال بھی کرتی ہیں، تاکہ حیض کے ایام مؤخر ہو جائیں اور وہ ارکان حج پاکی کی حالت میں ادا کر لیں؛ چاند کی ۹ تاریخ سے لے کر ۱۵ تاریخ تک جن عورتوں کو خون کی عادت ہوتی ہے، وہ عورتیں اور بالخصوص یو۔ کے، افریقہ، امریکہ اور کینیڈا جیسے ملکوں سے حج کے لیے آنے والی عورتیں اس طرح کی گولیاں استعمال کرتی ہیں، جس کی وجہ سے حیض کی عادت میں تھوڑی سی تاخیر واقع ہو جاتی ہے اور بجائے ۹ تاریخ کے ۱۹ تاریخ کو آتا ہے۔ اس صورت میں عورتیں پاک گردانی جائیں گی اور ان کے ارکان حج صحیح ہو جائیں گے۔

ٹھیک اسی طرح اپنی رضامندی سے اپنا آپریشن کروانے والی خاتون کو ان کے ایام عادت میں جب دم حیض نہیں آئے گا، تو وہ بھی پاک گردانی جائے گی، اس کے لیے ہر وقت کی نماز اور روزے ادا کرنا فرض ہوگا اور اس کی عدت طلاق کی تکمیل، بجائے تین حیض کے، تین مہینے سے ہوگی، تین مہینے کے گزر جانے سے اس کی طلاق کی عدت پوری ہو جائے گی۔

الغرض حیض کے احکام حقیقی طور پر حیض کے آنے کی صورت میں نافذ ہوں گے، صرف تاریخ کے

(۱) اعلم بأن حکم الحيض والنفاس والاستحاضة لا يثبت إلا بظهور الدم وبروزه وقد روي عن محمد - رحمه الله تعالى - في غير الأصول أن حكم الحيض والنفاس يثبت إذا أحست بالبروز، وإن لم يظهر وحكم الاستحاضة لا يثبت إلا بالظهور، وفرق بينهما فقال للحيض والنفاس وقت معلوم فيمكن إثبات حكمهما باعتبار وقتهما إذا أحست بالبروز، والاستحاضة حدث كسائر الأحداث، ليس له وقت معلوم لإثبات حكمه، فلا يثبت حكمه إلا بالظهور، والفتوى على القول الأول؛ لما روي أن امرأة قالت لعائشة - رضي الله عنها - إن فلانة تدعو بالمصباح ليلا لتنظر إلى نفسها فقالت: ما كانت إحداثا تكلف لذلك على عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم -، ولكنها تعرف ذلك، فهو بالمس، فهو إشارة منها إلى الظهور؛ ولأن ما لم يظهر، فهو في معدنه والشيء في معدنه لا يعطى له حكم الظهور ما لم يظهر. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل، شمس الأئمة السرخسي (م: ۸۳۳ھ): ۱۵۱/۳، كتاب الحيض والنفاس، فصل حكم الحيض والنفاس والاستحاضة لا يثبت إلا بظهور الدم وبروزه، ط: دار المعرفة - بيروت، بن طباعت: ۱۴۱۳ھ - ۱۹۹۳ء)

اعتبار سے حائضہ ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اسی وجہ سے حضرات علماء اور فقہائے عظام نے لکھا ہے کہ ”عورت کے حیض آنے کی عادت کبھی کبھی بدلتی بھی رہتی ہے۔“<sup>(۲)</sup>

آپ نے جو عقلی باتیں لکھی ہیں، وہ ماننے کے قابل نہیں ہیں، ان پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، حیض آنے سے عورت حائضہ گردانی جائے گی، محض تاریخ اور دن کے آنے سے نہ وہ حائضہ گردانی جائے گی اور نہ اس پر حائضہ ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتب: امراہیم بنات ثغرلہ (۱۹۸۶/۸/۳ء)

## [۲] استقاط حمل کے بعد نفاس کی مدت کا بیان

## [۳] حالت نفاس میں عورت دعاء کر سکتی ہے؟

۵۲۱- سوال: عورت کا حمل اگر ساقط ہو گیا ہو اور پندرہ سولہ دن گزر جانے کے بعد وہ نہادھو کر کپڑے بدل کر نماز پڑھنا چاہے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا چاہے، تو کیا اس کی اجازت ہے؟ یا چالیس روز پورے کرنا ضروری ہے، نیز ان دنوں میں وہ دعاء کس طرح کرے گی؟ بیّنوا تو جروا۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

حمل کا ساقط ہونا پانچ مہینوں پر ہوا ہو اور اس میں گوشت کے ٹکڑے جیسی کوئی چیز ظاہر ہوئی ہو، تو اس کے بعد جو خون خارج و ظاہر ہوگا، وہ ”نفاس کا خون“ کہلائے گا۔<sup>(۱)</sup>

اگر اس عورت کو پہلے کوئی بچہ پیدا ہوا ہو، اس وقت جتنی مدت اس کو خون آیا تھا، اتنی مدت اس وقت

(۲) (قال) وإذا كان حيضها خمسة أيام فزاد الدم عليها فالزيادة دم حيض معها إلى تمام العشرة لأن عادة المرأة في جميع عمرها لا تبقى على صفة واحدة بل تزداد تارة وتنقص أخرى بحسب اختلاف طبعها في كل وقت. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل، شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ) ۱۶/۲، باب صلاة المستحاضة، ط: دار المعرفة - بيروت، ۱۳۱۳ھ - ۱۹۹۳ء)

(۱) (وسقط) مثلث السين: أي مسقوط (ظهر بعض خلقه كيد أو رجل) أو أصبع أو ظفر أو شعر، ولا يستبين خلقه إلا بعد مائة وعشرين يوماً (ولد) حكما (فتصير) المرأة (به نفساء والأمة أم ولد ويحث به) في تعليقه، وتنقضي به العدة، فإن لم يظهر له شيء فليس بشيء. (الدر المختار مع الرد: ۳۰۲-۳۰۳، باب الحيض، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ فتح القدير: ۱/۱۸۹، كتاب الطهارات، فصل في النفاس، ط: زكريا - ديوبند)

بھی خون آجائے، پھر بند ہو جائے، تو وہ اسی وقت سے پاک سمجھی جائے گی، اس کے بعد وہ نہادھو کر کپڑے بدل کر نماز پڑھے گی اور اس کے لیے تلاوت کرنا جائز ہوگا، اور اگر پہلی ہی مرتبہ خون آیا ہے، تو خون بند ہو جانے سے وہ پاک ہو جائے گی، اس کے بعد وہ نماز و روزے اور تلاوت شروع کر دے، چالیس دن کا انتظار کرنا ضروری نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup> لیکن وہ دعائیں تو ہر حال میں کر سکتی ہے۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بنات مغرلہ (۱۹۸۶/۹/۱۷ء)

## [۴] اسقاط حمل کے بعد کتنی مدت تک خون کا انتظار کرے؟

۵۲۲-سوال: ایک خاتون کو تین چار بچہ ہونے کے بعد تین چار مرتبہ اسقاط حمل ہو چکا ہے، ان اسقاط حمل کے موقع پر شرعاً کتنی مدت تک، نماز و روزہ کے لیے انتظار کرنا چاہیے؟ بیوا تو جروا۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

اسقاط حمل کے بعد آنے والے خون کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اگر حمل میں بچے کے اعضاء بن چکے تھے، پھر اسقاط ہوا، اس صورت میں اسقاط کے بعد آنے والا خون ”نفاس کا خون“ کہلائے گا، جس کی مدت کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ دیکھا جائے گا کہ اگلے بچوں کی ولادت کے موقع پر اس کو کتنی مدت تک خون آیا تھا، اس کے مطابق اس پر نفاس کا حکم لگایا جائے گا، اگر سابقہ

(۲) "والسقط الذي استبان بعد خلقه ولد" حتى تصير المرأة به نفساء وتصير الأمة أم ولد به وكذا العدة تنقضي به "وأقل النفاس لا حد له... وأكثره أربعون يوماً والزائد عليه استحاضة" لحديث أم سلمة رضي الله عنها أن النبي عليه الصلاة والسلام وقت للنفساء أربعين يوماً... فإن جاوز الدم الأربعين وقد كانت ولدت قبل ذلك ولها عادة في النفاس ردت إلى أيام عاداتها "لما بينا في الحيض" وإن لم تكن لها عادة فابتداء نفاسها أربعين يوماً "لأنه أمكن جعله نفاساً". (الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۳۵/۱، كتاب الطهارات، فصل في النفاس، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت) مزيد تفصيل کے لیے دیکھیے: الاختيار لتعليل المختار - عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفی (م: ۷۸۳ھ): ۳۰/۱، كتاب الطهارة، فصل في أحكام النفساء، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة ☆ الجوهرة النيرة - أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزبيدي اليمني الحنفی (م: ۸۰۰ھ): ۳۵/۱، كتاب الطهارة، باب الحيض، دم النفاس، ط: المطبعة الخيرية

(۳) ويجوز للجنب والحائض الدعوات وجواب الأذان ونحو ذلك في السراجية. (الفتاوى الهندية: ۳۸/۱، كتاب الطهارة، الباب السادس، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة، ط: دار الفكر - بيروت)

عادت کے موافق خون بند ہو گیا ہو، تو وہ نہاد ہو کر نماز ادا کرے گی۔ اگر خون چالیس دن سے تجاوز کر جائے، تب بھی وہ پچھلی عادت کے مطابق مثلاً ۲۵ دن کے خون کو نفاس شمار کرے گی اور بقیہ خون استحاضہ کا شمار ہوگا، ہاں اگر خون سابقہ عادت سے تجاوز کر جائے، لیکن چالیس دن یا اس سے کم ہو، تو مکمل مدت، نفاس کی ہوگی اور یوں سمجھا جائے گا کہ اس کی نفاس کے تعلق سے عادت بدل گئی ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۲) اگر اسقاط حمل اس حال میں ہوا کہ بچے کا کوئی عضو نہیں بنا ہے، صرف خون ہی نظر آیا ہے، تو وہ خون حیض کا کہلائے گا، حیض کی جو عادت ہے، اتنے دن گزرنے کے بعد غسل کر کے نماز وغیرہ شروع کر دے گی، عادت سے بڑھ جائے اور دس دن سے بھی تجاوز کر جائے، تو عادت سے زائد جتنا بھی خون آیا ہے، سب استحاضہ کہلائے گا؛ لیکن دس دنوں کے اندر ہے، تو حیض کہلائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ حیض کے متعلق اس کی عادت بدل گئی ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ احمد ابراہیم بیات غفرلہ

۱۹۸۶/۱۰/۲ء

## [۵] ایام حیض کے دوران ایک دن کے لیے خون بند ہو جائے، تو کیا حکم ہے؟

۵۲۳-سوال: حیض کے ایام میں اگر کسی عورت کو تھوڑی دیر کے لیے یا ایک دن کے لیے خون بند رہتا ہو، پھر جاری ہوتا ہو اور عادت ایسا ہوتا رہتا ہو، تو کیا وہ عورت اس وقت میں نماز ادا کرے گی؟

### الجواب حامداً ومصلياً:

دو حیض کے درمیان کم از کم پندرہ دن کا فاصلہ ضروری ہے، اگر پندرہ دن کے فاصلہ کے بعد خون آنا شروع ہوا اور زیادہ سے زیادہ دس دن جاری رہا یا کم از کم تین دن رہا، تو اس کو حیض کہا جائے گا، ان ایام

(۱) تقدم تخريجه تحت عنوان: اسقاط حمل کے بعد نفاس کی مدت کا بیان۔

وكذا النفاس فإن رأيت لا على العادة ولم يجاوز الأربعين انتقلت. هكذا في المحيط وإذا جاوز الأربعين ولها عادة في النفاس ردت إلى أيام عاداتها سواء كان ختم معروفتها بالدم أو بالطهر عند أبي يوسف. هكذا في السراج الوهاج. (الفتاوى الهندية: ۴۰/۱، كتاب الطهارة، الباب السادس، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲) والمرئي حيض إن دام ثلاثاً وتقدمه طهر تام وإلا استحاضة. (الدر المختار مع الرد: ۳۰۳/۱، باب الحيض، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

میں نماز جائز نہیں، معاف ہے، اور روزہ بھی ممنوع ہے، مگر اس کی قضا واجب ہوگی۔<sup>(۱)</sup> اگر ان تین دن یا دس دن کے درمیان ایک دو دن خون بند رہے، تب بھی ان ایام کو حیض ہی کے حکم میں شمار کیا جائے گا۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۶] نفاس کے بند ہونے کے ایک ہفتہ بعد آنے والے خون کا حکم

۵۲۴-سوال: ایک عورت کو پہلی ولادت کے بعد چالیس دن تک خون آیا، پھر بند ہو گیا، ایک ہفتہ کے وقفے کے بعد دوبارہ خون جاری ہو گیا، تو کیا اس حالت میں وہ نماز پڑھ سکتی ہے؟ اور اس خون کا کیا حکم ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

ولادت کے بعد چالیس دن سے زیادہ جو خون آیا، وہ بیماری کا ہے، اس کو استحاضہ کہتے ہیں۔<sup>(۳)</sup> اس کے احکام پاکی کی حالت جیسے ہیں، نفاس کے چالیس دن کے بعد اس عورت پر نماز فرض ہے؛ لہذا ان دنوں میں حسب معمول نماز پڑھے۔<sup>(۴)</sup> صرف ایک ہفتہ کے وقفے کے بعد آنے والا خون حیض کا نہیں ہے، اگر پندرہ دن کا وقفہ ہو، تو حیض ہوگا۔<sup>(۵)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) (وأقل الطهر) بين الحيضين أو النفاس والحيض (خمسة عشر يوما) ولياليها إجماعا... (وماتراه) من لون ككدرة وتربية (في مدته) المعتادة (سوى بياض خالص)... (ولو) المرئي (طهرا متخللا) بين الدمين (فيها حيض)؛ لأن العبرة لأوله وآخره وعليه المتون فليحفظ.... (يمنع صلاة) مطلقا ولو سجدة شكر (وصوما) وجماعا (وتقضيته) لزومادونها للحر ج. (الدر مع الرد: ۱/۲۸۵-۲۹۱، كتاب الطهارة، باب الحيض، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲) الطهر المتخلل بين الدمين والدماء في مدة الحيض يكون حيضا. (الفتاوى الهندية: ۱/۳۶، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدماء المختسة بالنساء، ط: مكتبة رشيدية-پاکستان)

(۳) (والنفاس) لغة: ولادة المرأة. وشرعا (دم)... (يخرج) من رحمها... (عقب ولد) أو أكثره... (لا حد لأقله)... (وأكثره أربعون يوما) كذا رواه الترمذي وغيره... (والزائد) على أكثره (استحاضة) لو مبتدأة. (الدر مع الرد: ۱/۲۹۹-۳۰۰، كتاب الطهارة، باب الحيض، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۴) (ودم استحاضة) حكمه (كرعاف دائم) (لا يمنع صوما وصلاة) (ولو نفلا) (وجماعا). (الدر مع الرد: ۱/۲۹۸، كتاب الطهارة، باب الحيض)

(۵) (وأقل الطهر) بين الحيضين أو النفاس والحيض (خمسة عشر يوما) ولياليها إجماعا. (الدر مع الرد: ۱/۲۸۵، وفي الشامية: هذا إذا لم يكن في مدة النفاس. (رد المحتار: ۱/۲۸۵، كتاب الطهارة، باب الحيض)

## [۷] عورت نفاس کا غسل کیسے کرے؟

۵۲۵-سوال: ولادت کے چالیس دن بعد عورت کے لیے نفاس کے غسل کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

**الجواب حامدًا ومصلياً:**

ولادت کے بعد چالیس دنوں کے درمیان جب تک خون آتا رہے، اُس وقت تک عورت پر نماز فرض نہیں ہے، اور غسل بھی فرض نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup> لیکن عورت کو چاہیے کہ نظافت کے پیش نظر غسل کرتی رہے۔<sup>(۲)</sup>

جب نفاس کا خون بند ہو جائے، گرچہ چالیس دن مکمل نہ ہوئے ہوں؛ تو اُس وقت سے عورت پر غسل اور نماز دونوں فرض ہو جائیں گے؛ لہذا اُسے چاہیے کہ وہ غسل کر لے اور نماز پڑھنا شروع کر دے۔<sup>(۳)</sup> اگر چالیس دن مکمل ہو جانے کے بعد بھی خون جاری رہے، تو وہ بیماری کا خون کہا جائے گا، جو غسل اور نماز سے مانع نہیں ہے، لہذا چالیس دن مکمل ہو جانے کے بعد اُسے چاہیے کہ غسل کر لے اور نماز شروع کر دے اور اس حالت میں اُس پر روزے بھی فرض ہوں گے۔<sup>(۴)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) (وأما) حكم الحيض والنفاس فمنع جواز الصلاة، والصوم، وقرءة القرآن. (بدائع الصنائع: ۱/۲۴، كتاب الصلاة، الاستحاضة وأحكامها، قبيل فصل التيمم، ط: دار الكتب العلمية- ديوبند)

(۲) (قوله ثم ذكر أحكامه) ... منها: أن يمنع صحة الطهارة إلا التي يقصد بها التنظيف كأغسال الحج، ولا يحرمها لقولهم يستحب لها أن تتوضأ كل صلاة وتقع على مصلاها تسبح وتهلل وتكبر بقدر أدائها كي لا تنسى عادتها. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۲۹۰، كتاب الطهارة، باب الحيض)

(۳) ومنها: (أي من الأحكام التي يشترك فيها الحيض والنفاس ثمانية) وجوب الاغتسال عند الانقطاع. هكذا في الكفاية. (الفتاوى الهندية: ۱/۳۹، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء الخ، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة، ط: دار الفكر- بيروت)

[۲] (والنفاس) لغة: ولادة المرأة. وشرعا (دم) ... (يخرج) من رحمها ... (عقب ولد) أو أكثره ... (لا حد لأقله) ... (وأكثره أربعون يوما) كذا رواه الترمذي وغيره ... (والزائد) على أكثره (استحاضة) لو مبتدأة. (الدر مع الرد: ۱/۲۹۹-۳۰۰، كتاب الطهارة، باب الحيض، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

قال ابن نجيم المصري (م: ۷۰: ۹۷ھ): (قوله: ولا حد لأقله) أي النفاس ... وذكر شيخ الإسلام في مبسوطه اتفاق أصحابنا على أن أقل النفاس ما يوجد فإنها كما ولدت إذا رأت الدم ساعة ثم انقطع الدم عنها فإنها تصوم وتصلي وكان ما رأت نفاسا لا خلاف في هذا بين أصحابنا. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۱/۲۳۰، كتاب الطهارة، باب الحيض، أقل النفاس، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(و دم استحاضة) حكمه (كر عاف دائم) وقتنا كاملا (لا يمنع صوما وصلاة) ولو نفلا (وجماعا) لحديث توشني وصلي وإن قطر الدم على الحصى. (الدر مع الرد: ۱/۲۹۸، كتاب الطهارة، باب الحيض، ط: بيروت)

## [۸] حیض کے بند ہونے کے بعد عورت غسل کیسے کرے؟

۵۲۶-سوال: حیض کے بند ہونے کے بعد غسل کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ جہالت کی وجہ سے بہت سی عورتیں اس غسل میں غیر دینی رسوم و روایات کی پابندی کرتی ہیں، مثلاً یہ کہ غسل کے وقت قبلہ رخ ہونا ضروری سمجھتی ہیں، پانی دم کروا کے پیتی ہیں، تو ان رسوم کے ساتھ غسل کرنے سے غسل صحیح ہوگا؟ اور ایسے غسل کے ذریعہ جو نمازیں پڑھی جاتی ہیں اور تلاوت کی جاتی ہے، ان کا کیا حکم ہے؟

### الجواب حامداً ومصلياً:

حیض کے بند ہونے کے بعد کا غسل بھی نفاس کے غسل کی طرح ہے، جس میں مسنون دعاؤں کے علاوہ کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ اس کے صرف تین فرائض ہیں: (۱) کلی کرنا، (۲) ناک میں پانی ڈالنا اور (۳) پورے بدن پر اس طرح پانی بہانا کی کوئی عضو خشک نہ رہ جائے۔<sup>(۱)</sup>

حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے، اگر اُس سے زائد خون جاری رہے، تو اسے بیماری (استحاضہ) کا خون کہا جائے گا، لہذا عورت کو چاہیے کہ دس دن کے بعد غسل کر کے نماز شروع کر دے اور روزہ بھی رکھے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) قال الله تعالى: وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا. (۵- المائدة: ۶) و في الهداية: وفرض الغسل: المضمضة والاستنشاق وغسل سائر البدن. (۱/۲۹۱، كتاب الطهارة، فصل في الغسل)  
قال الكاساني: (وأما) ركنه فهو إسالة الماء على جميع ما يمكن إسالته عليه من البدن من غير حرج مرة واحدة، حتى لو بقيت لمعة لم يصبها الماء لم يجز الغسل، وإن كانت يسيرة؛ لقوله تعالى {وإن كنتم جنباً فاطهروا}، أي: طهروا أبدانكم، واسم البدن يقع على الظاهر والباطن، فيجب تطهير ما يمكن تطهيره منه بلا حرج، ولهذا وجبت المضمضة، والاستنشاق في الغسل. (بدائع الصنائع: ۱/۱۳۲، كتاب الطهارة، تفسير الغسل، ط: زكريا، ديوبند)  
مزید دیکھیے: كنز الدقائق مع البحر: ۱/۸۶، كتاب الطهارة، ط: دار الكتب ديوبند، غنية المستملی في شرح منية المصلي: ۲۱، ط: دار الكتب، ديوبند۔

(۲) و (أقله ثلاثة بليلياتها) الثلاث، ... (وأكثره عشرة) بعشر ليال، كذا رواه الدارقطني وغيره. (والناقص) عن أقله (والزائد) على أكثره أو أكثر النفاس أو على العادة وجاوز أكثرهما. (وماتراه) صغيرة دون تسع على المعتمد وآيسة على ظاهر المذهب (حامل) ولو قبل خروج أكثر الولد (استحاضة). (وأقل الطهر) بين الحيضتين أو النفاس والحيض (خمسة عشر يوماً) ولياليها إجماعاً (ولا حد لأكثره). [الدر المختار مع الرد: ۱/۲۸۵-۲۸۴،

## [۹] خالص سفید پانی حیض نہیں ہے

۵۲۷-سوال: بعض عورتوں کو بیماری یا کسی عذریہ یا کمزوری کی بنا پر اکثر حیض آنے سے ایک دو دن قبل سفید پانی آنا شروع ہو جاتا ہے، تو ایسی حالت میں جماع کرنا کیسا ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

بالکل سفید پانی ہو، تو وہ حیض نہیں ہے، حیض کی مدت سے قبل یا حیض کی مدت کے بعد اس طرح پانی آتا ہے، تو ایسی حالت میں شرعی اعتبار سے وطی کرنا جائز ہے۔<sup>(۱)</sup> اس میں ذرا بھی کسی قسم کا رنگ ہو، تو وہ حیض شمار ہوگا۔<sup>(۲)</sup> حیض کے ایام میں وطی کرنا جائز نہیں ہے۔

حیض کی اقل مدت ۳ دن اور اکثر مدت ۱۰ دن ہے، اس سے کم یا زیادہ استحاضہ ہے، دو حیض کے درمیان کم از کم ۱۵ دن کا فاصلہ ہوتا ہے اور زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= ومنها: (أي من الأحكام التي يشترك فيها الحيض والنفاس ثمانية) وجوب الاغتسال عند الانقطاع. هكذا في الكفاية. (الفتاوى الهندية: ۳۹/۱، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء الخ، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس والاستحاضة، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۱) (وما تراه) من لون ككدره وتربية (في مدته) المعتادة (سوى بياض خالص) قيل هو شيء يشبه الخيط الأبيض (ولو) المرئي (طهر امتخللا) بين الدمين (فيها حيض). [الدر المختار رد المحتار: ۲۸۹/۱-۲۹۰، كتاب الطهارة، باب الحيض، ط: دار الكتب العلمية-بيروت]

(۲) اعلم أن ألوان الدماء ستة: هذان والسواد والحمرة والصفرة والخضرة. ثم الكدرة ما هو كالماء الكدر، والتربية نوع من الكدرة على لون التراب بتشديد الياء وتخفيفها بغير همزة نسبة إلى التراب بمعنى التراب، والصفرة كصفرة الفز والتبن أو السن على الاختلاف؛ ثم المعبر حالة الرؤية لا حالة التغير؛ كما لو رأت بياضا فاصفر بالبيس أو رأت حمرة أو صفرة فابيضت بالبيس. (رد المحتار: ۲۸۹/۱، كتاب الطهارة، باب الحيض، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۳) و (أقله ثلاثة بلاليها) الثلاث، ... (وأكثره عشرة) بعشر ليال، كذا رواه الدارقطني وغيره. (والناقص) عن أقله (والزائد) على أكثره أو أكثر النفاس أو على العادة وجاوز أكثرهما. (وما تراه) صغيرة دون تسع على المعتمد وآيسة على ظاهر المذهب (حامل) ولو قبل خروج أكثر الولد (استحاضة). (وأقل الطهر) بين الحيضتين أو النفاس والحيض (خمسة عشر يوما) ولياليها إجماعا (ولا حد لأكثره). [الدر المختار مع الرد: ۲۸۵/۱-۲۸۴،

كتاب الطهارة، باب الحيض، ط: دار الكتب العلمية-بيروت]



## [۱۰] حیض کی اکثر مدت ختم ہونے کے بعد غسل سے قبل وطی کرنا

۵۲۸-سوال: کیا حائضہ عورت سے حیض کی اکثر مدت دس دن، مکمل ہو جانے کے بعد، غسل

سے قبل وطی کرنا جائز ہے؟ بیذواتو جروا۔

**الجواب حامدا ومصليا:**

صورت مسؤلہ میں ایسی عورت سے ہم بستری کرنا جائز ہے، البتہ مستحب ہے کہ غسل کے بعد

کرے۔ (درمختار: جلد: ۱، صفحہ: ۱۵۶) <sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۱] اگر ولادت کے بعد خون نہ دکھائی دے

۵۲۹-سوال: ایک مسلم خاتون کو آپریشن سے بچنے کی ولادت ہوئی، جس کی وجہ سے دم نفاس

اگلی شرم گاہ سے ظاہر نہیں ہوا، تو ایسی عورت کے لیے نماز اور روزے کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ عورت ”نفساء“ کہی جائے گی؟ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

**الجواب حامدا ومصليا:**

بچہ کی ولادت کی وجہ سے عورت ”نفساء“ کے حکم میں ہوگی؛ اس لیے غسل فرض ہوگا، اور اس دن کا

روزہ صحیح نہ ہوگا: فلو لم تره هل تكون نفساء؟ المعتمد نعم۔ (درمختار مع شامی: ۱/۲۹۹) امام ابوحنیفہؒ کا مسلک

یہی ہے۔ <sup>(۲)</sup>

(۱) (ويحل وطؤها إذا انقطع حيضها لأكثره) بلا غسل وجوبا بل ندبا. (الدر المختار مع الرد المختار: ۱/۲۹۳،

كتاب الطهارة، باب الحيض، ط: بيروت)

إذا مضى أكثر مدة الحيض وهو العشرة يحل وطؤها قبل الغسل مبتدأة كانت أو معتادة ويستحب له أن لا يطأها حتى

تغتسل. هكذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/۳۹، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدماء المختصة

الخ...، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفس والاستحاضة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ مزید دیکھیے: مراقی

الفلاح، ص: ۳۵، كتاب الطهارة، باب الحيض والنفس والاستحاضة، ط: زكريا-ديوبند)

(۲) ولو ولدت، ولم تر دما، لا يجب الغسل عند أبي يوسف، وهو رواية عن محمد، قال في المفيد: هو الصحيح؛

لكن يجب عليها الوضوء بخروج النجاسة مع الولد. هكذا في التبيين، وعن أبي حنيفة - رحمه الله - يجب الغسل،

وأكثر المشايخ أخذوا بقوله، وبه كان يفتي الصدر الشهيد. هكذا في المحيط، وقال أبو علي الدقاق وبه نأخذ. =

اس لیے بچہ پیدا ہونے کے بعد غسل کر کے نماز شروع کر دے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= كذا في المضمرة، وفي الفتاوى: هو الصحيح. هكذا في الجوهرة النيرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۳۷، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الثاني في النفاس، ط: دار الفكر - بيروت) قوله: "وقدمنا لزوم غسلها احتياطاً" وإن لم تكن نفساء، ويبطل صومها، وقيل: بل هي نفساء عنده، لعدم خلو الولد عن قليل دم غالباً، أو لأن نفس خروج النفس نفاس، وأكثر المشايخ على قول الإمام، وصححه أيضاً في الفتاوى. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱هـ): ۱/ ۴۰، كتاب الطهارة، باب الحيض والنفاس والإستحاضة، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

والمعذور هو الذي لا يمضي عليه وقت صلاة إلا والحديث  
الذي ابتلى به موجود، حتى لو انقطع الدم وقتاً كاملاً خرج من  
أن يكون صاحب عذر من وقت الانقطاع. (الاختيار لتعليق الحارثي: ۳۰/۱)

## باب أحكام المعذورين

[معذورین کے احکام]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب احکام المعذورین

[معذورین کے احکام]

### [۱] معذور کے لیے وضو کا حکم

۵۳۰-سوال: مجھے خروجِ ریح کا مرض ہے، وضو کرتا ہوں؛ لیکن زیادہ دیر وضو نہیں رہتا ہے، کافی علاج کراچکا ہوں، مگر ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ تمہارے معدے میں خرابی ہے؛ اس لیے تمہارا یہ حال ہے۔ اسی طرح مجھے شوگر (ذیابیطس) کا بھی مرض ہے، جس کی وجہ سے استنجاء کے بعد کبھی قطرہ دو قطرہ نکل جایا کرتا ہے، حالاں کہ بہت ہی احتیاط کرتا ہوں، مگر بیماری سے مجبور ہوں، تو ایسی صورت میں میرے لیے نماز، تلاوت ذکر وغیرہ کے متعلق کیا حکم ہے؟ جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

آپ نے جو عذر، خروجِ ریح اور پیشاب کا ذکر کیا ہے، اگر اس کے لیے کوئی بھی تدبیر کارگر نہ ہو اور اس کا روکنا قابو سے باہر ہو، تو پھر اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ ”عذر“ ایک نماز کے پورے وقت تک برابر قائم رہے، یعنی اتنا وقت نہ ملے کہ اس میں طہارت کے ساتھ آپ فرض نماز پڑھ سکیں، تو شرعاً آپ ”معذور“ ہیں۔<sup>(۱)</sup> اور معذور کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت نیا وضو کرے، پھر اس وضو سے جس قدر نماز پڑھنا چاہے، پڑھ سکتا ہے، اب اس مرض کے پیش آنے کی وجہ سے اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔ \_\_\_\_\_ اگر کسی شخص کو زخم ہو اور مسلسل رطوبت بہتی رہتی ہو یا عورت کو استحاضہ کا مرض ہو اور خون جاری رہتا ہو، یا کسی کو ریح خارج

(۱) والمعذور هو الذي لا يمضي عليه وقت صلاة إلا والحديث الذي ابتلي به موجود، حتى لو انقطع الدم وقتنا كاملا خرج من أن يكون صاحب عذر من وقت الانقطاع. (الاختيار لتعليل المختار - عبد الله بن محمود الموصلي (م: ۶۸۳ھ): ۳۰/۱، كتاب الطهارة، فصل أحكام أهل الأعذار، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة ☆ مزید دیکھیے: البحر الرائق: ۳۷۶/۱، كتاب الطهارة، باب الحيض: حيض المبتدأة ونفاسها. ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۳۰۵/۱، كتاب الطهارة، باب الحيض، ط: دار الفکر - بيروت، الطبعة الثانية: ۱۳۱۲ھ - ۱۹۹۲ء)

ہونے کی بیماری ہو، تو ان سب کے لیے بھی یہی حکم ہے، یعنی ان کا یہ عذر ایک نماز کے وقت کو گھیر لے اور اتنی بھی فرصت نہ ملے کہ طہارت کے ساتھ کم از کم فرض نماز ادا کر سکے، تو یہ شرعاً معذور ہیں، اب ان کو صرف ہر نماز کے وقت نیا وضو کرنا ہوگا۔ نیز یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ جس عذر سے وہ معذور ہوئے ہیں، اس کے پیش آنے سے ان کا وضو نہ ٹوٹے گا، البتہ اس عذر کے علاوہ وضو کو توڑنے والی دوسری چیزوں کے پیش آنے سے وضو ٹوٹ جائے گا، جیسے پیشاب کے مریض کو ریح خارج ہوئی، تو ریح سے اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔<sup>(۲)</sup>

معذور کے لیے ہر نماز کے وقت نیا وضو کرنا ضروری ہے، مثلاً غروب آفتاب کے بعد (مغرب کے لیے) اس نے وضو کیا، تو عشاء کا وقت داخل ہونے کے بعد عشاء کی نماز کے لیے دوسرا وضو ضروری ہوگا اور اگر غروب آفتاب سے پہلے مغرب کا وضو کیا، تو آفتاب غروب ہونے کے بعد وہ وضو ٹوٹ جائے گا، مغرب کا وقت داخل ہونے کے بعد دوسرا وضو کرنا لازم ہوگا۔

اور پھر ایک مرتبہ شرعی معذور بن جانے کے بعد اس عذر کے باقی رہنے کے لیے ہر نماز کے وقت میں کم از کم ایک مرتبہ اس مرض کا پایا جانا ضروری ہے، اگر نماز کا کوئی وقت اس سے خالی گیا، یعنی اس میں ایک بار بھی وہ مرض نہیں پایا گیا، تو پھر اس کا شرعی معذور ہونا ختم ہو جائے گا، اور اس پر دوبارہ صاحب عذر کے احکام جاری ہونے کے لیے مذکورہ بالا شرط کا پایا جانا ضروری ہوگا۔<sup>(۳)</sup>

(۲) عن عدي بن ثابت عن أبيه عن جده عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال في المستحاضة: تدع الصلاة أيام أقرانها التي كانت تحيض فيها، ثم تغتسل وتتوضأ عند كل صلاة، وتصوم وتصلي. (سنن الترمذي: ۳۳، رقم الحديث: ۱۲۶، باب ما جاء أن المستحاضة تتوضأ لكل صلاة، كتاب الطهارة، ط: مكتبة البدر - ديوبند)

المستحاضة ومن به سلسل بول أو استطلاق بطن أو انفلات ریح أو عاف دائم أو جرح لا يرقأ يتوضؤون لوقت كل صلاة، ويصلون به في الوقت ما شاؤا من فرض ونفل، ويبطل بخروجه فقط. (ملتنقى الأبحر - إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلي الحنفي (م: ۹۵۶ھ) : ۸۳/۱، كتاب الطهارة، فصل: قبل باب الحيض، ط: دار الكتب العلمية - لبنان/بيروت، الطبعة الأولى: ۱۳۱۹ھ - ۱۹۹۸ء)

وقال الكاساني: فخروج النجس من هؤلاء لا يكون حدثا في الحال ما دام وقت الصلاة قائما... وإنما تبقى طهارة صاحب العذر في الوقت إذا لم يحدث حدثا آخر أما إذا أحدث حدثا آخر، فلا تبقى. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ) : ۲۷-۲۸، فصل بيان ما ينقض الوضوء، ط: دار الكتب العلمية، الطبعة الثانية: ۱۳۰۶ھ - ۱۹۸۶ء)

(۳) فالحاصل أن صاحب العذر ابتداء من استوعب عذره تمام وقت صلاة ولو حكما؛ لأن الانقطاع اليسير ملحق بالعدم وفي البقاء من وجد عذره في جزء من الوقت وفي الزوال يشترط استيعاب الانقطاع حقيقة. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ) : ۳۷۷/۱، كتاب الطهارة، باب الحيض، ط: دار الكتب، ديوبند)

اور اگر کسی کا مرض اس قدر شدید نہ ہو کہ دو دو منٹ پر مثلاً خروج ریح یا پیشاب کا قطرہ ٹپکتا ہو؛ بل کہ وضو کر کے فرض نماز پڑھنے کا موقع مل جاتا ہو، تو ایسا شخص شرعاً معذور نہیں کہلائے گا، اس کے لیے لازم ہوگا کہ وہ پاکی کی حالت میں فرض نماز ادا کرے۔ اور پیشاب کا قطرہ ایک ہو یا دو، بہر حال اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲] سلسل البول کے مریض کے لیے طہارت کا حکم اور اس کا طریقہ

۵۳۱-سوال: ایک شخص کو پیشاب کی ایسی بیماری ہے کہ بار بار اس کا وضو ٹوٹتا رہتا ہے اور نماز میں اس کو بڑی تکلیف ہوتی ہے، تو اس کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصلياً:

پیشاب کے قطرات اس کثرت سے آتے ہوں کہ نماز کا مکمل وقت اسی حالت میں گزر جائے اور اتنا بھی وقت نہ ملے کہ طہارت حاصل کر کے فرض نماز ادا کی جاسکے، تو ایسی صورت میں یہ شخص معذور کہلائے گا، اور معذور کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت نیا وضو کرے، پھر اس وضو سے جس قدر نماز پڑھنا چاہے، پڑھ سکتا ہے، اب اس مرض کے پیش آنے کی وجہ سے اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا، دوسری نماز کا وقت ہونے پر دو بارہ کپڑے اور بدن کی ناپاک جگہوں کا دھونا ضروری ہوگا اور دو بارہ وضو کر کے وہ نماز پڑھے گا، جب تک نماز کا وقت باقی ہے اس کا وضو ہے گا، نماز کا وقت نکل جانے پر اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، خواہ دوسرا کوئی ناقض وضو امر پیش آیا ہو یا نہ آیا ہو، ہر نماز کے لیے اسی طرح وہ کرتا رہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱۹۸۶/۹/۱۷ء)

کتبہ: احزابہم بیات مغرلہ

## [۳] خروج ریح کے مریض کے لیے شرعی حکم

۵۳۲-سوال: ایک آدمی کو خروج ریح کی بیماری ہے، وہ چار رکعت نماز بھی نہیں پڑھ پاتا کہ وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

(۱) منها [من نواقض الوضوء] ما يخرج من السبيلين من البول والغائط والريح الخارجة من الدبر. (الفتاویٰ الہندیة: ۹/۱، الباب الأول فی الوضوء، الفصل الخامس فی نواقض الوضوء، ط: دار الفکر - بیروت)

(۲) تقدم تخريجه تحت عنوان: معذور کے لیے وضو کا حکم۔

## الجواب حامدا ومصليا:

ایسا شخص جو وضو کرنے کے بعد چار رکعت نماز بھی نہیں پڑھ پاتا کہ خروجِ ریح ہو جاتا ہے، اس کو چاہیے کہ حتی الامکان طہارت کے ساتھ نماز پڑھنے کی کوشش کرے، مثلاً اگر کھڑے ہو کر پڑھنے سے خروج ہوتا ہے، تو بیٹھ کر رکوع و سجدہ کر کے پڑھے، اگر اس سے بھی ریح خارج ہو جاتی ہے، تو بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے، لیکن کوشش ہو کہ خروجِ ریح نہ ہو؛ اس لیے کہ طہارت کے ساتھ نماز پڑھنا افضل ہے، بغیر طہارت کے نماز پڑھنے سے: کمافی مراقی الفلاح: "ومن به عذر كسلس بول أو استطلاق بطن" و انفلات ریح و رعاف دائم و جرح لا یرقا و لا یمكن حبسه بحشو من غیر مشقة و لا بجلوس و لا بالإيماء في الصلاة فبهذا يتوضؤون "لوقت كل فرض" ... الخ (مراقی الفلاح، ص: ۸۰) <sup>[۱]</sup> وفي الذر: يجب رد عذره أو تقيله بقدر قدرته ولو بصلاته موميا، و برده لا يبقى ذا عذر بخلاف الحائض. (ج: ۱، ص: ۲۰۳) <sup>[۲]</sup> وفي البحر: ومتى قدر المعذور على رد السيلان برباط أو حشو أو كان لو جلس لا يسيل ولو قام سال و جب برده، و خرج برده عن أن يكون صاحب عذر. (ج: ۱، ص: ۲۱۶) <sup>[۳]</sup>

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ حتی الامکان کوشش ہو عذر دفع کرنے کی، اور اگر عذر دفع ہو گیا، تو صاحب عذر نہ رہا؛ لیکن اگر کسی بھی صورت میں دفع نہ ہو، تو یہ شخص صاحب عذر ہے؛ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر فرض نماز کے وقت وضو کرے، اور اس وقت میں جتنی فرض، سنت اور نفل نماز پڑھنی چاہے، پڑھے؛ لیکن جب اس فرض نماز کا وقت نکل جائے، تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، یعنی صاحب عذر کا وضو اس وقت تک رہتا ہے، جب تک کہ اس نماز کا وقت نہ نکل جائے۔

فقہاء نے لکھا ہے: (و حکمہ الوضوء... لكل فرض) اللام للوقت... (ثم یصلی) بہ (فیہ فرضا و نفلا) فدخل الواجب بالأولی (فإذا خرج الوقت بطل) أي: ظهر حدثه السابق. (الدر المختار، ج: ۱، ص: ۲۸۱، و مثله في البحر الرائق: ج: ۱، ص: ۲۱۵، غنية، ص: ۲۳۳، طحطاوی: ص: ۸۰،

[۱] مراقی الفلاح شرح متن نور الإيضاح - حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی المصري الحنفی (م: ۱۰۶۹ھ)، ص: ۶۳، کتاب الطهارة، باب الحيض والنفس والاستحاضة، اعتنى به وراجعته: نعيم زرور، ط: المكتبة العصرية

[۲] الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۳۰۷-۳۰۸، باب الحيض، مطلب في أحكام المعذور، ط: بيروت.

[۳] البحر الرائق شرح كنز الدقائق - زين الدين بن إبراهيم، المعروف بابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ)، ۱/۲۲۷،

باب الحيض، ط: دار الكتاب الإسلامي

ملتی مع شرحیہ: ج ۱ ص: ۵۶، وغیرہ)

لیکن اگر اس عذر کے علاوہ نواقض وضو میں سے کوئی دوسرا حدث لاحق ہو گیا، تو پھر اس حدثِ آخر کی وجہ سے دوبارہ، وضو کرنا پڑے گا، کما فی اکثر الکتب الفقہیہ۔<sup>(۱)</sup> فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] جس کو بار بار ریح خارج ہوتی رہتی ہو، اس کے لیے کیا حکم ہے؟

۵۳۳-سوال: ایک شخص کو ہمیشہ ریح خارج ہوتی رہتی ہے، دوا، اور پرہیز سے بھی کام لیا؛ لیکن بیماری دور نہیں ہوئی، ایسا شخص کس طرح نماز ادا کرے؟ خروجِ ریح سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور بار بار وضو کرنا پڑتا ہے، جس میں ناقابل برداشت پریشانی ہوتی ہے اور نماز میں کوشش بھی کی گئی کہ ریح کا خروج نہ ہو؛ لیکن ایسا ہو نہیں پاتا ہے، ایسے شخص کے لیے کیا حکم ہے؟

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

مذکورہ شخص وضو کر کے نماز پوری کرے، اگر اسے اس قدر بھی وقت نہ ملتا ہو کہ وضو کر کے وقت میں نماز پڑھ سکے، تو شریعت کی اصطلاح میں اس کو ”معدور“ کہا جائے گا، ایسا شخص ہر وقت میں وضو کرے اور اُس سے جس قدر فرض و نفل اور واجب وغیرہ پڑھنا چاہے، اجازت ہے، اس کا یہ وضو ایک نماز کے وقت تک رہے گا، بشرطیکہ اُس میں اور کوئی دوسرا نقض وضو امر نہ پیش آیا ہو۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] کیا معدور آدمی ہر نماز کے وقت نیا وضو کرے؟

۵۳۴-سوال: مجھے ریح خارج ہونے کی بیماری ہے اور یہ بیماری اس قدر پیش آتی ہے کہ جماعت کھڑی ہونے تک مجھے چار پانچ مرتبہ وضو کرنے کی نوبت آ جاتی ہے، نیز سردی کے موسم میں گھر سے

(۱) وقال الكاساني: فخرج النجس من هؤلاء لا يكون حدثا في الحال ما دام وقت الصلاة قائما... وإنما تبقى طهارة صاحب العذر في الوقت إذا لم يحدث حدثا آخر أما إذا حدث حدثا آخر، فلا تبقى. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين الكاساني الحنفی (م: ۵۸۷ھ): ۲۷۷-۲۸، فصل بیان ما ينقض الوضوء، ط: دار الکتب العلمیة، الطبعة الثانية: ۱۳۰۶ھ-۱۹۸۶ء)

(۲) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: خروجِ ریح کے مریض کے لیے شرعی حکم۔  
تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان: معدور کے لیے وضو کا حکم۔



گرم پانی سے وضو کر کے جاتا ہوں اور مسجد میں پہنچتا ہوں کہ یہ تکلیف پیش آ جاتی ہے۔ مجھے نس کے جکڑ جانے کی بھی بیماری ہے، جس کی وجہ سے پاؤں میں بھی سخت درد رہتا ہے، میری عمر ۷۳ سال ہے، بڑھاپے کی وجہ سے اٹھنے بیٹھنے میں بھی تکلیف ہوتی ہے، تو کیا میں خروج ریح کے وقت ہر مرتبہ نیا وضوء کر کے نماز پڑھوں یا پھر ایک مرتبہ وضو کرنا کافی ہوگا؟ بیٹو اتوجروا۔

### الجواب حامدا ومصليا:

خروج ریح کا مرض ہو، یا پیشاب کے قطرے ٹپکنے کی بیماری، اگر یہ مرض ایک مکمل نماز کے وقت کو گھیر لے، اس طور پر کہ اس میں وضو کر کے نماز پڑھنے کا موقع نزل سکے، تو اس کو شریعت کی زبان میں ”عذر“ کہا جاتا ہے اور جس کو یہ مرض لاحق ہو اسے معذور کہتے ہیں۔ مثلاً: ظہر کا وقت ۱۲:۴۰ سے ۴:۴۰ تک ہے، اس پورے وقت میں آپ کو اتنا وقت نہیں ملتا ہے کہ آپ طہارت حاصل کر کے نماز پڑھ سکیں، اس طور پر کہ اگر آپ کو نماز پڑھنے میں ۱۰ منٹ کا وقت لگتا ہو اور یہ عذر ہر ۱۰ منٹ سے قبل ہی پیش آجائے، تو آپ معذور ہیں، اور معذور کے لیے حکم یہ ہے کہ نماز کے وقت میں وضو کر کے اس وقت کے اخیر تک جتنی فرض و نوافل پڑھنا چاہے، پڑھ سکتا ہے۔

جب کسی کو معذور کا حکم لاحق ہو جائے، اس کے بعد یہ عذر ہر نماز میں ایک-دو مرتبہ پیش آئے، تو اسے معذور ہی سمجھا جائے گا؛ لیکن اگر ایک نماز کے کامل وقت میں ایک مرتبہ بھی یہ عذر پیش نہیں آیا، تو پھر وہ شخص معذور ہونے سے نکل جائے گا، دوبارہ تحقق عذر کے لیے کامل ایک وقت تک عذر کا پیش آنا ضروری ہوگا۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] جسے بار بار پیشاب کے قطرات ٹپکتے ہوں، وہ کس طرح نماز ادا کرے

۵۳۵-سوال: ایک شخص جب پیشاب کرتا ہے، تو پیشاب کے کچھ قطرات پیشاب کی نالی میں رکے رہتے ہیں اور وقفے وقفے سے نکلتے رہتے ہیں، اور وہ شک میں مبتلا رہتا ہے کہ پیشاب کے تمام قطرے خارج ہوئے یا نہیں؟ اسی شک کی بنیاد پر شرم گاہ کو بار بار دیکھنے کی عادت سی بن گئی ہے؛ اور بار بار استنجاء کے لیے بھی جانا پڑتا ہے، کئی مرتبہ تو اسے درمیان میں ہی نماز ترک کر دینی پڑتی ہے، اسی شک و شبہ کی وجہ سے

(۱) تفصیلی فتویٰ اور تخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان: معذور کے لیے وضو کا حکم۔

غسل کے لیے بھی کافی دیر لگ جاتی ہے، بہت سی مرتبہ پیشاب سے فراغت کے بعد بھی اٹھتے بیٹھتے وقت قطرات نکل جاتے ہیں، تو ایسی مجبوری کی حالت اس کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور اس بیماری کی وجہ سے وہ ’’دماغی مرض‘‘ کا بھی شکار ہو گیا ہے۔

(عبدالحفیظ عبدالرزاق قاسم)

### الجواب حامدًا ومصلياً

اگر ایک مرتبہ نماز کا پورا وقت اس حالت میں گزر جائے کہ پیشاب کا قطرہ برابر آتا رہے، اتنا بھی وقت نہ ملے کہ طہارت حاصل کر کے وقتیہ نماز ادا کی جاسکے، تو ایسے شخص کو شرعاً معذور کہا جاتا ہے، جس کے احکام دوسرے ہیں۔<sup>(۱)</sup> آپ کی ایسی کیفیت نہیں ہے؛ اس لیے آپ نماز کے لیے مستقل الگ کپڑے رکھیں، نماز سے پہلے پانی سے استنجاء کر کے لنگی یا ازار کو تبدیل کریں، پھر نماز پڑھیں۔<sup>(۲)</sup>

اگر نماز سے پہلے پیشاب کی ضرورت ہو، تو پندرہ بیس منٹ پہلے فارغ ہو جایا کریں، تا کہ پیشاب کے جو قطرے باقی ہیں، وہ پیشاب کے بعد پانچ دس منٹ میں خارج ہو جائیں، اس کے بعد پانی کے ذریعہ استنجاء کر کے نئی لنگی یا نیا ازار پہن کر نماز پڑھ لیں۔

شریعت میں عذر کے متحقق ہونے کے لیے بڑی کڑی شرط ہے، آپ کی کیفیت ان شرائط کے مطابق نہیں ہے؛ اس لیے خواہ مخواہ شکوک و شبہات میں مبتلا ہو کر جماعت ترک نہ کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب

### [۷] وضو میں کلی کرتے وقت خون کا نکلنا عذر ہے یا نہیں؟

۵۳۶-سوال: پچھلے تین مہینے سے زید کو دانت سے خون نکلنے کی بیماری ہے، کافی علاج کروایا؛ لیکن اب تک افاقہ نہیں ہو سکا، وہ جب بھی وضوء کرنے کے لیے بیٹھتا ہے، تو کلی کرتے وقت دانتوں پر انگلی پھیرتے ہی خون نکلنا شروع ہو جاتا ہے اور اس قدر نکلتا ہے کہ خون تھوک پر غالب ہو جاتا ہے، پانچوں نمازوں کے وقت وضوء میں یہی صورت حال رہتی ہے کہ وضوء کی ابتداء سے لے کر اخیری عضو کے دھونے

(۱) نوٹ: معذور اور اس کے احکام کی تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ ہو عنوان: معذور کے لیے وضو کا حکم۔

(۲) (ہمی) ستة (طهارة بدنه) أي جسده لدخول الأطراف في الجسد دون البدن فليحفظ (من حدث) بنوعيه، وقدمه... (وخبث) مانع كذلك (وثوبه... {وثيابك فطهر} [المدثر: ۴] - فبدنه ومكانه أولى. الخ... (الدر

المختار مع رد المحتار: ۴۰۲/۱-۴۰۳، باب شروط الصلاة، كتاب الصلاة، ط: دار الفكر - بيروت)

تک خون بہتا رہتا ہے، تو اس حالت میں زید معذور شمار ہوگا یا نہیں؟

### الجواب حامداً ومصلياً:

اگر دانتوں کی بیماری کی وجہ سے خون بہتا ہے، تو کچھ دیر منہ میں ٹھنڈا پانی بھر کر رکھے، پھر جب خون بند ہو جائے، تب وضوء کر کے نماز پڑھے، اگر اس کے باوجود کلی کرنے کے بعد کئی گھنٹوں تک خون بند نہ ہوتا ہو، تو وضوء میں صرف کلی کو چھوڑ دے، کلی کرنا فرض نہیں ہے، اُس کے بغیر بھی وضوء درست ہو جائے گا اور بغیر کلی کے وضوء کر کے نماز پڑھ لے۔<sup>(۱)</sup>

یہ شخص شرعاً معذور شمار نہیں ہوگا، البتہ اگر کلی کرنا چھوڑ دے اور صرف چہرہ دھونے سے بھی خون اتنی مقدار میں بہتا ہے کہ اُسے وضوء کر کے ایک فرض نماز پڑھنے کا موقع نہیں ملتا، تو پھر یہ معذور کے حکم میں داخل ہوگا، اُس کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ خون کے بہنے کی حالت میں ایک وضوء سے جس قدر نماز پڑھنا چاہے، پڑھے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۸] کیا معذور فجر کے وضوء سے بعد فجر تلاوت قرآن اور اشراق پڑھ سکتا ہے؟

۵۳۷-سوال: میری عمر ستر (۷۰) سال کی ہے، وضوء تھوڑی دیر بھی نہیں رہتا، چار رکعات کے درمیان تین یا چار مرتبہ ریح خارج ہو جاتی ہے، اب مجھے فجر کی نماز کے بعد اسی وضوء سے تلاوت قرآن اور اشراق پڑھنی ہے، تو کیا میں ایسا کر سکتا ہوں؟

### الجواب حامداً ومصلياً:

اگر آپ کا وضوء اتنی دیر تک نہیں رہتا کہ وضوء کر کے ایک نماز مکمل ادا کر سکیں، تو آپ شرعاً معذور ہیں اور معذور کا حکم یہ ہے کہ ایک نماز کے لیے اس نے جو وضوء کیا ہے، اس سے نماز کا وقت ختم ہونے تک جتنی نمازیں پڑھنا چاہے، پڑھ سکتا ہے، اور تلاوت بھی کر سکتا ہے، البتہ جیسے ہی نماز کا وقت ختم ہوگا، اس کا وضوء بھی

(۱) ترك السنة لا يوجب فسادا ولا سهوا بل إساءة لو عامدا غير مستخف. الخ. (الدر المختار)

وقال ابن عابدين: (قوله لا يوجب فسادا ولا سهوا) أي بخلاف ترك الفرض فإنه يوجب الفساد، وترك الواجب فإنه يوجب سجود السهو. (قوله لو عامدا غير مستخف) فلو غير عامدا فلا إساءة أيضا. (رد المحتار على الدر المختار):

۱/۴۷۴، واجبات الصلاة، قبيل: مطلب في قولهم: الإساءة دون الكراهة، ط: بيروت)

(۲) معذور اور اس کے احکام کی تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ ہو عنوان: معذور کے لیے وضوء کا حکم۔

ٹوٹ جائے گا۔<sup>(۱)</sup>

لہذا آپ فجر کی نماز کے بعد اسی وضو سے تلاوت قرآن کر سکتے ہیں؛ لیکن سورج نکلنے ہی آپ کا وضو ٹوٹ جائے گا، پھر اشراق کے لیے مستقل وضو کرنا ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۹] جن کو ودی کے قطرات ٹپکنے کی دائمی بیماری ہو، وہ کیا کرے؟

۵۳۸-سوال: اگر کسی شخص کو بہ حالت نماز ہی ودی کا قطرہ نکلنے لگے، تو کیا کرے؟ یہ دائمی

تکلیف ہے۔

**الجواب حامدا ومصليا:**

نماز شروع کرنے کے بعد اگر قطرات نکلے ہوں، تو وضو ٹوٹ جائے گا، نجاست کو دھو کر وضو کرے، پھر نماز پڑھے؛ لیکن اگر کسی آدمی کو ایسی بیماری ہے کہ ہر ۵، ۱۰ منٹ میں قطرات نکلنے رہتے ہیں، اور اتنا وقت نہیں ملتا کہ وہ آدمی طہارت کے ساتھ نماز پڑھ سکے، تو وہ شرعاً معذور ہوگا، ایسا شخص نماز کے وقت میں وضو کر لے اور ایک وقت میں جتنی چاہے، نمازیں پڑھے۔ کسی کے شرعاً معذور ہونے کے بعد بقاء عذر کے لیے نماز کے وقت میں کم از کم ایک مرتبہ اس مرض کا پاجانا ضروری ہے، اگر نماز کا کوئی وقت اس سے خالی گیا، یعنی اس میں ایک بار بھی وہ مرض نہیں پایا گیا، تو وہ شرعاً معذور نہیں رہے گا، اس مسئلہ کو کسی مفتی اور عالم سے پڑھوا کر سمجھ لیں۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۰] سلسل البول کے معذور کی طہارت کا حکم

۵۳۹-سوال: میرے بھائی کو پیشاب کے قطرات کی بیماری ہے، جس کی وجہ سے بار بار پیشاب

کے لیے جانا پڑتا ہے اور طہارت بھی دیر تک باقی نہیں رہ پاتی، کپڑا بھی ناپاک ہو جاتا ہے، تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

(محمد حسین دیارا)

**الجواب حامدا ومصليا:**

اگر ایک مرتبہ نماز کا پورا وقت اس حالت میں گزر جائے کہ پیشاب کا قطرہ برابر آتا رہے، اتنا بھی

(۱-۲) معذور اور اس کے احکام کی تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ ہو عنوان: معذور کے لیے وضو کا حکم۔

وقت نہ ملے کہ طہارت حاصل کر کے وقتیہ نماز ادا کی جاسکے، تو ایسی صورت میں آپ کے بھائی شرعاً معذور ہوں گے، ہر نماز کے وقت تازہ وضو کر کے نماز پڑھ لینا کافی ہوگا، پیشاب کی وجہ سے دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی، اور کپڑے بدلنا بھی لازم نہیں ہوگا۔ آپ کے بھائی اس وقت تک معذور رہیں گے جب تک کہ نماز کا ایک کامل وقت اس عذر سے خالی نہ گزر جائے، یعنی معذور رہنے کے لیے مسلسل عذر کارہنا ضروری نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>

لیکن اگر یہ کیفیت نہیں ہے، جیسا کہ سوال سے ظاہر ہو رہا ہے، تو لازم ہے کہ نماز کے لیے الگ کپڑا رکھیں، اور اسی کپڑے میں نماز پڑھتے رہیں، اگر نماز کے دوران پیشاب کے قطرے ٹپک جائیں اور قدر درہم سے زیادہ کپڑے میں لگ جائیں، تو کپڑے کے اس حصے کا دھونا ضروری ہوگا، جہاں پیشاب کے قطرے لگ گئے ہیں، پورے کپڑے کا دھونا ضروری نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup>

نماز کے علاوہ دوسرے کپڑوں میں بھی جہاں تک ہو سکے، طہارت کا اہتمام کریں، اس کے باوجود بھی اگر کپڑے ناپاک ہو جائیں، تو گناہ نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۱] پیشاب کی تھیلی اور اس میں استنجاء کا حکم

۵۴۰-سوال: میرے ایک ساتھی نے پیٹ کا آپریشن کروایا ہے، آپریشن کے بعد پیشاب کی تھیلی لگا دی گئی ہے، صورت حال یہ ہے کہ مکمل پیشاب اسی تھیلی میں ہوتا ہے اور چوں کہ اس نے پیٹ پہن

(۱) لا یجب علی المعذور غسل الثوب ونحوہ، إذا کان بحال لو غسله تنجس قبل الفراغ من الصلاة. (الباب فی شرح الكتاب - عبد الغنی بن طالب بن حماد بن ابراہیم الغنیمی الدمشقی المیدانی الحنفی (م: ۱۲۹۸ھ): ۱/۳۷، باب الحيض، ت: محمد محیی الدین عبد الحمید، ط: المكتبة العلمية - بیروت) نوٹ: معذور اور اس کے احکام کی تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ کریں: معذور کے لیے وضو کا حکم۔

(۲) (وعفا) الشارح (عن قدر درہم) وإن کره تحریما، فیجب غسله، وما دونه تنزیها فیسن، و فوقه مبطل. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۱۶/۱، باب الأنجاس)

وفي الشامية: و قدر الدرهم لا يمنع، ويكون مسينا وإن قل، فالأفضل أن يغسلها ولا يكون مسينا. (رد المختار: ۳۱۷/۱، باب الأنجاس، ط: دار الفکر - بیروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ - ۱۹۹۲ء)

رکھا ہے؛ اس لیے وہ تھیلی باہر سے نظر نہیں آتی ہے، تو اس حالت میں وہ فرض نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور قرآن مجید کی تلاوت کر سکتا ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ پیشاب کے خاص مقام سے پیشاب نہیں اترتا ہے؛ بل کہ استنجاء کے لیے ایک مقام دوسرا بنا ہے، وہاں سے استنجا ہوتا ہے۔

### الجواب حامد او مصليا:

تھیلی میں بھی کوئی بھی نجاست اترے گی، خواہ وہ کہیں سے اترے، اس سے وضو ٹوٹ جائے گا؛ کیوں کہ بدن کے کسی بھی حصے سے نجاست نکلے، وضو ٹوٹ جاتا ہے، نماز پڑھنے سے پہلے اس تھیلی کو صاف کریں، مقام کی صفائی کریں، پھر وضو کر کے نماز پڑھیں۔<sup>(۱)</sup> البتہ جس شخص کو، ہر پانچ دس منٹ پر قطرات ٹپکتے ہی رہتے ہوں اور اتنی بھی فرصت نہ ملے کہ طہارت حاصل کر کے فرض نماز ادا کر سکے، تو وہ معذور کہلائے گا، نجاست کو صاف کر کے وضو کر کے نماز پڑھتا رہے، نجاست نکلتی رہے گی، تب بھی وضو نہیں ٹوٹے گا، جب تک نماز کا وقت باقی ہے، اس کا وضو باقی رہے گا؛ لہذا وقت میں جتنی نمازیں خواہ فرض ہوں یا نوافل پڑھ سکتا ہے اور تلاوت بھی کر سکتا ہے، وقت گزر جانے کے بعد وضو ٹوٹ جائے گا، گرچہ کوئی ناقض وضو امر پیش نہ آیا ہو۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) "المعاني الناقضة للوضوء كل ما يخرج من السبيلين" لقوله تعالى: {أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ} [النساء: ۳۳] وقيل لرسول الله صلى الله عليه وسلم ما الحدث؟ قال: "ما يخرج من السبيلين" وكلمة ما عامة، فتتناول المعتاد وغيره "والدم والقيح إذا خرجا من البدن فتجاوزا إلى موضع يلحقه حكم التطهير الخ. (الهداية في شرح بداية المبتدي - المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/۱۷، فصل في نواقض الوضوء، كتاب الطهارات، باب الوضوء. ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت)

(۲) معذور اور اس کے احکام کی تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ کریں: معذور کے لیے وضو کا حکم۔

نوٹ: ایسا شخص مسجد میں نہ آئے؛ کیوں کہ یہ حامل نجاست ہے۔

عن أبي هريرة - رضي الله تعالى عنه - عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أكثر عذاب القبر في البول".  
(مسند احمد: ۷۷/۱۴، حدیث نمبر: ۸۳۳۱)

## باب الأنجاس

[نجاست کا بیان]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب الأنجاس

### نجاست کا بیان

[۱] اگر کپڑے یا بدن پر نجاست لگ جائے، تو کس قدر معاف ہے؟

۵۴۱- سوال: بدن یا کپڑوں پر لگی ہوئی نجاست کی کتنی مقدار معاف ہے؟

(ماثر پٹمان)

#### الجواب حامدا ومصليا:

نجاست کی مختلف قسمیں ہیں: نجاست غلیظہ، نجاست خفیفہ، پھر نجاست غلیظہ و خفیفہ میں بعض سائلہ (بہنے والی) نجاست ہیں اور بعض متجسدہ (ذی جرم): ان تمام کے احکام الگ الگ ہیں۔ تفصیلی بیان ”تعلیم الاسلام“<sup>(۱)</sup> اور ”بہشتی زیور“<sup>(۲)</sup> میں موجود ہے۔ وہاں دیکھ لیں۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) تعلیم الاسلام: ۳۶/۳، ط: کتب خانہ عزیز، جامع مسجد۔ دہلی۔

(۳) ”بہشتی زیور“ (اختری): ۲/۳-۲، ط: کتب خانہ اختر، متصل مدرسہ مظاہر علوم، سہارن پور۔

(۴) نجاست کی دو قسمیں ہیں: غلیظہ اور خفیفہ، نجاست غلیظہ میں پتلی اور بہنے والی نجاست (خون، آدمی کا پیشاب وغیرہ) کپڑے یا بدن میں لگ جائے، تو پھیلاؤ میں مساحت کف یعنی تھیلی کے گڑھے (ایک روپے کے سکے) کے برابر یا اس کے کم معاف ہے، اگر اس کو دھوئے بغیر کوئی نماز پڑھ لے، تو اس کی نماز ہو جائے گی؛ لیکن نہ دھونا اور اس کے ساتھ نماز پڑھتے رہنا مکروہ اور برا ہے۔ اور اگر نجاست غلیظہ میں سے گاڑھی چیز (پاخانہ، مرغی کی بیٹ وغیرہ) لگ جائے، تو وزن میں ساڑھے چار ماشہ یا اس سے کم معاف ہے۔ اور اگر نجاست خفیفہ ہو، تو بدن یا کپڑے کے جس حصے میں لگی ہے، اگر اس کے چوتھائی سے کم ہو، تو معاف ہے اور اگر پورا چوتھائی یا اس سے زیادہ ہو، تو معاف نہیں ہے: (وعفی قدر الدرهم) (وزنا فی المتجسدة وهو عشرون قیراطا ومساحة فی المانع) وهو قدر مقعر الكف داخل مفاصل الأصابع كما وفقه الهندواني وهو الصحيح فذلك عفو (من) النجاسة (المغلظة) فلا يعفى عنها إذا زادت على الدرهم مع القدرة على الإزالة (و) عفی قدر (مادون ربع الثوب) الكامل (أو البدن) كله على الصحيح من الخفيفة لقيام الربع مقام الكل كمسح ربع الرأس. (مراقی الفلاح، ص: ۳۷، کتاب الطہارۃ، باب الأنجاس والطہارۃ منه، ط: زکریا، دیوبند)



## [۲] نجاست کی کتنی مقدار معاف ہے؟

۵۴۲-سوال: ایک شخص کو مساک کی بیماری ہے، جس کی وجہ سے کبھی کبھی اس کے کپڑے خون سے خراب ہو جاتے ہیں، غفلت میں یا عدم اطلاع کی وجہ سے کبھی خون سے آلودہ کپڑے میں ہی وہ نماز ادا کر لیتا ہے، تو کیا ایسے کپڑوں میں نماز ہو جائے گی؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

جس وقت خون دکھائی دے گا، اس وقت سے کپڑے کی ناپاکی کا حکم لگایا جائے گا۔<sup>(۱)</sup>  
اگر تھیلی کی مقدار کے برابر یا اس سے کم حصہ خون سے آلودہ ہے، تو معاف ہے، اس حالت میں نماز ہو جائے گی، اس سے زائد معاف نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط واللہ اعلم بالصواب۔

## [۳] انسان کے پاخانہ سے گیس حاصل کرنا اور اس سے کھانا پکانا

۵۴۳-سوال: حضرت مفتی صاحب! سوال یہ ہے کہ ہمارے گاؤں میں ”گیس گوبر“ کا پلان دو تین جگہ جاری ہے، (جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ایک کنواں کھود کر اس میں جانوروں کے فضلات ڈالتے ہیں اور اس سے گیس تیار کیے جاتے ہیں) اب بعض لوگ جانوروں کے گوبر کے ساتھ قریب میں بیت الخلاء بنا کر انسان کا پاخانہ بھی اس کنویں میں ڈالنے کا ارادہ کر رہے ہیں، تو ایسے گیس سے فائدہ اٹھانا اور اس سے کھانا پکانا جو جانوروں اور انسان کے گوبر اور پاخانہ سے بنا ہو، شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اس گیس سے پکایا ہوا کھانا حلال ہوگا یا حرام؟ جواب عنایت فرمائیں، مہربانی ہوگی۔

**الجواب حامدا ومصليا:**

انسان اور جانور کے فضلہ سے گیس حاصل کرنا اور اس سے کھانا پکانا جائز ہے، اس میں کوئی حرج

(۱) (و بحکم بنجاستها) مغلظة (من وقت الوقوع إن علم، وإلا فمذیوم وليلة إن لم ينتفخ ولم يتفسخ) وهذا (في حق الوضوء) والغسل؛ ... أما في حق غيره كغسل ثوب فيحکم بنجاسته في الحال. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۹/۱-۲۱۸، کتاب الطهارة، فصل في البئر، ط: دار الفکر- بیروت، طبع دوم: ۵۱۴۱۲-۱۹۹۲ء)  
(۲) تفصیلی مسئلہ اور تخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان: اگر کپڑے یا بدن پر نجاست لگ جائے، تو کس قدر معاف ہے؟

نہیں، اور اس سے پکایا ہوا کھانا بھی حلال ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۴] اگر سالن میں سنڈاسیہ نامی کیڑا اگر جائے، تو کیا حکم ہے؟

۵۴۴-سوال: پکے ہوئے سالن میں اگر سنڈاسیہ (ایک قسم کا کیڑا، جو گندگی میں رہتا ہے، لال رنگ کا ہوتا ہے، رائی کی پیداوار کے موسم میں بہ کثرت نظر آتا ہے) گر کر مر جائے اور آدھے گھنٹے تک سالن میں رہے، اس کے بعد اسے نکالا جائے، تو وہ سالن پاک رہے گا یا ناپاک ہو جائے گا؟

### الجواب حامدًا ومصلياً:

جن کیڑے مکوڑے (حشرات الارض) میں دم مسفوح (بننے والا خون) نہیں ہوتا ہے، وہ پاک ہے، اگرچہ وہ کیڑا ناپاکی سے پیدا ہوتا ہو، یعنی پانی وغیرہ سیال چیز میں اس کے گرنے سے وہ چیز ناپاک نہ ہوگی۔<sup>(۲)</sup> لہذا سنڈاسیہ نامی کیڑے میں اگر دم مسفوح نہیں ہے، تو سالن میں گر کر مر جانے سے وہ سالن ناپاک نہیں ہوگا۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۵] الکحل آمیز سینٹ کا حکم

۵۴۵-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ: آج کل بیرونی ممالک کے تیار شدہ سینٹ بہ کثرت استعمال ہوتے ہیں، جن میں الکحل کی آمیزش ہوتی ہے، جسم پر چھڑکنے سے بروقت بھی محسوس ہوتی ہے، جسم پر یا کپڑے پر داغ نہیں لگتا؛ بل کہ وہ بہت جلد اڑ جاتا ہے، البتہ خوشبو

(۱) الحمار أو الخنزير إذا وقع في المملحة فصار ملحاً أو بشر البالوعة إذا صار طينا، يطهر عندهما خلافاً لأبي يوسف - رحمه الله - . كذا في محيط السرخسي... جعل الدهن النجس في الصابون يفتى بطهارته؛ لأنه تغير. كذا في الزاهدي. (الفتاوى الهندية - لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/ ۴۵، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة وأحكامها، ط: دار الفكر ☆ مزيد دیکھیے: رد المحتار: ۱/ ۳۱۶، باب الأنجاس، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) وفي الوهبانية: دود القز وماؤه وبزره وخرؤه طاهر كدودة متولدة من نجاسة. (الدر مع الرد: ۱/ ۱۸۴، كتاب الطهارة: باب المياة، ط: دار الفكر - بيروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ - ۱۹۹۲ء)

(۳) لیکن اگر اس کے بدن پر نجاست لگی ہوئی ہو اور اسی حالت میں وہ سالن میں گرا ہو، تو سالن ناپاک ہو جائے گا، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں: (قوله: كدودة متولدة من نجاسة) فإنها طاهرة ولو خرجت من الدبر، والنقص إنما هو لماعليها لا لذاتها. (رد المحتار: ۱/ ۱۸۴، كتاب الطهارة: باب المياة، ط: دار الفكر - بيروت، طبع دوم: ۱۴۱۲ھ - ۱۹۹۲ء)

باقی رہتی ہے، یہ معلوم نہیں ہے کہ الکحل کس چیز سے تیار کی جاتی ہے، لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ اس کا استعمال حرام ہے، شرعاً اس کے استعمال کی گنجائش ہے یا نہیں؟ یا مشتبہ جان کر چھوڑ دینا صرف اولیٰ ہے، جو بھی ہو، حتمی جواب عنایت فرمائیں؛ کیوں کہ اس کے استعمال اور کاروبار کے سلسلے میں لوگ شک میں مبتلا ہیں۔

المستفتیان: بمئی کے مطرفوش

### الجواب حامداً ومصلياً:

الکحل کی پاکی اور ناپاکی کا مدار اس کے اجزائے ترکیبی پر ہے۔ اگر ”الکحل“ انگور سے بنا ہے، تب تو اس کے شراب (خمر) اور ناپاک ہونے پر علماء کا اتفاق ہے؛ کیوں کہ انگور سے تیار ہونے والی منشیات، خمر ہیں، جو حرام بھی ہیں اور ناپاک بھی۔<sup>(۱)</sup>

انگور کے علاوہ دوسرے نباتات سے اگر تیار کیا گیا ہو، تو اس کے بارے میں اس بات پر تو اتفاق ہے کہ اگر نشہ آنے کے بہ قدر پیا جائے، تو حرام اور گناہ ہے؛ لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ خمر نہیں ہے؛ اس لیے نشہ کے بہ قدر اس کا پینا تو ناجائز ہے؛ لیکن وہ خمر کی طرح ناپاک نہیں، گویا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جو ”الکحل“ انگور کے علاوہ کسی اور شے سے حاصل کیا گیا ہو، وہ ناپاک نہیں ہے، جمہور فقہاء کے نزدیک تمام نشہ آور کا حکم یکساں ہے اور سب خمر میں داخل ہیں اور ناپاک ہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں اور حنفیہ کے یہاں فتویٰ بھی ان ہی کے قول پر ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) أما الخمر فيتعلم بها أحكام، (منها) أنه يحرم شرب قليلها وكثيرها إلا عند الضرورة لأنها محرمة العين فيستوي في الحرمة قليلها وكثيرها... (ومنها) أنها نجسة غليظة حتى لو أصاب ثوبا أكثر من قدر الدرهم يمنع جواز الصلاة. (بدايع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۵/۱۱۲ - ۱۱۳، بيان أحكام الأشربة، كتاب الأشربة، ط: دار الكتب العلمية، الطبعة الثانية: ۱۳۰۶ھ - ۱۹۸۶ء)

(۲) قال الحصكفي: (وحرما محمد) أي الأشربة المتخذة من العسل والتين ونحوهما قاله المصنف (مطلقاً) قليلها وكثيرها. (وبه يفتى) ذكره الزيلعي وغيره؛ واختاره شارح الوهبانية، وذكر أنه مروى عن الكل... وفي طلاق البزازية: وقال محمد ما أسكر كثيره فقليله حرام، وهو نجس أيضاً. قال ابن عابدين: (قوله وبه يفتى) أي بقول محمد، وهو قول الأئمة الثلاثة لقوله - عليه الصلاة والسلام - كل مسكر خمر وكل مسكر حرام، رواه مسلم، وقوله - عليه الصلاة والسلام - " ما أسكر كثيره فقليله حرام " رواه أحمد وابن ماجه والدارقطني وصححه (قوله غيره) كصاحب الملتقى والمواهب والكفاية والنهاية والمعراج وشرح المجموع وشرح درر البحار والقهستاني والعيني، حيث قالوا الفتوى في زماننا بقول محمد لغلبة الفساد. (رد المحتار مع الدر المختار: ۲/۴۵۳، كتاب الأشربة، ط: دار الفكر - بيروت)

الغرض الکحل اگر انگور سے تیار شدہ ہے، تب تو وہ بالاتفاق حرام اور ناپاک ہے اور نجاست غلیظہ ہے، سینٹ کے طور پر اس کا استعمال کرنا ہرگز جائز نہیں ہوگا؛ اگر جسم یا کپڑے پر درہم کے بہ قدر لگ جائے، تو اس کے ساتھ نماز درست نہیں ہوگی۔

لیکن اگر الکحل انگور کے علاوہ کسی اور چیز سے حاصل کیا گیا ہو، تو بھی وہ ناپاک ہی ہوگا، اور اس کا سینٹ کے طور پر استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا، تاہم اس کے پاک اور ناپاک ہونے میں اختلاف ہے، اس لیے یہ نجاست خفیفہ کے حکم میں ہوگا، اگر جسم یا کپڑے میں لگ جائے، تو جس عضو میں لگا ہو، اس عضو کی چوتھائی مقدار یا اس سے زائد ہو، تو اس کا دھونا ضروری ہوگا، یہ تو اصل مسئلہ ہے۔<sup>(۳)</sup>

لیکن تحقیق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ الکحل اور اسپرٹ شراب کے ماسوا دوسری چیزوں سے بھی بنائی جاتی ہے، خصوصاً انگور کئی ممالک میں کافی مہنگا ہوتا ہے؛ اس لیے غالب گمان ہے کہ سینٹ میں اس کو استعمال نہیں کرتے ہوں گے۔ موجودہ دور میں کمپنی کے لیے اپنے پروڈکٹ کے اجزائے ترکیبی کی تفصیل حکومت کو پیش کرنا ضروری ہوتا ہے؛ اس لیے بمبئی کے تاجرانِ عطر سینٹ کے اجزاء ترکیبیہ کو معلوم کریں، تاکہ حتمی فیصلہ کیا جاسکے۔<sup>(۴)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ  
۱۹۸۳ء، جنوری، ۲

(۳) وبہذا یتبین حکم الکحول المسکرة (AL COHALS) التي عمت بها البلوی الیوم، فإنہا تستعمل فی کثیر من الأدوية، و العطور، و المرکبات الأخری، فإنہا إن اتخذت من العنب أو التمر، فلا سبیل إلی حلتها أو طہارتها، و إن اتخذت من غیرهما، فالأمر فیہا سهل علی مذهب أبی حنیفة رحمہ اللہ، و لا یحرم استعمالہا للتداوی أو لأغراض مباحة أخری ما لم تبلغ حد الإسکار؛ لأنہا إنما تستعمل مرکبة مع المواد الأخری، و لا یحکم بنجاستها أخذاً بقول أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ.

و إن ان معظم الکحول التي تستعمل الیوم فی الأدوية و العطور و غیرهما لاتتخذ من العنب أو التمر، و إنما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البترول و غیرہ کما ذکرنا فی باب بیع الخمر من کتاب البیوع، و حینئذ ہناک فسحة فی الأخذ بقول أبی حنیفة عند عموم البلوی، و اللہ سبحانہ أعلم. (تکملة فتح الملہم: ۲۰۸/۳، کتاب الأشریة، باب تحریم الخمر... ط: مکتبۃ دار العلوم - کراتشی)

(۴) حضرت مفتی نظام الدین صاحب نے الکحل سے سلسلے میں لکھا ہے: ابتدائی دور میں الکحل جو ہر شراب یاردی شراب (شراب کی تلچھٹ) ہوتا تھا؛ اس لیے فقہاء نے اس کو شراب کا حکم دیا تھا، اور اس کا استعمال اور دوا میں بھی استعمال نا جائز قرار دیا تھا، مگر اب ”الکحل“ سائنٹفک طریقے سے بننے لگی ہے کہ وہ شراب نہیں رہتی؛ بل کہ سرکہ کے حکم میں ہو جاتی ہے؛ اس لیے جب تک دلائل شرعیہ سے یقین نہ ہو جائے کہ الکحل وہی شراب کا جوہر یا تلچھٹ ہے، اس وقت تک اس کے ناپاک و حرام ہونے کا اور اس کے دوا وغیرہ =

## [۶] کپڑوں میں سینٹ کا اسپرے کرنا اور ان کپڑوں میں نماز پڑھنا

۵۳۶-سوال: جب سینٹ کا کپڑوں پر اسپرے (چھڑکاؤ) کیا جاتا ہے، تو اُس کی اسپرٹ اور گیس کچھ ہی دیر میں ہوا میں تحلیل ہو جاتی ہے اور صرف خوشبو باقی رہ جاتی ہے، اس طرح کے اسپرے کیے ہوئے کپڑوں میں نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

### الجواب حامدًا ومصليًا:

اگر انگور، منقہ اور کھجور سے بنی ہوئی سینٹ کا اسپرے کیا گیا ہو، تو کپڑے ناپاک ہو جائیں گے، اس لیے اُس کا استعمال جائز نہیں ہے، اگر ان اشیاء کے سوا دوسری اشیاء سے سینٹ تیار ہوا ہے، جو عطر میں لگایا جاتا ہے، تو اُس کا استعمال جائز ہے اور ان کپڑوں میں نماز بھی صحیح ہو جائے گی، بشرطیکہ سینٹ میں اور کوئی ناپاک چیز نہ گرجائے۔ (امداد الفتاویٰ) <sup>۱</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۷] ہم بستری کے بعد پہنے گئے پاک کپڑوں کا حکم

۵۳۷-سوال: ٹھنڈی کے موسم میں میاں بیوی نے مجامعت (ہم بستری) کے بعد اپنے مخصوص

= میں استعمال کی ممانعت کا عدم جواز کا حکم نہیں دے سکتے اور نہ استعمال کے بعد یا جسم پر لگنے کے بعد تطہیر کا حکم دینا ضروری کہہ سکتے ہیں؛ البتہ تقویٰ الگ بات ہوگی اور تقاضائے احتیاط کہا جائے گا، نہ کہ فتویٰ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۴۰۵/۳، کتاب الحظر والاباحۃ، ایفا پبلی کیشنز، دہلی)

اسلامک فقہ اکیڈمی-انڈیا نے اس سلسلے میں سمینار کا انعقاد کیا تھا، بحث و تحقیق اور غور و خوض کے بعد جو تجویز منظور ہوئی، وہ یہ ہے: ۳-عطریات میں جو الکحل استعمال ہوتا ہے، فنی ماہرین کی تحقیق کے مطابق وہ نشہ آور نہیں ہے، اس لیے یہ ناپاک نہیں ہے۔ (نئے مسائل اور علماء ہند کے فیصلے: ۱۵۳، طبی مسائل۔ الکحل، ط: ایفا پبلی کیشنز، دہلی)

[۱] امداد الفتاویٰ (۱/۱۳۷)، کتاب الطہارت، تفصیل در حکم اسپرٹ، ط: مکتبہ دارالعلوم، کراچی) میں ہے:

سوال: انگریزی دوا، جو پینے کی ہوتی ہے، اس میں عموماً اسپرٹ ملائی جاتی ہے۔ (یہ قسم ہے اعلیٰ درجے کے شراب کی، شراب کا ست ہے) تو جب اس امر کا یقین ہو چکا اور مسلم ہے تو انگریزی (ہسپتال) کی دوا پینا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: اسپرٹ اگر عنب وزیبیب و رطب و تر سے حاصل نہ کی گئی ہو، تو اس میں گنجائش ہے للاختلاف، ورنہ گنجائش نہیں للاقتاق۔

۲۱/محرم، ۱۳۳۴ھ (حوادث راجع، ص: ۶۲)

نوٹ: مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں عنوان: الکحل آمیز سینٹ کا حکم۔

مقام اور نجاست (منی) کو کپڑے وغیرہ سے صاف کر لیا، پھر دونوں نے پاک کپڑے پہن لیے، تو کیا یہ پاک کپڑے مخصوص مقام یا موضع منی (جس جگہ منی لگی ہوئی تھی) سے لگنے کی وجہ سے ناپاک ہو جائیں گے؟

### الجواب حامدًا ومصلياً:

میاں بیوی کسی بھی موسم میں ہم بستری سے فراغت کے بعد نجاست (منی) صاف کر کے پاک کپڑے پہن لیں اور وہ پاک کپڑا اس ناپاک جگہ پر لگ جائے، ناپاکی خشک ہو اور اس کا اثر اس پاک کپڑے پر نہ آیا ہو، تو وہ کپڑا ناپاک نہیں ہوگا؛ کیوں کہ اس صورت میں پاک کپڑے کے ناپاک ہونے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے، البتہ عورت کو اس کی طرف خاص دھیان دینے کی ضرورت ہے کہ مخصوص مقام کو صاف کر لینے کے بعد دوبارہ اس مقام سے کوئی رطوبت (نجاست) نکل کر پہنے ہوئے کپڑے پر نہ لگے، ورنہ کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۸] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عرینہ کے چند لوگوں کو پیشاب پینے کے حکم کیوں دیا؟

۵۴۸-سوال: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چند افراد مدینہ منورہ آئے تھے، ان کو وہاں کی آب و ہوا اس نہیں آئی، اور مرض الجواء (مرض استسقاء) لاحق ہو گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بہ طور علاج اونٹ کا پیشاب پینے کا حکم دیا تھا۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ حالاں کہ متعدد احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے، اور پیشاب سے نہ بچنے والوں کے سلسلے میں فرمایا ہے کہ عموماً عذاب قبر، اسی سے ہوتا ہے۔ تو یہ بات کیسے ممکن ہے کہ اتنی سخت وعیدوں کے باوجود آپ نے ان لوگوں کو پیشاب پینے کا حکم دیا ہو؟۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

یہ صحیح ہے کہ قبیلہ عرینہ اور عکمل کے چند لوگ مدینہ منورہ آئے، مدینہ کی آب و ہوا ان کو اس نہیں آئی

(۱) إذا نام الرجل على فراش فأصابه مني وبيس فغرق الرجل وابتل الفراش من عرقه إن لم يظهر أثر البلل في بدنه لا يتنجس وإن كان العرق كثير احتى ابتل الفراش ثم أصاب بلل الفراش جسده فظهر أثره في جسده يتنجس بدنه كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱/۴۷، كتاب الطهارات الباب السابع في النجاسة وأحكامها- ط: دار الفكر، بيروت، الطبعة الثانية)

مزید دیکھیے: المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۱/۱۹۰، كتاب الطهارات، الفصل السابع في النجاسات وأحكامها، ت: عبد الكريم سامي الجندبي، ط: دار الكتب العلمية، بيروت- لبنان)

اور ان کے پیٹوں میں بیماری پیدا ہوگئی، انہوں نے اس کی شکایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پینے کا حکم دیا، انہوں نے پیا، تو اللہ کے حکم سے وہ لوگ اچھے ہو گئے۔ بخاری شریف کی روایت ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ عکل اور عرینہ کے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام کا کلمہ پڑھا اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی! ہم مویشیوں والے تھے، کاشت کاری کرنے والے نہیں تھے۔ اور مدینہ کی آب و ہوا ان لوگوں کو اس نہ آئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے لیے اونٹوں کا ایک گلہ اور چرواہا دیئے جانے کا حکم دیا کہ ان جانوروں کے ساتھ رہیں اور ان کا دودھ اور پیشاب پیئیں، وہ لوگ روانہ ہوئے، یہاں تک کہ جب حرہ کے اطراف میں پہنچے، تو مرتد ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے قتل کر ڈالا اور اونٹوں کو لے بھاگے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو ان کے پیچھے چند آدمی بھیجے (جب وہ لوگ پکڑ کر لائے گئے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق سزا کا حکم دیا، تو ان کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی اور ان کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے اور حرہ کے علاقہ میں چھوڑ دیئے گئے، یہاں تک کہ سب کے سب اسی حال میں مر گئے اور جہنم رسید ہو گئے۔<sup>(۱)</sup>

اس روایت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو اونٹوں کا پیشاب پینے کا حکم دیا ہے، جب کہ ایک روایت میں ہے کہ پیشاب سے بچو؛ کیوں کہ عموماً عذاب قبر اسی سے ہوتا ہے۔<sup>(۲)</sup>

یہ ظاہر ان دونوں روایتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے؛ حالانکہ احناف کا مسلک یہ ہے کہ انسان

(۱) أن ناسا من عكل وعرينة قدموا المدينة على النبي - صلى الله عليه وسلم - وتكلموا بالإسلام، فقالوا يا نبي الله: إنا كنا أهل ضرع، ولم تكن أهل ريف، واستوخموا المدينة، فأمر لهم رسول الله - صلى الله عليه وسلم - بدود وراع، وأمرهم أن يخرجوا فيه فيشربوا من ألبانها وأبوالها. الخ (صحيح البخاري: ۲/۶۰۲، رقم: ۵۷۲۷، باب قصة عكل وعرينة، كتاب المغازي، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۲/۵۷، رقم الحديث: ۹-۱۳ (۱۷۷۱)، باب حكم المحاربين والمرتدين، كتاب القسامة والمحاربين والقصاص والديات، عن أنس رضي الله عنه)

(۲) ۱- عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: استنز هو من البول؛ فإن عامة عذاب القبر منه. قال الدار قطني: الصواب مرسل. (سنن الدار قطني: ۱/۲۳۳، رقم الحديث: ۴۶۴، باب نجاسة البول والأمر بالتنزه منه، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت، لبنان، طبع اول: ۱۳۲۴ھ-۲۰۰۴ء)

۲- عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أكثر عذاب القبر في البول. (مسند الإمام أحمد بن حنبل (م: ۲۳۱ھ): ۱۳/۷۷، رقم الحديث: ۸۳۳۱، ت: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة، طبع اول: ۱۳۲۱ھ-۲۰۰۱ء)

(خواہ بالغ ہو یا نابالغ، لڑکا ہو یا لڑکی) اور جانور کا پیشاب ناپاک ہے۔<sup>(۳)</sup> گویا ”حدیث عربینہ“ جانور کے پیشاب کی نجاست کے سلسلے میں احناف کے خلاف ہے؛ اس لیے اس کا جواب حسب ذیل طریقوں سے دیا جاتا ہے:

(۱) یہ روایت [جس میں اونٹ (مراد: ماکول اللحم یعنی حلال جانور) کا پیشاب پینے کا حکم دیا گیا ہے] منسوخ ہے، پہلے ماکول اللحم کا پیشاب پاک تھا، بعد میں اس کو ناپاک قرار دے کر اس سے بچنے کا حکم دیا گیا، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ: تم پیشاب سے بچو، کیوں کہ قبر کا اکثر عذاب پیشاب سے نہ بچنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مورخین کی تصریح کے مطابق عربین کا واقعہ سن چھ (۶) ہجری میں پیش آیا تھا، جب کہ حدیث ”استنزهوا من البول“ کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سات ہجری میں اسلام قبول کیا ہے؛ اس لیے ان کی یہ روایت لازماً مذکورہ واقعہ کے بعد ہوگی، لہذا یہ روایت اُس واقعہ میں ثابت ہونے والے حکم کے لیے ناسخ ہوگی، نیز نسخ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اسی حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے عربین کے مثلہ کا حکم دیا، حالاں کہ مثلہ بافتاق منسوخ ہے؛ اس لیے یہ حکم بھی منسوخ ہوگا۔ تاہم یہ جواب بہتر نہیں ہے۔<sup>(۴)</sup>

(۲) پیشاب کا اصل حکم تو یہی ہے کہ وہ ناپاک ہے، البتہ کوئی حاذق اور ماہر طبیب یہ کہے کہ تمہاری بیماری کی شفا پیشاب کے پینے میں ہے، تو اس کے کہنے پر پیشاب کا پینا جائز ہوگا؛ کیوں کہ حرام چیز سے یقینی صحت و شفاء کے وقت علاج و معالجہ جائز ہے۔ اس واقعہ میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ ذریعہ وحی یہ بات بتلا دی گئی تھی کہ ابوال اہل کو پیے بغیر ان کی شفا اور زندگی ممکن نہیں ہے، گویا کہ وہ لوگ مضطر کے حکم میں آگئے تھے اور مضطر کے لیے پیشاب کا پینا جائز ہے۔ اس جواب کو علامہ عینی نے جواب شافی کہا ہے۔<sup>(۵)</sup>

(۳) قال العینی: وقال أبو حنیفة والشافعی وأبو یوسف وأبو ثور وآخرون كثیرون: الأبول کلها نجسة. (عمدة القاری شرح صحیح البخاری - بدر الدین العینی (م: ۸۵۵ھ): ۳/۱۵۴، باب أبول الإبل والدواب والغنم ومرابضها، کتاب الوضوء، ط: دار إحياء التراث العربی - بیروت ☆  
تفصیل کے لیے دیکھیے: بدائع الصنائع: ۱/۲۰-۶۱، فصل فی الطهارة الحقیقیة، کتاب الطهارة، ط: دار الکتب العلمیة، ۱۹۸۶ء۔

(۴) درس ترمذی: ۱/۲۹۱، باب ماجاء فی بول ما یکل لحمہ، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند

(۵) والجواب المقنع فی ذلك أنه - علیه الصلاة والسلام - عرف بطریق الوحي شفاهم، والاستشفاء بالحرام =



(۳) آپ ﷺ نے ان کو پیشاب پینے کی اجازت نہیں دی تھی؛ بل کہ پیشاب کو صرف بدن پر لگانے کی اجازت دی تھی۔<sup>(۱)</sup>

(۴) اللہ کے علم کے مطابق وہ لوگ حقیقت میں مسلمان نہیں تھے، اور نبی کریم ﷺ کو بہ ذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ ان کی موت کفر کی حالت میں ہوگی، جیسا کہ بعد میں ظاہر ہوا تھا؛ اور اس بات کا امکان ہے کہ کافر کو حرام شے سے شفا مل جاتی ہو؛ اس لیے آپ ﷺ نے انہیں پیشاب پینے کا حکم دیا تھا۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احزاب اہم بیات مغرلہ (۱۰/۷/۱۹۷۷ء)

## [۹] شیر خوار بچے کا پیشاب ناپاک ہے

سوال-۵۴۹: شیر خوار بچے کا پیشاب پاک ہے یا ناپاک؟ امام شافعیؒ کا کیا مسلک ہے؟ کیا ایسے کپڑے میں نماز صحیح ہو جائے گی، جس پر شیر خوار بچے نے پیشاب کیا ہو؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

شیر خوار بچے کا پیشاب ناپاک ہے۔<sup>(۳)</sup> امام شافعی نے بھی اس کو ناپاک قرار دیا ہے۔<sup>(۴)</sup> رسول اللہ

= جائز عند التيقن بحصول الشفاء، كتناول الميتة في المخصمة، والخمر عند العطش، وإساعة اللقمة، وإنما لا يباح ما لا يستيقن حصول الشفاء به. وقال ابن حزم: صح يقينا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم إنما أمرهم بذلك على سبيل التداوي من السقم الذي كان أصابه، وأنهم صحت أجسامهم بذلك، والتداوي منزلة ضرورة. وقد قال عز وجل: {إلا ما اضطررتم إليه} {الأنعام: ۱۱۹} فما اضطر المرء إليه فهو غير محرم عليه من المأكول والمشرب. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵ھ) ۳/۱۵۳-۱۵۵، باب أبواب الأبل والدواب والغنم ومرابضها، كتاب الوضوء، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(۶) وقال شمس الأنمة: حديث أنس، رضي الله تعالى عنه، قدر واه قتادة عنه أنه رخص لهم في شرب ألبان الإبل. ولم يذكر الأبوال، وإنما ذكره في رواية حميد الطويل عنه، والحديث حكاية حال، فإذا دار بين أن يكون حجة أو لا يكون حجة سقط الاحتجاج به. (حوال سابق: ۱۵۵/۳)

(۷) أو لأنهم كانوا كفارا في علم الله تعالى ورسوله - عليه السلام - علم من طريق الوحي أنهم يموتون على الردة، ولا يبعد أن يكون شفاء الكافر بالنجس. (حوال سابق: ۱۵۵/۳)

(۱) في الدر المختار: وبول غير مأكول ولو من صغير لم يطعم. وقال ابن عابدين: (قوله: لم يطعم) بفتح الياء أي: لم يأكل فلا بد من غسله. (رد المحتار: ۱/۳۱۸، باب الأنجاس، ط: بيروت)

فالغليظة كخمر... بول ما لا يؤكل لحمه كالآدمي ولور ضيعا. (مراقي الفلاح) وقال الطحطاوي (م: ۱۲۳۱ھ) =

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ پیشاب سے نہ بچنا، عذاب قبر کا موجب ہے۔<sup>(۱)</sup>

لہذا بدن یا کپڑے کے جس حصہ میں پیشاب معفو عنہ (قابل معافی) مقدار سے زائد لگا ہو، تو اس کو دھونا ضروری ہے، ورنہ نماز درست نہیں ہوگی۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= (قوله: ولورضيها) لم يطعم، سواء كان ذكر أو انثى. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۱۵۳، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية بيروت - لبنان)

(۳) بول الصبي والصبية اللذين لم يطعما الطعام نجس، كبول الذي يطعم الطعام،... إذ اثبت هذا: فلا خلاف على المذهب: أنه يجب الغسل منهما، ولكنهما مختلفان في كيفية الغسل: فيجزئ في بول الغلام الذي لم يطعم الطعام النضح، وهو: أن يبل موضعه بالماء، وإن لم ينزل عنه. وفي بول الصبية وجهان، ومنهم من يقول: هما قولان: أحدهما: يجزئ فيه النضح، كبول الغلام. والثاني: يجب غسله، كسائر الأبوال. وهو المشهور. (البيان في مذهب الإمام الشافعي - أبو الحسين يحيى بن أبي الخير بن سالم العمراني اليمني الشافعي (م: ۵۵۸ھ) - ۱/۲۳۷، كتاب الطهارة، باب إزالة النجاسة، مسألة: بول الغلام الصغير، ت: قاسم محمد النوري، ط: دار المنهاج - جدة ☆ مزيد ركيهي: الحاوي الكبير في فقه مذهب الإمام الشافعي وهو شرح مختصر المزني - أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي، الشهير بالماوردي (م: ۴۵۰ھ) - ۲/۲۳۸، كتاب الصلاة، باب الصلاة بالنجاسة ومواضع الصلاة من مسجد وغيره، ت: الشيخ علي محمد معوض - الشيخ عادل أحمد عبد الموجود، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ نهاية المطلب في دراية المذهب - عبد الملك بن عبد الله بن يوسف بن محمد الجويني، أبو المعالي، ركن الدين، الملقب بإمام الحرمين (م: ۴۷۸ھ) - ۲/۳۱۲ و ۳۱۳، رقم المسئلة: ۱۰۸۸، كتاب الصلاة، باب الصلاة بالنجاسة، ت: أ. د/ عبد العظيم محمود الذيب، ط: دار المنهاج ☆ أسنى المطالب في شرح روض الطالب - زكريا بن محمد بن زكريا الأنصاري، زين الدين أبو يحيى السنيكي (م: ۹۲۶ھ) - ۲۰/۱، كتاب الطهارة، باب: بيان إزالة النجاسة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

اس صفحہ کا حاشیہ:

(۱) عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: " أكثر عذاب القبر في البول ". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۷/۱۳، رقم الحديث: ۸۳۳۱، مسند أبي هريرة رضي الله عنه، ت: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة، قال المحقق: إسناده صحيح على شرط الشيخين)

مزيد ركيهي: مسند البزار المنثور باسم البحر الزخار - أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق بن خلاد بن عبيد الله العتكي المعروف بالبزار (م: ۲۹۴ھ) - ۱۶/۱۱۹، رقم: ۹۲۰۱، ط: مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة.

☆ الشريعة - أبو بكر محمد بن الحسين بن عبد الله الأخرزي البغدادي (م: ۳۶۰ھ) - ۳/۱۲۸۲، رقم: ۸۵۲، باب التصديق والإيمان بعذاب القبر، ت: د. عبد الله بن عمر بن سليمان الدميحي، ط: دار الوطن - الرياض / السعودية.

(۲) ركيهي: حاشية نمبر: ۱۔

[۱۰] بیمار آدمی کا ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا، جس میں نجاست کا گمان ہو

۵۵۰-سوال: ایک بیمار آدمی ہے، جس کے کپڑے اور بستر وغیرہ کے ناپاک ہونے کا شک

ہے، بدلنے میں تکلیف ہوتی ہے، تو کیا اسی ناپاک بستر میں نماز پڑھ سکتا ہے؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

محض شک کی بنیاد پر نماز چھوڑنے کی ضرورت نہیں، غلبہ ظن ناپاکی کا ہو، تو بستر اور کپڑے بدلنا ضروری ہے، ورنہ ضرورت نہیں، اگر بستر ناپاک ہو اور جگہ متعین ہو کہ بعض جگہ پر ناپاکی ہے، تو اگر بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھ رہا ہو، تو صرف بیٹھنے کی جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے، سو کر نماز پڑھ رہا ہو تو بستر کا جو حصہ بدن کے ساتھ لگ رہا ہو، اس کا پاک ہونا ضروری ہے، اگر ایسا نہ ہو، بل کہ پورا بستر ناپاک ہو، تو بستر کا بدلنا یا نماز کی جگہ پر موٹا کور (مصلیٰ) بچھا دینا کافی ہے، ناپاک جگہ پر نماز جائز نہیں ہے، بیمار کو اٹھا کر نیچے سے بستر بدل دینا چاہیے۔

پہننے ہوئے کپڑے اگر ناپاک ہیں، تو اتار لینا ضروری ہے، کپڑے میں نجاست، پیشاب، خون یا پاخانہ ہو، تو ایک ہتھیلی کی گہرائی کی مقدار یعنی روپیہ کے بقدر ہو، تو نماز جائز نہیں اس سے کم ہو، تو جائز ہے، زیادہ ناپاک ہو اور اتارنے میں دقت ہو، تو محض تکلیف کی وجہ سے ناپاک کپڑے میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، کسی بھی طریقے سے اس کو اتارے، اگر اتارنا مشکل ہو، اور تہبند یا ازار پر نجاست ہو، تو اس کو اتار دے، اور دوسرا کپڑا بدن پر ڈال کر نماز پڑھ لے۔

گرتے میں ناپاکی ہو، تو کرتا نکال لے، دونوں ناپاک ہوں اور نکال نہ سکے اور کپڑے کا چوتھائی حصہ پاک ہو، باقی کا حصہ ناپاک ہو، تو ایسے کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے، اور اعادے کی کوئی ضرورت نہیں؛ لیکن احتیاط اس میں ہے کہ بیماری کے بعد موقع ملے، تو لوٹالے۔ (عالمگیری: ۱/۵۸ ☆ ردالمحتار: ۱/۳۱۲)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ولو شك في نجاسة ماء أو ثوب أو طلاق أو عتق لم يعتبر، وتماه في الأشباه. (الدر المختار) وفي الشامية: في التتارخانية: من شك في إنائه أو في ثوبه أو بدن أصابته نجاسة أو لافهو طاهر ما لم يستيقن. (ردالمحتار على الدر المختار: ۱/۱۵۱، كتاب الطهارة، قبيل فرض الغسل، ط: دار الفکر)

تطهير النجاسة من بدن المصلي و ثوبه و المكان الذي يصلح عليه و واجب. هكذا في الزاهدي في باب الأنجاس هـ =

## [۱۱] کپڑے ناپاک رکھنا گناہ ہے یا نہیں؟

۵۵۱- سوال: کپڑے ناپاک رکھنا گناہ ہے یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصليا:

نماز کے وقت کے علاوہ دوسرے وقت میں کپڑے ناپاک ہونا یا ناپاک کپڑے پہننا گناہ نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup> البتہ پاک و صاف رہنا چاہیے؛ کیوں کہ پاکی نصف ایمان ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= إذا كانت النجاسة قدر امانعا وامکان إزالتها من غير ارتكاب ما هو أشد حتى لو لم يتمكن من إزالتها إلا بإبداء عورتها للناس يصلي معها ولو أبداها للإزالة فسق. هكذا في البحر الرائق ويعتبر ظاهر البدن حتى لو اكتحل بكحل نجس لا يجب عليه غسل عينه. كذا في السراج الوهاج. — النجاسة إن كانت غليظة وهي أكثر من قدر الدرهم فغسلها فريضة والصلاة بها باطلة وإن كانت مقدار درهم فغسلها واجب والصلاة معها جائزة وإن كانت أقل من الدرهم فغسلها سنة وإن كانت خفيفة فإنها لا تمنع جواز الصلاة حتى تفحش. كذا في المضمرات. — ستر العورة شرط لصحة الصلاة إذا قدر عليه. كذا في محيط السرخسي. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۸، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الأول في الطهارة وستر العورة، ط: دار الفکر ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۳، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، ط: زكريا ديوبند)

"وقدر الدرهم وما دونه من النجس المغلط كالدم والبول والخمر وخرء الدجاجة وبول الحمار جازت الصلاة معه وإن زاد لم تجز..." "وإن كانت مخففة كبول مايؤكل لحمه جازت الصلاة معه حتى يبلغ ربع الثوب..." "وإذا أصاب الثوب من الروث أو" من "أخشاء البقر أكثر من قدر الدرهم لم تجز الصلاة فيه عند أبي حنيفة رحمه الله". (الهداية: ۱/ ۷۳، كتاب الطهارات، باب الأنجاس وتطهيرها، ط: ياسر نديم ايند کمپنی - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۳۵-۳۶، كتاب الطهارة، الفصل الثاني في الأعيان النجسة، ط: دار الفکر - بيروت)

(۱) الأصل في الأشياء الإباحة. (قواعد الفقه - محمد عميم الإحسان المجدي البركتي، ط: الصدف بيلشرز - كراتشي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۱۰۵، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، مطلب المختار أن الأصل في الأشياء الإباحة، ط: بيروت)

قال الله تعالى: {وَيُصِيبُكَ فَطَهْرٌ} [۷۳-۷۴-المدثر: ۳] وقال الله تعالى: {وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا} [۵-المائدة: ۶] تطهير النجاسة من بدن المصلي وثوبه والمكان الذي يصلي عليه واجب. هكذا في الزاهدي في باب الأنجاس. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۸، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الأول في الطهارة وستر العورة، ط: بيروت ☆ الهداية: ۱/ ۳۵، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة التي تتقدمها: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت ☆ الجوهرة النيرة - أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزبيدي اليميني الحنفي (م: ۸۰۰هـ) ۱/ ۳۶، كتاب الصلاة، باب شروط صحة الصلاة، ط: المطبعة الخيرية)

(۲) عن أبي مالك الأشعري قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الطهور شرط الإيمان... الحديث (الصحيح لمسلم: ...، رقم الحديث: ۱-۲۲۳، كتاب الطهارة، باب فضل الوضوء، ط: البدر - ديوبند)

عن سلمان، قال: قيل له: قد علمكم نبيكم صلى الله عليه وسلم كل شيء حتى الخراءة قال: فقال: أجل، لقد نهانا أن نستقبل القبلة لغائط، أو بول، أو أن نستنجي باليمين، أو أن نستنجي بأقل من ثلاثة أحجار، أو أن نستنجي برجيع أو بعظم.

(صحیح مسلم: ۱/۱۳۰، حدیث نمبر: ۲۶۲)

## باب الاستنجاء

[استنجاء کا بیان]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب الاستنجاء

[استنجاء کا بیان]

[۱] استنجاء میں کلوخ (ڈھیلے) کے بعد پانی استعمال نہ کرنے کا حکم

۵۵۲-سوال: ہمارے ایک دوست ہیں، جو تبلیغی جماعت سے منسلک ہیں، وہ ٹھنڈی کے زمانہ میں پیشاب کے بعد پانی کا استعمال نہیں کرتے ہیں، صرف ڈھیلے پر اکتفاء کرتے ہیں، تو کیا پانی کے ہوتے ہوئے محض ٹھنڈی کی وجہ سے اس کا استعمال نہ کرنا اور صرف ڈھیلے پر اکتفا کرنا درست ہے؟ ان کے وضو اور نماز کا کیا حکم ہوگا؟ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

**الجواب حامدا ومصليا:**

اگر پیشاب، مخرج کے ارد گرد ایک درہم (تھیلی کا گہرا حصہ) کے بہ قدر نہ پھیلا ہو، تو ڈھیلے کے بعد پانی کا استعمال کرنا محض مستحب ہے، واجب نہیں ہے؛ لہذا اس صورت میں ان کے لیے وضو کر کے نماز پڑھنا جائز ہوگا، اس میں کوئی نقصان نہیں آئے گا۔ اور اگر پیشاب، مخرج سے بہ قدر درہم تجاوز کر گیا ہو، تو پانی سے نجاست کو زائل کرنا واجب ہوگا، بشرطیکہ پانی کے استعمال میں کوئی عذر نہ ہو۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] استنجاء میں استبراء کی ایک تدبیر

۵۵۳-سوال: کیا استنجاء کے بعد پیشاب کے قطرات ٹپک سکتے ہیں؟ ایک شخص کو پیشاب کے

(۱) والغسل... بعدہ أي الحجر بلا كشف عورة... سنة، مطلقا، به يفتى، سراج. ويجب أي يفرض غسله إن جاوز المخرج نجس مائع، ويعتبر القدر المانع لصلاة فيما وراء موضع الاستنجاء. (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۵۱/۱-۵۲۹، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، فصل الاستنجاء ☆ مزید دیکھیے: مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوي: ۳۳، كتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: ۹۹/۱، كتاب الطهارة، باب الأنجاس ☆ البحر الرائق: ۱/۱۹۱، كتاب الطهارة، باب الأنجاس)

بعد قطرہ ٹپکنے کا مرض ہے، اگر وہ استنجاء کے وقت کھڑا ہو کر کچھ قدم چلے، پھر شرم گاہ کو کھینچنے اور نچوڑے، تو دل کو اطمینان ہو جاتا ہے کہ تمام نجاست نکل چکی ہے، اس کے بعد قطرات نہیں ٹپکتے ہیں؛ سوال یہ ہے کہ اس طرح شرم گاہ کو پکڑنے اور کھینچنے میں گناہ تو نہیں ہوگا؟ رہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

پیشاب کے بعد قطرات کا ٹپکنا عام بات ہے، اس لیے ایسی تدبیر اختیار کرنا چاہیے کہ دل کو اطمینان ہو جائے کہ نجاست اپنے مخرج سے مکمل طور پر نکل جائے۔ اس طرح کا اطمینان مختلف لوگوں کو مختلف طریقے سے حاصل ہوتا ہے، کسی کو دیر تک بیٹھنے سے، کسی کو زمین پر پیر مارنے سے، کسی کو زور لگانے سے اور کسی کو چند قدم چلنے یا کھانسنے سے۔ اس طرح کے اطمینان کے بعد ہی استنجاء کرے۔<sup>(۱)</sup>

صورت مسؤلہ میں جو تدبیر بیان کی گئی ہے، وہ بھی صحیح اور شرعاً جائز ہے، البتہ شرم گاہ کو اس طرح نہیں کھینچنا چاہیے کہ کسی قسم کا مرض پیدا ہو جائے۔

استبراء کے بعد کوئی شخص طہارت حاصل کرے، پھر پیشاب کا کوئی قطرہ ٹپک جائے، تو وضو ٹوٹ جائے گا، البتہ بسا اوقات مرض ہو جانے سے ہر ۶-۷ منٹ میں قطرہ ٹپکتا رہتا ہے، اگر کسی کی یہ حالت ہو، اور کوئی ایک نماز، مثلاً ظہر سے عصر تک اتنا وقت نہ ملے کہ پاکی کی حالت میں چار رکعت فرض نماز پڑھ سکے، تو ایسے شخص کو شریعت کی اصطلاح میں ”معذور“ کہتے ہیں اور اس کے احکام شریعت میں جدا گانہ ہیں، لیکن صورت مسؤلہ میں مذکورہ شخص کی یہ حالت نہیں ہے؛ اس لیے اس کے بیان کی کوئی حاجت نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup>

استنجاء کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ پہلے ڈھیلا وغیرہ کا استعمال کرے، اس کے بعد پانی سے طہارت حاصل کرے۔ (اس طریقہ سے استنجاء کرنا، قطرات کے ٹپکنے کا ایک گونہ علاج بھی ہے، نیز قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے

(۱) (و يجب الاستبراء بالمشي أو الترحيح أو النوم) أي الاضطجاع على شقه الأيسر حتى يستقر قلبه على انقطاع العود كذا في الظهيرية (وقيل يكتفي بمسح الذكر واجتذابه ثلاث مرات)، والصحيح أن طبع الناس وعاداتهم مختلفة فمن في قلبه أنه صار طاهراً جاز له أن يستنجي لأن كل أحد أعلم بحاله كذا في التتارخانية. (درر الأحكام شرح غرر الأحكام - محمد بن فرامر بن علي الشهير بملا - أو منلاً أو المولى - خسرو (م: ۸۸۵ھ) : ۲۹۱-۵۰، كتاب الطهارة، فصل الاستنجاء، ط: دار إحياء الكتب العربية ☆ مزید دیکھیے: مراقي الفلاح، ص: ۹، كتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء)

(۲) معذور اور اس کے احکام کی تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ ہو باب المعذورین کا عنوان: معذور کے لیے وضو کا حکم۔

اس عمل [جمع بین الأحجار و الماء] پر اہل قبا کی تعریف فرمائی ہے<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳] سردی اور گرمی کے زمانہ میں استنجاء کے متعلق تفصیل

۵۵۴-سوال: موسم سرما اور موسم گرما دونوں میں استنجاء کس طرح کرنا چاہیے، مفصل بیان فرمائیں۔

**الجواب حامد اومصلیٰ:**

استنجاء سے مقصود انسان کا اعضاء مخصوصہ کو نجاست سے پاک کرنا ہے، جس طرح بھی پاکی حاصل ہو، درست ہے۔ ہاں پانی اور ڈھیلا دونوں سے استنجاء کرنا سنت ہے۔ (عالمگیری: ۱/۳۰، ☆ شامی: ۱/۳۱۳)<sup>[۲]</sup>

[۱] عن محمد بن عبد اللہ بن سلام قال: لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم علينا، يعني قباء، قال: "إن الله عز وجل قد أثنى عليكم في الطهور خيرا، أفلا تحبوني؟" قال: يعني قوله: {فيه رجال يحبون أن يتطهروا والله يحب المطهرين} [التوبة: ۱۰۸] قال: فقالوا: يا رسول الله! إنا نجده مكتوبا علينا في التوراة: الاستنجاء بالماء. (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲۳۸۳۳، حدیث محمد بن عبد اللہ بن سلام، ت: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى: ۱۴۲۱ھ - ۲۰۰۱ء)

(والأفضل) في كل زمان (الجمع بين) استعمال (الماء والحجر) مرتبا (فيسمح) الخارج (ثم يغسل) المخرج؛ لأن الله تعالى أثنى على أهل قباء باتباعهم الأحجار الماء فكان الجمع سنة على الإطلاق في كل زمان، وهو الصحيح وعليه الفتوى. (مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح - حسن بن عمار بن علي الشرنبلالی (م: ۱۰۶۹ھ): ۱۹، فصل في الاستنجاء، دار الكتب العلمية، بيروت، طبع دوم: ۱۴۲۳ھ = ۲۰۰۲ء)

(۲) الاستنجاء: إزالة نجس عن سبيل فلايسن من ريح وحصاة ونوم وفضد (وهو سنة) مؤكدة مطلقا،... (بنحو حجر) مما هو عين طاهرة قالعة لا قيمة لها كمدنر (منق)؛ لأنه المقصود، فيختار الأبلغ والأسلم عن التلوث. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۳۵ - ۳۳۷، كتاب الطهارة، فصل الاستنجاء، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۲۸، كتاب الطهارة، الباب السابع، الفصل الثالث في الاستنجاء، ط: بيروت)

"الاستنجاء سنة" لأن النبي عليه الصلاة والسلام واطب عليه "ويجوز فيه الحجر وما قام مقامه يمسح حتى ينقيه" لأن المقصود هو الإنقاء فيعتبر ما هو المقصود. (الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۳۸، باب الأنجاس و تطهيرها، فصل في الاستنجاء، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(والأفضل) في كل زمان (الجمع بين) استعمال (الماء والحجر) مرتبا (فيسمح) الخارج (ثم يغسل) المخرج؛ لأن الله تعالى أثنى على أهل قباء باتباعهم الأحجار الماء فكان الجمع سنة على الإطلاق في كل زمان، وهو الصحيح، وعليه الفتوى. (مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح - حسن بن عمار بن علي الشرنبلالی (م: ۱۰۶۹ھ): ۱۹، فصل في الاستنجاء، دار الكتب العلمية، بيروت، طبع دوم: ۱۴۲۳ھ = ۲۰۰۲ء)



قرآن مجید میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں: {فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ} [۱]

جب یہ آیت نازل ہوئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قبا کے گرد رہنے والے صحابہ کے پاس گئے اور پوچھا: تم کس طرح پاکی حاصل کرتے ہو؟ اللہ نے تمہاری تعریف کی ہے، تو انہوں نے بتایا کہ ہم ڈھیلے اور پانی دونوں کا استعمال کرتے ہیں۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ شریف) [۲]

استنجاء بالاجار میں تین ڈھیلے کا استعمال مستحب ہے۔ [۳] یہ تب ہے، جب کہ ناپاکی مقعد سے تجاوز نہ کرے، ورنہ پانی سے دھونا فرض ہوگا۔ (عالمگیری ص ۳۰) [۳]

طریقہ: گرمی کے موسم میں یہ ہے کہ پہلے ڈھیلے کو پیچھے سے آگے، دوسرے کو آگے سے پیچھے اور تیسرے کو پیچھے سے آگے کی جانب استعمال کرے، تاکہ صفائی مکمل اور صحیح طور پر ہو جائے۔ چوں کہ مردوں کے خصیہ گرمی میں لٹکتے رہتے ہیں؛ اس لیے آگے سے پیچھے لے جائے کہ نجاست خسیوں پر نہ لگ جائے۔

[۱] ۹-التوبة: ۱۰۸.

[۲] عن أبي هريرة، عن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال: "نزلت هذه الآية في أهل قباء: {فيه رجال يحبون أن يتطهروا}" قال: كانوا يستنجون بالماء، فنزلت فيهم هذه الآية. (سنن أبي داؤد: ۱/۷۷، رقم الحديث: ۴۴، كتاب الطهارة، باب في الاستنجاء بالماء، ط: مختار ايند كمپني - ديوبند ☆ سنن الترمذی: ۲/۱۴۱، رقم الحديث: ۳۱۰۰، أبواب تفسير القرآن، باب: ومن سورة التوبة، ط: فيصل - ديوبند ☆ سنن ابن ماجه: ۲۹، رقم الحديث: ۳۵۷، كتاب الطهارة وسننها، باب الاستنجاء بالماء، ط: اشرفي بكذبو)

عن عويم بن ساعدة الأنصاري، أن النبي - صلى الله عليه وسلم - أتاهم في مسجد قباء فقال: إن الله عز وجل قد أحسن إليكم الشاء في الطهور في قصة مسجدكم فما هو الطهور الذي تطهرون به؟ قالوا: يا رسول الله ما نعلم شيئاً إلا أنه كان لنا جيران من اليهود، فكانوا يغسلون أذبارهم من الغائط فغسلنا كما غسلوا. (المعجم الكبير - سليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللخمي الشامي، أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰هـ): ۱۴/۱۳۰، رقم الحديث: ۳۴۹، باب العين، من اسمه عويم، ت: حمدي بن عبد المجيد السلفي، ط: مكتبة ابن تيمية - القاهرة)

(۳) (وليس العدد) ثلاثاً (بمسنون فيه) بل مستحب. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله: بل مستحب) أشار إلى أن المراد نفي السنة المؤكدة لأصلها، لما ورد من الأمر بالاستنجاء بثلاثة أحجار، ولم نقل إن الأمر للوجوب كما قال الإمام الشافعي؛ لأن قوله - عليه الصلاة والسلام - من استجمر فليوتر، فمن فعل فحسن، ومن لافلاحرج، دليل على عدم الوجوب. — فحمل الأمر على الاستحباب توفيقاً، وتمام الكلام في الحلية وشرح الهداية للعينی. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۳۷، فصل في الاستنجاء، ط: بيروت)

خواتین کے لیے ہر دو موسم میں آگے سے پیچھے لیجانا چاہیے، تاکہ نجاست شرم گاہ کو نہ لگ جائے۔ (عالم گیری: ۱/۳۰، ☆ شامی: ۱/۳۱۲، شرح وقایہ: ۱/۱۴۳)<sup>[۱]</sup>

استنجا بائیں ہاتھ سے کرے، بلا عذر دائیں ہاتھ سے استنجا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (در مختار: ۱/۳۱۵)<sup>[۲]</sup>  
فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ثم الاستنجاء بالأحجار إنما يجوز إذا اقتضت النجاسة على موضع الحدث فأما إذا تعدت موضعها بأن جاوزت الشرح أجمعوا على أن ما جاوز موضع الشرح من النجاسة إذا كانت أكثر من قدر الدرهم يفترض غسلها بالماء ولا يكفيها الإزالة بالأحجار. (الفتاوى الهندية: ۱/۴۸، كتاب الطهارة، الباب السابع، الفصل الثالث في الاستنجاء، ط: بيروت ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۴۳۸، فصل في الاستنجاء، ط: بيروت)

(۲) وصفة الاستنجاء بالأحجار أن يجلس معتمداً على يساره منحرفاً عن القبلة والرياح والشمس والقمر ومعه ثلاثة أحجار يدبر بالأول ويقبل بالثاني ويدبر بالثالث، قال أبو جعفر: هذا في الصيف، أما في الشتاء فيقبل بالأول ويدبر بالثاني ويقبل بالثالث، والمرأة تفعل في جميع الأوقات مثل ما يفعل الرجل في الشتاء، ثم اتفق المتأخرون على سقوط اعتبار ما بقي من النجاسة بعد الاستنجاء بالحجر في حق العرق حتى إذا أصابه العرق من المقعدة لا يتنجس. (الفتاوى الهندية: ۱/۴۸، كتاب الطهارة، الباب السابع، الفصل الثالث في الاستنجاء، ط: بيروت)

مزید دیکھیے: رد المحتار: ۱/۴۳۷، فصل في الاستنجاء، ط: بيروت ☆ شرح الوقایہ: ۱/۱۴۳، قبیل کتاب الصلاة)

[۲] عن سلمان، قال: قيل له: قد علمكم نبيكم صلى الله عليه وسلم كل شيء حتى الخراء قال: فقال: أجل، لقد نهانا أن نستقبل القبلة لغائط، أو بول، أو أن نستنجي باليمين، أو أن نستنجي بأقل من ثلاثة أحجار، أو أن نستنجي برجميع أو بعظم. (الصحيح لمسلم: ۱/۱۳۰، رقم الحديث: ۵۷- (۲۶۲)، باب الاستطابة، كتاب الطهارة، ط: مختار ايند كمپني - ديوبند ☆ سنن أبي داؤد: ۳/۱، رقم الحديث: ۷، كتاب الطهارة، باب كراهية استقبال القبلة عند قضاء الحاجة، ط: مختار ايند كمپني - ديوبند ☆ سنن الترمذي: ۱/۱۰، رقم الحديث: ۱۶، كتاب الطهارة، باب الاستنجاء بالحجارة، ط: فيصل - ديوبند)

(وكره) تحريماً (بعظم وطعام وروث) ... ويمين) ولا عذر بيسراه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۳۳۹-

۳۴۰، فصل في الاستنجاء، ط: بيروت)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب المواقیت

### [اوقات نماز]

#### [۱] فجر کی نماز کے لیے مستحب وقت

۵۵۵-سوال: فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے کون سا وقت بہتر ہے؟ آج کل لوگ فجر کی نماز اندھیرے ہی میں پڑھ لیتے ہیں، تو حنفی مسلک کے مطابق اس نماز میں کوئی حرج لاحق ہوگا یا نہیں؟ جب کہ حدیث پاک سے تو یہ ثابت ہے کہ فجر کی نماز کے لیے امام صاحب اندھیرے میں کھڑے ہوں اور اجالے میں ختم کریں، مذکورہ صورت میں اس پر عمل نہیں ہوتا ہے۔

#### الجواب حامدًا ومصلياً:

حنفی مسلک کے مطابق اجالا ہو جانے کے بعد فجر کی نماز ایسے وقت میں پڑھنا مستحب ہے، کہ اگر کسی وجہ سے نماز میں فساد در آئے، تو دوبارہ قراءت مستحبہ کے ساتھ لوٹانا ممکن ہو۔<sup>(۱)</sup> اگر وقت ہو جانے کے بعد

(۱) عن رافع بن خديج، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: أسفروا بالفجر، فإنه أعظم للأجر. (سنن الترمذي: ۱/۴۰، رقم الحديث: ۱۵۳، أبواب الصلاة، باب ما جاء في الإسفار بالفجر، ط: فيصل بليكيشنز - ديوبند ☆ المجتبي من السنن = السنن الصغرى للنسائي - أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب، الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳-هـ): ۱/۲۷۲، رقم الحديث: ۵۳۸، كتاب المواقيت، الإسفار، ط: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

يستحب تأخير الفجر ولا يؤخرها بحيث يقع الشك في طلوع الشمس بل يسفر بها، بحيث لو ظهر فساد صلاحته يمكنه أن يعيدها في الوقت بقراءة مستحبة. كذا في التبيين، وهذا في الأزمنة كلها إلا صبيحة يوم النحر للعلاج بالمز دلفة فإن هناك التغليس أفضل. هكذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۱-۵۲، كتاب الصلاة، الباب الأول في المواقيت، الفصل الثاني في بيان فضيلة الأوقات، ط: دار الفكر)

اندھیرے ہی میں نماز پڑھ لی ہے، تب بھی نماز ہو جائے گی؛ البتہ اس وقت پڑھنا خلاف اولیٰ ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲] ظہر سے پہلے مکروہ وقت کی تعیین

۵۵۶-سوال: ایک پاکستانی شخص سے مسجد میں ملاقات ہوئی، اس کا کہنا ہے کہ زوال سے آدھا گھنٹہ پہلے اور زوال کے پندرہ منٹ کے بعد نماز پڑھی جاسکتی ہے، تو اس سلسلہ میں جاننا ہے کہ زوال سے کتنی دیر پہلے نماز پڑھنا ممنوع ہے؟ اور بعد زوال کتنی دیر کے بعد نماز پڑھ سکتے ہیں؟

### الجواب حامد اومصلیٰ:

نصف النہار کے وقت سورج کے ڈھلتے ہی فوراً ظہر کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے؛ لہذا زوال کے بعد ظہر کی نماز پڑھنا جائز ہے۔<sup>(۲)</sup>

فقہاء کرام رحمہم اللہ کی صراحت کے مطابق اس وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے، جب کہ ”آفتاب“ آسمان کے درمیان میں آجائے۔ (یعنی سر کے اوپر، بالکل برابر میں آجائے) شریعت کی اصطلاح میں اس کو ”استواء شمس“ کہتے ہیں، استواء شمس کا وقت مشکل سے ڈیڑھ دو منٹ کا ہوتا ہے؛ لیکن اس کا مشاہدہ دشوار ہے؛ اس لیے اس وقت میں (اس کے آگے پیچھے وقت ملا کر کل) پندرہ بیس منٹ تک نماز نہیں پڑھنی چاہیے،

(۱) وقت الفجر من الصبح الصادق وهو البياض المنتشر في الأفق إلى طلوع الشمس. (الفتاویٰ الہندیہ: ۵۱/۱،

کتاب الصلاة، الباب الأول في المواقيت، الفصل الأول في أوقات الصلاة، ط: دار الفکر)

(۲) (وکرہ) تحریمًا... (صلاة) مطلقًا... (مع شروق... واستواء)... (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله: واستواء) التعبير به أولى من التعبير بوقت الزوال؛ لأن وقت الزوال لا تکره فيه الصلاة إجماعًا، بحر عن الحلبي: أي لأنه يدخل به وقت الظهر كما مر. وفي شرح النقاية للبرجندي: وقد وقع في عبارات الفقهاء أن الوقت المکره هو عند انتصاف النهار إلى أن تنزل الشمس. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۷۰-۳۷۱، کتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، ط: بيروت)

أول وقت الظهر، فحين تنزل الشمس بلا خلاف، لما روي عن أبي هريرة - رضي الله عنه - عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال: «أول وقت الظهر حين تنزل الشمس». (بدائع الصنائع: ۱/۱۲۲، کتاب الصلاة، فصل شرائط أركان الصلاة، بيان وقت الفجر والظهر، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

کہ اسی میں احتیاط ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط واللہ اعلم بالصواب۔

### [ ۳ ] فجر کی نماز تنہا پڑھنے کے بعد دوسری جماعت میں شرکت

۵۵۷-سوال: ایک مسجد میں مقتدیوں کی تعداد بہت کم رہتی ہے، ایک مرتبہ فجر کی نماز میں اتفاق یہ ہوا کہ صرف ایک ہی مقتدی وقت پر حاضر ہوا، تو اُس نے یہ سمجھ کر تنہا فرض نماز پڑھ لی کہ اب کوئی نہیں آئے گا، پھر دو مقتدی آئے، اب ان کو دو مقتدی ہونے کی حالت میں جماعت قائم کرنے کی ترتیب معلوم

(۱) عقبہ بن عامر الجہنی، يقول: ثلاث ساعات كان رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ينهانا أن نصلي فيهن، أو أن نغيب فيهن موتانا: «حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس، وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب» (الصحيح لمسلم: ۲۷۱/۲، رقم الحديث: ۲۹۳- (۸۳۱)، كتاب فضائل القرآن و ما يتعلق به، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها، قبيل كتاب الجمعة، ط: مختار ايند كمپني - ديوبند ☆ سنن أبي داود: ۱/۵۳-۴، رقم الحديث: ۳۱۹۲، كتاب الجنائز، باب الدفن عند طلوع الشمس وعند غروبها، ط: مختار ايند كمپني - ديوبند ☆ سنن الترمذي: ۱/۲۰۰، رقم الحديث: ۱۰۳۰، أبواب الجنائز، باب ماجاء في كراهية الصلاة على الجنازة عند طلوع الشمس وعند غروبها، ط: فيصل - ديوبند) قال محمد فؤاد عبد الباقي: (حين يقوم قائم الظهيرة) الظهيرة حال استواء الشمس ومعناه حين لا يبقى للقائم في الظهيرة ظل في المشرق ولا في المغرب. (الصحيح لمسلم مع شرح محمد فؤاد عبد الباقي: ۱/۵۲۸، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

وفي شرح النقاية للبرجندي: وقد وقع في عبارات الفقهاء أن الوقت المكروه هو عند انتصاف النهار إلى أن تزول الشمس، ولا يخفى أن زوال الشمس إنما هو عقيب انتصاف النهار بلا فصل، وفي هذا القدر من الزمان لا يمكن أداء صلاة فيه، فلعل أنه لا تجوز الصلاة بحيث يقع جزء منها في هذا الزمان، أو المراد بالنهار هو النهار الشرعي وهو من أول طلوع الصبح إلى غروب الشمس، وعلى هذا يكون نصف النهار قبل الزوال بزمان يعتد به. اهـ. إسماعيل ونوح وحموي. — القنية: واختلف في وقت الكراهة عند الزوال، فقيل من نصف النهار إلى الزوال لرؤية أبي سعيد عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه نهى عن الصلاة نصف النهار حتى تزول الشمس. قال ركن الدين الصباغي: وما أحسن هذا؛ لأن النهي عن الصلاة فيه يعتمد تصورها فيه اهـ وعزا في القهستاني القول بأن المراد انتصاف النهار العرفي إلى أئمة مارواه النهي، وبأن المراد انتصاف النهار الشرعي وهو الضحوة الكبرى إلى الزوال إلى أئمة خوارزم. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۷۱، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، ط: بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۵۲، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة وتكره فيها، ط: دار الفكر - بيروت)

نہیں تھی، اس لیے وہ شخص جو پہلے فرض نماز پڑھ چکا تھا، وہ بھی ان کے ساتھ جماعت میں شامل ہو گیا، تو یہ شخص جو اپنی فرض نماز تنہا پڑھ چکا ہے، اب جماعت میں شامل ہونے کی وجہ سے گنہ گار ہو گیا یا اُسے نفل نماز کا ثواب ملے گا؟

### الجواب حامداً ومصلياً:

فجر کی نماز کے بعد نفل نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے؛ لہذا صورت مذکورہ میں پہلے نماز سے فارغ ہونے والے شخص کا جماعت میں شامل ہونا درست نہیں، اُسے نفل کا ثواب نہیں ملے گا، البتہ ان دو رکعت کی بعد میں قضا کر لے، تو نفل کا ثواب ملے گا۔ (رد المحتار: ۱/۳۷۳) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۲] وقت زوال کی تحدید اور اس میں نماز کا حکم

۵۵۸-سوال: زوال سے کتنا وقت پہلے اور بعد میں نماز پڑھنا درست ہے؟ یعنی کتنی دیر پہلے نماز نہ پڑھنی چاہیے اور کتنی دیر بعد نماز شروع کرنی چاہیے؟ مینواتو جروا۔

### الجواب حامداً ومصلياً:

زوال کے بعد نفل، سنت، ادا، قضا جو بھی نماز پڑھے، جائز ہے؛ لأن وقت الزوال لا تکره فيه الصلاة إجماعاً. (شامی: ۱/۳۴۴) [۲]

اور زوال سے پہلے جو وقت ہوتا ہے، جسے علماء نے: 'استواء شمس'، 'نصف النهار شرعی' اور 'الضحوة'

(۱) واعلم أن الأوقات المكروهة نوعان: الأول الشروق والاستواء والغروب. والثاني ما بين الفجر والشمس، وما بين صلاة العصر إلى الاصفرار.

فالنوع الأول لا ينعقد فيه شيء من الصلوات التي ذكرناها إذا شرع بها فيه، وتبطل إن طرأ عليها إلا صلاة جنازة حضرت فيها... والنوع الثاني ينعقد فيه جميع الصلوات التي ذكرناها من غير كراهة، إلا النفل والواجب لغيره فإنه ينعقد مع الكراهة، فيجب القطع والقضاء في وقت غير مكروه أهدح مع بعض تغيير. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۷۳، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، ط: دار الفكر - بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۱/۳۲۹، كتاب الصلاة، بيان وقت المكروه، ط: زكريا - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۵۳، الباب الأول في مواقيت الصلاة وما يتصل بها، الفصل الثالث في الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة، ط: زكريا - ديوبند)

[۲] رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۷۱، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، ط: بيروت.

الکبریٰ کے نام سے بیان کیا ہے، اس وقت کوئی بھی نماز پڑھنا جائز نہیں، یہ وقت زوال سے پہلے دو تین منٹ تک رہتا ہے، لیکن اس کا مشاہدہ دشوار ہے؛ اس لیے آگے پیچھے کل ملا کر ۱۰-۱۵ منٹ تک نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] زوال کے بعد وقتِ مکروہ کب تک ہے؟ اور کتنی دیر بعد اذان دے سکتے ہیں؟

۵۵۹-سوال: زوال کے بعد وقتِ مکروہ کتنے منٹ تک رہتا ہے؟ اور اذان کتنے منٹ بعد دے سکتے ہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا:

وقتِ مکروہ ”استواء“ کا وقت ہے، یعنی آفتاب بالکل سر پر آجائے، یہ وقت بہت قلیل ہوتا ہے، کیوں کہ آفتاب کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے؛ اس لیے اس کا مشاہدہ دشوار ہے؛ لہذا احتیاط اس میں ہے کہ استواء کے وقت کے بعد کم از کم دس پندرہ منٹ تک تاخیر کرے۔

زوال کے معنی آفتاب ڈھلنے کے ہیں، جب مشرق کی جانب سے چڑھتا ہوا سورج بالکل سر پر آنے کے بعد ڈھلنے لگے، تو اُس وقت کو زوال کہتے ہیں، یعنی ظہر کے وقت کی ابتداء، اس لیے زوال سے متصلاً بھی نماز جائز ہو جاتی ہے، اس وقت نمازِ ظہر کے لیے اذان کے انتظار کی ضرورت نہیں رہتی، اس لیے تقویم میں اگر زوال کا وقت لکھا ہے، تو یہ نماز کے جائز ہونے کا وقت ہے، پھر بھی چونکہ زوال محسوس چیزوں میں سے نہیں ہے؛ اس لیے احتیاطاً پانچ دس منٹ تاخیر سے اذان دی جائے، تو بہتر ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] جمعہ کے دن زوال کے وقت کا حکم

۵۶۰-سوال: بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ روزِ جمعہ کے علاوہ، ہر دن کے لیے ایک وقتِ زوال

ہے، صرف جمعہ کے دن کوئی وقتِ زوال کا نہیں ہوتا، تو کیا یہ صحیح ہے؟ نیز زوال کا وقت کب تک رہتا ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا:

جمعہ کے دن استواءِ شمس کے وقت سنن و نوافل پڑھنے کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔<sup>(۳)</sup>

(۱-۲) مسئلے کی تفصیل و تخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان: ظہر سے پہلے مکروہ وقت کی تعیین۔

(۳) تفصیل کے لیے دیکھیے: الموسوعة الفقهية الكويتية: ۱۸۰/۷، حرف الألف، أوقات الصلاة، أوقات الكراهة،



مسک حنفی کے مطابق طلوع شمس، غروب شمس اور استواء شمس کے تینوں اوقات میں علی الاطلاق کوئی نماز جائز نہیں، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بھی یہی حکم ہے، اور جمعہ کے دن بھی یہی حکم ہے۔<sup>(۱)</sup>

زوال کا مطلب یہ ہے کہ سورج سر کی جانب سے مغرب کی سمت میں ڈھلنا شروع ہو، اُس کے بعد ظہر اور جمعہ کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے، اب کوئی بھی سنت و نفل نماز پڑھی جاسکتی ہے، ہمارے علاقے کی چھٹی ہوئی تقویم (جنسٹری، اوقات نماز کے کیلنڈر) کے اعتبار سے زوال (یعنی ظہر کے وقت) سے دس منٹ پہلے کوئی بھی نماز نہیں پڑھنی چاہیے، کہ اسی میں احتیاط ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۷] مکروہ اوقات میں نماز پڑھنا جائز نہیں

۵۶۱-سوال: کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ جمعہ کے دن زوال کے وقت بھی نماز ممنوع نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس دن جہنم بھڑکائی نہیں جاتی ہے، ایسا مسئلہ ایک اہل حدیث کی کتاب کے مطالعہ کے

(۱) أما الذي يكره التطوع فيها لمعنى يرجع إلى الوقت فثلاثة أوقات: أحدها ما بعد طلوع الشمس إلى أن ترتفع وتبيض، والثاني عند استواء الشمس إلى أن تزول، والثالث عند تغير الشمس وهو احمرارها، واصفرارها إلى أن تغرب. ففي هذه الأوقات الثلاثة يكره كل تطوع في جميع الأزمان يوم الجمعة وغيره، وفي جميع الأماكن بمكة وغيرها، وسواء كان تطوعاً مابتداً لا سبب له، أو تطوعاً عالماً سبب كركعتي الطواف وركعتي تحية المسجد ونحوهما. وروي عن أبي يوسف أنه لا بأس بالتطوع وقت الزوال يوم الجمعة، وقال: الشافعي لا بأس بالتطوع في هذه الأوقات بمكة. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۹۵-۲۹۶، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يكره من التطوع، ط: دار الكتب العلمية)

(۲) أول وقت الظهر، فحين تزول الشمس بلا خلاف، لما روي عن أبي هريرة - رضي الله عنه - عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال: «أول وقت الظهر حين تزول الشمس». (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۲۲، كتاب الصلاة، فصل شرائط أركان الصلاة، بيان وقت الفجر والظهر، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

والزوال ظهور زيادة الظل لكل شخص في جانب المشرق. كذا في الكافي، وطريق معرفة زوال الشمس وفيء الزوال، أن تغرز خشبة مستوية في أرض مستوية، فمادام الظل في الانقاص، فالشمس في حد الارتفاع، وإذا أخذ الظل في الازدياد علم أن الشمس قد زالت، فاجعل على رأس الظل علامة، فمن وضع العلامة إلى الخشبة يكون فيء الزوال، فإذا زاد على ذلك، وصارت الزيادة مثلي ظل أصل العود سوى فيء الزوال، يخرج وقت الظهر، عند أبي حنيفة - رحمه الله - كذا في فتاوى قاضي خان وهذا الطريق هو الصحيح، هكذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۱، كتاب الصلاة، الباب الأول في مواقيت الصلاة وما يتصل بها، الفصل الأول في أوقات الصلاة، ط: دار الفكر)

نوٹ: جمعہ کے دن بھی زوال کا وقت ہوتا ہے، البتہ بعض فقہاء، مثلاً امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے؛ وروی عن أبي يوسف أنه لا بأس بالتطوع وقت الزوال يوم الجمعة. (بدائع: ۱/ ۲۹۶)

دوران نظر سے گزرا ہے، تو خفی مسلک کا اس بارے میں کیا قول ہے؟ بینواتو جروا۔

### الجواب حامدا ومصليا:

خفیہ کے نزدیک تین وقت میں کسی طرح کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، خواہ وہ فرض نماز ہو یا واجب یا نفل، وہ تین وقت یہ ہیں: (۱) طلوع آفتاب کے وقت (۲) غروب آفتاب کے وقت (۳) استواء شمس کے وقت۔ البتہ غروب آفتاب کے وقت اس دن کی عصر کی نماز پڑھ سکتے ہیں۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۸] طلوع آفتاب کے بعد وقت مکروہ کی تحدید

۵۶۲-سوال: سورج طلوع ہونے کے بعد سے کب تک کا وقت مکروہ ہے؛ نیز سورج طلوع ہونے سے کتنے منٹ پہلے تک نماز پڑھنا مکروہ ہے اور سورج طلوع ہونے کے کتنے منٹ کے بعد نماز پڑھ سکتے ہیں؟ بعض جگہوں پر دس منٹ بتاتے ہیں اور بعض جگہوں پر بیس منٹ، آپ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں گے۔

### الجواب حامدا ومصليا:

تقویم میں اندازے اور تخمین کے مطابق وقت لکھا جاتا ہے، پندرہ بیس منٹ کا وقفہ کر دیا جائے، یعنی پندرہ منٹ وقفہ رکھنا ضروری ہے اور بیس منٹ کا وقفہ احتیاطاً ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۹] وہ اوقات، جن میں قضاء نماز پڑھنا ممنوع ہے

۵۶۳-سوال: کن اوقات میں قضا نماز پڑھنا ممنوع ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

(۱) فرض، واجب، نفل، سنت خواہ ادا ہو کہ قضا، سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر، کوئی بھی نماز ہو، تین اوقات میں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، جائز نہیں: (۱) طلوع آفتاب کے وقت تقریباً پندرہ منٹ۔ (۲) زوال آفتاب کے

(۱) تقدم تفصیله وتخریجه تحت عنوان: "جمع کے دن زوال کے وقت کا حکم"۔

(۲) أما الذي يكره التطوع فيها لمعنى يرجع إلى الوقت، فثلاثة أوقات: أحدها ما بعد طلوع الشمس إلى أن ترتفع وتبيض. (بدائع الصنائع: ۱/۲۹۵، فصل بيان ما يكره من التطوع، ط: دار الكتب العلمية)

مذکورہ عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ جب تک سورج بلند اور سفید نہ ہو جائے، اس وقت تک نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور عام طور پر مشاہدہ ہے کہ اس میں تقریباً ۲۰ منٹ لگ جاتے ہیں۔

وقت تقریباً دس پندرہ منٹ، اسی طرح (۳) غروب آفتاب کے وقت۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۰] وہ اوقات جن میں نفل نماز پڑھنا ممنوع ہے

گزشتہ سے بہتہ

۵۶۴-سوال: نفل نماز کون کون سے وقت میں پڑھنا منع ہے؟

الجواب حامدا ومصليا:

(۲) مذکورہ تینوں اوقات (سورج نکلنے کے وقت، استواء شمس کے وقت، سورج کے غروب ہونے کے وقت) میں کوئی بھی نفل نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، ان کے علاوہ صبح صادق کے بعد فجر کی دو رکعت سنت کے علاوہ دوسری کوئی بھی نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے، نیز عصر کی فرض نماز کے بعد، مغرب کی اذان کے بعد تین رکعت فرض سے پہلے، خطیب کے خطبہ دینے کے لیے اپنی جگہ سے نکلنے کے وقت، خواہ جمعہ کا خطبہ ہو یا عیدین کا یا حج کا یا نکاح کا، عید کی نماز سے پہلے یا بعد میں عید گاہ میں کوئی بھی نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے، ہاں عید کی نماز کے بعد گھر آ کر کوئی بھی نفل نماز پڑھنا جائز ہے، نفل پڑھنے کی مدت میں اگر فرض کا وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو، تو ایسی حالت میں بھی نفل پڑھنا مکروہ ہے، نیز جس وقت فرض نماز کے لیے اقامت کہی جا رہی ہو، اس وقت بھی نفل پڑھنا مکروہ ہے، پیشاب پاخانے کی شدید حاجت کے باوجود ان کو دبا کر نفل بل کہ کوئی بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے، کھانا حاضر ہو اور شدید بھوک کا تقاضہ ہو، اس وقت بھی کوئی نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (طحاوی: ۱۰۳، شامی: ۱/۳۴۴، فقط، واللہ اعلم بالصواب۔)

(۱) عن عقبہ بن عامر الجہنی قال: "ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن، أو نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل، وحين تضعف الشمس للغروب حتى تغرب" (سنن الترمذی: ۲۰۰/۱، رقم الحدیث: ۱۰۳۰، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی کراهیة الصلاة علی الجنزة، ط: البدر-دیوبند)

(وکرہ) تحریمًا... (صلاة) مطلقًا (ولو) قضاء أو واجبة أو نفلًا أو (على) جنازة وسجدة تلاوة وسهوا... (مع) شروق... (واستواء)... (وغروب، إلا عصر يومه). (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۷۱-۳۷۲، کتاب الصلاة، ط: دار الفکر)

(۲) (وکرہ) تحریمًا... (صلاة) مطلقًا (ولو) قضاء أو واجبة أو نفلًا أو (على) جنازة وسجدة تلاوة وسهوا... مع شروق... (واستواء)... (وغروب، إلا عصر يومه) فلا یکره فعله لادائه كما وجب بخلاف الفجر... (وکذا) =

## [۱۱] عصر کی نماز سے قبل نوافل کا حکم

۵۶۵-سوال: عصر کا وقت شروع ہوتے ہی اذان کے بعد نفل نماز، یا تحیۃ المسجد یا تحیۃ الوضوء پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بیوقوف تو جروا۔

### الجواب حامدا ومصليا:

عصر کے وقت میں عصر کی فرض نماز سے قبل جتنی نوافل پڑھنا چاہیں، پڑھ سکتے ہیں، فرض عصر کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہے، البتہ فرض نماز، جنازہ کی نماز، اسی طرح سجدہ تلاوت وغیرہ آفتاب کے زرد ہونے سے پہلے تک جائز ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=الحکم من کراہۃ نفل و واجب لغيره لا فرض و واجب لعينه (بعد طلوع فجر سوی سنته) لشغل الوقت به تقدیرا، حتی لو نوى تطوعا كان سنة الفجر بلا تعيين (وقبل) صلاة (مغرب) لکراہۃ تأخيره إلا يسيرا (وعند خروج إمام) من الحجره أو قيامه للصعود إن لم يكن له حجره (لخطبة) ما وسجىء أنها عشر (إلى تمام صلاته)... لحديث الصحيحين وغيرهما «إذا قلت لصاحبك أنصت والإمام يخطب فقد لغوت». " فإذا نهى عن الأمر بالمعروف وهو فرض فما ظنك بالنفل؟ وهذا قول الجمهور من أهل العلم... (وكذا يكره تطوع عند إقامة صلاة مكتوبة)... أطلقها مع أنه قيدها في الخانية والخلاصة، وأقره في الفتح وغيره من الشراح بيوم الجمعة... وقال: وأما في غير الجمعة فلا يكره بمجرد الأخذ بالإقامة ما لم يشرع الإمام في الصلاة ويعلم أنه يدرکه في الركعة الأولى... (إلا سنة فجر إن لم يخف فوت جماعتها)... وكذا يكره غير المكتوبة عند ضيق الوقت (وقبل صلاة العيدین مطلقا، وبعدها بمسجد لا بيت) في الأصح... (وعند مدافعة الأخبثين) أو أحدهما أو الريح (ووقت حضور طعام تاقت نفسه إليه، و) كذا كل (ما يشغل باله عن أفعالها ويخل بخشوعها) كأنما ما كان. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۷۵-۳۷۸، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، ط: دار الفكر ☆ بدائع الصنائع: ۱۵/۲-۱۹، كتاب الصلاة، الأوقات التي يكره فيها التطوع، ط: مكتبة زكريا-ديوبند)

[۱] (و کره نفل) قصد اولو تحية مسجد (و کل ما کان واجبا) لا لعينه بل (لغيره) وهو ما يتوقف وجوبه على فعله (کمنذور، و رکعتي طواف) وسجدتي سهو (والذي شرع فيه) في وقت مستحب أو مکروه (ثم أفسده) لو سنة الفجر (بعد صلاة فجر و) صلاة (عصر). [الدر المختار: ۳۷۵، ۳۷۸]

قال ابن عابدين: (قوله: بعد صلاة فجر وعصر) متعلق بقوله و کره أي و کره نفل الخ بعد صلاة فجر وعصر: أي إلى ما قبيل الطلوع والتغير بقريظة قوله السابق لا ينعقد الفرض الخ، ولذا قال الزيلعي هنا: المراد بما بعد العصر قبل تغير الشمس، وأما بعده فلا يجوز فيه القضاء أيضا وإن كان قبل أن يصلي العصر. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۷۵/۱، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، ط: دار الفكر - بيروت)

## [۱۲] عصر کی نماز کے وقت عصر کی ادائیگی سے پہلے ظہر کی قضا کرنا

۵۶۶-سوال: اگر عذر کی وجہ سے کسی شخص کی ظہر قضا ہوگئی، اور عصر کی اذان کے دوران وہ مسجد

میں پہنچا، تو کیا وہ عصر کی ادائیگی سے قبل ظہر کی قضا نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

### الجواب حامدا ومصليا:

عصر کی اذان کے دوران عصر کی ادائیگی سے قبل ظہر کی قضا پڑھنا جائز ہے، بشرطیکہ یہ شخص صاحب ترتیب نہ ہو۔<sup>[۱]</sup> اگر صاحب ترتیب ہے، تو عصر کی ادائیگی سے قبل ظہر کی قضا کرنا واجب ہے، بشرطیکہ عصر کا مکروہ وقت داخل نہ ہو جائے، اور وہ سورج کے پیلا ہونا اور اُس کی روشنی میں تغیر کا پیدا ہو جانا ہے۔

یعنی جب سورج پیلا ہو جائے، اور عصر کا وقت مکروہ داخل ہو جائے، تو اب ظہر کی قضا کرنا مکروہ تحریمی ہے، اب صرف عصر کی ادائیگی ہی پڑھ سکتا ہے، صاحب ترتیب سے اس صورت میں ترتیب ساقط ہو جائے گی۔ (شامی)<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] (وقضاء الفرض والواجب والسنة فرض وواجب وسنة) لف ونشر مرتب، وجميع أوقات العمر وقت لل قضاء إلا الثلاثة المنهية كما مر. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله إلا الثلاثة المنهية) وهي الطلوع والاستواء والغروب ح وهي محل للنفل الذي شرع به فيها ثم أفسده ط. (رد المحتار على الدر المختار: ۶۶/۲، باب قضاء الفوائت، ط: دار الفكر - بيروت)

عقبة بن عامر الجهني، يقول: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن، أو أن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس، وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب. (الصحيح لمسلم: ۲۷۱/۲، رقم الحديث: ۲۹۳- (۸۳۱)، كتاب فضائل القرآن وما يتعلق به، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها، قبيل كتاب الجمعة، ط: مختار ايند كمپني - ديوبند)

[۲] (الترتيب بين الفروض الخمسة والوتر أداء وقضاء لازم) يفوت الجواز بفوته، للخبر المشهور «من نام عن صلاة» وبه ثبت الفرض العملي... (فلم يجز)... (فجر من تذكر أنه لم يوتر)... (إلا)... فلا يلزم الترتيب (إذا ضاق الوقت المستحب) (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله للخبر المشهور: من نام عن صلاة) تمام الحديث "أو نسيها فلم يذكرها إلا وهو يصلي مع الإمام فليصل التي هو فيها ثم ليقض التي تذكرها ثم ليعد التي صلى مع الإمام"... (قوله المستحب) أي الذي لا كراهة فيه قهستاني. وقيل أصل الوقت، ونسبه الطحاوي إلى الشيخين، والأول إلى محمد. والظاهر أنه احترز عن وقت تغير الشمس في العصر... ولذا قال في البحر: وتظهر ثمرته فيما تذكر الظهر وعلم أنه لو صلاه يقع قبل التغير ويقع العصر أو بعضه فيه، فعلى الأول يصلي العصر ثم =

## [ ۱۳ ] فجر کی سنت سے پہلے یا بعد میں کوئی قضا نماز پڑھنا

۵۶۷-سوال: فجر کی سنت نماز سے پہلے یا سنت کے بعد قضا نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

صبح صادق کے بعد سورج نکلنے تک فرض، قضا اور نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے، اسی طرح عصر کی فرض نماز کے بعد۔ جب تک سورج پیلا نہ ہو جائے۔ قضا، فرض اور جنازے کی نماز پڑھ سکتے ہیں اور جنازہ ایسے وقت حاضر ہوا، جب کہ سورج پیلا ہو رہا تھا، تب بھی جنازے کی نماز جائز ہے۔ (شامی: ۳۴۹/۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [ ۱۴ ] جہاں سورج غروب ہونے کے بعد ڈیڑھ گھنٹے میں ہی طلوع ہو جاتا ہو، وہاں تراویح کا حکم

۵۶۸-سوال: سویڈن میں سورج غروب ہونے کے محض ڈیڑھ گھنٹے بعد طلوع ہو جاتا ہے،

= الظهر بعد الغروب، وعلى الثاني يصلي الظهر ثم العصر. واختار الثاني قاضي خان في شرح الجامع. وفي المبسوط أن أكثر مشايخنا على أنه قول علمائنا الثلاثة، وضح في المحيط الأول... (رد المحتار على الدر المختار: ۶۶/۲، باب قضاء الفرائض، ط: دار الفكر - بيروت)

(وكره) تحريماً... (صلاة) مطلقاً (ولو) قضاء أو واجبة أو نفلاً أو (على جنازة وسجدة تلاوة وسهوا)... (مع شروق)... (واستواء)... (وغروب، إلا عصر يومه). (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۷۱/۱-۳۷۲، كتاب الصلاة، ط: دار الفكر)

مزید دیکھیے: الفتاویٰ الہندیہ: ۵۲/۱، الباب الأول في مواقيت الصلاة، وما يتصل بها، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة وتكره فيها، ط: دار الفكر - بيروت.

[ ۱ ] واعلم أن الأوقات المكروهة نوعان: الأول الشروق والاستواء والغروب. والثاني ما بين الفجر والشمس، وما بين صلاة العصر إلى الاصفرار.

فالنوع الأول لا ينعقد فيه شيء من الصلوات التي ذكرناها إذا شرع بها فيه، وتبطل إن طرأ عليها إلا صلاة جنازة حضرت فيها... والنوع الثاني ينعقد فيه جميع الصلوات التي ذكرناها من غير كراهة، إلا النفل والواجب لغيره فإنه ينعقد مع الكراهة، فيجب القطع والقضاء في وقت غير مكروه اھـ مع بعض تغيير. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۷۳/۱، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، ط: دار الفكر - بيروت) ☆ بدائع الصنائع: ۳۲۹/۱، كتاب الصلاة، بيان وقت المكروه، ط: زكريا - ديوبند ☆ الفتاویٰ الہندیہ: ۵۳/۱، الباب الأول في مواقيت الصلاة وما يتصل بها، الفصل الثالث في الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة، ط: زكريا - ديوبند)

اسی ڈیڑھ گھنٹے میں مغرب، عشاء اور فجر پڑھنی پڑتی ہے، تو اس حال میں تراویح کا کیا جائے؟  
**الجواب حامد اوصلیا:**

فرض نماز: مغرب عشاء اور فجر کا پڑھنا تو ضروری ہے۔<sup>(۱)</sup>

البتہ علماء کرام نے حدیث دجال میں۔ جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اس وقت ایک دن: ایک سال، ایک مہینہ اور ایک ہفتہ کے برابر ہوگا، تو نمازوں کے متعلق صحابہ کرامؓ کے دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا، حساب لگا کر پڑھو گے۔ یہ بحث کی ہے کہ اس میں عشاء اور فجر میں نیت قضا کی کرے یا ادا کی؟ شامی (۲۴۲/۱) میں اس کی تفصیل موجود ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) قلنا: یا رسول اللہ وما لبثتہ فی الأرض؟ قال: أربعون یوما، یوم کسنة، یوم کسهر، یوم کجمعة، وسائر آیامہ کأیامکم، قلنا: یا رسول اللہ فذلک الیوم الذی کسنة، أتکفینا فیہ صلاة یوم؟ قال: لا، اقدروا له قدره. (الصحيح لمسلم: ۴۰۱/۲، رقم الحدیث: ۱۱۰- (۲۹۳۷)، کتاب الفتن وأشرط الساعة، باب ذکر الدجال وصفته وما معه، ط: مختار اینڈ کمپنی - دیوبند ☆ سنن أبی داؤد: ۵۹۳/۲، رقم الحدیث: ۴۳۲۱، کتاب الملاحم، باب خروج الدجال، ط: دیوبند)

وفاقد وفتہما کبلغار، فإن فیہا یطلع الفجر قبل غروب الشفق فی أربعینة الشتاء، مکلف بہما فیقدر لہما. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۶۲/۱، کتاب الصلاة، ط: دار الفکر - بیروت)

قال الأسنوي: ويقاس عليه اليومان التالين واستظهر الكمال وجوب القضاء، استدلالا بحديث الدجال، وتبعه ابن الشحنة، فصححه في ألغازه، وذكر في المنح أنه المذهب. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۱۷۸/۱، کتاب الصلاة، مدخل، قبيل: فصل في الأوقات المكروهة، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية)  
 (۲) ولا ينوي القضاء لفقده وقت الأداء، به أفتى البرهان الكبير واختاره الكمال، وتبعه ابن الشحنة في ألغازه فصححه، فزعم المصنف أنه المذهب. (الدر المختار)

و قال ابن عابدين: هذه المسألة نقلوا فيها الاختلاف بين ثلاثة من مشايخنا وهم: البقالي والحلواني والبرهان الكبير، فأفتى البقالي بعدم الوجوب، وكان الحلواني يفتي بوجوب القضاء، ثم وافق البقالي؛ لما أرسل إليه الحلواني من يسأله عن أسقط صلاة من الخمس أي كافر؟ فأجاب السائل بقوله: من قطعت يده أو رجلاه كم فروض وضوئه؟ فقال له: ثلاث، لفوات المحل، قال فكذلك الصلاة، فبلغ الحلواني ذلك فاستحسنه ورجع إلى قول البقالي بعدم الوجوب. وأما البرهان الكبير، فقال بالوجوب، لكن قال في الظهيرية وغيرها: لا ينوي القضاء في الصحيح لفقده وقت الأداء. واعترضه الزيلعي بأن الوجوب بدون السبب لا يعقل، وبأنه إذا لم ينو القضاء يكون أداء ضرورة، وهو أي الأداء فرض الوقت ولم يقل به أحد، إذ لا يبقى وقت العشاء بعد طلوع الفجر إجماعاً. اهـ. وأيضاً فإن من جملة بلادهم ما يطلع فيها الفجر كما غربت الشمس كما في الزيلعي وغيره، فلم يوجد وقت قبل الفجر يمكن فيه الأداء.

إذا علمت ذلك ظهر لك أن من قال بالوجوب يقول به على سبيل القضاء لا الأداء. (رد المحتار على الدر المختار:

۳۶۲-۳۶۳، کتاب الصلاة، مطلب في فاقد وقت العشاء كأهل بلغار، ط: دار الفکر - بیروت)

لہذا جو علماء قضا کی نیت سے پڑھنے کے قائل ہیں، ان کے نزدیک مذکورہ صورت میں تراویح نہیں پڑھی جائے گی؛ کیوں کہ تراویح سنت ہے۔<sup>(۱)</sup> اور سنت کی قضا نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] جہاں سورج غروب ہونے کے فوراً بعد طلوع ہو جاتا ہو، وہاں نماز اور روزے کا حکم

گذشتہ سے بہتہ

۵۶۹-سوال: ناروے میں ایک طرف سورج غروب ہوتا ہے اور دوسری طرف پندرہ منٹ

میں نکل آتا ہے، تو وہاں نماز اور روزے وغیرہ کے متعلق کیا حکم ہے؟

**الجواب حامداً ومصلياً:**

نماز کے متعلق اوپر جو لکھا ہے، اس کے مطابق عمل ہوگا۔<sup>(۳)</sup> ابھی آپ امریکہ میں ہیں، جب ناروے جائیں، تو حالات کی مزید تحقیق کر کے سوال کریں، اس سوال میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ کیا ۱۲ مہینے سورج کا یہ حال رہتا ہے یا مخصوص ایام میں؟ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) (التراویح سنة) مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال والنساء) إجماعاً.

(قوله سنة مؤكدة) صححه في الهداية وغيره، وهو المروي عن أبي حنيفة. وذكر في الاختيار أن أبا يوسف سأل أبا حنيفة عنها وما فعله عمر، فقال: التراويح سنة مؤكدة، ولم يتخرجه عمر من تلقاء نفسه، ولم يكن فيه مبتدعاً؛ ولم يأمر به إلا عن أصل لديه وعهد من رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ولا ينافيه قول القدوري إنها مستحبة كما فهمه في الهداية عنه؛ لأنه إنما قال يستحب أن يجتمع الناس، وهو يدل على أن الاجتماع مستحب، وليس فيه دلالة على أن التراويح مستحبة، كذا في العناية. وفي شرح منية المصلي: وحكى غير واحد الإجماع على سنيتها، وتاممه في البحر. — (قوله لمواظبة الخلفاء الراشدين) أي أكثرهم لأن المواظبة عليها وقعت في أثناء خلافة عمر - رضي الله عنه -، ووافق على ذلك عامة الصحابة ومن بعدهم إلى يومنا هذا بلا تكبير، وكيف لا وقد ثبت عنه - صلى الله عليه وسلم - «عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ» كما رواه أبو داود بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۳۳-۴۳۴، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) لا خلاف بين أصحابنا في سائر السنن سوى ركعتي الفجر أنها إذا فاتت عن وقتها لا تقضى سواء فاتت وحدها، أو مع الفريضة. (بدائع الصنائع: ۱/۲۸۷، كتاب الصلاة، فصل: السنة إذا فاتت عن وقتها هل تقضى أم لا؟ ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۳) مسئلہ اور اس کی تفصیل و تخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان: جہاں سورج غروب ہونے کے بعد ڈیڑھ گھنٹے میں ہی طلوع ہو جاتا ہو، وہاں تراویح کا حکم۔



## [۱۶] سفر میں نکلنے وقت ظہر کی اذان اول وقت میں دینا اور نماز پڑھنا کیسا ہے؟

۵۷۰-سوال: زوال کے بعد ظہر کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے، تو اگر سفر کی وجہ سے زوال کے

فوراً بعد نماز پڑھنے کا اتفاق ہو، تو کیا اذان دینا ضروری ہوگا؟

کیا سفر سے پہلے سفر کی دو رکعت نماز ادا کرنا ضروری ہے؟ بینو اتو جروا۔

## الجواب حامداً ومصلياً:

۱- زوال کے فوراً بعد ظہر کی نماز جائز ہے؛ بل کہ اگر سفر میں جانے کا ارادہ ہو، تو وقت ہو جانے پر

پہلے نماز پڑھ لے، پھر سفر کرے؛ کیوں کہ بسا اوقات گاڑی کے لیٹ ہو جانے سے نماز کے قضا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

۲- دو رکعت نماز پڑھنا پھر سفر کرنا، اسی طرح سفر سے واپسی پر دو رکعت پڑھنا مندوب و مستحب ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) اول وقت الظہر، فحين تنزل الشمس بلا خلاف؛ لما روي عن أبي هريرة - رضي الله عنه - عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال: «أول وقت الظہر حين تنزل الشمس». (بدائع الصنائع: ۱/۱۲۲، كتاب الصلاة، فصل شرائط أركان الصلاة، بيان وقت الفجر والظہر، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۳/۱۷۱، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، ط: بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۵۲، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة وتكره فيها، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) عن عبد الله بن مسعود قال: «جاء رجل إلى النبي - صلى الله عليه وسلم - فقال: يا رسول الله! إنني أريد أن أخرج إلى البحرين في تجارة، فقال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: "صل ركعتين». رواه الطبراني في الكبير، ورجاله موثقون. (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد - أبو الحسن نور الدين علي بن أبي بكر بن سليمان الهيثمي (م: ۸۰۷هـ): ۲/۲۸۳، رقم الحديث: ۳۶۸۳، كتاب الصلاة، أبواب العيدين، باب الصلاة إذا أراد سفرًا، ت: حسام الدين القدسي، ط: مكتبة القدسي، القاهرة ☆ مزيركيه: تنبيه القارئ لتقوية ماضعه الألباني - عبد الله بن محمد بن أحمد الدويش (م: ۱۴۰۹هـ)، ص: ۵۸، رقم الحديث: ۹۴، ط: دار العليان للنشر والنسخ والتصوير والتجليد، بريدة)

عن كعب بن مالك، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم «كان لا يقدم من سفر إلا نهاراً في الضحى، فإذا قدم بدأ بالمسجد، فصلى فيه ركعتين، ثم جلس فيه». (الصحيح لمسلم: ۱/۲۳۸، رقم الحديث: ۷۴ - (۷۱۶)، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب الركعتين في المسجد لمن قدم من سفر أول قدمه، ط: ديوبند)

ومن المندوبات ركعتا السفر والقدم منه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۴، كتاب الصلاة، مطلب في ركعتي السفر، دار الفكر - بيروت)

۳- اور رہی اذان، تو وہ نماز کے لیے سنت ہے، اذان کے بغیر بھی نماز صحیح ہو جاتی ہے۔<sup>[۱]</sup> فقط واللہ

اعلم بالصواب۔

[۱۷] کیا صبح صادق کے بعد فجر کی اذان میں دس منٹ کی تاخیر ضروری ہے؟

۵۷۱- سوال: صبح صادق کے ۵ منٹ بعد فجر کی اذان دی جاتی ہے، پھر بھی بعض لوگ کہتے

ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے، کم از کم ۱۰ منٹ تاخیر سے اذان دینی چاہئے، تو اس سلسلے میں صحیح بات کیا ہے؟

**الجواب حامداً ومصلياً:**

صبح صادق ہو جانے کے بعد فوراً فجر کی اذان دینا صحیح ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے؛ بل کہ دوسرے ائمہ کے نزدیک تو تہائی یا چوتھائی رات کے گزر جانے کے بعد اگر کوئی فجر کی اذان دے دے، تب بھی درست ہے۔

البتہ حنفی مذہب میں صبح صادق کے بعد ہی وقت ہوتا ہے؛ لیکن اس میں تاخیر کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ تاخیر کے فوراً اذان دی جائے، تب بھی صحیح ہے، مگر گھڑی کا ٹائم صحیح ہونا ضروری ہے، تاکہ طلوع صبح کا یقینی علم ہو سکے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] (وہو سنة) للرجال في مكان عال (مؤكدة) هي كالواجب في لحوق الإثم (للفرائض) الخمس (في وقتها ولو قضاء) لأنه سنة للصلاة. — قال ابن عابدين: (قوله: للفرائض الخمس إلخ) دخلت الجمعة بحر، وشمل حالة السفر والحضر والانفراد والجماعة. قال في مواهب الرحمن ونور الإيضاح ولو منفرداً أو قضاء سفر أو حضراً. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۸۴، كتاب الصلاة، باب الاذان، ط: دار الفكر - بيروت) (۱) وأما بيان وقت الأذان والإقامة فوقتهما ما هو وقت الصلوات المكتوبات، حتى لو أذن قبل دخول الوقت لا يجزئه ويعيده إذا دخل الوقت في الصلوات كلها في قول أبي حنيفة ومحمد. — وقد قال أبو يوسف: أخيراً بأس بأن يؤذن للفجر في النصف الأخير من الليل، وهو قول الشافعي. — (واحتجاجاً) بما روى سالم بن عبد الله بن عمر عن أبيه - رضي الله عنه - أن بلالاً كان يؤذن بليل، وفي رواية قال: لا يفرنكم أذان بلال عن السحور، فإنه يؤذن بليل، ولأن وقت الفجر مشتبه، وفي مراعاته بعض الحرج بخلاف سائر الصلوات. ولأبي حنيفة ومحمد ما روى شداد مولى عياض بن عامر أن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال لبلال: لا تؤذن حتى يستبين لك الفجر هكذا. (بدائع الصنائع: ۱/۱۵۴، كتاب الصلاة، فصل بيان وقت الأذان والإقامة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

## [۱۸] تقویم میں درج شدہ وقت سے پہلے منور میں عشاء کی اذان

۵۷۲-سوال: رمضان شریف میں ہمارے یہاں ”وڈوا“ میں عشاء کی اذان کا وقت ۹ بجے تھا، جب کہ قریب کے بڑے گاؤں منور میں عشاء کی اذان ۵۰-۸ کو ہوتی تھی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ تقویم میں تو عشاء کا وقت ۵۷-۸ لکھا ہوا ہے، اس کے باوجود کیا منور کے موافق ہم اذان دے سکتے ہیں؟ اور شرعاً وقت سے پہلے اذان دینے کی گنجائش ہے؟ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

## الجواب حامدًا ومصلياً:

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک شفق ابیض کے غروب ہونے کے بعد عشاء کا وقت ہوتا ہے، جب کہ امام شافعیؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک شفق احمر کے غروب کے بعد ہی سے عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

غروب شمس کے بعد شفق احمر کے غروب تک کا فاصلہ ایک گھنٹہ ۲۲ منٹ سے ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ رہتا ہے، اب آپ سوچیں کہ ڈیڑھ گھنٹے کا بھی فاصلہ ہو، تو عشاء کا وقت ۵۰-۸ کو ہو جاتا ہے اور اگر ایک

(۱) (وَأَمَّا) أَوَّلُ وَقْتُ الْعِشَاءِ فَحِينَ يَغِيبُ الشَّفَقُ بِلَا خِلَافٍ بَيْنَ أَصْحَابِنَا؛ لِمَا رَوَى فِي خَبَرِ أَبِي هُرَيْرَةَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - وَأَوَّلُ وَقْتُ الْعِشَاءِ حِينَ يَغِيبُ الشَّفَقُ، وَاسْتَلْفُو فِي تَفْسِيرِ الشَّفَقِ، فَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ هُوَ الْبَيَاضُ، وَهُوَ مَذْهَبُ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرُ وَمَعَاذُ وَعَائِشَةُ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ -، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ وَالشَّافِعِيِّ هُوَ الْحُمْرَةُ، وَهُوَ قَوْلُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ - وَهُوَ رِوَايَةُ أَسَدِ بْنِ عُمَرَ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ. (بَدَائِعُ الصَّنَائِعِ: ۱/۱۲۴، كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَيَانُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ، ط: دَارُ الْكُتُبِ الْعِلْمِيَّةِ - بَيْرُوتُ ☆ مَزِيدُ رَيْحَانِي: الْأَصْلُ الْمَعْرُوفُ بِالْمَبْسُوطِ - أَبُو عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ فَرَقْدِ الشَّيْبَانِيِّ (م: ۱۸۹ھ) - ۱/۱۳۵، كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ، ت: أَبُو الْوَفَاءِ الْأَفْغَانِيُّ، ط: إِدَارَةُ الْقُرْآنِ وَالْعُلُومِ الْإِسْلَامِيَّةِ - كِرَاتَشِي ☆ الْحُجَّةُ عَلَى أَهْلِ الْمَدِينَةِ - أَبُو عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ فَرَقْدِ الشَّيْبَانِيِّ (م: ۱۸۹ھ) - ۱/۸، اِخْتِلَافُ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَأَهْلِ الْمَدِينَةِ فِي الصَّلَوَاتِ وَالْمَوَاقِيتِ، ت: مَهْدِي حَسَنُ الْكِلَانِيُّ الْقَادِرِيُّ، ط: عَالَمُ الْكُتُبِ - بَيْرُوتُ ☆ الْمَبْسُوطُ - مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ أَبِي سَهْلٍ شَمْسِ الْأُتْمَةِ السَّرْحَسِيِّ (م: ۳۸۳ھ) - ۱/۱۳۴ - ۱۳۵، كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ، ط: دَارُ الْمَعْرِفَةِ - بَيْرُوتُ ☆ كِتَابُ الْأَمِّ - الشَّافِعِيُّ، أَبُو عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدُ بْنُ إِدْرِيسَ بْنِ الْعَبَّاسِ، الْقُرَشِيُّ الْمَكِّيُّ (م: ۲۰۴ھ) - ۱/۹۳، كِتَابُ الصَّلَاةِ، جَمَاعُ مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ، وَقْتُ الْعِشَاءِ، ط: دَارُ الْمَعْرِفَةِ - بَيْرُوتُ)

گھنٹہ ۳۵ کا فاصلہ ہو، تب بھی وقت ہو جانے کی امید ہے، بالفرض اگر وقت نہیں بھی ہوتا ہے، تو اذان نماز کی سنت ہے اور سنت چھوٹ جانے سے نماز میں کوئی فساد نہیں آتا۔<sup>(۱)</sup> اس لیے منبر والے جو کچھ کرتے ہیں، ان پر اعتراض نہ کیا جائے، البتہ آپ کا جو عمل ہے، اسی کو جاری رکھیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۹] دارالعلوم تریکیر اور مفتی کفایت اللہ صاحب کی دائمی تقویم میں اختلاف کی حقیقت

گزشتہ سے بہتر

۵۷۳-سوال: تریکیر سے طبع شدہ دائمی تقویم اور مفتی کفایت اللہ دہلوی صاحب کی دائمی تقویم میں ٹھوڑا سا فرق ہے، ۲۷ جون سے ۲۲ جولائی تک کے وقت میں دونوں تقویم میں اختلاف ہے، مفتی کفایت اللہ صاحب کی تقویم کے مطابق ۲۷ جون میں عشاء کا وقت ۵-۹ (نونج کر پانچ منٹ) پر ہوتا ہے، جب کہ تریکیر کی تقویم کے موافق ۵-۸ (آٹھ بج کر ستاون منٹ) پر عشاء کا وقت ہو جاتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان دونوں میں صحیح کیا ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

آپ تریکیر کی دائمی تقویم پر عمل کر سکتے ہیں، تیسری تقویم سورت پٹنی ایجوکیشن کمیٹی، سرکی واڑ، سورت نمبر: ۱، میں بھی عشاء کا وقت وہی مذکور ہے، جو تریکیر کی تقویم میں ہے؛ لہذا آپ نوبجے عشاء کی اذان دے سکتے ہیں، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کی جو تقویم ہے، وہ دہلی اور اس کے اطراف والوں کے لیے ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۰] منیار والوں کی شائع کردہ شمسی تقویم اور دائمی اوقات نامی تقویم میں سے کس پر عمل کیا جائے؟

۵۷۴-سوال: ہمارے گجرات میں منیار والوں نے شمسی تقویم شائع کی ہے، اور یوپی میں مولانا انس صاحب ادارہ اشاعت دینیات پرائیوٹ لمیٹڈ حضرت نظام الدین نئی دہلی والے نے پورے ہندوستان کے لیے ’دائم اوقات الصلاة‘ نامی تقویم کتابی شکل میں شائع کی ہے، جو کمپیوٹر کی مدد سے تیار شدہ ہے۔

(۱) لأنہ سنة للصلاة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۳۸۴، کتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الفکر - بیروت)

(۲) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے: تقویم میں درج شدہ وقت سے پہلے منبر میں عشاء کی اذان۔

مذکورہ دونوں تقویم میں گجرات کے لیے صبح صادق کا جو وقت لکھا گیا ہے، وہ حضرت مفتی کفایت اللہ کے فتویٰ کے بالکل ہی خلاف ہے، اور دہلی، دیوبند، سہارن پور کے لیے صبح صادق کا جو وقت لکھا ہے، وہ فتویٰ کے مطابق کچھ ٹھیک ہے اور مذکورہ تقویموں میں گجرات کے لیے جو وقت عشاء لکھا گیا ہے، اس میں وقت عشاء حنفی نہیں ہوتا؛ بل کہ اس وقت میں عشاء شافعی کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

الغرض مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ والی تقویم اور کمپیوٹر کی مدد سے تیار کی گئی تقویم میں فرق ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کن کی تقویم پر عمل کیا جائے۔ بینواتو جروا۔

(۲) کمپیوٹر پر شرعا اعتماد کیا جائے گا یا نہیں؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

شمسی تقویم اور دہلی والی دائمی تقویم کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صبح اور طلوع آفتاب کے درمیان فاصلہ، اسی طرح غروب آفتاب اور عشاء کے وقت کے درمیان کا فاصلہ؛ دونوں میں برابر ہونا چاہیے۔

اب مفتی کفایت اللہ اور کمپیوٹر کی تحقیق پر مبنی تقویم کے درمیان اس قدر فرق رہتا ہے کہ حضرت مفتی کفایت اللہ نے گجرات کے لیے جو فاصلہ بتلایا ہے، وہ زیادہ ہے۔ ان کے فتویٰ کے مطابق کم از کم فاصلہ ایک گھنٹہ اور اکیس منٹ اور زیادہ سے زیادہ فاصلہ ماہ جون میں ایک گھنٹہ اور اڑتیس منٹ ہوتا ہے۔ جب کہ مذکورہ دونوں تقویموں کے حساب سے یہ فاصلہ کم از کم ایک گھنٹہ چودہ منٹ، اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ تیس منٹ یا چوبیس منٹ ہوتا ہے؛ اس لیے مختلف مہینوں میں شمسی تقویم اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے نظام الاوقات میں ۷ سے ۱۳ منٹ کا فرق ہوتا ہے۔ مثلاً جنوری میں شمسی تقویم کے لحاظ سے ۷ منٹ پہلے عشاء کا وقت ہوتا ہے اور مفتی صاحب کے فتویٰ کے مطابق ۷ منٹ بعد ہوتا ہے اور شمسی تقویم کے لحاظ سے جنوری میں صبح صادق حضرت مفتی کفایت اللہ کے مطابق ۷ منٹ پہلے ہوتی ہے اور شمسی تقویم کے مطابق ۷ منٹ بعد ہوتی ہے، یہاں تک کہ جون میں یہ فاصلہ ۱۳ منٹ پر جا پہنچتا ہے، تیرہ منٹ پہلے عشاء کا وقت شمسی تقویم میں ہو جاتا ہے اور شمسی تقویم کے وقت کے تیرہ منٹ بعد حضرت مفتی صاحب کے یہاں وقت ہوتا ہے۔ تقویم والوں نے کمپیوٹر اور دیگر سائنسی آلات کے ذریعہ وقت تجویز کیا ہے، حضرت مفتی صاحب نے بھی قدیم آلات اسطرلاب<sup>(۱)</sup> وغیرہ سے مدد لی ہوگی۔ کوئی بھی آلہ ہو، اس سے غالب گمان اور تخمین کی حد تک

(۱) ایک آلہ جس سے ستاروں کی بلندی مقام اور رفتار دریافت کرتے ہیں۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۶، ط: فیروز ایڈسنز۔ کراچی)

ہی علم حاصل ہوتا ہے۔

مذکورہ صورت میں حضرت مفتی کفایت اللہ کے فتویٰ کے مطابق عمل کرنا ہی ضروری ہے؛ اس لیے کہ عبادات میں احتیاط کے پہلو کو اختیار کیا جاتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

مذکورہ صورت میں شمسی تقویم پر عمل کی صورت میں بعض مہینوں میں شفق ابیض کے غائب ہونے سے پہلے عشاء کی اذان ہونے کا احتمال ہے اور جون میں احتمال قوی ہے کہ شفق ابیض کے ابتدائی وقت ہی میں عشاء کی اذان ہو جائے گی؛ کیوں کہ شفق احمر کے غائب ہونے اور شفق ابیض کی غیبیوت کے درمیان بارہ منٹ کا فاصلہ ہوتا ہے؛ اس لیے عشاء کی اذان حضرت مفتی صاحب کے وقت کے مطابق دینا ضروری ہے۔

اور صبح صادق شمسی تقویم کے مطابق دیر سے ہوتی ہے، جس سے احتمال ہوتا ہے کہ روزہ ہی نہ ہو؛ کیوں کہ آخر وقت میں سحری کھانے یا پانی پینے سے، صبح صادق کے بعد، کھانا پینا واقع ہوگا اور حضرت مفتی صاحب کے فتویٰ کے مطابق صبح صادق کا وقت مقدم ہے؛ اس لیے نہایت ضروری ہے کہ روزے کے بارے میں حضرت مفتی صاحب کے بیان کردہ وقت کے مطابق عمل کیا جائے۔<sup>(۲)</sup>

(۲) نمازوں کے اوقات کا مدار ایسے نشانات و علامات ہیں کہ کوئی بھی شخص کسی بھی جگہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر فیصلہ کر سکتا ہے کہ نماز کا وقت ہوا ہے یا نہیں؛ لیکن اگر سہولت کی خاطر ایسے آلات سے مدد لی جائے، جن سے گمان غالب ہو جاتا ہو، تو اس پر عمل کرنا جائز ہوگا؛ اس لیے کمپیوٹر وغیرہ سے اگر ایسا وقت نکالا جائے، جس کے صحیح ہونے کا غالب گمان ہو، تو اس پر عمل کرنا جائز ہے، مگر ان آلات سے معلوم کردہ وقت

(۱) والثانی الاحتیاط فی باب الحرمات والعبادات. (أصول السرخسی - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسی (م: ۴۸۳ھ)؛ ۲/۳۲۰، فصل فی تقسیم العلة، ط: دار المعرفة - بیروت)

والثالث: أن الصحابة عملوا على هذا الاحتیاط فی الدین لما فهموا هذا الأصل من الشریعة، وکانوا أئمة یقتدی بهم؛ فترکوا أشياء وأظهروا ذلك لیبنائنا أن ترکها غیر قادم وإن کانت مطلوبة؛ فمن ذلك ترک عثمان القصر فی السفر فی خلافته. (المواقفات - إبراهیم بن موسی بن محمد اللخمی الفرناطی الشهیر بالشاطبی (م: ۹۰ھ): ۱۰۲/۴، کتاب الأدلة الشرعیة، الفصل الخامس: فی البیان والإجمال، المسألة السادسة، ت: أبو عبیدة مشهور بن

حسن آل سلمان، ط: دار ابن عفان)

(۲) البیت فجر کی اذان و نماز کی ابتدا کے سلسلے میں دہلی کی تقویم کے مطابق عمل کیا جائے، تاکہ دونوں (تقویم اور فتویٰ) کے مطابق اذان و نماز درست ہو۔

میں اختلاف ہو، تو تردد اور شک والی صورت کو اختیار کرنا جائز نہیں ہے، جیسے مذکورہ صورت میں تردد ہوا ہے، تو احتیاط کی صورت پر عمل ضروری ہے۔ (شامی، جلد ۱ صفحہ ۷۰۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۱] غروب آفتاب کے بعد کب سے عشاء کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے؟

۵۷۵-سوال: غروب آفتاب کے بعد شفق کب تک باقی رہتی ہے؟ اور شفق کے غائب ہونے کے بعد کتنے وقت میں عشاء کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے؟ گرمی، سردی اور بارش کی تینوں فصلوں میں مغرب اور عشاء کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟ راندر کے مفتی صاحب، نیز جامعہ حسینیہ، دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر، دارالعلوم اشرفیہ راندر اور جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل کے مفتیان کرام کی تصدیق سے شائع شدہ شمسی تقویم کا ہم لوگ نماز اور روزہ وغیرہ میں اعتبار کرتے ہیں، چنانچہ اس تقویم کے مطابق مارچ مہینے کی ابتدا میں غروب آفتاب چھ بج کر اکاون منٹ کو بتایا گیا ہے، جس میں پانچ منٹ کے اضافہ کے ساتھ چھ بج کر چھپن منٹ کو مغرب کا وقت شروع ہوتا ہے، پھر عشاء کا وقت آٹھ بج کر پانچ منٹ کو بتایا گیا ہے، جس میں پانچ منٹ کے اضافہ کے ساتھ آٹھ بج کر دس منٹ کے بجائے ہم آٹھ بج کر پندرہ منٹ پر اذان دیتے ہیں اور آٹھ بج کر تیس منٹ پر جماعت قائم ہوتی ہے، تو کیا ہمارا یہ عمل صحیح ہے یا نہیں؟ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ دیر بڑھ گھنٹے کا فاصلہ ضروری ہے، تو ہم نے کہا کہ جب اتنے سارے مفتیان کرام نے تصدیق فرمائی ہے، تو وہ تقویم غلط تو نہ ہوگی، لہذا حضرت والا سے درخواست ہے کہ اس باب میں شرعی فیصلہ کے ساتھ سال کی تمام فصلوں کے

(۱) [تتمة] يشترط لصحة الصلاة دخول الوقت، واعتماد دخول كفا في نور الإيضاح وغيره، فلو شك في دخول وقت العبادة، فأتى بها، فبان أنه فعلها في الوقت لم يجزه كفا في الأشباه في بحث النية، ويكفي في ذلك أذان الواحد لو عدلا، والاتحري وبنى على غالب ظنه، لما صرح به أئمتنا من أنه يقبل قول العدل في الديانات، كالأخبار بجهة القبلة والطهارة والنجاسة والحل والحرمه، حتى لو أخبره ثقة ولو عبدا أو أمة، أو محدودا في قذف بنجاسة الماء، أو حل الطعام وحرمة قبل ولو فاسقا، أو مستورا يحكم رأيه في صدقه أو كذبه ويعمل به؛ لأن غالب الرأي بمنزلة اليقين، بخلاف خبر الذمي حيث لا يقبل اهـ ومثله الصبي والمعتوه العاقلان في الأصح، ولا يخفى أن الإخبار عن دخول الوقت من العبادات، فيجري فيه هذا التفصيل، والله أعلم. ثم رأيت في كتاب القول لمن عن معين الحكام ما نصه: المؤذن يكفي إخباره بدخول الوقت إذا كان بالغا عاقلا عالما بالأوقات مسلما ذكر ويعتمد على قوله. اهـ. وفي صيام القهستاني: وأما الإفطار فلا يجوز بقول واحد بل بالمشئى. وظاهر الجواب أنه لا بأس به إذا كان عدلا صدقه إلخ. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۷۰/۱، كتاب الصلاة، قبل الأذان، أوقات الصلاة، ط: دار الفكر)

مطابق گھنٹے اور منٹ کے فاصلے بھی لکھ بھیجیں، ہمارا ضلع بلساڑ ہے۔

### الجواب حامدا ومصليا:

غروب آفتاب اور شفق کے غائب ہونے کا فاصلہ پورے سال یکساں نہیں رہتا، بلکہ ہر موسم میں بدلتا رہتا ہے، کفایت المفتی، فتاویٰ دارالعلوم، فتاویٰ رحیمیہ اور دیگر مفتیان کرام کے بیان کے مطابق یہ فاصلہ جون کے مہینے میں ایک گھنٹہ اڑتیس منٹ تک پہنچتا ہے، اس سے زیادہ پھر کسی موسم میں نہیں رہتا، اور کم سے کم فاصلہ ستمبر کے مہینے میں ایک گھنٹہ اکیس منٹ کا ہوتا ہے، لہذا مغرب اور عشاء کے مابین کم از کم ایک گھنٹہ اڑتیس منٹ اور ستمبر میں ایک گھنٹہ اکیس منٹ کا فاصلہ ہونا ضروری ہے۔

نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جس دن غروب شمس اور شفق کے غائب ہونے کے درمیان جتنا فاصلہ ہوتا ہے، اتنا ہی فاصلہ اُس دن کے صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان ہوتا ہے۔

سوال میں جس شمسی تقویم کا ذکر کیا گیا ہے اُس کا اعتبار ظہر اور عصر کی نماز میں کر لیا جائے، تو کوئی حرج نہیں؛ البتہ عشاء اور صبح صادق میں کچھ احتیاط کر لینا ضروری ہے، کیوں کہ مذکورہ شمسی تقویم میں عشاء کا وقت مفتیان کرام کے بتائے ہوئے فاصلہ کے مقابلے میں دس سے تیرہ منٹ جلد بتایا گیا ہے، نیز دوسرے مہینوں میں سات منٹ کا فرق ہے، لہذا شمسی تقویم میں بتائے گئے وقت کے مطابق صاحبین اور امام شافعی کے مسلک کے موافق عشاء کی اذان درست شمار ہوگی؛ لیکن امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک کے موافق۔ جو کہ مفتی بہ قول ہے۔ اذان وقت سے پہلے ہوگی، جو جائز نہیں ہے۔

نیز ماقبل میں بتائے گئے اصول کے مطابق ان دنوں کے صبح صادق میں بھی فرق واقع ہوگا، لہذا شمسی تقویم میں ذکر کردہ صبح صادق کے وقت سے دس یا بارہ منٹ پہلے مفتیان کرام کے قول کے مطابق صبح صادق کا وقت ہو جاتا ہے، نیز دیگر مہینوں میں بھی تین سے لے کر سات منٹ قبل صبح صادق کا وقت ہو جاتا ہے، لہذا خصوصاً سحری کے وقت میں خوب احتیاط کی ضرورت ہے۔

بعض دیگر تقویٰات اور مفتیان کرام کے اقوال کے مطابق ہر موسم میں صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان ہمیشہ ایک گھنٹے بیس منٹ ہی کا فاصلہ رہتا ہے، لیکن ماقبل میں جو قول بیان کیا گیا ہے، وہ علامہ ابن عابدین شامی اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کا ذکر کردہ ہے کہ جس دن غروب اور شفق کے غائب ہونے کے درمیان جو فاصلہ ہوگا، وہی فاصلہ صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان کا ہوگا۔ اس قاعدے کے مطابق صبح



صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان کا فاصلہ ایک گھنٹہ اور اڑتیس منٹ تک پہنچتا ہے؛ لہذا روزہ اور نماز میں اس قول کے مطابق احتیاط بہتر ہے، شمسی تقویم کے اوقات میں بھی اگر احتیاط کے پیش نظر پانچ منٹ بڑھا دیے جائیں، تو بعض مہینوں میں دو منٹ اور بعض میں سات منٹ کا فرق رہتا ہے، اور مذکورہ بالا قول کے مطابق اگر احتیاط اُس میں پانچ منٹ کا اضافہ کیا جائے، تو شمسی تقویم کے اوقات سے بارہ یا تیرہ منٹ کا فرق ہوگا، شمسی تقویم غلط نہیں ہے؛ لیکن عشاء کے وقت میں فرق ہو جاتا ہے، مفتیانِ کرام نے لکھا ہے کہ شفقِ احمر اور شفقِ ابیض کے مابین بارہ منٹ کا فرق ہوتا ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بارہ منٹ کے بعد عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے، جب کہ دیگر ائمہؒ کے نزدیک بارہ منٹ پہلے شروع ہوتا ہے، لہذا شمسی تقویم میں جو وقت طلوع و غروب کا بتایا گیا ہے، اُس میں احتیاط کے پیش نظر آخر میں مذکور قول کے مطابق جو اضافہ اُس میں ہونا چاہیے، اُسے حنفی مسلک کے مطابق مندرجہ ذیل نقشہ میں لکھ دیا گیا ہے:

### حنفی مسلک کے مطابق پورے سال میں عشاء کی نماز کے اوقات

تاریخ کے مطابق اضافہ	انگریزی مہینہ	فاصلہ باعتبار کیلومیٹر
سات منٹ کا اضافہ	جنوری	۳۵-۷
آٹھ منٹ کا اضافہ	فروری	۵۳-۷
آٹھ منٹ کا اضافہ	مارچ	۰۵-۸
نو منٹ کا اضافہ	اپریل	۱۶-۸
نو منٹ کا اضافہ	مئی	۳۱-۸
دس منٹ کا اضافہ	جون کی ۲۳ تاریخ سے پہلے تک	۵۱-۸
تیرہ منٹ کا اضافہ	جون ۲۳ سے مہینہ کے ختم تک	۰۲-۹
نو منٹ کا اضافہ	جولائی	۵۰-۸
نو منٹ کا اضافہ	اگست	۴۸-۸

۲۱-۸	ستمبر کی ۲۱ تاریخ تک	دس منٹ کا اضافہ
۲۹-۷	اکتوبر کی ۲۳ تاریخ تک	دس منٹ کا اضافہ
۲۶-۷	نومبر	دس منٹ کا اضافہ
۳۵-۷	دسمبر	دس منٹ کا اضافہ

حنفی مسلک کے مطابق ظہر و عصر کے اوقات  
اور عصر سے مغرب کے درمیان کا فاصلہ باعتبار کیلومیٹر

تاریخ کے مطابق اضافہ	انگریزی مہینہ	فاصلہ باعتبار کیلومیٹر

شمسی تقویم کے مطابق ظہر و عصر کے اوقات برابر ہیں، پہلے نقشہ میں عشاء کی اذان کا وقت لکھ دیا گیا ہے، جس کا سمجھنا آسان ہے، پہلی تاریخ کا وقت شمسی تقویم کے مطابق ہے، پھر دوسری اور تیسری تاریخ سے اخیر تک کمی بیشی کر لی جائے، مثلاً جنوری میں شمسی تقویم کے مذکورہ وقت سات بج کر پچیس منٹ پر سات منٹ کا اضافہ کیا گیا ہے، تو اُتنا ہی اضافہ ہر تاریخ میں کر لیا جائے، نیز سات بج کر پینتیس منٹ میں پانچ منٹ کے اضافہ کے ساتھ سات بج کر چالیس منٹ کو عشاء کی اذان دی جائے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا عشاء اور مغرب کے درمیان کا فاصلے کا نقشہ صرف ہندوستان کے لیے ہے یا دوسرے ممالک میں بھی اُس پر عمل کی گنجائش ہے؟

۵۷۶-سوال: حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ نے مغرب اور عشاء کے وقت کے

درمیان کون سے مہینے میں کتنا فاصلہ رہتا ہے اُس کا پورا نقشہ تیار فرمایا ہے، جس کو فتاویٰ رحیمیہ جلد: ۳ میں نقل کیا گیا ہے، اور اُس کے نیچے نوٹ لکھ کر یہ زیادتی کی ہے کہ یہی فاصلہ تقریباً ان مہینوں کے طلوع آفتاب اور صبح صادق کے درمیان رہتا ہے۔

(۱) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: نیاروالوں کی شائع کردہ شمسی تقویم اور دائمی اوقات نامی تقویم میں سے کس پر عمل کیا جائے؟

سوال یہ ہے کہ اس نقشے میں جو وقت بتایا گیا ہے وہ صرف ہندوستان کے اوقات اور موسم کے لیے ہے یا سب ممالک میں اُس پر عمل کیا جاسکتا ہے؟ اگر کچھ فرق ہوتا ہو تو خاص جزیرہ موریشس کے متعلق لکھنے کی درخواست ہے کہ کون سے مہینے میں کتنا فرق پڑتا ہے؟

فی الحال یہاں (مئی ۱۹۸۶ میں) مندرجہ ذیل ٹائم ٹیبل بنایا گیا ہے:

سحری: ۱۵-۵ (پانچ بج کر پندرہ منٹ پر)	جورمضان کے اخیر تک زیادہ ہو کر ۵:۲۵ تک ہوتا ہے۔
افطاری: ۴۶-۵ (پانچ بج کر چھیالیس منٹ پر)	جورمضان کے اخیر تک کم ہو کر ۵:۳۹ تک ہوتا ہے۔
طلوع آفتاب: ۳۰-۶ (چھ بج کر تیس منٹ پر ہے)	

محتاج دعا (محمد علی)

### الجواب حامدا ومصليا:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں: ”رب المشارق والمغرب“ مذکور آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ روزانہ سورج کے طلوع ہونے اور غروب ہونے کی جگہ الگ الگ ہے، اور سورج کی دوری اور اُس کی سمت ہر ملک کے اعتبار سے جدا گانہ ہے، مفتی کفایت اللہ صاحب نے جو ٹائم ٹیبل تحریر فرمایا ہے، وہ ہر ملک کے لیے لازم نہیں ہے، آپ لوگوں میں جو شخص رصد گاہ (Observetry) کے علم کا ماہر ہو، اُس کی مدد سے صبح صادق اور طلوع آفتاب کا وقت متعین کریں۔

اُن کو پوچھنے کے بعد بھی روزہ کے لیے احتیاطاً دس منٹ پہلے سحری بند کر دیں، جاپان نے اُس کے لیے گھڑیاں بنائی ہے، اُن سے بھی آپ حضرات مدد لے سکتے ہیں، اور اُس سے مدد لینے کی صورت میں بھی احتیاطاً دس منٹ پہلے سحری بند کر دیں۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] عشاء کا وقت غروب آفتاب کے کتنے گھنٹے بعد شروع ہوتا ہے؟

۵۷۷- سوال: عشاء کا وقت غروب آفتاب کے کتنے گھنٹے بعد شروع ہوتا ہے؟

(۱) مزید دیکھیے عنوان: منیار والوں کی مشائخ کردہ شمسی تقویم اور دائمی اوقات نامی تقویم میں سے کس پر عمل کیا جائے؟

## الجواب حامدا ومصليا:

عشاء کا وقت شروع ہونے کے لیے غروب آفتاب کے بعد کوئی ایک وقت طے نہیں ہے، ہر موسم میں یہ فاصلہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے، اس بارے میں ایک قاعدہ کلیہ، جو فقہاء کے ہاں معتبر ہے، اُسے یاد رکھنا چاہیے کہ جس روز طلوع صبح صادق اور اور طلوع آفتاب کے درمیان جتنا فاصلہ ہوتا ہے اُس روز کی شام کو غروب آفتاب اور غروب شفق ابیض (احناف کے نزدیک عشاء کا وقت) کے درمیان اسی قدر فاصلہ ہوتا ہے۔ (شامی: ۱/۳۵۹)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۴] جون کے مہینہ میں نماز کی دائمی تقویم پر عمل کرنا

۵۷۸-سوال: دائمی تقویم میں عشاء کی اذان کا وقت جون کے مہینے میں ۴۵-۸ کو ہوتا ہے، اور ہمارے یہاں ۹-۰۰ بجے اذان دی جاتی ہے، تو کچھ لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جون کے مہینے میں دائمی تقویم کے حساب سے اذان دینا صحیح نہیں ہے، اذان مزید تاخیر سے دینی چاہیے، تو اس سلسلہ میں شرعاً کیا حکم ہے؟

## الجواب حامدا ومصليا:

دائمی تقویم کے حساب سے جون مہینے میں تمام اذانیں اپنے وقت میں اسی طرح عشاء کی اذان ۹-۰۰ بجے دینا صحیح ہے اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، اس صورت میں غروب کے بعد ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ کا وقت رہتا ہے، جو ہمارے دیار میں مغرب اور عشاء کے درمیان کا زیادہ سے زیادہ وقت ہے، لہذا اس قدر ہوجانا کافی ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) [فائدة] ذكر العلامة المرحوم الشيخ خليل الكاملي في حاشيته على رسالة الأسطرلاب لشيخ مشايخنا العلامة المحقق علي أفندي الداغستاني أن التفاوت بين الفجرين وكذا بين الشفقين الأحمر والأبيض إنما هو بثلاث درج. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۵۹/۱، كتاب الصلاة، مطلب في تعبه - عليه الصلاة والسلام - قبل البعثة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ اللباب في شرح الكتاب - عبد الغني بن طالب بن حمادة بن إبراهيم الغنيمي الدمشقي الميداني الحنفي (م: ۱۲۹۸هـ): ۵۶/۱، كتاب الصلاة، تحقيق وتحشية: محمد محيي الدين عبد الحميد، ط: المكتبة العلمية، بيروت - لبنان)

تفصیل کے لیے دیکھیے: تقویم میں درج شدہ وقت سے پہلے منور میں عشاء کی اذان۔

(۲) قد تقدم تخریجه تحت عنوان: تقویم میں درج شدہ وقت سے پہلے منور میں عشاء کی اذان۔

[۲۵] جمعہ کی اذان کا وقت ۱۲:۳۰ (ساڑھے بجے) پورے سال کے لیے متعین کرنا

۵۷۹-سوال: ہماری بستی میں جمعہ کی اذان بارہ بج کر تیس منٹ پر ہوتی ہے، اور اذان کے فوراً بعد نمازی حضرات سنتیں ادا کر لیتے ہیں۔ ۱۰:۱۰ کو خطبہ ہوتا ہے اور ۱۰:۳۰ کو جماعت شروع ہوتی ہے۔ یہ مقررہ وقت پورے سال چلتا ہے، اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی ہے، تو کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ نیز کہا جاتا ہے کہ ”جمعہ کے دن زوال نہیں ہوتا“ کیا یہ صحیح ہے؟

**الجواب حامداً ومصلياً:**

۱۲:۳۰ کا وقت پورے سال کے لیے مقرر کرنا صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ دسمبر، جنوری، فروری وغیرہ میں یہ وقت استوائے شمس کا ہوتا ہے، جس کو ”نصف نہار شرعی“ کہتے ہیں اور مذکورہ وقت میں اللہ کے رسول ﷺ نے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ حنفی مسلک میں مکہ مکرمہ ہو یا مدینہ منورہ، استوائے شمس کے وقت کسی قسم کی نماز پڑھنا درست نہیں ہے؛ لہذا اس وقت میں اذان بھی صحیح نہیں ہوگی؛ اس لیے کہ اذان وقت کی اطلاع کے لیے ہے، اگر قبل الوقت دی گئی، تو اعادہ واجب ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

زوال روزانہ ہوتا ہے خواہ جمعہ ہو یا عید۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۶] حنفی حضرات کا عصر ایک مثل پر پڑھنا

۵۸۰-سوال: پورے امریکہ میں عصر ایک مثل پر پڑھی جاتی ہے؛ کیوں کہ عرب حضرات نے

(۱) وأما بيان وقت الأذان والإقامة فوقتهما ما هو وقت الصلوات المكتوبات، حتى لو أذن قبل دخول الوقت لا يجزئه، ويعيده إذا دخل الوقت في الصلوات كلها في قول أبي حنيفة ومحمد... ولأبي حنيفة ومحمد ما روى شداد مولى عياض بن عامر أن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال لبلال: لا تؤذن حتى يستبين لك الفجر هكذا، ومد يده عرضاً؛ ولأن الأذان شرع للإعلام بدخول الوقت، والإعلام بالدخول قبل الدخول كذب، وكذا هو من باب الخيانة في الأمانة، والمؤذن مؤتمن على لسان رسول الله - صلى الله عليه وسلم -، ولهذا لم يجز في سائر الصلوات (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۱/۱۵۵، كتاب الصلاة، فصل بيان وقت الأذان والإقامة، ط: دار الكتب العلمية)

(۲) جمعہ کے دن بھی زوال کا وقت ہوتا ہے؛ البتہ بعض فقہاء، مثلاً امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے؛ وروی عن أبي يوسف أنه لا بأس بالتطوع وقت الزوال يوم الجمعة. (بدائع: ۱/۲۹۶)

ٹائم ٹیبل بنایا ہے، ان کی تعداد زیادہ ہے، جب کہ خفی حضرات تعداد میں کم ہیں؛ اس لیے وہ بھی عربوں کی اقتدا میں ایک مثل ہی پر عصر پڑھتے ہیں، شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟

### الجواب حامدًا ومصليًا:

ضرورت کی بناء پر عصر کی نماز ایک مثل پر پڑھنا جائز ہے، احناف حرمین شریفین میں عصر ایک مثل پر پڑھ لیتے ہیں؛ گرچہ امام ابوحنیفہؒ کی مفتی بہ روایت یہی ہے کہ عصر کی نماز کا وقت مثل ثانی کے بعد شروع ہوتا ہے؛ لیکن صاحبین رحمہما اللہ کا قول یہ ہے کہ مثل اول تک ہی ظہر کا وقت رہتا ہے، اس کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، خود امام صاحبؒ کی ایک روایت یہی ہے۔ اور امام طحاویؒ نے فرمایا ہے: ”و بقولہما ناخذ“۔<sup>(۱)</sup> پس ایسے وقت میں۔ جب کہ عصر کی جماعت مثل اول پر ہی ہوتی ہو۔ صاحبین کے قول پر عمل کی

(۱) وفي حديث جبريل: عن ابن عباس، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ”أمني جبريل عند البيت مرتين، فصلي الظهر في الأولى منهما حين كان الفيء مثل الشرك، ثم صلى العصر حين كان كل شيء مثل ظله. (سنن الترمذي- محمد بن عيسى بن سؤرة، الترمذي، أبو عيسى (م: ۲۷۹هـ): ۳۸/۱، رقم الحديث: ۱۳۹، كتاب الصلاة، باب ما جاء في مواقيت الصلاة عن النبي صلى الله عليه وسلم، ط: فيصل - ديوبند ☆ سنن أبي داود: ۵۶/۱، رقم الحديث: ۳۹۳، كتاب الصلاة، باب في المواقيت، ط: مختار ايند کمپني - ديوبند)

وأول وقت الظهر إذا زالت الشمس ” لإمامة جبريل عليه السلام في اليوم الأول حين زالت الشمس ”، وآخر وقتها عند أبي حنيفة رحمه الله إذا صار ظل كل شيء مثليه، سوى في الزوال، وقالوا: إذا صار الظل مثله ” وهو رواية عن أبي حنيفة رحمه الله... وأول وقت العصر إذ خرج وقت الظهر على القولين. (الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر، المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۴۰/۱، كتاب الصلاة، باب المواقيت، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت ☆ ر: بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود، الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۱۲۳/۱، كتاب الصلاة، بيان وقت الفجر والظهر، شرائط أركان الصلاة ☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد، المدعو بشيخي زاده، و يعرف بـ ”داماد أفندي“ (م: ۱۰۷۸هـ): ۶۹/۱-۷۰، كتاب الصلاة، وقت الظهر، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۱۲۲/۱، كتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة، ط: دار المعرفة - بيروت)

قال الحصكفي: (ووقت الظهر من زواله) أي ميل ذكاء عن كبد السماء (إلى بلوغ الظل مثليه) وعنه مثله، وهو قولهما وزفر والأئمة الثلاثة. قال الإمام الطحاوي: وبه نأخذ. وفي غرر الأذكار: وهو المأخوذ به. وفي البرهان: وهو الأظهر. لبيان جبريل. وهو نص في الباب. وفي الفيض: وعليه عمل الناس اليوم وبه يفتى. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۵۹/۱، كتاب الصلاة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

گنجائش ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۷] سایہ ایک مثل ہونے پر عصر کی نماز پڑھنا

۵۸۱-سوال: شوافع کے نزدیک عصر کا وقت، حنفی مسلک کے وقت سے پہلے ہوتا ہے، تو کیا حنفی مسلک والے، شوافع کے وقت پر عصر کی نماز پڑھ سکتے ہیں؟ کہیں ایسا پڑھا ہو یا یاد آتا ہے کہ اگر شافعی امام کے پیچھے حنفی مقتدی نماز پڑھے گا، تو اس کی نماز ہو جائے گی، تو کیا منفرد بھی اگر عصر کی نماز شافعی مذہب کے مطابق ایک مثل پر پڑھے، تو اس کی نماز ہو جائے گی؟ عصر حنفی اور شافعی میں ایک ڈیڑھ گھنٹے کا فرق ہوتا ہے، اور ایک شخص کو نماز کے بعد پانچ کیلو میٹر تک جانا پڑتا ہے، روز کا مسئلہ ہے، تو کیا وہ اس طرح عصر کی نماز، عصر شافعی کے مطابق پڑھ سکتا ہے؟ بیوقوف تو جروا۔

### الجواب حامدا ومصليا:

ضرورت کے وقت عصر کی نماز اس وقت پڑھنا جائز ہے، جب کہ ہر چیز کا سایہ اپنے سایہ اصلی سے ایک گنا (مثل) بڑھ جائے، یہ امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام مالک کا مذہب ہے، حضرات صاحبین کا بھی یہی مسلک ہے، امام حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہؒ سے اسی کے موافق ایک روایت نقل فرمائی ہے، اور امام زفرؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ضرورت کی بناء پر اس قول کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔ (مجمع الانهر جلد ۱ صفحہ ۶۹)<sup>[۲]</sup>

(۱) حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ (۱۹۳۲-۲۰۰۰ء) ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: حنفیہ کے یہاں بھی دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ مثل دوم میں عصر کی نماز صحیح ہے؛ لہذا اگر کسی جگہ عصر کی نماز دو مثل سے پہلے ہوتی ہو، تو وہاں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا چاہیے، دوسری مثل ختم ہونے کے انتظار میں جماعت کا ترک جائز نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲۱۰/۳، عنوان: سایہ ایک مثل ہونے پر عصر کی نماز پڑھنا، ط: نعیمیہ-دیوبند)

(۲) (ووقت الظہر من زوالها) أي زوال الشمس عن المحل الذي تم فيه ارتفاعها، وتوجه إلى الانحطاط،... (إلى أن يصير ظل كل شيء مثليه سوى فيء الزوال) وهو رواية محمد عن الإمام وبه أخذ الإمام. (وقالا إلى أن يصير مثلاً) وهو رواية الحسن عن الإمام وبه أخذ زفر والشافعي وروى أسد بن عمرو عن الإمام إذا صار ظل كل شيء مثله سوى فيء الزوال خرج وقت الظهور ولا يدخل وقت العصر حتى يصير ظل كل شيء مثليه فيكون بين وقت الظهور والعصر وقت مهمل قيل الأفضل أن يصلي صلاة الظهور إلى بلوغ الظل إلى المثل ولا يشترع في العصر إلا بعد بلوغ الظل إلى المثليين ولا يصلي قبله جمعا بين الروايات. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد، المدعو بشيخي زاده، ويعرف بـ "داماد أفندي" (م: ۸: ۷۸-۱۰۷۹، ۶۹-۷۰، كتاب الصلاة، وقت الظهور، ط: دار إحياء التراث العربي)

لہذا آپ ضرورت کی وجہ سے ایک مثل کے بعد عصر کی نماز ادا کر سکتے ہیں، اگر اس سے پہلے ادا کی، تو جائز نہیں ہے۔

حاجی حضرات بھی حرمین شریفین میں مذکورہ وقت پر نماز ادا کرتے ہیں، اسی طرح شوافع کی مسجد میں جماعت کا ثواب حاصل کرنے کی غرض سے اس وقت نماز ادا کر لی، تو جائز ہے۔

ہاں! اگر معقول وجہ نہیں ہے، تو پھر بہتر یہی ہے کہ ظہر کی نماز ایک مثل ہونے سے پہلے اور عصر کی نماز دو مثل کے بعد پڑھی جائے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۸] حرم شریف میں شافعی یا حنبلی المسلک امام کی اقتدا

۵۸۲-سوال: حرم شریف میں اگر امام شافعی یا حنبلی المسلک ہوں، تو اُن کے پیچھے حنفی کی اقتدا صحیح ہوگی یا نہیں؟ نیز عصر کی نماز میں اگر امام شافعی المسلک ہیں، اور وہ اُن (حنفی) کے وقت کے موافق عصر کی نماز پڑھاتے ہیں، تو اُن کی اقتدا حنفی شخص کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

### الجواب حامدًا ومصليًا:

حنفی شخص کا، کہیں بھی، چاروں مسالک میں سے کسی بھی مسلک کے امام کی اقتدا کرنا صحیح ہے، لہذا حرم شریف میں بھی شافعی یا حنبلی المسلک امام کی اقتدا صحیح ہے۔<sup>(۲)</sup> عصر کا وقت مسلک شافعی کے مطابق ہو،

(۱) مزید تفصیل و تخریج کے لیے دیکھیے عنوان: ”حنفی حضرات کا عصر ایک مثل پر پڑھنا“ نیز دیکھیے: فتاویٰ محمودیہ: ۳۳۹/۵۔  
(۲) حضرت مفتی صاحب نے اس سلسلے کے ایک جواب میں لکھا ہے کہ ”اگر شافعی یا مالکی یا حنبلی موضع اختلاف کی رعایت کرتے ہوں، تو ان کی اقتدا کرنا بلا کراہت جائز ہے“:

(قوله إن تيقن المراعاة لم يكره إلخ) أي المراعاة في الفرائض من شروط وأركان في تلك الصلاة وإن لم يراع الواجبات والسنن كما هو ظاهر سياق كلام البحر. مطلب في الاقتداء بشافعي ونحوه هل يكره أم لا؟  
وظاهر كلام شرح المنية أيضا حيث قال: وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز ما لم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدي عليه الإجماع، إنما اختلف في الكراهة. اهـ فقيده بالمفسد دون غيره كما ترى.  
وفي رسالة [الاقتداء في الاقتداء] لمنلا علي القاري: ذهب عامة مشايخنا إلى الجواز إذا كان يحتاط في موضع الخلاف والإفلا. ————— والمعنى أنه يجوز في المراعي بلا كراهة وفي غيره معها. ثم المواضع المهملة للمراعاة أن يتوضأ من الفصد والحجامة والقيء والرغاف ونحو ذلك، لا فيما هو سنة عنده مكره عندنا؛ كرفع اليدين في الانتقالات، وجهر البسملة وإخفائها، فهذا وأمثاله لا يمكن فيه الخروج عن عهدة الخلاف، فكلهم =





اذان سے پہلے پڑھ لیتے ہیں، کبھی یہ ٹرین دیر سے بھی آتی ہے، چوں کہ اس ٹرین میں ازدحام کے سبب نماز پڑھنے کی جگہ نہیں مل سکتی، تو کیا عصر کی نماز ۱۵-۴ بجے پڑھ لیں، تو صحیح ہے؟ یا پھر مؤخر کر کے غروب شمس سے کچھ پہلے پڑھی جائے؟

محمد ابراہیم جمالی دالہ

### الجواب حامدا ومصليا:

بغیر کسی عذر شرعی کے نماز کو قضاء کرنا بہت بڑا گناہ ہے، جس کے بارے میں بہت سی وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔<sup>(۱)</sup> اور عصر کی نماز کے متعلق تو قرآن و حدیث میں خصوصی تاکید فرمائی گئی ہے، چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے: {حِفْظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقَوْمُوا لِلَّهِ قِيَتَيْنِ} [۲] یعنی تم تمام نمازوں کو پابندی کے ساتھ ادا کرتے رہو اور خصوصاً درمیانی نماز کو۔ اکثر مفسرین عظام نے ”الصلوة الوسطی“ کی تفسیر عصر کی نماز سے فرمائی ہے۔<sup>(۳)</sup>

(۱) قال الله تعالى: إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ﴿۳﴾ النساء: ۱۰۳) وقال تعالى: فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ ﴿۱﴾ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ﴿۲﴾ (الماعون: ۵-۴) وقال تعالى: حِفْظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقَوْمُوا لِلَّهِ قِيَتَيْنِ ﴿۲﴾ البقرة: ۲۳۸

وفي حديث أبي قتادة: قال (رسول الله صلى الله عليه وسلم): أما إنه ليس في النوم تفریط، إنما التفریط على من لم يصل الصلاة حتى يجيء وقت الصلاة الأخرى. (الصحيح لمسلم: ۲۳۹/۱، رقم الحديث: ۳۱۱-۶۸۱) كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة، واستحباب تعجيل قضائها، ط: ديوبند ☆ سنن أبي داؤد: ۶۳/۱، رقم الحديث: ۴۳۱، كتاب الصلاة، باب في من نام عن الصلاة، أو نسيها، ط: مختار ايند كمپنى - ديوبند ☆ سنن الترمذي: ۴۳/۱، رقم الحديث: ۱۷۷، أبواب الصلاة، باب ما جاء في النوم عن الصلاة، ط: فيصل - ديوبند عن ابن عباس، عن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال: من جمع بين الصلاتين من غير عذر فقد أتى بابا من أبواب الكبائر. (سنن الترمذي: ۴۶/۱، رقم الحديث: ۱۸۸، أبواب الصلاة، باب ما جاء في الجمع بين الصلاتين، ط: ديوبند) [۲] - البقرة: ۲۳۸.

(۳) عن علي، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الأحزاب: شغلوا ناعن الصلاة الوسطى، صلاة العصر، مألأ الله بيوتهم وقبورهم نارا، ثم صلاها بين العشاءين، بين المغرب والعشاء. (الصحيح لمسلم: ۲۲۷/۱، رقم الحديث: ۲۰۵-۶۲۷)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب الدليل لمن قال الصلاة الوسطى هي صلاة العصر، ط: البدر - ديوبند

الثاني - أنها العصر؛ لأن قبلها صلاتي نهار وبعدها صلاتي ليل. قال النحاس: وأجود من هذا الاحتجاج أن يكون إنما قيل لها وسطى؛ لأنها بين صلاتين إحداهما أول ما فرض، والأخرى الثانية مما فرض. وممن قال إنها وسطى علي بن أبي طالب، وابن عباس، وابن عمر، وأبو هريرة، وأبو سعيد الخدري، وهو اختيار أبي حنيفة وأصحابه، وقاله =

عصر کی نماز کا وقت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر چیز کا سایہ اُس کے سایہ اصلی کو چھوڑ کر دو مثل ہونے کے بعد سے شروع ہوتا ہے، جب کہ امام محمدؒ، امام ابو یوسفؒ، امام احمدؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ہر چیز کا سایہ اُس کے سایہ اصلی کو چھوڑ کر ایک مثل ہونے کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

لہذا صورتِ مسئلہ میں ضرورت کے وقت اگر ۱۵:۴ بجے سایہ ایک مثل ہو جاتا ہے، تو اس کے بعد عصر کی نماز کے لیے گنجائش ہے، اس لیے کہ اس وقت نہ پڑھنے کی صورت میں یا تو نماز بالکلیہ قضاء ہوگی یا مکروہ ہوگی؛ لیکن گرمی کے موسم میں سایہ ایک مثل ہونے میں دیر لگتی ہے؛ لہذا اگر ۱۵:۴ بجے تک سایہ ایک مثل نہیں ہوا ہے، تو عصر کی نماز درست نہ ہوگی، اس صورت میں کوسمبا کے بعد پانولی یا کیم پہنچنے تک بھی عصر کا وقت مکروہ شروع نہیں ہوگا؛ لہذا وہاں نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری: ۱/۵۱، مجمع الأنهر: ۱/۷۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳۰] حالت سفر میں جمع تقدیم اور جمع تاخیر کا حکم

۵۸۲-سوال: حالت سفر میں عرب حضرات جمع بین الصلاة کی بات کہتے ہیں اور جمع تقدیم یا جمع تاخیر پر اصرار کرتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

= الشافعی، واکثر أهل الأثر، والیہ ذہب عبد الملک بن حبیب، واختاره ابن العربي فی قبسه، وابن عطیة فی تفسیرہ، وقال: وعلى هذا القول الجمهور من الناس وبه أقول. واحتجوا بالأحاديث الواردة في هذا الباب، خرجها مسلم وغيره، وأنصها حديث ابن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " الصلاة الوسطى صلاة العصر " خرجہ الترمذی، وقال: حديث حسن صحيح. (الجامع لأحكام القرآن = تفسیر القرطبي - أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر، شمس الدين القرطبي (م: ۶۷۱ھ): ۳/۲۱۰، البقرة: ۲۳۸، ت: أحمد البردوني وإبراهيم أطفيش، ط: دار الكتب المصرية - القاهرة)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: جامع البيان في تأويل القرآن - محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الأملي، أبو جعفر الطبري (م: ۳۱۰ھ): ۵/۱۶۸، البقرة: ۲۳۸، ت: أحمد محمد شاكر، ط: مؤسسة الرسالة.

(۱) دیکھیے عنوان: "حقی حضرات کا عصر ایک مثل پر پڑھنا" کا حاشیہ نمبر: ۱۔

[۲] مجمع الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد، المدعو بشیخی زادہ، ویرف ب "داماد أفندي" (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/۶۹-۷۰، کتاب الصلاة، وقت الظهر، ط: دار إحياء التراث العربي، الفتاویٰ الہندیة: ۱/۵۱، کتاب الصلاة، الباب الأول فی مواقیب الصلاة وما یصل بها، الفصل الأول فی أوقات الصلاة، ط: دار الفکر.

## الجواب حامدًا ومصلياً:

احناف کے نزدیک حج کے ایام میں، عرفات میں جمع تقدیم اور مزدلفہ میں جمع تاخیر بعض شرائط کے ساتھ جائز ہے، اس کے علاوہ کہیں جائز نہیں، چنانچہ جمع تقدیم کی صورت میں نماز کی فرضیت ساقط نہیں ہوگی اور تاخیر کی صورت میں نماز کو اس کے وقت سے مؤخر (قضاء) کرنے کا گناہ لازم آئے گا۔<sup>(۱)</sup>

اور حدیث شریف میں جہاں ”جمع بین الصلاتین“ کا ذکر آیا ہے،<sup>(۲)</sup> امام ابوحنیفہؒ دوسری حدیثوں

(۱) قال الله تعالى: إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا ﴿۳﴾ (النساء: ۱۰۳) وقال تعالى: فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ ﴿۱﴾ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ﴿۲﴾ (الماعون: ۳-۵) وقال تعالى: خُفِّضُوا عَلَى الصَّلَاةِ وَالصَّلَاةِ الْوَسْطَى ۖ وَتَوَمُّؤًا لِلَّهِ قِيَّتَيْنِ ﴿۲﴾ (البقرة: ۲۳۸)

وفي حديث أبي قتادة قال (رسول الله صلى الله عليه وسلم): أما إنه ليس في النوم تفريط، إنما التفريط على من لم يصل الصلاة حتى يجيء وقت الصلاة الأخرى. (الصحيح لمسلم: ۲۳۹/۱، رقم الحديث: ۳۱۱-۲۸۱) كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة، واستحباب تعجيل قضائها، ط: مختار ايند كمپني - ديوبند ☆ سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۴۴۱، كتاب الصلاة، باب في من نام عن الصلاة، أو نسيها ☆ سنن الترمذي: ۴۳/۱، رقم الحديث: ۱۷۷، أبواب الصلاة، باب ما جاء في النوم عن الصلاة، ط: فيصل - ديوبند

عن ابن عباس، عن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال: من جمع بين الصلاتين من غير عذر فقد أتى بابا من أبواب الكبائر. (سنن الترمذي: ۴۶/۱، رقم الحديث: ۱۸۸، أبواب الصلاة، باب ما جاء في الجمع بين الصلاتين، ط: فيصل - ديوبند)

قال أصحابنا: إنه لا يجوز الجمع بين فرضين في وقت أحدهما إلا بعرفة والمزدلفة فيجمع بين الظهر والعصر في وقت الظهر بعرفة، وبين المغرب والعشاء في وقت العشاء بمزدلفة، اتفق عليه رواة نسك رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أنه فعله، ولا يجوز الجمع بعذر السفر والمطر. (بدائع الصنائع - علاء الدين، الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۱/۱۲۶، كتاب الصلاة، فصل شرائط أركان الصلاة، الجمع بين الصلاتين، ط: دار الكتب العلمية)

(فإن جمع فسد لوقدم) الفرض على وقته (وحرّم لو عكس) أي أخره عنه (وإن صح) بطريق القضاء. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۸۲/۱، كتاب الصلاة، قبيل باب الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) عن ابن عباس، أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - جمع بين الصلاة في سفرة سافرهما في غزوة تبوك، فجمع بين الظهر والعصر، والمغرب والعشاء. ————— عن معاذ، قال: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة تبوك، فكان يصلي الظهر والعصر جميعاً، والمغرب والعشاء جميعاً. (الصحيح لمسلم: ۲۳۶/۱، رقم الحديث: ۵۱- (۷۰۵) و ۵۲- (۷۰۶)، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الجمع بين الصلاتين في الحضر، ط: مختار ايند كمپني - ديوبند)

عن معاذ بن جبل، أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - كان في غزوة تبوك إذا اغت الشمس قبل أن يرتحل، جمع =

کے پیش نظر اس کا یہ مطلب بیان فرماتے ہیں کہ: جمع تقدیم سے مراد ظہر کو اس کے آخر وقت میں پڑھنا اور عصر کو اس کے اول وقت میں پڑھنا ہے، اسی طرح جمع تاخیر کا مطلب ہے: مغرب کو اس کے آخری وقت میں پڑھنا اور عشا کو اس کے اول وقت میں پڑھنا، اس کو ”جمع صوری“ اور ”جمع فعلی“ بھی کہا جاتا ہے۔<sup>(۳)</sup>

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ دو نماز کو ایک ہی وقت میں پڑھنا مراد نہیں ہے۔ البتہ تینوں ائمہ کے نزدیک جمع سے ”جمع حقیقی“ مراد ہے، یعنی ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر کو اور عشاء کے وقت میں مغرب اور عشاء کو پڑھنا اور وہ اس کو سفر، بارش اور دیگر عوارض کی بنیاد پر جائز کہتے ہیں۔<sup>(۴)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= بین الظهر والعصر، وإن یرتحل قبل أن تریغ الشمس، أخر الظهر، حتی ینزل للعصر، وفي المغرب مثل ذلك، إن غابت الشمس قبل أن یرتحل، جمع بین المغرب والعشاء، وإن یرتحل قبل أن تغیب الشمس، أخر المغرب حتی ینزل للعشاء ثم جمع بینهما "۔ (سنن أبي داود: ۱/۱۷۲، رقم الحديث: ۱۲۰۸، كتاب الصلاة، باب الجمع بین الصلاتین، ط: فیصل - دیوبند)

(۳) ثم هو مؤول وتأويله أنه جمع بينهما فعلا لا وقتا، بأن أخر الأولى منهما إلى آخر الوقت، ثم أدى الأخرى في أول الوقت، ولا واسطة بين الوقتين فوقعتا مجتمعتين فعلا، كذا فعل ابن عمر - رضي الله عنهما - في سفر وقال: هكذا كان يفعل بنار رسول الله - صلى الله عليه وسلم - دل عليه ماروي عن ابن عباس - رضي الله عنهما - أن النبي - صلى الله عليه وسلم - جمع من غير مطر ولا سفر، وذلك لا يجوز إلا فعلا، وعن علي - رضي الله عنه - أنه جمع بينهما فعلا ثم قال: هكذا فعل بنار رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وهكذا روي عن أنس بن مالك أنه جمع بينهما فعلا ثم قال: هكذا فعل بنار رسول الله - صلى الله عليه وسلم - (بدائع الصنائع: ۱/۱۲۷، كتاب الصلاة، فصل شرائط أركان الصلاة، الجمع بين الصلاتین، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: رد المحتار علی الدر المختار: ۳۸۲/۱، قبیل باب الآذان، ط: دار الفکر - بیروت)

[۴] [يجوز الجمع بين الظهر والعصر تقدیما] في وقت الأولى (وتأخیرا) في وقت الثانية، والجمعة كالظهر في جمع التقديم كما نقله الزر كشي واعتمده كجمعهما بالمطر بل أولى، ويمتنع تأخیر الأمان الجمعة لا يتأتى تأخیرها عن وقتها (و) بین (المغرب والعشاء كذلك) أي تقدیما في وقت الأولى، وتأخیرا في وقت الثانية (في السفر الطویل) المباح للاتباع. (مغنی المحتاج إلى معرفة معانی ألفاظ المنهاج - شمس الدين، محمد بن أحمد الخطيب الشربيني الشافعي (م: ۵۲۹/۱: ۵۲۹)، باب صلاة المسافر، فصل في الجمع بين الصلاتین، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ شرح الزرقاني علی مختصر سيدي خليل - عبد الباقي بن يوسف بن أحمد الزرقاني المصري (م: ۱۰۹۹هـ) ۲/۳۸-۳۹، باب القصر والجمع، كتاب الصلاة، ط: دار الفكر ☆ التلقين في الفقه المالكي - أبو محمد عبد الوهاب بن علي، الثعلبي البغدادي المالكي (م: ۴۲۲هـ) ۱/۵۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة والجماعة وقضاء الفوائت والنوافل وأوقات النهي ومواضعه والجمع وما يتصل بذلك، ت: أبو أويس محمد بن خبزة الحسنی التطواني، ط: دار الكتب العلمية ☆ التاج والإكليل لمختصر خليل - محمد بن يوسف بن أبي القاسم بن يوسف =

## [۳۱] رمضان کے علاوہ مغرب کی جماعت میں تاخیر جائز نہیں

۵۸۵-سوال: موجودہ زمانہ میں تقریباً تمام مسجدوں میں اذانیں لاؤڈ اسپیکر میں ہوتی ہیں اور لوگ اذان سن کر گھر سے نکلتے ہیں؛ اس لیے مغرب کی نماز کے متعلق بہت سے لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ اذان ہو جانے کے دو چار منٹ کے بعد جماعت کھڑی کرنی چاہیے، تاکہ جماعت میں زیادہ لوگ شریک ہو سکیں، تو کیا شرعاً اس کی اجازت ہے؟

**الجواب حامداً ومصلياً:**

مغرب کی نماز میں رمضان کے علاوہ میں حکم یہ ہے کہ مؤذن اذان سے فارغ ہو کر مسجد میں ٹھہرے بغیر اقامت شروع کر دے۔<sup>(۱)</sup> البتہ رمضان شریف میں چوں کہ روزے دار افطار میں مشغول رہتے ہیں؛

= العبدري الغرناطي، أبو عبد الله المواق المالكي (م: ۸۹۷ھ)؛ ۲/۵۱۰، كتاب الصلاة، باب في صلاة السفر، ط: دار الكتب العلمية ☆ الشرح الكبير مع حاشية الدسوقي - أبو البركات أحمد بن محمد العدوي، الشهير بالدردير (۱۲۰۱ھ)؛ ۱/۳۶۸-۳۶۹، فصل في أحكام صلاة المسافر، ط: دار الفكر ☆ الكافي في فقه الإمام أحمد - أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد، ابن قدامة الجماعلي المقدسي ثم الدمشقي الحنبلي، الشهير بابن قدامة المقدسي (م: ۶۲۰ھ)؛ ۱/۳۱۱، كتاب الصلاة، باب الجمع بين الصلاتين، ط: دار الكتب العلمية

(۱) عن مرثد بن عبد الله، قال: لما قدم علينا أبو أيوب غازي وعقبه بن عامر يومئذ على مصر، فأخبر المغرب، فقام إليه أبو أيوب، فقال: له ما هذه الصلاة يا عقبه، فقال: شغلنا، قال: أما سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: «لا تزال أمتي بخير» - أو قال: على الفطرة - ما لم يؤخروا المغرب إلى أن تشتبك النجوم". (سنن أبي داؤد: ۱/۶۰، رقم الحديث: ۴۱۸، كتاب الصلاة، باب وقت المغرب، ط: البدر - ديوبند)

مغرب کی اذان و اقامت کے درمیان فصل لازم ہے۔ البتہ اس تحدید کا خیال رکھے، جو ہمارے اصحاب سے مروی ہے۔ امام صاحب کے نزدیک یہ فصل اتنا ہوگا کہ اس میں ۳ چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت پڑھ سکے، جب کہ صاحبین کے نزدیک یہ فصل اتنا ہوگا، جتنا دو خطبوں کے درمیان ہوتا ہے۔ (لیکن یہ اختلاف صرف افضلیت میں ہے) الغرض ہمارے ائمہ سے اسی قدر فصل ثابت ہے، اس سے زیادہ نہیں؛ اس لیے اس سے زیادہ فصل کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے:

وأما إذا كان في المغرب فالمستحب يفصل بينهما بسكتة يسكت قائما مقدار ما يتمكن من قراءة ثلاث آيات قصار. هكذا في النهاية فقد اتفقوا على أن الفصل لا بد منه فيه أيضا. كذا في العتبية. — واختلوا في مقدار الفصل فعند أبي حنيفة - رحمه الله - المستحب أن يفصل بينهما بسكتة يسكت قائما ساعة ثم يقيم، ومقدار السكتة عنده قدر ما يمكن فيه من قراءة ثلاث آيات قصار أو آية طويلة، وعندهما يفصل بينهما بجلسة خفيفة مقدار الجلسة بين الخطبتين، وذكر الإمام الحلواني الخلاف في الأفضلية حتى إن عند أبي حنيفة - رحمه الله - إن جلس =

اس لیے ان کا خیال کر کے دو چار منٹ تک انتظار کرنا یا مصلیان اس سے زیادہ چھ سات منٹ ٹھہرنے کو کہیں، تو اس قدر ان کی رعایت کرنا بہتر ہے۔

کیوں کہ رسول اللہ کا فرمان ہے کہ: شام کا کھانا اور عشاء (مراد مغرب ہے) دونوں جمع ہو جائیں، تو عشاء کو بعد میں پڑھو اور پہلے کھانے سے فارغ ہو جاؤ۔ (بخاری شریف: ۱/۹۲) [۲] پس اگر ایسا اتفاق پیش آتا ہے، مثلاً آدمی سفر سے آیا اور نماز کا وقت ہو گیا اور بہت سخت بھوک لگی ہوئی ہے، تو پہلے کھانے سے فارغ ہو جائے، پھر نماز پڑھے؛ اسی طرح رمضان شریف میں روزے داروں کا بھوک کی وجہ سے کھانے پینے کی جانب دھیان و میلان رہتا ہے؛ لہذا جو لوگ کچھ تاخیر کا کہتے ہیں، ان کی بات تسلیم کر لی جائے گی اور پانچ دس منٹ تاخیر کرنے میں کوئی حرج نہ ہوگا، بل کہ یہ حدیث شریف کے موافق عمل ہے۔ (ہاں نماز قضاء ہونے کا خطرہ ہو، تو پہلے نماز پڑھ لے اس لیے کہ کراہت کے ساتھ نماز پڑھنا، قضاء کرنے سے بہتر ہے)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایسی حالت میں (یعنی نماز کے وقت کھانے کا بہت تقاضہ ہو) کھانے کے بعد نماز پڑھتے تھے۔ (۳)

حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ: انسان کی عقل و سمجھ کا تقاضہ یہ ہے کہ ایسی حالت میں کھانے سے فارغ ہو کر نماز پڑھے، اس صورت میں سکون و اطمینان سے نماز پڑھ سکے گا۔ (۴) اسی بنا پر حکماء امت

= جاز والأفضل أن لا يجلس وعندهما على العكس. كذا في النهاية. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۷، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة و كفيتهما، ط: دار الفكر) (ويجلس بينهما) بقدر ما يحضر الملازمون من أعيان وقت الندب (إلا في المغرب) فيسكت قائماً قدر ثلاث آيات قصار، ويكره الوصل إجماعاً. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۳۸۹-۳۹۰، كتاب الصلاة، باب الأذان) (۲) عن أنس بن مالك: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «إذا قدم العشاء، فابدءوا به قبل أن تصلوا صلاة المغرب، ولا تعجلوا عن عشاكنم». (صحيح البخاري: ۱/۹۲، رقم الحديث: ۶۷۲، كتاب الأذان، باب إذا حضر الطعام وأقيمت الصلاة، ط: البدر - ديوبند) (صحيح مسلم: ۱/۲۰۸، رقم الحديث: ۵۵۷، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام الذي يريد أكله في الحال... الخ، ط: البدر - ديوبند) (۳) عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «إذا وضع عشاء أحدكم وأقيمت الصلاة، فابدءوا بالعشاء ولا يعجل حتى يفرغ منه» وكان ابن عمر: «يوضع له الطعام، وتقام الصلاة، فلا يأتيها حتى يفرغ، وإنه ليسمع قراءة الإمام». (صحيح البخاري: ۱/۹۲، رقم الحديث: ۶۷۳، كتاب الأذان، باب إذا حضر الطعام... الخ، ط: البدر - ديوبند)

(۴) قال أبو الدرداء: «من فقه المرء إقباله على حاجته حتى يقبل على صلته وقلبه فارغ». (صحيح البخاري: ۱/۹۲، كتاب الأذان، باب إذا حضر الطعام... الخ، ط: البدر - ديوبند)

فرماتے ہیں کہ: ”نماز کو کھانا بنایا جائے، اس سے بہتر ہے کہ کھانے کو نماز بنایا جائے۔“ یعنی کھاتے وقت یہ خیال کرے گا کہ جلد فارغ ہو کر نماز پڑھوں اور یہ حقیقت ہے کہ نماز کا انتظار کرنے والا، نماز میں ہوتا ہے، تو اس طرح کھانا حکماً نماز ہو گیا اور بھوک کی حالت میں نماز پڑھے گا، تو نماز میں کھانے کی طرف دھیان ہوگا، تو یہ ایسا ہو گیا کہ اس نے نماز کو کھانا بنا لیا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳۲] چاشت کی نماز کا وقت کب سے کب تک رہتا ہے؟

۵۸۶-سوال: چاشت کی نماز کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے اور کب تک رہتا ہے؟ زوال سے پہلے کب تک وقت باقی رہتا ہے؟ مثلاً: اگر زوال ۱۲:۲۵ (بارہ بج کر پچیس منٹ) پر ہوتا ہے، تو کیا پچیس منٹ پہلے تک باقی رہے گا یا نہیں؟

#### الجواب حامداً ومصلياً:

صحیح یہ ہے کہ چاشت کی نماز کا وقت صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کے کل وقت کا چوتھا حصہ گزرنے کے بعد شروع ہوتا ہے، اور زوال تک رہتا ہے، مثلاً: صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کا مکمل وقت اس وقت ۱۳ گھنٹہ ہے، تو صبح صادق سے سواتین گھنٹے گزرنے کے بعد چاشت کا وقت شروع ہو جائے گا۔<sup>(۱)</sup>

اس سلسلے میں ایک دوسرا قول یہ ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد مکروہ وقت نکل جانے پر چاشت کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اشراق کی نماز کے بعد چاشت کی نماز پڑھ لی جائے، تو چاشت کی نماز کا ثواب مل

(۱) (و) ندب (أربع فصاعداً في الضحى) على الصحيح من بعد الطلوع إلى الزوال، ووقتها المختار بعد ربع النهار. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله ووقتها المختار) أي الذي يختار ويرجح لفعلها وهذا عزاؤه في شرح المنية إلى الحاوي، وقال: لحديث زيد بن أرقم أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال «صلاة الأوابين حين ترمض الفصال» رواه مسلم. وترمض بفتح التاء والميم: أي تبرك من شدة الحر في أخفافها. اهـ. (رد المحتار: ۲۲/۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب سنة الضحى، ط: دار الفكر)

(ومن المنذوبات صلاة الضحى) وأقلها ركعتان وأكثرها ثنتا عشرة ركعة ووقتها من ارتفاع الشمس إلى زوالها. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۲، الباب التاسع في النوافل، من المنذوبات صلاة الضحى، ط: دار الفكر)



جائے گا۔ (طحطاوی: ۲۱۶)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۳] اشراق کی نماز کا آخری وقت کیا ہے اور چاشت کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے؟

۵۸۷-سوال: اشراق کی نماز سورج کے ایک نیزہ بلند ہونے کے بعد سے کب تک پڑھ سکتے

ہیں؟ اور چاشت کی نماز کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے؟

**الجواب حامد اومصلیا:**

صبح کی نماز کے بعد اپنی جگہ ٹھہر کر سورج کے ایک نیزہ بلند ہونے کے بعد دو رکعت یا چار رکعت

پڑھنا بڑی فضیلت رکھتا ہے، عام طور پر اشراق کی نماز کا مصداق یہی ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) "و" ندب صلاة الضحی علی الرجوع وهي "أربع" ركعات لما رويناه قريبا عن عائشة رضي الله عنها أنه عليه السلام كان يصلي الضحی أربع ركعات ويزيد ما شاء فلذا قلنا ندب أربع "فصاعد في" وقت "الضحی" وابتداءه من ارتفاع الشمس إلى قبل زوالها. (مراقی الفلاح)

قوله: "و ندب صلاة الضحی" الضحوة إرتفاع النهار والضحی بالضم والقصر فوق ذلك وبالفتح والمد إذا علت الشمس إلى ربع السماء... قوله: "و ابتداءه من إرتفاع الشمس" وقتها المختار إذا مضى ربع النهار لحديث زيد بن أرقم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "صلاة الأوابين حين ترمض الفصال" رواه مسلم، وترمض بفتح التاء والميم أي تبرك من شدة الحر في أخفافها. (حاشية الطحطاوي على مراقی الفلاح - أحمد بن محمد بن إسماعیل الطحطاوي الحنفی (م: ۱۲۳۱ھ) ج: ۳۹۵، كتاب الصلاة، فصل في تحية المسجد وصلاة الضحی وإحياء الليالي، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۲) عن أنس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من صلى الغداة في جماعة ثم قعد يذكر الله حتى تطلع الشمس، ثم صلى ركعتين كانت له كأجر حجة وعمره»، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «تامة تامة تامة». (سنن الترمذي: ۱/۱۳۰، رقم الحديث: ۵۸۶، أبواب السفر، باب ذكر ما يستحب من الجلوس في المسجد بعد صلاة الصبح حتى تطلع الشمس، ط: البدر - ديوبند)

ولأن في الإسفار تكثير الجماعة وفي التغليس تقليلها وما يؤدي إلى التكثير أفضل وليسهل تحصيل ما ورد عن أنس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من صلى الفجر في جماعة ثم قعد يذكر الله تعالى حتى تطلع الشمس ثم صلى ركعتين كانت له كأجر حجة تامة وعمره تامة» حديث حسن. (مراقی)

قال الطحطاوي: قوله: "ثم صلى ركعتين" ويقال لهما ركعتا الإشراق وهما غير سنة الضحی قوله: "تامة" أي كل منهما أي غير ناقص ثوابهما بار تكاب نحو محظور إحرام أو فساد والمراد الحج النفل والتأكيد يفيد أن له ذلك =

ابوداؤد شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اپنی جگہ بیٹھا رہے، یہاں تک کہ چاشت کی دو رکعت پڑھ لے، خیر کے سوا کوئی کلمہ اپنی زبان سے نہ کہے، اور ذکر اللہ میں مشغول رہے، تو اُس کے گناہ بخش دیے جائیں گے، خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔ (ابوداؤد شریف: ۲۷۲/۲) [۱]

اس لیے نمازِ اشراق یا چاشت کی یہ فضیلت تو اُس کو حاصل ہوگی، جو مذکورہ عمل پر قائم رہے، اگر کوئی شخص اس پر عمل نہیں کرتا؛ لیکن سورج چڑھنے کے بعد نماز پڑھ لیتا ہے، تو کہا جائے گا کہ اُس نے اشراق پڑھی، اور اُس کو دوسرے فضائل حاصل ہو جائیں گے، اشراق کا وقت کم رہتا ہے، اگر زیادہ دھوپ چڑھے سورج کے مائل بہ تیزی ہونے کے بعد پڑھی، تو یہ چاشت کا وقت مشترک ہے، درمختار میں مذکور ہے کہ اشراق کا وقت زوال تک باقی رہتا ہے، اگر اشراق میں تاخیر ہوگئی، تو اب یہ نماز اشراقِ ضحیٰ کہلائے گی، اور ضحیٰ کی فضیلت حاصل ہو جائے گی، ہاں، نماز فجر سے اشراق کے وقت تک بیٹھنے اور نماز پڑھنے کی فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔ (درمختار: ۲۳۷/۲) [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= الأجر حقيقة وليس من قبيل الترغيب. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفى (م: ۱۲۳۱ھ)، ص: ۱۸۱، كتاب الصلاة، مدخل، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية بيروت)

[۱] عن سهل بن معاذ بن أنس الجهني، عن أبيه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: من قعد في مصلاه حين ينصرف من صلاة الصبح، حتى يسبح ركعتي الضحى، لا يقول إلا خيراً، غفر له خطايا، وإن كانت أكثر من زبد البحر. (سنن أبي داود: ۱۸۲/۱، رقم الحديث: ۱۲۸۷، كتاب الصلاة، باب صلاة الضحى، ط: البدر - ديوبند)

[۲] (و) نذب (أربع فصاعداً في الضحى) على الصحيح من بعد الطلوع إلى الزوال ووقتها المختار بعد ربع النهار. وفي المنية: أقلها ركعتان وأكثرها اثني عشر، وأوسطها ثمان وهو أفضلها كما في الذخائر الأشرقية. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله وفي المنية أقلها ركعتان) نقل الشيخ إسماعيل مثله عن الغزنوية والحاوي والشرعة والسمرقندية، وما ذكره المصنف مشى عليه في التبيين والمفتاح والدرر. ودليل الأول، أنه - صلى الله عليه وسلم - أوصى أبا هريرة بركعتين، كما في صحيح البخاري. ودليل الثاني: أنه - صلى الله عليه وسلم - كان يصلي الضحى أربعاً ويزيد ما شاء الله، رواه مسلم وغيره. والتوفيق ما أشار إليه بعض المحققين أن الركعتين أقل المراتب والأربع أدنى الكمال (قوله وأكثرها اثنا عشر) لما رواه الترمذي والنسائي بسند فيه ضعف أنه - صلى الله عليه وسلم - قال: من صلى الضحى ثنتي عشرة ركعة بنى الله له قصرًا من ذهب في الجنة، وقد تقرر أن الحديث الضعيف يجوز العمل به في الفضائل شرح المنية. وقيل أكثرها ثمانية، وعزاه في الحلية إلى الإمام أحمد، وعزاه بعض الشافعية إلى الأكثرين. (رد المحتار: ۲۳۷/۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب سنة الضحى، ط: دار الفكر)

## [۳۴] رات اور دن کا اطلاق کب سے کب تک ہوتا ہے؟

۵۸۸-سوال: رات اور دن کا وقت کہاں سے کہاں تک شمار ہوگا؟

الجواب حامدا ومصليا:

روزہ اور دیگر احکام میں شرعی طور پر دن کا اطلاق ”صبح صادق سے غروب آفتاب تک“ پر ہوتا ہے۔<sup>(۱)</sup> اور غروب آفتاب سے صبح صادق تک رات کا وقت شمار کیا جاتا ہے؛ لہذا اگر کوئی شخص عشاء اور وتر کی نماز رات کے ابتدائی حصے میں نہ پڑھ سکا ہو، تو صبح صادق سے پہلے جب بھی ادا کرے گا، وہ ادا ہی شمار ہوگی۔<sup>(۲)</sup> اس کے بعد قضا شمار ہوگی۔

صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کا جو وقت ہے، اس کے نصف کو ”نصف نہار شرعی“ کہا جاتا ہے، اگر کسی نے نصف نہار شرعی سے پہلے روزہ کی نیت کر لی ہو، تو اس کا اعتبار ہوگا، اس کے بعد نیت کی ہو، تو اعتبار نہیں ہوگا۔

اور طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک کا جو وقت ہے، اس کے نصف کو ”نصف نہار عرفی“ کہا جاتا ہے۔<sup>(۳)</sup> نماز کے سلسلے میں نصف نہار عرفی کا اعتبار ہے، چنانچہ اس وقت (استوائے شمس کے وقت) نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) أما الذي يرجع إلى أصل الوقت: فهو بياض النهار وذلك من حين يطلع الفجر الثاني إلى غروب الشمس. (بدائع الصنائع: ۲/ ۷۷، كتاب الصوم، شرائط الصوم، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۳۳۶، كتاب الصوم، المكتبة الاشرفية- ديوبند)

اليوم الشرعي من طلوع الفجر إلى الغروب. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۷۱، كتاب الصوم، ط: دار الفكر)  
(۲) وأول وقت العشاء إذا غاب الشفق على القولين، وآخره ما لم يطلع الفجر أي الجزء الذي قبيل طلوع الفجر من الزمان، ووقت الوتر ما هو وقت العشاء، هذا عند أبي حنيفة، وعندهما وقتها بعد صلاة العشاء. (حلي كبير، ص: ۲۰۱، بحث فروع في شرح الطحطاوي، ط: دار الكتاب- ديوبند)

[۳] (صبح صوم رمضان والنذر المعين والنفل بنية من الليل إلى الضحوة الكبرى لا عندها) فإن النهار الشرعي من الصبح إلى الغروب، والضحوة الكبرى منتصفه فوجب أن توجد النية قبلها لتكون موجودة في أكثر النهار فتوجد في كله حكما، وهذا هو الأصح لا ما قيل إلى الزوال؛ لأنه منتصف نهار اعتبر من طلوع الشمس إلى غروبها. (درر الأحكام شرح غرر الأحكام- محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا - أو مثلا أو المولى - خسرو (م: ۸۸۵هـ): ۱۹۷/ ۱، كتاب الصوم، ط: دار إحياء الكتب العربية ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۷۷، كتاب الصوم، ط:

دار الفكر- بيروت)



قال معاوية: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم  
يقول: المؤذنون أطول الناس أعناقاً يوم القيامة.  
(مسلم شریف: ۱/۱۶۷، رقم الحدیث: ۳۸۷)

## باب الأذان والإقامة

[ اذان و اقامت کا بیان ]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب الأذان والإقامة

### اذان واقامت کا بیان

#### [۱] اذان کی ابتداء کس طرح ہوئی؟

۵۸۹-سوال: اذان کا حکم کب ہوا اور کس طرح ہوا؟ اذان کے متعلق کس صحابی نے خواب دیکھا تھا؟ اور سب سے پہلے اسلام میں کس نے اذان دی؟ جواب عنایت فرمائیں، کرم ہوگا۔

**الجواب حامداً ومصلياً:**

مکہ مکرمہ میں ہر شخص اپنی اپنی جگہ نماز پڑھ لیتے تھے، جماعت کے ساتھ نماز نہیں ہوتی تھی؛ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ فروکش ہوئے اور مدینہ منورہ ”دارالاسلام“ بن گیا اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی منظم ہوئی، تو نماز بھی جماعت کے ساتھ ادا کی جانے لگی، ایسے میں ضرورت محسوس ہوئی کہ جماعت کا وقت قریب آنے کی عام اطلاع کے لیے اعلان کا کوئی خاص طریقہ تجویز کیا جائے، تاکہ تمام حضرات جماعت میں بہ یک وقت شریک ہو جائیں، یکے بعد دیگرے آنے کی وجہ سے ایک دوسرے کو تکلیف نہ ہو، اور جماعت کے ثواب سے بھی کوئی محروم نہ رہ جائے۔

چنانچہ ہجرت کے پہلے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں مشورے کے لیے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا، کسی نے کہا: اس کے لیے بہ طور علامت کوئی جھنڈا بلند کرنا چاہیے، لوگوں کی نگاہ جب اس پر پڑے گی، تو ایک دوسرے کو اطلاع کر دیں گے۔ کسی نے رائے دی کہ: کسی بلند جگہ پر آگ روشن کرنی چاہیے، کسی نے مشورہ دیا کہ: یہود کے عبادت خانوں میں نرسنگا بجایا جاتا ہے، ہمیں بھی نرسنگا بجانا چاہیے۔ کسی نے

نصاری کے ناقوس کی تجویز پیش کی؛ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی بات پر اطمینان ظاہر نہیں فرمایا؛ بل کہ بعض تجاویز یہ فرما کر رد کر دیں کہ یہ غیر مسلموں کا طریقہ ہے۔

آخر میں حضرت عمرؓ نے یہ تجویز پیش کی کہ نماز کا وقت ہونے پر کوئی آدمی بھیجا جائے، جو محلہ محلہ گھوم کر ”الصلاة جامعة“ (نماز تیار ہے) کا اعلان کرے، چوں کہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی، اس لیے اس تجویز پر عمل کرنا کوئی دشوار کن نہیں تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تجویز پسند فرمائی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے منتخب فرمایا، مگر کسی وجہ سے اس تجویز پر فوری عمل شروع نہ ہو سکا، البتہ اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی فکر مندی نے بہت سے صحابہ کرام کو فکر مند کر دیا، چنانچہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اذان سے متعلق خواب دیکھا، مگر کسی وجہ سے انہوں نے اس حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خواب کا تذکرہ نہ کیا، یہاں تک کہ ایک انصاری صحابی حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہؓ نے اذان کے متعلق خواب دیکھا۔

حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ خواب میں میرے سامنے ایک شخص آیا، جو اپنے ہاتھ میں ناقوس لیے ہوئے تھا، میں نے اس سے پوچھا: اے اللہ کے بندے! تم یہ ناقوس بیچو گے؟ اس نے کہا: تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا: ہم اس کے ذریعہ اعلان کر کے لوگوں کو نماز کے لیے اکٹھا کریں گے، اس نے کہا: کیا تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں، جو اس کام کے لیے نقارہ سے بہتر ہے؟ میں نے کہا: ہاں! ضرور بتاؤ، پھر اس نے اذان کہی الخ۔۔۔۔۔۔ یہ خواب دیکھ کر میں خوش ہو گیا اور جلدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلاؤ، ان کی آواز تم سے بلند ہے، ان کے آنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: تم ان کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور کلمات اذان ان کو بتلاؤ، وہ بلند آواز سے پکاریں گے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دینی شروع کی، اذان کے کلمات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً چادر گھسیٹتے ہوئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: قسم ہے اس ذات پاک کی، جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا تھا، جیسا عبداللہ نے دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الحمد للہ! مگر تم نے اس وقت جب عبداللہ نے خواب بیان کیا تھا، اپنے خواب کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ عبداللہ نے یہ فضیلت آگے بڑھ کر حاصل کر لی، اس لیے مجھے تذکرہ کرتے ہوئے شرم محسوس ہوئی، اسی دن سے اذان کا یہ نظام قائم ہو گیا، جو آج تک اسلام

اور مسلمانوں کا خاص شعار ہے۔ (مستفاد: بخاری، ابوداؤد اور دیگر کتب حدیث) [۱]

اور ترمذی: ۲۶/۱ کے حاشیہ نمبر ۶ میں لکھا ہے کہ مذکورہ خواب دس سے زائد صحابہ کرامؓ نے دیکھا تھا۔<sup>(۲)</sup> بعض کتابوں میں ہے کہ یہ واقعہ ۱۶/۱ سے زائد صحابہ کرامؓ کو خواب میں دکھایا گیا تھا۔<sup>(۳)</sup> فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات مغرلہ

(۱) أن ابن عمر، كان يقول: كان المسلمون حين قدموا المدينة يجتمعون فيتحينون الصلاة ليس ينادى لها، فتكلموا يومها في ذلك، فقال بعضهم: اتخذوا ناقوسا مثل ناقوس النصارى، وقال بعضهم: بل يوقا مثل قرن اليهود، فقال عمر: أو لا تبعثون رجلا ينادي بالصلاة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «يا بلال قم فناد بالصلاة». (صحيح البخاري: ۸۵/۱، رقم الحديث: ۶۰۳، كتاب الأذان، باب بدء الأذان، ط: رشيدية- دهلي ☆ الصحيح لمسلم: ۱۶۳/۱، رقم الحديث: ۱-۳۷۷، كتاب الصلاة، باب بدء الأذان، ط: مختار ايند كمنپي- ديوبند)

عن محمد بن عبد الله بن زيد بن عبد ربه، قال: حدثني أبي عبد الله بن زيد، قال: لما أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بالناقوس يعمل ليضرب به للناس لجمع الصلاة طاف بي وأنا نائم رجل يحمل ناقوسا في يده، فقلت: يا عبد الله أتبيع الناقوس؟ قال: وما تصنع به؟ فقلت: ندعوه إلى الصلاة، قال: أفلا أدلك على ما هو خير من ذلك؟ فقلت له: بلى، قال: فقال: تقول: الله أكبر، الله أكبر، الله أكبر، الله أكبر، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمدا رسول الله، أشهد أن محمدا رسول الله، حي على الصلاة، حي على الصلاة، حي على الفلاح، حي على الفلاح، الله أكبر، الله أكبر، لا إله إلا الله، قال: ثم استأخر عني غير بعيد، ثم، قال: وتقول: إذا أقمت الصلاة، الله أكبر الله أكبر، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمدا رسول الله، حي على الصلاة، حي على الصلاة، قد قامت الصلاة، قد قامت الصلاة، الله أكبر الله أكبر، لا إله إلا الله، فلما أصبحت، أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأخبرت به، بما رأيت فقال: إنها لرؤيا حق إن شاء الله، فقم مع بلال فألق عليه ما رأيت، فليؤذن به، فإنه أندى صوتا منك، فقم مع بلال، فجعلت ألقيه عليه، ويؤذن به، قال: فسمع ذلك عمر بن الخطاب، وهو في بيته فخرج يجرد رداءه، ويقول: والذي بعثك بالحق يا رسول الله، لقد رأيت مثل ما رأى، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فليله الحمد. (سنن أبي داود: ۷/۱، رقم الحديث: ۴۹۹، كتاب الصلاة، باب كيف الأذان، ط: تهانوي- ديوبند ☆ سنن الترمذی: ۳۸/۱، رقم الحديث: ۱۸۹، أبواب الصلاة، باب ما جاء في بدء الأذان، ط: فيصل- ديوبند)

(۲) ... أنه رأى الأذان في المنام تلك الليلة أحد عشر رجلا من أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم -. (حاشية مشكاة المصابيح، ص: ۶۳، حاشية نمبر: ۸، باب الأذان كتاب الصلاة، ط: ياسر نديم ايند كمنپي، ديوبند)

(۳) ... "أن عبد الله بن زيد هو أذن أولا وأنه رأى الأذان في المنام معه بضعة عشرة صحابيا". (خلاصة الأحكام في مهمات السنن وقواعد الإسلام- أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ۶۷۶هـ): ۱/۱: ۲۷۷-۲۷۸، كتاب الأذان، باب ابتدائه وفضله، فصل في ضعفه، ت: حسين إسماعيل الجمل، ط: مؤسسة الرسالة- بيروت)



## [۲] خطبہ سے پہلے اذان کیوں؟

۵۹۰-سوال: جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے جو اذان دی جاتی ہے، اس کی کیا اہمیت ہے؟

**الجواب حامدًا ومصلياً:**

خطبہ سننا واجب ہے، خطبہ سے قبل اذان اس لیے دی جاتی ہے کہ اس سے مسجد میں موجود حضرات کو متوجہ کرنا ہوتا ہے کہ امام صاحب جو خطبہ دیں گے، اس کو غور سے سننے کے لیے تیار ہو جاؤ۔<sup>(۱)</sup> کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی خطبہ جمعہ کے وقت بات کرے۔<sup>(۲)</sup>

رسول پاک ﷺ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یہی خطبہ کی اذان تھی، دوسری اذان - جو جمعہ کا وقت ہونے پر دی جاتی ہے اور موجودہ ترتیب کے اعتبار سے پہلی ہے - اس کا اضافہ خلیفہ راشد

(۱) أي أذان لا يستحب رفع الصوت فيه؟ قل: هو الأذان الثاني يوم الجمعة الذي يكون بين يدي الخطيب؛ لأنه كالإقامة لإعلام الحاضرين، صرح به جماعة من الفقهاء. (السعاية: ۲/۳۸، باب الأذان، المقام الثاني في ذكر أحوال المؤذن، ط: سبيل أكيدى - لاہور)

(۲) عن أبي هريرة، أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال: "إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت، والإمام يخطب، فقد لغوت". (صحيح البخارى: ۱/۱۲۷-۱۲۸، رقم الحديث: ۹۳۴، كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب، ط: مكتبة البدر - ديوبند، صحيح لمسلم: ۱/۲۸۱، رقم الحديث: ۱۱-۸۵۱، كتاب صلاة الجمعة، باب في الإنصات يوم الجمعة في الخطبة، ط: ديوبند)

وفي المجتبى: الاستماع إلى خطبة النكاح والختم وسائر الخطب واجب، والأصح الاستماع إلى الخطبة من أولها إلى آخرها، وإن كان فيها ذكر الولاية اهـ. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق - زين الدين بن إبراهيم، المعروف بـ "ابن نجيم المصري" (م: ۷۰: ۹۷ھ)، ۲/۱۶۸، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(قوله وإذا خرج الإمام فلا صلاة، ولا كلام) لما رواه ابن أبي شيبة في مصنفه عن علي بن عباس وابن عمر - رضي الله عنهم - كانوا يكرهون الصلاة والكلام بعد خروج الإمام، وقول الصحابي حجة، ولأن الكلام يمتد طبعاً فيخل بالاستماع والصلاة قد تستلزمه أيضاً... وأجمعوا أن الخروج قاطع للصلاة... وفسر الشارح الخروج بالصعود على المنبر وهكذا في المضمرة وذكر في السراج الوهاج يعني خرج من المقصورة وظهر عليهم وقيل صعد المنبر، فإن لم يكن في المسجد مقصورة يخرج منها لم يتركوا القراءة والذكر إلا إذا قام الإمام إلى الخطبة اهـ.

(البحر الرائق: ۲/۱۶۷، باب صلاة الجمعة، كتاب الصلاة)

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں کیا گیا۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] جب نماز لوٹائی جائے، تو کیا دوبارہ اقامت کہی جائے گی؟

۵۹۱-سوال: اگر امام صاحب کی نماز فاسد ہو جائے، اور اس کا اعادہ کیا جائے، تو دوبارہ

اقامت کہی جائے گی یا پہلی اقامت کافی ہے؟

**الجواب حامدًا ومصلياً:**

پہلی بار اقامت ہوگئی ہے، نماز فاسد ہونے کی وجہ سے دوبارہ اقامت کی ضرورت نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup>

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] کیا عیدین کی نماز کے لیے اذان دینا مشروع ہے؟

۵۹۲-سوال: عیدین کی نماز کے لیے متعدد گاوں میں اذان دی جاتی ہے، کیا یہ درست ہے؟

**الجواب حامدًا ومصلياً:**

عیدین کی نماز کے لیے اذان مشروع نہیں ہے؛ اس لیے اذان نہ دی جائے، البتہ دو تین دن پہلے

(۱) عن الزهري، قال: سمعت السائب بن يزيد، يقول: إن الأذان يوم الجمعة كان أوله حين يجلس الإمام، يوم الجمعة على المنبر في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأبي بكر، وعمر رضي الله عنهما، فلما كان في خلافة عثمان بن عفان رضي الله عنه، وكثروا، وأمر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثالث، فأذن به على الزوراء، فثبت الأمر على ذلك. (صحيح البخاري: ۱/۱۲۵، رقم الحديث: ۹۱۶، كتاب الجمعة، باب التأذين عند الخطبة، وانظر رقم: ۹۱۲، باب الأذان يوم الجمعة، ط: ديوبند)

(۲) قال الحصكفي: [فروع] صلى السنة بعد الإقامة أو حضر الإمام بعدها لا يعيدها بزازية. وينبغي إن طال الفصل أو وجد ما يعدها قاطعاً كأكمل أن تعاد. (الدر المختار) وقال ابن عابدين: (قوله: وينبغي إلخ) البحث لصاحب النهر. أقول: قال في آخر شرح المنية: أقام المؤذن ولم يصل الإمام ركعتي الفجر يصليهما ولا تعاد الإقامة؛ لأن تكرارها غير مشروع إذا لم يقطعها قاطع من كلام كثير أو عمل كثير مما يقطع المجلس في سجدة التلاوة اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۰۰، كتاب الطهارة، باب الأذان، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

نوٹ: بلا تاخیر نماز شروع کرے، تو اقامت کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، پہلی اقامت کافی ہے، اور اگر تاخیر ہوگئی ہو، تو دوبارہ اقامت کہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۳/۹۵، اعادہ نماز کے لیے دوبارہ اقامت کہی جائے یا نہیں؟ سوال نمبر: ۱۲۷، ط: دارالاشاعت، پاکستان)

بورڈ پر لکھ کر اطلاع کر دیں کہ نماز اتنے بجے ہوگی۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۵] اذان و اقامت میں ”أشهد أن محمدًا رسول الله“ پر انگوٹھے چومنا

۵۹۳-سوال: بعض حضرات اذان و اقامت میں ”أشهد أن محمدًا رسول الله“ پر اپنے ہاتھ کے

انگوٹھے چومتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا:

اذان و اقامت میں ”أشهد أن محمدًا رسول الله“ پر انگوٹھے چومنا بدعت ہے۔<sup>(۲)</sup> واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) عن جابر بن سمرة، قال: «صليت مع رسول الله - صلى الله عليه وسلم - العيدين، غير مرة ولا مرتين، بغير أذان ولا إقامة.» (الصحيح لمسلم: ۱/۲۹۰، كتاب صلاة العيدين، فصل في الصلاة قبل الخطبة بغير أذان ولا إقامة، ط: البدر - ديوبند)

قلت أرأيت صلاة العيدين هل فيهما أذان وإقامة قال ليس فيهما أذان ولا إقامة. (الأصل المعروف بالمبسوط - أبو عبد الله محمد بن الحسن بن فرقد الشيباني (م: ۱۸۹ھ) ۱/۲۷۳، باب صلاة العيدين، ت: أبو الوفا الأصفهاني، ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية - كراتشي ☆ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ) ۱/۲۷۶، كتاب الصلاة، فصل شرائط وجوب وجواز صلاة العيدين، ط: دار الكتب العلمية ☆ الجوهرة النيرة - أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي، الزبيدي، الحنفي (م: ۸۰۰ھ) ۱/۹۳، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، ط: المطبعة الخيرية)

(۲) انگوٹھے چومنا کسی صحیح مرفوع روایت سے ثابت نہیں ہے، اس سلسلے میں دیلمی کی مسند الفردوس کا حوالہ دیا جاتا ہے، اس میں اس سلسلے کی ایک روایت موجود ہے؛ لیکن وہ صحیح نہیں ہے، علامہ شامی نے اس سلسلے میں تفصیلی بحث کی ہے، وہ رقم طراز ہیں:

يستحب أن يقال عند سماع الأولى من الشهادة: صلى الله عليك يا رسول الله، وعند الثانية منها: قرت عيني بك يا رسول الله، ثم يقول: اللهم معني بالسمع والبصر بعد وضع ظفري الإبهامين على العينين، فإنه - عليه السلام - يكون قائمًا له إلى الجنة، كذا في كنز العباد. اهـ. قهستاني، ونحوه في الفتاوى الصوفية. وفي كتاب الفردوس: من قبل ظفري إبهامه عند سماع أشهد أن محمدًا رسول الله في الأذان، أنا قائمه ومدخله في صفوف الجنة، وتمامه في حواشي البحر للملبي عن المقاصد الحسنة للسخاوي، وذكر ذلك الجراحي وأطال، ثم قال: ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء. ونقل بعضهم أن القهستاني كتب على هامش نسخته أن هذا مختص بالأذان، وأما في الإقامة فلم يوجد بعد الاستقصاء التام والتتبع. (رد المحتار على الدر المختار - ابن عابدين، الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲ھ) ۱/۳۹۸، باب الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

اس سلسلے کی تمام احادیث کے لیے دیکھیے: المقاصد الحسنة فی بیان کثیر من الأحادیث المشتهرة علی الألسنة - شمس الدین أبو الخیر محمد بن عبد الرحمن بن محمد السخاوی (م: ۹۰۲ھ) ۱/۶۰۳، رقم الحدیث: ۱۰۲۱، ت: محمد =

## [۶] تکبیر میں افراد اور اذان میں ترجیح احناف کے یہاں سنت نہیں

۵۹۴-سوال: اذان یا تکبیر میں مؤذن ”اللہ اکبر“ دوبار، ”أشهد أن لا إله إلا الله“ ایک بار،

”أشهد أن محمد رسول الله“ ایک بار، ”حی علی الصلاة“ ایک بار اسی طرح ”حی علی الفلاح“ ایک بار کہے، تو جائز ہے یا نہیں؟ یا اولیٰ اور غیر اولیٰ کا اختلاف ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

### الجواب حامدا ومصليا:

مذکور طریقہ اذان کا نہیں ہے؛ بل کہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے مسلک کے مطابق صرف تکبیر کا ہے، کہ مکبر ”اللہ اکبر“ دوبار، ”أشهد أن لا إله إلا الله“ ایک بار، ”أشهد أن محمد رسول الله“ ایک بار، ”حی علی الصلاة“ ایک بار، ”حی علی الفلاح“ ایک بار اور ”قد قامت الصلاة“ دوبار کہے گا۔<sup>(۱)</sup>

جب کہ اذان میں امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک مؤذن شہادتین میں ترجیح کرے گا، ترجیح کا مطلب ہے: شہادتین (أشهد ان لا اله الا الله“ اور ”أشهد ان محمد رسول الله“) کو آہستہ آواز سے کہنے کے بعد دوبارہ بلند آواز سے کہنا، یعنی پہلے چار کلمات کو، بلکہ آواز سے کہے گا، پھر بلند آواز سے کہے گا۔<sup>(۲)</sup>

= عثمان الخشت، ط: دار الكتاب العربي - بيروت ☆ مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى: ۳۲۵/۴، أوائل كتاب الكراهية، زكريا - ديوبند.

الغرض جب مؤذن ”أشهد أن محمد رسول الله“ کہے، اس وقت اٹوٹھا چومنا بدعت ہے، جس سے احتراز لازم ہے۔

(۱) وأما الإقامة، فإنها إحدى عشرة كلمة: الله أكبر الله أكبر، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمد رسول الله، حي على الصلاة، حي على الفلاح، قد قامت الصلاة، قد قامت الصلاة، الله أكبر الله أكبر، لا إله إلا الله. (المهذب في فقه الإمام الشافعي - أبو اسحاق إبراهيم بن علي بن يوسف الشيرازي (م: ۶۷۷ھ): ۱۱۱/۱، كتاب الصلاة، باب الأذان والإقامة، ط: دار الكتب العلمية ☆ التنبية في الفقه الشافعي - الشيرازي، ص: ۲۷، باب الأذان، ط: عالم الكتب ☆ منهاج الطالبين وعمدة المفتين في الفقه - أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ۶۷۷ھ)، ص: ۲۳، كتاب الصلاة، مدخل، ت: عوض قاسم أحمد عوض، ط: دار الفكر ☆ المغني لابن قدامة - أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد، ابن قدامة الجماعلي المقدسي ثم الدمشقي الحنبلي، الشهرير بن قدامة المقدسي (م: ۷۲۰ھ): ۲۹۳/۱ رقم المسئلة: ۵۵۶، ط: مكتبة القاهرة ☆ كشف القناع عن متن الإقناع - منصور بن يونس بن صلاح الدين ابن حسن بن إدريس البهوتي الحنبلي (م: ۱۰۵۱ھ): ۲۳۶/۱، باب الأذان والإقامة، ط: دار الكتب العلمية

(۲) والأذان تسع عشرة كلمة: الله أكبر الله أكبر، الله أكبر الله أكبر، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن محمد رسول الله، أشهد أن محمد رسول الله، ثم يرجع فيمد صوته فيقول أشهد أن لا إله إلا الله، أشهد أن لا إله إلا الله =

احناف کے نزدیک اذان و اقامت؛ دونوں میں تمام کلمات کو دو، دو بار کہے، سوائے اللہ اکبر کے، کہ اس کو چار مرتبہ کہے گا، نیز فجر کی اذان میں ”الصلاة خیر من النوم“ کا اور اقامت میں ”قد قامت الصلاة“ کا اضافہ کرے۔<sup>(۳)</sup>

احناف کے نزدیک ترجیح نہ کرے؛ لیکن یہ صرف اولیٰ وغیر اولیٰ کا اختلاف ہے۔<sup>[۴]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۷] اذان کے وقت تلاوت جاری رکھنا اور اذان کا جواب نہ دینا

۵۹۵-سوال: اذان کے دوران ایک شخص قرآن شریف یا کوئی دینی کتاب پڑھ رہا تھا، اس سے

= أشهد أن محمدًا رسول الله، أشهد أن محمدًا رسول الله، حي على الصلاة، حي على الصلاة، حي على الفلاح، حي على الفلاح، الله أكبر الله أكبر، لا إله إلا الله. (المهذب في فقه الإمام الشافعي: ۱/۱۰۹، كتاب الصلاة، باب الأذان والإقامة، ☆ التاج والإكليل لمختصر خليل - محمد بن يوسف بن أبي القاسم، أبو عبد الله المواق المالكي (م: ۸۹۷ھ): ۲/۷۳، باب في الأذان والإقامة، فصل في حكم الأذان والإقامة، ط: دار الكتب العلمية)

(۳) عن الأسود، عن بلال، أنه كان يثني الأذان، ويثني الإقامة. (شرح معاني الآثار - أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة، الأزدي، المصري المعروف بـ ”الطحاوي“ (م: ۳۲۱ھ): ۱/۱۰۱، رقم الحديث: ۸۲۶ - ۸۲۸، كتاب الصلاة، باب الإقامة كيف هي، مكتبة ملت - ديوبند)

"وصفة الأذان معروفة" وهو كما أذن الملك النازل من السماء "ولا ترجع فيه" ... "ويزيد في أذان الفجر بعد الفلاح، الصلاة خیر من النوم مرتين" ... "والإقامة مثل الأذان إلا أنه يزيد فيها بعد الفلاح، قد قامت الصلاة، مرتين" هكذا فعل الملك النازل من السماء وهو المشهور. (الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر، المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/۴۳، كتاب الصلاة، باب الأذان، ت: طلال يوسف، ط: دار احیاء التراث العربی - بیروت ☆ البحر الرائق شرح كنز الدقائق - ابن نجيم المصري (م: ۷۹۰ھ): ۱/۴۵ - ۴۴، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الكتاب - ديوبند ☆ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۱/۱۳۷، كتاب الصلاة، فصل بيان كيفية الأذان، ط: دار الكتب العلمية ☆ رد المحتار على الدر المختار - ابن عابدين، الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲ھ): ۱/۳۸۶، باب الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

[۴] (ولا ترجع) فإنه مكروه ملتقى. الدر المختار. — قال ابن عابدين: (قوله: فإنه مكروه ملتقى) ومثله في القهستاني، خلافا لما في البحر من أن ظاهر كلامهم أنه مباح لا سنة ولا مكروه. قال في النهج: ويظهر أنه خلاف الأولى. وأما الترجيع بمعنى التغني فلا يحل فيه اهد وحينئذ فالكره المذكورة تنزيهية. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۸۷، باب الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

کہا گیا کہ اذان ہو رہی ہے، پڑھنا موقوف کر دینا چاہیے اور اذان کا جواب دینا چاہیے؛ لیکن اس نے کوئی توجہ نہیں کی اور پڑھنا جاری رکھا، تو شرعاً ایسا شخص گنہگار ہوگا یا نہیں؟ جواب دے کر مہربانی فرمائیں۔

### الجواب حامداً ومصلياً:

بہتر یہ ہے کہ اذان کے وقت قرآن کریم کی تلاوت بند کر دے اور اپنے محلے کی مسجد کی اذان کا جواب دے؛ چونکہ اذان کا قولاً جواب دینا مستحب ہے اور عملاً یعنی اذان سن کر مسجد کے لیے جانا واجب ہے؛ اس لیے اگر کوئی شخص مسجد میں ہو، تو چونکہ وہ واجب کو بجایا ہے، اس کو قرآن شریف بند کر کے اذان کا جواب دینا ضروری نہیں، وہ قرآن کی تلاوت جاری رکھ سکتا ہے۔<sup>(۱)</sup> اور اگر گھر میں تلاوت کر رہا ہو اور وقت پر نماز کے لیے چلا جاتا ہے اور اس کی جماعت ترک نہیں ہوتی، تب بھی کوئی حرج نہیں، اور اگر اس کی وجہ سے ترک جماعت کا اندیشہ ہو، تو تلاوت بند کر کے مسجد جانا واجب ہے، ورنہ ترک جماعت کا گناہ ہوگا، تاہم چونکہ زبان سے جواب دینا صرف مستحب ہے، قرآن پڑھتا رہے گا اور اذان کا جواب نہیں دے گا، تو کوئی گناہ نہ ہوگا۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) "وإذا سمع المسنون منه" أي الأذان وهو ما لا لحن فيه ولا تلحين "أمسك" حتى عن التلاوة ليحجب المؤذن ولو في المسجد وهو الأفضل، وفي الفوائد يمضي على قراءته إن كان في المسجد. (مراقبي الفلاح شرح متن نور الإيضاح - حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹ھ)، ص: ۸۰، باب الأذان، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں ہو تب بھی تلاوت بند کر دینا افضل ہے۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

(۲) عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من سمع المنادي فلم يمنعه من اتباعه، عذر، قالوا: وما العذر؟ قال: خوف أو مرض، لم تقبل منه الصلاة التي صلى. (سنن أبي داود: ۸۱/۱، رقم الحديث: ۵۵۱، باب في التشديد في ترك الجماعة، ط: مختار ايند كميني - ديوبند)

ولا ينبغي أن يتكلم السامع في خلال الأذان والإقامة ولا يشتغل بقراءة القرآن ولا بشيء من الأعمال سوى الإجابة، ولو كان في القراءة ينبغي أن يقطع ويشغل بالاستماع والإجابة. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۷، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما، ما يتصل بذلك. ط: دار الفكر)

(ويجيب) وجوبا، وقال الحلواني ندبا، والواجب الإجابة بالقدم (من سمع الأذان) ولو جنبا لا حائضا ونفساء وسامع خطبة وفي صلاة جنازة وجماع، ومستراح واكل وتعليم علم وتعلمه، بخلاف قرآن. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله: وقال الحلواني ندبا إلخ) أي قال الحلواني: إن الإجابة باللسان مندوبة والواجبة هي الإجابة بالقدم... (قوله: وتعليم علم) أي شرعي فيما يظهر، ولذا عبر في الجوهره بقراءة الفقه. — (قوله: بخلاف قرآن) لأنه لا يفوت، جوهره، ولعله لأن تكرر القراءة إنما هو لأجر فلا يفوت بالإجابة، بخلاف التعلم، فعلى هذا =

## [۸] اذان کے دوران سر آیا جہراً تلاوت کرنا

۵۹۶-سوال: جس وقت اذان ہو رہی ہو، اُس دوران جہراً سر آ تلاوت کرنے کا کیا حکم ہے؟

**الجواب حامداً ومصلياً:**

اذان کے دوران تلاوت نہ کرنی چاہیے، اگر تلاوت میں مشغول تھا اور پھر اذان شروع ہو جائے، تو اس شخص کو چاہیے کہ تلاوت موقوف کر دے اور اذان کو سن کر اُس کا جواب دے، بعض فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اذان کا جواب دینا واجب ہے، اذان کا جواب یہ ہے کہ مؤذن جو کلمات اذان میں کہہ رہا ہے، اُن ہی کلمات کو دہرائے، حی علی الصلاة اور حی علی الفلاح کے جواب میں ”لا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم“ کہے، اور فجر کی اذان میں ”الصلاة خير من النوم“ کے جواب میں ”صدقت وبررت“ کہے۔ (بدائع الصنائع: ۱/۱۵۵) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= لو يقرأ تعليماً أو تعلمًا لا يقطع. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۹۶، باب الأذان، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد ☆ بدائع الصنائع: ۱/۱۵۵، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يجب على السامعين عند الأذان) [۱] عن أبي سعيد الخدري: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا سمعتم النداء، فقولوا مثل ما يقول المؤذن. (صحيح البخاري: ۱/۸۶، رقم الحديث: ۶۱۱، كتاب الأذان، باب ما يقول إذا سمع المنادي، ط: البدر- ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۱۶۶، رقم الحديث: ۱۰- (۳۸۳)، كتاب الصلاة، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، ثم يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ثم يسأل له الوسيلة، ط: البدر- ديوبند) وأما بيان ما يجب على السامعين عند الأذان، فالواجب عليهم الإجابة، لما روي عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال: أربع من الجفاء: من بال قائماً، ومن مسح جبهته قبل الفراغ من الصلاة، ومن سمع الأذان ولم يجب، ومن سمع ذكرى ولم يصل علي.

والإجابة: أن يقول مثل ما قال المؤذن؛ لقول النبي - صلى الله عليه وسلم -: من قال مثل ما يقول المؤذن غفر الله ما تقدم من ذنبه وما تأخر، فيقول مثل ما قاله إلا في قوله: ”حي على الصلاة، حي على الفلاح“ فإنه يقول مكانه لا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم؛ لأن إعادة ذلك تشبه المحاكاة والاستهزاء، وكذا إذا قال المؤذن: ”الصلاة خير من النوم“ لا يعيده السامع لما قلنا، ولكنه يقول: صدقت وبررت، أو ما يؤجر عليه.

ولا ينبغي أن يتكلم السامع في حال الأذان والإقامة، ولا يشتغل بقراءة القرآن، ولا بشيء من الأعمال سوى الإجابة، ولو كان في القراءة ينبغي أن يقطع ويستغل بالاستماع والإجابة، كما قالوا في الفتاوى. واللہ اعلم. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۱/۱۵۵، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يجب على السامعين عند الأذان، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۶۵-۶۹، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: زكريا- ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۵۷، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان، ط: دار الفكر)

## [۹] مؤذن کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا اقامت کہنا

۵۹۷-سوال: ہمارے یہاں مسجد کا مؤذن اذان کے بعد اکثر محلہ میں چلا جاتا ہے اور نماز کھڑی ہونے کے موقع پر آتا ہے، کبھی وقت پر نہیں پہنچتا ہے، جس کی وجہ سے دوسرا کوئی مقتدی تکبیر کہہ دیتا ہے، تو اس سلسلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

**الجواب حامدًا ومصلياً:**

مؤذن کی اجازت سے دوسرا شخص اقامت کہہ سکتا ہے، جائز ہے، اس سے نماز میں کوئی خلل نہ آئے گا، البتہ مؤذن کی اجازت کے بغیر اقامت کہنے سے اس کا دل دکھتا ہو، تو دوسرے کو اقامت کہنا مکروہ ہے۔ (شامی) <sup>(۱)</sup> فقط واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۰] مؤذن کے علاوہ کوئی شخص تکبیر کہے، تو کیا حکم ہے؟

۵۹۸-سوال: کیا یہ بات ضروری ہے کہ جو شخص اذان کہے، وہی تکبیر بھی کہے؟ اگر اس کے علاوہ کسی دوسرے نے تکبیر کہہ دی، تو کیا یہ صحیح نہیں ہے؟

(۱) عن زياد بن الحارث الصدائي، قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أؤذن في صلاة الفجر، فأذنت، فأراد بلال أن يقيم، فقال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أحاصدأ قد أذن، ومن أذن فهو يقيم. (سنن الترمذي: ۱/۵۰، رقم الحديث: ۱۹۹، باب ما جاء أن من أذن فهو يقيم، ط: فيصل - ديوبند ۱/۵۲، رقم الحديث: ۷۱، كتاب الأذان، والسنة فيه، باب السنة في الأذان، ط: ديوبند)

(أقام غير من أذن بغيثته) أي المؤذن (لا يكره مطلقاً) وإن بحضوره كرهه إن لحقه وحشة. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله: مطلقاً) أي لحقه وحشة أو لا. (قوله: كرهه إن لحقه وحشة) أي بأن لم يرض به، وهذا اختيار خواهر زاده، ومشى عليه في الدرر والخانية لكن في الخلاصة: إن لم يرض به يكرهه، وجواب الرواية أنه لا بأس به مطلقاً. اهـ. قلت: وبه صرح الإمام الطحاوي في مجمع الآثار معزيا إلى أئمتنا الثلاثة. وقال في البحر: ويدل عليه إطلاق قول المجمع: ولا نكرهها من غيره. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۹۵، باب الاذان، قبيل: مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد)

(ومنها) - أي من سنن الاذان - أن من أذن فهو الذي يقيم، وإن أقام غيره: فإن كان يتأذى بذلك يكرهه، لأن اكتساب أذى المسلم مكروه، وإن كان لا يتأذى به لا يكرهه. (بدائع الصنائع: ۱/۱۵۱، كتاب الصلاة، فصل بيان سنن الأذان، ط: دار الكتب العلمية ۱/۷۹، مسائل الاذان، كتاب الصلاة، ط: زكريا، ديوبند)



**الجواب حامداً ومصلياً:**

دوسرے آدمی کے تکبیر کہنے کی وجہ سے اگر مؤذن ناراض ہوتا ہو، تو مکروہ ہے اور مؤذن اگر خود خوشی سے اس کی اجازت دیتا ہو، تو کوئی حرج نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

**[۱۱] جو اذان دے، وہی اقامت کہنے کا زیادہ حق دار ہے**

۵۹۹-سوال: اقامت کون کہے گا؟ کیا اذان کہنے والے کا اقامت کہنا ضروری ہے؟ مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرے کا اقامت کہنا کیسا ہے؟ اگر کسی نے مؤذن کی اجازت کے بغیر اقامت کہی اور مؤذن اقامت کا ارادہ رکھتا ہو، تو کیا وہ اس کو درمیان میں روک سکتا ہے؟ اور روکنے کے باوجود اگر وہ نہ رکنے اور مؤذن دوسری اقامت شروع کر دے، تو کیسا ہے؟ جماعت کا وقت ہو گیا اور یہ معلوم نہ ہو کہ کس نے اذان دی، تو ایسے وقت میں کیا کرنا چاہیے؟ کیا مؤذن کی اجازت کے بغیر اقامت کہہ دے، یا اعلان کر کے پتہ لگائے، اس کے بعد اقامت کہے؟

**الجواب حامداً ومصلياً:**

جس نے اذان دی ہے، اقامت بھی وہی شخص کہے گا؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو اذان دے وہی اقامت کہے۔<sup>(۲)</sup> لہذا اقامت کا حق مؤذن کا ہے، اگر کوئی دوسرا مؤذن کی اجازت سے اقامت کہے، یا بغیر اجازت کے کہے؛ لیکن اس سے مؤذن کو تکلیف نہ ہو، تو جائز ہے۔ اسی طرح اذان دینے والا موجود نہیں ہے، یا وقت ہونے کے بعد بھی ایک دو منٹ زائد ہو گئے اور مؤذن نے اقامت نہیں کہی، تو بھی دوسرے کا اقامت کہنا بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔ اگرچہ دوسرے کے اقامت کہنے سے اس کو تکلیف ہو، تو بھی جائز ہے؛ کیوں کہ وہ حاضر نہیں ہے اور اس کے انتظار میں دوسروں کو تکلیف ہوگی؛ اس لیے دیگر مصلیان کی رعایت کر کے دوسرے کا اقامت کہنا جائز ہے۔

(۱) قد تقدم تخريجه تحت عنوان: "مؤذن کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا اقامت کہنا"۔

(۲) عن زياد بن الحارث الصدائي، قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أؤذن في صلاة الفجر، فأذنت، فأراد بلال أن يقيم، فقال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أحاصدأ قد أذن، ومن أذن فهو يقيم. (سنن الترمذي: ۱/۵۰،

رقم الحديث: ۱۹۹، باب ما جاء أن من أذن فهو يقيم، ط: فيصل - ديوبند، سنن ابن ماجه: ۱/۵۲، رقم

الحديث: ۷۱، كتاب الأذان، والسنة فيه، باب السنة في الأذان، ط: أشرفي - ديوبند)

لیکن مؤذن کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے نے اقامت کہی اور مؤذن ناراض ہو، تو یہ جائز نہیں ہے۔ (شامی جلد ۱ صفحہ ۳۶۹ ☆ عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۱۹)<sup>[۱]</sup>

علامہ شامیؒ نے یہاں ”افضل“ کا لفظ لکھا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مستحب ہے؛ لہذا جو شخص اذان دے، وہی اقامت کہے، یہ بہتر ہے، واجب اور ضروری نہیں ہے؛ لہذا کوئی شخص نادانی کی وجہ سے اقامت کہہ دے، تو اس کی بے عزتی نہ کی جائے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد اسے مسئلہ سمجھا دیا جائے، ایسا نہ ہو کہ ایک افضل کام کے لیے مسجد کو لڑائی جھگڑے کا گھر بنا دیا جائے؛ اس لیے مؤذن کو چاہیے کہ اقامت کہتے وقت اس کو نہ روکے یہی بہتر ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۲] اذان دینے والے شخص ہی کا اقامت کہنا ضروری ہے؟

۶۰۰-سوال: کیا ایسی کوئی روایت ہے، جس میں یہ بات ہو کہ جو شخص اذان دے، وہی

[۱] (أقام غیر من أذن بغیثہ) أي المؤذن (لا یکرہ مطلقاً) وإن بحضورہ کرہ إن لحقہ وحشۃ. (الدر المختار) قال ابن عابدین: (قولہ: مطلقاً) أي لحقہ وحشۃ أو لا. (قولہ: کرہ) إن لحقہ وحشۃ) أي بأن لم یرض بہ، وهذا اختیار خواہر زادہ، ومشی علیہ فی الدرر والخانیۃ لکن فی الخلاصۃ: إن لم یرض بہ یکرہ، وجواب الروایۃ أنه لا بأس بہ مطلقاً. اھ. قلت: وبہ صرح الإمام الطحاوی فی مجمع الآثار معزیاً إلى أئمتنا الثلاثة. وقال فی البحر: وبدل علیہ إطلاق قول المجمع: ولا نکرہا من غیرہ. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/۳۹۵، باب الاذان، قبیل: مطلب فی کراہۃ تکرار الجماعة فی المسجد)

وإن أذن رجل وأقام آخر إن غاب الأول جاز من غیر کراہۃ وإن کان حاضرًا ویلحقہ الوحشۃ بإقامۃ غیرہ یکرہ وإن رضی بہ لا یکرہ عندنا. کذا فی المحيط. (الفتاویٰ الہندیۃ: ۱/۵۳، کتاب الصلاة، الباب الثانی فی الأذان، الفصل الأول فی صفۃ الأذان وأحوال المؤذن، ط: دار الفکر)

(ومنها) - أي من سنن الاذان - أن من أذن فهو الذي یقیم، وإن أقام غیرہ: فإن کان يتأذی بذلك یکرہ؛ لأن اکتساب أذی المسلم مکروہ، وإن کان لا يتأذی بہ لا یکرہ. (بدائع الصنائع: ۱/۱۵۱، کتاب الصلاة، فصل بیان سنن الأذان، ط: دار الکتب العلمیۃ ☆ قاضی خان علی ہامش الہندیۃ: ۱/۷۹، مسائل الاذان، کتاب الصلاة، ط: زکریا، دیوبند)

(۲) وقال فی البحر: وبدل علیہ إطلاق قول المجمع: ولا نکرہا من غیرہ، فما فی شرحہ لابن ملک من أنه لو حضر ولم یرض یکرہ اتفاقاً فیہ نظر. اھ. وكذا یدل علیہ إطلاق الکافی معللاً بأن کل واحد ذکر، فلا بأس بأن یأتی بكل واحد رجل آخر، ولكن الأفضل أن یكون المؤذن هو المقیم اھ. أي لحديث ”من أذن فهو یقیم“، وتماہ فی حاشیۃ نوح. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/۳۹۵، باب الاذان، قبیل: مطلب فی کراہۃ تکرار الجماعة فی المسجد)

اقامت بھی کہے؟ کیا یہ لزوم شوافع کے نزدیک ثابت ہے؟ کیوں کہ بعض عرب ممالک میں امام اذان بھی دیتا ہے، اقامت بھی کہتا ہے، پھر نماز بھی وہی پڑھاتا ہے، کیا اس طرح کرنا صحیح ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق بھی مستحب یہ ہے کہ مؤذن اقامت کہے اور امامت بھی کرے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ مؤذن سمجھ دار، نیک، متقی اور عالم بالسنہ ہونا چاہیے، نیز صاحب شوکت ہونا چاہیے، جس کی لوگوں پر ہیبت ہو، جو لوگوں کے احوال سے باخبر رہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں یا نہیں؟ اور بے نمازی اور جماعت میں غیر حاضر رہنے والوں کو تنبیہ کرے، ہمیشہ اذان دے اور اپنی اذان پر آخرت کے ثواب کا طالب ہو، کوئی اجرت نہ لے، اور بہتر یہ ہے کہ نماز میں امام بھی وہی ہو۔ (عالمگیری: ۱/۵۴)<sup>[۱]</sup>

اور حدیث شریف میں بھی ترمذی کی روایت سے ثابت ہے کہ: ”من أذن فهو يقيم“۔<sup>[۲]</sup> یعنی جو شخص اذان دے، وہی اقامت کہے، یعنی اقامت کا حق مؤذن کا ہے، اگر مؤذن دوسرے کو اجازت دے یا مؤذن موجود نہ ہو، تو دوسرا شخص بھی اقامت کہہ سکتا ہے۔<sup>(۳)</sup>

اس پوری تفصیل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ حکم اُس اذان و اقامت کا ہے، جس پر اجرت نہ لی جائے، اور آدمی اپنی خوشی سے اذان کہے اور امامت بھی کرے۔

(۱) وینبغي أن يكون المؤذن رجلا عاقلا، صالحا، تقيا، عالما بالسنة. كذا في النهاية، وینبغي أن يكون مهيبا، ويتفقد أحوال الناس، ويزجر المتخلفين عن الجماعات. كذا في القنية، وأن يكون مواظبا على الأذان. هكذا في البدائع، والتتارخانية، وأن يكون محتسبا في أذانه. كذا في النهر الفائق، والأحسن أن يكون إماما في الصلاة. كذا في معراج الدراية والأفضل أن يكون المؤذن هو المقيم، كذا في الكافي. (الفتاوى الهندية- لجنة علماء برناسة نظام الدين البلخي: ۱/۵۳-۵۴، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفة الأذان وأحوال المؤذن، ط: دار الفكر ☆ بدائع الصنائع: ۱/۱۳۹-۱۵۲، فصل بيان سنن الأذان، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ البناية شرح الهداية- أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى، الغيتابي الحنفي، بدر الدين العيني (م: ۸۵۵ھ) ۲/۹۷، صفة الأذان، شروط المؤذن، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۲) عن زياد بن الحارث الصدائي، قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أؤذن في صلاة الفجر، فأذنت، فأراد بلال أن يقيم، فقال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أحاصدا قد أذن، ومن أذن فهو يقيم... والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم: أن من أذن فهو يقيم". (سنن الترمذي: ۱/۵۰، رقم الحديث: ۱۹۹، أبواب الصلاة، باب ماجاء أن من أذن فهو يقيم، ط: البدر- ديوبند)

(۳) دیکھیے عنوان ”جواز اذان دے، وہی اقامت کہنے کا زیادہ حق دار ہے“ کا حاشیہ نمبر: ۲۔

آج کل مؤذن تنخواہ لیتے ہیں، اور مسلم عوام بھی کم سے کم تنخواہ پر جاہل مؤذن کا تقرر کرتے ہیں، مزید برآں مسجد و محلہ کی اور بھی بہت سی ذمہ داریاں اُس کے سپرد ہوتی ہیں، جس کی بنا پر ہمارے معاشرہ میں مؤذن کی حیثیت نہایت پست ہوتی ہے، اس عظیم منصب کے لیے ایسے شخص کو مقرر کرتے ہیں، جو کسی کام کا نہ ہو، یہاں تک کہ کوئی شریف آدمی مؤذن بننے سے بھی شرماتا ہے، ایسے مؤذن کے لیے یہ مسئلہ نہیں ہے کہ وہی امام بھی ہو، ورنہ منصبِ امامت کی قدر و منزلت بھی کم ہو جائے گی۔

حدیث پاک میں مؤذن کا درجہ بھی بہت بلند بتایا گیا ہے۔<sup>(۱)</sup> اس لیے اُس درجہ کو بھی اس طرح گھٹانا ٹھیک نہیں ہے، اذان کے لیے مستقل آدمی ہونا چاہیے اور دیگر کاموں کے لیے علاحدہ خادم ہونا چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۱۳] امام کے مصلیٰ پر پہنچتے ہی تکبیر کہنا لازم نہیں

۶۰۱-سوال: ایک صاحب کا کہنا ہے کہ امام صاحب جب مصلیٰ پر نماز پڑھانے کے لیے آئیں، اسی وقت تکبیر (اقامت) کہنا چاہیے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر امام صاحب مسجد میں حاضر ہوں، مگر مصلیٰ پر نہ آئے ہوں، تو تکبیر کہنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

#### الجواب حامدًا ومصلياً:

بہتر یہ ہے کہ امام مصلیٰ پر آجائیں، تب تکبیر کہی جائے، تاہم امام کے مصلیٰ پر آنے سے پہلے بھی تکبیر کہنا جائز ہے، جب کہ امام مصلیٰ کے قریب ہوں، تاکہ تکبیر سن کر مصلیٰ پر آجائیں، اگر مسجد سے باہر ہوں، تو اس وقت تک تکبیر نہ کہی جائے، جب تک کہ وہ مسجد میں داخل نہ ہو جائیں۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) عن طلحة بن يحيى، عن عمه، قال: كنت عند معاوية بن أبي سفيان، فجاءه المؤذن يدعو إلى الصلاة، فقال معاوية: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: المؤذنون أطول الناس أعناقاً يوم القيامة. (الصحيح لمسلم: ۱/۱۶۷، رقم الحديث: ۱۳- (۳۸۷)، كتاب الصلاة، باب فضل الأذان وهراب الشيطان عند سماعه، ط: البدر- ديوبند)

عن ابن عباس، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من أذن سبع سنين محتسباً كتبت له براءة من النار. (سنن الترمذي: ۵۱/۱، رقم الحديث: ۲۰۶، أبواب الصلاة، باب ماجاء في فضل الأذان، ط: البدر- ديوبند)

(۲) عن عبد الله بن أبي قتادة، عن أبيه، قال: قال رسول الله- صلى الله عليه وسلم-: إذا أقيمت الصلاة، فلا تقموا حتى تروني. (صحيح البخاري: ۱/۸۸، رقم الحديث: ۶۳۷، كتاب الأذان، باب: متى يقوم الناس، إذا أروا الإمام عند =

## [۱۴] ڈاڑھی منڈے کی اذان و اقامت

۶۰۲- سوال: ڈاڑھی منڈے شخص نے اقامت (تکبیر) کہی ہو، تو اس اقامت سے پڑھی گئی نماز درست ہوئی یا نہیں، یا پھر سے دوہرائی ہوگی؟ بیوقوف تو جروا۔

## الجواب حامداً ومصلياً:

”مخلوق اللحية“ (ڈاڑھی منڈے شخص) کی اذان و اقامت مکروہ تحریمی ہے۔<sup>(۱)</sup> البتہ ایسے شخص کی اذان و اقامت سے جو نماز پڑھی جائے گی، وہ ادا ہو جائے گی اور اس کا اعادہ نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup> واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۵] ڈاڑھی منڈے کی اقامت کا حکم

۶۰۳- سوال: ڈاڑھی منڈا شخص اقامت کہے، تو نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا پھر سے نماز پڑھنا ضروری ہوگا؟

= الإقامة، ط: رشيدية- دهلي، وانظر رقم: ۶۳۸، ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۲۲۰، رقم الحديث: ۱۵۶- (۶۰۴)، باب متى يقوم الناس للصلاة، ط: مختار- ديوبند

قال ابن حجر العسقلاني (م: ۸۵۲ھ): وفيه جواز الإقامة والإمام في منزله إذا كان يسمعها وتقدم إذنه في ذلك. (فتح الباري شرح صحيح البخاري: ۲/۱۲۰، باب لا يقوم إلى الصلاة مستعجلاً وليقم إليها بالسكينة والوقار، ط: دار المعرفة- بيروت)

(والقيام) لإمام ومؤتم (حين قيل: حي على الفلاح)... (إن كان الإمام يقرب المحراب وإلا فيقوم كل صف ينتهي إليه الإمام على الأظهر). [الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۴۷۹، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة]

(۱) عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليؤذن لكم خياركم وليؤمكم قراؤكم. (سنن أبي داود: ۱/۸۷، رقم الحديث: ۵۹۰، باب من أحق بالإمامة، ط: ديوبند ☆ سنن ابن ماجه: ۱/۵۳، رقم الحديث: ۲۶)

كتاب الأذان، والسنة فيه، باب فضل الأذان، وثواب المؤذنين، ط: أشر في- ديوبند

(ويكره أذان جنب وإقامته وإقامة محدث لا أذانه) على المذهب. (و) أذان (امرأة) وخنثى (وفاسق). (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۳۹۲، باب الأذان، فائدة التسليم بعد الأذان، ط: دار الفكر- بيروت)

(۲) قوله: ويعاد أذان جنب (الخ) زاد القهستاني: والفاجر والراكب والقاعد والماشي، والمنحرف عن القبلة. وعلل الوجوب في الكل بأنه غير معتد به والندب بأنه معتد به إلا أنه ناقص، قال وهو الأصح كما في التمر تاشي. (رد

المختار على الدر المختار: ۱/۳۹۳، باب الأذان، فائدة التسليم بعد الأذان، ط: دار الفكر- بيروت)

ومنها- أي من سنن الأذان - أن يكون تقياً لقول النبي - صلى الله عليه وسلم -: الإمام ضامن، والمؤذن مؤتمن، والأمانة لا يؤديها إلا التقى. (بدائع الصنائع: ۱/۱۵۰، كتاب الصلاة، فصل بيان سنن الأذان، ط: دار الكتب العلمية)

## الجواب حامداً ومصلياً:

ڈاڑھی منڈا شخص فاسق ہے، اور فاسق کا اذان دینا اور اس کا اقامت کہنا مکروہ ہے۔ (در مختار مع الشامی: ۱/ ۲۶۳) [۱]

البتہ اقامت صحیح ہو جائے گی، دوسرے شخص کا دوبارہ اقامت کہنا درست نہیں ہے، اور جب اقامت صحیح ہے، تو نماز بھی صحیح ہو جائے گی نماز کا اعادہ واجب نہیں۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۶] صحن مسجد میں اذان دینا

۶۰۴-سوال: بہت سے لوگوں کا کہنا ہے کہ مسجد کے صحن میں اذان دینا جائز نہیں؛ بل کہ صحن سے بالکل باہر کے حصے میں اذان دینی چاہیے، یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟

## الجواب حامداً ومصلياً:

اذان مسجد کے باہر کہنا سنت ہے، اس لیے اگر صحن، مسجد میں داخل ہے، تو ایسے صحن میں اذان دینا بہتر نہیں، اور بار بار ایسے صحن میں اذان دینے سے یعنی اس پر اصرار کرنے سے قباحت و کراہت پیدا ہوگی، البتہ وہ صحن، جو مسجد میں داخل نہیں، اس میں اذان دینا بلا کسی حرج کے جائز ہے۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۳۹۲، باب الأذان، فائدة التسليم بعد الأذان، ط: دار الفکر - بيروت.

(۲) تفصیلی تخریج گزشتہ جگہ کی ہے، ملاحظہ فرمائیں عنوان: ”ڈاڑھی منڈے کی اذان و اقامت“ کا حاشیہ نمبر: ۲۔

(۳) وینبغي أن يؤذن على المئذنة أو خارج المسجد ولا يؤذن في المسجد. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۷۸، کتاب

الصلاة، باب الأذان، ط: زکریا - دیوبند ☆ بدائع الصنائع: ۱/ ۳۶۹، فصل في بيان سنن الأذان، ط: زکریا - دیوبند ☆

الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۴۸، باب الأذان، ط: زکریا - دیوبند)

نوٹ: مفتی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے، عموماً فقہی کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے، تاہم اصل مسئلہ یہ ہے کہ:

مسجد کے اندر اذان دینا جائز ہے، اس میں کچھ کراہت نہیں ہے، اگر اذان کی آواز لوگوں تک پہنچ جائے، تو جمعہ کی پہلی اذان نیز اور نمازوں کی اذانیں مسجد میں کہنا مکروہ نہیں ہے، کیوں کہ مسجد سے باہر اذان کہنے کا حکم تبلیغ صوت (آواز پہنچانے) کی غرض سے ہے، حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں اس کا تو پورا اہتمام کیا جاتا تھا کہ اذان ایسی جگہ کہی جائے، کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اذان کی آواز پہنچ جائے، مگر مسجد یا خارج مسجد کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا تھا، طبقات ابن سعد میں ہے: أخیرنا محمد بن عمر. حدثني معاذ بن محمد عن يحيى بن عبد الله بن عبد الرحمن بن سعد بن زرارة قال: أخبرني من سمع النوار أم زيد بن ثابت تقول: كان بيتي أطول بيت حول المسجد فكان بلال يؤذن فوقه من أول ما أذن إلى أن بنى رسول الله مسجده. فكان يؤذن بعد على ظهر المسجد وقد رفع له شيء فوق ظهره. (الطبقات الكبرى - ابن سعد =

## [۱۷] اذان کے لیے آلہ مکبر الصوت کا استعمال

۶۰۵-سوال: کیا آلہ مکبر الصوت یعنی لاؤڈ اسپیکر سے اذان دینا جائز ہے؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

اذان کا مقصود اعلان ہے، جو لاؤڈ اسپیکر سے بہ درجہ اولیٰ حاصل ہو جاتا ہے؛<sup>(۱)</sup> اس لیے اس سے اذان کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے، ہاں اگر اس طرح اذان دینے میں فتنہ کا اندیشہ ہو کہ کوئی اللہ یا مسجد کے بارے میں زبان درازی کرتے ہوئے گالی گلوچ کرتا ہو، تو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اذان دینے سے بچنا

(م: ۲۳۰ھ)؛ ۳۰۹/۸، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الکتب العلمیہ - بیروت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد نبوی کی تعمیر سے پہلے ام زید کے مکان پر اذان ہوتی تھی، پھر مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد مسجد کی چھت پر اذان ہونے لگی، اور ظاہر ہے کہ مسجد کی چھت تمام احکام میں مسجد کی طرح ہے، پس جس طرح مسجد کی چھت پر اذان کہنا مکروہ نہیں ہے، اسی طرح مسجد کے اندر بھی اذان کہنا مکروہ نہیں، بل کہ ابن ماجہ کی ایک حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلی اذان مسجد ہی میں کہی گئی تھی؛ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن صاحبكم قد رأى رؤيا، فاخرج مع بلال إلى المسجد فآلقها عليه، وليناد بلال؛ فإنه أندی صوتا منك، قال: فخرجت مع بلال إلى المسجد، فجعلت ألقها عليه وهو ينادي بها. (سنن ابن ماجہ: ۱/۲۳۲، رقم الحدیث: ۷۰۶، باب بدء الأذان، ت: محمد فؤاد عبد الباقي، ط: دار إحياء الكتب العربية)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ اسلام میں سب سے پہلی اذان مسجد نبوی میں ہوئی تھی، پس مسجد میں اذان دینا بلا کراہت جائز ہے، فتاویٰ دارالعلوم جدید میں ہے: کوئی اذان مسجد میں مکروہ نہیں ہے، خصوصاً اذان خطبہ جمعہ مسجد میں خطیب کے سامنے مسنون ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم (قدیم) میں ہے: اذان کی وجہ مشروعیت کتب احادیث سے اسی قدر ثابت ہے کہ نمازیوں کو اوقات نماز کی اطلاع ہو جائے، اور مسجد میں حاضر ہو کر باجماعت نماز ادا کریں، اذان کے کلمات پر غور کرو، تو صرف ذکر اللہ ہے، یا ذکر اللہ کی طرف بلا یا جاتا ہے، ان کلمات کو نہ مسجد سے کسی قسم کی منافات اور نہ خارج مسجد سے خاص مناسبت، بل کہ بہ ظاہر تو معاملہ برعکس ہے، جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے، کہ مساجد کی بناء نماز و ذکر کے لیے ہے؛ لیکن چون کہ اذان سے مقصود اعلام و اطلاع ہے، اس لیے بلند جگہ پر اذان دینا اولیٰ ہوا، چنانچہ حضور ﷺ کے زمانے میں بلند مقام پر اذان دینے کا اہتمام تھا، لیکن مسجد یا خارج مسجد کا کوئی التزام نہ تھا، حضور ﷺ کے زمانہ مقدس میں مسجد اور خارج مسجد دونوں جگہ اذان دینا ثابت ہے۔ (آداب اذان و اقامت، ص: ۷۳-۷۵، از: مفتی محمد امین پالن پوری، الامین کتابستان - دیوبند) [مجتبیٰ حسن قاسمی]

(۱) لأن الأصل في مشروعية الأذان الإعلام بدخول الوقت... وفي السراج: وينبغي للمؤذن أن يؤذن في موضع يكون أسمع للجيران، ويرفع صوته، ولا يجهد نفسه؛ لأنه يتضرر. اهـ. بحر. (رد المحتار: ۱/۸۳ - ۸۳، باب الأذان، ط: دار الفکر - بیروت)

چاہیے،<sup>(۲)</sup> کہ دفع مضرت اولیٰ ہے جلب منفعت سے۔<sup>(۳)</sup> چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن شریف بلند آواز سے تلاوت فرماتے تھے، تو کفار، اللہ تعالیٰ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن کریم اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کو گالیاں دیتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا" یعنی اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ بہت آواز سے اور نہ ہی بالکل آہستہ؛ بل کہ معتدل آواز میں تلاوت فرمایا کیجیے۔<sup>(۵)</sup>

الغرض اگر مذکورہ صورت لازم نہ آتی ہو، تو مائیک سے اذان دینے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ بل کہ اولیٰ اور مطلوب ہے کہ اس سے مقصود اذان احسن طریقے سے حاصل ہوتا ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۸] نابالغ کی اذان کا حکم

۶۰۶-سوال: کیا بالغ اور نابالغ دونوں اذان دے سکتے ہیں؟ اگر نابالغ نے اذان دے دی، تو اس کی اذان سے پڑھی جانے والی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

(۲) وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ. (۲- الأنعام: ۱۰۸)

(۳) "درء المفساد أولى من جلب المصالح. ————— فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالباً؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمأمورات، ولذا قال عليه السلام {إذا أمرتكم بشيء فأتوا منه ما استطعتم، وإذا نهيتكم عن شيء فاجتنبوه}، وروى في الكشف حديثاً {لترك ذرة ممانه الله عنه أفضل من عبادة الفقلين} ومن ثم جاز ترك الواجب دفعا للمشقة، ولم يسامح في الإقدام على المنهيات. خصوصاً الكبائر. (الاشباه والنظائر: ۷۸، القاعدة الخامسة: "درء المفساد أولى من جلب المصالح، ت: الشيخ زكريا عميرات، ط: دار الكتب العلمية، بيروت ☆ التحبير شرح التحرير في أصول الفقه- علاء الدين أبو الحسن علي بن سليمان المرادوي الدمشقي الصالح الحنبلي (م: ۸۸۵ھ): ۸/۳۸۵، باب الاستدلال، ت: د. عبد الرحمن الجبرين، د. عوض القرني، د. أحمد السراح، ط: مكتبة الرشد- السعودية/الرياض)

(۴) ۱۷- الإسراء: ۱۱۰.

(۵) و كان - صلى الله عليه وسلم - يجهر بالقرآن في الصلاة كلها ابتداءً... وكان اكشركون يؤذونه ويسبون من أنزل ومن أنزل عليه، فأنزل الله تعالى: وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُتْ بِهَا... أي لا تجهر بها كلها ولا تخافت بها كلها وابتغ بين ذلك سبيلاً بأن تجهر بصلاة الليل وتخافت بصلاة النهار. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۲۳۳، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: يجهر الإمام، ط: دار المعرفة- بيروت)



## الجواب حامدًا ومصليًا:

نابالغ سمجھ دار، مراہق لڑکا اگر اذان دے، تو جائز ہے؛ لیکن کسی بالغ آدمی کا اذان دینا مستحب ہے۔  
 (عالم گیری: ۱/۴۱) [۱] — نابالغ کی اذان سے پڑھی جانے والی نماز صحیح ہوگی؛ کیوں کہ اذان کے بغیر بھی نماز صحیح ہو جاتی ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۹] امر داور نامرد کی اذان و تکبیر کا حکم

۶۰۷-سوال: امر داور نامرد اگر نماز کے لیے اذان اور تکبیر کہیں، تو ان کی اذان و تکبیر کا کیا حکم

(۱) أذان الصبي العاقل صحيح من غير كراهة في ظاهر الرواية، ولكن أذان البالغ أفضل، وأذان الصبي الذي لا يعقل لا يجوز، ويعاد، وكذا المجنون. هكذا في النهاية. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۳، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفة الأذان وأحوال المؤذن، ط: دار الفكر، رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۹۱، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الفكر)

(۲) اس میں اختلاف ہے کہ اذان سنت ہے یا واجب، تاہم اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ شعائر میں سے ہے، جس کی بڑی تاکید آئی ہے، اس وجہ سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اگر کسی شہر کے تمام افراد اذان کے ترک پر متفق ہو جائیں، تو ان سے قتال کیا جائے۔ تاہم یہ نماز کی محنت کے لیے شرط نہیں ہے، اس لیے بلا اذان پڑھی گئی نماز درست ہوگی:

(وأما) الأول فقد ذكر محمد ما يدل على الوجوب فإنه قال: إن أهل بلدة لو اجتمعوا على ترك الأذان لقاتلتهم عليه، ولو تركه واحد ضربته وحبسته، وإنما يقاتل ويضرب ويحبس على ترك الواجب، وعامة مشايخنا قالوا: إنهما سنتان مؤكدتان، لما روى أبو يوسف عن أبي حنيفة أنه قال في قوم صلوا الظهر أو العصر في المصر بجماعة بغير أذان ولا إقامة: فقد أخطئوا السنة وخالفوا وأثموا، والقولان لا يتنافيان لأن السنة المؤكدة والواجب سواء خصوصاً السنة التي هي من شعائر الإسلام، فلا يسع تركها، ومن تركها فقد أساء؛ لأن ترك السنة المتواترة يوجب الإساءة، وإن لم تكن من شعائر الإسلام فهذا أولى، ألا ترى أن أبا حنيفة سماه سنة، ثم فسره بالواجب حيث قال: أخطئوا السنة وخالفوا وأثموا؟ والإثم إنما يلزم بترك الواجب. (بدائع الصنائع: ۱/۱۳۶-۱۳۷، كتاب الصلاة، فصل واجبات الصلاة، دار الكتب العلمية-بيروت)

وقوله ولو لم يعد أجزأه: يعني الصلاة؛ لأنها جائزة بدون الأذان والإقامة. (العناية شرح الهداية- البابر تي (م: ۸۶، ۷-هـ): ۱/۲۵۲، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الفكر)

البيت بلا اذان واقامت باجماعت نماز پڑھنا مکروہ ہے:

ويكره أداء المكتوبة بالجماعة في المسجد بغير أذان وإقامة. كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۳، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفة الأذان وأحوال المؤذن، ط: دار الفكر)

ہے؟ اور یہ لوگ مسجد میں کس طرف کھڑے ہوں گے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

غلام حسین گنگات، کوئٹہ

### الجواب حامدا ومصليا:

(۱) بالغ شخص کا اذان و تکبیر کہنا مستحب ہے؛ البتہ امر دگر سمجھ دار ہو، تو اس کا اذان و اقامت کہنا جائز ہے، اسی طرح سے نامرد کی اذان و اقامت بھی صحیح ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۲) اگر ایک لڑکا ہو، اور وہ مردوں کے ساتھ صف میں کھڑا رہے، تو کوئی حرج نہیں، ایک سے زائد ہوں، تو سنت یہ ہے کہ وہ مردوں کے پیچھے کھڑے رہیں۔ (شامی: ۱/۳۶۴، عالمگیری: ۱/۳۱۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۲۰] بارہ یا تیرہ سالہ لڑکے کا اذان دینا

۶۰۸-سوال: کیا بارہ یا تیرہ سال کا لڑکا اذان دے سکتا ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

نیک، عقل مند، بالغ آدمی کے لیے اذان دینا مستحب ہے، لیکن اگر نابالغ بچہ جو عقل و شعور رکھتا ہو اذان دے تو جائز ہے۔ (عالمگیری: جلد اول، صفحہ: ۵۴) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) أذان الصبي العاقل صحيح من غير كراهة في ظاهر الرواية، ولكن أذان البالغ أفضل، وأذان الصبي الذي لا يعقل لا يجوز، ويعاد، وكذا المجنون. هكذا في النهاية. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۴، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفة الأذان وأحوال المؤذن، ط: دار الفكر ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۹۱، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الفكر)

المؤذن يكفي إخباره بدخول الوقت إذا كان بالغاً عاقلاً عالماً بالأوقات مسلماً ذكراً ويعتمد على قوله. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۹۳، كتاب الصلاة، باب الأذان، فائدة التسليم بعد الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) ويصف أي يصفهم الامام بان يأمرهم بذلك... (الرجال) ظاهره يعم العبد (ثم الصبيان) ظاهره تعددهم، فلو واحداً دخل الصف. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: وكذا لو كان المقتدي رجلاً وصبياً يصفهما خلفه لحديث أنس «فصفت أنا واليتيم وراءه والعجوز من ورائنا». (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۶۸-۵۷۱، كتاب الصلاة، باب الامامة، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۱/۶۱۷-۶۱۷، كتاب الصلاة، باب الامامة، ط: دار الكتاب - ديوبند)

(۳) أذان الصبي العاقل صحيح من غير كراهة في ظاهر الرواية، ولكن أذان البالغ أفضل، وأذان الصبي الذي لا يعقل لا يجوز، ويعاد، وكذا المجنون. هكذا في النهاية. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۴، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفة الأذان وأحوال المؤذن، ط: دار الفكر ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۹۱، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الفكر) — مزید دیکھیے عنوان: ”امر داور نامرد کی اذان و تکبیر کا حکم“۔

## [۲۱] مانگ بند ہونے کی وجہ سے مؤذن کو اذان سے روک دینا

۶۰۹-سوال: اذان کے لیے مانگ کا نظم تھا، بجلی بھی موجود تھی، مؤذن نے مانگ کا بٹن دبایا، مگر بٹن دبانے میں کوئی کمی رہ گئی، جس کی وجہ سے اذان کی آواز باہر صاف نہیں آرہی تھی۔ ایک دوسرے شخص نے یہ سمجھا کہ بجلی تو ہے، شاید صحیح طور پر بٹن نہیں دبایا گیا ہے؛ اس لیے مانگ بند رہ گیا ہے، اس نے یہ سوچتے ہوئے مؤذن کو درمیان ہی میں روک دیا، کہ اذان کی آواز باہر نہیں پہنچے گی، تو لوگوں کو نماز کے وقت کی اطلاع نہ ہو سکے گی اور وہ نماز نہیں پڑھ سکیں گے، پھر مانگ صحیح کر کے دوبارہ اذان دینے کو کہا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس طرح سے اذان موقوف کروانا جائز ہے؟

## الجواب حامدا ومصليا:

اذان کا مقصد غائبین کو نماز کے وقت کی اطلاع دینا ہے، جب مؤذن سے بٹن دبانے میں چوک ہوگئی، تو بہتر تھا کہ اذان پوری ہونے کے بعد دوبارہ مانگ پر اذان دی جاتی۔<sup>(۱)</sup>

مؤذن کو روک کر دوبارہ مانگ پر اذان دینے کا مکلف بنانا بھی درست ہے؛ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، سنت ادا ہو جائے گی، روکنے والا گنہ گار نہیں ہوگا۔<sup>(۲)</sup> مسجد کی ایک جانب اذان دینے کی وجہ سے اگر دوسری جانب آواز نہ پہنچے، تو اس جانب کے لیے دوسرے مؤذن کا رکھنا بھی جائز ہے۔<sup>(۳)</sup> دو اذان ایک ہی وقت میں دینا بھی جائز ہے۔ چونکہ روکنے سے مقصود بہتر طریقے سے اعلام و اعلان کو یقینی بنانا ہے؛ اس لیے روکنے والا گنہ گار نہ ہوگا۔<sup>(۴)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ... لأن المقصود منه الإعلام، ولا يحصل بالإخفاء فصار كسائر كلماته . (البحر الرائق: ۱/۳۴۵، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الكتاب - ديوبند)

(۲) لأن تكرر الأذان مشروع دون الإقامة. (البحر الرائق: ۱/۳۴۸، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الكتاب - ديوبند) الهداية في شرح بداية المبتدي - المرغيناني، أبو الحسن (م: ۵۹۳ھ)؛ ۱/۳۴، كتاب الصلاة، باب الأذان، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت ☆ رد المحتار: ۱/۳۸۹، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) ... والظاهر أن أهل كل محلة سمعوا الأذان ولو من محلة أخرى يسقط عنهم لأن لم يسمعوا. (رد المحتار: ۱/۳۸۳، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

(۴) ... الأصل في مشروعية الأذان الإعلام بدخول الوقت. (رد المحتار: ۱/۳۸۳، كتاب الصلاة، باب الأذان)

## [۲۲] تکبیر میں قد قامت الصلاة کو وصل کے ساتھ پڑھنا

۶۱۰-سوال: ایک شخص کہتا ہے کہ: تکبیر میں قد قامت الصلاة (وصل کے ساتھ) نہ کہنا

چاہیے؛ کیوں کہ اس سے معنی بدل جاتے ہیں، تو کیا یہ صحیح ہے؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

اس سے معنی میں تو کوئی فرق نہیں پڑتا، ”قد قامت الصلاة، قد قامت الصلاة“ بغیر وقف کے بھی پڑھنا درست ہے، مگر افضل یہ ہے کہ قد قامت الصلاة (وقف کے ساتھ) پڑھے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۳] مؤذن نے ”حی علی الفلاح“ پہلے پڑھ لیا تو اذان کا دہرانا ضروری ہے یا نہیں؟

۶۱۱-سوال: مؤذن صاحب نے غلطی سے اذان میں حی علی الصلوٰۃ کی جگہ حی علی الفلاح پہلے

(۱) ويجزم الراء في التكبير، ويسكن كلمات الأذان والإقامة في الأذان حقيقة، وينوي الوقف في الإقامة؛ لقوله صلى الله عليه وسلم: "الأذان جزم، والإقامة جزم، والتكبير جزم". (مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح - حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹ھ)، ص: ۷۸، باب الأذان، اعتنى به وراجعته: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

وفي الإمداد: ويجزم الراء أي يسكنها في التكبير، قال الزيلعي: يعني على الوقف، لكن في الأذان حقيقة، وفي الإقامة ينوي الوقف أه أي للحدرد، وروي ذلك عن النخعي موقوفا عليه، ومرفوعا إلى النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال «الأذان جزم، والإقامة جزم، والتكبير جزم» (أه).

قلت: والحاصل أن التكبير الثانية في الأذان ساكنة الراء للوقف ورفعها خطأ، وأما التكبير الأولى من كل تكبيرتين منه وجميع تكبيرات الإقامة، فقبل محرقة الراء بالفتحة على نية الوقف، وقيل بالضممة إعرابا، وقيل ساكنة بلا حركة على ما هو ظاهر كلام الإمداد والزيلعي والبدائع وجماعة من الشافعية. والذي يظهر الإعراب لما ذكره الشارح عن الطلبة، ولما قدمناه، ولما في الأحاديث المشتهرة للجراحي أنه سئل السيوطي عن هذا الحديث، فقال: هو غير ثابت كما قال الحافظ ابن حجر، وإنما هو من قول إبراهيم النخعي، ومعناه كما قال جماعة منهم الرافعي وابن الأثير أنه لا يمد....

وحاصلها أن السنة أن يسكن الراء من "الله أكبر" الأول أو يصلها بـ "الله أكبر" الثانية، فإن سكنها كفى، وإن وصلها نوى السكون فحرك الراء بالفتحة، فإن ضمها خالف السنة؛ لأن طلب الوقف على "أكبر" الأول صيره كالساكن أصالة فحرك بالفتحة. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۸۶، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في الكلام على حديث: الأذان جزم، ط: دار الفكر - بيروت)

پڑھ لیا، تو اذان کا دہرانا ضروری ہے یا نہیں؟

### الجواب حامدا ومصليا:

کلمات اذان کے درمیان ترتیب ضروری ہے، اگر ترتیب کے خلاف ہو جائے اور اذان ہی میں یاد آجائے تو اُسے اذان کے درمیان دہرا لینا چاہیے، اگر دورانِ اذان غلطی کا علم نہیں ہوا؛ بل کہ نماز کے بعد ہوا، تو نماز ادا ہو جائے گی، البتہ اگر نماز سے پہلے یاد آجائے، تو اذان کا دہرانا افضل ہے، اگر اذان نہیں دہرائی گئی تب بھی نماز صحیح ہو جائے گی۔ (فتاویٰ عالمگیری: ۵۶/۱) <sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۲۴] مسجد میں ایک ہی مصلیٰ ہو، تو وہ پست آواز سے اقامت کہے گا

۶۱۲-سوال: ایک مسجد میں اذان ہوگئی، جماعت کا مقررہ وقت بھی ہو گیا، اس کے باوجود کوئی دوسرا مقتدی نہیں آیا، اور فرض نماز تنہا ادا کرنے کی نوبت آگئی، ایسی صورت میں کیا تکبیر کہی جائے گی، اور کہی جائے گی، تو کس قدر آواز کے ساتھ؟ بیّنوا تو جروا۔

### الجواب حامدا ومصليا:

اذان کے بعد مسجد میں کوئی مصلیٰ تنہا نماز ادا کرے، تو اقامت زور سے نہ کہے؛ بل کہ پست آواز سے کہے کہ اقامت کا مقصود حاضرین کو اطلاع دینا ہے۔ <sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۲۵] جماعت ثانیہ کے لیے تکبیر کہنا

۶۱۳-سوال: جماعت ثانیہ کے لیے تکبیر کہنا کیسا ہے؟

[۱] ویرتب بین کلمات الأذان والإقامة كما شرع. كذا في محيط السرخسي. وإذا قدم في أذانه أو في إقامته بعض الكلمات على بعض، نحو أن يقول: أشهد أن محمداً رسول الله قبل قوله: أشهد أن لا إله إلا الله فالأفضل في هذا أن ما سبق على أو انه لا يعتد به، حتى يعيده في أو انه وموضعه، وإن مضى على ذلك جازت صلاحته كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۵۶/۱، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الثاني في كلمات الأذان والإقامة وكيفيةهما، ط: دار الفكر)

(۲) والضابطة عندنا أن كل فرض أداء كان أو قضاء يؤذن له ويقام سواء أداه منفرداً أو بجماعة. (الفتاوى الهندية: ۵۵/۱، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفة الأذان وأحوال المؤذن، ط: دار الفكر) ☆ البحر الرائق: ۱/۳۵۵، كتاب الصلاة، باب الاذان، ط: دار الكتاب-ديوبند)

**الجواب حامد او مصليا:**

اگر مسجد کے باہر صحن میں جماعت ہو رہی ہو، تو تکبیر کہنا چاہیے، اذان کی ضرورت نہیں ہے۔  
(درمختار)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

**[۲۶] اگر مؤذن خلاف فطرت کام کروا تا ہو؟**

۶۱۳-سوال: میں ایک مسجد کا متولی ہوں، ہماری مسجد کے مؤذن صاحب خلاف فطرت کام کے گناہ میں مبتلا ہیں، ہم چار لوگوں نے مسجد کے کمرے میں ان کو خلاف فطرت عمل کرواتے دیکھا ہے، اس بنا پر ہم نے ان کو مؤذن کے عہدے سے معزول کر دیا ہے، مگر وہ مسجد کا مکان نہیں چھوڑ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھے معاف کر دیجیے، میں معافی دیے جانے کے قابل ہوں، تو اب کیا کیا جائے؟

**الجواب حامد او مصليا:**

یہ فعل سخت عذاب کا موجب ہے، اگر کسی جگہ پر یہ کام ہو رہا ہو، اور وہاں کے لوگوں کو علم ہو، اس کے باوجود اس کو روکنے اور بند کرنے کی تدبیر نہ کریں، تو سب پر عذاب کا اندیشہ ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں یہ فتنج مرض عام ہو گیا تھا، تو اللہ نے اس بستی کو تہ وبالا کر دیا، جس کا پورا قصہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) (و کرہ تر کہما) معا (لمسافر) ولو منفردا (و کذا تر کہا) لا تر کہ لحضور الرفقة (بخلاف مصل) ولو بجماعة (وفي بيته بمصر) أو قرية لها مسجد؛ فلا يكره تر کہما إذ أذان الحي يكفيه (أو) مصل (في مسجد بعد صلاة جماعة فيه) بل يكره فعلهما وتكرار الجماعة إلا في مسجد على طريق فلا بأس بذلك جوهره. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله: في بيته) أي فيما يتعلق بالبلد من الدار والكرم وغيرهما قهستاني. وفي التفاريق: وإن كان في كرم أو ضيعة يكتفي بأذان القرية أو البلدة إن كان قريبا وإلا فلا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۹۳-۳۹۵، كتاب الصلاة، باب الأذان، فائدة التسليم بعد الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

أهل المسجد إذا صلوا بأذان وجماعة يكره تكرار الأذان والجماعة فيه. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۳، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفة الأذان وأحوال المؤذن، ط: دار الفكر) یہ حکم اس صورت میں ہے، جب کہ جماعت بیتِ اولیٰ کے موافق ہو، اگر جماعت بیتِ اولیٰ کے خلاف ہو، تو تکبیر کے ساتھ نماز پڑھی جائے گی، کیوں کہ اس صورت میں کراہت تکبیر کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حاشیہ بعنوان: ”مسجد میں ایک ہی مصلیٰ ہو، تو وہ پست آواز سے اقامت کہے گا۔“

(۲) وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا بَيِّنَاتٍ بِهِمْ وَصَاحِبُهُمْ فَزَعَا وَقَالَ هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ۖ وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ ۖ وَمَنْ قَبْلُ كَانُوا يَتَعَمَلُونَ الشَّيْءَ ۖ قَالَ يَنْفُوهُ هَؤُلَاءِ بِئَنَاءِ هُنَّ أَظْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تَخْذُونِ فِي ضَيْفِي ۖ أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ ۖ قَالُوا الْقَدْ

اس لیے فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ جو آدمی ایسے فعل بد کی عادت رکھتا ہو، اس کو اونچے پہاڑ سے اوندھے منہ گرا کر ہلاک کر دینا چاہیے۔ اسلامی حکومت ہو، تو ایسے آدمی کو بادشاہ تعزیراً قتل کر دے گا، یا کم از کم جیل میں تو ڈال ہی دے گا؛ یہاں تک کہ وہ سچی توبہ کر لے، ایسے بدکاروں کی سزا شہر بدر کرنا بھی مذکور ہے۔<sup>(۱)</sup>

اس لیے مذکورہ مؤذن کو ہرگز مسجد کے وقف مکان میں نہ رہنے دیا جائے۔ دوسری سزائیں ہمارے اختیار میں نہیں ہیں؛ لیکن اتنی بات ہمارے اختیار میں ہے کہ مسجد کے مکان میں نہ رہنے دیں؛ بل کہ ممکن ہو، تو اپنے شہر میں نہ رہنے دیا جائے، ورنہ دوسرے لوگوں کو بھی خراب کرے گا۔ ایسے آدمی کی بات کا بھروسہ بھی نہیں کرنا چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَيْتِكَ مِنْ حَقٍّ ، وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا لِي بِكَ قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةٌ أَوْ إِيَّايَ رُكْنٌ شَدِيدٌ قَالُوا لِيُؤْطَرَ الْكُرْسِيُّ لَكَ لَنْ يُصَلُّوا إِلَيْكَ فَأَنْتَ يَا هَلِكُ بِعِطْجِ قُرْنِ الْبَيْلِ وَلَا يَلْتَفِتُ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَمَرَ آتَكَ إِنَّ مَصِيبَهَا مَا أَصَابَهُمْ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الضُّبْحُ أَلَيْسَ الضُّبْحُ بِقُرَيْبٍ قَالُوا بَلَى جَاءَ أَمْرُنَا عَلَيْنَا عَلَيْنَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِنْ سِجِّيلٍ مَنصُودٌ (۱۱-۷۷: صود: ۸۲)

وَأَتَقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبُ الَّذِينَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ، وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (۸-الانفال: ۲۵)

(۱) عن ابن عباس ، قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من وجدتموه يعمل عمل قوم لوط ، فاقتلوا الفاعل ، والمفعول به . (سنن أبي داود : ۲ / ۶۱۳ ، رقم الحديث : ۴۳۶۲ ، كتاب الحدود ، باب فيمن عمل عمل قوم لوط ، ط : البدر - ديوبند ☆ سنن الترمذي : ۱ / ۲۷۰ ، رقم الحديث : ۱۳۵۶ ، أبواب الحدود ، باب ما جاء في حد اللوطي ، ط : البدر - ديوبند ☆ سنن ابن ماجه : ۱ / ۱۸۳ ، رقم الحديث : ۲۵۶۱ ، كتاب الحدود ، باب من عمل عمل قوم لوط ، ط : البدر - ديوبند)

... أنه ليس بزنا لا اختلاف الصحابة في موجه من الإحراق بالنار ، وهدم الجدار ، والتكيس من مكان مرتفع باتباع الأحجار ، وغير ذلك . (الهداية : ۲ / ۳۳۶ ، كتاب الحدود ، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجب ، ت : طلال يوسف ، ط : دار احياء التراث العربي - بيروت ☆ البحر الرائق شرح كنز الدقائق - ابن نجيم المصري (م : ۹۷۰ هـ) : ۵ / ۱۸ ، كتاب الحدود ، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجب ، ط : دار الكتاب الإسلامي)

(قوله ومن أتى امرأة) أي أجنبية (في الموضع المكروه) أي دبرها (أو عمل عمل قوم لوط فلا حد عليه عند أبي حنيفة ولكنه يعزر) ويسجن حتى يموت أو يتوب ، ولو اعتاد اللواط قتله الإمام محصنا كان أو غير محصن سياسة ، أما الحد المقدر شرعا فليس حكما له وقالوا هو كالزنا ، وهذه العبارة تفيد اعترافهما بأنه ليس من نفس الزنا بل حكمه حكم الزنا في حد جلد إن لم يكن أحسن ورجما إن أحسن . (فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بـ 'ابن الهمام' (م : ۸۶۱ هـ) : ۵ / ۲۶۲ ، كتاب الحدود ، باب الوطء الذي يوجب الحد والذي لا يوجب ، ط : دار الفكر)

وَالَّذِينَ يَأْتِيهِمْ مِنْكُمْ فَأَذَوْهُمَا ، فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا ، إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا حَنِيفًا (۳-النساء: ۱۶)

## [ ۲۷ ] نفاس کی حالت میں ماں کا بچہ کے کان میں اذان و تکبیر کہنا

۶۱۵-سوال: بچہ کی پیدائش کے وقت ایک کان میں اذان اور دوسرے کان میں تکبیر کہی جاتی

ہے، تو کیا یہ مرد کے بجائے عورت کہہ سکتی ہے؟ نیز خود بچہ کی ماں بھی ناپاکی کی حالت میں کہہ سکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

بچہ کی پیدائش کے وقت جو اذان بچے کے کان میں کہی جاتی ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ سب سے پہلے بچہ کے کان میں اور اس کے دل و دماغ میں جو آواز پہنچے، وہ اللہ کی یاد اور شیطان کی نفرت پیدا کرنے والی ہو، گویا اس موقع کی ”اذان“ اور ”تکبیر“ ایک ذکر ہے؛ لہذا عورت بھی بچہ کے کان میں اذان دے سکتی ہے اور خود ماں بھی دے سکتی ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ ماں نفاس کی حالت میں یہ الفاظ نہ کہے، ہاں دوسرا کوئی آدمی موجود نہ ہو، تو چوں کہ نفاس کی حالت میں ذکر جائز ہے؛ اس لیے اذان بھی بچہ کے کان میں دے سکتی ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [ ۲۸ ] وقت سے پہلے اذان دینا جائز نہیں ہے، اعادہ مسنون ہے

۶۱۶-سوال: اذان کو قصداً اس کے وقت سے ۲-۳ منٹ پہلے دینا جائز ہے یا نہیں؟ ایک

(۱) عن أبي رافع، قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم أذن في أذن الحسن بن علي حين ولدته فاطمة بالصلاة. (سنن أبي داود: ۲/۲۹۶، رقم الحديث: ۵۱۰۵، كتاب الأدب، باب في المولود يؤذن في أذنه، ط: مختار ابن دكيني - ديوبند ☆ سنن الترمذي: ۱/۲۷۸، رقم الحديث: ۱۵۱۳، أبواب الأضاحي، باب الأذان في أذن المولود، ط: فيصل - ديوبند)

(ومنها) حرمة قراءة القرآن لا تقرأ الحائض والنفساء والجنب شيئا من القرآن والآية وما دونها سواء في التحريم على الأصح إلا أن لا يقصد بما دون الآية القراءة مثل أن يقول الحمد لله يريد الشكر أو بسم الله عند الأكل أو غيره فإنه لا بأس به. هكذا في الجوهرة النيرة، ولا تحرم قراءة آية قصيرة تجري على اللسان عند الكلام، كقوله تعالى {ثم نظر} [المدثر] أو {ولم يولد} [الإخلاص]. هكذا في الخلاصة... ويجوز للجنب والحائض الدعوات، و جواب الأذان، ونحو ذلك في السراجية. (الفتاوى الهندية - لجنة علماء برناسة نظام الدين البلخي: ۱/۳۸، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفس والاستحاضة، ط: دار الفكر ☆ الجوهرة النيرة: ۱/۲۸، الحيض، ط: نعمانية ☆ البحر الرائق: ۱/۳۳۶، كتاب الطهارة، باب الحيض، ط: دار الكتاب - ديوبند)



بستی والے ایسا سمجھتے ہیں کہ اذان کے وقت روزہ افطار کرنا ادب کے خلاف ہے؛ اس لیے اس بستی میں اذان کے وقت سے پہلے ہوتی ہے اور اذان کے بعد افطار کرتے ہیں اور اگر اذان کے وقت پر دی جائے تو پھر افطار کا وقت روزہ میں داخل ہو کر روزہ لمبا ہو جاتا ہے، تو کیا اذان کے وقت افطار کرنا ادب کے خلاف ہے؟ بالتفصیل جواب مرحمت فرمائیں۔

### الجواب حامدا ومصليا:

اذان، نماز کے وقت کی اطلاع کے لیے ہے؛ لہذا دخول وقت سے پہلے اذان دینا جائز نہیں ہے، اگر وقت سے پہلے دے دی گئی، تو اعادہ مسنون ہے، ورنہ نماز سنت کے خلاف ہوگی۔<sup>(۱)</sup> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سحری کے وقت کی اطلاع دینے کے لیے بھی اذان دی جاتی تھی اور نماز فجر کے لیے از سر نو اذان دی جاتی تھی۔ (بخاری شریف)<sup>[۲]</sup>

رمضان المبارک میں وقت سے قبل مغرب کی اذان دینے کا دوسرا نقصان یہ ہوگا کہ لوگ یوں سمجھیں گے کہ اذان غروب شمس کی وجہ سے دی جاتی ہے، گو یا سورج غروب ہو گیا، اور اس کی وجہ سے وہ روزہ افطار کر لیں گے، نتیجہ تمام کا روزہ خراب ہوگا؛ اس لیے وقت پر ہی اذان دی جائے، اس سے پہلے اذان نہ دی جائے۔

(۱) وأما بيان وقت الأذان والإقامة فوقيتهما ما هو وقت الصلوات المكتوبات، حتى لو أذن قبل دخول الوقت لا يجزئه، ويعيده إذا دخل الوقت في الصلوات كلها في قول أبي حنيفة ومحمد... ولأبي حنيفة ومحمد ما روى شداد مولى عياض بن عامر أن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال لبلال: لا تؤذن حتى يستبين لك الفجر هكذا، ومد يده عرضاً؛ ولأن الأذان شرع للإعلام بدخول الوقت، والإعلام بالدخول قبل الدخول كذب، وكذا هو من باب الخيانة في الأمانة، والمؤذن مؤتمن على لسان رسول الله - صلى الله عليه وسلم -، ولهذا لم يجز في سائر الصلوات (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۱/ ۱۵۵، كتاب الصلاة، فصل بيان وقت الأذان والإقامة، ط: دار الكتب العلمية)

[۲] عن عبد الله بن عمر: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن بلالاً ينادي بليل، فكلوا واشربوا حتى ينادي ابن أم مكتوم. (صحيح البخاري: ۱/ ۸۷، رقم الحديث: ۲۲۰، كتاب الأذان، باب الأذان بعد الفجر، ط: البدر - ديوبند)

عن عبد الله بن مسعود، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يمنعن أحدكم - أو أحدنا منكم - أذان بلال من سحوره، فإنه يؤذن - أو ينادي بليل - ليرجع قائمكم، ولينبه نائمكم، وليس أن يقول الفجر - أو الصبح -، وقال بأصابعه ورفعها إلى فوق وطأطأ إلى أسفل حتى يقول هكذا، وقال زهير: بسبابتيه إحداهما فوق الأخرى، ثم مدها عن يمينه وشماله. (صحيح البخاري: ۱/ ۸۷، رقم الحديث: ۲۲۱، كتاب الأذان، باب الأذان قبل الفجر، ط: البدر - ديوبند) ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۳۹، رقم الحديث: ۳۹ - (۱۰۹۳)، كتاب الصيام، باب بيان أن الدخول في الصوم يحصل بطلوع الفجر... الخ، ط: البدر - ديوبند)

رہ گئی یہ بات کہ اذان کے وقت روزہ افطار کرنا ادب کے خلاف ہے، تو یہ صحیح نہیں ہے؛ اسلامی شریعت آسان ہے، اس میں تنگی نہیں ہے، کچھ ناقص العقل لوگوں نے اس کو مشکل بنا دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عشاء کا کھانا اور نماز دونوں موجود ہوں، تو کھانے سے ابتدا کرو، جب کہ دل اس کی طرف مائل ہو خواہ جماعت ترک ہو جائے۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۹۲) [۳] تو مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ بھوک کی شدت کی بناء پر جماعت ترک ہو جائے۔ جو کہ واجب ہے۔ کو ترک کرنے کی بھی اجازت دی گئی ہے۔

الغرض اذان وقت پر ہی دی جائے اور افطار کرنے والے کچھ کھاپی کر جماعت میں شریک ہوں، جماعت کچھ تاخیر سے شروع کی جائے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۹] فاسق و فاجر شخص کو اذان و اقامت کے لیے رکھنا مکروہ تحریمی ہے

۶۱۷- سوال: انگلیشور کی ایک مسجد میں ایک صاحب مؤذن ہیں، جو اپنی نوعمری میں لوٹ مار کیا کرتے تھے، لوگوں کو دھوکہ دینا، ان کا پیشہ تھا۔ اب جب کہ کمزور اور بڑی عمر کے ہو گئے ہیں، تو اپنی روزی روٹی کے لیے اذان دیتے ہیں، اس کی یہ عادتیں تھیں: زنا کاری کرنا، رمضان کا روزہ نہ رکھنا، مسجد میں

[۳] عن أنس بن مالك: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا قدم العشاء، فابدءوا به قبل أن تصلوا صلاة المغرب، ولا تعجلوا عن عشاءكم. (صحيح البخاري: ۱/۹۲، رقم الحديث: ۶۷۲، كتاب الأذان، باب: إذا حضر الطعام وأقيمت الصلاة، ط: البدر - ديوبند)

وكان ابن عمر: يبدأ بالعشاء. وقال أبو الدرداء: من فقه المرء إقباله على حاجته حتى يقبل على صلاته وقلبه فارغ. (صحيح البخاري: ۱/۹۲، رواه تعليقا)

عن أنس بن مالك: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا قدم العشاء، فابدءوا به قبل أن تصلوا صلاة المغرب، ولا تعجلوا عن عشاءكم. (صحيح البخاري: ۱/۹۲، رقم الحديث: ۶۷۲، كتاب الأذان، باب: إذا حضر الطعام وأقيمت الصلاة، ط: البدر - ديوبند)

عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا وضع عشاء أحدكم وأقيمت الصلاة، فابدءوا بالعشاء ولا يعجل حتى يفرغ منه. وكان ابن عمر: يوضع له الطعام، وتقام الصلاة، فلا يأتيها حتى يفرغ، وإنه ليسمع قراءة الإمام. (حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۶۷۳)

عن ابن عمر، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إذا كان أحدكم على الطعام، فلا يعجل حتى يقضي حاجته منه، وإن أقيمت الصلاة. (حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۶۷۳)

(۴) مزید تفصیل کے لیے دیکھیں، عنوان: ”رمضان کے علاوہ مغرب کی جماعت میں تاخیر جائز نہیں“ (اوقات نماز)

بیڑی وغیرہ پینا۔

آج بھی یہ حالت ہے کہ مسجد میں صفائی کا خیال نہیں رکھتے ہیں، خود بھی صفائی کا اہتمام نہیں کرتے، تبلیغی جماعت کو بدعتی خیال کرتے ہیں، مسجد کے صحن میں۔ جہاں لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ مٹی کے تیل والے چولہے سے چائے وغیرہ بناتے ہیں۔ ۹۵ رنی صد لوگ ان سے نفرت کرتے ہیں؛ لیکن متولی حضرات کی اس جانب کوئی توجہ نہیں ہے، وہ (مؤذن صاحب) امام کی عدم موجودگی میں امامت بھی کراتے ہیں۔ صاحب نصاب ہونے کے باوجود لوگوں سے زکاۃ، فطرہ اور صدقہ لیتے ہیں اور حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں رکھتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے مؤذن کا کیا حکم ہے؟

### الجواب حامد او مصليا:

جو شخص مسجد میں بیڑی پیتا ہے، پاکی و ناپاکی کا خیال نہیں رکھتا اور اس کے نزدیک حلال و حرام کی تمیز بھی نہیں ہے، اور پاک و صاف نہیں رہتا ہے، اس کو مؤذن بنانا مکروہ ہے؛ کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے منہ سے بدبو آتی ہو، وہ مسجد میں نہ آئے۔ (حدیث<sup>[۱]</sup>)

جو شخص مسجد کا احترام نہ کرے، اس کو صاف صفائی کے لیے رکھنا جائز نہیں ہے؛ لہذا مذکورہ مؤذن کو

(۱) عن جابر، قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم، عن أكل البصل والكراث، فغلبتنا الحاجة، فأكلنا منها، فقال: من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تأذى، مما يتأذى منه الإنس. (الصحيح لمسلم: ۲۰۹/۱، رقم الحديث: ۷۲- (۵۶۳)، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب نهى من أكل ثوما أو بصلا أو كراثا أو نحوها، ط: البدر- ديوبند)

عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليؤذن لكم خياركم وليؤمكم قراؤكم. (سنن أبي داود: ۱/۸۷، رقم الحديث: ۵۹۰، باب من أحق بالإمامة، ط: مختار ايند كميني- ديوبند\* سنن ابن ماجه: ۱/۵۳، رقم الحديث: ۷۲۶، كتاب الأذان، والسنة فيه، باب فضل الأذان، و ثواب المؤذنين، ط: أشرفي- ديوبند)

المؤذن يكفي إخباره بدخول الوقت إذا كان بالغا عاقلا عالما بالأوقات مسلما ذكرا ويعتمد على قوله. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۹۳، كتاب الصلاة، باب الأذان، فائدة التسليم بعد الأذان، ط: دار الفكر- بيروت)

(قوله: ويعاد أذان جنب إلخ) زاد القهستاني: والفاجر والراكب والقاعد والماشي، والمنحرف عن القبلة. وعلل الوجوب في الكل بأنه غير معتد به والندب بأنه معتد به إلا أنه ناقص، قال وهو الأصح كما في التمر تاشي. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۹۳، باب الأذان، فائدة التسليم بعد الأذان، ط: دار الفكر- بيروت)

ومنها- أي من سنن الأذان- أن يكون تقيا لقول النبي- صلى الله عليه وسلم-: «الإمام ضامن، والمؤذن مؤتمن» ، والأمانة لا يؤديها إلا التقى. (بدائع الصنائع: ۱/۱۵۰، كتاب الصلاة، فصل بيان سنن الأذان، ط: دار الكتب العلمية)

ذمہ داری سے الگ کر دینا ضروری ہے، اور ایسے شخص کو امامت کی ذمہ داری سونپنا بھی مکروہ تحریمی ہے۔<sup>(۱)</sup>  
البتہ اس کے پیچھے نماز پڑھنے کی وجہ سے جماعت کا ثوب مل جائے گا۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [ ۳۰ ] ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈ کی اذان معتبر نہیں ہے

۶۱۸-سوال: کیا اگر کوئی شخص ٹیپ ریکارڈ یا ریڈیو کی اذان پر اکتفاء کرے، تو جائز ہے؟ یا پھر انسان کو خود اذان دینی پڑے گی؟ بیڑا تو جو۔

#### الجواب حامدًا ومصليًا:

ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈ کی اذان سے سنت ادا نہیں ہوگی، اس کے لیے انسان کو خود اذان دینی پڑے گی۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) (قوله و فاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني واكل الربوا ونحو ذلك، كذا في البر جندی إسماعيل... وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانتة شرعاً، ولا يخفى أنه إذا كان أعلم من غيره لا نزول العلة، فإنه لا يؤمن أن يصلي بهم بغير طهارة، فهو كالمبتدع تكروه إمامته بكل حال، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۶۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

لو قدموا فاسقاً يأمون ببناء أعلى أن كراهة تقديمه كراهة تحريم؛ لعدم اعتنائه بأمور دينه. (حلبی كبرى - إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۵۶۲ ۹ هـ)؛ ص: ۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سبيل الكيومي - لاہور)

(۳) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ... والصلاة واجبة عليكم خلف كل مسلم براكب أو فاجراً، وإن عمل الكبائر. (سنن أبي داود: ۱/۳۴۳، رقم الحديث: ۲۵۳۳، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن الدار قطني (م: ۳۸۵ هـ): ۲/۴۰۴، رقم الحديث: ۱۷۶۸، باب صفة من تجوز الصلاة معه، والصلاة عليه، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت)

فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالافتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد؛ لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

(۳) ولا تجب إذا سمعها من طير هو المختار... وإن سمعها من الصدى لا تجب عليه كذا في الخلاصة. (الفتاوى =

## [۳۱] لاؤڈ اسپیکر میں اذان کے بعد کی دعاء پڑھنا

۶۱۹-سوال: مؤذن اگر اذان دینے کے بعد لاؤڈ اسپیکر میں اذان کے بعد کی دعاء اس غرض سے پڑھے کہ لوگوں کو یاد ہو جائے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

## الجواب حامدًا ومصليًا:

مؤذن کا اذان کے بعد لاؤڈ اسپیکر میں جہر اذان کی دعاء پڑھنا بہتر نہیں ہے؛ اس لیے کہ ہر دعاء اور ذکر مسنون کے جہر یا سر اُپڑھے جانے میں ایک خاص طریقہ ہے، جسے سنت کہا جاتا ہے، اور اذان کے بعد کی دعاء میں حضور اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرامؓ کا معمول اُسے سر اُپڑھنے کا رہا ہے، نبی اکرم ﷺ اور خلفاء راشدین کے زمانے میں، جب کہ لوگ دن بہ دن اسلام قبول کر رہے تھے، اُس وقت تعلیم کی اشد ضرورت تھی، تاہم انہوں نے اذان کے بعد کی دعاء کو جہر اُپڑھا؛ لہذا ہمیں بھی کوئی حق نہیں ہوگا کہ ہم اس طریقے کو بدل دیں۔ اگر یہ دعاء جہر اُپڑھی جائے گی، تو اس میں سر اُپڑھنے کا سنت طریقہ فوت ہو جائے گا، اسی لیے ہمارے بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ جب کوئی بدعت رائج ہوتی ہے، تو ایک سنت ختم ہو جاتی ہے۔<sup>(۱)</sup>

جلیل القدر تابعی حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ آپؒ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک مسجد میں گیا، جس میں اذان ہو چکی تھی، ہم نماز کا ارادہ کر رہے تھے کہ مؤذن نے تشویب شروع کی، (اذان کے بعد جماعت قائم ہونے سے کچھ دیر پہلے یہ اعلان کرنا کہ نماز کے لیے آجاؤ، اُسے ”تشویب“ کہا جاتا ہے) اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مسجد سے باہر نکل گئے اور فرمانے لگے کہ مجھے اس بدعتی کی مسجد سے باہر نکالو، اور آپؒ نے اُس مسجد میں نماز ادا نہیں فرمائی۔ (ترمذی: ۵۰۱۱)<sup>(۲)</sup>

=الهندية: ۱۳۲/۱، کتاب الصلاة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، ط: دار الفكر

ولو سمع آية السجدة من حيوان صر حوا بعدم وجوبها على المختار لعدم أهلية القارئ بخلاف ما إذا سمعها من جنب، أو حائض. (الأشباه والنظائر على مذهب أبي حنيفة النعمان - زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بـأبن نجيم المصري؛ (م: ۹۷۰)، ج: ۳، القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها، خاتمة، قبيل القاعدة الثالثة، ت: الشيخ زكريا عميرات، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۱) قوله تعالى: اذْعُوا رَبِّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً - إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُتَعَدِّينَ ﴿۷۰﴾ (الاعراف: ۵۵) وقوله تعالى: إِذْ تَأَذَىٰ رَبُّهُ نَادَىٰ خَفِيًّا ﴿۱۰﴾

قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿۱۹﴾ (مريم: ۳-۴)

(۲) وروي عن مجاهد، قال: دخلت مع عبد الله بن عمر مسجدا وقد أذن فيه، ونحن نريد أن نصلي فيه، فنوب =

اس واقعہ سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ اتباع سنت کو کس درجہ اہمیت دیتے تھے، کہ اذان کے بعد نماز پڑھے بغیر مسجد سے نکلنا مکروہ ہونے کے باوجود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے تثنیہ کی بدعت کو اس قدر ناپسند کیا کہ اُس مسجد میں نماز پڑھے بغیر نکل گئے؛ لہذا تعلیم کی غرض سے بھی اذان کے بعد کی دعاء جہراً نہیں پڑھی جائے گی، اور رہا لوگوں کے دعاء یاد کرنے کا مسئلہ، تو جو لوگ اذان اور نماز کی اہمیت جانتے ہیں، وہ ضرور اذان کے بعد کی دعاء یاد کر لیں گے، اور جسے اذان سننے کی فرصت نہ ہو، اسے یاد کرنے کی ضرورت ہی کہاں ہوگی؟؟ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳۲] اذان کے بعد کی دعاء میں چند کلمات کی زیادتی

۶۲۰-سوال: اذان کے بعد کی دعاء میں: آت محمد الوسيلة کی بجائے آت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم الوسيلة لکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز اس طرح اضافے سے ساتھ اسے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بیوقوف تو جروا۔

#### الجواب حامدا ومصليا:

اذان کا ”زبان“ سے جواب دینا مستحب ہے۔ (شامی: ۱/۳۶۸)<sup>[۱]</sup> اور اذان پوری ہو جانے کے بعد درود شریف کا پڑھنا مستحب ہے۔ (شامی: ۱/۳۷۰)<sup>[۲]</sup>

= المؤذن، فخرج عبد اللہ بن عمر من المسجد، وقال: «أخرج بنا من عند هذا المبتدع» ولم يصل فيه. وإنما كره عبد اللہ التثنیة الذي أحدثه الناس بعد. (سنن الترمذی: ۱/۵۰، تحت رقم الحدیث: ۱۹۸، أبواب الصلاة، باب ما جاء في التثنیة في الفجر، ط: البدر - دیوبند)

وہو نو عان قدیم وحادث، فالأول: الصلاة خیر من النوم، وكان بعد الأذان إلا أن علماء الكوفة ألحقوه بالأذان. والثاني أحدثه علماء الكوفة بين الأذان والإقامة ”حي على الصلاة“ مرتين ”حي على الفلاح“ مرتين وأطلق في التثنیة، فأفاد أنه ليس له لفظ يخصه بل تثنیة كل بلد على ما تعارفوه، إما بالتحنيح، أو بقوله: الصلاة الصلاة، أو قامت قامت؛ لأنه للمبالغة في الإعلام. (البحر الرائق: ۱/۲۷۵، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۱] (قوله: لا بلسانه) أي لأن الإجابة به مندوبة. (رد المحتار: ۱/۳۹۸، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الفكر)

[۲] عن عبد اللہ بن عمر وبن العاص، أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إذا سمعتم المؤذن، فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا علي، فإنه من صلى علي صلاة صلى الله عليه بها عشرا، ثم سلوا الله لي الوسيلة، فإنها منزلة في الجنة، لا تنبغي إلا لعبد من عباد الله، وأرجو أن أكون أنا هو، فمن سأل لي الوسيلة حلت له الشفاعة. (الصحيح لمسلم: ۱/۱۶۶، رقم الحدیث: ۱۱-۳۸۴، كتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، ثم يصلي علي النبي صلى الله =

جو شخص درود شریف کے بعد اذان کے بعد کی دعا پڑھے گا، وہ آپ کی شفاعت کا مستحق ہوگا، بخاری شریف میں اذان کے بعد کی دعا ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

عن جابر بن عبد الله: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من قال حين يسمع النداء: اللهم رب هذه الدعوة التامة، والصلاة القائمة، آت محمد الوسيلة والفضيلة، وابعثه مقاما محمودا الذي وعدته، حلت له شفاعتي يوم القيامة"<sup>(۳)</sup>.

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اذان سنتے وقت یہ دعا پڑھے: ”اللهم رب هذه الدعوة التامة، والصلاة القائمة، آت محمد الوسيلة والفضيلة، وابعثه مقاما محمودا الذي وعدته.“ تو اس کو قیامت کے دن میری شفاعت نصیب ہوگی۔ (شامی: ۱/۷۰۳، طحطاوی: ۱۱۱)<sup>[۳]</sup>

اس حدیث میں سیدنا اور صلی اللہ علیہ وسلم وارد نہیں ہوا ہے اور حدیث کے سلسلے میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ جو الفاظ اس میں منقول ہیں، ان میں کمی بیشی جائز نہیں کہ اس میں نبی کریم ﷺ کی جانب ایسی بات کو منسوب کرنا لازم آئے گا، جو آپ ﷺ سے منقول نہیں ہے؛<sup>(۵)</sup> اس لیے لکھنا جائز نہیں ہے؛ البتہ دعا پڑھتے وقت اگر زبان سے پڑھ لے، تو کوئی حرج نہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= علیہ وسلم، ثم يسأل له الوسيلة، ط: البدر - ديوبند)

ويدعو عند فراغه بالوسيلة لرسول الله صلى الله عليه وسلم. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله: ويدعو الخ) أي بعد أن يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۹۸، باب الأذان)

(۳) صحيح البخاري: ۱/۸۶، رقم الحديث: ۶۱۳، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، ط: البدر - ديوبند)

(۴) عن سلمة، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: من يقل علي ما لم أقل فليتبوأ مقعده من النار. (صحيح البخاري: ۱/۲۱، رقم الحديث: ۱۰۹، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم)

قال الكشميري: وينبغي لمن أراد أن يستن بسنة النبي صلى الله عليه وسلم أن يكتفي بتلك الكلمات، ولا يزيد عليها، إلا ما ثبت في نسخة الكشميري من زيادة: إنك لا تخلف الميعاد، في آخره، قاله ابن دقيق العيد، وعند البيهقي أيضا. — وأما زيادة: والدرجة الرفيعة، بعد قوله: والوسيلة والفضيلة. فلم تثبت عندي في حديث، فلا يزال بها؛ لأنها زيادة في خلال الكلمات، ومن كان لا بد له أن يزيد في تلك الكلمات، ففي الآخر كما ثبت عن ابن عمر رضي الله عنه: أنه كان يزيد في تليته في الآخر: لبيك وسعديك ... الخ. (فيض الباري على صحيح البخاري - (أمالی) محمد أنور شاہ بن معظم شاہ کشمیری الہندی ثم الديويندي (م: ۱۳۵۳ھ) ۲/۲۱۳، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، ت: محمد بدر عالم الميرتھی، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

## [۳۳] اذان کے بعد فوراً ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا

۶۲۱-سوال: کیا اذان کے فوراً بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا گناہ ہے؟

**الجواب حامداً ومصلياً:**

دیگر دعاؤں کی طرح اذان کے بعد کی دعاء کے لیے ہاتھ اٹھانا مستحب نہیں ہے، اذان کے بعد کی دعاء از قبیل اذکار ہے، جس طرح کھانے، پینے، سونے، بیت الخلاء میں داخل ہونے اور نکلنے وغیرہ کی دعائیں از قبیل اذکار ہیں، اسی طرح اذان کے بعد کی دعاء بھی ایک قسم کا ذکر ہے؛ اس لیے اُس میں ہاتھ نہیں اٹھایا جائے گا۔<sup>(۱)</sup> لیکن اگر کوئی شخص اذان کے بعد کی دعاء کے ساتھ دوسری دعائیں بھی مانگنا چاہتا ہو، تو اُس کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا مستحب ہے، حدیث پاک میں مروی ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان کا وقت دعاء کے قبول ہونے کا وقت ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) والمسنون في هذا الدعاء ألا ترفع الأيدي، لأنه لم يثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم رفعها، والتثبت فيه بالعمومات بعدما ورد فيه خصوص فعله صلى الله عليه وسلم لغو؛ فإنه لو لم يرد فيه خصوص عادته صلى الله عليه وسلم لنفَعنا التمسك بها، وأما إذا نقل إلينا خصوص الفعل، فهو الأسوة الحسنة لمن كان يرفع الله والدار الآخرة، وينبغي لمن أراد أن يستن بسنة النبي صلى الله عليه وسلم أن يكتفي بتلك الكلمات، ولا يزيد عليها، إلا ما ثبت في نسخة الكشميهني من زيادة: «إنك لا تخلف الميعاد» في آخره، قاله ابن دقيق العيد، وعند البيهقي أيضا. (فيض الباري على صحيح البخاري - محمد أنور شاه بن معظم شاه الكشميري الهندي ثم الديوبندي (م: ۱۳۵۳ هـ):

۲/۲۱۳، كتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، ت: محمد بدر عالم الميرتھی، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)  
(۲) عن أنس بن مالك، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «لا يرد الدعاء بين الأذان والإقامة». (سنن أبي داود ۱/۷۷، رقم الحديث: ۵۲۱، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الدعاء بين الأذان والإقامة، ط: البدر - ديوبند)



فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۖ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ  
وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ط .

(۴۳-۱-۲۰: المزل)

## باب صفة الصلاة

[شرائط و ارکان اور آداب کا بیان]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب صفة الصلاة

### [شرائط و ارکان اور آداب کا بیان]

#### [۱] وضو کے بغیر نماز پڑھنا

۶۲۲- سوال: ہم چند ساتھی حج کے لیے گئے ہوئے تھے، نويس ذی الحجہ کو عرفات پہنچے اور مسجد میں داخل ہو گئے، جماعت میں اچھا خاصہ وقت تھا، اس لیے مسجد میں سو گئے، جب نیند سے بیدار ہوئے، تو ہجوم زیادہ تھا، جس کی وجہ سے باہر نہیں نکل سکے، اور بغیر وضو کے نماز ادا کر لی، اور بعد میں باہر نکل کر وضو کر کے نماز ادا نہیں کی، تو کیا بغیر وضو کے ادا کی گئی نماز ہوگی؟ اور کیا ایسے موقع پر صرف (جائے نماز) پر تیمم کر سکتے ہیں؟

#### الجواب حامداً ومصلياً:

تیمم کی اس وقت اجازت ہوتی ہے، جب کہ پانی موجود نہ ہو، یا پانی موجود ہو، لیکن اس کے استعمال پر قدرت نہ ہو، صورت مسئلہ میں شرائط تیمم مفقود ہیں؛ اس لیے تیمم کی اجازت نہیں ہوگی۔<sup>(۱)</sup>

(۱) وَإِنْ كُنْتُمْ مَرُوطَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لِمَسْتَمُّهُ النِّسَاءُ فَلَمْ يَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِرُءُوسِهِمْ وَأَيْدِيَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا ۝ (۳- النساء: ۴۳)

"ومن لم يجد ماء وهو مسافر أو خارج المصر بينه وبين المصر نحو ميل أو أكثر يتيمم بالصعيد" لقوله تعالى: {فَلَمْ يَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا} [النساء] وقوله عليه الصلاة والسلام "التراب طهور المسلم ولو إلى عشر حجج ما لم يجد الماء" والميل هو المختار في المقدار؛ لأنه يلحقه الحرج بدخول المصر، والماء معدوم حقيقة، والمعتبر المسافة دون خوف الفوت؛ لأن التفريط يأتي من قبله "ولو كان يجد الماء إلا أنه مريض يخاف إن استعمل الماء اشتد مرضه يتيمم". (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/۲۷، باب التيمم، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت)

عرفات کی مقدس سرزمین پر حکومت اور معلمین حضرات پانی کا انتظام کرتے ہیں؛ آپ کے ساتھیوں نے وضو کے لیے پانی تلاش کیے بغیر نماز ادا کر لیا، اس صورت میں نماز ادا نہیں ہوئی۔<sup>(۱)</sup> اس نماز کی قضا واجب ہوگی، لیکن آپ کے حج کی ادائیگی میں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲] مسبوق امام کے ساتھ قعدہ اخیرہ میں درود شریف پڑھے گا یا نہیں؟

۶۲۳- سوال: مسبوق یعنی ایسا شخص جس کی جماعت کی نماز میں ایک یا چند رکعات چھوٹ گئی ہوں، وہ (امام کے) آخری قعدہ میں صرف تشهد پڑھے گا یا درود شریف بھی پڑھے گا؟ بیوا تو جروا۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

امام کے لیے یہ آخری قعدہ ہے، مسبوق کی تو ابھی نماز باقی ہے، اس کا یہ آخری قعدہ نہیں ہے؛ لہذا وہ اس میں صرف التحیات پوری کرے، درود شریف اور دعاء نہ پڑھے، بہتر یہ ہے کہ وہ اس قدر ٹھہر ٹھہر کر پڑھے کہ امام کی فراغت کے ساتھ اس کے تشهد کی تکمیل ہو، اس کے باوجود اگر امام کے فارغ ہونے سے پہلے التحیات مکمل ہو جائے، تو ”أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدًا عبده ورسوله“ مکرر پڑھتا رہے۔<sup>[۳]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) عن همام بن منبه، أنه سمع أبا هريرة، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تقبل صلاة من أحدث حتى يتوضأ. (صحيح البخاري: ۱/۲۵، رقم الحديث: ۱۳۵، كتاب الوضوء، باب: لا تقبل صلاة بغير طهور، ط: البدر- ديوبند) ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۱۱۹، رقم الحديث: ۲- (۲۲۵)، كتاب الطهارة، باب: وجوب الطهارة للصلاة، ط: ديوبند

(۲) کیوں کہ مواعجج میں سے کوئی مانع نہیں پایا گیا۔

[۳] (ومنها) أن المسبوق ببعض الركعات يتابع الإمام في التشهد الأخير، وإذا أتم التشهد لا يشتغل بما بعده من الدعوات، ثم ماذا يفعل؟ تكلموا فيه: وعن ابن شجاع أنه يكرر التشهد، أي قوله: أشهد أن لا إله إلا الله، وهو المختار. كذا في الغياثية، والصحيح أن المسبوق يترسل في التشهد حتى يفرغ عند سلام الإمام. كذا في الوجيز للكردي، وفتاوى قاضي خان، وهكذا في الخلاصة، وفتح القدير. (الفتاوى الهندية- لجنة علماء برناسة نظام الدين البلخي: ۱/۹۱، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل السابع في المسبوق واللاحق، ط: دار الفكر)

وہل يأتي بها المسبوق مع الإمام؟ قيل: نعم وبالذعاء، وصححه في المبسوط، وقيل: يكرر كلمة الشهادة، واختاره ابن شجاع، وقيل يسكت، واختاره أبو بكر الرازي، وقيل: يسترسل في التشهد، وصححه قاضي خان، وينبغي الإفتاء به كما في البحر: وهو الصحيح، خلاصة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح- أحمد =

### [۳] امام صاحب کا قعدہ اولیٰ میں دیر لگانا

۶۲۴-سوال: ہمارے یہاں مسجد میں امام صاحب ماشاء اللہ خوب اطمینان سے نماز پڑھاتے ہیں، یہاں تک کہ قعدہ اولیٰ میں بعض مرتبہ اتنی دیر لگاتے ہیں کہ مقتدی حضرات التحیات کے بعد درود شریف اور دعائے ماثورہ سے بھی فارغ ہو جاتے ہیں، تو کیا اس قدر اطمینان کے ساتھ قعدہ اولیٰ کرنا درست ہے؟ بیٹو!، تو جروا۔

#### الجواب حامدا ومصليا:

اطمینان سے نماز پڑھنا بہتر ہے، اسی طرح التحیات اطمینان سے پڑھی جائے اور اُس میں دیر لگے، تو کوئی حرج نہیں۔<sup>(۱)</sup> البتہ التحیات اطمینان سے پڑھنے کے بعد تاخیر بالکل درست نہیں، اگر امام صاحب التحیات اطمینان سے پڑھتے ہیں، تو مقتدیوں کو چاہیے کہ وہ بھی اطمینان سے پڑھیں، پھر اگر کوئی مقتدی قعدہ اولیٰ میں امام سے پہلے التحیات پڑھ کر فارغ ہو جائے، تو اُسے چاہیے کہ وہ خاموش بیٹھا رہے، اُس وقت درود شریف یا دعائے ماثورہ نہ پڑھے۔<sup>(۲)</sup> اور امام صاحب کو چاہیے کہ وہ قعدہ اولیٰ میں حد سے زیادہ تاخیر نہ

= بن محمد بن اسماعیل الطحطاوي الحنفی (م: ۱۲۳۱ھ): ۱/۲۷۱، کتاب الصلاة، فصل فی بیان سننہا، ت: محمد عبد العزیز الخالدي، ط: دار الکتب العلمیة - بیروت ☆ رد المحتار علی الدر المختار: ۱/۵۱۱، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الفکر - بیروت

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رجلا دخل المسجد، ورسول الله صلى الله عليه وسلم جالس في ناحية المسجد، فصلی ثم جاء فسلم عليه، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: وعليك السلام، ارجع فصل فإنك لم تصل، فرجع فصلی ثم جاء فسلم، فقال: وعليك السلام، فارجع فصل، فإنك لم تصل، فصلی، ثم جاء فسلم، فقال: وعليك السلام فارجع، فصل فإنك لم تصل، فقال في الثانية، أو في التي بعدها: علمني يا رسول الله، فقال: إذا قمت إلى الصلاة فأسبغ الوضوء، ثم استقبل القبلة فكبر، ثم اقرأ بما تيسر معك من القرآن، ثم اركع حتى تطمئن راكعا، ثم ارفع حتى تستوي قائما، ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا، ثم ارفع حتى تطمئن جالسا، ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا، ثم ارفع حتى تطمئن جالسا، ثم اعمل ذلك في صلاتك كلها، وقال أبو أسامة، في الأخير: حتى تستوي قائما. (صحيح البخاري: ۲/۹۲۳، رقم الحديث: ۶۲۵۱، كتاب الاستئذان، باب من رد فقال: عليك السلام، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۱۷۰، رقم الحديث: ۳۵- (۳۹۷)، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة، وإنه إذا لم يحسن الفاتحة، ولا أمكنه تعلمها قرأ ما تيسر له من غيرها، ط: البدر - ديوبند)

(۲) ولو فرغ المؤمن قبل إمامه سكت اتفاقا، وأما المسبوق فيترسل ليفرغ عند سلام إمامه، وقيل يتم، وقيل يكرر =

کریں؛ بل کہ جلد فارغ ہو جائیں، یہی بہتر ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۴] عورتوں کے لیے رکوع اور سجدے کا طریقہ

۶۲۵-سوال: کیا عورتوں کو نماز میں رکوع کی حالت میں سر، کمر اور سرین کو برابر رکھنا چاہیے، جیسا کہ مرد رکھتے ہیں؟ اسی طرح گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑنا چاہیے، جیسا کہ مرد پکڑتے ہیں؟ یا عورتوں کے لیے کوئی الگ حکم ہے؟

نیز سجدے میں عورتوں کو ہاتھ اندر رکھنا چاہیے یا باہر؟ اگر عورت ہاتھ اندر رکھتی ہے، تو پیٹ اور ران کا ملاپ نہ ہوگا، تو ان کے لیے اصل حکم کیا ہے؟

### الجواب حامدًا ومصلياً:

عورت کی نماز مرد کی نماز سے پچیس طریقوں سے مختلف ہے۔ کیوں کہ عورت چھپانے کی چیز ہے، اس کو اپنا بدن اور اعضاء نماز میں بھی اس طریقے سے رکھنا چاہیے کہ ظاہر نہ ہوں۔ ان مختلف طریقوں میں من جملہ یہ ہیں: (۱) وہ اپنے ہاتھ چادر اور دوپٹہ وغیرہ میں رکھے، باہر نہ رکھے۔<sup>(۱)</sup> (۲) اپنے ہاتھ صرف کندھوں تک اٹھائے۔<sup>(۲)</sup> (۳) تکبیر تحریمہ کے بعد سینہ پر پستان کے نیچے ہاتھ باندھے۔<sup>(۳)</sup>

= كلمة الشهادة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۱۱/۱، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، ط: دار الفكر - بيروت ☆ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۱۸۱/۱، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، ط: المطبعة الكبرى الاميرية، ببولاق، مصر)

[۱] فمنها [أي من آدابها] "إخراج الرجل كفيه من كفيه عند التكبير" للإحرام لقربه من التواضع إلا للضرورة كبرد. والمرأة تستر كفيها حذرًا من كشف ذراعيها. (مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح - حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹ھ)، ص: ۱۰۳، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، فصل: من آدابها، اعتنى به وراجعاه: نعيم زور، ط: المكتبة العصرية)

[۲] (وكيفيتها) إذا أراد الدخول في الصلاة كبر ورفع يديه حذاء أذنيه حتى يحاذي يابهاميه شحمتي أذنيه وبرءوس الأصابع فروع أذنيه. كذا في التبيين... والمرأة ترفع حذاء منكبها هو الصحيح. كذا في الهداية والتبيين. (الفتاوى الهندية: ۱/۷۳)

[۳] (ووضع يده اليمنى على اليسرى تحت السرة) كما فرغ من التكبير. هكذا في المحيط ناقلًا عن الإمام خواهر زاده وهكذا في النهاية والمرأة تضعهما على ثديها. كذا في المنية. (الفتاوى الهندية: ۱/۷۳، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها وكيفيتها، ط: دار الفكر)

\_\_\_\_\_ (۴) رکوع میں مرد کی طرح نہ جھکے، بل کہ صرف اس طرح جھکے، جس میں اس کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔ \_\_\_\_\_ (۵) رکوع میں ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑنا اس کے لیے سنت نہیں ہے۔ \_\_\_\_\_ (۶) رکوع میں ہاتھوں کی انگلیاں کشادہ رکھنا بھی مسنون نہیں ہے۔ \_\_\_\_\_ (۷) رکوع میں اپنے ہاتھوں پر زیادہ سہارا نہ دے۔ \_\_\_\_\_ (۸) رکوع میں اپنے گھٹنوں کو بالکل سیدھا نہ رکھے، بل کہ کسی قدر جھکانا مستحب ہے۔ \_\_\_\_\_ (۹)

اور سجدے میں: (۹) ہاتھوں کو اندر رکھے اور بازوؤں کو پہلوؤں سے ملائے رکھے۔ \_\_\_\_\_ (۱۰) سجدے میں پیٹ کو رانوں سے ملا ہوا رکھے، یعنی پیٹ کو رانوں پر بچھا دے۔ \_\_\_\_\_ (۱۱) اور کہنیاں زمین پر بچھی ہوئی رکھے۔ \_\_\_\_\_ (۵)

پس ان طریقوں کے مطابق عورت کو رکوع و سجدہ کرنا چاہیے کہ ان میں اس کے لیے زیادہ ستر ہے، مردوں کی طرح اس کو رکوع و سجدہ نہیں کرنا چاہیے؛ لیکن عورت نے اپنے ہاتھوں کو اوڑھنی وغیرہ سے باہر رکھا، ان کو چھپایا نہیں، تو دیکھا جائے گا کہ پہنچوں تک آستین ہے، جس کی وجہ سے ہاتھ ڈھکے ہوئے ہیں، تو نماز ہو جائے گی، اور اگر آستین بالکل نہیں ہے یا نصف آستین ہے اور کہنیوں سے پہنچوں تک چوتھائی حصہ۔ تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے بہ قدر۔ کھل گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی، کیوں کہ چہرہ، دو ہتھیلیاں، اور دونوں قدم کے علاوہ عورت کا پورا بدن ستر ہے، اس کا چھپانا فرض ہے، ان پانچ اعضاء کے علاوہ اس کے بدن کا کوئی بھی حصہ (بہ قدر چوتھائی عضو) تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار میں کھلا رہا، تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، یہ اس صورت میں ہے جب کہ بلا ارادہ ستر کھل گیا ہو، اگر بلا ارادہ جان بوجھ کر ستر کھولا ہے، تو کھلتے ہی فوراً نماز فاسد ہو جائے گی، اس میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے یعنی رکن کے بہ قدر کی مہلت نہیں ہے۔ (۱) (مستفاد: طحاوی: ۱۴۱-۱۴۲، عمدۃ الفقہ: ۵۴-۱۱۵) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] والمرأة تنحني في الركوع يسيرا ولا تعتمد ولا تفرج أصابعها ولكن تضم يديها وتضع على ركبتيها وضعا وتحني ركبتيها ولا تجافي عضديها. كذا في الزاهدی. (الفتاویٰ الہندیة: ۷۴/۷)

[۵] والمرأة تخفض "فتضم عضديها لجنبها" وتلزم بطنها بفخذها "لأنه أستر لها. (مراقی الفلاح: ۱۰۷)

فأما المرأة فينبغي أن تفتش ذراعها وتنحني ولا تنتصب ولا تنتصب كاتنصاب الرجل وتلزم بطنها بفخذها لأن ذلك أستر لها. (بدائع الصنائع: ۲۱۰/۱، كتاب الصلاة، سنن الصلاة، دار الكتب العلمية)

[۶] (ويمنع) حتى انعقادها (كشف ربع عضو) قدر أداء ركن بلا صنعها (من) عورة غليظة أو خفيفة على المعتمد. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله قدر أداء ركن) أي بسنته منية. قال شارحها: وذلك قدر ثلاث =

## [۵] آنے والے کے لیے امام کا قراءت یا رکوع کو لمبا کرنا

۶۲۶- سوال: مسجد میں جماعت شروع ہوئی، اس موقع پر امام صاحب نے دیکھا کہ کچھ لوگ وضو کر رہے ہیں، ان وضو کرنے والوں کو جماعت مل جائے؛ اس لیے وہ لمبی سورت پڑھتے ہیں، تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟ اسی طرح امام رکوع میں ہوتے ہیں، اس درمیان انھیں آہٹ سے محسوس ہوتا ہے کچھ لوگ جماعت میں شریک ہو رہے ہیں، تو وہ یہ سوچتے ہوئے کہ انھیں رکوع مل جائے؛ مزید تھوڑی دیر رکوع میں رہتے ہیں، اس کی وجہ سے نماز میں کوئی نقصان آئے گا یا نہیں؟ جواب دے کر مہربانی فرمائیں۔

### الجواب حامدا ومصليا:

آنے والا کون ہے؟ اگر امام کو اس کی اطلاع نہ ہو، تو قراءت و رکوع کو اس قدر دراز کرنا کہ مقتدیوں کو تکلیف نہ ہو، جائز ہے، البتہ کسی خاص شخص کے لیے مثلاً سیٹھ صاحب، مال دار شخص، یا متولی وغیرہ کے لیے قراءت یا رکوع کو لمبا کرے، تو ان کا یہ عمل مکروہ ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=تسبیحات اہـ و كأنه قید بذلك حملا للركن على القصير منه للاحتياط، وإلا فالعود الأخير والقيام المشتمل على القراءة المسنونة أكثر من ذلك، ثم ما ذكره الشارح قول أبي يوسف. واعتبر محمد أداء الركن حقيقة، والأول المختار للاحتياط كما في شرح المنية، واحترز عما إذا انكشف ربع عضو أقل من قدر أداء ركن فلا يفسد اتفاقاً؛ لأن الانكشاف الكثير في الزمان القليل عفو، كالانكشاف القليل في الزمن الكثير، وعما إذا أدى مع الانكشاف ركناً فإنها تفسد اتفاقاً. قال: واعلم أن هذا التفصيل في الانكشاف الحادث في أثناء الصلاة، أما المقارن لا بتدائها فإنه يمنع انعقادها مطلقاً اتفاقاً بعد أن يكون المكشوف ربع العضو. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۰۸، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) وكرهه تحريماً إطلائاً ركوع أو قراءة لإدراك الجائي: أي إن عرفه وإلا فلا بأس به، ولو أراد التقرب إلى الله تعالى لم يكرهه اتفاقاً لكنه نادر وتسمى مسألة الرياء، فينبغي التحرز عنها. (الدر المختار)  
علامہ شائے نے اس مسئلہ پر بڑی مفید اور تفصیلی بحث نقل کی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

(قوله أي إن عرفه) عزا في شرح المنية إلى أكثر العلماء أي لأن انتظاره حينئذ يكون للتودد إليه، لا للتقرب والإعانة على الخير. (قوله وإلا فلا بأس) أي وإن لم يعرفه فلا بأس به؛ لأنه إعانة على الطاعة، لكن يطول مقدار ما لا يثقل على القوم، بأن يزيد تسبيحة أو تسبيحتين على المعتاد، ولفظة لا بأس تقييد في الغالب أن تركه أفضل. وينبغي أن يكون هنا كذلك، فإن فعل العبادة لأمر فيه شبهة عدم إخلاصها لله تعالى لا شك أن تركه أفضل؛ لقوله - عليه الصلاة والسلام - دع ما يريبك إلى ما لا يريبك، ولأنه وإن كان إعانة على إدراك الركعة ففيه إعانة على التكاسل وترك المبادرة والتهيؤ للصلاة قبل حضور وقتها، فالأولى تركه شرح المنية. (قوله ولو أراد التقرب إلى الله تعالى) =

## [۶] امام سے پہلے یا ساتھ میں سلام پھیرنا

۶۲۷-سوال: عرب حضرات کہتے ہیں کہ: امام کے سلام پھیر لینے کے بعد ہی سلام پھیرنا چاہیے، اس سے پہلے جائز نہیں، تو اس سلسلہ میں صحیح مسئلہ کیا ہے؟

## الجواب حامدًا ومصليًا:

مقتدی کو امام کے ساتھ یا اس کے بعد رکن کو ادا کرنا چاہیے، جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ امام کے بعد ہی رکن ادا کرنا چاہیے، وہ دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ ”نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو مقتدی، امام سے سبقت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا سرگدھے جیسا بنا دیں گے“۔ (بخاری شریف) [۱] پس امام کا بدن بھاری ہو، اور اٹھنے بیٹھنے میں تھوڑی بہت دیر ہو جاتی ہو، تو احتیاط یہ ہے کہ مقتدی اس کے بعد ہی ارکان ادا کریں، تاہم ساتھ ساتھ ادا کرنا بھی جائز ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= أي خاصة من غير أن يتخالج قلبه شيء سوى التقرب حتى ولا الإعانة على إدراك الركعة، فيكون حينئذ هو الأفضل، لكنه في غاية الندرة. — ويمكن أن يراد بالتقرب الإعانة على إدراك الركعة لما فيه من إعانة عباد الله على طاعته فيكون الأفضل تركه لما فيه من الشبهة التي ذكرناها شرح المنية ملخصا.

أقول: قصد الإعانة على إدراك الركعة مطلوب، فقد شرعت إطالة الركعة الأولى في الفجر اتفاقا وكذا في غيره على الخلاف إعانة للناس على إدراكها؛ لأنه وقت نوم وغفلة، كما فهم الصحابة ذلك من فعله - عليه الصلاة والسلام - . وفي المنية: ويكره للإمام أن يعجلهم عن إكمال السنة. ونقل في الحلية عن عبد الله بن المبارك وإسحاق وإبراهيم والثوري أنه يستحب للإمام أن يسبح خمس تسيحات ليدرك من خلفه الثلاث. اهـ. فعلى هذا إذا قصد إعانة الجاني فهو أفضل بعد أن لا يخطر بباله التردد إليه ولا الحياء منه ونحوه، ولهذا نقل في المعراج عن الجامع الأصغر أنه مأجور، - {وتعاونوا على البر والتقوى} [المائدة: ۲] - وفي أذان التتار خانية قال: وفي المنتقى أن تأخير المؤذن وتطويل القراءة لإدراك بعض الناس حرام، هذا إذا مال لأهل الدنيا تطويلا وتأخيرا يشق على الناس. — فالحاصل أن التأخير القليل لإعانة أهل الخير غير مكروه. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۴۹۵، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) عن محمد بن زياد، سمعت أبا هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أما يخشى أحدكم - أو: لا يخشى أحدكم - إذا رفع رأسه قبل الإمام، أن يجعل الله رأسه رأس حمار، أو يجعل الله صورته صورة حمار". (صحيح البخاري: ۱/۹۶، رقم الحديث: ۶۹۱، باب إثم من رفع رأسه قبل الإمام، كتاب الأذان، ط: البدر - ديوبند) ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۱۸۱، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۱۶ - (۴۲۷)، كتاب الصلاة، باب تحريم سبق الإمام بر كوع أو سجود ونحوهما، ط: ديوبند (۲) ولو أتمه قبل إمامه فتكلم جاز وكره. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله لو أتمه إلخ) أي لو أتم =



## [۷] نماز کے بعد کی تسبیحات سے قبل امام کا دعا کرانا

۶۲۸-سوال: عرب حضرات کہتے ہیں کہ امام کو سلام کے بعد دعا نہیں کرنی چاہیے؛ بل کہ نماز سے فراغت کے بعد ہی دعا کرنی چاہیے، تو کیا نماز کے بعد متصلاً دعا نہیں کی جاسکتی ہے؟

**الجواب حامداً ومصلياً:**

کتب احادیث میں سلام کے فوراً بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرنا ثابت ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم

بالصواب۔

=المؤتم تشهد، بأن أسرع فيه و فرغ منه قبل إتمام إمامه فأتى بما يخرج من الصلاة كسلام أو كلام أو قيام جاز: أي صحت صلاته لحصوله بعد تمام الأركان... وإنما كره للمؤتم ذلك لتركه متابعة الإمام بلا عذر، فلو به كخوف حدث أو خروج وقت جمعة أو مرور ما بين يديه فلا كراهة. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۲۵، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: زكريا- ديوبند ☆ البحر الرائق: ۱/۵۱۲-۵۲۵، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الكتاب- ديوبند)

اختلفوا في تسليم المقتدي، قال الفقيه أبو جعفر المختار أن ينتظر إذا سلم الإمام عن يمينه يسلم المقتدي عن يمينه وإذا فرغ عن يساره يسلم المقتدي عن يساره. كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱/۷۷، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها وكيفيتها، ط: دار الفكر- بيروت)

(۱) عن ثوبان، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم، إذا انصرف من صلاته استغفر ثلاثاً وقال: اللهم أنت السلام ومنك السلام، تباركت ذا الجلال والإكرام، قال الوليد: فقلت للأوزاعي: "كيف الاستغفار؟ قال: تقول: أستغفر الله، أستغفر الله". (الصحيح لمسلم: ۱/۲۱۸، رقم الحديث: ۱۳۵-۵۹۱)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته، ط: البدر- ديوبند)

عن عائشة- رضي الله تعالى عنها-، قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا سلم لم يقعد إلا مقدار ما يقول: «اللهم أنت السلام ومنك السلام، تباركت ذا الجلال والإكرام، وفي رواية ابن نمير: يا ذا الجلال والإكرام». [حواله سابق، حديث نمبر: ۱۳۶-۵۹۲]

عن وراذ، مولى المغيرة بن شعبة، قال: كتب المغيرة بن شعبة إلى معاوية، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا فرغ من الصلاة وسلم، قال: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير، اللهم لا مانع لما أعطيت، ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد. [حواله سابق، حديث نمبر: ۱۳۷-۵۹۳]

تاہم جن نمازوں کے بعد سنن مؤکدہ ہیں، ان میں مختصر و ماثر دعا کرنی چاہیے، کہ سنت کو فرض سے زیادہ موثر کرنا مکروہ ہے: إذا فرغ الإمام من الصلاة، فلا يخلو إما أن كانت صلاة لا تصلى بعدها سنة: أو كانت صلاة تصلى بعدها سنة: فإن كانت صلاة لا تصلى بعدها سنة كالفجر والعصر فإن شاء الإمام قام، وإن شاء قعد في مكانه يشتغل بالدعاء؛ لأنه لا =

## [۸] نماز کے بعد دعاء کرنا

۶۲۹- سوال: نماز کے بعد دعاء کرنا کیسا ہے، سنت ہے یا بدعت؟

الجواب حامدا ومصليا:

فرض نماز کے بعد دعاء کرنا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، بخاری شریف میں ایک روایت ہے کہ آں حضرت ﷺ ہر فرض کے بعد ”لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير، اللهم لا مانع لما أعطيت، ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد.“ (بخاری شریف، کتاب الصلاة) [۱] پڑھا کرتے تھے۔

= تطوع بعد ہاتین الصالحین فلا بأس بالقعود، إلا أنه يكره المكث على هيئته مستقبل القبلة لما روي عن عائشة - رضي الله عنها - أن النبي - صلى الله عليه وسلم - كان إذا فرغ من الصلاة لا يمكث في مكانه إلا مقدار أن يقول: اللهم أنت السلام ومنك السلام تباركت يا ذا الجلال والإكرام....

(وإن) كانت صلاة بعدها سنة يكره له المكث قاعدا، وكرهه القعود مروية عن الصحابة - رضي الله عنهم - روي عن أبي بكر وعمر - رضي الله عنهما - أنهما كانا إذا فرغا من الصلاة قاما كأنهما على الرضف. (بدائع الصنائع: ۱۵۹/۱-۱۶۰، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يستحب للإمام أن يفعله عقب الفراغ من الصلاة، ط: دار الكتب العلمية) ويكره تأخير السنة إلا بقدر اللهم أنت السلام إلخ. قال الحلواني: لا بأس بالفصل بالأوراد واختاره الكمال. قال الحلبي: إن أريد بالكره التنزيهية ارتفع الخلاف قلت: وفي حفطي حمله على القليلة؛ ويستحب أن يستغفر ثلاثا، ويقرأ آية الكرسي والمعوذات، ويسبح، ويحمد، ويكبر ثلاثا وثلاثين؛ ويهمل تمام المائة ويدعو ويختتم بسبحان ربك. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: وأما ما ورد من الأحاديث في الأذكار عقب الصلاة، فلا دلالة فيه على الإتيان بها قبل السنة، بل يحمل على الإتيان بها بعدها؛ لأن السنة من لواحق الفريضة وتوابعها ومكملاتها فلم تكن أجنبية عنها، فما يفعل بعدها يطلق عليه أنه عقب الفريضة. — وقول عائشة بمقدار لا يفيد أنه كان يقول ذلك بعينه، بل كان يقعد بقدر ما يسعه ونحوه من القول تقريبا، فلا ينافي ما في الصحيحين من ”أنه - صلى الله عليه وسلم - كان يقول في دبر كل صلاة مكتوبة: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير، اللهم لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد.“ وتامه في شرح المنية، وكذا في الفتح من باب الوتر والنوافل. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۳۰، باب صفة الصلاة، مطلب هل يفارقه الملكان، ط: دار الفكر - بيروت)

[۱] صحيح البخاري: ۱/۱۱۷، رقم الحديث: ۸۴۴، كتاب الأذان، باب الذكر بعد الصلاة، ط: البدر - ديوبند ☆

الصحيح لمسلم: ۱/۲۱۸، رقم الحديث: ۱۳۷- (۵۹۱)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب الذكر

بعد الصلاة وبيان صفته، ط: البدر - ديوبند)

حضرت ابوسعید سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ کیا آپ نے وہ کلمات یاد کیے ہیں، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے، تو انہوں نے جواب دیا کہ: جی ہاں! آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم "سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين" پڑھا کرتے تھے۔ (مجمع الزوائد) [۲]

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ کون سی دعاء قبول ہوتی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: رات کے آخری حصے اور ہر فرض نماز کے بعد کی دعاء قبول ہوتی ہے۔ (۳) ایک دوسری حدیث میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے یہ فرمایا کہ تم کبھی بھی نماز کے بعد اس دعاء کو مت چھوڑو: "اللهم أعني على ذكرك، وشكرك، وحسن عبادتك". (۴) ان کے علاوہ اور بھی متعدد احادیث میں فرض نماز کے بعد دعاء کرنا ثابت ہے، مگر آہستہ دعاء کرنا مستحب ہے۔ (۵) ہاں جہراً دعاء کرنے میں مسبوق کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہو، تو مکروہ ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۹] نماز کا وقت ہو جانے پر قبرستان میں وقتیہ نماز پڑھنا

۶۳۰-سوال: ہمارے یہاں قبرستان میں نماز پڑھنے کے لیے جگہ مختص ہے، بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ میت کی تدفین کے بعد عصر کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے، تو کیا عصر کی نماز قبرستان کی اس جگہ میں پڑھ سکتے ہیں؟

[۲] عن أبي هارون قال: قلنا لأبي سعيد: هل حفظت عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - شيئا كان يقوله بعد ما سلم؟ قال: نعم كان يقول: "سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين". رواه أبو يعلى ورجاله ثقات. (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد - أبو الحسن نور الدين علي بن أبي بكر بن سليمان الهيثمي (م: ۸۰۷-هـ): ۱۴۷/۲، رقم الحديث: ۲۸۹۱، كتاب الصلاة، باب ما يقول من الذكر والدعاء عقب الصلاة، ت: حسام الدين القدسي، ط: مكتبة القدسي، القاهرة)

(۳) عن أبي أمامة، قال: قيل يا رسول الله: أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر، ودبر الصلوات المكتوبات. (سنن الترمذي: ۱۸۷/۲، رقم الحديث: ۳۴۹۹، أبواب الدعوات، باب بعد: باب ما جاء في عقد التسبيح باليد)

(۴) عن معاذ بن جبل، أن الرسول صلى الله عليه وسلم أخذ بيده، وقال: يا معاذ، والله إنني لأحبك، والله إنني لأحبك، فقال: "أوصيك يا معاذ لا تدعن في دبر كل صلاة تقول: اللهم أعني على ذكرك، وشكرك، وحسن عبادتك". (سنن أبي داود: ۲۱۳/۱، رقم الحديث: ۱۵۲۲، كتاب الصلاة، باب في الاستغفار، ط: البدر - ديوبند)

(۵) ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يَحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٥٥﴾ (ل-الأعراف: ۵۵)

وَأَذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً وَذُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ ﴿٢٠٥﴾ (ل-الأعراف: ۲۰۵)

## الجواب حامداً ومصلياً

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: میرے لیے اور میری امت کے لیے زمین کے ہر حصہ کو مسجد بنایا گیا ہے۔ (بخاری: ۱/۳۸) [۱] اس لیے اگر زمین پاک ہو اور سامنے قبر نہ ہو، تو قبرستان میں بھی فرض نماز پڑھنا جائز ہے۔ (۲) آپ کی تحریر کے مطابق جب نماز کے لیے جگہ متعین کر دی گئی ہے اور پاک ہونے کا یقین ہے، تو وقت ہو جانے پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۰] تکبیرات انتقالیہ کا ابتدائی اور انتہائی وقت

۶۳۱- سوال: امام تکبیرات انتقالیہ کب شروع کرے اور کب ختم کرے؟

## الجواب حامداً ومصلياً:

ایک رکن ادا کر کے دوسرے رکن کی طرف جاتے ہی تکبیرات انتقالیہ (اللہ اکبر، سمع اللہ لمن حمدہ) شروع کر دینی چاہیے اور دوسرا رکن شروع ہوتے ہی ختم کر دینی چاہیے۔ [۳] فقط اللہ اعلم بالصواب۔

(۱) عن جابر بن عبد الله، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أعطيت خمسا لم يعطهن أحد قبلي: نصرت بالرعب مسيرة شهر، وجعلت لي الأرض مسجداً وطهوراً، فأما رجل من أمتي أدر كته الصلاة فليصل، وأحلت لي المغانم ولم تحل لأحد قبلي، وأعطيت الشفاعة، وكان النبي يبعث إلى قومه خاصة وبعثت إلى الناس عامة." (صحيح البخاري: ۱/۲۸، رقم الحديث: ۳۳۵، كتاب التيمم، قبل باب إذا لم يجد ماءً أو لا تراً، وانظر رقم: ۴۳۸، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۱۹۹، رقم الحديث: ۳- (۵۲۱)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب جعلت لي الأرض مسجداً وطهوراً، قبل: باب تحويل القبلة من القدس إلى الكعبة، ط: البدر - ديوبند)

(۲) إلا إذا غسل موضعاً منه ولا تمثال، أو صلى في موضع نزع الثياب، أو كان في المقبرة موضع أعد للصلاة ولا قبر ولا نجاسة فلا بأس كما في الخانية. اهـ... وفي القهستاني: لا تكرر الصلاة في جهة قبر إلا إذا كان بين يديه؛ بحيث لو صلى صلاة الخاشعين وقع بصره عليه كما في جنائز المضمورات. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۶۵۴، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في بيان السنة، والمكروه، ط: دار الفكر) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: "عید گاہ میں نماز جنازہ اور جنازہ گاہ میں عید کی نماز پڑھنا"۔

[۳] (ثم) كما فرغ (يكبر) مع الانحطاط (للركوع) [اندر المختار] — قال ابن عابدين: (قوله مع الانحطاط) أفاد أن السنة كون ابتداء التكبير عند الخرورج وانتهاه عند استواء الظهر وقيل إنه يكبر قائماً، والأول هو الصحيح كما في المضمورات وتمامه في القهستاني. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۴۹۳، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۷۴-۷۵، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سننها وأدائها... الخ، ط: زكريا - ديوبند)

## [۱۱] سورہ فاتحہ اور ضم سورت کی حیثیت

۶۳۲-سوال: نماز میں قراءت فرض ہے؛ لیکن واجبات صلوة میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا اور اس کے ساتھ کسی سورت کو ملانا ہے، تو پھر ان دونوں میں کون سی قراءت فرض ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

نفس قراءت فرض ہے، پورے قرآن مجید میں سے جہاں سے بھی پڑھا جائے، فرضیت ادا ہو جائے گی۔<sup>(۱)</sup> احناف کے یہاں سورہ فاتحہ کا پڑھنا مستقل واجب ہے، اسی طرح اس کے ساتھ کسی سورت کا ملانا بھی مستقل واجب ہے۔ کسی سورت کو ملائے یا کسی بھی جگہ سے تین چھوٹی آیات پڑھے، واجب ادا ہو جائے گا، مقتدی کے لیے احناف کے مذہب کے مطابق امام کے پیچھے قراءت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔<sup>(۲)</sup>

خلاصہ یہ کہ پورے قرآن مجید میں سے جہاں کہیں سے بھی پڑھے گا، فرضیت قراءت ادا ہو جائے گی، البتہ سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، اس کے بعد کسی سورت کا ملانا یا کم از کم ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیات کا اس طور پر پڑھنا لازم ہے کہ ان میں کم از کم تیس حروف ہوں، جیسے: **ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَكَسَرَ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝** اس طرح قراءت کی فرضیت بھی ادا ہو جائے گی اور وجوب بھی۔

الغرض نفس قراءت فرض ہے اور سورہ فاتحہ اور ضم سورت واجب، سورہ فاتحہ یا ضم سورت کے ضمن میں فرضیت خود بہ خود ادا ہو جاتی ہے۔

(۱) قوله تعالى: **فَاقْرَأُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا**. (۷۳- المزل: ۲۰) (من فرائضها) التي لا تصح بدونها (التحریم) قائما... (ومنها القراءة). [الدر المختار شرح تنویر الأبصار وجامع البحار- علاء الدین الحصکفی الحنفی (م: ۱۰۸۸ھ): ۶۲/۱، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ت: عبد المنعم خليل إبراهيم، ط: دار الكتب العلمية]

(۲) **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ** (۷۷- الاحراف: ۲۰۳) وتكره القراءة خلف الإمام عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى. هكذا في الهداية. (الفتاوى الهندية: ۱۰۹/۱، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لا يكره، ط: دار الفكر) قال في الخزانين: وفي الكافي: ومنع المؤتم من القراءة مأثور عن ثمانين نفرا من كبار الصحابة، منهم المرتضى والعبادلة وقد دون أهل الحديث أساميمهم. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۳۵/۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع يجب الاستماع للقراءة مطلقا، قبيل: مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية، ط: دار الفكر- بيروت)

اگر کوئی فرض چھوٹ جائے، تو نماز کا اعادہ ضروری ہے؛ لیکن اگر واجب چھوٹ جائے، تو اس کی سجدہ سہو سے تلافی ہو جاتی ہے، الا یہ کہ واجب کو جان بوجھ کر ترک کر دیا ہو، تو اس صورت میں سجدہ سہو سے تلافی نہیں ہوتی، گرچہ اصل فرضیت ساقط ہو جاتی ہے، تاہم نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے۔<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۲] ظہر کی سنن قبلیہ کی چوتھی رکعت میں ضم سورت کا حکم

۶۳۳- سوال: ظہر کی سنن قبلیہ کی چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد کوئی سورت ملائی یا نہیں؟ ایسا شک رکوع میں جانے کے بعد ہوا تو کیا کرے؟ یا واقعی سورت ملانا ہی بھول گیا، رکوع اور سجدہ کر لیا اور قعدہ میں یاد آیا، تو کیا کرے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

شک کی وجہ سے کوئی حکم نہیں لگے گا اور نماز صحیح ہو جائے گی۔<sup>(۲)</sup> قعدہ میں یاد آیا کہ سورت ملانا بھول گیا، تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] (ولها واجبات) لا تفسد بتركها وتعاد وجوبا في العمدة والسهو إن لم يسجد له، وإن لم يعدها يكون فاسقا أتما، وكذا كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها.... (وهي)... (قراءة فاتحة الكتاب) فيسجد للسهو بترك أكثرها لا أقلها، لكن في المجتبى: يسجد بترك آية منها، وهو أولى.... (وضم) أقصر (سورة) كالكوثر أو ما قام مقامها، وهو ثلاثة آيات قصار، نحو: تَمَّ نَظْرٌ ۖ تَمَّ عَبَسَ ۖ وَبَسَرَ ۖ تَمَّ أَدْبَرَ ۖ وَاسْتَكْبَرَ ۖ وكذا لو كانت الآية أو الأيتان تعدل ثلاثا قصارا. ذكره الحلبي (في الاولين من الفرض)... (و) في (جميع) ركعات (النفل). [حوالہ سابق: ۱/ ۶۳ ☆ الفتاویٰ الہندیہ: ۱/ ۲۹ و ۷۱، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة، والفصل الثاني في واجبات الصلاة، ط: زكريا- ديوبند]

(۲) اليقين لا يزول بالشك. (الاشباه والنظائر- ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ)۔ ۴: ۷۷، القاعدة الثالثة، ت: الشيخ زكريا عميرات، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ شرح القواعد الفقهية- أحمد بن الشيخ محمد الزرقا (۱۲۸۵ھ- ۱۳۵۷ھ)۔ ۷: ۷۹، ت: مصطفى أحمد الزرقا، ط: دار القلم- دمشق/ سوريا ☆ قواعد الفقه- محمد عميم الإحسان المجددي البركتي (م: ۱۳۹۵ھ)۔ ۱۳۳، رقم: ۴۲۱، ط: الصدق بيلشرز- كراتشي)

(۳) (ولها واجبات) لا تفسد بتركها وتعاد وجوبا في العمدة والسهو إن لم يسجد له، وإن لم يعدها يكون فاسقا أتما.... (وهي)... (وضم) أقصر (سورة) كالكوثر أو ما قام مقامها، وهو ثلاثة آيات قصار، نحو: تَمَّ نَظْرٌ ۖ تَمَّ عَبَسَ ۖ وَبَسَرَ ۖ تَمَّ أَدْبَرَ ۖ وَاسْتَكْبَرَ ۖ وكذا لو كانت الآية أو الأيتان تعدل ثلاثا قصارا. ذكره الحلبي (في الاولين من الفرض)... (و) في (جميع) ركعات (النفل). [الدر المختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار- علاء الدين الحصكفي الحنفي (م: ۱۰۸۸ھ)۔ ۱/ ۶۳، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ت: عبد المنعم خليل إبراهيم، ط: دار =

## [۱۳] مقتدی کا سورہ فاتحہ پڑھنا

۶۳۴-سوال: جو شخص امام کے ساتھ ظہر یا عصر کی نماز پڑھے، تو اس کے لیے آخری دو رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

## الجواب حامداً ومصلياً:

مسلكِ حنفی کے مطابق وہ تمام نمازیں جو امام کے پیچھے پڑھی جائیں، خواہ اُن میں قرأتِ سرأ (آہستہ) ہو، یا جبرأ (آواز سے) ہو، دونوں صورتوں میں مقتدی تکبیر تحریمہ کے بعد صرف ثناء پڑھے، اور اگر جبری قرأت شروع ہو چکی ہو، تو پھر ثناء بھی نہ پڑھے، لہذا مقتدی کا امام کے پیچھے قرأت کرنا جائز نہیں ہے:

وتكره القراءة خلف الإمام عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى. هكذا في الهداية. (عالم گیری)<sup>[۱]</sup>

(والمؤتم لا يقرأ مطلقاً) ولا الفاتحة في السرية اتفاقاً، وما نسب لمحمد ضعيف كما بسطه الكمال. (فإن قرأه تحريماً) ونصح في الأصح. (در مختار)<sup>[۲]</sup> فقط، والله أعلم بالصواب۔

## [۱۴] واجبات، سنن اور نوافل کی ہر رکعت میں اور فرض کی پہلی دو رکعات میں قرأت کی حکمت

۶۳۵-سوال: واجبات، سنن اور نوافل کی تمام رکعات میں قرأت ہوتی ہے، جب کہ فرض نماز کی صرف پہلی دو رکعت میں قرأت کا حکم ہے، اس کی حکمت کیا ہے؟

## الجواب حامداً ومصلياً:

شریعتِ مطہرہ کے تمام احکام کا مدار اطاعت پر ہے، قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

=الكتب العلمية ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۶۹ و ۱، الفصل الأول في فرائض الصلاة و الفصل الثاني في واجبات الصلاة، ط: زكريا-ديوبند

[۱] الفتاوى الهندية: ۱/۱۰۹، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لا يكره، ط: دار الفكر-بيروت.

[۲] الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۵۳۵، باب صفة الصلاة، باب في القراءة، ط: دار الفكر.

وَمَا أَنسِكُمْ الرَّسُولُ فَعْدُوهُ وَمَا تَهَكَّمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا، وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱﴾

ترجمہ: اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں جو کچھ دیں، وہ لے لو، اور جس چیز سے منع کریں، اس سے رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

بخاری اور مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں، تو تم سے جس قدر ہو سکے، اُس پر عمل پیرا رہو، اور جس چیز سے میں تمہیں منع کروں اُسے چھوڑ دو، اِس لیے کہ تم سے پہلے بہت سی اُمّتیں اُن کے نبی کے سامنے غیر ضروری سوالات کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں۔<sup>(۲)</sup>

قرآن پاک کی مذکورہ آیت اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ احکام شریعت میں اطاعت ہی مطلوب ہے، بلاچوں و چرا احکام الہی کو تسلیم کرنا ہی بندے کی شان ہے، خواہ بندہ اُن احکام کی حکمت جانتا ہو یا نہ جانتا ہو، دنیا میں ہم رات دن دیکھتے ہیں کہ حکومت کی جانب سے جب کوئی فرمان جاری کیا جاتا ہے تو رعایا فوراً اُس پر عمل شروع کر دیتی ہے، کوئی اُس قانون کی حکمت نہیں پوچھتا، اور حکمت نہ جاننے کے باوجود، خواہی نہ خواہی اُس پر عمل کرنا ہی پڑتا ہے، بصورت دیگر سزا ہوتی ہے، پھر بسا اوقات قانون کے ماہرین اور وکلاء اُس قانون کی حکمت معلوم کر لیتے ہیں، اور کبھی اُن کی رسائی حکمت تک نہیں بھی ہوتی، تاہم قانون پر تو ہر حال میں عمل ضروری ہوتا ہے، علاوہ ازیں ہر شخص کی عقل ہر بات کی حکمت کا ادراک کر لے یہ بھی ضروری نہیں۔

بالکل اسی طرح فرامین خداوندی کے بارے میں کسی بندے کو حکمت معلوم کرنے کا کوئی حق نہیں، اور نہ تو عمل کرنا حکمت کے معلوم ہونے پر موقوف ہے، ہاں یہ بات اور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے ایسے

[۱] ۵۹-الحشر: ۷۔

(۲) عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: دعوني ما تركتكم، إنما هلك من كان قبلكم بسؤالهم واختلافهم على أنبيائهم، فإذا نهيتكم عن شيء فاجتنبوه، وإذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم. (صحيح البخاري: ۲/۱۰۸۲، رقم الحديث: ۷۲۸۸، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله صلى الله عليه وسلم، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۲/۲۶۲، رقم الحديث: ۱۳۰-۱۳۳، كتاب الفضائل، باب توقيره صلى الله عليه وسلم، وترك إكثار سؤاله عما لا ضرورة إليه، أو لا يتعلق به تكليف وما لا يقع، ونحو ذلك، ط: البدر - ديوبند)



بندے، جن کو اللہ تعالیٰ نے تفقہ فی الدین سے نواز اہوتا ہے، اُن پر احکام شریعت کی حکمتیں اور اسرار، بفضلہ تعالیٰ کھلتے ہیں، لیکن ایسے ماہر علماء و فقہاء کی تعداد بھی بہت کم ہے، لہذا حکم و اسرار اُن کی کتابوں سے جانے جاسکتے ہیں، آپ نے جن حکمتوں کے متعلق سوال کیا ہے، اُن کی کچھ تفصیل پیش خدمت ہے:

مسئلہ احناف کے مطابق فرض نماز کی پہلی دو رکعت میں قراءت کی جاتی ہے، وجہ اُس کی یہ ہے کہ قرآن کریم کا حکم اس سلسلے میں مطلق ہے: ”فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ“<sup>(۳)</sup> یعنی قرآن کریم میں سے جو تم بہ آسانی پڑھ سکتے ہو، اُسے پڑھو۔

اس حکم کے پیش نظر تو صرف ایک رکعت میں بھی قراءت کر لی جاتی، تو کافی تھا؛ مگر احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض نماز کی پہلی دو رکعت حکم کے اعتبار سے بعد والی دو رکعت سے کچھ مختلف ہیں، جیسا کہ حالت سفر میں چار رکعات والی نماز میں قصر کیا جاتا ہے، تو پہلی دو رکعت پڑھی جاتی ہے اور بعد والی دونوں ساقط ہو جاتی ہیں، نیز ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نماز جب ابتدا میں فرض ہوئی، تو دو، دو رکعات تھیں، پھر حالت سفر میں اُن دو کو باقی رکھا گیا، اور حالت اقامت میں دو کا اضافہ کیا گیا۔<sup>(۴)</sup>

اس سے معلوم ہوا کہ بعد والی دو رکعات جن کا اضافہ ہوا ہے وہ پہلی دو رکعات سے کچھ مختلف ہیں، لہذا پہلی دونوں رکعات میں قراءت کی جائے گی، اور بعد والی دو رکعات میں صرف سورہ فاتحہ پر اکتفاء کیا جائے گا۔ (بدائع الصنائع: ۱/۱۱۱، فصل ارکان الصلاة، ط: دارالکتب العلمیہ - بیروت)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ: فرض نماز کی وہ رکعات، جو کسی بھی حال میں ساقط نہیں ہوتیں، وہ کل گیارہ رکعات ہیں، اسی طرح تہجد کے ساتھ وتر ملا کر کل گیارہ رکعات ہیں، یہ ایک بابرکت اور معتدل عدد ہے، ایسا کثیر بھی نہیں کہ لوگوں کے لیے اُس پر عمل کرنا دشوار ہو، اور اتنا قلیل بھی نہیں کہ نماز کا مقصد حاصل نہ ہو، چنانچہ ابتداء اسلام میں اسی پر عمل کروایا گیا، پھر جب ہجرت کے بعد دین اسلام کو تقویت حاصل ہوئی، اطاعت کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوا، دین میں لوگوں کی رغبت بڑھ گئی، تو ظہر، عصر اور

(۳) - ۷۳ - المزمّل: ۲۰.

(۴) عن عائشة أم المؤمنين، قالت: فرض الله الصلاة حين فرضها، ركعتين ركعتين، في الحضر والسفر، فأقرت صلاة السفر، وزيد في صلاة الحضر. (صحيح البخاري: ۱/۵۱، رقم الحديث: ۳۵۰، كتاب الصلاة، باب: كيف فرضت الصلاة في الإسراء؟ ط: البدر - ديوبند)

عشاء میں چھ رکعات کا اضافہ کیا گیا، اور سفر کی نماز کو حسب سابق برقرار رکھا گیا، ان ساری تفصیل کا خلاصہ یہ نکلا کہ فرض نماز میں جن رکعات کا اضافہ کیا گیا ہے، اُن میں قراءت نہیں ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ: ۶/۲)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۵] فجر، مغرب اور عشاء میں جہری اور ظہر و عصر میں سری قراءت کی حکمت

۶۳۶-سوال: فجر، مغرب اور عشاء کی نمازوں میں قراءت جہری ہوتی ہے، جب کہ ظہر اور عصر میں قراءت سری ہوتی ہے، اُس کی کیا حکمت ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

ظہر اور عصر کی نماز کے اوقات ایسے ہیں کہ اُن میں تمام لوگ اپنی مشغولیات میں ہوتے ہیں، بازار وغیرہ میں شور و ہنگامے ہوتے ہیں، تو ان اوقات میں دل کو مزید خشوع و خضوع اور توجہ الی اللہ حاصل ہو سکے؛ اس لیے سری قراءت کا حکم دیا گیا ہے، اور ان اوقات کے علاوہ دیگر اوقات میں عام طور فضا پر سکون ہوتی ہے، اور لوگ اطمینان سے آرام کرتے ہیں، اس لیے جہری قراءت کا حکم ہوا، تاکہ لوگوں کو اللہ کی یاد دلائی جائے، کہ وہ ان اوقات میں ذکر اللہ سے غفلت نہ برتیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ)<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

[۱] أقول الأصل في عدد الركعات أن الواجب الذي لا يسقط بحال إنما هو إحدى عشر ركعة، وذلك لأنه اقتضت حكمة الله ألا يشرع في اليوم والليل إلا عددًا مباركا متوسطا لا يكون كثيرا جدا، فيعسر إقامته على المكلفين جميعا، ولا قليلا جدا، فلا يفيد لهم ما أريد من الصلاة، وقد علمت فيما سبق أن الأحد عشر من بين الأعداد أشبهها بالوتر الحقيقي، ثم لما هاجر النبي صلى الله عليه وسلم واستقر الإسلام، وكثر أهله، وتوفرت الرغبات في الطاعة زيدت ست ركعات، وأبقيت صلاة السفر على النمط الأول. (حجة الله البالغه - أحمد بن عبد الرحيم بن الشهيد وجيه الدين بن معظم بن منصور المعروف بـ 'الشاه ولي الله الدهلوي' (م: ۶۷۷ھ) ۱۱/۲، الأمور التي لا بد منها في الصلاة، ت: السيد سابق، ط: دار الجيل - بيروت)

[۲] والسر في مخالفته الظهر والعصر أن النهار مظنة الصخب واللغظ في الأسواق والدور، وأما غيرهما فوقيت هدوء الأصوات والجهر أقرب إلى تذكروم واتعاظهم. (حجة الله البالغه - أحمد بن عبد الرحيم بن الشهيد وجيه الدين بن معظم بن منصور المعروف بـ 'الشاه ولي الله الدهلوي' (م: ۶۷۷ھ) ۱۵/۲، أذكار الصلاة وهيأتها المنذوب إليها، ت: السيد سابق، ط: دار الجيل - بيروت)

## [۱۶] نماز میں زائد دعاؤں کے پڑھنے کا حکم

۶۳- سوال: نماز فرض، نفل اور سنت میں ”ربنا لك الحمد“ کے بعد ”حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه“ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور سجدے میں ”سبحان ربی الاعلیٰ“ کے بعد ”سُبُوْحٌ قَدُوْسٌ، رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ“ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور دونوں سجدے کے درمیان جلسے میں ”اللهم اغفر لي وارحمني وعافني واهدني وازقني واجبرني وارفع عني“ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ مذکورہ دعائیں امام کے ساتھ اور علاحدہ بہر دو صورت میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

## الجواب حامداً ومصلياً:

رکوع، سجدے اور جلسے میں جو ذکر آں حضرت ﷺ سے منقول ہیں، انہی کو پڑھنا سنت ہے؛ اس لیے رکوع میں ”سبحان ربی العظیم“ اور سجدے میں ”سبحان ربی الاعلیٰ“ پڑھنا چاہیے۔<sup>(۱)</sup> دونوں سجدوں کے درمیان اگر امام پڑھے گا، تو مقتدیوں پر بوجھ بنے گا اور مقتدی پڑھے گا، تو اپنے امام کی اقتدا نہیں کر سکے گا؛ لہذا منفرداً اگر سوال میں مذکور دعائیں دونوں سجدوں کے درمیان، رکوع اور سجدے میں اور رکوع

(۱) ویقول ”سبحان ربی العظیم ثلاثاً، وذلك أدناه“ لقوله عليه الصلاة والسلام ”إذ ركع أحدكم فليقل في ركوعه سبحان ربی العظیم ثلاثاً، وذلك أدناه“ أي أدنى كمال الجمع، ثم يرفع رأسه، ويقول سمع الله لمن حمده، ويقول المؤمن ربنا لك الحمد ولا يقولها الإمام عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وقالوا: يقولها في نفسه ”لما روى أبو هريرة رضي الله عنه أن النبي عليه الصلاة والسلام كان يجمع بين الذكركين...“ ويقول في سجوده سبحان ربی الاعلیٰ ثلاثاً وذلك أدناه ”لقوله عليه الصلاة والسلام“ وإذا سجد أحدكم فليقل في سجوده سبحان ربی الاعلیٰ ثلاثاً وذلك أدناه ”أي أدنى كمال الجمع.

ويستحب أن يزيد على الثلاث في الركوع والسجود بعد أن يختم بالوتر لأنه عليه الصلاة والسلام كان يختم بالوتر وإن كان إماماً لا يزيد على وجه يمل القوم حتى لا يؤدي إلى التنفير ثم تسيبحات الركوع والسجود سنة لأن النص تناولهما دون تسيبحاتهما فلا يزال ادعى النص. (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر، المرغيناني، أبو الحسن، برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۵۰/۱-۵۲، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت)

سے کھڑے ہونے کے بعد پڑھنا چاہیے، تو پڑھ سکتا ہے۔<sup>(۲)</sup> ان دعاؤں کا ثبوت بھی احادیث کی کتابوں سے ملتا ہے۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) (ولیس بینہما ذکر مسنون، وکذا) لیس (بعد رفعہ من الرکوع) دعاء، وکذا لا یأتی فی رکوعہ وسجودہ بغیر التسییح (علی المذہب) وماورد محمول علی النفل۔ (الدر المختار)

قال ابن عابدین: قوله وليس بينهما ذكر مسنون) قال أبو يوسف: سألت الإمام أيقول الرجل إذا رفع رأسه من الركوع والسجود اللهم اغفر لي؟ قال: يقول ربنا لك الحمد وسكت، ولقد أحسن في الجواب إذ لم ينه عن الاستغفار نهر وغيره. — أقول: بل فيه إشارة إلى أنه غير مكروه إذ لو كان مكروهاً لنهى عنه كما ينهى عن القراءة في الركوع والسجود وعدم كونه مسنوناً لا ينافي الجواز كالتسمية بين الفاتحة والسورة؛ بل ينبغي أن يندب الدعاء بالمغفرة بين السجدين خروجا من خلاف الإمام أحمد؛ لإبطاله الصلاة بتركه عامداً ولم أر من صرح بذلك عندنا، لكن صرحوا باستحباب مراعاة الخلاف، والله أعلم. — (قوله وماورد إلخ) فمن الوارد في الركوع والسجود ما في صحيح مسلم، أنه - صلى الله عليه وسلم - كان إذا ركع قال: اللهم لك ركعت وبك آمنت ولك أسلمت خشع لك سمعي وبصري ومخي وعظمي وعصبي، وإذا سجد قال: اللهم لك سجدت وبك آمنت ولك أسلمت، سجد وجهي للذي خلقه وصوره وشق سمعه وبصره تبارك الله أحسن الخالقين، والوارد في الرفع من الركوع أنه كان يزيد، ملء السموات والأرض وملء ما شئت من شيء بعد أهل الثناء والمجد أحق ما قال العبد وكلنا لك عبد لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد. رواه مسلم وأبو داود وغيرهما. — وبين السجدين "اللهم اغفر لي وارحمني وعافني واهدني وارزقني". رواه أبو داود، وحسنه النووي وصححه الحاكم، كذا في الحلية. — (قوله محمول على النفل) أي تهجداً أو غيره خزائن. وكتب في هامشه: فيه رد على الزيلعي حيث خصه بالتهجد. اهـ. ثم الحمل المذكور صرح به المشايخ في الوارد في الركوع والسجود، وصرح به في الحلية في الوارد في القومة والجلسة وقال على أنه إن ثبت في المكتوبة فليكن في حالة الانفراد، أو الجماعة والمأمومون محصورون لا يتقبلون بذلك كما نص عليه الشافعية، ولا ضرر في التزامه وإن لم يصرح به مشايخنا فإن القواعد الشرعية لا تنبؤ عنه، كيف والصلاة والتسييح والتكبير والقراءة كما ثبت في السنة. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۰۵-۵۰۶، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، ط: دار الفكر)

(۳) عن رفاعة بن رافع الزرقني، قال: "كنا يوماً نصلي وراء النبي صلى الله عليه وسلم، فلما رفع رأسه من الركعة قال: سمع الله لمن حمده"، قال رجل وراءه: ربنا ولك الحمد حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه، فلما انصرف، قال: من المتكلم؟ قال: أنا، قال: رأيت بضعة وثلاثين ملكاً يبتدونها أيهم يكتبها أول. (صحيح البخاري: ۱۱۰/۱، رقم الحديث: ۷۹۹، كتاب الأذان، باب فضل اللهم ربنا لك الحمد، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۲۱۹/۱، رقم الحديث: ۱۳۹-۶۰۰)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، وباب ما يقال بين تكبيرة الإحرام والقراءة، ط: ديوبند عن عائشة رضي الله عنها، قالت: "كان النبي صلى الله عليه وسلم يقول في ركوعه وسجوده: سبحانك اللهم ربنا وبحمدك اللهم اغفر لي". (صحيح البخاري: ۱۰۹/۱، رقم الحديث: ۷۹۳، كتاب الأذان، باب الدعاء في الركوع)

## [۱۷] نماز کے بعد طلب رزق کی دعا اخلاص کے منافی نہیں

۶۳۸-سوال: علماء کرام فرماتے ہیں کہ نماز کے ذریعہ رزق طلب نہ کرنا چاہیے؛ کیوں کہ نماز کا اخلاص یہی ہے کہ وہ صرف رضائے الہی کے لیے پڑھی جائے، اس کے ذریعہ کوئی حاجت طلب نہ کی جائے، تو سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت اور ضرورت کے مطالبہ کی دوسری شکل کیا ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

نماز فرض ہو یا نفل یا صلاۃ الحاجۃ، اس کو اللہ کی عبادت کے طور پر اور اللہ کے دربار میں عاجزی کے ساتھ ادا کرنی چاہیے، اس خیال اور توجہ سے پڑھنی چاہیے کہ وہ خالق اور مالک ہے اور میں اس کا بندہ ہوں، دنیا اور آخرت کی بھلائی کا میں محتاج ہوں اور خصوصاً حالت نماز میں یہی سوچنا چاہیے کہ میں اللہ کی بندگی کرتا ہوں؛ کیوں کہ وہ میرا رب ہے، وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور میں اس کے سوا دوسرے کی عبادت نہیں کرتا ہوں، جب اپنی عاجزی کا اظہار کر دیا، پھر نماز کے بعد کسی بھی حاجت کا مطالبہ کرے گا، تو یہ مناسب درخواست ہوگی اور ان شاء اللہ قبول ہوگی؛ بہر حال نماز میں اخلاص ایک الگ چیز ہے اور نماز کے بعد اپنی حاجت کا مطالبہ الگ چیز ہے، حدیث شریف میں بھی آتا ہے کہ جب کوئی مصیبت آجائے، تو نماز کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۸] اگر امام پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو، اور مقتدی اقتدا نہ کرے، تو کیا حکم ہے؟

۶۳۹-سوال: ظہر کی فرض نماز میں امام صاحب چوتھی رکعت پر نہیں بیٹھے، پانچویں رکعت کو

(۱) اِنْفِیْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِیْذِکْرِیْ ۝ (۲۰- طہ: ۱۴)

عن ابي هريرة، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم بارزا يومًا للناس، فأتاه رجل فقال: ما الإيمان؟ قال: الإيمان أن تؤمن بالله وملائكته، وكتبه، وبلقائه، ورسله وتؤمن بالبعث. قال: ما الإسلام؟ قال: "الإسلام: أن تعبد الله، ولا تشرك به شيئاً، وتقيم الصلاة، وتؤدي الزكاة المفروضة، وتصوم رمضان". قال: ما الإحسان؟ قال: "أن تعبد الله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك." (صحيح البخاري: ۱/۱۲، رقم الحديث: ۵۰، كتاب الإيمان، باب سؤال جبريل النبي صلى الله عليه وسلم عن الإيمان، والإسلام، والإحسان، وعلم الساعة، وانظر: رقم: ۴۴۷۷، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۲۷، رقم الحديث: ۵- (۹)، كتاب الإيمان، باب: الإيمان ما هو وبين خصاله، ط: البدر - ديوبند)

چوتھی رکعت سمجھ کر کھڑے ہو گئے، بعض مقتدی حضرات نے لقمہ دیا؛ لیکن امام مکمل کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ پانچویں رکعت بھی مکمل کرادی، اب ہوا یہ کہ بعض مقتدی نے امام کی پیروی کی اور بعض چوتھی رکعت کے قعدے میں بیٹھ گئے اور بالآخر سلام پھیر دیا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ چوتھی رکعت پر بیٹھے رہنے والوں کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟ بینواتو جروا۔

### الجواب حامدا ومصليا:

جو مقتدی حضرات بیٹھے رہے، ان کی بھی نماز درست نہیں ہوئی، اعادہ لازم ہے۔  
 (شامی: ۱/۳۵۷) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] سنت نماز میں اس طرح نیت کرنا کہ: ”میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی نماز پڑھتی ہوں“

۶۳۰-سوال: ایک خاتون ہر نماز کی سنتوں میں اس طرح نیت کرتی ہے کہ: ”نیت کرتی ہوں میں نماز کی، نماز پڑھتی ہوں میں واسطے اللہ کے، چار رکعت نماز سنت، رسول اللہ کے نام کی۔“ خاتون کا عقیدہ ہے کہ سنت تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، تو نیت میں بھی سنت کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کرنی چاہیے؟ کیا اس طرح نیت کرنا شرک ہوگا؟

### الجواب حامدا ومصليا:

اگر اس کی مراد یہ ہے کہ میں نماز رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی حیثیت سے پڑھتی ہوں، تو کوئی حرج نہیں؛ لیکن اگر اس کی ”چار رکعت نماز سنت، رسول اللہ کے نام کی“ سے مراد یہ ہے کہ یہ چار رکعت رسول اللہ [۱] کیوں کہ امام کی نماز کا فساد، مقتدی کی نماز کے فساد کو مستلزم ہے، صورتِ مسئلہ میں امام کی نماز فرض ادا نہیں ہوئی، تو مقتدی کی بھی نماز فرض ادا نہیں ہوگی:

(ولو سها عن القعود الأخير) كله أو بعضه (عاد) ويكفي كون كلا الجلستين قدر التشهد (ما لم يقيدها بسجدة) لأن مادون الركعة محل الرفض وسجد للسهو لتأخير القعود (وإن قيدها) بسجدة عامدا أو ناسيا أو ساهيا أو مخطئا (تحول فرضه فلا برفعه) الجبهة عند محمد، وبه يفتى. (الدر المختار)

(قوله عامدا أو ناسيا) أشار إلى ما في البحر من أنه لا فرق في عدم البطلان عند العود قبل السجود والبطلان إن قيد بالسجود بين العمد والسهو، ولذا قال في الخلاصة: فإن قام إلى الخامسة عامدا أيضا لا تفسد ما لم يقيد الخامسة بالسجدة عندنا. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۸۵، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: دار الفكر ☆

البحر الرائق: ۲/۱۷۹ تا ۱۸۱، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: دار الكتاب - ديوبند)

صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے لیے پڑھتی ہوں، تو شرک ہے، لیکن اس کے اس جملے سے کہ ”واسطے اللہ کے“ سے اس مراد کی نفی ہوتی ہے، الغرض جیسی مراد ہوگی، اس کے مطابق حکم ہوگا۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۰] نماز میں صرف دو آیتیں پڑھنا

۶۳۱-سوال: امام صاحب نے تراویح کے بعد وتر کی تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد سورہ بلد کی آخری دو آیتیں پڑھی، رکوع کیا اور نماز مکمل کی، تو ایک صاحب نے کہا کہ نماز وتر ادا نہیں ہوئی؛ چنانچہ وتر کی نماز لوٹائی گئی۔ اب سوال یہ ہے کہ پہلی مرتبہ پڑھی گئی وتر کی نماز ادا ہوئی یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

### الجواب حامدا ومصليا:

سورہ بلد کی آخری دو آیت ”و الذین کفروا“ سے پڑھی، تو نماز درست ہوگئی ہے، لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ (درمختار)<sup>[۲]</sup>

(۱) الاعتبار للمعنی لا للألفاظ، صرحوا به فی مواضع. (الأشباه و النظائر علی مذهب أبی حنیفة - ابن نجیم المصري (م: ۹۷۰ھ)، ص: ۱۷۴، الفن الثاني فی الفوائد، کتاب البيوع، أحكام الحمل، حواشی و تخریج: الشيخ زكريا عميرات، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول - محمد بن علي بن محمد، الشوكاني اليمني (م: ۱۲۵۰ھ): ۹۶/۲، الأدلة من القرآن الكريم، ت: أحمد عزو وعناية، الناشر: دار الكتب العربي)

[۲] (من فرائضها) التي لا تصح بدونها... (ومنها القراءة) لقادر عليها. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله ومنها القراءة) أي قراءة آية من القرآن، وهي فرض عملي في جميع ركعات النفل والوتر وفي ركعتين من الفرض... وأما قراءة الفاتحة والسورة أو ثلاث آيات فهي واجبة أيضا. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۲۶/۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مبحث القراءة، ط: دار الفكر - بيروت)

(و ضم) أقصر (سورة) كالكوثر أو ما قام مقامها، هو ثلاث آيات قصار، نحو {ثُمَّ نَظَرَ} [المدثر: ۲۱] {ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ} [المدثر: ۲۲] {ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ} [المدثر: ۲۳] وكذا لو كانت الآية أو الآيتان تعدل ثلاثا قصارا ذكره الحلبي. (الدر المختار مع رد المحتار: ۴۵۸/۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة، ☆ الفتاوى الهندية: ۶۹/۱، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة، ط: زكريا - ديوبند) وتجب قراءة الفاتحة وضم السورة أو ما يقوم مقامها من ثلاث آيات قصار أو آية طويلة في الأولين بعد الفاتحة كذا في النهر الفائق وفي جميع ركعات النفل والوتر. هكذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ۱/۱، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة، ط: زكريا - ديوبند) مزيد تفصيل کے لیے دیکھیے: سورہ فاتحہ اور ضم سورت کی حیثیت۔

یہ دوسری بات ہے کہ کسی بھی سورت کی صرف آخری دو تین آیتیں پڑھنا مناسب نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۱] رکوع کے بارے میں فقہاء کی عبارت ”نصب ساق“ کا مطلب

۶۳۲- سوال: رکوع کے سلسلے میں فقہاء کی عبارتوں میں ”نصب ساق“ کا لفظ ملتا ہے۔<sup>(۲)</sup> اور ”احناؤھا تشبہ القوس مکروہ“<sup>(۳)</sup> یہ عبارت بھی ملتی ہے تو ان دونوں جملوں کا مطلب کیا ہے؟ گھٹنوں کو سیدھا رکھ کر سخت کیا جائے گا، یا قبلہ کی جانب گھٹنوں کے آگے والے حصہ کو بڑھایا جائے گا؟ براہ کرم وضاحت فرمائیں کہ گھٹنوں کو آگے قبلے کی جانب بڑھانے کی صورت میں ”احناؤھا“ کا تحقق ہوتا ہے یا نہیں؟

### الجواب حامد اوصلیا:

گھٹنوں کو سخت کر کے پشت سیدھی رکھی جائے گی۔ (درمختار)<sup>(۴)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ولو قرأ في ركعة من وسط سورة أو من آخر سورة وقرأ في الركعة الأخرى من وسط سورة أخرى أو من آخر سورة أخرى لا ينبغي له أن يفعل ذلك على ما هو ظاهر الرواية ولكن لو فعل ذلك لا بأس به. كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۷۸/۷، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الرابع في القراءة، ط: زكريا- ديوبند)  
(۲-۳) "و" يسن "نصب ساقه" لأنه المتوارث، وإحناؤهما شبه القوس مكروه. (مراقى الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۹۹، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة وأركانها، فصل في سننها، اعنتى به وراجعته: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية) الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۴۹۳، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الفكر  
[۳] اس طرح نصب بھی ہو جائے گا اور کمان کی شکل بھی نہیں بنے گی۔ گھٹنوں کو آگے کی جانب نکالنے کی صورت میں احناؤھا کا تحقق ہوتا ہے، جو کہ مکروہ ہے:

(ويضع يديه) معتمدا بهما (على ركبتيه ويفرج أصابعه) للتمكن. ويسن أن يلمص كعبيه. وينصب ساقيه (ويبسط ظهره) ويسوي ظهره بعجزه (غير رافع ولا منكس رأسه)  
وفي الشامية: وكان ينبغي أن يذكر لفظ يسن عند قوله ويضع يديه ليعلم أن الوضع والاعتماد والتفريح والإلصاق والنصب والبسط والتسوية كلها سنن كما في القهستاني.

قال: وينبغي أن يزداد مجافيا عضديه مستقبلا أصابعه فإنهما سنة كما في الزاهدي. اه... (قوله وينصب ساقيه) فجعلهما شبه القوس كما يفعله كثير من العوام مكروه بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۴۹۳، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، ط: دار الفكر)  
(قوله ور كع ووضع يديه على ركبتيه وفرج أصابعه)... وفي فتح القدير ويعتمد بيديه على ركبتيه ناصبا ساقيه، وإحناؤهما شبه القوس كما يفعل عامة الناس مكروه، ذكره في روضة العلماء، وإنما يفرج بينهما؛ لأنه أمكن من =



## [۲۲] تشهد میں انگلیوں کا حلقہ کب تک باقی رکھا جائے؟

۶۴۳-سوال: تشهد میں شہادت کی انگلی حلقہ بنا کر اٹھائی جاتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ حلقہ کو اسی حالت پر سلام پھیرنے تک باقی رکھنا سنت ہے، یا حلقہ بنانے کے فوراً بعد کھول دینا چاہیے؟ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ حلقہ فوراً کھول دینا چاہیے، اس سلسلے میں صحیح بات کیا ہے؟

## الجواب حامدا ومصليا:

انگلیوں کا حلقہ سلام تک باقی رکھنا سنت ہے۔<sup>(۱)</sup> لہذا انگلی کے حلقے کو سلام تک باقی رکھنے کے سلسلے میں سنت کہنے والے کی بات درست اور حق ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حلقہ بنا کر اشارہ کرے، پھر فوراً حلقہ چھوڑ دے، یہ بھی ایک قول ہے، مگر فتویٰ اس پر نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= الأخذ بالركب، ولا يندب إلى التفريغ إلا في هذه الحالة... (قوله وبسط ظهره وسوى رأسه بعجزه) فإنه سنة كما صح عنه - صلى الله عليه وسلم - فلهذا لا يرفع رأسه ولا يخفضه، وفي المجتبى والسنة في الركوع إلصاق الكعبين واستقبال الأصابع للقبلة. (البحر الرائق: ۱/ ۵۵۰، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الكتاب- ديوبند)

(۱) عن ابن عمر: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا قعد في التشهد وضع يده اليسرى على ركبته اليسرى، ووضع يده اليمنى على ركبته اليمنى، وعقد ثلاثة وخمسين، وأشار بالسبابة. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۱۶، رقم الحديث: ۵۸۰-۱۱۵، كتاب الصلاة، باب صفة الجلوس في الصلاة، ط: البدر- ديوبند)

وصفتها: أن يحلق من يده اليمنى عند الشهادة الإبهام والوسطى، ويقبض البنصر والخنصر، ويشير بالمسبحة، أو يعقد ثلاثة وخمسين بأن يقبض الوسطى والبنصر والخنصر، ويضع رأس إبهامه على حرف مفصل الوسطى الأوسط. ويرفع الأصبع عند النفث ويضعها عند الإثبات اه... وفي القهستاني، وعن أصحابنا جميعاً أنه سنة. (رد المحتار: ۱/ ۵۰۹، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الفكر)

والأصل بقاء الشيء على ما عليه واستصحابه... إلى آخر الأمر اه... (تقريرات الرافعي على رد المحتار: ۱/ ۶۳، كتاب الصلاة، فصل في بيان صفة الصلاة، ط: ايچ، ايم، سعيد، پاکستان)

(۲) والذي تحصل من كلام البرهان قول ملفق من القولين، وهو الإشارة مع بسط الأصابع بدون عقد، وقد علمت أنه خلاف المنقول في كتب المذهب، وأن ما نقله الشارح عن درر البحار وشرحه خلاف الواقع، ولعله قول غريب لم نر من قاله، فتبعه في البرهان ومشى عليه الناس في عامة البلدان. (رد المحتار: ۱/ ۵۰۳، باب صفة الصلاة، ط: دار الفكر- بيروت)

## [۲۳] کثرتِ ازدحام کی وجہ سے اگلی صف کے مصلیٰ کے پیر پر سجدہ کرنا

۶۴۴-سوال: مکہ مکرمہ میں حرم شریف میں حج کے ایام کے دوران ازدحام زیادہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے بعض مرتبہ یہاں تک نوبت آجاتی ہے کہ ایک آدمی کھڑا ہو کر نماز پڑھ رہا ہوتا ہے، تو اُس کے سجدہ کی جگہ ہی میں دوسرا آدمی کھڑا ہو جاتا ہے، اب سجدہ کرتے وقت پیچھے والے مصلیٰ کا سجدہ آگے کھڑا ہونے والے شخص کے پیروں پر یا دونوں پیر کے درمیان ہوتا ہے، تو اس صورت میں نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

### الجواب حامداً ومصلياً:

صورتِ مذکورہ میں کثرتِ ازدحام اور جگہ کی تنگی کی وجہ سے اگر مصلیٰ کے پیروں کے اوپر یا پیروں کے درمیان یا اُس کی پیٹھ پر سجدہ کرنا پڑے، تب بھی نماز صحیح ہو جائے گی۔ (در مختار)<sup>[۱]</sup>  
نقطہ، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

(۱) "إلا" أن يكون ذلك "لزحمة سجد فيها على ظهر مصل صلاته" للضرورة فإن لم يكن ذلك السجود عليه مصلياً أو كان في صلاة أخرى لا يصح السجود. (مراقی)  
قال الطحطاوي: قوله: "على ظهر مصل صلاته الخ" وشرط في الكفاية كون ركبتي الساجد على الأرض، وشرط في المجتبی سجود المسجود عليه على الأرض، فجملة الشروط خمسة، بل ستة، بزيادة الزحام؛ لكن في القهستاني عن الأصل أنه يجوز ولو على ظهر غير المصلي، ونقل الزاهدي جوازه على ظهر كل مأكول، وفي القهستاني عن صدر القضاة أنه يجوز وإن كان سجود الثاني على ظهر الثالث، وفيه أنه في هذه الحالة يكون الساجد الثالث في صفة الراكع، أو أزيد، ونقل عن الجلابي أنه يستحب التأخير حتى يزول الزحام اهـ. (حاشية الطحطاوي على مراقی الفلاح - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱هـ)، ص: ۲۳۲، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، ط: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ النهر الفائق شرح كنز الدقائق - سراج الدين عمر بن إبراهيم بن نجيم الحنفي (م: ۱۰۰۵هـ) ۱/۲۱۷، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فرع، ت: أحمد عزو عناية، ط: دار الكتب العلمية ☆ رد المحتار على الدر المختار - ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲هـ) ۱/۵۰۲-۵۰۳، باب صفة الصلاة، قبل: مطلب مهم في عقد الأصابع عند التشهد، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۱/۳۳۸، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل باب الإمامة، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ درر الأحكام شرح غرر الأحكام - محمد بن فرامرزن بن علي الشهير بملا - أو متلا أو المولى - خسرو (م: ۸۸۵هـ) ۱/۷۲، باب صفة الصلاة، ط: دار إحياء الكتب العربية)

## [۲۴] سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ

۶۴۵-سوال: سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے اپنے چہرے کو داہنی طرف اتنا پھیرے کہ پیچھے والا مقتدی اس کے چہرہ کا داہنی طرف والا حصہ دیکھ لے، اور سلام پھیرنے میں جب کہ مقتدی امام کے برابر میں پیچھے ہو، تو وہ اپنے امام، دونوں طرف کے مقتدیوں، دونوں طرف کے فرشتوں اور دونوں طرف کے صالح جنات کی نیت کرے؛ اور اگر امام کے دائیں بائیں ہو، تو جس طرف امام ہو، اس طرف تو (مذکورہ تمام چیزوں کی نیت کے ساتھ) امام کی نیت کرے اور جس طرف امام نہ ہو، اس طرف (امام کے سلام) نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے؛ اور امام دونوں طرف کے سلام میں اپنے مقتدیوں، فرشتوں اور صالح جنات کی نیت کرے؛ اور مقتدی حضرات دونوں سلام میں صرف فرشتوں کی نیت کریں گے؛ اور منفرد صرف فرشتوں کی نیت کرے۔ (شامی: ۱/۴۹۳) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۵] حالت سجدہ میں اپنے دونوں ہاتھ زمین پر بچھا دینا

۶۴۶-سوال: سجدے میں دونوں ہاتھوں کو زمین پر بچھا دینا کیسا ہے؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

سجدے کی حالت میں دونوں ہاتھ زمین پر بچھا دینا مکروہ ہے؛ سجدے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ کی انگلیاں قبلہ سمت رکھی جائیں، پیٹ کو رانوں سے الگ، دونوں بازوؤں کو پہلو سے جدا،

[۱] (وسلم مع الإمام كالتحریمة عن یمینہ ویسارہ، ناویا القوم، والحفظۃ، والإمام فی الجانب الأيمن أو الأيسر أو فیہما لو محاذیا) ... وقد ورد فی حدیث ابن مسعود "أنہ - صلی اللہ علیہ وسلم - كان یسلم عن یمینہ حتی یری بیاض خدہ الأيمن وعن یسارہ حتی یری بیاض خدہ الأيسر". (البحر الرائق: ۱/۳۵۱، کتاب الصلاة، آداب الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامی ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۵۲۶، ۵۲۷، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الفکر - بیروت)

اور دونوں ہاتھوں کی کہنیوں کو زمین سے بلند رکھے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۶] جمعہ کی نماز میں اگر حدیث لاحق ہو جائے، تو کیا کرے؟

۶۴۷-سوال: جمعہ کی نماز میں کسی مقتدی کا وضو ٹوٹ گیا، وضو کر کے آنے کے بعد امام کو دوسری

رکعت میں پایا، یا قعدہ اخیرہ میں پایا، اس کے بعد امام صاحب نے سلام پھیر دیا، تو اب وہ کیا کرے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

مذکورہ شخص نے امام کے پیچھے نماز پوری پڑھنے کی نیت سے اقتداء کی تھی، اس لیے صورت مسئلہ

میں وضو کے بعد وہ امام کو دوسری رکعت میں پائے، یا قعدہ اخیرہ میں یا سجدہ سہو کے بعد قعدہ اخیرہ میں پائے،

شیشین کے نزدیک بہر صورت وہ جمعہ کی نماز پوری کرے گا۔ (الجوهرة النيرة: ۱/۹۲)<sup>[۲]</sup>

(۱) (قوله، ثم كبر ووضع ركبتيه، ثم يديه)... وأبدي ضبعيه وجافي بطنه عن فخديه ووجه أصابع رجله نحو القبلة... وعبارة الحاوي في سنن السجود: وتوجيه أصابع اليدين وأنامل الرجلين إلى القبلة، وفي القهستاني: انحراف أصابعهما عن القبلة مكروه... أن النبي - صلى الله عليه وسلم - «كان إذا سجد فرج بين يديه حتى يبدو بياض إبطيه» ولحديث مسلم «إذا سجدت فضع كفيك وارفع مرفقيك». (البحر الرائق: ۱/۳۳۵-۳۳۸، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي، ۱/۵۰۱، ۵۰۲، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) ومن أدرك الإمام يوم الجمعة صلى معه ما أدرك وبنى عليها الجمعة وإن أدركه في التشهد أو في سجود السهو بنى عليها الجمعة عند أبي حنيفة وأبي يوسف وقال محمد: إن أدرك معه أكثر الركعة الثانية بنى عليها الجمعة وإن أدرك أقلها بنى عليها الظهر. (مختصر القدوري - أحمد بن محمد بن أحمد بن جعفر بن حمدان أبو الحسين القدوري (م: ۴۲۸هـ)، ص: ۴۰، باب صلاة الجمعة، ت: كامل محمد محمد عويضة، ط: دار الكتب العلمية)

وفي الجوهرية: (قوله: ومن أدرك الإمام يوم الجمعة صلى معه ما أدرك وبنى عليها الجمعة) فإذا قام هذا المسبوق إلى قضائه كان مخيرا في القراءة إن شاء جهر وإن شاء خافت. (قوله: وإن أدركه في التشهد أو في سجود السهو بنى عليها الجمعة) وهذا عند أبي حنيفة وأبي يوسف وظاهر هذا أنه يسجد للسهو في صلاة الجمعة والعيدين والمختار عند المتأخرين أنه لا يسجد في الجمعة والعيدين لتوهم الزيادة من الجهال. (قوله: وقال محمد إن أدرك معه أكثر الركعة الثانية بنى عليها الجمعة) يعني إذا أدركه قبل أن يركع أو في الركوع. (قوله: وإن أدرك أقلها) بأن أدركه وقد رفع رأسه من الركوع بنى عليها الظهر إلا أنه ينوي الجمعة إجماعا. (الجوهرة النيرة - أبو بكر بن علي، الحدادي العبادي الزبيدي اليمنى الحنفي (م: ۸۰۰هـ): ۱/۹۱، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: المطبعة الخيرية)

اگر امام نے سلام پھیر بھی دیا ہو، تب بھی وہ جمعہ کی نماز پڑھے گا؛ کیوں کہ وہ ابتداء میں امام کے ساتھ شریک تھا؛ اس لیے وہ وضو کے بعد باقی ماندہ رکعت پڑھے گا، اس کو فقہاء کی اصطلاح میں ”بناء صلاة“ کہا جاتا ہے؛ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس دوران اس نے بات چیت نہ کی ہو اور کوئی منافی صلاة فعل نہ کیا ہو۔ اگر اس نے منافی صلاة فعل کر لیا، تو اب بناء کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔<sup>(۱)</sup>

بناء کرنے کی صورت میں باقیہ رکعت بغیر قراءت کے مکمل کرے گا؛ اس لیے کہ اس نے اپنی نماز امام کے ساتھ پورا کرنے کا عہد کیا تھا؛ لیکن وہ عارض کی وجہ سے مکمل نہ کر سکا؛ الغرض وہ جمعہ ہی پڑھے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [ ۲۷ ] مقتدی کے بعض مسائل

۶۴۸-سوال: کیا مقتدی کے لیے نماز کی ابتدا سے انتہاء تک کی تمام تکبیرات لازم ہیں؟

(۲) امام تکبیر کہہ کر رکوع یا سجدہ میں جائے، تو کیا مقتدیوں کو بھی تکبیر کہنا ضروری ہے؟

(۳) تکبیر تحریمہ کے بعد مقتدی کو صرف ثناء پڑھ کر خاموش ہو جانا چاہیے یا استعاذہ و بسملہ بھی پڑھنا

چاہیے؟

(۴) دوسری، تیسری یا چوتھی رکعت میں امام صاحب سجدہ سے کھڑے ہوں، تو قیام میں مقتدیوں کو

خاموش کھڑے رہنا چاہئے یا بسملہ پڑھنا چاہیے؟

(۵) جب امام رکوع سے کھڑے ہو کر تسمیع (سبحان ربی الاعلیٰ) کہے، تو مقتدیوں کو صرف

تحمید (ربنا و لك الحمد) کہنا چاہیے یا دونوں؟

(۱) من سبقه حدث تو ضا و بنی. کذا فی الكنز... (ثم لجواز البناء شروط):

(منها) أن يكون الحدث موجبا للوضوء ولا يندرو وجوده وأن يكون سماويا لا اختيار للعبد فيه ولا في سببه. هكذا في

البحر الرائق... (ومنها) أن لا يفعل بعد الحدث فعلا منافيا للصلاة لو لم يكن أحدث إلا ما لا بد منه أو كان من

ضرورات ما لا بد منه أو من توابعه وتماته حتى إذا سبقه الحدث ثم تكلم أو أحدث متعمدا أو قهقهة أو أكل أو شرب

أو نحو ذلك لا يجوز له البناء... الخ. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۹۳-۹۴، الباب السادس في الحدث في الصلاة، ط: دار

الفكر - بيروت) البحر الرائق: ۱/ ۶۴۳-۶۴۴، كتاب الصلاة، الحدث في الصلاة، ط: دار الكتاب - ديوبند ☆

رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۵۲، باب الاستخلاف، ط: زكريا - ديوبند)

- (۶) جب امام سلام پھیرے، تو کیا مقتدیوں کے لیے بھی السلام علیکم کہنا ضروری ہے؟
- (۷) ہر رکعت میں تکبیر، تسمیح، تحمید وغیرہ میں امام اپنی زبان سے مذکورہ الفاظ کا تلفظ کرے، تو مقتدیوں کو ساتھ میں ہی کہنا چاہیے، یا امام کے کہنے کے بعد؟
- (۸) فجر کی دو رکعت سنت پڑھنے سے فجر کی جماعت فوت ہو جاتی ہو، تو فجر کی سنت نماز کے بعد فوراً ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر فوراً ادا نہیں کر سکتے، تو کون سے وقت میں ادا کرنا چاہیے۔
- عصر کی چار رکعت سنت نماز فوت ہوگئی ہو، تو اس کو کب ادا کرنا چاہیے؟
- فجر اور عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد سنت ادا کرنے کے لیے کس طرح نیت کرنی چاہیے؟
- (۹) جس گاؤں میں جمعہ کی نماز درست نہیں ہے، ایک شخص نے بہ اصرار کہا کہ جمعہ کی نماز شروع کی جائے۔ اس کی بات نہیں مانی گئی، تو اب وہ شخص پانچوں وقت کی نماز منفرداً پڑھتا ہے، جماعت سے نہیں پڑھتا، تو اس کے لیے کیا کرنا چاہیے؟
- جب اس کو سمجھا یا جاتا ہے کہ جمعہ یہاں نہیں ہو سکتی اور جمعہ پڑھنے سے ظہر کے ثواب سے بھی محرومی ہوتی ہے، تو وہ جواب دیتا ہے کہ جمعہ نہیں ہوتی تو پھر عید کی نماز بھی صحیح نہیں ہونی چاہیے؟ آپ حضرات عید کی نماز کیوں پڑھتے ہیں؟

### الجواب حامداً ومصلياً:

(۱) تکبیر تحریرہ فرض ہے باقی تکبیریں سنت ہیں۔<sup>(۱)</sup>

(۲) رکوع اور سجدہ کی تکبیر نیز دیگر تکبیرات انتقالیہ سنت ہیں۔<sup>[۲]</sup>

(۱) (من فرائضها) التي لا تصح بدونها (التحریمه) قائما (وهي شرط) في غير جنازة على القادر به يفتي. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله من فرائضها) جمع فريضة أعم من الركن الداخلة الماهية والشرط الخارج عنها.... (قوله التي لا تصح بدونها) صفة كاشفة إذ لا شيء من الفروض ما تصح الصلاة بدونه بلا عذر (قوله التحريمه) المراد بها جملة ذكر خالص. مثل: الله أكبر.... (قوله في غير جنازة) أما فيها فهي ركن اتفاقاً كبقية تكبيراتها. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۴۳۲، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فرائض الصلاة، مطلب قد يطلق الفرض على ما يقابل الركن وعلى ما ليس بركن ولا شرط، ط: دار الفكر - بيروت)

[۲] (سنها) ... وتكبير الركوع وتسيبته ثلاثا ... وتكبير السجود والرفع، وكذا الرفع نفسه. (الفتاوى الهندية: ۱/۷۲، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها وكيفيةها، ط: دار الفكر ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۷۰-۱۷۳، باب صفة الصلاة، ط: زكريا - ديوبند)

(۳) صرف ثنا پڑھ کر خاموش رہے، استعاذہ و بسملہ وہ شخص پڑھے گا، جس کو قراءت کرنی ہے۔

(یعنی امام و منفرد) [۳]

(۴) خاموش کھڑے رہنا ہے، مقتدی کو کچھ بھی پڑھنا نہیں ہے۔ [۴]

(۵) مقتدی کو صرف تحمید (ربنا لک الحمد) کہنا ہے، تسمیح نہیں۔ [۵]

(۶) قعدۂ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے۔ (۶) اور السلام علیکم دو مرتبہ کہنا واجب ہے، ”ورحمۃ

اللہ“ کہنا واجب نہیں ہے۔ اسی وجہ سے امام نے جب السلام علیکم کہہ دیا، اس کے بعد مقتدی نے اقتداء کی،

[۳] ثم يقول: سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا إله غيرك، سواء كان إماماً أو مقتدياً أو

منفرداً هكذا ذكر في ظاهر الرواية... ثم يتعوذ بالله من الشيطان الرجيم، في نفسه، إذا كان منفرداً أو إماماً...

وأما من يسن في حقه التعوذ، فهو الإمام والمنفرد، دون المقتدي في قول أبي حنيفة ومحمد، وعند أبي يوسف هو

سنة في حقه أيضاً، ذكر الاختلاف في السير الكبير وحاصل الخلاف راجع إلى أن التعوذ تبع للثناء أو تبع للقراءة

فعلى قولهما تبع للقراءة؛ لأنه شرع لافتتاح القراءة صيانة لها عن وساوس الشيطان فكان كالشرط لها، وشرط

الشيء تبع له وعلى قوله تبع للثناء؛ لأنه شرع بعد الثناء وهو من جنسه وتبع الشيء كاسمه ما يتبعه. —

ويتفرع على هذا الأصل ثلاث مسائل، إحداها أنه لا تعوذ على المقتدي عندهما لأنه لا قراءة عليه، وعنده يتعوذ؛

لأنه يأتي بالثناء فيأتي بما هو تبع له... الخ. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۱/۴۷۱-۴۷۳، كتاب الصلاة،

الكلام في الاستعاذة، قبل: فصل بيان ما يستحب في الصلاة وما يكره، ط: زكريا- ديوبند ☆ فتاوى قاضي خان على

هامش الهندية: ۱/۸۷-۸۸، باب افتتاح الصلاة، ط: زكريا- ديوبند)

[۴] (والمؤتم لا يقرأ مطلقاً) ولا الفاتحة في السرية اتفاقاً... (فإن قرأه تحريماً) وتصح في الأصح... (بل

يستمع) إذا جهر (وينصت) إذا أسر؛ لقول أبي هريرة- رضي الله عنه- كنا نقرأ خلف الإمام فنزل- {وإذا قرئ القرآن

فاستمعوا له وأنصتوا}. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۵۴۵، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، ط: دار

الفكر ☆ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۱/۴۷۳، الكلام في الاستعاذة، قبل: فصل بيان ما يستحب في الصلاة

وما يكره، ط: زكريا- ديوبند)

[۵] (و) يكتفي (بالتحميد المؤتم) وأفضله: اللهم ربنا ولك الحمد، ثم حذف الواو، ثم حذف اللهم فقط. (الدر

المختار مع رد المحتار: ۱/۵۴۵، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة)

[۶] والقعدة الأخيرة فرض في الفرض والتطوع حتى لو صلى ركعتين ولم يقعد في آخرهما وقام وذهب تفسد

صلاحه. كذا في الخلاصة وأما الخروج بصنع المصلي فليس بفرض هو الصحيح. هكذا في التبيين والعيني شرح

الكنز وأكثر الكتب. (الفتاوى الهندية: ۱/۷۷، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة)

تو اقتداء صحیح نہیں ہوگی۔ [۷]

(۷) امام سے پہلے کہنے سے گنہگار ہوگا؛ لہذا امام کے بعد کہنا چاہیے۔ (۸)

(۸) فرض نماز پڑھ لی، تو پھر سنت کی قضا نہیں ہے، (صرف فجر کی سنت میں اختلاف ہے کہ اس کی

قضا بعد میں کی جائے گی یا نہیں، اگر قضا کی گئی، تو سنت فجر شمار ہوگی یا مستقل نفل۔) [۹]

(۹) اس شخص کا کہنا صحیح ہے کہ جہاں جمعہ صحیح نہیں، وہاں عید کی نماز بھی صحیح نہیں ہے؛ لیکن اس کی بات

نہ مان کر جمعہ قائم نہ کرنے کی صورت میں اس پنج وقتہ نماز کی جماعت ترک نہیں کرنی چاہیے، صورت مسئلہ

میں جماعت ترک کرنے کا گناہ ہوگا۔ جن لوگوں کے اوپر جمعہ واجب نہیں، ان کے ذمہ نظر باقی رہے گی؛ لہذا

اس شخص کو سمجھایا جائے؛ کیوں کہ وہ جماعت ترک کرے گا، تو گنہگار ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] (ثم یسلم عن یمینہ و یسارہ) حتی یری بیاض خدہ... و تنقطع بہ التحریمة بتسلیمة واحدة، برہان و قد مر  
وفي التارخانیة ما شرع فی الصلاة مثنی لفلو احد حکم المثنی، فیحصل التحلیل بسلام واحد کما یحصل بالمثنی  
و تنقید الرکعة بسجدة واحدة کما تنقید بسجدة تین (مع الإمام)... (کتحریمة) مع الإمام. وقالوا: الأفضل فیہما  
بعده (قائلا السلام علیکم ورحمة اللہ) هو السنة. (الدر المختار: ۱/۵۲۳-۵۲۶، باب صفة الصلاة، فروع قرأ  
بالفارسیة أو التوراة أو الإنجیل)

(ولفظ السلام) مرتین فالثانی واجب علی الأصح برہان، دون علیکم؛ و تنقضي قدوة بالأول قبل علیکم

علی المشہور عندنا و علیہ الشافیة خلافاً للتکملة. (الدر المختار)

(قوله دون علیکم) فلیس بواجب عندنا... (قوله و تنقضي قدوة بالأول) أي بالسلام الأول. قال فی التجنیس:

الإمام إذا فرغ من صلاته فلما قال السلام جاء رجل و اقتدی به قبل أن یقول علیکم لا یصیر داخلًا فی صلاته لأن هذا

سلام؛ ألا ترى أنه لو أراد أن یسلم علی أحد فی صلاته ساهیا فقال السلام ثم علم فسکت تفسد صلاته. اھـ. رحمتی

(قوله خلافاً للتکملة) أي لشارح التکملة حیث صحح أن التحریمة إنما تنقطع بالسلام الثاني کما وجد قبله فی

بعض النسخ. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/۴۶۸، واجبات الصلاة، ط: دار الفکر - بیروت) الفتاویٰ

الہندیة: ۱/۷۲، الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الثاني فی واجبات الصلاة)

(۸)... (کتحریمة) مع الإمام. وقالوا: الأفضل فیہما بعده. (الدر المختار: ۱/۵۲۳-۵۲۶، باب صفة الصلاة،

فروع قرأ بالفارسیة أو التوراة أو الإنجیل)

(۹) لا خلاف بین أصحابنا فی سائر السنن سوی رکعتی الفجر أنها إذا فاتت عن وقتها لا تقضى سواء فاتت وحدها

أو مع الفریضة. (بدائع الصنائع: ۱/۶۳۳، فصل السنة إذا فاتت عن وقتها هل تقضى أم لا، ط: زکریا - دیوبند)

سنت فجر کی قضاء کے سلسلے میں تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں عنوان: ”تہا فجر کی سنت کی قضاء کرنا“ (نوافل و وتر کا بیان)



[۲۸] سجدہ میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنے پھر ہاتھ ناک پیشانی رکھے اور اٹھتے وقت اس کے برعکس کرے

۶۳۹- سوال: سجدہ میں جاتے وقت پہلے داہنا گھٹنا، پھر بائیں پھر داہنا ہاتھ، پھر بائیں ہاتھ اور بہ حالت سجدہ دونوں پاؤں ملائے رکھنا اور اٹھنے کے وقت اس کے برعکس کرنا سنت ہے یا مستحب؟

### الجواب حامدا ومصليا:

مذکور طریقہ سنت ہے، سجدہ میں جاتے وقت سب سے پہلے دونوں گھٹنے، پھر ناک پھر پیشانی کو زمین پر رکھے، یہ سنت ہے اور اٹھتے وقت سب سے پہلے پیشانی، ناک، ہاتھ پھر گھٹنوں کو اٹھانا سنت ہے، البتہ عذر کی وجہ سے پہلے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے، تو بھی جائز ہے۔ (شامی و عالمگیری) [۱] دونوں پاؤں ملانا عورت کے لیے مسنون ہے۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات مغرلہ

(۱) (ثم يكر) مع الخور (ويسجد واضعاً ركبتيه) أولاً لقر بهما من الأرض (ثم يديه) إلا لعذر (ثم وجهه) مقداً أنفه لمامر (بين كفيه) اعتبار الآخر الركعة بأولها ضاماً أصابع يديه لتوجه للقبلة (ويعكس نهوضه...) [الدر المختار] قال ابن عابدين: (قوله مع الخور) بأن يكون ابتداء التكبير عند ابتداء الخور وانتهاؤه عند انتهائه شرح المنية، ويخر للسجود قائماً مستويا، لا منحياً لثلا يزیدر کو عا آخر... (قوله واضعاً ركبتيه ثم يديه)... ويضع اليمنى منهما أولاً ثم اليسرى كما في القهستاني، لكن الذي في الخزان واضعاً ركبتيه ثم يديه إلا أن يعسر عليه لأجل خف أو غيره فيبدأ باليمين ويقدم اليمنى. اهـ. ومثله في البدائع والتارخانية والمعراج والبحر وغيرها، ومقتضاه أن تقديم اليمنى إنما هو عند العذر الداعي إلى وضع اليدين أولاً، وإنه لا يمان في وضع الركبتين، وهو الذي يظهر لعسر ذلك... (قوله ويعكس نهوضه) أي يرفع في النهوض من السجدة وجهه أولاً ثم يديه ثم ركبتيه وهل يرفع الأنف قبل الجهة: أي على القول بأنه يضعه قبلها قال في الحلية: لم أقف على صريح فيه. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۹۷-۳۹۸، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، ط: دار الفكر)

(ثم إذا استوى قائماً كبيراً وسجداً). كذا في الهداية ويكبر في حالة الخور... قالوا إذا أراد السجود يرضع أولاً ما كان أقرب إلى الأرض فيضع ركبتيه أولاً ثم يديه ثم أنفه ثم جبهته. وإذا أراد الرفع يرفع أولاً جبهته ثم أنفه ثم يديه ثم ركبتيه قالوا هذا إذا كان حافياً أما إذا كان متخففاً فلا يمكنه وضع الركبتين أولاً فيضع اليدين قبل الركبتين ويقدم اليمنى على اليسرى كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۷۵، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها وكيفيتها، ط: دار الفكر)

(۲) ولا تحني ركبتيها، وتنضم في ركوعها وسجودها. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۰۴، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، مطلب في إطالة الركوع للجانبي، ط: دار الفكر)

## [۲۹] سجدے میں پہلے گھٹنے زمین پر رکھنا

۶۵۰-سوال: نماز کے دوران سجدے میں جاتے وقت سب سے پہلے گھٹنے زمین پر رکھے جائیں، کیا یہ کسی حدیث سے ثابت ہے؟ اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کیا تھا؟ جو لوگ سجدے میں جاتے وقت پہلے ہاتھ، پھر گھٹنے رکھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ حدیث میں اسی طرح مذکور ہے کہ اونٹ کی طرح بیٹھو، یعنی جس طرح اونٹ اپنے اگلے پیر زمین پر پہلے رکھتا ہے، پھر پچھلے پیر، اسی طرح نماز میں پہلے ہاتھ، پھر گھٹنے زمین پر رکھے جائیں۔ لہذا اگر سجدے میں جاتے وقت پہلے ہاتھ رکھے جائیں، تو اس میں کوئی حرج یا قباحت ہے؟ ایسا کرنا سنت کے خلاف ہوگا یا نہیں؟

## الجواب حامدا ومصليا:

سجدے میں جاتے وقت سب سے پہلے گھٹنے زمین پر رکھے جائیں؛ کیوں کہ گھٹنے زمین کے زیادہ قریب ہیں۔ پھر ہاتھ پھر پیشانی دونوں ہاتھوں کے بیچ رکھنی چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی اسی طرح تھا۔ چنانچہ حضرت وائل بن حجرؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا سجد یضع رکتیہ قبل یدیہ، وإذا نهض رفع یدیہ قبل رکتیہ. (ترمذی شریف)<sup>[۱]</sup>

اور کبیری میں ہے: ویضع رکتیہ أولا، ثم یدیہ، ثم وجهہ بین کفہ علی الأرض. (ص: ۳۱۲) مجمع الأنهر (۱/ ۹۸)<sup>[۲]</sup> پر لکھا ہے: (ویسجد) مجاز أي یمیل إلى السجدة (فیضع) علی الأرض (رکتیہ) ویقدم الیمنی علی الیسری والفاء لعطف المفصل علی المجمل (ثم یدیہ) أي یضع یدہ الیمنی ثم الیسری (ثم) یضع. (وجهہ بین کفہ ضاماً أصابع یدیہ). لیکن اگر تکلیف ہو یا کمزوری وضعف ہو، تو مجبوری کے درجہ میں پہلے ہاتھ رکھنا جائز ہے۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] ص: ۶۱/۱، رقم الحدیث: ۲۶۸، أبواب الصلاة، باب ما جاء فی وضع الرکتین قبل الیدین فی السجود، ط: البدر - دیوبند. قال أبو عیسی: والعمل علیہ عند اکثر أهل العلم، یرون أن یضع الرجل رکتیہ قبل یدیہ، وإذا نهض رفع یدیہ قبل رکتیہ. (حوالہ سابق)

[۲] ۹۸/۱، کتاب الصلاة، فصل صفة الشروع فی الصلاة، ط: دار إحياء التراث العربی.

(۳) تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں عنوان سابق: ”سجدہ میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنے پھر ہاتھ ناک پیشانی رکھے اور اٹھتے وقت اس کے برعکس کرے۔“

## [۳۰] ڈیوٹی کے دوران نماز کس طرح ادا کرے؟

۶۵۱-سوال: میں ایک ریلوے اسٹیشن پر ”اسٹیشن ماسٹر“ کی حیثیت سے ملازمت کرتا ہوں، جب میری شام کی ڈیوٹی ہوتی ہے، تو عصر و مغرب قضا ہو جاتی ہے، دوسری نمازیں بھی باجماعت ادا کرنے کا موقع نہیں ملتا، شام کے علاوہ دوسرے وقت کی ڈیوٹی میں بھی نماز قضا ہو جاتی ہے۔ اب اگر میں ڈیوٹی کے درمیان ۱۵-۲۰ منٹ نکال کر گھر نماز کے لیے جاتا ہوں، تو نماز پڑھتے ہوئے میرا دھیان اسٹیشن کی طرف چلا جاتا ہے، بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ نماز شروع کی اور دربان بلانے آ گیا کہ چلو گاڑی آرہی ہے، سگنل دینا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسی طرح بار بار وقت نکال کر گھر جانا، دیانت داری کے خلاف ہے، اگر میں آفس میں نماز پڑھتا ہوں، تو کبھی فون کی رنگ بجتی ہے، اور ذہن اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے، جس کی وجہ کر خشوع خضوع ختم ہو جاتا ہے۔ نیز مجھے یہ وہم بھی ہوتا ہے کہ میں لوگوں کو دکھلانے کے لیے نماز پڑھتا ہوں۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ آفس کے کام کو چھوڑ کر دوسرے کام میں مشغول ہونا، دیانت داری کے خلاف ہے، اس لیے کہ نوکری کے وقت میں آفس میں حاضری ضروری ہے؛ لہذا آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ وقت پر نماز پڑھنے کا کوئی طریقہ مجھے بتائیں؟

### الجواب حامدا ومصليا:

آپ کو آفس میں وضوء اور مصلیٰ وغیرہ کے ساتھ تیار رہنا چاہیے اور وقت ملتے ہی فوراً نماز فرض، واجب، سنت مؤکدہ ادا کر لینی چاہیے۔<sup>(۱)</sup> ریاء کا جو خیال دل میں گذرتا ہے، وہ شیطان کا دھوکہ ہے، اس کو آپ نظر انداز کر دیں۔<sup>(۲)</sup>

(۱) اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كَيْتَابًا مَّقْرُوٰتًا @ (۳-النساء: ۱۰۳)

عن أبي الدر داء، قال: أو صاني خليلي صلى الله عليه وسلم أن: لا تترك بالله شيئا، وإن قطعت وحرقت، ولا تترك صلاة مكتوبة متعمدا، فمن تركها متعمدا، فقد برئت منه الذمة، ولا تشرب الخمر، فإنها مفتاح كل شر. (سنن ابن ماجه، ص: ۲۹۲، رقم الحديث: ۴۰۳۷، كتاب الفتن، باب الصبر على البلاء، ط: البدر - ديوبند)

(۲) عن مالك أنه بلغه أن رجلا سأل القاسم بن محمد فقال: إني أهم في صلاتي. فيكثر ذلك علي. فقال القاسم بن محمد " امض في صلاتك. فإنه لن يذهب عنك، حتى تنصرف وأنت تقول: ما أتممت صلاتي ". (موطأ الإمام مالك، ۱/۱۰۰، رقم: ۳، كتاب السهو، باب العمل في السهو، ت: محمد فؤاد عبد الباقي، ط: دار إحياء التراث =

نماز کے لیے کچھ وقت نکالنے کو آپ خیانت سمجھتے ہیں، اس سلسلے کی وضاحت یہ ہے کہ نوکری کے وقت آپ قضاء حاجت کے لیے جاتے ہیں، وقت نکال کر یا وقت آگے پیچھے کر کے آپ کھاتے پیتے ہیں، اسی طرح اگر آپ آفس میں نماز پڑھیں گے، تو دس بارہ منٹ میں آپ فارغ ہو جائیں گے، البتہ اس کا خاص خیال رکھیں کہ آپ کی جو ذمہ داری ہے، اس میں خلل نہ ہو، وقت ذرا آگے پیچھے کر لیا کریں۔<sup>(۳)</sup>

فرض، واجب یا سنت مؤکدہ پڑھنے کے دوران اگر فون بجتا ہو اور اس کا جواب دینا ضروری ہو، تو آپ نماز ترک کر کے جواب بھی دے سکتے ہیں؛ لہذا نماز میں تاخیر کرنا یا قضاء کر دینا، نماز کی روح اور خشوع و خضوع کو ختم کرنا ہے۔ اس طرح کرنا جائز نہیں ہے۔ چپکانگ کرنے والا اگر سمجھ دار ہوگا، تو وہ آپ کو آفس میں نماز پڑھتے دیکھ کر خوش ہوگا اور کوئی قانونی کارروائی بھی نہیں کرے گا۔ اور اگر آفس آپ کو نماز کے لیے وقت دینے سے انکار کرتا ہے، تو پھر اس طرح کی نوکری کرنا جائز نہیں ہے۔<sup>(۴)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات

= (العربی - بیروت)

قال الملا علي القاري (م: ۱۰۱۳ھ): (فقال له: امض في صلاتك): سواء كانت الوسوسة خارج الصلاة، أو داخلها، ولا تلتفت إلى موانعها (فإنه لن يذهب ذلك عنك) ... والمعنى لا يذهب عنك تلك الخطرات الشيطانية، (حتى تنصرف) أي: تفرغ من الصلاة (وأنت تقول): للشيطان صدقت (ما أتممت صلاتي): لكن ما أقبل قولك، ولا أتمها إرغاماً لك، ونقضا لما أردته مني، وهذا أصل عظيم لدفع الوسواس، وقمع هواجس الشيطان في سائر الطاعات، والحاصل أن الخلاص من الشيطان إنما هو بعون الرحمن، والاعتصام بظواهر الشريعة، وعدم الالتفات إلى الخطرات، والوسواس الذميمة، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۱/ ۱۳۷، كتاب الإيمان، باب الوسوسة، ط: دار الفكر، بيروت - لبنان)

(۳) الضروروت تقدر بقدرها. (قواعد الفقه، ج: ۸۹، دار الكتاب - ديوبند)

(۴) عن علي، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث جيشاً، وأمر عليهم رجلاً، فأوقد ناراً، وقال: ادخلوها، فأرادوا أن يدخلوها، وقال الآخرون: إنما فررنا منها، فذكروا ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم، فقال للذين أرادوا أن يدخلوها: لو دخلوها لم يزلوا فيها إلى يوم القيامة، وقال للآخرين قولاً حسناً، وقال: لا طاعة في معصية الله، إنما الطاعة في المعروف. (صحيح البخاري: ۲/ ۱۰۷۷، رقم الحديث: ۷۲۵۷، كتاب أخبار الآحاد، باب ما جاء في إجازة خبر الواحد الصدوق في الأذان والصلاة والصوم والفرائض والأحكام، ط: البدر - ديوبند) ☆ الصحيح لمسلم: ۲/ ۱۲۵، رقم الحديث: ۳۹ - (۱۸۳۰)، كتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية، وتحريمها في المعصية، ط: البدر - ديوبند، واللفظ لمسلم)

## [۳۱] امام کا فرض نماز پڑھاتے وقت عمامہ باندھنا

۶۵۲-سوال: اگر امام صاحب صرف فرض نماز پڑھانے کے لیے عمامہ باندھتے ہیں، تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا اُس میں امام کی نیت کا کچھ دخل ہے؟

## الجواب حامدا ومصليا:

اگر امام عمامہ کو ضروری سمجھے، یا لوگوں کے دباؤ کی وجہ سے باندھے، تو بدعت شمار ہوگا، اگر اس نیت سے عمامہ باندھا جائے کہ اللہ کے حضور کھڑا ہو رہا ہوں؛ لہذا رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے عمامہ باندھ کر کھڑا ہوتا ہوں، تو یہ جائز ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۳۲] مصلیٰ کو کیسے بند کیا جائے؟

۶۵۳-سوال: میری اہلیہ کچھ پڑھی لکھی ہے، اُن کا کہنا ہے کہ مصلیٰ سیدھا بند کرنا سنت ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ اس باب میں شرعی رہنمائی فرمائیں۔

## الجواب حامدا ومصليا:

جناب نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی عادت مبارکہ تھی کہ وہ بغیر مصلیٰ ہی کے نماز پڑھتے تھے۔<sup>(۲)</sup> اور یہی افضل ہے۔<sup>(۳)</sup> البتہ حضور اکرم ﷺ سے مصلیٰ کا استعمال ثابت ہے، ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ

(۱) والمستحب أن يصلي الرجل في ثلاثة أثواب: قميص، وإزار، وعمامة. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۹، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الأول في الطهارة وستر العورة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۱/۳۶۸، كتاب الصلاة، شروط الصلاة، ط: دار الكتاب - ديوبند)

(۲) عن جابر بن عبد الله قال: كنت أصلي الظهر مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأخذ قبضة من الحصى لتبرد في كفي أضعها لجهتي أسجد عليها لشدة الحر. (سنن أبي داود: ۱/۵۸، رقم الحديث: ۳۹۹، كتاب الصلاة، باب في وقت صلاة الظهر، ط: البدر - ديوبند)

(۳) وكان ابن مسعود لا يصلي على شيء إلا على الأرض. وروي عن أبي بكر الصديق، أنه رأى قوما يصلون على بسط، فقال لهم: أفضوا إلى الأرض. وفي إسناده نظر. وروي عن ابن عمر، أنه كان يصلي على الخمرة ويسجد على الأرض. ونحوه عن علي بن الحسين. وقال النخعي في السجود على الحصير: الأرض أحب إلي. وعنه، أنه قال: لا بأس أن يصلي الحصير، لكن لا يسجد عليه. (فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن رجب، الحنبلي (م: ۷۵: ۷۵هـ):

عنها فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ مسجد میں تھے، وہیں سے فرمایا کہ میرا مصلیٰ (جو گھر میں تھا) دے دو، میں نے کہا کہ میں حاضر ہوں، (مصلیٰ دینے کے لیے مسجد میں ہاتھ کیسے بڑھاؤں؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے حیض کا اثر تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ (یعنی آپ ﷺ اُس وقت اعتکاف میں تھے؛ اس لیے ہاتھ حجرہ سے مسجد میں دراز کرنا پڑتا تھا؛ اس لیے فرمایا کہ اُس میں کوئی حرج نہیں) (مسلم شریف: ۱/۱۴۳) [۱]

حدیث پاک میں مصلیٰ کے لیے لفظ ”خمرہ“ استعمال ہوا ہے، جو چٹائی یا گھاس کا ہوتا ہے۔<sup>(۲)</sup>

= الصلاة على الأرض أفضل ثم على ما أنبتته ذكره المرغيناني وغيره لأن الصلاة سرها التواضع والخشوع وذلك في مباشرة الأرض أظهر وأتم إلا للضرورة حر أو برد أو نحوهما ويلحق بهما ما أنبتته لهذا المعنى ذكره ابن أمير حاج. حاشية الطحطاوي على مرآة الفلاح شرح نور الإيضاح - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱ هـ): ۲۶۸، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت

(عن أبي سعيد الخدري قال: دخلت على النبي - صلى الله عليه وسلم - وفي نسخة على رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فرأيت يصلي على حصير): في الفائق فيه دليل على جواز الصلاة على شيء يحول بينه وبين الأرض، سواء نبت من الأرض أم لا، قلت: لا دلالة فيه على العموم، وقال القاضي عياض: الصلاة على الأرض أفضل إلا لحاجة، كحر أو برد أو نجاسة. وفي شرح المنية: الصلاة على الأرض وما أنبتته الأرض كالحصير أفضل؛ لأنه أقرب إلى التواضع. (مراقبة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۲/۶۳۸، رقم الحديث: ۷۲۸، كتاب الصلاة، باب الستر، الفصل الثالث، ط: دار الفكر - بيروت)

[۱] عن عائشة قالت: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: ناو لي الخمره من المسجد، قالت فقلت: إني حائض، فقال: إن حيضتك ليست في يدك. (الصحيح لمسلم: ۱/۱۴۳، رقم الحديث: ۱۱- (۲۹۸)، كتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها..... الخ، ط: البدر - ديوبند)

(۲) قوله: (على الخمره)، بضم الخاء المعجمة وسكون الميم: سجادة صغيرة تعمل من سعف النخل وترمل بالخيوط. قيل: سميت خمره لأنها تستر وجه المصلي عن الأرض. ومنه سمي الخمار الذي يستر الرأس. وقال ابن بطال: الخمره مصلی صغير ينسج من السعف، فإن كان كبير اقدر طول الرجل أو أكثر فإنه يقال له حينئذ: حصير، ولا يقال له خمره، وجمعها: خمر. وفي حديث ابن عباس: (جاءت فأرة فأخذت تجر الفتيلة فجاءت بها فألقتهابین یدی رسول الله - صلى الله عليه وسلم -، على الخمره التي كان قاعدا عليها، فأحرقت منها مثل موضع درهم). وهذا ظاهر في إطلاق الخمره على الكبيرة من نوعها. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري - بدر الدين العيني (المتوفى: ۸۵۵ هـ): ۱۰۸/۳، باب الصلاة على الحصير، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت) المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج المعروف بـ 'شرح النووي' - أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ۷۶۷ هـ): ۳/۲۰۹، كتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها وترجيله وطهاره سؤرها... الخ، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

البتہ دوسری روایات سے کپڑے کا مصلیٰ بھی ثابت ہے۔<sup>(۱)</sup>

بہر حال مصلیٰ بند کرنا سنت ہے یا نہیں؟ اور کس طرح بند کرنا سنت ہے؟ تو یہ سب مباحث دائرہ سنت سے خارج ہیں، ہاں، اُسے بند کرنے میں کون سی صورت بہتر رہے گی؟ تو اس کا جواب مصلیٰ کی بناوٹ اور نماز کی جگہ پر موقوف ہے، لہذا مصلیٰ اگر ایسی چیز کا بنا ہوا ہو، جسے سیدھا ہی بند کیا جائے، نیچے کی طرف سے بند کرنے میں نقصان ہونے کا اندیشہ ہو تو سیدھا بند کرنا چاہیے، اور اگر کسی موٹی چیز کا بنا ہوا ہے، جیسے چٹائی وغیرہ ہو، تو اُسے کھلا ہی چھوڑ دینا بہتر ہوگا، کیوں کہ بند کرنے میں نقصان کا اندیشہ ہے، اور اگر کپڑے وغیرہ کا ہے، تو نیچے سے بند کرنا چاہیے، تاکہ سیدھی جانب میل کچیل سے بچ جائے۔

جس جگہ مصلیٰ بچھایا گیا ہے، وہ اگر گندی یا پانی وغیرہ سے نم ہے اور نیچے سے اوپر کی طرف بند کرنے میں نیچے کا کوڑا کرکٹ مصلیٰ سے لگ جانے کا اندیشہ ہو، تو ایسی صورت میں اوپر سے نیچے کی طرف بند کیا جائے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳۳] دوران نماز دو پیروں کے درمیان چار انگل کا فاصلہ رکھنا

۶۵۴-سوال: تعلیم الاسلام جلد ۳ میں پڑھا ہے کہ نماز میں دو پیر کے درمیان چار انگلیوں جتنا فاصلہ رہنا چاہیے۔ نیز (اسی طرح) بہت سے حضرات بھی یہی کہتے ہیں۔ تو اب سوال یہ ہے کہ کیا نمازوں میں دو پیروں کے درمیان اس سے زیادہ فاصلہ رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

#### الجواب حامدا ومصليا:

نماز میں مناسب یہ ہے کہ دو پیروں کے درمیان چار انگل جتنا فاصلہ ہو؛ کیوں کہ اس طرح کرنا خشوع اور عاجزی میں اضافہ کرتا ہے؛ لہذا چار انگل جتنا فاصلہ رہنا چاہیے۔ وینبغی أن یکون بینہما مقدار أربع أصابع الید لأنه أقرب إلى الخشوع، هکذا روی عن أبي نصر الدبوسی إنه کان یفعله کذا فی الکبریٰ. (شامی: ۱/۴۴۴)<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے: صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب الصلاة علی الحصر (۵۵/۱)، رقم الحدیث: (۳۸۰) باب الصلاة علی الخمر (۵۵/۱)، رقم الحدیث: (۳۸۱) باب الصلاة علی الفراش (۵۵/۱-۵۶)، رقم الحدیث: (۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴) باب السجود علی الثوب فی شدة الحر (۵۶/۱)، رقم الحدیث: (۳۸۵)  
[۲] باب صفة الصلاة، فرائض الصلاة، مطلب قد یطلق الفرض علی ما یقابل الرکن وعلی ماليس برکن ولا شرط، ط: دار الفکر - بیروت.

## [۳۴] اگر نماز کے دوران وضو ٹوٹ جائے؟

۶۵۵-سوال: میں امام کے ساتھ فرض نماز باجماعت پڑھ رہا تھا، دوران نماز کسی بنا پر میرا وضو ٹوٹ گیا۔ میں نے کسی کے ساتھ بات چیت کیے بغیر سیدھے جا کر وضو کیا اور پھر جماعت میں شامل ہو گیا، تو مجھے چھوٹی ہوئی رکعتیں پھر سے ادا کرنی پڑیں گی، یا امام کے ساتھ سلام پھیر دینی چاہیے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

اگر نماز میں حدیث پیش آجائے، تو بہتر یہ ہے کہ از سر نو نماز ادا کر لی جائے۔ لیکن اگر کوئی پڑھی ہوئی نماز کے بعد ہی اپنی نماز جاری رکھنا چاہے، تو اسے اصطلاح میں ”بنا“ کہتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

اس کے لیے فقہاء نے دو طریقے لکھے ہیں: پہلا طریقہ یہ ہے کہ جو رکعات امام کے ساتھ پڑھنے سے رہ گئی ہوں، اس کو پہلے بغیر قراءت کے ادا کر لے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد باقی رہ گئی رکعات بغیر قراءت کے ادا کر لے۔ مجمع الانہر (۱/۱۱۴) میں لکھا ہے: وفي شرح الطحاوي يشتغل أو لا بقضاء ما سبقه الإمام بغير قراءة لأنه لا حق ثم يقضي آخر صلاحته ولو تابع الإمام أو لا جاز ويقضي ما فاته لأن ترتيب أفعال الصلاة ليس بشرط عندنا.<sup>(۲)</sup>

ان دونوں طریقوں میں سے جس کے مطابق نماز ادا کی جائے، درست ہو جائے گی۔ فقط، واللہ اعلم

بالصواب۔

(۱) عن عائشة، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أصابه قيء أو رعاف أو قلس أو مذي، فليتنصرف، فليتوضأ ثم ليبين على صلاحته، وهو في ذلك لا يتكلم. (سنن ابن ماجه: ۸۵، رقم الحديث: ۱۲۲۱، كتاب إقامة الصلاة، والسنة فيها، باب ما جاء في البناء على الصلاة، ط: البدر - ديوبند)

من سبقه حدث توضأ وبنى. كذا في الكنز. والرجل والمرأة في حق حكم البناء سواء. كذا في المحيط... والاستئناف أفضل. كذا في المتون وهذا في حق الكل عند بعض المشايخ، وقيل هذا في حق المنفرد قطعاً وأما الإمام والمأموم إن كانا يجدان جماعة فالاستئناف أفضل أيضاً وإن كانا لا يجدان فالبناء أفضل صيانة لفضيلة الجماعة وصح هذا في الفتاوى كذا في الجوهرة النيرة. (الفتاوى الهندية: ۱/۹۳، كتاب الصلاة، الباب السادس في الحدث في الصلاة، ط: دار الفكر - بيروت) رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۵۵، كتاب الصلاة، باب الاستخلاف، ط: زكريا - ديوبند)

(۲) كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة، ط: دار إحياء التراث العربي.



## [۳۵] امام کا سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد ذرا توقف کرنا

۶۵۶-سوال: ایک امام صاحب ہیں، وہ جب رکوع سے اٹھتے ہیں، تو سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد ذرا سا توقف کرتے ہیں، جس کی وجہ سے مقیم مقتدی کے علاوہ، نئے مقتدی امام سے آگے ہو جاتے ہیں، تو کیا امام صاحب کا توقف کرنا صحیح ہے؟ جواب جلد از جلد مرحمت فرمائیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ امام داعی بھی ہیں اور دعوت و تبلیغ کی فکر ان کی رگ و پے میں رچی بسی ہے، اور وہ امامت چھوڑ دینے کا ارادہ کر رہے ہیں؛ لیکن مقتدی کسی بھی حالت میں ان کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ مقتدی ان سے خوش ہیں، نیز ہماری بستی کے ذمہ دار اور کاٹھیا واڑ کے ذمہ دار کا مشورہ بھی یہی ہے کہ وہ امامت جاری رکھیں؛ کیوں کہ ان کی امامت سے دین کا بہت فائدہ ہوتا ہے، اور نئے نئے نوجوان دعوت کے کام سے جڑتے ہیں اور امام صاحب بھی امامت کے ترک کر دینے پر مکمل مطمئن نہیں ہیں، لہذا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

جب امام متقی اور پرہیزگار ہیں، دین کا کام بہ حسن و خوبی انجام دے رہے ہیں، اور لوگ ان سے خوش ہیں، تو ایسے امام کو امامت سے نہ تو برطرف کرنا چاہیے اور نہ ہی ان کو امامت سے دست بردار ہونے دینا چاہیے۔ اگر ان کی کوئی ضرورت ہو، تو اہل مسجد کو اسے پوری کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔

امام صاحب کے سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد توقف کا سبب کیا ہے؟ لکننت ہے، تو مجبوری ہے۔ اور اگر زبان میں لکننت نہیں ہے، تو امام صاحب کو اپنی غلطی کی اصلاح کر لینی چاہیے۔<sup>[۱]</sup> مقتدیوں کے امام سے پہلے

[۱] ”سمع اللہ لمن حمدہ“ کہنے کے بعد اگر امام صاحب اس مقصد سے ایک رکن کے بعد توقف کرتے ہیں کہ تعدیل ارکان کا تحقق ہو جائے، تو یہ عین مطلوب ہے، اس صورت میں اگر مقتدی غلطی کے ساتھ سجدہ میں چلے جاتے ہوں، تو قابل اصلاح مقتدی ہیں، انہیں امام صاحب کی تکبیر سن کر سجدہ میں جانا چاہیے۔ ایک سوال کے جواب میں فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رقم طراز ہیں:

جب رکوع سے سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں، کہ تمام اعضاء معتدل ہو جائیں، تو قومہ ادا ہو جاتا ہے، اس سے فساد نماز کا حکم نہ ہوگا، کچھ قدر قلیل وقفہ کر لیا کریں۔ جس میں مقتدی ”ربنا ولك الحمد“ پڑھ لیں، تو بہتر ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۷۰/۵، باب صفة الصلاة، الفصل الثالث فی واجبات الصلاة، تعدیل ارکان کی مقدار، سوال نمبر: ۷۳۳، ط: دار المعارف - دیوبند)

(وتعدیل الأركان) أي تسكين الجوارح قدر تسبيحة في الركوع والسجود، وكذا في الرفع منهما على ما =

رکوع یا سجدے میں چلے جانے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعید بیان فرمائی ہے کہ ان کا سر گدھے کا سر بن جائے گا۔ (بخاری)<sup>[۱]</sup> لہذا مقتدیوں کو چاہیے کہ کسی بھی رکن میں امام سے آگے بڑھنے سے اجتناب کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=اختارہ الکمال. (الدر المختار) ————— قال ابن عابدین: (قوله وتعديل الأركان) هو سنة عندهما في تخريج الجرجاني، وفي تخريج الكرخي، ووجب حتى تجب سجدة السهو بتركة كذا في الهداية وجزم بالثاني في الكنز والوقاية والملتقى، وهو مقتضى الأدلة كما يأتي قال في البحر: وبهذا يضعف قول الجرجاني (قوله وكذا في الرفع منهما) أي يجب التعديل أيضا في القومة من الركوع والجلسة بين السجدين، وتضمن كلامه وجوب نفس القومة والجلسة أيضا لأنه يلزم من وجوب التعديل فيهما وجوبهما. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۴۶۳، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب قديشار إلى المثني باسم الإشارة الموضوع للمفرد، ط: دار الفكر - بيروت)

[ ۱ ] عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أما يخشى أحدكم - أو لا يخشى أحدكم - إذا رفع رأسه قبل الإمام، أن يجعل الله رأسه رأس حمار، أو يجعل الله صورته صورة حمار". (صحيح البخاري، رقم الحديث: ۶۹۱، كتاب الأذان، باب إثم من رفع رأسه قبل الإمام ☆ الصحيح لمسلم، رقم الحديث: ۴۲۷، كتاب الصلاة، باب تحريم سبق الإمام بركوع أو سجود ونحوهما)

عن أبي مسعود الأنصاري، قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - : يؤم القوم أقرؤهم لكتاب الله، فإن كانوا في القراءة سواء، فأعلمهم بالسنة، فإن كانوا في السنة سواء، فأقدمهم هجرة، فإن كانوا في الهجرة سواء، فأقدمهم سلماً، ولا يؤمن الرجل الرجل في سلطانه، ولا يقعد في بيته على تكرمته إلا بإذنه.

(مسلم شريف: ۲۳۶۱، رقم الحديث: ۶۷۳)

## باب الإمامة

[ امامت کا بیان ]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب الإمامة

### [ امامت کا بیان ]

[۱] ایسے شخص کو امام بنانا، جسے نماز کے فرائض کا علم نہ ہو

۶۵۷-سوال: ہمارے امام صاحب کو یہ نہیں پتہ کہ نماز کی شرائط کیا ہیں اور اس کے فرائض

کتنے ہیں؟ تو اُسے امام بنانے والے ذمہ دار حضرات گنہ گار ہوں گے یا نہیں؟

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

ایسا شخص جسے مسائل نماز کا علم نہ ہو، اُس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے، دوسرے علماء کی موجودگی میں ایسے شخص کو امام بنانے والا گنہ گار ہوگا۔ (شامی: ۱/۵۵۹) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] (والأحق بالإمامة) تقدیماً بل نصباً مجمع الأنهر (الأعلم بأحكام الصلاة) فقط صحة وفسادا بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، وحفظه قدر فرض، وقيل واجب، وقيل سنة (ثم الأحسن تلاوة) وتجويدا (للقراءة، ثم الأورع) أي الأكثر اتقاء للشبهات. (الدر المختار) \_\_\_\_\_ قال ابن عابدين: (قوله تقدیماً) أي على من حضر معه. (قوله بل نصباً) أي للإمام الراتب. (قوله بأحكام الصلاة فقط) أي وإن كان غير متبحر في بقية العلوم، وهو أولى من المتبحر، كذا في زاد الفقير عن شرح الإرشاد. (قوله بشرط اجتنابه إلخ) كذا في الدراية عن المجتبی. وعبارة الكافي وغيره: الأعلم بالسنة أولى، إلا أن يظن عليه في دينه؛ لأن الناس لا يرغبون في الاقتداء به. (قوله قدر فرض) أخذته تبعاً للبحر من قول الكافي قدر ما تجوز به الصلاة، بناء على أن تجوز بمعنى تصح لا بمعنى تحل.

(قوله وقيل واجب) ذكره في البحر بحثاً لكن يمكن أخذه من كلام الكافي؛ لأن الجواز يطلق بمعنى الحل؛ بل قال الشيخ إسماعيل: ينبغي حمل الجواز المذكور على ما يشمل عدم الكراهة، وحينئذ فيرجع إلى القول الثالث. (قوله وقيل سنة) قائله الزليعي، وهو ظاهر المبسوط كما في النهج؛ ومشى عليه في الفتح. قال: وهو الأظهر لأن هذا التقديم على سبيل الأولوية؛ فالأنسب له مراعاة السنة. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۵۷، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، ط: دار الفكر - بيروت)

## [۲] نماز میں اس شخص کی اقتدا کرنا، جس کی قراءت صحیح نہ ہو

۶۵۸-سوال: ایک صاحب ہیں، جو بہت امانت دار اور بزرگ ہیں، انہوں نے قرآن شریف صرف ناظرہ تک اور کچھ اردو، عربی پڑھ رکھی ہے؛ لیکن مکمل عالم نہیں ہیں، اور باقاعدہ قراءت بھی انہوں نے نہیں سیکھی ہے، جس کی وجہ سے قرآن شریف پڑھتے وقت حروف ان سے صحیح ادا نہیں ہوتے ہیں، تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ کوئی کراہت تو نہیں پیدا ہوگی؟ بینواتو جروا۔

### الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ امام قرأت میں ایسی غلطیاں کرے، جس سے معافی ہی بدل جائیں، حالاں کہ مقتدی میں کوئی دوسرا آدمی صحیح قراءت کرنے والا موجود ہو، تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں، لیکن وہ ایسی غلطی کرتا ہے کہ معنی میں تغیر پیدا نہیں ہوتا، تو ان کی اقتداء مکروہ ہے؛ کہ بہتر اور صحیح پڑھنے والا موجود ہے۔<sup>(۱)</sup> تاہم جماعت

= لو قدموا فاسقا یا ثمون بناءً علی أن کراہة تقدیمہ کراہة تحريم؛ لعدم اعتنائہ بأمر دینہ. (حلبی کبیر - ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحلبي (م: ۹۵۶ھ)، ص: ۳۱۵، کتاب الصلاة، الأولی بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی - لاہور)

(۱) إذا أم أمي أميا وقارنا فصلاة الجميع فاسدة عند أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - وقالوا: صلاة القارئ وحده، وأما إذا صلوا وحدانا فقليل: إنه على الخلاف وقيل: يصح وهو الصحيح. هكذا في شرح مجمع البحرين للمصنف... ولا يصح اقتداء القارئ بالأمي وبالأخرس وكذا لا يصح اقتداء الأمي بالأخرس والكاسي بالعاري والمسبوق في قضاء ما سبق بمثله. كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۵-۸۶، الباب الخامس في الإمامة وفيه سبعة فصول، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره، ط: دار الفكر)

(ومنها للحن في الإعراب) إذا لحن في الإعراب لحن لا يغير المعنى بأن قرأ لترفعوا أصواتكم برفع التاء لا تفسد صلاته بالإجماع وإن غير المعنى تغييرا فاحشا بأن قرأ وعصى آدم به بنصب الميم ورفع الرب وما أشبه ذلك مما لو تعمد به يكفر. إذا قرأ خطأ فسدت صلاته في قول المتقدمين واختلاف المتأخرون: قال محمد بن مقاتل وأبو نصر محمد بن سلام وأبو بكر بن سعيد البلخي والفقهاء أبو جعفر الهندواني وأبو بكر محمد بن الفضل والشيخ الإمام الزاهد وشمس الأئمة الحلواني لا تفسد صلاته. وما قاله المتقدمون أحوط؛ لأنه لو تعمد يكون كفرا وما يكون كفرا لا يكون من القرآن وما قاله المتأخرون أوسع؛ لأن الناس لا يميزون بين إعراب وإعراب. كذا في فتاوى قاضي خان وهو الأشبه. كذا في المحيط وبه يفتى. كذا في العتبية وهكذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۱، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، مكتبة زكريا - ديوبند)

ومنها الوقف والوصل والابتداء في غير موضعها... ومنها ترك التشديد والمد في موضعها... ومنها ترك =

سے نماز پڑھنے کا ثواب مل جائے گا؛ بل کہ اگر ایسے امام کو معزول کرنے پر قدرت نہ ہو، تو پھر کراہت بھی نہیں آئے گی، کیوں کہ مقتدی اس سلسلہ میں معذور شمار ہوں گے۔<sup>(۲)</sup>

ہاں اگر اسی جیسے دیگر مقتدی بھی ہوں، کوئی صحیح قراءت کرنے والا موجود نہ ہو، تو نماز بلا کراہت درست ہوگی۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳] دائمی امام کی غیر حاضری میں عارضی امام نیت کس طرح کرے؟

۶۵۹-سوال: پنج وقتہ نماز کا دائمی امام اگر کسی وجہ سے حاضر نہ ہو اور نماز کا وقت ہو جائے اور اس نے کسی کو نماز پڑھانے کی خبر بھیجوائی ہو، تو اب اس کے لیے نماز پڑھانے کا طریقہ کیا ہوگا؟ وہ نیت کس طرح کرے گا؟ نیت کے الفاظ کیا ہوں گے؟ بیان فرمائیں۔

#### الجواب حامدا ومصليا:

نماز پڑھانے کا اصل حق ”امام راتب“ کا ہے، اگر وہ کسی کو نماز پڑھانے کو کہتا ہے، تو اس کی اجازت ہے۔ اس مقرر کردہ امام کے لیے نماز کی کوئی خاص نیت لازم نہیں ہے؛ بل کہ وہ صرف اس بات کی نیت

=الإدغام والإتيان به... ومنها الإمامة في غير موضعها. (المصدر السابق)

الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة. هكذا في المضمرة وهو الظاهر. هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا في التبيين ولم يطعن في دينه. كذا في الكفاية وهكذا في النهاية. ويجتنب الفواحش الظاهرة. (الفتاوى الهندية: ۱/۸۳، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، ط: زكريا-ديوبند ☆ بدائع الصنائع - علاء الدين الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۱/۱۵۷، كتاب الصلاة، فصل بيان من هو أحق بالإمامة وأولى بها، ط: دار الكتب العلمية ☆ تحفة الفقهاء - أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو: ۵۴۰هـ): ۱/۲۳۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۲) فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالافتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد؛ لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

(۳) وإمامة الأمامي قوماً أميين جائزة. كذا في السراجية. (الفتاوى الهندية: ۱/۸۵، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره، ط: دار الفكر - بيروت)

کرے کہ وہ کون سی نماز پڑھا رہا ہے؛ البتہ اگر اس کی اقتداء میں عورتیں بھی ہوں، تو یہ نیت کرے گا کہ میں مردوں اور عورتوں کو نماز پڑھاتا ہوں، اگر امام نے عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کی، تو عورتوں کا اقتداء کرنا درست نہیں ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

نیت دل سے پختہ عہد کرنے کو کہتے ہیں، زبان سے بولنا ضروری نہیں، البتہ متاخرین حضرات نے عوام کی غفلت کے پیش نظر زبان سے نیت کے کلمات ادا کرنے کو مستحب قرار دیا ہے، نیز اس لیے بھی، تاکہ زبان کی دل سے موافقت ہو جائے۔ نیت کے الفاظ یہ ہیں، مثلاً: "اللہ تعالیٰ کے لیے میں ظہر کی چار رکعت پڑھتا ہوں" بس یہ کہہ کر تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے ہاتھ باندھ لے۔<sup>(۲)</sup> فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

(۱) (ولا تدخل في صلاته بلا نيته إياها) أي لا تدخل المرأة في صلاة الرجل إلا أن ينويها الإمام. — وقال زفر: تدخل بغير نية كالرجل، ولنا أنه يلحقه من جهتها ضرر على سبيل الاحتمال بأن تقف في جنبه فتفسد صلاته فكان له أن يحترز عن ذلك بترك السنة. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ داماد أفندي (م: ۱۰۷۸ھ) ۱/۱۱۱، كتاب الصلاة، فصل الجماعة سنة مؤكدة، وأولى الناس بالإمامة، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ الاختيار لتعليل المختار - عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ۶۸۳ھ) ۱/۵۸، كتاب الصلاة، باب صلاة الجماعة، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة)

ویسے یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ مطلقاً عورتوں کی صحت اقتداء کے لیے امام کی نیت ضروری ہے یا اس صورت میں نیت ضروری ہے، جب کہ وہ کسی مرد کے محاذات میں کھڑی ہو جائے، صاحب بدائع کی تصریح ملاحظہ فرمائیں:

ویجوز اقتداء المرأة بالرجل إذا نوى الرجل إمامتها، وعند زفر نية الإمامة ليست بشرط على مامر، وروى الحسن عن أبي حنيفة أنها إذا وقفت خلف الإمام جاز اقتداؤها به وإن لم ينو إمامتها، ثم إذا وقفت إلى جنبه فسدت صلاتها خاصة لا صلاة الرجل، وإن كان نوى إمامتها فسدت صلاة الرجل وهذا قول أبي حنيفة الأول. (بدائع الصنائع: ۱۲۰/۱، كتاب الصلاة، فصل شرائط أركان الصلاة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(وإن أم نساء، فإن اقتدت به) المرأة (محاذية لرجل في غير صلاة جنازة، فلا بد) لصحة صلاتها (من نية إمامتها) لئلا يلزم الفساد بالمحاذة بلا التزام (وإن لم تقتد محاذية اختلف فيه) فليل يشترط وقيل لا كجنازة إجماعاً، وكجمعة وعيد على الأصح خلاصة وأشباه، وعليه إن لم تحاذ أحدًا تمت صلاتها وإلا لا. (الدر المختار مع رد المحتار: ۴۲۵/۱، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ مزيد تفصيل کے لیے دیکھیے: الاشباه والنظائر - ابن نجيم المصري: ۱/۷۷-۷۸، رقم المسئلة: ۱۵، ت: محمد يوسف التاؤلوي، ط: مكتبة فقيه الأمة - ديوبند)

(۲) والنية هي الإرادة، والشرط أن يعلم بقلبه أي صلاة يصلي، أما الذكر باللسان فلا معتبر به ويحسن ذلك لاجتماع عزيمته، ثم إن كانت الصلاة نفلًا يكفيه مطلق النية وكذا إن كانت سنة في الصحيح، وإن كانت فرضًا فلا =

## [۴] سوال سے توبہ کرنے والے فقیر کا نماز میں امام بننا

۶۶۰-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

میں ایک فقیر کا لڑکا ہوں، میں تبلیغی جماعت کے ساتھ جڑ گیا ہوں، اور میں نے لوگوں سے بھیک مانگنا (پیشہ گدگری) بند کر دیا ہے، اس بات کو بیس سال ہو گئے ہیں۔ میں میت کو غسل بھی دیتا ہوں، جس وقت میں سوال کرتا تھا، اس وقت تو لوگ میرے پیچھے فرض نماز نہیں پڑھتے تھے؛ لیکن اب میرے گاؤں کے ایک مولانا نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ جو شخص میت کو غسل دیتا ہے، اس کے پیچھے فرض نماز نہیں ہوتی ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں، فی الحال میں نے سوال کرنا چھوڑ دیا ہے، تو کیا میں نماز پڑھا سکتا ہوں یا نہیں؟ بیوقوف تو جروا۔

## الجواب حامد اومصلیا:

اللہ تعالیٰ رزق کا مالک ہے؛ اس لیے روزی اللہ ہی سے مانگنی چاہیے، لوگوں سے مانگنا چھوڑ کر آپ نے بہت اچھا کام کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر استقامت نصیب فرمائیں۔<sup>(۱)</sup>

=بد من تعیین الفرض، كالظہر مثلاً؛ لا اختلاف الفروض". (الہدایة فی شرح بدایة المبتدی - علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل الفرغانی المرغینانی، أبو الحسن برهان الدین (م: ۵۹۳ھ): ۹۶/۱، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة التي تتقدمها، ط: اثرنی - دیوبند)

(النية) بالإجماع (وهي الإرادة) المرجحة... الخ، (والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة) ... (والتلفظ) عند الإرادة (بها مستحب) هو المختار... وفي المحيط يقول: اللهم إني أريد أن أصلي صلاة كذا فيسر هالي و تقبلها مني. (الدر المختار مع رد المختار: ۱/ ۴۱۳-۴۱۵-۴۱۶، بحث النية، كتاب الصلاة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) عن قبيصة بن معارق الهلالي، قال: تحملت حمالة، فأثبت رسول الله صلى الله عليه وسلم أسأله فيها، فقال: أقم حتى تأتينا الصدقة، فنأمر لك بها، قال: ثم قال: "يا قبيصة إن المسألة لا تحل إلا لأحد ثلاثة رجل، تحمل حمالة، فحللت له المسألة حتى يصيبها، ثم يمسه، ورجل أصابته جائحة اجتاحت ماله، فحللت له المسألة حتى يصيب قواما من عيش - أو قال سدادا من عيش - ورجل أصابته فاقة حتى يقوم ثلاثة من ذوي الحجامن قومه: لقد أصابت فلانا فاقة، فحللت له المسألة حتى يصيب قواما من عيش - أو قال سدادا من عيش - فما سواهن من المسألة يا قبيصة سحتا يأكلها صاحبها سحتا". (الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۳۳، رقم الحديث: ۱۰۹ - ۱۰۴۲، باب من تحل له المسألة، ط: البدر - ديوبند)

عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من سأل الناس أموالهم تكثرا، فإنما يسأل جمرا فليستقل أو ليستكثر. (حوالہ سابق: ۱/ ۳۳۳، حدیث نمبر: ۱۰۵-۱۰۴۱، باب كراهة المسألة للناس)



جس شخص نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ: میت کو غسل دینے والے کے پیچھے فرض نماز صحیح نہیں ہے، وہ ناواقف ہے، ان کو صحیح مسئلہ معلوم نہیں ہے، مسئلہ یہ ہے کہ اگر گاؤں میں بہت سارے لوگ ہوں، تو میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے اور اگر ایک ہی شخص ہو، تو اس کے لیے میت کو غسل دینا فرض عین ہے۔<sup>(۲)</sup> اور فرض کفایہ اور فرض عین کو ادا کرنے سے ثواب ملتا ہے، گناہ نہیں ہوتا، کہ جس کی وجہ سے اس کے پیچھے نماز نہ ہو، البتہ فرض کفایہ کے وقت غسل کرانے کے پیسے لینا جائز ہے اور فرض عین کے وقت غسل کرانے کے پیسے لینا جائز نہیں۔<sup>(۳)</sup> میت کو غسل دینا بڑے ثواب کا کام ہے۔ حضرت ابو شفیق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص میت کو غسل دے اور اس کے عیب کو چھپائے، تو اللہ تعالیٰ اس کے چالیس بڑے گناہ معاف فرمادیں گے۔ (طبرانی کبیر)<sup>[۴]</sup>

دوسری روایت میں ہے کہ: اللہ تعالیٰ چالیس مرتبہ اس کو معاف فرمائیں گے۔ (حاکم)<sup>[۵]</sup>

(۲) اعلم بأن غسل الميت واجب، وهو من حق المسلم على المسلم قال - عليه الصلاة والسلام - : للمسلم على المسلم ستة حقوق ، وفي جملته أن يغسله بعد موته ولكن إذا قام به بعض المسلمين سقط عن الباقيين لحصول المقصود. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل، شمس الأئمة، السرخسي (م: ۳۸۳ھ) : ۵۸/۲، كتاب الصلاة، باب غسل الميت، ط: دار المعرفة - بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۱/۳۰۰، كتاب الصلاة، فصل بيان كيفية وجوب غسل الميت، ط: دار الكتب العلمية ☆ البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۱/۶۸، كتاب الصلاة، أحكام الغسل، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۱/۶۷، كتاب الصلاة، سنن الغسل، ط: دار الفكر)

(۳) ينبغي أن يكون المغسل طاهراً ويكره أن يكون جنباً أو حائضاً والأفضل أن يكون غسل الميت مجاناً، وإن ابتغى الغاسل أجراً، فإن كان هناك غيره يجوز أخذ الأجرة وإلا لا. (حاشية الشرنبلالي مع درر الحكام شرح غرر الأحكام: ۱/۱۶۱، باب الجنائز، ما يفعل بالمحتضر، ط: دار إحياء الكتب العربية)

(۴) عن علي بن رباح، قال: سمعت أبا رافع، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من غسل ميتاً فكنتم عليه غفر له أربعين كبيرة، ومن حفر لأخيه قبراً حتى يحنه فكأنما أسكنه مسكناً مرة حتى يبعث. (المعجم الكبير - أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰ھ) : ۱/۳۱۵، رقم الحديث: ۹۲۹، باب الألف، علي بن رباح اللخمي، عن أبي رافع، ت: حمدي بن عبد المجيد السلفي، ط: مكتبة ابن تيمية - القاهرة)

(۵) عن أبي رافع، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من غسل ميتاً فكنتم عليه غفر له أربعين مرة، ومن كفن ميتاً كساه الله من اللين والبرق الجنة، ومن حفر لميت قبراً فأجنته فيه أجر له من الأجر كأجر مسكن أسكنه إلى يوم القيامة. (المستدرک علی الصحیحین - أبو عبد اللہ الحاکم النیسابوری (م: ۳۰۵ھ) : ۱/۵۰۵، رقم الحديث: ۱۳۰۷، كتاب الجنائز، ت: مصطفى عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میت کو غسل دے، وہ گناہوں سے اس طرح نکل جائے گا، گویا کہ وہ آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ (طبرانی اوسط) [۶]

حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص میت کو غسل دے اور اس کے عیب کو چھپائے، تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔ (طبرانی کبیر) [۷]

اسی طرح اس قسم کی دوسری روایات حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ (ترغیب ترہیب: ۶/۳۴-۳۵) [۸]

مذکورہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہو گیا کہ میت کو غسل دینا ثواب کا کام ہے، کیوں کہ غسل دینے والے کو موت کی یاد آئے گی، دل نرم ہوگا، توبہ اور استغفار کی توفیق ہوگی؛ اس لیے جو میت کو غسل دے، وہ نماز میں امام بن سکتا ہے، جب کہ وضو، غسل اور نماز کے مسائل جانتا ہو اور قرآن کی سورتیں (حفظ) یاد ہوں، تو فرض، نفل اور عیدین کی نماز میں اس کو امام بنانا جائز ہے۔ جس شخص نے مذکور مسئلہ بیان کیا ہے، وہ بالکل غلط ہے اس پر بالکل عمل نہیں کیا جائے گا۔<sup>(۹)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۶) عن عائشة، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من غسل ميتا فأدى فيه الأمانة، يعني: ستر ما يكون عند ذلك، كان من ذنوبه كيوم ولدته أمه. (المعجم الأوسط: ۴/۳۸، رقم الحديث: ۳۵۷۵، باب الدال، من اسمه داؤد، ط: دار الحرمين، القاهرة)

(۷) عن أبي أمامة رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من غسل ميتا، فكتم عليه طهره الله من ذنوبه. (المعجم الكبير: ۸/۲۸۱، رقم الحديث: ۸۰۷۸، باب الصاد، أبو غالب صاحب المحجن، واسمه حزور، ط: مكتبة ابن تيمية القاهرة)

(۸) الترغيب والترهيب-قوام السنة (م: ۵۳۵ھ): ۳/۱۵۵-۱۵۶، رقم الحديث: ۲۲۸۰-۲۲۸۲، باب في الترغيب في غسل الجنابة وغسل الحيض وغسل الميت، ت: أيمن بن صالح بن شعبان، ط: دار الحديث - القاهرة۔ نوٹ: اس باب میں احقر کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت نہیں مل سکی۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

(۹) الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة. هكذا في المضمرة وهو الظاهر. هكذا في البحر الرائق، هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا في التبيين، ولم يطعن في دينه. كذا في الكفاية وهكذا في النهاية. ويحتمل الفواشح الظاهرة. (الفتاوى الهندية: ۱/۸۳، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، ط: زكريا-ديوبند ☆ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع-علاء الدين، الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ): ۱/۱۵۷، كتاب الصلاة، فصل بيان من هو أحق بالإمامة وأولى بها، ط: دار الكتب العلمية ☆ تحفة الفقهاء-أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو: ۵۳۰ھ): ۱/۲۳۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

## [۵] شافعی امام کے پیچھے نماز پڑھنا

۶۶۱-سوال: ہمارے یہاں مسجد میں حنفی امام ہے، گزشتہ کل ان کی عدم موجودگی میں مؤذن- جو کہ شافعی ہے- نے نماز پڑھائی اور پیچھے سب مقتدی حنفی تھے، تو ان حنفیوں کی شافعی امام کے پیچھے نماز بلا کراہت صحیح ہوئی یا نہیں؟

### الجواب حامداً ومصلياً:

اگر شافعی امام، مذہب حنفی کی رعایت کرتا ہو، اس طور پر کہ وہ ان چیزوں سے بچتا ہو، جو حنفی مسلک کے مطابق مفسدات صلاۃ میں سے ہیں، مثلاً: احناف کے یہاں منہ بھر کرتے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، تو وہ اس کا خیال رکھتا ہو، کہ ایسا ہونے پر وہ وضو کر لیتا ہو، تو حنفیوں کی نماز اس کے پیچھے بلا کراہت ہو جائے گی، اس میں شک کی ضرورت نہیں۔<sup>(۱)</sup> بمبئی جامع مسجد کے امام صاحب شافعی المسلمک ہیں، اسی طرح مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے امام صاحبان بھی حنبلی و مالکی ہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۶] وتر کی نماز میں حنفی شخص کا شافعی کی اقتدا کرنا

۶۶۲-سوال: ہم یہاں دہلی میں رمضان شریف میں شافعی امام کے پیچھے تراویح پڑھتے ہیں، تراویح کے بعد جب وتر کا وقت ہوتا ہے، تو حنفی حضرات انفراداً یا مسجد کے صحن میں باجماعت وتر ادا کرتے ہیں

(۱) وظاهر کلام شرح المنیۃ ایضاً حیث قال: وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز ما لم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدي عليه الإجماع، إنما اختلف في الكراهة. اهـ فقيده بالمفسد دون غيره كما ترى. وفي رسالة [الاقتداء في الاقتداء] لمنلا علي القاري: ذهب عامة مشايخنا إلى الجواز إذا كان يحتاط في موضع الخلاف وإلا فلا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۶۳، كتاب الصلاة، مطلب في الاقتداء بشافعي ونحوه هل يكره أم لا؟)

والاقتداء بشافعي المذهب إنما يصح إذا كان الإمام يتحامي مواضع الخلاف بأن يتوضأ من الخارج النجس من غير السبيلين كالقصد وأن لا ينحرف عن القبلة انحرافاً فاحشاً. هكذا في النهاية والكفاية في باب الوتر. (الفتاوى الهندية: ۱/۸۷، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا، ديوبند)

مزید تفصیل ملاحظہ کریں: البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۲/۵۰، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ منحة الخالق مع البحر الرائق: ۲/۵۰، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الكتاب الإسلامي.

شافعی امام کے پیچھے وتر نہیں پڑھتے ہیں، تو سوال یہ ہے کہ کیا حنفی حضرات کا شافعی امام کے پیچھے وتر کی نماز پڑھنا درست نہیں ہے؟ امید ہے کہ مفصل و مدلل جواب عطا فرمائیں گے۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر کی تین رکعت ایک سلام سے پڑھنا واجب ہے۔<sup>(۱)</sup> اور امام شافعیؒ کے نزدیک وتر کو دو سلام سے پڑھنا سنت ہے، اور شوافع میں بعض وتر ایک سلام سے بھی پڑھنے کے قائل ہیں۔<sup>(۲)</sup>

(۱) أما الأول فعند أبي حنيفة فيه ثلاث روايات، روى حماد بن زيد عنه أنه فرض، وروى يوسف بن خالد السمتي أنه واجب، وروى نوح بن أبي مريم المروزي في الجامع عنه أنه سنة وبه أخذ أبو يوسف ومحمد والشافعي - رحمهم الله - وقالوا: إنه سنة مؤكدة أكد من سائر السنن المؤقتة. (بدائع الصنائع: ۲/۲۰، كتاب الصلاة، فصل في أنواع الصلاة الواجبة ومنها صلاة الوتر، ط: دار الكتب العلمية)

(هو فرض عملا وواجب اعتقادا وسنة ثبوتا) بهذا وفقوا بين الروايات. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله بين الروايات) أي الثلاث المروية عن أبي حنيفة، فإنه روي عنه أنه فرض وأنه واجب وأنه سنة، والتوفيق أولى من التفريق، فرجع الكل إلى الوجوب الذي مشى عليه في الكنز وغيره. قال في البحر: وهو آخر أقوال الإمام، وهو الصحيح محيط والأصح خانبة، وهو الظاهر من مذهبه مبسوط. اهـ. ثم قال: وأما عندهما فسنة عملا واعتقادا ودليلا، لكنها أكد سائر السنن المؤقتة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الفكر - بيروت)

والكلام فيه في فصول: (أحدها) أن الوتر ثلاث ركعات لا يسلم إلا في آخرهن عندنا. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۸۳ھ): ۱/۱۶۳، كتاب الصلاة، أحكام الوتر، الفصل الأول عدد ركعات الوتر، ط: دار المعرفة - بيروت)

"الوتر واجب عند أبي حنيفة رحمه الله وقال سنة" ... قال: "الوتر ثلاث ركعات لا يفصل بينهما بسلام". (الهداية في شرح بداية المبتدي - المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/۶۶، كتاب الصلاة، باب صلاة الوتر، ط: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(۲) الوتر سنة. ويحصل بر كعة، وبثلاث، وبخمس، وبسبع، وبتسع، وبأحدى عشرة، فهذا أكثره على الأصح. وعلى الثاني: أكثره ثلاث عشرة. ولا يجوز الزيادة على أكثره على الأصح. فإن زاد، لم يصح وتره. وإذا زاد على ركعة، فأوتر بثلاث فأكثر موصولة، فالصحيح: أن له أن يتشهد تشهدا واحدا في الأخيرة، وله تشهد آخر في التي قبلها. وفي وجه: لا يجزئ الاقتصار على تشهد واحد. وفي وجه: لا يجوز لمن أوتر بثلاث، أن يتشهد تشهدين بتسليمة. فإن فعل، بطلت صلاته، بل يقتصر على تشهد أو يسلم في التشهدين. وهذان الوجهان منكران، والصواب جواز ذلك كله. (روضة الطالبين وعمدة المفتين - أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ۶۷۲ھ): ۱/۳۲۸، كتاب الصلاة، فصل قبل: فصل في النوافل التي يسن فيها الجماعة، ت: زهير الشاويش، ط: =

اسی بنا پر درمختار میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شافعی المسلک امام، وتر کو ایک سلام سے پڑھاتا ہے، تو خفی کا اس کی اقتدا کرنا درست ہے، ورنہ (یعنی دو سلام سے پڑھاتا ہو) تو خفی شخص کی نماز درست نہ ہوگی: (وصح الاقتداء فیہ) ففي غیرہ أولى إن لم يتحقق منه ما يفسدها في الأصح... (بشافعی) مثلاً (لم يفصله بسلام) لا إن فصله (على الأصح). (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۴۴۴، مکتبہ زکریا دیوبند) [۱]

لہذا آپ کے امام صاحب اگر ایک سلام سے وتر پڑھاتے ہوں، تو الگ جماعت کرنے یا انفراداً وتر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، ان ہی کی اتباع میں وتر پڑھ لینا چاہیے، اور اگر دو سلام سے پڑھاتے ہوں، تو علاحدہ پڑھ لیا کریں۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۷] امرد کی امامت کا حکم

۶۶۳-سوال؛ اگر لڑکے کی عمر ۱۶-۱۷ سال کی ہوگئی ہو؛ لیکن اس کی ڈاڑھی اور مونچھ نہ نکلی ہو، یعنی امرد ہو، تو کیا اس کی امامت جائز نہیں ہے؟ اگر وہ تراویح پڑھائے، تو تراویح درست ہوگی یا نہیں؟ یا امرد کے پیچھے نماز درست نہیں ہے؟ مفصل جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

### الجواب حامداً ومصلياً:

صلوات مفروضہ (فرض نمازیں) اور تراویح وغیرہ میں امامت کے لیے امام کا بالغ ہونا شرط ہے۔<sup>(۳)</sup> اس لیے اگر لڑکے کی عمر جب ۱۶-۱۷ سال کی ہے، تو اس کے پیچھے نماز درست ہے، جب کہ امامت

= المكتبة الإسلامية - بيروت ☆ الحاوي الكبير في فقه مذهب الإمام الشافعي وهو شرح مختصر المزني - أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي، الشهير بالماوردي (م: ۴۵۰ھ)؛ ۲/۲۹۳، باب صلاة التطوع وقيام رمضان، مسألة: القول في عدد الركعات، ت: الشيخ علي محمد معوض - الشيخ عادل أحمد عبد الموجود، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۷-۸، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الفکر.

(۲) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: البحر الرائق: ۲/۶۸، كتاب الصلاة، باب الوتر والنفل، ط: دار الکتب - دیوبند)

(۳) ولا يجوز للرجال أن يقتدوا بامرأة أو صبي "... وأما الصبي فلأنه متفل فلا يجوز اقتداء المفترض به، وفي التراويح والسنن المطلقة جوز مشايخ بلخر حمهم الله ولم يجوز مشايخنا رحمهم الله... والمختار أنه لا يجوز في الصلوات كلها. (الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر، المرغيناني، برهان الدين (م: ۵۹۳ھ):

۵۷، باب الإمامة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت)

کی دیگر شرائط اس میں موجود ہوں۔<sup>(۱)</sup> البتہ امامت میں اس ترتیب کی رعایت کرنی چاہیے، جو حدیث پاک سے ثابت ہے۔<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۸] ایسے آدمی کے پیچھے فرض نماز پڑھنا جن کی داڑھی نہیں نکلی ہے

۶۶۳-سوال: ایک شخص عاقل و بالغ، مسائل کا جاننے والا اور قرآن مجید کو صحیح پڑھنے والا ہے؛

لیکن اس کی داڑھی نہیں نکلی ہے، تو کیا ایسے شخص کے پیچھے فرض نماز پڑھنا جائز ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

اگر عمر کے لحاظ سے بالغ ہے، اور ابھی ڈاڑھی نہیں نکلی ہے، تو اس کی امامت صحیح ہے، اسی طرح جس شخص کی قدرتی طور پر ڈاڑھی نہیں ہے، اس کی بھی امامت صحیح ہے، امامت کے جواز کے لیے ڈاڑھی کا نکلنا شرط نہیں ہے، بل کہ شرط یہ ہے کہ امام بالغ ہو، نابالغ کی امامت درست نہیں ہے۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) سوال: لڑکا اگرچہ بالغ ہو گیا، مگر امر ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: جائز ہے، مگر غیر امر داس سے مقدم ہے، خاص کر جب کہ وہ امر صلیح و طیب ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶/۳۱۴-۳۱۵، باب الامامة)

(و کذا تکره خلف أمر د) الظاهر أنها تنزيهية أيضا... والظاهر أن المراد به الصبيح الوجه، لأنه محل الفتنة... وفي حاشية المدني عن الفتاوى العفيفية: سئل العلامة الشيخ عبد الرحمن بن عيسى المرشدي عن شخص بلغ من السن عشرين سنة وتجاوز حد الإنبات ولم ينبت عذاره، فهل يخرج بذلك عن حد الأمر دية، وخصوصا وقد نبت له شعرات في ذقنه تؤذن بأنه ليس من مستدري اللحى، فهل حكمه في الإمامة كالرجال الكاملين أم لا أجاب: سئل العلامة الشيخ أحمد بن يونس المعروف بابن الشلبي من متأخري علماء الحنفية عن هذه المسألة... فأجاب بالجواز من غير كراهة، وناهيك به قدوة، والله أعلم. وكذلك عنها المفتي محمد تاج الدين القلعي فأجاب كذلك. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في إمامة الأمر د، ط: دار الفكر)

(۲) عن أبي مسعود الأنصاري، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يوم القوم أقرؤهم لكتاب الله، فإن كانوا في القراءة سواء، فأعلمهم بالسنة، فإن كانوا في السنة سواء، فأقدمهم هجرة، فإن كانوا في الهجرة سواء، فأقدمهم سلما، ولا يؤمن الرجل الرجل في سلطانه، ولا يقعد في بيته على تكبرته إلا ياذنه. قال الأشج في روايته: مكان سلما سنا. (الصحيح لمسلم: ۱/۲۳۶، رقم الحديث: ۲۹۰- (۶۷۳)، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب من أحق بالإمامة، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن أبي داود ۱/۸۶، رقم الحديث: ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، باب من أحق بالإمامة

☆ سنن الترمذي: ۱/۵۵، رقم الحديث: ۲۳۵، باب من أحق بالإمامة، ط: البدر - ديوبند)

(۳) وفي حاشية المدني عن الفتاوى العفيفية: سئل العلامة الشيخ عبد الرحمن بن عيسى المرشدي عن شخص =

## [۹] پندرہ سالہ بچے کی امامت

۶۶۵-سوال: ایک بچے کی عمر اسلامی تاریخ کے اعتبار سے ۲۶ شعبان المعظم کو پندرہ سال ہو جائے گی، تو کیا یہ بچہ اس کے بعد ماہ رمضان میں تراویح اور دیگر فرض نمازیں پڑھا سکتا ہے؟ بیوقوف تو جروا۔

### الجواب حامدا ومصليا:

اقتداء کے صحیح ہونے کے لیے عند الاحتماف امام کا بالغ ہونا ضروری ہے، اگر علامات بلوغ بچے میں معلوم نہ ہوں، تو پندرہ سال مکمل ہونے پر اُس پر بلوغ بالسن کا حکم لگایا جائے گا، لہذا حسب تحریر، امامت کی گنجائش ہے۔<sup>(۱)</sup>

لیکن امامت چوں کہ ایک اہم ذمہ داری ہے، اس لیے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کسی ایسے شخص کو امام

=بلغ من السن عشرين سنة وتجاوز حد الإنبات ولم ينبت عذاره، فهل يخرج بذلك عن حد الأمردية، وخصوصا وقد نبت له شعرات في ذقنه تؤذن بأنه ليس من مستديري اللحى، فهل حكمه في الإمامة كالرجال الكاملين أم لا أجاب: سئل العلامة الشيخ أحمد بن يونس المعروف بابن الشلبي من متأخري علماء الحنفية عن هذه المسألة. فأجاب بالجواز من غير كراهة، وناهيك به قدوة، والله أعلم. وكذلك عنها المفتي محمد تاج الدين القلعي فأجاب كذلك. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۱/۲۲۸، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتاب ديوبند)

(۱) ربط صلاة المؤتم بالإمام بشروط عشرة: نية المؤتم الاقتداء، واتحاد مكانهما وصلاتهما... الخ. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله بشروط عشرة) هذه الشروط في الحقيقة شروط الاقتداء، وأما شروط الإمامة، فقد عدها في نور الإيضاح على حدة، فقال: وشروط الإمامة للرجال الأصحاء ستة أشياء: الإسلام، والبلوغ، والعقل والذكورة، والقرأة، والسلامة من الأعذار كالرعاف، والفأفة، والتمتمة، واللثغ، وفقد شرط كطهارة وستر عورة. اهـ. احترز بالرجال الأصحاء عن النساء الأصحاء فلا يشترط في إمامهن الذكورة؛ وعن الصبيان فلا يشترط في إمامهم البلوغ، وعن غير الأصحاء فلا يشترط في إمامهم الصحة، لكن يشترط أن يكون حال الإمام أقوى من حال المؤتم أو مساويا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۵۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

(بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال) والأصل هو الإنزال (والجارية بالاحتلام والحيض والحبل) ولم يذكر الإنزال صريحا لأنه قلما يعلم منها (فإن لم يوجد فيهما) شيء (فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى) لقصر أعمار أهل زماننا. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۵۳، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، ط: دار الفكر - بيروت)

بنانا بہتر ہے، جو عالم بالسنۃ ہو اور مسائل کا جاننے والا ہو؛ لہذا مذکورہ بچے کو سنن و نوافل وغیرہ میں امام بنایا جائے۔ اسی طرح تراویح کے لیے بھی کوئی عالم بالسنۃ امام مل جائے تو بہتر ہے، ورنہ مذکورہ بچہ بالغ بالسن ہونے کی وجہ سے پڑھائے، تو جائز ہے، شرعی اعتبار سے کوئی حرج نہیں ہے۔ (شامی ☆ عالمگیری) <sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۰] پندرہ سالہ بچہ تراویح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

۶۶۶-سوال: ایک بچے کی عمر پندرہ سال ہو چکی ہے، لیکن اب تک علاماتِ بلوغ اُس میں ظاہر نہیں ہوئیں، تو کیا ایسا لڑکا تراویح پڑھا سکتا ہے؟

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

پندرہ سال پورے ہو چکے ہوں؛ لیکن علاماتِ بلوغ ظاہر نہ ہوئی ہوں، تو بھی ایسے لڑکے لیے تراویح پڑھانا جائز ہے۔ <sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۱] تیرہ یا چودہ سالہ نابالغ بچے کی امامت

۶۶۷-سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ کسی لڑکے کی عمر تیرہ چودہ سال کے درمیان ہے، ابھی تک وہ بالغ نہیں ہوا ہے، کیا وہ لوگوں کی فرض نماز میں امامت کرا سکتا ہے؟ اگر وہ حافظ ہو تو نماز تراویح میں امام بن سکتا ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

[۱] (والأحق بالإمامة) تقدیماً بل نصباً، مجمع الأنهر (الأعلم بأحكام الصلاة) فقط صحة وفسادا، بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، وحفظه قدر فرض، وقيل واجب، وقيل سنة، (ثم الأحسن تلاوة) وتجويدا (للقراءة، ثم الأورع) أي الأكثر اتقاء للشبهات... (ثم الأسن) أي الأقدم إسلاما، فيقدم شاب على شيخ أسلم، وقالوا: يقدم الأقدم ورعا. وفي النهر عن الزاد: وعليه يقاس سائر الخصال، فيقال: يقدم أقدمهم علما ونحوه، وحينئذ فقلما يحتاج للقرعة (ثم الأحسن خلقا) بالضم ألفة بالناس (ثم الأحسن وجها) أي أكثرهم تهجدا... الخ. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۵۵۷، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۸۳، الباب الخامس في الإمامة، ط: زكريا - ديوبند)

(۲) قد تقدم تخريجه تحت عنوان: ”پندرہ سالہ بچے کی امامت“۔



## الجواب حامدا ومصليا:

تیرہ یا چودہ سالہ لڑکے پر اگر علامات بلوغ ظاہر ہو گئے ہوں، مثلاً: بال ریش و مونچھ یا زیر ناف نکل آئے ہوں، تو وہ بالغ ہے، ورنہ نہیں۔<sup>(۱)</sup> اگر کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی ہو اور احتلام بھی نہ ہوا ہو، تو وہ نابالغ ہے۔ ہاں، پندرہ سال پورے ہو جائیں تو بالغ شمار ہوگا، اگرچہ کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی ہو۔<sup>(۲)</sup>

نابالغ بچہ اگرچہ قریب البلوغ (مراہق) ہو، تب بھی اُس کے لیے تراویح میں بالغین کی امامت جائز نہیں ہے، یہی صحیح ہے۔ (عالم گیری)<sup>[۳]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) علامات بلوغ میں موئے ریش و لہجہ اور زیر ناف کا ذکر، غیر روایۃ الاصول یا امام ابو یوسف کی روایت پر مبنی ہے، تاہم متون و شروح کی روایات میں ان علامتوں کا ذکر نہیں ہے، بل کہ ان (موئے ریش و لہجہ اور زیر ناف) کے علامت بلوغ نہ ہونے کی تصریح منقول ہے:

(بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال) والأصل هو الإنزال (والجارية بالاحتلام والحيض والحبل) ولم يذكر الإنزال صريحا لأنه قلما يعلم منها (فإن لم يوجد فيهما) شيء (فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى) [الدر المختار] — قال ابن عابدين: (قوله: فإن لم يوجد فيهما) أي في الغلام والجارية شيء مما ذكر إلخ مفاده: أنه لا اعتبار لنبات العانة خلافا للشافعي، ورواية عن أبي يوسف، ولا اللحية، وأما نهود الثدي فذكر الحموي أنه لا يحكم به في ظاهر الرواية، وكذا ثقل الصوت كما في شرح النظم الهاملي أبو السعود وكذا شعر الساق والإبط والشارب. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/۱۵۳، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، ط: دار الفكر - بيروت)

قوله: (وقال أبو يوسف ومحمد: إذا تم للغلام، والجارية خمس عشرة سنة فقد بلغا) ولا معتبر بنبات العانة، وعن أبي يوسف: أنه اعتبر نباتها الخشن بلوغا، وهو الذي يحتاج في إزالته إلى حلق، وأما نهود الثدي فلا يحكم به بلوغا في ظاهر الرواية، وقال بعضهم يحكم به كذا في الخجندی، وأما شعر الإبط والشارب فقد قيل على الخلاف في شعر العانة وقيل لا عبرة به، وأما الزغب وهو الشعر الضعيف وثقل الصوت فلا اعتبار به. (الجوهرة النيرة - أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزبيدي اليمني الحنفي (م: ۸۰۰ھ) : ۱/۲۴۵، كتاب الحجر، ط: المطبعة الخيرية ☆ حاشية الشلبي على تبیین الحقائق (شہاب الدین أحمد بن محمد بن أحمد بن یونس بن إسماعيل بن یونس الشلبي (م: ۱۰۲۱ھ) : ۵/۲۰۳، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة ☆ البناية شرح الهداية - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵ھ) : ۱۰۹/۱۱، كتاب الحجر، فصل في حد البلوغ، علامات بلوغ الغلام والجارية، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۲) تفصیل تخریج کے لیے ملاحظہ کیجئے عنوان: ”پندرہ سالہ بچے کی امامت“ کا حاشیہ نمبر: ۱۔

[۳] وإمامة الصبي المراهق لصبيان مثله يجوز. كذا في الخلاصة، وعلى قول أئمة بلخ يصح الاقتداء بالصبيان في الترويح والسنن المطلقة. كذا في فتاوى قاضي خان، المختار أنه لا يجوز في الصلوات كلها. كذا في الهداية وهو الأصح. هكذا في المحيط وهو قول العامة وهو ظاهر الرواية. هكذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ۱/۸۵، =

## [۱۲] لڑکا اور لڑکی کے بالغ ہونے کی کم سے کم عمر

۶۶۸-سوال: میرا بھائی ریاض الدین اس سال رمضان میں ہمارے گاؤں میں تراویح، فرض اور وتر کی نمازیں، امام صاحب کی اجازت و خوشی سے پڑھاتا ہے، اس کی تاریخ ولادت ۱۰/۳/۱۹۶۸ء ہے، انگریزی تاریخ کے لحاظ سے پہلی رمضان کو اس کی عمر ۱۷ سال ۲ مہینہ ۱۰ دن تھی، بعض لوگ اس کو نابالغ سمجھتے ہیں اور بہت سے لوگ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ مذکورہ شخص تراویح پڑھا سکتا ہے، فرض اور وتر کی نماز نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ابن آدم بالغ کب ہوتا ہے؟ کیا اس وقت جب مونچھ کے بال اچکے ہوں؟ اور میرا بھائی ریاض الدین اس سال تراویح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ برائے کرم بالتفصیل جواب مرحمت فرمائیں۔

## الجواب حامدا ومصليا:

لڑکا کے بالغ ہونے کی کم سے کم عمر بارہ (۱۲) سال ہے، صحت اچھی ہو اور غذا اچھی ہو، تو بارہ (۱۲) سال میں بالغ ہو سکتا ہے؛ اس لیے اس بات کا شرعا امکان ہے کہ ۲۵ سال کی عمر میں آدمی دادا اور ساڑھے بارہ سال کی عمر میں باپ بن جائے؛ کیوں کہ حمل کی اقل مدت ۶ مہینہ ہے۔

اسی طرح اس بات کا امکان ہے کہ نو (۹) سال میں لڑکی بالغ ہو جائے، ساڑھے نو سال میں ماں بن جائے اور انیس سال کی عمر میں نانی۔<sup>(۱)</sup>

= کتاب الصلاة، باب في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره، ط: دار الفكر - بيروت (ولا يصح اقتداء رجل بامرأة) وخنثى (وصبي مطلقا) ولو في جنازة ونفل على الأصح. (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۷۶/۱-۵۷۸، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۶۲۸/۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتاب - ديوبند)

(۱) (وأقله ستة أشهر لقوله تعالى { وحملة وفصالة ثلاثون شهرا } [الأحقاف: ۱۵] ثم قال { وفصالة في عامين } [لقمان: ۱۳] فبقي للحمل ستة أشهر) وهذا تأويل أخرجه ابن عباس، ذكره في المبسوط، فقال: روي أن رجلا تزوج امرأة فولدت ولدا لستة أشهر، فهم عثمان برجمها، فقال ابن عباس: أما إنها لو خاصمتكم بكتاب الله لخصمتكم، قال الله تعالى { وحملة وفصالة ثلاثون شهرا } [الأحقاف: ۱۵] وقال تعالى { وفصالة في عامين } [لقمان: ۱۳] فإذا ذهب للفصال عامان لم يبق للحمل إلا ستة أشهر، فدرأ عثمان الحد عنها، وأثبت النسب من الزوج. (الغناية شرح الهداية- محمد بن محمد بن محمود، أكمل الدين، الرومي البابرتي (م: ۷۸۶هـ): ۳۶۳/۳، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، أكثر مدة الحمل، ط: دار الفكر ☆ فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (م: ۸۶۱هـ): ۳۶۳/۳، باب ثبوت النسب، ط: دار الفكر)

اگر لڑکے کو احتلام نہ ہوا ہو، تو وہ پندرہ سال کی عمر میں بالغ مانا جائے گا؛ آپ کی تحریر کے مطابق آپ کے بھائی کی عمر سترہ (۱۷) سال ہے، لہذا وہ بالغ ہے، فرض نماز کے لیے دیگر صلاحیت ہو، تو اس کی امامت جائز ہے، لوگوں کا اعتراض صحیح نہیں۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [ ۱۳ ] عورت کا نماز میں امام بننا

۶۶۹-سوال: اگر کوئی عورت نماز میں امام ہو اور اس کے پیچھے اس کے گھر کی خواتین نماز ادا کرتی ہوں، تو ان کے ساتھ کوئی مرد جماعت میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں؟ مینو اتوجروا۔

#### الجواب حامدًا ومصلياً:

تہا عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے؛ اس لیے اگر کوئی مرد موجود ہو اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی کوئی ضرورت ہو، تو مرد امامت کرے۔<sup>(۲)</sup> عورت کو امام نہ بنایا جائے، اگر کہیں عورت کی جماعت ہو رہی ہو، اور عورت ہی امامت کر رہی ہو، تو مرد کے لیے اس کی اقتدا کرنا جائز نہیں ہے۔<sup>(۳)</sup> فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) وأدنی مدة يصدق الغلام فيها على البلوغ اثنتا عشرة سنة، والجارية تسع سنين، وقيل غير ذلك، وهذا هو المختار. (الاختيار لتعليل المختار - ابن مودود الموصلي (م: ۶۸۳ھ): ۲/۹۵-۹۶، كتاب الحجر، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة)

تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ کیجیے، عنوان: ”پندرہ سالہ بچے کی امامت“ کا حاشیہ نمبر: ۱۔

(۲) عن عبد الرحمن بن أبي بكر، عن أبيه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم «أقبل من نواحي المدينة يريد الصلاة، فوجد الناس قد صلوا، فمال إلى منزله، فجمع أهله، فصلى بهم». (المعجم الأوسط - أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰ھ): ۵/۳۵، رقم الحديث: ۴۶۰۱، باب العين، من اسمه عبدان، ت: طارق بن عوض الله بن محمد، عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني، ط: دار الحرمين - القاهرة)

"ويكره للنساء أن يصلين وحدثن الجماعة" لأنها لا تخلو عن ارتكاب محرم وهو قيام الإمام وسط الصف فيكره كالعراة "فإن فعلن قامت الإمام وسطهن" ... ولا يجوز للرجال أن يقتدوا بامرأة أو صبي". (الهداية في شرح بداية المبتدي - المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/۵۷، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(۳) لا يصح اقتداء الرجل بالمرأة. (خلاصة الفتاوى: ۱/۱۴۶، كتاب الصلاة، في صحة الاقتداء، ط:

## [۱۴] مرد کا صرف عورتوں کی امامت کرنا

۶۷۰- سوال: جماعت کی نماز میں صرف ایک مرد امام ہو اور کوئی مرد نہ ہو اور پیچھے عورتیں اقتدا

کریں، تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

## الجواب حامدًا ومصلياً:

پیچھے محرم عورتیں: ماں، بہن وغیرہ ہوں، تو جائز ہے، تہا غیر محرم عورتوں کی امامت کرنا مکروہ ہے۔<sup>(۱)</sup>

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۵] دوسرے مقتدی کے آنے پر خود امام کا آگے بڑھ جانا

۶۷۱- سوال: امام کے ساتھ صرف ایک مقتدی اس کی داہنی جانب تھا، جب دوسرا مقتدی

آیا، تو وہ پیچھے نہیں ہٹا، جس کی وجہ سے امام صاحب خود آگے چلے گئے، تو اس طرح امام صاحب کے آگے چلے جانے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

(۲) مقتدی کا کہنا ہے کہ امام صاحب جب سجدہ کی جگہ سے آگے چلے جائیں، تو اس سے نماز فاسد

ہو جاتی ہے، تو امام نے پھر سے نماز پڑھائی، تو دونوں نمازوں میں سے کون سی نماز صحیح ہوئی؟

(۳) اگر امام کے ساتھ ایک ہی مقتدی ہو، پھر دوسرے مقتدی کے آنے کا علم ہو، تو امام کو آگے جانا

چاہیے یا نہیں؟ اگر آگے جانے کی اجازت ہے، تو اس کی کیا شرط ہے؟

(۴) اگر پہلی نماز صحیح ہو گئی ہے، تو بعد والی نماز کی وجہ سے کوئی گناہ تو نہیں ہوگا؟ بینوا تو جروا۔

(۱) تکرہ إمامة الرجل لهن في بيت ليس معهن رجل غيرہ ولا محرم منه) كأخته (أوز وجته أو أمته، أما إذا كان معهن

واحد ممن ذكر... لا) يكره، بحر. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله ليس معهن رجل غيرہ)

ظاهره أن الخلوة بالأجنبية لا تنتفي بوجود امرأة أجنبية أخرى وتنتفي بوجود رجل آخر تأمل (قوله كأخته) من كلام

الشارح كما رأيتہ في عدة نسخ، وكذا بخطه في الخزان كتيبه بالأسود وأفاد أن المراد بالمحرم ما كان من الرحم،

لما قالوا من كراهة الخلوة بالأخت رضاعاً والصحرة الشابة تأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۶۶/۲، كتاب

## الجواب حامدًا ومصلياً:

(۱) بعد میں آنے والا مقتدی پہلے سے اقتدا کرنے والے کو آگے سے پیچھے کھینچ لے اور دونوں امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کریں، یہ طریقہ سنت کے موافق ہے، البتہ مقتدی مسئلہ نہ جانتا ہو اور امام خود آگے بڑھ جائے، اور دونوں مقتدی پیچھے کھڑے رہیں، تو یہ صورت بھی جائز ہے، صرف بندی مسنون طریقہ پر ہوگی، لہذا امام کے آگے بڑھ جانے میں اس نے کوئی غلط کام نہیں کیا، اس سے نماز فاسد نہیں ہوئی؛ بل کہ سنت کے موافق ہوئی۔ (شامی: ۱/۵۳۱) [۱]

(۲) سجدہ کی جگہ تک جانا چاہیے تھا، البتہ اگر اس سے آگے بھی بڑھ گیا، تب بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ (شامی: ۱/۵۳۱) [۲]

(۳) بہتر یہ ہے کہ بعد میں آنے والا پیچھے کھڑا ہو، اور پہلا مقتدی پیچھے ہٹ جائے، یا آنے والا اس کو پیچھے کھینچ لے، ورنہ امام خود آگے بڑھ جائے۔ (شامی: ۱/۵۳۱) [۳]

[۱-۲-۳] عن جابر في الحديث الطويل... ثم جنت حتى قمت عن يسار رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأخذ بيدي فأدارني حتى أقامني عن يمينه، ثم جاء جبار بن صخر فتوضأ، ثم جاء فقام عن يسار رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم بيدينا جميعاً، فدفعنا حتى أقامنا خلفه، فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم يرقتني وأنا لأشعر، ثم فطنت به، فقال هكذا، بيده - يعني شد وسطك - فلما فرغ رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: يا جابر، قلت: لبيك، يا رسول الله قال: إذا كان واسعاً فخالف بين طرفيه، وإذا كان ضيقاً فاشدده على حقوك. (الصحيح لمسلم: ۲/۴۱۷، رقم الحديث: ۳۰۱۰، كتاب الزهد والرفائق، باب حديث جابر الطويل وقصة أبي اليسر، ط: ديوبند ☆ سنن أبي داود: ۱/۹۳، رقم الحديث: ۶۳۳، كتاب الصلاة، باب إذا كان الثوب ضيقاً يتزر به، ط: ديوبند) تتمه: إذا اقتدى بإمام، فجاء آخر يتقدم الإمام موضع سجوده، كذا في مختارات النوازل. — وفي القهستاني عن الجلابي أن المقتدي يتأخر عن اليمين إلى خلف إذا جاء آخر. اهـ. — وفي الفتح: ولو اقتدى واحد بآخر فجاء ثالث، يجذب المقتدي بعد التكبير، ولو جذبه قبل التكبير لا يضره، وقيل يتقدم الإمام وهو مقتضاه أن الثالث يقتدي متأخراً، ومقتضى القول بتقدم الإمام أنه يقوم بجنب المقتدي الأول. والذي يظهر أنه ينبغي للمقتدي التأخر إذا جاء ثالث، فإن تأخره ولا جذبه الثالث إن لم يخش إفساد صلاته، فإن اقتدى عن يسار الإمام يشير إليهما بالتأخر، وهو أولى من تقدمه؛ لأنه متبوع؛ ولأن الاصطفاة خلف الإمام من فعل المقتدين لا الإمام، فالأولى ثباته في مكانه وتأخر المقتدي، ويؤيده ما في الفتح عن صحيح مسلم: قال جابر: سرت مع النبي - صلى الله عليه وسلم - في غزوة فقام يصلي فجئت حتى قمت عن يساره فأخذ بيدي فأدارني عن يمينه، فجاء ابن صخر حتى قام عن يساره فأخذ بيديه جميعاً فدفعنا حتى أقامنا خلفه. اهـ وهذا كله عند الإمكان والاتعين الممكن. (رد المحتار: ۱/۵۶۸، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۴) علم حاصل کرنے میں کوتاہی کا گناہ ہوگا، جو رکعتیں صحیح ہو گئیں، وہ فرض شمار ہوں گی۔ علماء کا اس سلسلہ میں مختلف وجوہات کی بناء پر اختلاف ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۶] مشق شدہ سورتیں ہی نماز میں پڑھنا

۶۷۲-سوال: بہت سے ائمہ چند سورتوں کی مشق کر لیتے ہیں اور اسی کو بار بار پڑھتے ہیں، کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ مینواتو جروا

### الجواب حامدًا ومصلياً:

جائز ہے؛ لیکن دوسری سورتوں کو بھی پڑھنا چاہیے، البتہ اس کی وجہ سے نماز میں کوئی نقصان نہیں آئے گا، ہاں اگر مشق والی سورتوں کو بار بار پڑھنے کی وجہ سے عوام یہ سمجھنے لگیں کہ ان ہی سورتوں کو پڑھنا ضروری ہے، یا خود امام ان سورتوں کو پڑھنا ضروری سمجھتا ہو، تو مکروہ ہے، اگر آسانی اور سہولت کے لیے پڑھتا ہو، تو جائز ہے، حرج نہیں۔ (شامی: ۱/۵۰۸) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۷] عمامہ کے بغیر نماز پڑھانا

۶۷۳-سوال: کیا ائمہ حضرات کے لیے عمامہ باندھنا ضروری ہے؟ اور عمامہ (پگڑی) کے بغیر نماز پڑھانا مکروہ ہے؟ مینواتو جروا۔

[۱] (ولا يتعين شيء من القرآن لصلاة على طريق الفرضية) بل تعين الفاتحة على وجه الوجوب (ويكره التعيين) [الدر المختار] قال ابن عابدين: (قوله ويكره التعيين إلخ) ... لأن الشارع إذا لم يعين عليه شيئاً تيسيراً عليه كره له أن يعين، وعلله في الهداية بقوله: لما فيه من هجر الباقي وإيهام التفضيل ... وفي فتح القدير: لأن مقتضى الدليل عدم المداومة، لا المداومة على العدم ... وأيضاً فإن إيهام هجر الباقي يزول بقراءته في صلاة أخرى. وأيضاً ذكر في وتر البحر عن النهاية أنه لا ينبغي أن يقرأ سورة متعينة على الدوام لتلاظن بعض الناس أنه واجب اهـ فهذا يؤيد ما في الفتح أيضاً. هذا، وقيد الطحاوي والإسبغابي الكراهة بما إذا رأى ذلك حتماً لا يجوز غير هـ؛ أما لو قرأه للتيسير عليه أو تبركاً بقراءته - عليه الصلاة والسلام - فلا كراهة لكن بشرط أن يقرأ غير هـ أحياناً لتلاظن الجاهل أن غير هـ لا يجوز. (رد المحتار: ۱/۵۲۴، كتاب الصلاة، قبيل باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت) — مزيد تفصيل دیکھیے: فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بـ 'ابن الهمام' (م: ۸۶۱ھ) - ۱/۳۳۷، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، ط: دار الفكر.

## الجواب حامداً ومصلياً:

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اذْكُرُوْا اللّٰهَ حُدُوْدَ الَّذِيْنَ اٰزَيَّنْتُمْ لَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا. (۱) مسجد جاتے وقت زینت لازم پکڑو۔ یعنی اچھی حالت میں اچھے کپڑے پہن کر، ستر چھپا کر پاک صاف سھرے ہونے کی حالت میں مسجد میں جاؤ، اور ممکن ہو تو خوشبو بھی لگاؤ۔

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: لہسن پیاز کھا کر ہماری مسجد میں کوئی نہ آئے۔ (بخاری شریف) [۲] بیڑی اور سگریٹ کا بھی یہی حکم ہے، پس بیڑی سگریٹ پی کر منہ کی بدبو، دور کیے بغیر مسجد جانا مکروہ تحریمی ہے، اسی کے حکم میں تیلی، قصائی اور ایسا مزدور بھی ہے، جن کے کپڑوں سے بو آتی ہو، یعنی ان کو اسی حالت میں مسجد میں آنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ ان کی وجہ سے نمازیوں کو تکلیف ہوگی۔

اسی بنا پر فقہاء کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ ”ثیاب بذلہ“ یعنی معمولی کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور ”ثیاب بذلہ“ وہ ہے، جن کو پہن کر بزرگوں یا دوستوں کی محفل میں جاتے ہوئے شرم محسوس ہو۔ (۳)

(۱) ۷- الاعراف: ۳۱۔

(۲) عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال في غزوة خيبر: من أكل من هذه الشجرة - يعني الثوم - فلا يقربن مسجدنا. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۱۸، رقم الحديث: ۸۵۳، كتاب الأذان، باب ما جاء في الثوم النبي والبصل والكراث، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۰۹، رقم الحديث: ۲۸-۵۶۱، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب نهى من أكل ثوماً أو بصلاً أو كراثاً أو نحوها، ط: البدر - ديوبند)

(۳) "و" تکرہ "الصلاة في ثياب بذلة" بکسر الباء وسكون الذال المعجمة ثوب لا يصاب عن الدنس ممتهن وقيل ما لا يذهب به إلى الكبراء ورأى عمر رضي الله عنه رجلاً فعل ذلك فقال: أرأيت لو كنت أرسلتك إلى بعض الناس أكنت تمر في ثيابك هذه؟ فقال: لا. فقال عمر رضي الله عنه: الله أحق أن تتزين له. (مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح - حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹هـ)، ص: ۱۳۱، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، فصل في المكروهات، اعنتى به وراجعته: نعیم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

قال الطحطاوي: قوله: "وتكره الصلاة في ثياب البذلة" الظاهر أن الكراهة للتزينة كما في البحر وفي القهستاني إن الكراهة للفعل في هذه الأشياء أي يقاع الصلاة فيها إلا الصلاة وفي الجلاني أنها تکره بسبب هذه الأفعال اهـ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱هـ)، ۳۵۹، فصل في المكروهات، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: رد المحتار علی الدر المختار: ۱/ ۳۱-۱۳۰، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكرهها فيها، ط: دار الفکر - ديوبند.

ان تفصیلات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص عمامہ باندھے بغیر دوستوں کی محفل میں نہ جاتا ہو، یا شیر وانی پہنے بغیر نہ نکلتا ہو، تو اس کا بغیر شیر وانی پہنے یا عمامہ باندھے مسجد جانا مکروہ ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص صرف ٹوپی پہنتا ہو، اور عمامہ اسی حالت میں دوستوں کی محفل میں آتا جاتا ہو، تو صرف ٹوپی پہن کر مسجد جانا اس کے لیے بلا کراہت جائز ہوگا، عمامہ باندھنا لازم نہیں ہوگا، اور اس حالت میں اس کی پڑھائی ہوئی نماز بلا کراہت جائز ہوگی۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۸] امام صاحب یا مدرس کا نیل بوٹے والا لباس پہننا

۶۷۴-سوال: (۱) امام صاحب نماز پڑھاتے وقت نیل بوٹے والی پینٹ پہن کر نماز پڑھاتے ہیں، تو ان کے پیچھے نماز صحیح ہے یا نہیں؟

(۲) مکتب کے استاذ - جو عالم صاحب اور حافظ صاحب ہیں - کا نیل بوٹے والا لباس پہننا کیسا ہے؟

### الجواب حامد اوصلیا:

(۱-۲) نیک لوگ جو لباس پہنتے ہوں، ایسا لباس پہننا مستحب ہے، نیل بوٹے والا لباس جائز ہے، حرام نہیں ہے، نماز صحیح ہو جائے گی۔<sup>(۲)</sup> لیکن قوم کے رہبروں کو ایسا لباس نہیں پہننا چاہیے، اس سے اجتناب

(۱) والمستحب أن يصلي الرجل في ثلاثة أثواب: قميص، وإزار، وعمامة. أما لو صلى في ثوب واحد متوشحاً به تجوز صلاته من غير كراهة. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۹، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الأول في الطهارة وستر العورة، ط: زكريا - ديوبند ☆ المحيط البرهاني - ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۱/۶۱۶ھ): ۱/۳۷۷، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر في التنغي والأحان، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ الاختيار لتعليل المختار - ابن مودود الموصلي (م: ۱/۶۸۳ھ): ۱/۴۵، كتاب الصلاة، باب ما يفعل قبل الصلاة، ت: محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة ☆ البحر الرائق: ۱/۲۸۳، باب شروط الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

وقد ذكروا أن المستحب أن يصلي في قميص وإزار وعمامة، ولا يكره الاكتفاء بالقميص، ولا عبرة لما اشتهر بين العوام من كراهة ذلك، وكذا ما اشتهر أن المؤتم لو كان معتما بعمامة والإمام مكتفياً على القلنسوة يكره. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية: ۱/۱۶۹، كتاب الصلاة، سعيدية - باكستان)

(۲) فإن الإسلام... لم يقرر للإنسان نوعاً خاصاً أو هيئة خاصة من اللباس ولا أسلوباً خاصاً للمعيشة، وإنما وضع مجموعة من المبادئ والقواعد الأساسية يجب المسلم أن يحتفظ بها في أمر لباسه... الخ. (تكملة فتح الملهم - محمد تقي العثماني): ۳/۸۷، كتاب اللباس والزينة، ط: مكتبة دار العلوم كراتشي) =



کرنا چاہیے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۹] حنفی امام کا شافعی مذہب کے موافق نماز پڑھانا

۶۷۵-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے متعلق کہ: کوئی حنفی امام، شافعی مسلک

کے موافق نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

حنفی مسلک کے مقلد کے لیے لازم اور ضروری ہے کہ وہ ہر معاملہ میں مذہب احناف کی اقتدا کرے، اس کا نام تقلید شخصی ہے، جو بہ اتفاق علماء واجب ہے، اس کے برعکس بعض امور میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر، بعض میں امام مالک کے مسلک پر اور بعض میں امام ابوحنیفہ کے مسلک پر عمل کرنا، جسے ”تلفیق“ کہا جاتا ہے، ناجائز ہے، کیوں کہ جب کسی ایک امام کی اقتدا کر لی، تو اب دوسرے ائمہ کے مذہب کو اختیار کرنا درحقیقت دین کو اپنی خواہش کے تابع بنانا ہے۔<sup>[۱]</sup>

= فأما هيئة اللباس فتختلف باختلاف عادة كل بلد. (فتح الباري: ۱۰/۳۳۲، كتاب اللباس، باب المتشبهين بالنساء والمتشبهات بالرجال، ط: دار المعرفة-بيروت)

(۲) (وعنه): أي عن ابن عمر (قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - (من تشبه بقوم): أي من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار. (فهو منهم): أي في الإثم والخير. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح-علي بن (سلطان) محمد، الملا، القاري (م: ۱۰۱۳ھ): ۷/۸۳۲، رقم الحديث: ۷/۴۳۴، كتاب اللباس، ط: دار الفكر-بيروت)

[۱] (الثالثة) هل يجوز للعامة أن يتخير ويقلد أي مذهب شاء، قال الشيخ: ينظر إن كان منتسباً إلى مذهب بيناه على وجهين حكاهما القاضي حسين في أن العمي هل له مذهب أم لا؟ أحدهما لا مذهب له، لأن المذهب لعارف الأدلة، فعلى هذا له أن يستفتي من شاء من حنفي وشافعي وغيرهما.

والثاني وهو الأصح عند القفال: له مذهب فلا يجوز له مخالفته، وقد ذكرنا في المفتي المنتسب ما يجوز له أن يخالف إمامه فيه، وإن لم يكن منتسباً، بني على وجهين حكاهما ابن برهان في أن العمي هل يلزمه أن يتمذهب بمذهب معين؟ يأخذ برخصه وعزائمهم؟ أحدهما لا يلزمه، كما لم يلزمه في العصر الأول أن يخص بتقليده عالماً بعينه، فعلى هذا هل له أن يستفتي من شاء أم يجب عليه البحث عن أشد المذاهب وأصحها أصلاً ليقلد أهلها، فيه وجهان مذکوران... والثاني يلزمه وبه قطع أبو الحسن إلكيا، وهو جار في كل من لم يبلغ رتبة الاجتهاد من الفقهاء وأصحاب سائر العلوم: ووجه أنه لو جاز اتباع أي مذهب شاء لافضى إلى أن يلتقط رخص المذاهب متبعا هو =

ہاں کسی مسئلہ میں ضرورت کے وقت مذہب کے مقتدا اور مجتہدین علماء کرام اپنے مسلک کے علاوہ کسی اور مسلک پر عمل کرنے کا فتویٰ دیں، تو اس کی اجازت ہے، اس کے متعلق تفصیل کے لیے دیکھیے حضرت اقدس تھانویؒ کی کتاب ”الحلیۃ الناجزۃ“۔<sup>(۲)</sup>

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی حنفی امام کے لیے اس بات کی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ امام شافعی کے مسلک کے مطابق نماز پڑھائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۰] قراءت میں غلطی امام کے لیے موجب ملامت نہیں

۶۷۶-سوال: مؤرخہ ۲-۵-۱۹۸۳ء بہ روز پیر، نماز مغرب میں ہمارے یہاں امام صاحب نے سورۃ البینۃ (لہدیکن) شروع کی، پہلی رکعت میں پانچ آیات پڑھ کر رکوع میں چلے گئے، اب دوسری رکعت میں چھٹی آیت سے شروع کرنا لازم تھا؛ لیکن امام صاحب نے چھٹی آیت کو ترک کر کے ساتویں آیت سے دوسری رکعت کو شروع کر کے نماز مکمل کی۔

= ويتخير بين التحليل والتحریم والوجوب والجواز وذلك يؤدي إلى انحلال ربة التكليف، بخلاف العصر الأول فإنه لم تكن المذاهب الرافية بأحكام الحوادث مهذبة و عرفت: فعلى هذا يلزمه أن يجتهد في اختيار مذهب يقلده على التعيين. (المجموع شرح المذهب - أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ۶۷۶هـ): ۱/ ۵۴- ۵۵، مقدمة، فصل في آداب المستفتي و صفته و أحكامه، ط: دار الفكر ☆ فتاوى ابن الصلاح - عثمان بن عبد الرحمن، أبو عمرو، تقي الدين المعروف بـ 'ابن الصلاح' (م: ۶۳۳هـ): ۱/ ۸۷، فرعان، ت: د. موفق عبد الله عبد القادر، ط: مكتبة العلوم والحكم، عالم الكتب - بيروت ☆ فتح المعين بشرح قرعة العين بمهمات الدين (هو شرح للمؤلف زين الدين أحمد بن عبد العزيز المعبري المليباري الهندي - [م: ۹۸۷هـ] على كتابه هو المسمى قرعة العين بمهمات الدين): ۱/ ۶۱۳، باب القضاء، ط: دار بن حزم)

وأن الحكم الملقق باطل بالإجماع. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله: وأن الحكم الملقق) المراد بالحكم الحكم الوضعي كالصحة. — مثاله: متوضي سال من بدنه دم ولمس امرأة ثم صلى فإن صحة هذه الصلاة ملققة من مذهب الشافعي والحنفي والتلفيق باطل، فصحته منتفية. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۷۵، مقدمة، قبيل مطلب في حكم التقليد والرجوع عنه، ط: دار الفكر - بيروت)

تلفيق بين المذاهب اور تقليد شخص کے تفصیلی مباحث و دلائل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: اسی کتاب کی جلد اول، ص: ۸۴-۳-۵۰۰۔

(۲) دیکھیے: ص: ۲۳-۲۶، ضرورت شدیدہ میں دوسرے ائمہ کے مذہب پر فتویٰ دینا، دوسرے ائمہ کے مذہب پر فتویٰ دینے کی

بعض شرائط، ط: مکتبہ رضی - دیوبند۔

سوال یہ ہے کہ اس میں امام صاحب سے جو غلطی ہوئی، اس سے کلام پاک کی توہین ہوئی یا نہیں؟ اور جو شخص اتنی چھوٹی سورت میں غلطی کر سکتا ہے، اس کا کیا اعتبار؟ اور کیا ایسا شخص امامت کا مستحق ہے یا نہیں؟ حوالہ کے ساتھ جواب دیں گے، شکر یہ۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

صورت مسؤلہ میں نماز ہو جائے گی؛ کیوں کہ نماز میں سورۃ فاتحہ اور کم از کم تین آیات کا پڑھنا واجب ہے اور امام صاحب نے تین آیات پڑھ لی ہے۔<sup>(۱)</sup>

صورت مسؤلہ میں کلام پاک کی توہین کچھ نہیں ہوئی؛ کیوں کہ امام صاحب سے ایک آیت بھول سے ترک ہو گئی تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”رفع عن أمتي الخطأ والنسيان“ میری امت سے خطا اور غلطی کا گناہ اٹھالیا گیا ہے۔<sup>(۲)</sup>

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تلاوت میں غلطی واقع ہو گئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تم میں سے بعض لوگ طہارت اچھی طرح حاصل نہیں کرتے ہیں، اس کا اثر مجھ پر ہوتا ہے“ (حدیث)<sup>[۳]</sup>

[۱] (و فرض القراءة آية على المذهب) ... أقلها ستة أحرف ولو تقديراً، كـ ”لم يلد“، إلا إذا كان كلمة، فالأصح عدم الصحة، وإن كررها مراراً إلا إذا حكم حاكم فيجوز ذكره القهستاني. ولو قرأ آية طويلة في الركعتين فالأصح الصحة اتفاقاً؛ لأنه يزيد على ثلاث آيات قصار قاله الحلبي. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۵۳۷، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۷۱، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة، ط: زكريا- ديوبند)

(۲) وقال النبي -صلى الله عليه وسلم- رفع عن أمتي الخطأ والنسيان. قال في الفتح: ولم يوجد بهذا اللفظ في شيء من كتب الحديث؛ بل الموجود فيها "إن الله وضع عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه. رواه ابن ماجه وابن حبان والحاكم، وقال: صحيح على شرطهما ح. (قوله على رفع الإثم) وهو الحكم الأخروي، فلا يراد الدنيوي وهو الفساد لتلازم تعميم المقضى. (رد المختار على الدر المختار: ۱/۶۱۵، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) عن شبيب أبي روح، عن رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه صلى صلاة الصبح، فقرأ الروم فالتبس عليه، فلما صلى قال: ما بال أقوام يصلون معنا لا يحسنون الطهور، فإنما يلبس علينا القرآن أولئك. (المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي - أبو عبد الرحمن، النسائي (م: ۳۰۳ھ): ۱/۵۶۲، رقم الحديث: ۹۴۷، كتاب الافتتاح، القراءة في الصبح بالروم، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

ذرا سوچیے! جب مقتدی سے اعلیٰ درجے کی طہارت میں کمی واقع ہوگئی، تو اس کا اثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت پر ہوا، تو موجودہ دور میں بھلا امام اس سے کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں، جب کہ مقتدیوں کی سنت کے مطابق شکل و صورت نہیں، سنت کے مطابق لباس نہیں، اور طہارت کا حال تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، صورت حال یہ ہے کہ سگریٹ پی کر لوگ مسجد میں آتے ہیں، جس سے فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے اور انتہائی کم عمر کے معصوم بچے ساتھ لاتے ہیں، جو مسجد میں آ کر شور و غل کرتے ہیں اور ان کے اولیا اور ذمہ دار اس سے روکتے نہیں ہیں، بھلا ان غیر شرعی امور کی وجہ سے امام اور مقتدیوں پر کیا کچھ اثر نہ پڑے گا؟ پھر بھی حال یوں ہے کہ امام کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے، ان پر لعنت و ملامت کی جاتی ہے، جو بالکل صحیح نہیں ہے۔

تیسری بات: قراءت میں بھول چوک کا پایا جانا امام کی امامت کی عدم اہلیت پر دلالت نہیں کرتا؛ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی قراءت میں اور دوسرے ارکان میں بھول ہوئی ہے، جس کی تفصیل حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔<sup>(۳)</sup> اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نسیان اس لیے طاری کیے گئے ہیں، تاکہ نسیان کے مسائل کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل واضح طور پر موجود رہے۔

الغرض صورت مسئولہ میں نماز صحیح ہوئی ہے، نیز امام صاحب امامت کے اہل اور لائق ہیں، خواہ مخواہ ان سے تعرض نہ کیا جائے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۱] نائب امام کی تعداد کتنی ہونی چاہئے؟

۶۷۷-سوال: ایک مسجد میں کتنے نائب امام رکھے جاسکتے ہیں، چار پانچ نائب امام رکھے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

(۳) عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم انصرف من اثنتين، فقال له ذو اليندين: أقصرت الصلاة، أم نسيت يا رسول الله؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أصدق ذو اليندين؟ فقال الناس: نعم، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى اثنتين أخريين، ثم سلم، ثم كبر، فسجد مثل سجوده أو أطول، ثم رفع". (صحيح البخاري: ۱/ ۱۶۳، رقم الحديث: ۱۲۲۸، كتاب التهجيد، باب من لم يتشهد في سجدة السهو، ط: ديوبند، وانظر أيضا رقم: ۳۸۲- ۷۱۳- ۱۲۲۷- ۱۲۲۹- ۶۰۵۱- ۷۲۵۰ ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۱۳، رقم الحديث: ۹۷- ۹۹- ۵۷۳)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب السهو في الصلاة والسجود له، ط: مختار ايند كمپني- ديوبند)

## الجواب حامداً ومصلياً:

شریعت میں نائب امام کی کوئی خاص تعداد متعین نہیں ہے، حسب ضرورت کم و بیش رکھ سکتے ہیں، متولی اور ٹرسٹیوں کی صواب دید پر مبنی ہے، اگر ایک نائب امام سے کام چل جاتا ہو، تو ایک ہی کافی ہے، ورنہ دو یا تین جیسی ضرورت ہو، رکھ لیں، تعداد کوئی طے نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۲] عیسائی عورت کے ساتھ نکاح کرنے والے کی امامت

۶۷۸-سوال: جس شخص نے عیسائی عورت کے ساتھ نکاح کر رکھا ہو، اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

## الجواب حامداً ومصلياً:

اگر عیسائی عورت کا آسمانی کتاب کے موافق عقیدہ ہو، تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔<sup>(۲)</sup> اور جب نکاح جائز ہے، تو امامت بھی جائز ہوگی، بہ شرطیکہ اس میں دیگر شرائط امامت موجود ہوں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۳] امام کا تقرری کے وقت بدعات سے متعلق شرائط منظور کرنا اور صلح حدیبیہ سے استدلال کرنا

۶۷۹-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ:

ہماری بستی کا ماحول دین کے اعتبار سے ایسا ہے کہ جمعہ کے روز خطبہ اردو و عربی میں پڑھا جاتا ہے

(۱) الضرورات تقدر بقدها (قواعد الفقہ - محمد عمیم الإحسان المجددی البرکتی (م: ۱۳۹۵ھ)، ص: ۸۹، قاعدہ نمبر: ۱۷۱، ط: الصدف بیلشرز - کراتشی ☆ شرح القواعد الفقہیہ - أحمد بن الشیخ محمد الزرقا (م: ۱۳۵۷ھ)،

ص: ۱۸۷، القاعدة الحادية والعشرون، المادة: ۲۲، ت: مصطفى أحمد الزرقا، ط: دار القلم - دمشق / سوريا)

(۲) وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ وَلَا مُتَّعِيْنَ أَخَذَانِ. (۵- المائدة: ۵)

وکل من یعتقد دینا سماویا ولہ کتاب منزل کصحف ابراہیم - علیہ السلام - وشیث وزبور داود - علیہ السلام - فہو من اہل الكتاب فتجوز منا کحتہم، واکل ذبائحتہم، کذا فی التبین. (الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۲۸۱، کتاب النکاح،

الباب الثالث فی بیان المحرمات، القسم السابع المحرمات بالشرك، ط: دار الفکر)

اہل کتاب عورت سے مسلمان مرد کی شادی کی گنجائش ہے، لیکن اس میں مفاہد ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے [اپنے عہد خلافت میں] اس سے منع فرمایا تھا، اس لیے جہاں تک ہو سکے ایسا قدم نہ اٹھایا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۱/۴۵۳، باب المحرمات، عیسائی لڑکی سے نکاح، ط: اشرفی بک ڈپو - دیوبند)

اور میت کو دفن کرنے کے بعد چالیس قدم پر فاتحہ پڑھی جاتی ہے، پھر میت کے گھر جا کر بھی فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور محرم الحرام میں پنچایت اور بستی والے بھی تعزیہ بناتے ہیں اور دس روز تک مرثیہ خوانی ہوتی ہے، علاوہ ازیں بستی میں میلادیں بھی پڑھی جاتی ہیں اور اس میں کھڑے ہو کر تعظیم کرتے ہیں اور سلام پڑھتے ہیں اور محرم میں تیسرے دن تیجہ بھی کرتے ہیں اور گیارہویں شریف میں نیاز وغیرہ بھی ہوتی ہے، اب اس ماحول کے خلاف کوئی حکم شرعی بتائے، تو جھگڑا ہونے کا ڈر رہتا ہے اور کئی مرتبہ جھگڑا ہو گیا ہے۔ بستی والوں نے ایک عالم صاحب کو مدرسہ میں تعلیم دینے اور مسجد میں امامت کے لیے چند شرطوں کے ساتھ رکھا ہے۔ وہ شرائط یہ ہیں:

(۱) اردو و عربی میں خطبہ پڑھانا ہوگا۔ (۲) میلادیں پڑھنی ہوں گی اور تعظیم بھی کرنی ہوگی۔ (۳) محرم الحرام میں دس روز مرثیہ خوانی میں جانا ہوگا۔ مجلس میں روایت پڑھنا ہوگا۔ (۴) دفن کے بعد چالیس قدم پر فاتحہ اور پھر گھر جا کر فاتحہ اور محرم الحرام کے تیسرے دن کا تیجہ؛ یہ سب کرنا ہوگا۔ (۵) بستی کے ماحول میں مولوی صاحب کو ڈھلنا ہوگا، بستی کا جو ماحول ہے، اس کے خلاف کچھ بھی بولنے کی ممانعت ہوگی۔

ان تمام شرائط کو مولوی صاحب نے منظور کرتے ہوئے امامت کر لی، اب مولوی صاحب وہ ہر کام کر رہے ہیں، جن کا اوپر ذکر ہوا اور اس کے خلاف بولتے بھی نہیں ہیں، جب کہ وہ اہل حق میں سے ہیں، ان کی اس ملازمت کو قریب پانچ ماہ ہو گئے ہیں، ہم نے ان سے بات کی تو انہوں نے چند دلائل دیے، مثلاً: صلح حدیبیہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند شرائط منظور کی تھی، بعد میں اللہ تعالیٰ نے فتح عطا کیا، پھر ہم نے پوچھا کہ کیا انمہ اربعہ کے نزدیک اور بہ طور خاص امام اعظمؒ کے نزدیک ان شرائط پر امامت کرنا۔ اس امید کے ساتھ کہ کام سے آہستہ آہستہ اصلاح ہوگی۔ صحیح ہے؟ تو مولوی صاحب نے جواب نہیں دیا۔ اب آپ فرمائیں کہ کیا ایسا کرنا صحیح ہے، جب کہ شرط نمبر ۵ بہت سخت ہے، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے؟ کیا ہم ایسا طریقہ اصلاح کے لیے اختیار کر سکتے ہیں؟

### الجواب حامدًا ومصلياً

(۱) جمعہ خطبہ عربی میں ہوگا، عربی کے ساتھ اردو خطبہ ملانا جائز نہیں، مکر وہ تحریمی ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۱) چون خطبہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و خلفاء و علم جرملاحظہ کر دیم، تنقیح آن وجود چند چیز است: حمد و شہادتین، و صلاة برآں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، و امر بقوی، و تلاوت قرآن پاک، و دعائے مسلمین و مسلمات، و عربی بودن خطبہ، و عربی بودن نیز بجهت عمل مستمرہ مسلمین، در مشارق و مغارب، باوجود آن کہ در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند۔ (مصنف شرح مؤطا، ص: ۱۵۴، باب التمشد ی علی من ترک الجمعة بغیر عذر، ط: کتب خانہ رحیمیہ، سنہری مسجد، دہلی، بہ حوالہ: فتاویٰ محمودیہ: ۲۳۷-۲۳۸، باب صلاة الجمعة) =

(۲) میلاد، فاتحہ خوانی، قیام، تیجہ، محرم کا مرثیہ وغیرہ؛ تمام چیزیں بدعت ہیں۔ بدعت کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی بات نکالی، جو دین میں سے نہیں ہے، تو وہ مردود ہے۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ: ۲۷۷) [۲]

نیز حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مضبوطی سے تھامے رہنے کی ہدایت دی اور فرمایا کہ اگر ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے، تو گمراہی سے محفوظ رہو گے۔ (رواہ فی مؤطا، مشکوٰۃ: ۲۱) [۳]

ایک اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ: میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے، سب کے سب جہنمی ہوں گے، صرف ایک فرقہ جہنم سے نجات پائے گا اور یہ وہ فرقہ ہوگا، جو میرے اور میرے اصحاب کے طریق کو اختیار کرے گا۔ (ترمذی، مشکوٰۃ: ۳۰) [۴]

= ... فانه لاشك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي-صلى الله عليه وسلم- والصحابة، فيكون مكرها وتحريما. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية: ۲۰۰/۱، كتاب الجمعة، باب الجمعة، ط: ياسر نديم-ديوبند)

(۲) عن عائشة- رضي الله عنها- قالت: قال رسول الله- صلى الله عليه وسلم-: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه، فهو رد. (صحيح البخاري: ۳۷۱/۱، رقم الحديث: ۲۶۹۷، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود ☆ الصحيح لمسلم: ۷۷/۲، رقم الحديث: ۱۷-۱۸)، كتاب الحدود، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، ط: فيصل - ديوبند ☆ مشكاة المصابيح: ۲۷، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول، ياسر نديم-ديوبند)

(۳) مالك؛ أنه بلغه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما: كتاب الله وسنة نبيه. (الموطأ- مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (م: ۱۷۹هـ): ۵/۱۳۲۳، رقم الحديث: ۳۳۳۸/۶۷۷، كتاب القدر، النهي عن القول بالقدرت، محمد مصطفى الأعظمي، ط: مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية - أبو ظبي - الإمارات ☆ مشكاة المصابيح: ۳۱، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، ط: ياسر نديم-ديوبند)

(۴) عن عبد الله بن عمرو، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليأتين على أمتي ما أتى على بني إسرائيل، حذو النعل بالنعل، حتى إن كان منهم من أتى أمه علانية، لكان في أمتي من يصنع ذلك، وإن بني إسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة، وتفرقت أمتي على ثلاث وسبعين ملة، كلهم في النار إلا ملة واحدة، قالوا: ومن هي يا رسول الله؟ قال: ما أنا عليه وأصحابي. (سنن الترمذی: ۹۲/۲، رقم الحديث: ۲۶۴۱، أبواب الإيمان، ما جاء في افتراق هذه الأمة، ط: البدر-ديوبند ☆ مشكاة المصابيح: ۳۰، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول)

مذکورہ احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ بدعت جہنم تک پہنچانے والی شے ہے اور بدعت کا مرتکب گمراہی کی راہ پر گامزن ہے۔ اُن خلاف شرع باتوں پر کسی شخص کا دنیوی مال و متاع کے لیے تیار ہونا، اس کی گمراہی کی علامت ہے۔

وہ ان ناجائز شرائط کے منظور کرنے پر واقعہ صلح حدیبیہ سے استدلال کرتا ہے اور اس سے دلیل پکڑتا ہے، یہ مزید گمراہ کن ہے؛ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود صاحب شریعت ہیں اور ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح نامہ حدیبیہ میں کون سی بات ایسی ہے، جو قرآن کریم کی آیات کے خلاف ہے؛ بل کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صلح تو عین موافق قرآن ہے، جس کی واضح اور صاف دلیل یہ ہے کہ کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے خود اس کو ”فتح مبین“<sup>(۵)</sup> سے تعبیر فرمایا ہے؛ اس لیے صلح حدیبیہ کے واقعہ پر قیاس کرنا کم عقلی کی بات ہے، مولوی صاحب کا جواب بالکل گمراہ کن ہے، اگر ان کی غرض ان شرائط کو منظور کر کے لوگوں میں انفرادی طور پر دینی ذہن و مزاج بنا کر شدہ شدہ اصلاح کرنے کی ہوتی، تو کسی درجہ میں گنجائش تھی، مگر وہ تو شرائط غیر شرعیہ کی منظوری اور تصدیق میں صلح حدیبیہ کو پیش کر رہے ہیں، جو حیلہ باز اور گمراہ کن کاشیوہ ہے۔

امت محمدیہ کے لیے روشنی اور ہدایت کے منار: کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ؛ دو ہی چیزیں ہیں اور سوال میں مذکورہ چیزیں (میلاد، فاتحہ خوانی اور تیجہ وغیرہ) کتاب اللہ اور سنت رسول کے خلاف ہیں اور اب وہ مولوی صاحب اہل حق میں سے تو کیا ہوتے، باطل کے اہل کار ہیں، ان گمراہ کن افکار و خیالات اور فاسد نظریات کو پھیلانے کا ایک مؤثر ذریعہ ہیں۔<sup>(۶)</sup> واللہ اعلم بالصواب۔

### [۲۴] ولد الزنا کے پیچھے نماز کا حکم

۶۸۰- سوال: ایک شخص کو ہندو سماج کی ایک لڑکی کے ساتھ محبت ہو گئی، وہ دونوں اپنے گھر سے بھاگ گئے، اور ایک ساتھ رہنے لگے، نکاح وغیرہ کی کوئی صورت اختیار نہیں کی، حتیٰ کہ لڑکی کو حمل ٹھہر گیا اور اس حمل سے ایک لڑکا پیدا ہوا، جب وہ لڑکا بڑا ہوا، تو اس کو ایک مدرسہ میں داخل کر کے حافظ بنایا گیا، اس وقت وہ

(۵) اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِيُخْرِجَكَ مِنَ الْكُفْرِ الَّذِي كَفَرْتَ بِاللهِ مَا تَقَلَّبَ مِنْ دُونِكَ وَمَا تُأَخِّرْ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا (۳۸- الحج: ۲۰)

(۶) سوال میں مذکور تیجہ، فاتحہ خوانی اور اس طرح کی خرافات و بدعات کی تفصیل کے لیے فتاویٰ فلاحیہ کی پہلی جلد: (۳۶۱-۳۸۲) کے متعلقہ ابواب دیکھیے۔



مکمل حافظ قرآن ہے، اور ظاہراً پرہیزگار بھی ہے، تو کیا اس کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے؟

### الجواب حامداً ومصلياً:

زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے والا [بچہ] اگر حافظ قرآن ہو، متقی اور پرہیزگار ہو، تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ (عالمگیری: ۱/۶۷، شامی: ۱/۵۲۵)<sup>[۱]</sup>

مذہب اسلام میں عزت و ذلت کا مدار نسب اور خاندان نہیں؛ بل کہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے؛ اس لیے جب یہ لڑکا حافظ قرآن ہے اور عاقل و بالغ ہے، نیک اور پرہیزگار بھی ہے، تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہونا چاہیے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۵] امام کی تقرری کے لیے متولی کن چیزوں کا خیال رکھے؟

۶۸۱-سوال: امام متعین کرنے کے لیے متولی صاحب کی کیا ذمہ داری ہے؟

(۱) وتجوز إمامة الأعرابي والأعمى والعبد، وولد الزنا والفاسق. كذا في الخلاصة إلا أنها تكروه. هكذا في المتون. (الفتاوى الهندية: ۱/۸۵، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره، ط: دار الفكر - بيروت)

”ولد الزنا کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے، جب کہ اس سے افضل امام موجود ہو“۔ عام متون میں یہی ہے۔ کراہت کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ ولد الزنا چوں کہ شفقت پدری سے محروم رہتا ہے، اس لیے عموماً جاہل اور ناخواندہ رہتا ہے، دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ عموماً اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اگر ولد الزنا متقی و پرہیزگار ہو اور حفظ قرآن اور علم دین کی دولت سے مالا مال ہو، تو کراہت کی دونوں وجہ اس کے حق میں ختم ہو جائے گی؛ لہذا اس کی امامت بلا کراہت جائز ہونی چاہیے:

(وولد الزنا) هذا إن وجد غيرهم وإلا فلا كراهة بحر بحثنا. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله وولد الزنا) إذ ليس له أب يريه ويؤدبه ويعلمه فيغلب عليه الجهل بحر، أو لنفرة الناس عنه. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۲۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۗ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣٩﴾ (۲۹-الحجرات: ۱۳)

عن أبي نصره، حدثني من سمع خطبة رسول الله صلى الله عليه وسلم في وسط أيام التشريق، فقال: "يا أيها الناس، ألا إن ربكم واحد، وإن أبائكم واحد، ألا لا فضل لعربي على عجمي، ولا لعجمي على عربي، ولا أحمر على أسود، ولا أسود على أحمر، إلا بالتقوى. (مسند أحمد بن حنبل: ۳۸/۴۷، رقم الحديث: ۲۳۴۸۹، حديث رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، ط: مؤسسة الرسالة)

**الجواب حامدا ومصليا:**

متولی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ امامت کے عظیم منصب کے لیے کسی عالم، متبع سنت، نیک، متقی اور پرہیزگار شخص کو متعین کرے، کسی فاسق و فاجر اور بدعتی کو یہ ذمہ داری حوالہ کرے گا، تو گنہ گار ہوگا۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

**[۲۶] میت کو غسل دینے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا**

۶۸۲-سوال: ”میت کو غسل دینے والے امام کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے“، پھر بھی بعض گاؤں میں امام کو گاؤں کے کام کرنے کی شرط کے ساتھ امامت پر رکھتے ہیں، گاؤں کے کام سے مراد میت کو غسل دینا وغیرہ ہے، تو کیا ایسے امام کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

میت کو غسل دینا ثواب اور فضیلت کا کام ہے۔<sup>(۲)</sup> ”میت کو غسل دینے والے کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے“ یہ بات غلط ہے۔

(۱) الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة. هكذا في المصنوعات وهو الظاهر. هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا في التبيين ولم يطعن في دينه. كذا في الكفاية وهكذا في النهاية. ويجتنب الفواحش الظاهرة. (الفتاوى الهندية: ۱/۸۳، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، مكتبة زكريا - ديوبند ☆ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ): ۱/۱۵۷، كتاب الصلاة، فصل بيان من هو أحق بالإمامة وأولى بها، ط: دار الكتب العلمية ☆ تحفة الفقهاء - أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو: ۵۳۰ھ): ۱/۲۳۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت) لو قدموا فاسقا يأمون ببناء أعلى أن كراهة تقديمه كراهة تحريم؛ لعدم اعتنائه بأمر دينه. (حلی کبیر - ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحلبي (م: ۹۵۶ھ): ص: ۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی - لاہور)

(۲) عن علي بن رباح، قال: سمعت أبا رافع، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من غسل ميتا فكتفتم عليه غفر له أربعين كبيرة، ومن حفر لأخيه قبرا حتى يجنه فكأنما أسكنه مسكنا مرة حتى يبعث. (المعجم الكبير - أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰ھ): ۱/۳۱۵، رقم الحديث: ۹۲۹، باب الألف، علي بن رباح اللخمي، عن أبي رافع، ت: حمدي بن عبد المجيد السلفي، ط: مكتبة ابن تيمية - القاهرة)

قال الهيثمي (م: ۸۰۷ھ): ورجاله رجال الصحيح. (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۳/۲۱، رقم الحديث: ۴۰۶۷، كتاب الجنائز، باب تجهيز الميت وغسله والإسراع بذلك، ت: حسام الدين القدسي، ط: مكتبة القدسي - القاهرة)

تاہم یہ حقیقت ہے کہ آج کل مؤذن کے ذمے اذان کے علاوہ ایسے کام سپرد کر دیے جاتے ہیں، جن کی وجہ سے سماج میں ان کی کوئی عزت و وقعت باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح میت کو غسل دینے والے کے ذمہ ایسے کام ہوتے ہیں، جن کی بناء پر ان کی کوئی قدر نہیں ہوتی، سماج میں لوگ اس کو گھٹیا اور کم درجہ کا تصور کرتے ہیں، حالانکہ میت کو غسل دینے والے<sup>(۲)</sup> اور اذان دینے والے<sup>(۳)</sup> کا شریعت میں بہت اونچا مقام ہے؛ لیکن دوسرے کاموں کی وجہ سے وہ گھٹیا شمار ہوتا ہے اور اس کا رہن سہن بھی سماج میں معمولی درجے کا ہوتا ہے، طہارت و نظافت کی طرف توجہ بھی کم ہوتی ہے؛ حالانکہ امامت کے لیے متقی، پرہیزگار، نماز کے مسائل سے واقف، صحت کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے والے، باعزت آدمی کی ضرورت ہے؛ لہذا اگر میت کو غسل دینے والا شخص ایسا بے پرواہ، جاہل ہو کہ پاکی ناپاکی کا خیال نہ رکھتا ہو اور ایسے امور انجام دیتا ہو، جن کی وجہ سے سماج میں اس کی کوئی حیثیت نہ ہو، تو ایسے آدمی کی امامت مکروہ ہوگی۔ جیسا کہ کسی ان پڑھ گنوار آدمی کو دوسرے اچھے لوگوں کی موجودگی میں امام بنانا مکروہ ہے۔ (در مختار مع شامی: ۱/۵۵۰) [۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) عن عائشة، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من غسل ميتا، فأدى فيه الأمانة، ولم يفش عليه ما يكون منه عند ذلك، خرج من ذنوبه كيوم ولدته أمه"، قال: "ليله أقربكم منه إن كان يعلم، فإن كان لا يعلم فمن ترون أن عنده حظا من ورع وأمانة". (مسند الإمام أحمد بن حنبل (م: ۲۴۱)ھ: ۳/۴۱، رقم الحديث: ۲۴۸۸۱، مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضي الله عنها، ت: شعيب الأرتؤوط - عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة ☆ المعجم الأوسط - أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰)ھ: ۴/۴، رقم الحديث: ۳۵۷۵، باب الدال، من اسمه داود، ت: طارق بن عوض الله بن محمد، عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني، ط: دار الحرمين - القاهرة)

(۳) عن طلحة بن يحيى، عن عمه، قال: كنت عند معاوية بن أبي سفيان، فجاءه المؤذن يدعو إلى الصلاة فقال معاوية: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: المؤذنون أطول الناس أعناقاً يوم القيامة. (الصحيح لمسلم: ۱/۱۶۷، رقم الحديث: ۱۴-۳۸۷)، كتاب الصلاة، باب فضل الأذان وهرب الشيطان عند سماعه، ط: ديوبند)

(۴) ربط صلاة المؤتم بالإمام بشروط عشرة: نية المؤتم الاقتداء، واتحاد مكانهما وصلاتهما... الخ. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله بشروط عشرة) هذه الشروط في الحقيقة شروط الاقتداء، وأما شروط الإمامة، فقد عدها في نور الإيضاح على حدة، فقال: وشروط الإمامة للرجال الأصحاء ستة أشياء: الإسلام، والبلوغ، والعقل والذكورة، والقراءة، والسلامة من الأعذار كالرعاف، والفأفة، والتمتمة، واللثغ، وفقد شرط كطهارة وستر عورة. ۱ھ. احتراز بالرجال الأصحاء عن النساء الأصحاء فلا يشترط في إمامهن الذكورة؛ وعن الصبيان فلا يشترط في إمامهم البلوغ، وعن غير الأصحاء فلا يشترط في إمامهم الصحة، لكن يشترط أن يكون حال الإمام أقروى من حال المؤتم أو مساويا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۵۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

[۲۷] دورانِ صلاۃ اگر کسی امام کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ کیا کرے؟

۶۸۳-سوال: نماز پڑھاتے ہوئے اگر کسی امام صاحب کی ریح خارج ہو جائے تو اب وہ کیا کرے؟ کیا وہ کسی کو اپنا نائب بنائے یا پھر تمام مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

اگر نماز کی حالت میں کسی امام کا وضو ٹوٹ جائے تو اسے چاہیے کہ اپنا خلیفہ بنائے اور خلیفہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ رکوع کی کیفیت میں جھکا ہوا پیچھے ہٹ کر مقتدی میں سے کسی کو آگے کر کے امام بنا دے، امام بناتے وقت امام اول کو بولنے کی بھی ضرورت نہیں، اگر وہ بولے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، بات چیت کیے بغیر خاموشی کے ساتھ پیچھے والے کا کپڑا کھینچ کر اس کو آگے کر دے، وہ خود بخود امام بن جائے گا۔<sup>(۱)</sup> واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۸] امام صاحب کی اجازت کے بغیر امامت کرانا جائز نہیں

۶۸۴-سوال: نان پورا، گولنداز محلہ کی ملاعباد نامی مسجد میں، امام و متولی کے ساتھ درج ذیل

واقعہ پیش آیا ہے:

ہمارے امام صاحب ۴۰ سال سے نماز پڑھاتے ہیں اور اخیر ۶/۵ سال سے رمضان میں تراویح کی نماز بھی وہی پڑھاتے ہیں اور زیادہ تر تراویح کے وقت عشاء کی نماز کی امامت بھی وہی کرتے ہیں، کبھی کبھی تراویح پڑھانے والے حفاظ کرام عشاء کی نماز امام صاحب کی اجازت لے کر پڑھاتے تھے۔ اس سال امام صاحب عشاء کی چار رکعت فرض پڑھانے کے لیے جارہے تھے، تو ایک متولی نے ان کو روکا اور کہا کہ آپ عشاء کی نماز نہیں پڑھائیں گے، اب سے تراویح پڑھانے والے حفاظ کرام ہی عشاء کی نماز پڑھائیں گے، تب پیش امام

(۱) (سبق الإمام حدث) سماوي، لا اختيار للعبد فيه ولا في سببه... (غير مانع للبناء) (استخلاف) أي جاز له ذلك ولو في جنازة بإشارة أو جرمحراب، ولو لمسبق، ويشير بأصبع لبقاء ركعة، وبأصبعين لركعتين ويضع يده على ركبته لترك ركوع، وعلى جبهته لسجود، وعلى فمه لقراءة، وعلى جبهته ولسانه لسجود تلاوة أو صدره لسهو. (الدر المختار) — قال الشامي: (قوله بإشارة) متعلق بقوله استخلف. قال في الفتح: والسنة أن يفعله محدودب الظهر آخذاً بأنفه يوهم أنه رعف. (رد المحتار: ۶۰۱/۱، كتاب الصلاة، باب الاستخلاف، دار الفكر ☆ بدائع الصنائع: ۱/۵۲۲-۵۲۳، كتاب الصلاة، فصل في الاستخلاف، ط: مكتبة زكريا-ديوبند)

نے کہا کہ فرض پڑھانے کے لیے میری اجازت ضروری ہے، تو متولی صاحب نے کہا کہ میں اجازت دیتا ہوں، میری اجازت سے حفاظ کرام فرض نماز پڑھائیں گے، بالآخر پیش امام ناراض ہو گئے۔

اس واقعے میں آپ سے چند سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

- (۱) کیا عشاء کی چار رکعت پڑھانے کے لیے پیش امام کی اجازت ضروری ہے؟
- (۲) متولی دینی بات میں (نماز کے لیے) اپنی من مانی کرتا ہے، تو کیا اس کا یہ رویہ درست ہے؟
- (۳) ناراض ہونے والے امام کے پیچھے مقتدیوں کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

### الجواب حامد او مصليا:

(۱) شریعت نے ایک نظام قائم کیا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ آپس میں میل محبت پیدا ہو، حق دار کو اس کا حق ملے اور ذمہ داری کا احساس کر کے ہر شخص اپنی ذمہ داری کو نبھاتا رہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ: جس کو امامت کی ذمہ داری سپرد کی گئی ہے، وہی شخص امامت کا حق دار ہوگا، حتیٰ کہ اگر کوئی اس سے علم و فضل اور تقویٰ و طہارت میں بڑھا ہوا شخص آجائے، تو بھی اسی اصل امام کا حق ہے۔ (شامی جلد ۱، ص: ۵۲۲)<sup>[۱]</sup>

اب سوچئے! کہ یہاں تو امام صاحب چالیس سال سے متعین ہیں؛ لہذا امام صاحب کی بات صحیح ہے، متولی نے جہالت اور اپنے مقام و مرتبہ کا ناجائز فائدہ اٹھا کر، جو برتاؤ امام صاحب کے ساتھ کیا ہے، بہت ہی برا اور ناپسندیدہ ہے، اسے چاہیے کہ امام صاحب سے معافی مانگے؛ البتہ وہ نمازیں جو امام صاحب کی اجازت کے بغیر حافظ صاحب نے پڑھائی ہیں، وہ بلاشبہ صحیح ہو جائیں گی، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، متولی نے حافظ کو امامت کے لیے کہا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ فقط حافظ ہی ہیں عالم نہیں، جب کہ امام صاحب عالم بھی ہیں، یہ چیز بھی اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ امامت کے حق دار امام صاحب ہی ہیں نہ کہ وہ، جن کو متولی صاحب نے اجازت دی ہے۔

(۱) فإن اختلفوا اعتبر أكثرهم؛ ولو قدموا غیر الأولی أساءوا بلائیم... (و اعلم أن (صاحب البيت) ومثله إمام المسجد الراتب (أولی بالإمامة من غیره) مطلقا. قال في التتارخانية: ولو أن رجلین في الفقه والصلاح سواء إلا أن أحدهما أقرأ فقدم القوم الآخر فقد أساءوا وترکوا السنة، ولكن لا یأثمون؛ لأنهم قدموا رجلاً صالحاً، (قوله مطلقاً) أي وإن كان غیره من الحاضرین من هو أعلم وأقرأ منه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۵۹۹، کتاب الصلاة باب الامامة، ط: دار الفکر ☆ مجمع الأنهر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸ هـ) ۱/۱۶۲، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

ہاں! اگر امام صاحب اپنی مرضی سے دوسرے کسی لائق حافظ، قاری، عالم کو امامت کے لیے کہیں، تو دوسرا شخص امامت کرا سکتا ہے، متولی حضرات کا اس میں کسی قسم کی دخل اندازی کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۲) من مانی کرنے کے لیے اب صرف مسجد اور مدرسے ہی باقی رہ گئے ہیں، ان کے علاوہ کہیں پر اب کسی بھی طبقے کی من مانی نہیں چلتی ہے، اگر چل سکتی ہے، تو صرف مساجد و مدارس اور ان کے بھولے بھالے ائمہ اور مدرسین پر، یہ انتہائی افسوس ناک بات ہے۔

متولیان کرام کا خود شریعت سے دور ہو کر، قرآن و حدیث سے دور ہو کر، من مانی کرنا شرعی اعتبار سے کسی طرح بھی جائز نہیں ہے؛ اچھی طرح یاد رکھیں، ان ائمہ اور مدرسین کی بے عزتی کرنا، ان کو نگاہ حقارت سے دیکھنا، خود اپنی عاقبت تباہ کرنا اور اپنے اعمال کو اکارت کرنے کے مترادف ہے۔

(۳) آپ کا تیسرا سوال یہ تھا کہ: ناراض ہونے والے امام کے پیچھے مقتدیوں کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ جواب یہ کہ نماز تو صحیح ہو جائے گی؛ البتہ مقتدی حضرات کو چاہیے کہ اپنے امام صاحب کو راضی رکھیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۹] پیش امام کی اجازت کے بغیر نائب امام کا امامت کرانا

۶۸۵-سوال: ہمارے گاؤں کی مسجد کے دو امام ہیں، ایک پیش امام، اور ایک نائب امام۔ ظہر کی نماز ۱:۳۰ بجے کھڑی ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ جب مؤذن صاحب اقامت کے لیے کھڑے ہوئے، اور امام صاحب موجود نہیں تھے، تو مؤذن صاحب نے نائب امام کو نماز پڑھانے کا اشارہ کیا، چنانچہ ہمارے نائب امام صاحب نے پیش امام کا انتظار کیے بغیر امامت کرائی، جب نماز مکمل ہوئی، تو پیش امام نے کہا کہ میری اجازت کے بغیر نائب امام نے نماز پڑھائی ہے؛ لہذا تم میں سے کسی کی نماز درست نہیں ہوئی اور مقتدیوں میں سے بعض نے کہا کہ نماز صحیح ہوگئی۔ امام صاحب بھی چون کہ کوئی عالم نہیں ہیں، امام صاحب نے عوام کو نماز کے بارے میں شک میں ڈال دیا ہے، اس لیے آپ سے سوال یہ ہے کہ آیا امام صاحب کی بات صحیح ہے یا نہیں؟ نیز نائب امام نے پیش امام کی غیر حاضری (یعنی: پیش امام صاحب وضو کر رہے تھے) میں ان کی اجازت کے بغیر نماز پڑھائی، تو کیا ان کا نماز پڑھانا درست ہے یا نہیں؟

## الجواب حامد ومصليا:

امامت ایک دینی منصب ہے، اس کا ادب و احترام ہر مسلمان پر فرض ہے۔<sup>[۱]</sup> (۲) نائب امام کی ذمے داری یہ ہے کہ امام کی غیر حاضری میں امامت کرائے۔<sup>[۲]</sup> (۳) اور اگر امام ہو، تو کچھ شرائط کے ساتھ ذمے داری رہے گی۔<sup>[۳]</sup>

آپ کی تحریر کے مطابق امام صاحب موجود نہیں تھے، نائب امام کو مؤذن نے اشارہ کیا اور نائب امام نے امامت کرائی؛ لہذا اس صورت میں نماز بغیر کسی کراہت کے درست ہوگئی۔ اگر پیش امام موجود ہوں تو ان کی اجازت کے بغیر نائب امام کے لیے امامت کرنا مکروہ ہوگا؛ کیوں کہ یہ ان کا حق ہے، اس کے باوجود نائب امام کی پڑھائی ہوئی نماز ہو جائے گی، اعادے کی کوئی حاجت نہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] قوله تعالى: (يُرِي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا). (۲- البقرة: ۱۲۴) فإن الإمام من يؤتم به في أمور الدين من طريق النبوة وكذلك سائر الأنبياء أئمة عليهم السلام لما أئزم الله تعالى الناس من اتباعهم والائتمام بهم في أمور دينهم فالخلفاء أئمة لأنهم رتبوا في المحل الذي يلزم الناس اتباعهم وقبول قولهم وأحكامهم والقضاة والفقهاء أئمة أيضا ولهذا المعنى الذي يصلي بالناس يسمى إماما لأن من دخل في صلاحته لزمه الاتباع له والائتمام به وقال النبي صلى الله عليه وسلم (إنما جعل الإمام إماما ليؤتم به فإذا ركع فاركعوا وإذا سجد فاسجدوا) وقال (لا تختلفوا على إمامكم) ... وإذا ثبت أن اسم الإمامة يتناول ما ذكرناه فالأنبياء عليهم السلام في أعلى رتبة الإمامة ثم الخلفاء الراشدون بعد ذلك ثم العلماء والقضاة العدول ومن أئزم الله تعالى الاقتداء بهم ثم الإمامة في الصلاة ونحوها. (أحكام القرآن-

أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي (م: ۷۰: ۳ھ)؛ ۱/ ۸۴، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

[۲] (و) اعلم أن (صاحب البيت) ومثله إمام المسجد الراتب (أولى بالإمامة من غيره) مطلقاً. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الامامة، ط: دار الفكر ☆ مجمع الأنهر: ۱/ ۱۰۷، باب الإمامة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

[۳] (والأحق بالإمامة) ... (الأعلم بأحكام الصلاة) ... صحة وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، (ثم الأحسن تلاوةً) وتجويداً (للقراءة، ثم الأورع) (ثم الأسن) (ثم الأحسن خلقاً) (ثم الأحسن وجهاً) (ثم الأشرف نسباً) (إن استوا ويقرع) بين المستويين (أو الخيار إلى القوم) فإن اختلفوا اعتبر أكثرهم؛ ولو قدموا غير الأولى أساءوا بلائهم. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۵۷، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۳، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، ط: مكتبة زكريا - ديوبند)

[۳۰] مہینے میں چار یا پانچ مرتبہ امام صاحب کی جماعت فجر کا فوت ہو جانا

[۳۱] اگر امام صاحب کی صبح میں آنکھ نہ کھلے، تو انہیں جگانا کیسا ہے؟

۲۸۶-سوال: ہمارے امام صاحب سے ایک مہینے میں چار یا پانچ مرتبہ فجر کی جماعت فوت

ہو جاتی ہے، جب ان سے اس بارے میں دریافت کیا جاتا ہے، تو کبھی وہ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ غسل کی حاجت تھی، اور کبھی عذر بیان کرتے ہیں کہ آنکھ لگ گئی تھی، تو کیا ان کا یہ عذر معتبر ہوگا؟

ہماری مسجد میں تین یا چار مقتدی ہوتے ہیں، پھر امام صاحب فرماتے ہیں کہ آپ حضرات مجھے جگا دیا کریں، تو کیا مقتدیوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ انہیں جگائیں؟

بعض مرتبہ امام صاحب کو بیدار ہو کر آنے میں دیر ہو جاتی ہے، تو امام صاحب کے از خود آنے تک انتظار کرنا بہتر ہے یا ان کو جگانے کے لیے کسی ایک مقتدی کو بھیجنا بہتر ہے؟

### الجواب حامدًا ومصلياً:

ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ نماز باجماعت کا پابند ہو، خصوصاً جب کہ امامت کے ذمہ داری سنبھالی ہو، تو اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے، لہذا امام صاحب کو چاہیے کہ نماز کے وقت سے پہلے جاگنے کا مکمل انتظام کریں، مثلاً گھڑی میں الارم رکھیں، یا کسی سے جگانے کے لیے کہہ دیں، یا مقتدی حضرات انہیں جگانے کی ذمہ داری اٹھالیں، اگر امام صاحب مہینے میں چار یا پانچ مرتبہ جماعت کے فوت ہو جانے پر کوئی عذر معقول پیش کرتے ہیں، علاوہ ازیں وہ نوجوان ہیں، تو ان کا عذر معقول ہے، اس شرط کے ساتھ کہ وہ مہینے کے دوسرے دنوں میں جماعت کی پابندی کرتے ہوں، تو یہ ان کی دین داری کی علامت ہے۔<sup>(۱)</sup> اگر مقتدی

(۱) (والجماعة سنة مؤكدة للرجال)... (وقيل واجبة وعليه العامة) أي عامة مشايخنا وبه جزم في التحفة وغيرها. قال في البحر: وهو الراجح عند أهل المذهب (فتسن أو تجب) ثم رتته تظهر في الإثم بتر كها مرة (على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج)... إلا إذا واطب تكاسلا فلا يعذر، ويعزر ولو بأخذ المال يعني بحبسه عنه مدة ولا تقبل شهادته إلا بتأويل بدعة الإمام أو عدم مراعاته. (الدر المختار: ۵۵۲-۵۵۶) قال ابن عابدين: (قوله قال في البحر الخ) وقال في النهي: هو أعدل الأقوال وأقواها ولذا قال في الأجناس: لا تقبل شهادته إذا تر كها استخفافا ومجانة، إما سهواً، أو بتأويل، ككون الإمام من أهل الأهواء أو لا يراعي مذهب المقتدي فتقبل. اهـ... (قوله بتر كها مرة) أي بلا عذر، وهذا عند العراقيين، وعند =



حضرات اُن کے جگانے کا کام خود کر لیں، تو یہ بھی تبلیغ دین میں شامل ہے، جس پر اُن کو ثواب ملے گا۔  
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب فجر کی نماز پڑھانے کے لیے تشریف لے جاتے، تو حضرت علیؓ اور  
حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے تھے، تاکہ انھیں بیدار کر دیں۔<sup>(۲)</sup> نیز دوسری ایک حدیث میں مروی  
ہے کہ جو شخص نماز کے وقت سویا رہا، (اور اس کے جاگنے کا پختہ ارادہ تھا) یا نماز کا وقت بھول گیا، تو اُسے  
چاہیے کہ جاگنے کے بعد جب اُسے یاد آئے قضا کر لے۔<sup>(۳)</sup>

علماء نے لکھا ہے کہ نماز باجماعت پڑھنے کا پختہ ارادہ تھا، پھر کوشش کے باوجود نہیں جاگ سکا، تو وہ

= الخراسانیین إنما یأثم إذا اعتاده كما في القنية. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/۵۵۴، باب الإمامة، ط: دار  
الفکر - بیروت) ☆ بدائع الصنائع: ۱/۳۸۴، صلاة الجماعة، ط: زکریا - دیوبند

(۲) عن أنس بن مالك، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يمر بباب فاطمة ستة أشهر إذا خرج إلى صلاة الفجر  
يقول: الصلاة يا أهل البيت {إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا}. (سنن الترمذي:  
۱۵۶/۲، رقم الحديث: ۳۲۰۶، أبواب تفسير القرآن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب: ومن سورة الأحزاب،  
ط: البدر - دیوبند) ☆ مسند أبي داود الطيالسي - أبو داود سليمان بن داود بن الجارود الطيالسي البصري  
(م: ۲۰۴هـ): ۳/۵۳۹، رقم الحديث: ۲۱۷۱، وما أسند أنس بن مالك الأنصاري، ت: د. محمد بن عبد المحسن  
التركي، ط: دار هجر - مصر)

عن أبي الحمراء، قال: شهدت النبي صلى الله عليه وسلم ثمانية أشهر، كلما خرج إلى الصلاة - أو قال: إلى صلاة  
الفجر -، مر بباب فاطمة فيقول: "السلام عليكم أهل البيت: {إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت  
ويطهركم تطهيرا} [الأحزاب] (مسند ابن أبي شيبه - أبو بكر بن أبي شيبه، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان  
بن خواستي العبسي (م: ۲۳۵هـ): ۲/۲۳۲، رقم الحديث: ۷۲۰ و ۷۲۲، حديث أبي الحمراء، ت: عادل بن يوسف  
العزازي وأحمد بن فريد المزيدي، ط: دار الوطن - الرياض)

(۳) عن عبد الله بن رباح الأنصاري، حدثنا أبو قتادة، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان في سفر له فمال رسول الله صلى  
الله عليه وسلم وملت معه، قال: انظر، فقلت: هذا راكب، هذان راكبان، هؤلاء ثلاثة، حتى صرنا سبعة، فقال: احفظوا  
علينا صلاتنا - يعني صلاة الفجر - فضرب على آذانهم فما أيقظهم إلا حر الشمس فقاموا فساروا هنية ثم نزلوا  
فوضئوا وأذن بلال فصار كعتي الفجر، ثم صلوا الفجر وركبوا، فقال بعضهم لبعض: قد فرطنا في صلاتنا، فقال  
النبي صلى الله عليه وسلم: إنه لا تفریط في النوم، إنما التفریط في اليقظة فإذا سها أحدكم عن صلاة، فليصلها حين  
يذكرها، ومن الغد للوقت. (سنن أبي داود: ۱/۶۳، رقم الحديث: ۴۳۷، كتاب الصلاة، باب في من نام عن الصلاة،  
أو نسيها، ط: البدر - دیوبند)

گنہگار نہیں ہوگا، لہذا مذکورہ امام صاحب کا عذر صحیح ہے، ماننے کے قابل ہے۔<sup>(۱)</sup>

اگر دو چار مقتدی ہیں، تو کسی ایک کو چاہیے کہ وہ نماز کے وقت مستحب کا خیال کرتے ہوئے امام صاحب کو جگادے، تاکہ وقت مقررہ پر نماز ادا ہو سکے، لیکن ایک ہی وقت متعین پر جماعت قائم کریں، ورنہ فتنہ کا اندیشہ ہے، سوائے یہ کہ کسی بڑے عالم کی تشریف آوری ہو، تو ان کے لیے کچھ دیر انتظار جائز ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳۲] دارالعلوم میں پڑھنے والے طلبہ کے پیچھے نماز پڑھنا

۶۸۷-سوال: ہمارے گاؤں کے بہت سے بچے دارالعلوم میں داخلہ لے کر دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں، ان کے پیچھے گاؤں کے بہت سے علماء اور مفتیان کرام نماز پڑھتے ہیں، تو ان کی نماز ادا ہوگی یا اُس میں کوئی کمی رہ جائے گی؟ بیوا تو جروا۔

#### الجواب حامدًا ومصليًا:

امامت کا ترجیحی بنیاد پر زیادہ مستحق وہ شخص ہے، جو مسائل نماز سے بہ خوبی واقف ہو، اگرچہ نماز کے علاوہ دوسرے مسائل کی واقفیت میں کمزور ہو، علاوہ ازیں اُس کا دین دار ہونا ضروری ہے، کہ اس معاملے میں متہم نہ ہو، گناہ کے کاموں سے دور رہتا ہو، اور صحیح تلاوت قرآن کر سکتا ہو۔ (عالمگیری: ۱/۸۳)<sup>[۲]</sup>

اگر مدارس عربیہ میں پڑھنے والے طلبہ میں ذکر کردہ اوصاف پائے جاتے ہوں، تو ان کے پیچھے نماز

(۱) "وإذا انقطع عن الجماعة لعذر من أعذارها المبيحة للتخلف" وكانت نيته حضورها لولا العذر الحاصل "يحصل له ثوابها" لقوله صلى الله عليه وسلم: "إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرئ ما نوى" (مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح - حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفى (م: ۱۰۶۹ھ)، ص: ۱۱۳، باب الإمامة، اعتنى به وراجعته: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

[۲] الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة. هكذا في المضمرة وهو الظاهر. هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا في التبيين ولم يطعن في دينه. كذا في الكفاية وهكذا في النهاية. ويجتنب الفواحش الظاهرة وإن كان غيره أروع منه. كذا في المحيط وهكذا في الزاهدي وإن كان متبحر في علم الصلاة لكن لم يكن له حظ في غيره من العلوم فهو أولى. كذا في الخلاصة...

دخل المسجد من هو أولى بالإمامة من إمام المحلة لإمام المحلة أولى. كذا في القنية. (الفتاوى الهندية: ۸۳/۱، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، ط: دار الفكر)

درست ہے، مذکورہ بالا اوصاف کا اعتبار امام کے منتخب کرنے کے لیے ہوگا، اگر کسی مسجد میں امام موظف (تنخواہ دار امام) مقرر ہے، اور اُس سے زیادہ علم و تقویٰ والا کوئی دوسرا شخص آئے، تب بھی مقرر امام نماز پڑھانے کا زیادہ حق دار ہے، لیکن اگر مقرر کردہ امام فاسق و فاجر ہو، تو اُسے معزول کر کے دوسرا عالم اور متقی امام منتخب کرنا مسجد کے ذمہ داروں پر لازم ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳۳] امام صاحب کی سخت کلامی کی وجہ سے اُن کو معزول کرنا

۶۸۸-سوال: ہمارے شہر لساڑ میں ایس۔ٹی۔ ڈپو سے قریب ایک مسجد ہے، جس کے امام صاحب کی سخت کلامی کی وجہ سے ایک بڑے فتنہ کا اندیشہ ہے، مختصراً اُس کی تفصیل یہ ہے کہ امام صاحب کو چند وجوہات کی بنیاد پر معزول کیا گیا ہے، جن میں سے ایک یہ کہ وہ مدرسہ میں بچوں کو صحیح ڈھنگ سے تعلیم نہیں دیتے تھے، اس پر اگر ٹرسٹی حضرات کچھ باز پرس کرتے، تو امام صاحب انہیں یہ جواب دیتے کہ: ”آپ لوگ ٹرسٹی بننے کے قابل ہی نہیں ہیں“۔ یہ بھی کہتے تھے کہ: ”جمعہ کے دن جو کچھ چندہ تمہارے ڈبے میں آتا ہے، وہ صرف میری وجہ سے آتا ہے“۔

امام صاحب کی بیوی بھی وقتاً فوقتاً ٹرسٹی حضرات کے ساتھ جھگڑتی رہتی تھی، پھر یہ کہ امام صاحب کو متعدد مرتبہ منع کیا گیا کہ تم مرغیاں اور بکریاں پالنا چھوڑ دو، اس لیے کہ مسجد قریب ہے، مرغی اور بکری کی وجہ سے مسجد کے اندر گندگی ہونے کا اندیشہ ہے۔ (ایک مرتبہ ایسا ہوا بھی کہ اُن کی بکری جماعت خانہ میں آگئی) لیکن امام صاحب بالکل اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، آخری تین سال سے اس طرح منازعت جاری تھی، بالآخر انھیں ٹرسٹی حضرات نے معزول کر دیا، تو کیا یہ اقدام شرعی اعتبار سے درست ہے یا نہیں؟

#### الجواب حامداً ومصلياً:

سوال میں ذکر کردہ شکائتیں اگر درست ہوں، تو امام صاحب کو معزول کرنے کا حق ٹرسٹی حضرات کو حاصل ہے، لیکن ایک عالم دین کی توہین نہ ہو، اس کا خیال رکھنا ضروری ہے، امام صاحب سے میں مؤدبانہ درخواست کروں گا کہ اگر ٹرسٹی حضرات کے ساتھ نباہ نہ ہو رہا ہو، تو اپنی جانب سے استغفیٰ پیش کر دینا چاہیے،

لو قدموا فاسقا یا ثمنون بناءً اعلیٰ ان کر اہۃ تقدیمہ کر اہۃ تحریم؛ لعدم اعتنائہ بأمور دینہ۔ (حلبی کبیر - ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحلبي (م: ۹۵۶ھ) - ص: ۳۱۵، کتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی - لاہور)

اور کوئی ایسی حرکت ہرگز نہیں کرنی چاہیے، جو علماء کی شان کے خلاف ہو۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۳۴] حرم شریف میں تعمیر شدہ اونچے مکانات میں رہ کر امام کی اقتدا کرنا

۶۸۹-سوال: حرم شریف کے ارد گرد چھ، سات یا دس منزلہ اونچے مکانات بنے ہوئے ہیں، جن میں حجاج کرام حج کے دوران رہتے ہیں، اگر کوئی شخص ان مکانات میں کھڑا ہو کر امام کی اقتدا کی نیت کرے، تو اُس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اگر کوئی شخص ایسا معذور ہو کہ اُس کو نیچے اترنے اور اوپر آنے میں دشواری ہو، تو اُس کے لیے ان مکانات میں سے اقتدا کا حکم شرعی کیا ہے؟

### الجواب حامدًا ومصليًا:

اگر مسجد کی جماعت کی صفیں تعمیر سے متصل ہوں، اور بیچ میں کوئی راستہ وغیرہ حائل نہ ہو، تو اُس تعمیر کے ہر منزلہ میں اقتدا صحیح ہوگی، لیکن اوپری منزلہ میں اقتدا کے صحیح ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ نیچے والے منزلہ میں بھی کچھ لوگ امام کی اقتدا کر رہے ہوں، اگر جماعت کی صفوں کا سلسلہ تعمیر کے ساتھ متصل نہ ہو؛ بلکہ بیچ میں کوئی راستہ وغیرہ حائل ہے، جس میں لوگوں کا اور سوار یوں کا گزر ہوتا ہو، تو اقتدا صحیح نہیں ہے، اور اقتدا کے باب میں بیمار اور تندرست شخص ایک ہی حکم میں ہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری: ۱/۸۷) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) فالأنبياء عليهم السلام في أعلى رتبة الإمامة، ثم الخلفاء الراشدون بعد ذلك، ثم العلماء والقضاة العدول ومن أئزم الله تعالى الاقتداء بهم، ثم الإمامة في الصلاة ونحوها. (أحكام القرآن - أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي (م: ۳۷۰هـ): ۱/۸۳، الحث على نظافة البدن والثياب، سورة البقرة، ت: عبد السلام محمد علي شاهين، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: "إنما جعل الإمام ليؤتم به، فلا تختلفوا عليه. (صحيح البخاري: ۱/۱۰۰، رقم الحديث: ۷۲۲، كتاب الأذان، باب: إقامة الصف من تمام الصلاة، ط: البدر - ديوبند) الصحيح لمسلم: ۱/۱۷۷، رقم الحديث: ۸۶-۸۷، كتاب الصلاة، باب: اتمام المأموم بالإمام، ط: البدر - ديوبند) (۱) المانع من الاقتداء بثلاثة أشياء.

(منها) طريق عام يمر فيه العجلة والأوقار هكذا في شرح الطحاوي إذا كان بين الإمام وبين المقتدي طريق إن كان ضيقا لا يمر فيه العجلة والأوقار لا يمنع وإن كان واسعا يمر فيه العجلة والأوقار يمنع. كذا في فتاوى قاضي خان والخلاصة هذا إذا لم تكن الصفوف متصلة على الطريق أما إذا اتصلت الصفوف لا يمنع الاقتداء. (الفتاوى الهندية: ۱/۸۷، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في بيان ما يمنع صحة الاقتداء وما لا يمنع، ط: زكريا - ديوبند) الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۳۳۰-۳۳۵، باب الإمامة، كتاب الصلاة، ط: زكريا - ديوبند)

## [۳۵] ایسے شخص کا امامت کرنا، جسے رتخ کے خارج ہونے کا عذر ہو

۶۹۰- سوال: مجھے رتخ کے خارج ہونے کی تکلیف ہے، تو ایسی صورت میں میں امامت کر سکتا ہوں یا نہیں؟ اگر نہیں کر سکتا تو رمضان میں تراویح پڑھا سکتا ہوں یا نہیں؟ اگر اس تکلیف کے ہوتے ہوئے نماز پڑھا دی، تو مقتدیوں کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بیوا تو جروا۔

### الجواب حامداً ومصلياً:

اگر آپ کو اتنا وقت مل جاتا ہے کہ آپ وضوء کر کے فرض نماز پڑھا سکیں اور دورانِ نماز کوئی ایسی شکایت پیدا نہیں ہوتی کہ جس سے نماز فاسد ہو جائے، تو نماز پڑھنا جائز ہے، اگر یہ اندیشہ رہتا ہے کہ دورانِ صلاۃ عذر پیش آجائے گا اور اس کی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے گی، تو بہتر یہ ہے کہ آپ امامت نہ کریں، اگر امامت کی اور نماز کے دوران رتخ خارج نہیں ہوئی، تو نماز درست ہو جائے گی، تراویح کا بھی یہی حکم ہے۔ (درمختار)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۳۶] سفید داغ والے شخص کی امامت

۶۹۱- سوال: ہماری مسجد کے پیشِ امام پچھلے بیس سالوں سے نماز پڑھاتے ہیں؛ لیکن اب

(۱) (و كذا لا يصح الاقتداء... (ولا طاهر بمعذور) هذا (إن قارن الوضوء الحدث أو طراً عليه) بعده (وصح لو توضع على الانقطاع وصلی كذلك). [الدر المختار مع رد المحتار: ۵۷۸/۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت]

(قوله و طاهر بمعذور) أي وفسد اقتداء طاهر بصاحب العذر المفوت للطهارة؛ لأن الصحيح أقوى حالا من المعذور والشيء لا يتضمن ما هو فوقه والإمام ضامن بمعنى تضمن صلاته صلاة المقتدي، وقيد المعذور في المجتبى بأن يقارن الوضوء الحدث أو يطرأ عليه للاحتراز عما إذا توضع على الانقطاع وصلی كذلك فإنه يصح الاقتداء به؛ لأنه في حكم الطاهر. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۳۸۱/۱، باب الإمامة، ط: دار الكتاب الإسلامي) مزید دیکھیے: النهر الفائق شرح كنز الدقائق: ۲۵۱/۱، كتاب الصلاة، فرع قبل: باب الحدث في الصلاة، ت: أحمد عزو عناية، ط: دار الكتب العلمية ☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ 'داماد أفندي' (م: ۱۰۷۸ھ)، ۱۱۱/۱، أولی الناس بالإمامة، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ درر الحکام شرح غرر الأحكام - محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا - أو منلاً أو المولى - خسرو (م: ۸۸۵ھ)، ۸۸/۱، فصل في الإمامة، جماعة النساء و حدهن، ط: دار إحياء الكتب العربية.

اُن کی چمڑی پر کسی بیماری کی وجہ سے سفید داغ نکل آئے ہیں، تو اب ان کے لیے نماز پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ بیٹو، تو جروا۔

### الجواب حامدًا ومصليًا:

چمڑی پر سفید داغ والے شخص کی امامت درست ہے، اُس میں کوئی حرج کی بات نہیں، اگر اس سے مقتدی کو گھین محسوس نہ ہو۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [ ۳۷ ] حافظ قرآن شخص کا جمعہ کے دن تقریر، خطبہ اور نماز پڑھانا

۶۹۲-سوال: ایک شخص حافظ قرآن ہے، اور اُس نے کچھ سال درسِ نظامی کی تعلیم بھی حاصل کی ہے، اور وہ ایک مسجد میں امامت کرتا ہے، تو کیا یہ شخص جمعہ کی تقریر کر سکتا ہے؟ نیز خطبہ اور نماز جمعہ بھی پڑھا سکتا ہے؟

### الجواب حامدًا ومصليًا:

یہ شخص اگر مسائل نماز سے واقف ہو، تو اُس کے لیے جمعہ میں وعظ، خطبہ اور نماز پڑھانا جائز ہے، کوئی حرج نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [ ۳۸ ] ناظرہ پڑھے ہوئے شخص کی امامت

۶۹۳-سوال: ہمارے محلہ میں مستقل امام نہیں ہیں، جس کی بناء پر ایک آدمی جس نے صرف

(۱) وكذا تكره خلف أمر دوسفيه ومفلوج، وأبرص شاع برصه. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله ومفلوج وأبرص شاع برصه) وكذلك أعرج يقوم ببعض قدمه، فالافتداء بغيره أولى تارخانية، وكذا أجدم برجندي، ومجبوب وحاقد، ومن له يد واحدة فتاوى الصوفية عن التحفة. والظاهر أن العلة النفرة، ولذا قيد الأبرص بالشيوع ليكون ظاهراً ولعدم إمكان إكمال الطهارة أيضاً في المفلوج والأقطع والمجبوب. (رد المختار على الدر المختار: ۱/ ۵۲۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ حاشية على مراقي الفلاح: ۱/ ۲۰۳، فصل في بيان الأحق، ط: المطبعة الكبرى الاميرية، ببلاق، مصر)

(۲) الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة. هكذا في المضمورات وهو الظاهر. هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا في التبيين ولم يطعن في دينه. كذا في الكفاية وهكذا في النهاية. ويجتنب الفواحش الظاهرة، وإن كان غيره أروع منه. كذا في المحيط وهكذا في الزاهدي وإن كان متبحراً في علم الصلاة لكن لم يكن له حظ في غيره من العلوم فهو أولى. كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۳، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، ط: دار الفكر)

ناظرہ کیا ہوا ہے، بلا تنخواہ، فی سبیل اللہ اپنے محلہ کے جماعت خانہ میں امامت کرتے ہیں؛ چوں کہ امام صاحب صرف ناظرہ پڑھے ہوئے ہیں، اس وجہ سے سورۃ الضحیٰ سے سورۃ الناس تک کی سورتیں نماز میں تلاوت کرتے ہیں، اگر اس جماعت خانے میں نماز پڑھنے کے لیے کوئی حافظ قرآن یا عالم دین آجاتے ہیں، تو مذکورہ شخص، آئے ہوئے حافظ و عالم سے نماز پڑھانے کی درخواست کرتے ہیں؛ لیکن گاہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ آئے ہوئے حافظ صاحب یا عالم صاحب نماز پڑھانے سے انکار کر دیتے ہیں، تب وہ خود امامت کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس صورت میں ان کے لیے امامت کرنا جائز ہے یا ناجائز، مسئلہ کو تفصیل سے سمجھا کر مہربانی فرمائیں۔

نیز یہ بھی بتائیں کہ مذکورہ شخص (جس نے صرف ناظرہ کیا ہوا ہے) امامت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

#### الجواب حامد اومصلیٰ:

امامت کی ذمہ داری کے لیے متولی یا ذمہ دار کو چاہیے کہ وہ مسائل سے باخبر متقی عالم کو منتخب کریں، عالم نذل سکے، تو حافظ قرآن کا انتخاب کریں۔ اہل محلہ میں وسعت نہ ہو، تو ایسا ناظرہ پڑھا ہوا شخص، جو دین کے ضروری عقائد و مسائل سے باخبر ہو، اس کو بھی امام بنالیں۔ جماعت کا ثواب مل جائے گا، نماز صحیح ہو جائے گی۔<sup>(۱)</sup> آپ کے جماعت خانے میں جو شخص نماز پڑھاتے ہیں، ان کی امامت جائز ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

#### [۳۹] ایسے حافظ کی امامت، جو مسائل نماز سے واقف نہ ہو

۶۹۳- سوال: متعدد افراد ایسے دیکھے گئے ہیں، جو حافظ قرآن ہیں؛ لیکن طہارت و نجاست اور امامت وغیرہ کے مسائل سے ناواقف ہیں، تو ایسوں کو امام بنانا کیسا ہے؟

#### الجواب حامد اومصلیٰ:

طہارت و نجاست اور نماز کے ضروری مسائل کا جاننا ضروری ہے، اس لیے جو شخص ان مسائل سے

(۱) (والأحق بالإمامة) تقدیما بل نصابا مجمع الأنهر (الأعلم بأحكام الصلاة) فقط صحة وفسادا بشرط اجتنابه للفاوحش الظاهرة، وحفظه قدر فرض، وقيل واجب، وقيل سنة (ثم الأحسن تلاوة) وتجويدا (للقراءة، ثم الأورع) أي الأكثر اتقاء للشبهات. والتقوى: اتقاء المحرمات (ثم الأسن)... [الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۵۵۷، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت]

باخبر ہو، اس کو امام بنانا چاہیے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۰] امامت کا زیادہ مستحق کون ہے؟ مسائل جاننے والا غیر حافظ یا بے خبر حافظ قرآن

۶۹۵- سوال: ایک شخص ناظرہ پڑھا ہوا ہے اور دوسرا شخص حافظ قرآن ہے، جو ناظرہ پڑھا ہوا

ہے، وہ نماز، امامت، طہارت اور نجاست وغیرہ مسائل سے باخبر ہے اور جو شخص حافظ قرآن ہے، وہ ان مسائل سے بے خبر ہے، تو کس کو امام بنانا چاہیے؟

**الجواب حامد اومصلیٰ:**

جو امام طہارت و نجاست اور نماز کے مسائل سے باخبر ہے، اس کو امام بنانا چاہیے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم

بالصواب۔

[۴۱] ایسے شخص کی امامت، جس کے ہاتھ اور پیر میں نقص ہو

۶۹۶- سوال: اگر کسی شخص میں کسی حادثہ کی وجہ سے یا پیدائشی طور پر دست و پا میں کمی ہو، تو اس

کو امام بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب حامد اومصلیٰ:**

بہ آسانی رکوع، سجدہ اور قعدہ کر سکتا ہو، تو اس کی امامت جائز ہے۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) تفصیل و تخریج کے لیے دیکھیے عنوان: ”ناظرہ پڑھے ہوئے شخص کی امامت“۔

(۲) (والأحق بالإمامة) تقدیما بل نصباً مجمع الأنهر (الأعلم بأحكام الصلاة) فقط صحة وفساداً بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، وحفظه قدر فرض، وقيل واجب، وقيل سنة (ثم الأحسن تلاوة) وتجويداً (للقراءة، ثم الأورع) أي الأكثر اتقاءً للشبهات. والتقوى: اتقاء المحرمات (ثم الأسن)... [الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۵۵۷، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت]

[۳] (قوله ومفلوج وأبرص شاع برصه) وكذلك أعرج يقوم ببعض قدمه، فالإقتداء بغيره أولى تنارخانية، وكذا أجدم، برجدي... ومن له يد واحدة فتاوى الصوفية عن التحفة. والظاهر أن العلة النفرة، ولذا قيد الأبرص بالشيوخ ليكون ظاهراً ولعدم إمكان إكمال الطهارة أيضاً في المفلوج والأقطع. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۶۲، باب الإمامة، مطلب في إمامة الأمد، ط: دار الفكر - بيروت)



عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-:-  
 الصلاة المكتوبة واجبة خلف كل مسلم برا كان أو فاجرا وإن  
 عمل الكبائر.  
 (ابوداؤد: ۱/۳۳۳، حدیث نمبر: ۲۵۳۳☆ سنن الدارقطنی: ۲/۴۰۴، بیروت)

## باب أمامة الفاسق

[فاسق کی امامت کا بیان]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب إمامة الفاسق

[فاسق کی امامت کا بیان]

[۱] ڈاڑھی منڈوانے والے کی امامت

۶۹۷-سوال: ڈاڑھی منڈوانے والے شخص کی امامت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا:

ڈاڑھی منڈوانے والے شخص کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، البتہ نماز ہو جاتی ہے، فریضہ ذمہ سے ساقط جاتا ہے، اگر ایسے امام کے ہٹانے پر قدرت نہ ہو اور مجبوری میں اس کی اقتداء کرنی پڑتی ہو، تو ثواب میں بھی ان شاء اللہ کمی نہ ہوگی، جماعت کا ثواب ملے گا، البتہ مقتدی اس قدر ثواب کا حق دار نہ ہوگا، جتنا وہ کسی متقی و پرہیزگار کے پیچھے نماز پڑھنے سے مستحق ہوتا۔<sup>(۱)</sup> فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ویکرہ تنزیہاً امامة... فاسق. (الدر المختار) — فان أمکن الصلاة خلف غیرہم فهو أفضل وإلا فلا اقتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/۵۵۹، کتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفکر) وفي النهر عن المحيط: صلی خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) — قال ابن عابدین: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد؛ لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/۵۲۲، کتاب الصلاة، باب الإمامة)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: حاشیة الشیخی مع تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق - شہاب الدین أحمد بن محمد بن أحمد بن یونس بن إسماعیل بن یونس الشیخی (م: ۱۰۲۱ھ) : ۱/۱۳۲-۱۳۵، کتاب الصلاة، الأحق بالإمامة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة ☆ البناية شرح الهدایة - بدر الدین العینی (م: ۸۵۵) : ۲/۳۳۳، باب فی الإمامة، إمامة العبد والفاسق والأعمی وولد الزنا، ط: دار الکتب العلمیة - بیروت

## [۲] چار چھ مہینے بیوی سے دور رہنے والے کی امامت

۶۹۸-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس بابت کہ:

زید سند یافتہ عالم ہیں، چوڑی باؤلی، نورانی مسجد میں امام ہیں، ”پارولہ“ شہر میں عربی مدرسہ میں چار سال سے معلم ہیں؛ ڈاڑھی چھوٹی ہے، ایک کان کا بیرونی حصہ پیدائشی طور پر مڑا ہوا ہے (چھوٹا ہے) مگر سماعت میں کوئی کمی نہیں، گوشت کا کام بھی انجام دیتے ہیں، بہار کے رہنے والے ہیں؛ اس لیے چار یا چھ مہینے میں گھر جاتے ہیں، اخلاق و کردار میں بہت ہی بہتر ہیں، شہر میں دینی معاملات میں ان سے بہتر کوئی نہیں؛ لیکن ہمارے شہر کے چند اشخاص کا کہنا ہے کہ بیوی سے اتنا عرصہ علاحدہ رہنے والے کی اقتداء میں نماز درست نہیں، تو کیا زید کی امامت درست ہے یا نہیں؟ جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

### الجواب حامدًا ومصليًا:

ایک شخص بیوی کی رضامندی سے اپنے علاقے سے چار یا چھ ماہ دور رہتا ہے، معاش کا کوئی بہتر ذریعہ اور وسیلہ خود اس کے گاؤں یا قصبہ یا شہر میں نہیں ہے؛ اس لیے دور دراز بیوی بچوں کے نان نفقہ کی ذمہ داری ادا کرنے کی خاطر رہتا ہے، تو وہ گنہ گار اور فاسق نہیں ہوگا؛ لہذا امامت کا عہدہ ایسے شخص کے حوالے کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>

اور جب کہ آپ کی بستی ”پارولہ“ میں اس جیسا دوسرا کوئی عالم موجود نہیں ہے، تو اس عالم کو امامت کا حق ہے، ایسے شخص کے پیچھے پڑھی گئی نماز ہو جائے گی۔<sup>(۲)</sup> البتہ اگر اس کی ڈاڑھی چھوٹی ہے، تو لازم ہے کہ

(۱) ویسقط حقها بمرءة ویجب دیانۃ أحياناً ولا یبلغ الإیلاء إلا برضاها، ویؤمر المتعبد بصحبتهأ أحياناً. (الدر المختار) قال ابن عابدین: (قولہ ویسقط حقها بمرءة) قال فی الفتح: واعلم أن ترک جماعها مطلقاً لا یحل لہ، صرح أصحابنا بأن جماعها أحياناً واجب دیانۃ، لکن لا یدخل تحت القضاء والایزام إلا الوطأة الأولى ولم یقدر وافیہ مدة. ویجب أن لا یبلغ بہ مدة الإیلاء إلا برضاها وطیب نفسها بہ. اھ. (رد المحتار علی الدر المختار: ۳/۲۰۲، کتاب النکاح، باب القسم بین الزوجات، ط: دار الفکر - بیروت)

(۲) ویکرہ تنزیہا إمامة... فاسق. (الدر المختار) ————— فإن أمکن الصلاة خلف غیرہم فهو أفضل وإلا فلا اقتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/۵۵۹، کتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفکر)

وہ اپنی ڈاڑھی کو ایک مشت سنت کے موافق بڑھائیں۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳] امام کا ایک مشت سے کم ڈاڑھی رکھنا

۶۹۹-سوال: ہمارے گاؤں کے امام صاحب حافظ اور قاری ہیں، قرآن پاک اچھا پڑھتے ہیں؛ لیکن ڈاڑھی ایک مشت سے کم رکھتے ہیں، ایسے امام کے پیچھے نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اگر مکروہ ہو تو کراہت کس قسم کی ہے؟

#### الجواب حامدًا ومصليًا:

ایک مشت ڈاڑھی رکھنا سنت مؤکدہ ہے، بعض ائمہ نے اُس کو واجب فرمایا ہے، ایک مشت سے زیادہ ہو، تو اُسے کتر کر ایک مشت تک کرنے کی اجازت ہے، ایک مشت سے کم کرنا اور بالکل نہ رکھنا؛ دونوں گناہ کے اعتبار سے یکساں ہیں۔<sup>(۲)</sup> ایسے شخص کو فاسق کہا جاتا ہے، اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے، اگر

(۱) عن ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "خالفوا المشركين: وفروا اللحى، وأحفوا الشوارب" وكان ابن عمر: إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته، فما فضل أخذه. (صحيح البخاري: ۸۷۵/۲، رقم الحديث: ۵۸۹۲، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، ط: ديوبند، ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۱۲۹، رقم الحديث: ۵۴- (۲۵۹)، و ۵۵- (۲۶۰)، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ط: مختار ايند کمپنی- ديوبند)

حدثنا مروان يعني ابن سالم المقفع، قال: رأيت ابن عمر يقبض على لحيته، فيقطع ما زاد على الكف. (سنن أبي داود: ۳۲۱/۱، رقم الحديث: ۲۳۵۷، كتاب الصوم، باب القول عند الإفطار، ط: ديوبند)  
عن أبي زرعة، قال: كان أبو هريرة يقبض على لحيته، ثم يأخذ ما فضل عن القبضة. (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار- أبو بكر بن أبي شيبة، العبسي (م: ۲۳۵هـ): ۲۲۵/۵، رقم الحديث: ۲۵۴۸۱، كتاب الأدب، ما قالوا في الأخذ من اللحية، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد- الرياض)

عن الحسن، قال: كانوا يرخسون فيما زاد على القبضة من اللحية أن يؤخذ منها. (حوالہ سابق: حدیث نمبر: ۲۵۴۸۳)  
ولا بأس بنتف الشيب، وأخذ أطراف اللحية والسنة فيها القبضة... ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته، والمعنى المؤثر التشبه بالرجال اهـ. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله والسنة فيها القبضة) وهو أن يقبض الرجل لحيته فما زاد منها على قبضة قطعه، كما ذكره محمد في كتاب الآثار عن الإمام، قال وبه أخذ. محيط اهـ ط. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/۴۰۷، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ط: دار الفكر- بيروت)  
(۲) ولا بأس بنتف الشيب، وأخذ أطراف اللحية والسنة فيها القبضة... ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته، والمعنى المؤثر التشبه بالرجال اهـ. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله والسنة فيها القبضة) وهو أن يقبض الرجل لحيته فما زاد منها على قبضة قطعه، كما ذكره محمد في كتاب الآثار عن الإمام، قال وبه أخذ. =

ایسا فاسق امام منتخب کیا گیا ہے اور مقتدی حضرات ان کی اقتدا کرنی پڑے، تو نماز درست ہوگی؛ البتہ اُسے امام بنانے والے گنہگار ہوں گے، یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا افضل ہے، اگر قرب و جوار میں کوئی مسجد ہو، تو مقتدیوں کو چاہیے کہ وہاں نماز پڑھیں، بہ صورت دیگر اسی امام کے پیچھے نماز پڑھ لیں، لیکن جماعت چھوڑ کر تنہا نماز نہ پڑھیں۔ (شامی: ۴۰۷/۶) [۲] فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

### [۴] فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام

۷۰۰- سوال: (۱) زید تھوڑا سا علم رکھتا ہے، قرآن شریف بالکل غلط پڑھتا ہے، نیز زکاۃ، صدقہ فطر وغیرہ لیتا ہے، خرید و فروخت کی دلالی کرتا ہے اور حلال و حرام میں کوئی تمیز نہیں کرتا ہے، چغلی وغیبت اس کی عادت ہے، مسائل کے علم سے کوسوں دور ہے، وہ شہر پارولہ کے بڑے محلہ کا امام ہے، تو کیا اس کی امامت درست ہے؟ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

(۲) اسی طرح خالد شہر کا پہلا قاضی تھا، دینی علم بالکل نہیں رکھتا ہے، نماز نہیں پڑھتا ہے، صرف عیدین کی نماز پڑھتا ہے، اپنے کاروبار کے لیے سودی پیسے لیتا ہے، موٹر کار بزنس ہے، اس کا فائنانس ساہوکار سے کرواتا ہے اور بینک سے بھی کرواتا ہے، مزید برآں سینما دیکھتا ہے، تاش کھیلتا ہے، تو ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ جلد جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

امامت کا عہدہ ترجیحی بنیاد پر ایسے شخص کے حوالے کرنا چاہیے، جو قرآن شریف صحیح پڑھتا ہو، صالح

= محیط اھط۔ (رد المحتار علی الدر المختار: ۴۰۷/۶، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع، ط: دار الفکر - بیروت)

عن ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "خالفوا المشركين: وفروا اللحى، وأحفوا الشوارب" وكان ابن عمر: إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته، فما فضل أخذه. (صحيح البخاري: ۸۷۵/۲، رقم الحديث: ۵۸۹۲، كتاب اللباس، باب تغليم الأظفار، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۲۹، رقم الحديث: ۵۴- (۲۵۹)، و- ۵۵- (۲۶۰)، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ط: ديوبند)

(۲) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: "فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری، اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت" کے حواشی۔

اور نیک ہو، گناہوں سے اجتناب کرتا ہو، نیز نماز کی صحت و فساد کے مسائل سے واقف ہو۔<sup>(۱)</sup>  
 جو شخص جب قرآن شریف صحیح نہیں پڑھتا ہے، حرام کاموں میں ملوث ہے، احکام و مسائل سے نا بلد ہے، تو وہ فاسق کے زمرے میں آتا ہے، اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، جب کہ اس سے زیادہ متبع شریعت شخص موجود ہو۔<sup>(۲)</sup> اس لیے متولیان مسجد کی ذمہ داری ہے کہ ایسے شخص کو امامت سے برطرف کر دیں، اگر ذمہ دار حضرات اس کو برطرف نہیں کریں گے، تو وہ گنہگار ہوں گے۔<sup>(۳)</sup>

لیکن محلہ والوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ امام جیسا بھی ہو، اس کے پیچھے نماز پڑھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”صلوا خلف کل بر وفاجر“ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو۔ (دارقطنی)<sup>(۴)</sup>  
 اسلام اجتماعیت کی تعلیم دیتا ہے اور نزاع و فساد سے بچنے اور دور رہنے کی تلقین کرتا ہے، پس عوام کو

(۱) الأولی بالامامة أعلمهم بأحكام الصلاة. هكذا في المضمرة وهو الظاهر. هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا في التبيين ولم يعطن في دينه. كذا في الكفاية وهكذا في النهاية. ويجتنب الفواحش الظاهرة. (الفتاوى الهندية: ۱/۸۳، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، مكتبة زكريا - ديوبند ☆ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ): ۱/۱۵۷، كتاب الصلاة، فصل بيان من هو أحق بالإمامة وأولى بها، ط: دار الكتب العلمية ☆ تحفة الفقهاء - أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو: ۵۳۰ھ): ۱/۲۳۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت) (۲) قوله وفاسق من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني واكل الربا ونحو ذلك، كذا في البرجندي إسماعيل... وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانتته شرعا، ولا يخفى أنه إذا كان أعلم من غيره لا تزول العلة، فإنه لا يؤمن أن يصلي بهم بغير طهارة، فهو كالمبتدع تكروه إمامته بكل حال، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۲۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) لو قدموا فاسقا يثمون بناء أعلى أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، لعدم اعتنائه بأمر دينه. (حلبی كبر - إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶ھ)، ص: ۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولی بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی - لاہور)  
 (۴) سنن الدارقطني - أبو الحسن علي بن عمر، البغدادي الدارقطني (م: ۳۸۵ھ): ۲/۴۰۳، رقم الحديث: ۱۷۶۸، كتاب العيدین، باب صفة من تجوز الصلاة معه والصلاة عليه، ت: شعيب الارنؤوط وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت.

چاہیے کہ امام جیسا بھی فاسق و فاجر ہو، اس کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں، ان کو جماعت کا ثواب مل جائے گا۔<sup>(۵)</sup>

اور امام کے لیے ضروری ہے کہ جب دینی امور کی وجہ سے لوگ ان سے ناراض ہیں، تو وہ خود امامت سے کناری کشی اختیار کر لیں، ورنہ وہ اس سلسلہ میں گنہگار ہوں گے۔<sup>(۶)</sup> اور اگر امام مستعفی نہ ہوں، تو متولیان مسجد اسے امامت کے عہدے سے الگ کر دیں، ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔

صورتِ مسئلہ میں امام کی جو صفات ذمیرہ بیان کی گئی ہیں، اگر واقعتاً ایسا ہی ہے، تو اسے فوراً امامت سے علاحدگی اختیار کر لینی چاہیے، ورنہ متولیان کے لیے ایسے فاسق و فاجر کو امامت سے علاحدہ کر دینا ضروری ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت

[۶] نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری

۷۰۱- سوال: (۱) امام کی بیوی بے پردہ گھومتی ہے اور دوکان چلاتی ہے، تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اسی طرح امام سودی لین دین کرتا ہو، تو کیا حکم ہے؟

(۲) ہمارے یہی امام تقریباً ۱۲ سال سے ہیں، لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے کراہیت محسوس کرتے ہیں، تو کیا کیا جائے؟

(۳) ان امام صاحب نے تاریخ ۳۱-۱۰-۸۱ء کو تنخواہ لے کر کہا: میں کل سے مستعفی ہوں، ایک دن امامت اور مدرسہ سے الگ رہے، اور دوسرے دن ۲ تاریخ سے کام شروع کر دیا، اس وقت لوگوں نے

(۵) فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل والا فالافتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۵۹/۱، کتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفکر)

وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد؛ لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۲۲/۱، کتاب الصلاة، باب الإمامة)

(۶) عن ابن عباس، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "ثلاثة لا ترفع صلاتهم فوق رءوسهم شبرا: رجل أم قوما وهم له كارهون، وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط، وأخوان متصارمان". (سنن ابن ماجه ج ۲۹، کتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: البدر - ديوبند)

کہا: آپ نماز نہ پڑھائیں، صرف مدرسہ میں پڑھائیں، کمیٹی نے بھی یہی فیصلہ کیا اور کہا: مدرسہ کی ۲۰۰ روپے تنخواہ آپ کو دی جائے گی؛ لیکن یہ امام صاحب صرف مدرسہ کی تنخواہ لینے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھے امامت اور مدرسہ دونوں کی تنخواہ ملنی چاہیے، اور وہ عدالت (کورٹ) میں جانا چاہتے ہیں، اس سلسلہ میں آپ شریعت کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

(۱) متولی اور ٹرسٹیوں کی ذمہ داری ہے کہ منصب امامت نیک اور متقی انسان کے حوالہ کریں۔<sup>(۱)</sup> فاسق و فاجر کو امام بنانا مکروہ ہے۔<sup>(۲)</sup> البتہ لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں، تو جماعت کا ثواب مل جائے گا۔<sup>(۳)</sup> وبال متولی اور ٹرسٹیوں پر ہوگا، جنہوں نے ایسے شخص کو امام بنایا ہے۔<sup>(۴)</sup>

جس امام کی بیوی بے پردہ گھومتی ہو، دوکان چلاتی ہو اور غیر محرم سے بے پردہ باتیں کرتی ہو، اور امام ان تمام حرکتوں کو جاننے کے باوجود منع نہ کرتا ہو، تو وہ فاسق ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔<sup>(۵)</sup> البتہ

(۱) الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة. هكذا في المصنوعات وهو الظاهر. هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا في التبيين، ولم يطعن في دينه. كذا في الكفاية وهكذا في النهاية. ويجنب الفواحش الظاهرة. (الفتاوى الهندية: ۱/۸۳، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، ط: زكريا-ديوبند) بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع-علاء الدين، الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ): ۱/۱۵۷، كتاب الصلاة، فصل بيان من هو أحق بالإمامة وأولى بها، ط: دار الكتب العلمية ☆ تحفة الفقهاء-أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو: ۵۳۰ھ): ۱/۲۳۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتب العلمية-بيروت

(۲) لو قدموا فاسقاً يثمون بناءً أعلى أن كراهة تقديمه كراهة تحريم؛ لعدم اعتنائه بأمر دينه. (حلبی كبر-إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶ھ)، ص: ۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سبيل أكيرى-لاهور)

(۳) فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالافتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۵۹/۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد؛ لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۶۲/۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

(۴) حاشیہ نمبر: ۲ ملاحظہ کریں۔

(۵) قال ابن عابدين: (قوله وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني واكل الربا ونحو ذلك، كذا في البرجندی إسماعيل... وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانتة شرعاً، ولا يخفى أنه إذا كان =



اگر امام اپنی بیوی کو ان سب کاموں سے منع کرتا ہو، مگر عورت مانتی ہی نہ ہو اور طلاق دینے کی صورت میں بیوی کے بغیر صبر مشکل ہو، یا کوئی اور مجبوری ہو، تو ایسی صورت میں وہ امام فاسق شمار نہ ہوگا، اور اس کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہوگی۔<sup>(۶)</sup>

(۲) متولی کی ذمہ داری یہ ہے کہ ایسے امام کو اپنا فرض منصبی یاد دلانے، اگر نہ مانیں تو معزول کر دیں اور کسی دین دار امام کا تقرر کریں۔<sup>(۷)</sup>

(۳) آپ سب لوگوں کا فیصلہ اور کمیٹی کا فیصلہ شریعت کے موافق ہے اور بالکل صحیح فیصلہ ہے، جب لوگ اس امام کی بددینی کی وجہ سے ناراض ہیں، تو اس کو الگ کر دینا جائز ہے۔<sup>(۸)</sup> امام صاحب کو چاہیے کہ

= أعلم من غيره لا تزول العلة، فإنه لا يؤمن أن يصلي بهم بغير طهارة فهو كالمبتدع تكرر إمامته بكل حال، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۶۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۶) قال الله تعالى: وَلَا تَزُواِرَةً وَّزُرَّ أَحْزَىٰ. (۳۵-فاطر: ۱۸)  
له امرأة فاسقة لا تنزجر بالزجر لا يجب تطليقها كذا في الفقيه. (الفتاوى الهندية: ۵/۳۷۲، كتاب الكراهية، الباب الثالثون في المتفرقات، ط: دار الفكر - بيروت)

وفي المجتبی من آخر الحظر والإباحة: لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة ولا عليها تسريح الفاجر إلا إذا خاف أن لا يقيما حدود الله فلا بأس أن يتفرقا. اهـ. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۳/۱۱۵، كتاب النكاح، ط: دار الكتاب الإسلامي) الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۵۰، كتاب النكاح، قبيل باب الولي ☆ النهر الفائق شرح كنز الدقائق - سراج الدين عمر بن إبراهيم بن نجيم الحنفی (م: ۱۰۰۵هـ): ۲/۱۹۹، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، ت: أحمد عز و عناية، ط: دار الكتب العلمية)

(۷) عن عبد الله، قال النبي صلى الله عليه وسلم: كلكم راع وكلكم مسئول، فالإمام راع وهو مسئول، والرجل راع على أهله وهو مسئول، والمرأة راعية على بيت زوجها وهي مسئولة، والعبد راع على مال سيده وهو مسئول، ألا فكلكم راع وكلكم مسئول. (صحيح البخاري: ۲/۷۷۹، رقم الحديث: ۵۱۸۸، كتاب النكاح، باب: قوا أنفسكم وأهليكم نارا، ط: البدر - ديوبند)

(۸) أبو أمامة، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ثلاثة لا تجاوز صلاتهم أذانهم: العبد الأبق حتى يرجع، وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط، وإمام قوم وهم له كارهون". (سنن الترمذي: ۱/۸۳، رقم الحديث: ۳۶۰، أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن أم قومًا وهم له كارهون، ط: البدر - ديوبند) سنن أبي داود: ۱/۸۸، رقم الحديث: ۵۹۳، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، ط: البدر - ديوبند) سنن ابن ماجه: ۱/۲۹، رقم الحديث: ۹۷۰، ۹۷۱، باب من أم قومًا وهم له كارهون، ط: أشرفي - ديوبند)

مسجد سے علاحدہ ہو کر صرف مدرسہ پڑھائیں اور اسی کی تنخواہ لیں، یہی صلح کا راستہ ہے۔<sup>(۹)</sup> اور علماء کی شان کے خلاف ہے کہ وہ غیر شرعی کام کر کے عدالت کا سہارا لیں۔<sup>(۱۰)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا، جن کی بیوی الیکشن کی امیدوار ہو

۷۰۲-سوال: ایک شخص برسوں سے امام ہے، اس کی بیوی پردہ کا اہتمام نہیں کرتی ہے، نیز وہ الیکشن میں امیدوار بھی ہے، اور ظاہر آدو، چار عام خاص مجلسوں میں حاضری بھی دے چکی ہے، جن میں اس نے پردے کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا تھا، تو کیا ایسی عورت کا شوہر نماز پڑھا سکتا ہے؟ کیا ایسا شخص امامت کے لائق ہے؟ اس کے پیچھے پڑھی گئی نماز قبول ہوگی یا نہیں؟ بیوقوفوں کو جواب۔

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

ہر آزاد عورت کے لیے منہ، دونوں ہاتھ کی ہتھیلی اور دونوں پاؤں کے علاوہ پورا بدن چھپانا ضروری ہے، چہرہ کھلا رکھنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے؛ اس لیے فقہاء نے اس کو چھپانا بھی ضروری قرار دیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۹) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الصلح جائز بين المسلمين، زاد أحمد، إلا صلحاً أحل حراماً، أو حرم حلالاً، وزاد سليمان بن داود، وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المسلمون على شروطهم. (سنن أبي داود ۵: ۵۰۶/۲، رقم الحديث: ۳۵۹۳، كتاب الأفضية، باب في الصلح، ط: ديوبند)

(۱۰) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ، فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿۵۹﴾ (النساء: ۵۹)

(۱) قال: (و جميع بدن الحرة عورة) قال - عليه الصلاة والسلام -: الحرة عورة مستورة.

قال: (إلا وجهها وكفيها) لقوله تعالى: {ولا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها} [النور: ۳۱] قال ابن عباس: الكحل والخاتم. ومن ضرورة إبداء الزينة إبداء موضعها، فالكحل زينة الوجه، والخاتم زينة الكف، ولأنها تحتاج إلى كشف ذلك في المعاملات فكان فيه ضرورة.

(وفي القدم روايتان) الصحيح أنها ليست بعورة في الصلاة، وعورة خارج الصلاة. (الاختيار لتعليل المختار - عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ۶۸۳هـ): ۱: ۳۶۱، كتاب الصلاة، باب ما يفعل قبل الصلاة، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة)

بدن الحرة عورة إلا وجهها وكفيها وقدميها. كذا في المتون وشعر المرأة ما على رأسها عورة وأما المسترسل ففيه روايتان الأصح أنه عورة. كذا في الخلاصة وهو الصحيح وبه أخذ الفقيه أبو الليث وعليه الفتوى. كذا في معراج الدراية. (الفتاوى الهندية: ۵۸/۱، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الأول في الطهارة وستر العورة ط: دار الفكر) =

الغرض عورت کے لیے پردہ لازمی حکم ہے، الیکشن میں امیدوار بننے کی وجہ سے شریعت کے اس حکم کی پاسداری نہیں ہو سکے گی؛ کیوں کہ جب بھی مجلسیں منعقد ہوں گی، بے پردہ بیٹھنا پڑے گا، اجنبی مردوں کے سامنے بے پردہ بیٹھ کر باتیں کرنی ہوگی؛ یہ تمام گناہ کے کام ہیں، اور کوئی شخص گناہ کا کام ہوتا دیکھے اور روکنے کی استطاعت ہو، تو اس کے لیے روکنا ضروری ہے۔<sup>(۲)</sup>

صورت مسئلہ میں شوہر۔ جو کہ امام ہیں۔ دین کے اونچے مقام پر فائز ہیں، ان پر اپنی بیوی کو بے پردہ نکلنے سے روکنا ضروری ہے، اگر یہ ذمہ داری امام صاحب ادا نہیں کریں گے، تو مرتکب کبیرہ ہو کر گنہگار ہوں گے، جس کو شریعت میں ”فاسق“ کہا جاتا ہے۔<sup>(۳)</sup> اور فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے؛ تاہم قوم کی ذمہ داری ہے کہ مذکورہ امام کے پیچھے ہی نماز ادا کریں، ان کو باجماعت نماز پڑھنے کا ثواب مل جائے گا۔<sup>(۴)</sup>

البتہ امام اور متولی حضرات گنہگار ہوں گے؛ کیوں کہ متولیوں کی ذمہ داری تھی کہ کسی نیک، متقی شخص کو

= وكشف العورة من غير ضرورة لمعنى الشهوة لا يجوز. (المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۸۳۳ھ): ۱۵۶/۱۰، كتاب الاستحسان، النظر إلى الأجنبية، ط: دار المعرفة- بيروت)

(۲) قال أبو سعيد (الخدري): سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان. (الصحيح لمسلم: ۵۱/۱، رقم الحديث: ۷۸- (۴۹)، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان، الخ، ط: البدر- ديوبند)

(۳) قال ابن عابدين: (قوله وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني واكل الربا ونحو ذلك، كذا في البرجندي إسماعيل... وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً، ولا يخفى أنه إذا كان أعلم من غيره لا تزول العلة، فإنه لا يؤمن أن يصلي بهم بغير طهارة فهو كالمبتدع تكرر إمامته بكل حال، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۶۰/۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر- بيروت)

(۴) فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالافتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۵۹/۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد؛ لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد

امامت کی ذمہ داری سپرد کرتے، نا اہل کو ذمہ سپرد کرنے کی وجہ سے وہ گنہگار ہوں گے۔<sup>(۵)</sup>

البتہ اگر امام عورت کو نصیحت کرتا ہے؛ لیکن وہ نہیں مانتی، پردہ میں نہیں رہتی ہے اور طلاق دینے سے امام صاحب کے پریشانی میں مبتلا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے، یا طلاق دینے کی وجہ سے دنیوی قانون کے موافق عدالت کے چکر کاٹنے پڑیں گے، جس کی وہ اپنے اندر ہمت نہیں پاتا، تو وہ فاسق نہیں ہوگا اور اس کی امامت کسی کراہت کے بغیر جائز ہے۔<sup>(۶)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] امام و مدرّس کی بیوی بے پردہ رہے، تو اُن کی امامت مکروہ ہوگی یا نہیں؟

۷۰۳- سوال: ہمارے یہاں ایک عالم قرآن پاک پڑھاتے ہیں اور ایک مسجد میں امامت بھی کرتے ہیں، اُن کے یہاں بعض نوجوان لڑکوں کی آمد و رفت رہتی ہے، جو اُن کے گھر میں اندر تک بلا جھجک چلے جاتے ہیں، اُن کی بیوی کے ساتھ بیٹھ کر بے محابا باتیں کرتے ہیں، حالاں کہ یہ نوجوان لڑکے اُن کی بیوی کے محرم بھی نہیں ہیں، اُن نوجوانوں میں سے ایک کی امام صاحب کے ساتھ دور کی رشتہ داری ہے؛ لیکن محرم وہ بھی نہیں ہے، اپنی بیوی کی اس بے جابی کا مذکورہ مدرّس کو علم بھی ہے، پھر بھی اُنہیں اس بات کا گویا کوئی احساس ہی نہیں ہے، ہاں! یہ بات ہے کہ اُن کی بیوی گھر سے باہر آمد و رفت میں برقع پہنتی ہے، تو ایسے امام کی امامت کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ اُن کی امامت مکروہ تحریمی شمار ہوگی یا نہیں؟

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

عورت پر واجب ہے کہ وہ ہر غیر محرم سے پردہ میں رہے، جو بھی عورت اس پر عمل پیرا نہیں ہوگی تو وہ

(۵) لو قدمو فاسقا يأمون بناء أعلى أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، لعدم اعتنائه بأمر دينه. (حلبی كبر - إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶ھ)، ص: ۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سبيل الكيبي - لاہور)

(۶) قال الله تعالى: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ. (۳۵- فاطر: ۱۸)

له امرأة فاسقة لا تنزجر بالزجر لا يجب تطليقها كذا في القنية. (الفتاوى الهندية: ۳/۵، ۳۷۲، كتاب الكراهية، الباب الثالثون في المنفقات، ط: دار الفكر - بيروت)

وفي المجتبى من آخر الحظر والإباحة: لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة ولا عليها تسريح الفاجر إلا إذا خاف أن لا يقيما حدود الله فلا بأس أن يتفرقا. اهـ. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۳/۱۱۵، كتاب النكاح، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۵۰، كتاب النكاح، قبيل باب الولي ☆ النهر الفائق شرح كنز الدقائق - سراج الدين عمر بن إبراهيم بن نجيم الحنفی (م: ۱۰۰۵ھ) - ۲/۱۹۹، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، ت: أحمد عز وعناية، ط: دار الكتب العلمية)

سخت گنہ گار ہوگی۔<sup>(۱)</sup> مسئلہ مذکورہ میں نوجوان لڑکوں کے لیے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اس طرح کی آمدورفت رکھیں۔<sup>(۲)</sup> اگر امام صاحب اُن کی اس آمدورفت سے باخبر ہونے کے باوجود کوئی باز پرس نہیں کرتے، تو وہ بھی گنہ گار رہوں گے، اگر وہ اس سے توبہ نہ کریں، تو اُن کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی۔<sup>(۳)</sup>

لیکن جب کہ امام صاحب اپنی بیوی کو گھر سے باہر آمدورفت کے لیے پردہ کرنے کو کہتے ہیں، جس کی علامت یہ ہے کہ ان کی بیوی برقعہ پہن کر باہر نکلتی ہے، تو اُن کے بارے میں اس طرح کا حسن ظن رکھا جاسکتا ہے کہ وہ قصداً گھر میں بے پردگی سے راضی نہیں ہوں گے، ہو سکتا ہے کہ بے احتیاطی کی بنیاد پر مذکورہ بے ججابی ہو رہی ہو، تو اس صورت میں اُن کی امامت میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر وہ مذکورہ مسئلہ جانتے ہیں، اور انہیں اس منکر کی جانب توجہ دلائی گئی ہے، پھر بھی وہ اس پر کوئی اقدام نہیں کر رہے ہیں، تو اُن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ (رد المحتار: ۱/۵۶۰، ۵۶۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) قوله تعالى: وَإِذَا سَأَلَكَ مُؤْمَرٌ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِمْ ۗ (۳۳- الاحزاب: ۵۳)

(۲) قوله تعالى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتَسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ۚ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۗ (۲۴- النور: ۲۷)

عن عقبه بن عامر: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إياكم والدخول على النساء، فقال رجل من الأنصار: يا رسول الله، أفرأيت الحموم؟ قال: الحموم الموت. (صحيح البخاري: ۷/۸۷، رقم الحديث: ۵۲۳۲، كتاب النكاح، باب لا يدخلون رجل بامرأة إلا ذو محرّم، والدخول على المغيبة، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۲/۲۱۵، رقم الحديث: ۲۰- (۲۱۷۲)، كتاب السلام، باب تحريم الخلوة بالأجنبية والدخول عليها، ط: البدر - ديوبند)

عن أم سلمة، قالت: كنت عند رسول الله صلى الله عليه وسلم وعنده ميمونة، فأقبل ابن أم مكتوم وذلك بعد أن أمرنا بالحجاب، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: احتجبا منه، فقلنا: يا رسول الله، أليس أعمى لا يبصرنا، ولا يعرفنا؟ فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أفعميا وان أتما، ألتستما تبصرانه. (سنن أبي داود: ۲/۵۶۷، رقم الحديث: ۴۱۱۲، كتاب اللباس، باب في قوله عز وجل: {وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن}، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن الترمذي: ۱۰۶/۲، رقم الحديث: ۲۷۷۸، أبواب الأدب، باب ما جاء في احتجاب النساء من الرجال، ط: البدر - ديوبند)

(۳) عن عبد الله، قال النبي صلى الله عليه وسلم: كلكم راع وكلكم مسئول، فالإمام راع وهو مسئول، والرجل راع على أهله وهو مسئول، والمرأة راعية على بيت زوجها وهي مسئولة، والعبد راع على مال سيده وهو مسئول، ألا فكلكم راع وكلكم مسئول. (صحيح البخاري: ۷/۸۷، رقم الحديث: ۵۱۸۸، كتاب النكاح، باب: قوا أنفسكم وأهليكم نارا، ط: البدر - ديوبند)

(۴) دیکھیے عنوان: ”ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا، جن کی بیوی ایکشن کی امیدوار ہو“ کا حاشیہ نمبر: ۳۔

## [۹] عید میلاد اور مشاعرہ وغیرہ میں پیش پیش رہنے والے حافظ کے پیچھے نماز

۷۰۴- سوال: ہماری بستی لاج پور میں ہر سال عید میلاد النبی کا جلسہ ہوتا ہے، جس میں حسب ذیل پروگرام ہوتے ہیں: پہلے دن عالم صاحبان کی تقریر، دوسرے روز مشاعرہ اور تیسرے روز اسی سٹیج پر قوالوں کی قوالی۔ قوالی میں ایک مرد اور ایک عورت گاتی ہے، اس پروگرام کی کمیٹی میں ایک حافظ صاحب بھی ہیں، جو لوگوں کو ترغیب و تحریص دلا کر اس کے پروگرام کی جانب مائل کرتے ہیں، اس کام کے لیے چندہ بھی مانگا جاتا ہے، ہمیں اس کا چندہ دینا چاہیے یا نہیں؟ اور ایسے حافظ صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازیں۔

### الجواب حامدًا ومصليًا:

سیرت مبارکہ کا جلسہ، جو افراط و تفریط، فضول خرچی و اسراف اور رسوم و رواجات سے پاک ہو، بلا شبہ جائز ہے۔<sup>(۱)</sup> میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسہ کے نام پر مشاعرہ اور قوالی کرانا اور اس کے لیے لوگوں سے جبرا

(۱) عن أنس، قال: قال النبي - صلى الله عليه وسلم - : لا يؤمن أحدكم، حتى يكون أحب إليه من والده، وولده، والناس أجمعين. (صحيح البخاري ۶/۷۰-۷۱، باب: حب الرسول صلى الله عليه وسلم من الإيمان، كتاب الإيمان، رقم: ۱۵، ط: البدر - ديوبند) صحيح مسلم: ۴۹/۱، كتاب الإيمان، باب وجوب محبة رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أكثر من الأهل والولد والوالد، ط: البدر - ديوبند)

امداد الفتاویٰ میں ہے: ذکر ولادت شریف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مثل دیگر اذکار خیر کے ثواب اور افضل ہے، اگر بدعات اور قبائح سے خالی ہو۔ (۲۴۹/۵، کتاب البدعات، ط: ادارہ تالیفات اولیاء، دیوبند)

تاہم یہ اسی وقت درست ہے، جب کہ دن، تاریخ اور مہینہ کی تعیین نہ ہو، لیکن فی زمانہ احتراز اولیٰ اور احتوط ہے؛ کیوں کہ اس کو واجب اور فرض کا درجہ دے دیا گیا ہے، اور اس قسم کی محفل منعقد نہ کرنے والوں اور اس میں شریک نہ ہونے والوں پر لعن و طعن کی بوچھاڑ کی جاتی ہے؛ بل کہ ان کو کافر تک کہنے سے گریز نہیں کیا جاتا ہے، جب کہ کسی امر مباح کو اس کے درجے سے بڑھا دینا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے، شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی (م: ۸۵۲ھ) رقم طراز ہیں: قال ابن المنیر: فیہ أن المنذوبات قد تقلب مکروهات إذا رفعت عن رتبها لأن التیامن مستحب فی کل شیء، أي من أمور العبادۃ، لكن لما خشي بن مسعود أن يعتقدوا وجوبه أشار إلى كراهته. والله أعلم. (فتح الباری شرح صحيح البخاري: ۳۳۸/۲، کتاب الصلاة، باب النفثال والانصراف عن اليمين، ط: دار المعرفة - بيروت)

نوٹ: اس سلسلے کے تمام فتاویٰ اور ان کی تخریج کے لیے دیکھیے، فتاویٰ فلاحیہ کی جلد اول، ص: ۳۶۵-۳۷۵۔

چندہ جمع کرنا اور گانا سننا اور باجہ وغیرہ بجانا حرام ہے۔<sup>(۲)</sup> جو کمیٹی ان امور کو انجام دیتی ہے، اس کا تعاون کرنا جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتے ہیں: **وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۗ**۔<sup>(۳)</sup> نیکی اور تقویٰ کے کام میں مدد کرو اور ظلم اور گناہ کے کام میں مدد نہ کرو۔

لہذا ان گناہ کے کاموں پر مدد کرنا حرام ہے۔

جو حافظ ان گناہوں کے کام میں مددگار ہے، وہ فاسق ہے، اس کو امام بنانا مکروہ ہے۔<sup>(۴)</sup> متولیان کی ذمہ داری ہے ایسے امام کو معزول کر دیں، اگر متولی حضرات معزول نہ کریں، تو فاسق کے پیچھے نماز ہو جائے گی، نماز پڑھنے والے کو جماعت کا ثواب مل جائے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۰] امام کا ڈاڑھی کٹانا اور اپنی بیوی کو میلے میں بے پردہ گھمانا

۷۰۵-سوال: (۱) ایک امام صاحب عالم ہیں، ایک مشمت سے کم ڈاڑھی رکھتے ہیں، تو اتنی

(۲) عن ابن مسعود، قال: "الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء الزرع، والذكر ينبت الإيمان في القلب كما ينبت الماء الزرع". (السنن الكبرى - أبو بكر البيهقي (م: ۳۵۸ھ): ۱۰/۳۷۷، رقم الحديث: ۲۱۰۰۷، باب: الرجل يغني فيتخذ الغناء صناعة، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ وروى أبو داود شطره الأول برقم: ۴۹۲، في باب كراهية الغناء والزمر)

قال إبراهيم: الغناء ينبت النفاق في القلب. قال: وقال مجاهد: {ومن الناس من يشتري لهو الحديث} [لقمان: ۶]: الغناء. (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار - أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواسطي العبسي (م: ۲۳۵ھ): ۴/۳۶۸، رقم الحديث: ۲۱۱۳۸، في هذه الآية: ومن الناس من يشتري لهو الحديث، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد - الرياض)

قال الله تعالى: **وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ**. الآية (النساء: ۲۹) وقال النبي صلى الله عليه وسلم: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه، (مسند الإمام أحمد: ۳۹۹/۳۳، رقم: ۲۰۶۹۵، ت: شعيب أرناؤط، ط: مؤسسة الرسالة عام ۱۳۲۱ھ ☆ ومسند أبو يعلى: ۱۰۴/۳، رقم: ۱۵۰۷، ت: حسين سليم، ط: دار المأمون للتراث - دمشق عام ۱۴۰۳ھ)

قال المظهري في تفسير "الباطل" أي بوجه ممنوع شرعاً، كالغصب، والسرقة، والخيانة، والقمار، والرباء، والعقود الفاسدة. (التفسير المظهري: ۲/۲۹۸، ت: أحمد عز وعناية، ط: زكريا - دہلہ)

(۳) - المائدة: ۲-

(۴) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے: فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری کے حواشی۔

ڈاڑھی رکھنا شرعاً کیسا ہے؟ جب کہ ان کے پیچھے مقتدیوں میں سے بہت سوں کی مکمل ڈاڑھی ہوتی ہے۔ اور ایسے امام کو مقرر کرنے میں متولی اور کمیٹی والوں کی کوئی ذمہ داری ہے یا نہیں؟ نیز یہ عالم بہت پر زور بیان بھی کرتے ہیں۔

(۲) چند دنوں پہلے مذکورہ امام صاحب ایک میلے میں اپنی بیوی کو بے پردہ لے کر گئے تھے، اس سلسلہ میں لوگوں میں کافی چہ میگوئیاں ہوئیں، ان کو جب اس بات کی اطلاع ہوئی کہ میرے میلے میں جانے اور ڈاڑھی سے متعلق لوگ تبصرہ کر رہے ہیں، تو انتہائی غصہ کے عالم میں خطاب کیا اور دوران خطاب کہا کہ ”ایسی بات کہنے والے یزید کی ذریت اور ابولہب کی اولاد ہیں“۔ انہوں نے مزید کہا کہ لوگوں کو اپنے امام کے متعلق کچھ بولنے کا حق نہیں ہے، اور استدلال میں واقعہ بیان کیا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ ایک مرتبہ ایک رنڈی کے کوٹھے پر گئے تھے، تو لوگوں میں اس کا چرچہ ہوا، تو ان کے بعض مریدوں نے لوگوں کو سمجھایا اور کہا کہ شیخ کے متعلق ہمیں اس طرح کا گمان نہیں رکھنا چاہیے؛ بل کہ کہو ”الحمد للہ“، ہمارا شیخ مرد ہے! اس بات پر انہوں نے واقعہ ختم کر دیا، جب کہ لوگ الجھن میں مبتلا ہو گئے کہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ اس رنڈی کے پاس کیوں گئے تھے؟ ان امام کی بات سے تو کچھ اور ہی ثابت ہوتا ہے، جو حضرتؒ کی شان کے خلاف ہے، بہر حال انہوں نے اپنے آپ کو پاک صاف بتلایا اور قصور وار، مقتدی حضرات کو ٹھہرایا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایک امام کی مذکورہ حرکت اور لوگوں کے ساتھ ان کا ایسا رویہ کہ ان کو یزید کی ذریت، ابولہب کی اولاد تک کہنا۔ جب کہ مجمع میں نوجوان اور بہت سے سفید ریش بزرگ بھی تھے۔ شرعاً کیسا ہے؟ تفصیل سے تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

متولی اور رٹسٹیوں کی ذمہ داری ہے کہ امامت کا منصب نیک، صالح و متقی شخص کے حوالہ کریں، اگر فاسق و فاجر کو یہ منصب دیں گے، تو وہ گنہگار ہوں گے۔<sup>(۱)</sup> اور اس طور پر ڈاڑھی کٹانا کہ ایک مشمت بھی باقی نہ رہے، گناہ

(۱) لو قدمو افا سقا یا ثمون بناءً اعلیٰ أن کر اہاۃ تقدیمہ کر اہاۃ تحریم، لعدم اعتناہ بأمر دینہ. (حلبی کبیر - ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحلبي (م: ۹۵۶ھ) - ص: ۳۱۵، کتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی - لاہور ☆ فتح القدیر: ۱/۳۰۴، کتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: رشیدیہ - کراچی)



کبیرہ ہے، اور اس طرح ڈاڑھی تراشنے والا فاسق و فاجر ہے۔<sup>(۲)</sup> ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔

مقتدی کی داڑھی ہو یا نہ ہو، امام کے لیے ایک مشت ڈاڑھی رکھنا سنت ہے۔<sup>(۳)</sup> نیز لازم ہے کہ وہ شریعت کے تمام احکام کا پابند ہو، اگر وہ ایسا نہیں کرے گا، تو سخت گنہگار ہوگا، خواہ وہ امام بیان کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، اگر بیان بھی کرتا ہو اور خود سنن کی اور شعائر دین کی پابندی نہ کرتا ہو، تو وہ سخت غلطی میں ہے۔<sup>(۴)</sup> ایسے شخص کو امامت سے الگ کر دینا ضروری ہے، ورنہ متولی و ٹرسٹیان گنہگار ہوں گے۔

(۲) صورت مسؤلہ میں امام کے تعلق سے درج ذیل قباحتیں ہیں:

۱- ہندوؤں کے میلے میں جانا، جو حرام ہے۔<sup>(۵)</sup>

(۲-۳) عن ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "خالفوا المشركين: وفروا اللحى، وأحفوا الشوارب" وكان ابن عمر: إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته، فما فضل أخذه. (صحيح البخاري: ۸۷۵/۲، رقم الحديث: ۵۸۹۲، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۱۲۹، رقم الحديث: ۵۴- (۲۵۹)، و ۵۵- (۲۶۰)، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ط: ديوبند)

حدثنا مروان يعني ابن سالم المقفع، قال: رأيت ابن عمر يقبض على لحيته، فيقطع ما زاد على الكف. (سنن أبي داود: ۱/۳۲۱، رقم الحديث: ۲۳۵۷، كتاب الصوم، باب القول عند الإفطار، ط: ديوبند) عن أبي زرعة، قال: كان أبو هريرة يقبض على لحيته، ثم يأخذ ما فضل عن القبضة. (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار - أبو بكر بن أبي شيبة، العباسي (م: ۲۳۵هـ): ۵/۲۲۵، رقم الحديث: ۲۵۴۸۱، كتاب الأدب، ما قالوا في الأخذ من اللحية، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد - الرياض)

عن الحسن، قال: كانوا يرخسون فيما زاد على القبضة من اللحية أن يؤخذ منها. (حوالہ سابق: حدیث نمبر: ۲۵۴۸۳) ولا بأس بنتف الشيب، وأخذ أطراف اللحية والسنة فيها القبضة... ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته، والمعنى المؤثر التشبه بالرجال اهـ. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله والسنة فيها القبضة) وهو أن يقبض الرجل لحيته فما زاد منها على قبضة قطعه، كذا ذكره محمد في كتاب الآثار عن الإمام، قال وبه أخذ. محیط اهـ ط. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/۴۰۷، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ط: دار الفکر - بيروت)

(۴) عن صفوان بن محرز، عن جندب، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مثل الذي يعلم الناس الخير وينسى نفسه مثل مصباح يضيء للناس ويحرق نفسه. (كتاب الأمثال في الحديث النبوي - أبو محمد عبد الله بن محمد بن جعفر بن حيان الأنصاري المعروف بـ 'أبي الشيخ الأصبهاني' (م: ۳۶۹هـ): ۱/۳۲۴، رقم الحديث: ۲۷۶، ذكر قوله صلى الله عليه وسلم: مثل الذي يعلم الناس الخير وينسى نفسه، ت: الدكتور عبد العلي عبد الحميد حامد، ط: الدار السلفية - بومباي)

(۵) عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن أبي داود: ۲/۵۵۹، رقم الحديث: ۴۰۳۱، كتاب اللباس، فصل في لبس الشهرة، ط: مكتبة الاتحاد - ديوبند)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے فتاویٰ فلاحیہ: ۱/۳۰۷، عنوان: غیر مسلموں کے مذہبی میلوں میں شرکت اور خرید و فروخت۔

- ۲- عورت کو بے پردہ گھر سے باہر جانے دینا، جو حرام ہے۔<sup>(۱)</sup>
- ۳- شوہر کا اپنے ساتھ عورت کو میلے میں گھمانا، جو گناہ کا کام ہے۔<sup>(۲)</sup>
- ۴- امام کو احساس ذمہ داری دلانے والوں کو یزید کی ذریت، ابولہب کی اولاد وغیرہ الفاظ سے خطاب کرنا، جو حرام ہے۔<sup>(۸)</sup>
- ۵- گناہ پر پردہ ڈالنے کے لیے اپنے آپ کو بزرگوں کے ساتھ غلط تشبیہ دینا، جو حرام ہے۔
- کہاں بایزید بسطامی اور کہاں یہ امام!
- ۶- شیخ اور مریدوں کے احکام الگ ہوتے ہیں اور امام اور مقتدیوں کے احکام جدا گانہ۔ مرید تو اپنے ارادہ کو ختم کر کے شیخ کے تابع ہو جاتا ہے، جب کہ امام شیخ نہیں ہے کہ اس پر روک ٹوک کی بالکل گنجائش نہ ہو۔

۷- ضعیفوں، عالموں اور نیک نوجوانوں کو برے ناموں سے خطاب کرنا حرام ہے، جب مذکورہ امام گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے اور روکنے والوں پر دشنام طرازیوں کرتا ہے، تو اس کو تاکیداً امامت سے الگ

(۶) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأَزْوَاجَكُمْ وَبَنَاتِكُمْ وَنِسَاءَ الْمُؤْمِنِينَ يُدْرِنُنَّ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِقِحِهِنَّ • ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ • فَلَا يُؤْذَنَنَّ • وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۳۳﴾ (الأحزاب-۵۹)

(۷) وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْمُجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ • إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿۳۳﴾ وَأَذْكَرُونَ مَا يُثَلُّ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ • إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ﴿۳۴﴾ (الأحزاب-۳۳-۳۴)

(۸) وَلَا تَلْبِسُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَتَابَرُوا بِالْأَلْقَابِ • بِئْسَ الْأَسْمُ الْفُسُوقِ بَعْدَ الْإِيمَانِ • وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۳۹﴾ (الحجرات: ۱۱)

عن أبي ذر رضي الله عنه أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: لا يرمى رجل رجلاً بالفسوق، ولا يرميه بالكفر، إلا ارتدت عليه، إن لم يكن صاحبه كذلك. (صحيح البخاري: ۲/ ۸۹۳، رقم الحديث: ۶۰۳۵، كتاب الأدب، باب ما ينهى من السباب واللعن، ط: ديوبند)

أبو جبير بن الضحاك، قال: فينا نزلت هذه الآية في بني سلمة ﴿ولا تتابروا باللقاب﴾ وبسبب اسم الفسوق بعد الإيمان ﴿قال: قدم علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم وليس منا رجل إلا وله اسمان أو ثلاثة، فجعل النبي صلى الله عليه وسلم يقول: يا فلان، فيقولون: مه يا رسول الله، إنه يغضب من هذا الاسم، فأنزلت هذه الآية ﴿ولا تتابروا باللقاب﴾. (سنن أبي داود: ۲/ ۶۷۸، رقم الحديث: ۴۹۶۲، كتاب الأدب، باب في الألقاب، ط: ديوبند)

کردینا چاہیے، ورنہ متولی گنہگار ہوں گے۔

نوٹ: امام کو الگ کرنے کی ذمہ داری متولی اور ٹرسٹیوں کی ہے، اگر وہ الگ نہیں کرتے ہیں، تو گنہگار ہوں گے، مگر مقتدیوں کو چاہیے کہ اس امام کے پیچھے نماز ادا کر لیں، جماعت کا ثواب مل جائے گا، الگ سے نماز پڑھنے کی کوشش نہ کریں، ورنہ جماعت چھوڑنے کا گناہ ہوگا۔<sup>(۹)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۱۱] فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا

۷۰۶-سوال: ایک شخص ہے، اس میں ایسا بھرم ہے کہ گویا اس کے علاوہ کوئی دوسرا دین کا مسئلہ جانتا ہی نہیں، وہ امامت کراتا ہے؛ لیکن بعض مرتبہ شراب بھی پیتا ہے اور غیر قوموں کے مذہبی امور میں بھی شرکت کرتا ہے، جیسے ”نوراتری“ کے موقع پر ان کی محفل میں شریک ہونا وغیرہ، تو ایسے شخص کے پیچھے نماز میں اقتدا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ یعنی اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اگر صحیح نہیں ہے، تو جو نماز پڑھی جا چکی ہے، کیا اس کا لوٹانا ضروری ہوگا؟

### الجواب حامدًا ومصلياً:

اگر اس شخص کے عقائد درست ہوں، تو کراہت کے ساتھ اس کی اقتدا میں نماز ہو جائے گی اور مقتدیوں کو جماعت کا ثواب بھی مل جائے گا، البتہ متولی کی ذمہ داری ہے کہ نماز پڑھانے کے لیے کسی دین دار شخص کا تقرر کرے، شرابی، اور دوسری قوم کے تہواروں میں شرکت کرنے والے کو امامت سے دور رکھے، ورنہ ذمہ دار حضرات گنہگار ہوں گے۔

اگر اس امام کے عقائد درست نہ ہوں، تو اس کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہوگی۔<sup>(۱۰)</sup> فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(۹) وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۶۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے: ”فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام“ ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری“ کے حواشی۔

(۱) (ویکرہ) تنزیہاً (إمامة عبد)... (وفاسق)... (ومبتدع) ای صاحب بدعة وہی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة وکل من كان من قبلتنا... (وإن) أنکر بعض ما علم من الدين ضرورة (کفر بها) کقولہ إن الله تعالی جسم كالأجسام وإنکاره صحبة الصديق (فلا یصح الاقتداء به أصلاً) فلیحفظ (وولد الزنا) هذا إن وجد غیرهم وإلا فلا كراهة بحر بحثا. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۵۵۹-۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

## [۱۲] ایضاً

۷۰۷- سوال: ہمارے گاؤں میں ایک شخص ہے، اس کی ڈاڑھی تو ہے، لیکن پانچ وقت کی نماز پابندی سے نہیں پڑھتا ہے، غیبت میں بھی مبتلاء ہے، سینما (فلم) دیکھنے بھی جاتا ہے، وہ بعض مرتبہ۔ جب امام صاحب نہیں ہوتے۔ جمعہ کی نماز پڑھاتا ہے، تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ہماری نماز صحیح ہو جائے گی یا نہیں؟ گاؤں کے لوگ جاہل ہیں، ان کو مسئلہ معلوم نہیں ہے، جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

## الجواب حامداً ومصلياً:

امامت کا منصب بہت اہم ہے، ٹرسٹیوں کی ذمہ داری ہے ایسے شخص کو امام مقرر کریں، جو نیک اور دین دار ہو، فاسق شخص۔ جو ڈاڑھی منڈواتا ہو یا کتر و اتا ہو، سینما دیکھتا ہو، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے، البتہ مقتدیوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ امام فاسق ہو، تب بھی اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں، ان کو جماعت کا ثواب مل جائے گا، کیوں کہ اسلام اتفاق و اتحاد کی تعلیم دیتا ہے، پس مقتدیوں کو چاہیے کہ کوئی ایسا کام نہ کریں، جس سے اختلاف و انتشار ہو۔ مگر ٹرسٹیوں اور کمیٹی والوں پر لازم ہے کہ ایسا شخص جس سے دینی بنیاد پر لوگ ناراض ہوں، اس کو امامت کا منصب سپرد نہ کریں۔<sup>(۱)</sup> فقط واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۳] ڈاڑھی منڈے کے پیچھے نماز پڑھنا

۷۰۸- سوال: ڈاڑھی منڈوانے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

## الجواب حامداً ومصلياً:

متولی اور ٹرسٹیوں کی ذمہ داری ہے کہ امامت کا عہدہ متقی اور متشرع شخص کے حوالہ کریں، اگر وہ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے یا ایک مشت سے کم رکھنے والے شخص کو امامت کا عہدہ دیتے ہیں، تو گنہگار ہوں گے، البتہ محلہ والوں کا فریضہ یہ ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے۔ جب تک اس کا عقیدہ کفر تک نہ پہنچا ہو۔ نماز پڑھ لیں، مجبوراً ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے سے ان کو جماعت کا ثواب مل جائے گا؛ لیکن متولی اور ٹرسٹیوں سے مشورہ

(۱) مسئلہ اور اس کی تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ”فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری“ کے حواشی۔

کر کے ایسے امام کو معزول کرنے کی کوشش کریں، البتہ اس میں لڑائی جھگڑانہ کریں، مصلیوں کی صرف اس قدر ذمہ داری ہے کہ بغیر کوئی فتنہ کیے اس امام کو معزول کرنے کی کوشش کرتے رہیں اور جماعت سے نماز پڑھتے رہیں جماعت کا ثواب مل جائے گا۔<sup>(۱)</sup> فقط واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۴] شرابی۔ جس نے فی الحال توبہ کی ہے۔ کا امام بننا

۷۰۹۔ سوال: ایک شخص حافظ ہے؛ لیکن اس کی بد اعمالیاں بہت ہیں؛ حتیٰ کہ شراب بھی پیتا تھا؛ لیکن فی الحال اس نے شراب ترک کر دی ہے، تو ایسے شخص کے پیچھے تراویح یا فرض نماز پڑھنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب حامدًا ومصلياً

گناہ کبیرہ کے ارتکاب یا گناہ صغیرہ پر مداومت سے انسان فاسق ہو جاتا ہے، اور فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔<sup>(۲)</sup> شراب، تاڑی وغیرہ پینا گناہ کبیرہ ہے۔<sup>(۳)</sup> جو شخص شراب پیتا ہو، اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہوگا، البتہ شراب پینے والے اور دیگر فسق کے کاموں کا ارتکاب کرنے والے نے اگر سچی توبہ کر لی ہو

(۱) مسئلہ اور اس کی تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ”فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نا اہل امام اور متولی کی ذمہ داری“ کے حواشی۔

(۲) قال ابن عابدین: (قوله وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني واكل الربا ونحو ذلك، كذا في البرجندی إسماعيل... وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانتة شرعاً... مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۶۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) يَأْكِبَهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْمِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۵﴾ (المائدة: ۹۰)

قال أبو هريرة رضي الله عنه: إن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يزني الزاني حين يزني وهو مؤمن، ولا يشرب الخمر حين يشربها وهو مؤمن، ولا يسرق السارق حين يسرق وهو مؤمن. (صحيح البخاري: ۲/۸۳۶، رقم الحديث: ۵۵۷۸، كتاب الأشربة، باب قول الله تعالى: {إنما الخمر والميسر والأنصاب... الآية} الصحيح لمسلم: ۱/۵۵، رقم الحديث: ۱۰۰ (۵۷)، كتاب الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، ط: البدر - ديوبند)

اور گناہوں سے اجتناب کرنے لگا ہو، تو اب اس کو امام بنانا کسی کراہت کے بغیر جائز ہے، خواہ نماز فرض ہو یا تراویح؛ اس کی امامت جائز ہوگی۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] بیان میں ایک بات کہنے کے بعد مکر جانے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم

۷۱۰- سوال: امام صاحب نے چار سو پانچ سو آدمی کے سامنے یہ بیان دیا تھا کہ محرم کا شربت پینا اور پلانا جائز نہیں ہے، اب امام صاحب اور ان کے بعض ساتھیوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے ایسا نہیں کہا ہے۔ حالانکہ امام صاحب نے حقیقتاً ایسا کہا تھا، اگرچہ وہ اب اس سے منع کرتے ہوں، بہت سے لوگ اس پر گواہ ہیں، تو ایسے جھوٹے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مقتدیوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟

### الجواب حامدًا ومصلياً

رسم و رواج کے طور پر محرم میں شربت پلایا جاتا ہے، لوگوں نے اس کو ضروری سمجھ لیا ہے، پس یہ جائز نہیں ہے اور امام صاحب کا یہ بیان کرنا بھی صحیح ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) وَإِنِّي لَعَفَاؤُ لِمَنْ تَابَ وَأَمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ ﴿۲۰﴾ (ط: ۸۲)

عن ابن عباس، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كل مخمر خمر، وكل مسكر حرام، ومن شرب مسكر ابخست صلاته أربعين صباحاً، فإن تاب تاب الله عليه... الحديث. (سنن أبي داود: ۵۱۸/۲، رقم الحديث: ۳۶۸۰، كتاب الأشرية، باب ما جاء في المسكر، ط: البدر - ديوبند)

... فإن العبد إذا اعترف بذنبه، ثم تاب تاب الله عليه. (صحيح البخاري: ۳۶۵/۱، رقم الحديث: ۲۶۶۱، كتاب الشهادات، باب تعديل النساء بعضهم بعضاً، عن عائشة رضي الله عنها، ط: البدر ☆ الصحيح لمسلم: ۳۶۶/۲، رقم الحديث: ۵۶-۲۷۷، كتاب التوبة، باب في حديث الإفك وقبول توبة القاذف، ط: البدر - ديوبند)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: التائب من الذنب، كمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجه، ص: ۳۱۳، رقم الحديث: ۳۲۵۰، أبواب الزهد، باب ذكر التوبة، عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه، ط: البدر ديوبند)

عن أنس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل بني آدم خطاء، وخير الخطائين التوابون. (حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۴۲۵)

مزید تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ”فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نا اہل امام اور متولی کی ذمہ داری“ کے حواشی۔

(۲) حضرت مفتی بیات صاحب نے اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں رقم فرمایا ہے: لوگوں کو شربت، کھجڑا، زردا، یا بریانی کھلانا، دن اور مہینے کی تعیین و تخصیص کے بغیر ثواب کا کام ہے۔ میت کو ثواب پہنچانے کی نیت سے جو بھی صدقہ کیا جائے، میت کو اس کا ثواب ملتا ہے۔ حضرت حسینؑ کو ثواب پہنچانا بھی جائز ہے۔ البتہ..... شربت پلانے کو صرف یوم عاشورہ کے ساتھ خاص کر لینا اور اس =

امام صاحب نے شربت پینے کو ناجائز کہا تھا، اب وہ انکار کر رہے ہیں کہ میں نے ایسا نہیں کہا ہے۔ ممکن ہے کہ ان کو یاد نہ ہو کہ کیا کہا تھا، اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ یاد ہونے کے باوجود جان بوجھ کر منع کر رہے ہوں، تاکہ لوگوں میں فتنہ اور کسی قسم کا اختلاف نہ ہو، (چوں کہ ان کا جھوٹ بولنا واضح نہیں ہے، صرف امکان کے درجے میں ہے) اس لیے ان کو فی الحال ان کے منصب پر رہنے دیں، اگر دوسری بار جھوٹ بولیں، تو معزول کر دیں، نیز ان کی کسی بھی طرح کی بے عزتی نہ کریں، ان کا مکمل ادب و احترام ملحوظ رکھیں۔

جہاں تک نماز کا تعلق ہے، تو ان کے پیچھے بلا کسی کراہت کے نماز جائز ہے، ان کی امامت میں کوئی قباحت نہیں ہے، ہاں اگر ان کا فسق (جھوٹ بولنا) دودو، چار کی طرح واضح ہو جائے، تو اس صورت میں ان کو امام بنانا مکروہ ہوگا، تاہم ان کے پیچھے پڑھی گئی نماز ہو جائے گی۔<sup>(۱)</sup>

لوگوں نے امام صاحب کی۔ باوجود صحیح مسئلہ بتانے کے۔ جو بے عزتی کی ہے، تو اس کے لیے وجہ جواز کیا ہے؟ آپ نے اس سلسلہ میں اپنے سوال میں اس کا تذکرہ تک نہیں کیا ہے، واضح رہے کہ جن لوگوں نے امام صاحب کی محرم کے موقع پر شربت پلانے کے مسئلہ میں بے عزتی کی ہے، ان کے لیے امام صاحب سے معافی مانگنا ضروری ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= دن اس عمل کی انجام دہی کو ضروری سمجھنا جائز نہیں ہے۔ یہ سمجھنا کہ حضرت حسینؑ بھوکے پیاسے شہید کیے گئے تھے؛ اس لیے اس دن شربت پلا کر ان کو ثواب پہنچایا جائے، یہ غلط ہے۔ شربت پینے پلانے والے نماز روزے سے غافل ہو کر ثواب کا عنوان دے کر ایک قسم کا ڈھونگ کرتے ہیں؛ اس لیے حدیث کی روشنی میں ان کاموں سے لوگوں کو منع کیا جاتا ہے۔ مباح امر کو ضروری سمجھ کر اس میں اس قدر دل چسپی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے کہ فرائض تک سے انسان غافل ہو جاتا ہے، اگر کوئی اس پر نکیر کرے، تو لوگ اس سے جھگڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ (فتاویٰ فلاحیہ: ۱/۳۲۶-۳۲۷)

مسئلے کی مزید تفصیل اور تخریج کے لیے مطالعہ کریں عنوان: محرم میں لوگوں کو شربت پلانا۔ (۱/۳۲۶-۳۲۷)

(۱) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ”فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام“ ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھوننے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری کے حواشی۔

(۲) عن أبي بكرة، ذكر النبي صلى الله عليه وسلم قال: فإن دماءكم وأموالكم... وأعراضكم، عليكم حرام، كحرمة يومكم هذا، في شهركم هذا... الخ. (صحيح البخاري: ۱/۲۱، رقم الحديث: ۱۰۵، كتاب العلم، باب: ليلبلغ العلم الشاهد الغائب، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۲/۶۰، رقم الحديث: ۲۹-۱۶۷۹، كتاب القسامة والمحار بين والقصاص والديات، باب تغليظ تحريم الدماء والأعراض والأموال، ط: البدر - ديوبند)

عبد الله بن عمر، قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يطوف بالكعبة، ويقول: ما أطيبك وأطيب ريحك، ما أعظمك وأعظم حرمتك، والذي نفس محمد بيده، لحرمة المؤمن أعظم عند الله حرمة منك، ماله، ودمه، وأن نظن =

## [۱۶] امام کا ظہر کی چار سنت پڑھے بغیر امامت کرانا

۷۱۱- سوال: ظہر سے قبل چار رکعت سنت مؤکدہ ہے؛ لیکن اگر کوئی امام تاخیر سے پہنچنے کی بنا پر

ان چار رکعت کو پڑھے بغیر فرض نماز پڑھانا شروع کر دے، تو اس کی امامت میں کوئی کراہیت آئے گی یا نہیں؟

## الجواب حامدًا ومصليًا:

بلاشبہ ظہر سے قبل چار رکعت سنت مؤکدہ ہے؛ اس لیے امام جماعت سے قبل سنتوں سے فراغت کا اہتمام کرے۔<sup>[۱]</sup> لیکن اگر کسی وجہ سے عین جماعت کے وقت پہنچے، اور سنت مؤکدہ پڑھنے میں مشغول ہو جائے، تو جماعت میں تاخیر ہوگی، جس کی وجہ سے فتنہ کا اندیشہ ہے، اور فتنہ سے بچنا اور بچانا ضروری ہے۔

= به إلا خيرا. (سنن ابن ماجه: ۲۸۲، رقم الحديث: ۳۹۳۲، كتاب الفتن، باب حرمة دم المؤمن وماله، ط: ديوبند)  
عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كانت له مظلمة لأخيه من عرضه أو شيء، فليتحلله منه اليوم، قبل أن لا يكون دينار ولا درهم، إن كان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته، وإن لم تكن له حسنات أخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه. (صحيح البخاري: ۱/۳۳۱، رقم الحديث: ۲۴۴۹، أبواب المظالم والقصاص، باب من كانت له مظلمة عند الرجل فحلها له، هل يبين مظلمته، ط: البدر - ديوبند)  
قوله: (له مظلمة) أي قد ظلم أحدا بقول أو فعل... (فليتحلله) يطلب منه العفو والمسامحة أو يؤدي إليه مظلمته. (فحمل عليه) ألقى على الظالم عقوبات سيئات المظلوم. (صحيح البخاري مع شرح مصطفىي ديب البغا: ۳/۱۳۹، رقم: ۲۴۴۹، ط: دار طوق النجاة)

[۱] (والأربع قبل الظهر يقضيها بعدها) قالت عائشة: كان رسول الله - عليه الصلاة والسلام - إذا فاتته الأربع قبل الظهر قضاهما بعد الظهر، ولأن الوقت وقت الظهر وهي سنة الظهر، ثم عند أبي يوسف يقضيها قبل الركعتين؛ لأنها شرعت قبلها، وعند محمد بعدها؛ لأنها فاتت عن محلها، فلا يفوت الثانية عن محلها أيضا، وهذا بخلاف سنة العصر؛ لأنها ليست مثلها في التأكيد، ولنهيبه - عليه الصلاة والسلام - عن الصلاة بعد العصر. (الاختيار لتعليق المختار - ابن مودود الموصلي (م: ۲۸۳هـ): ۱/۲۵، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، ت: محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة ✽ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۵۱۲ - ۵۱۳، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، ط: زكريا - ديوبند)

(والأحق بالإمامة) تقدیما؛ بل نصبا، مجمع الأنهر (الأعلم بأحكام الصلاة) فقط صحة وفسادا بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة وحفظه قدر فرض، وقيل واجب، وقيل سنة (ثم الأحسن تلاوة) وتجويدا (للقراءة، ثم الأورع) أي الأكثر اتقاء للشبهات. والتقوى: اتقاء المحرمات. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۵۵۴، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: زكريا - ديوبند ✽ الفتاوى الهندية: ۱/۸۳، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، ط: زكريا - ديوبند)



نیز اس سنت کی، فرض نماز کے بعد ادائیگی درست ہے، لہذا اگر گاہے سنت پڑھے بغیر امام نماز پڑھا دے، تو نماز بلا کراہت جائز ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] کسی امام سے سنت مؤکدہ چھوٹ جائے تو اُس کو امامت پر برقرار رکھا جائے گا یا نہیں؟

۷۱۲- سوال: ہمارے گاؤں کے امام صاحب حافظ، قاری اور مولوی ہیں، قرآن صحیح اور صاف پڑھتے ہیں، اُن کے اخلاق بھی بہت اچھے ہیں؛ لیکن اُن سے اکثر ظہر سے پہلے کی چار رکعات سنت مؤکدہ چھوٹ جاتی ہے، بعض مرتبہ بہ غرض تجارت سفر کی وجہ سے اور کبھی نیند کے غلبہ کی وجہ سے اس طرح ہوتا ہے؛ لیکن فرض نماز کے بعد ان چار رکعات کو وہ پڑھ لیتے ہیں، تو ایسے امام کو امامت پر برقرار رکھا جائے گا یا نہیں؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

ظہر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعات سنت مؤکدہ ہے۔ اگر امام صاحب سے سفر یا نیند کے غلبہ کی وجہ سے یہ سنتیں کبھی کبھی چھوٹ جاتی ہیں، تو اس میں حرج نہیں، اور اس کی وجہ سے وہ تارک سنت نہیں کہے جائیں گے؛ کیوں کہ وہ فرض کے بعد ان سنن کو پڑھ لیتے ہیں؛ لیکن سنت کو اکثر اوقات میں اُس کے صحیح وقت پر نہ پڑھنا کسی امام کو زیب نہیں دیتا، سنت مؤکدہ کو چھوڑنا واجب کو چھوڑنے کے برابر ہے، اور ظہر کی سنت مؤکدہ جان بوجھ کر چھوڑنے کی عادت بنا لینے والا قابل ملامت ہے۔ (البحر الرائق: ۷۶/۱ ☆ رد المحتار: ۴۹۶)<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ترك السنة لا يوجب الفسق إلا إذا تركه رغبة عن السنة. (الاختيار لتعليل المختار: ۱۶۰/۲، كتاب الشهادات، ط: دار الكتب العلمية- بيروت، الطبعة الثالثة: ۱۴۲۶ھ)

[۲] وفي القنية واختلف في اكد السنن بعد سنة الفجر فقبل الأربع قبل الظهر والر كعتان بعده والر كعتان بعد المغرب كلها سواء، والأصح أن الأربع قبل الظهر اكداه. ————— وهكذا صححه في العناية والنهاية؛ لأن فيها وعيدا معروفا قال - عليه الصلاة والسلام - : من ترك أربعاً قبل الظهر لم تنله شفاعتي، وفي التجنيس والنوازل والمحيط: من ترك سنن الصلوات الخمس، إن لم ير السنن حقا، فقد كفر؛ لأنه ترك استخفافا، وإن رأى حقا، منهم من قال: لا يأتهم، والصحيح: أنه يأتهم؛ لأنه جاء الوعيد بالترك اهـ.

وتعقبه في فتح القدير بأن الإثم منوط بترك الواجب وقد قال - صلى الله عليه وسلم - للذي قال والذي بعثك بالحق لا أزيد على ذلك شيئا أفلح إن صدق اهـ. ————— ويجاب عنه بأن السنة المؤكدة بمنزلة الواجب في الإثم بالترك كما صرحوا به كثيرا (البحر الرائق: ۸۶/۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الكتاب- ديوبند) =

## [۱۸] بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت

۷۱۳-سوال: ہمارے گاؤں کے امام صاحب غریب اور مزدوری کرنے والی بھولی قوم سے، ان کا راشن کارڈ ایک سال کے لیے پانچ دس روپے میں خرید لیتے ہیں، اس کے بعد ہر مہینے ”ستے اناج کی دوکان“ سے ان راشن کارڈز کے ذریعہ سستا اور مناسب قیمت کا اناج (شکر، تیل وغیرہ) خرید کر جمع کرتے رہتے ہیں، اور مناسب موقع پر اس کو بلیک مارکیٹ کرتے ہیں، یعنی دو تین گنا زیادہ قیمت لے کر بیچتے ہیں، امام صاحب کی اس حرکت کا علم مسجد کے متولی و ٹرسٹی سمیت گاؤں کے تمام لوگوں کو ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ایسے امام کے پیچھے جو نمازیں ادا کی گئیں ہیں، کیا ان کے جواز و عدم جواز میں کوئی شک و شبہ ہو سکتا ہے؟ اگر نمازیں قبول نہ ہوں، تو ذمہ دار کون ہوگا؟ امام، متولی، ٹرسٹیان یا راشن کارڈ فروخت کرنے والے یا گاؤں کے رہنما حضرات؟ بیوقوف تو جروا۔

## الجواب حامد اوصلیا:

غریب و مزدور طبقہ سے راشن کارڈ خریدنا اور ان سے مال خرید کر بلیک مارکیٹ کرنا جائز نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>

(وسن مؤ کدا) (أربع قبل الظهر و) أربع قبل (الجمعة و) أربع (بعدها بتسليمة) ... (الدر المختار)  
قال ابن عابدين: (قوله وسن مؤ كدا) أي استئنا مؤ كدا، بمعنى أنه طلب طلباً مؤ كدا زيادة على بقية النوافل، ولهذا كانت السنة المؤكدة قريبة من الواجب في لحوق الإنم كما في البحر، ويستوجب تاركها التضليل واللوم كما في التحرير: أي على سبيل الإصرار بلا عذر كما في شرحه. (رد المختار على الدر المختار: ۱۲/۲، كتاب الصلاة، باب الترو والنوافل، مطلب في السنن والنوافل، ط: دار الفكر - ديوبند)  
(والأربع قبل الظهر يقضيها بعدها) قالت عائشة: كان رسول الله - عليه الصلاة والسلام - إذا فاتته الأربع قبل الظهر قضاهما بعد الظهر، ولأن الوقت وقت الظهر وهي سنة الظهر، ثم عند أبي يوسف يقضيها قبل الركعتين؛ لأنها شرعت قبلها، وعند محمد بعدها؛ لأنها فاتت عن محلها، فلا يفوت الثانية عن محلها أيضاً، وهذا بخلاف سنة العصر؛ لأنها ليست مثلها في التأكيد، ولنهييه - عليه الصلاة والسلام - عن الصلاة بعد العصر. (الاختيار لتعليل المختار - ابن مودود الموصلي (م: ۱۶۸۳هـ): ۱/۶۵، كتاب الصلاة، باب قضاء الفرائض، ت: محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة) ☆ رد المختار على الدر المختار: ۵۱۲/۲ - ۵۱۳، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، ط: زكريا - ديوبند)  
(۱) راشن کارڈ، حکومت کی جانب سے غریب کو ملنے والا رعایتی ”حق“ ہے، جس کے ذریعے کارڈ ہولڈر کو راشن (شکر اور تیل وغیرہ) خریدنے کا اختیار رہتا ہے، حکومتی قانون کے مطابق اس کا کسی دوسرے کو منتقل کرنا درست نہیں ہے؛ درحقیقت یہ حقوق مجردہ کی قبیل سے ہے؛ اس لیے اس کی خرید و فروخت جائز نہیں ہونی چاہیے:

ناجائز امر کا ارتکاب کرنے والے کو شریعت کی اصطلاح میں ”فاسق“ کہا جاتا ہے، جس کو امام بنانا مکروہ ہے۔<sup>(۲)</sup>

متولیٰ کی ذمہ داری ہے کہ امامت کے لیے متقی اور پرہیزگار شخص کا انتخاب کرے، اگر یہ ذمہ داری فاسق کو دیں گے، تو گنہ گار ہوں گے۔<sup>(۳)</sup> تاہم فاسق امام کے پیچھے نماز ہو جائے گی؛ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو۔<sup>(۴)</sup>

ایسے امام کو خود الگ ہو جانا چاہیے، جس کی امامت سے مقتدی (کسی دینی بنیاد پر) خوش نہ ہوں۔<sup>(۵)</sup> اگر امام صاحب خود علاحدہ نہ ہوتے ہوں، تو خوش سلوپی سے انہیں علاحدہ کر دیا جائے، فتنہ و فساد کو ہوا نہ دی جائے، اور جب تک امام کو ان کے منصب سے علاحدہ نہ کیا جاتا ہو، اسی کے پیچھے نماز پڑھی جائے، ان شاء اللہ مقتدی حضرات کو باجماعت نماز پڑھنے کا ثواب مل جائے گا۔<sup>(۶)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= وفي الأسياب لا يجوز الاعتياض عن الحقوق المجردة كحق الشفعة وعلى هذا لا يجوز الاعتياض عن الوظائف بالأوقاف. (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۵۱۸، كتاب البيوع، مطلب في بيع الجامكية ط: دار الفكر - بيروت) [۲] (قوله وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وأكل الربوا ونحو ذلك، كذا في البر جندی إسماعيل... وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانتة شرعا، ولا يخفى أنه إذا كان أعلم من غيره لا تزول العلة، فإنه لا يؤمن أن يصلي بهم بغير طهارة فهو كالمبتدع تكرر إمامته بكل حال، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا. (رد المحتار: ۱/۵۲۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

(۳) لو قدموا فاسقا يثمون بناء أعلى أن كراهة تقديمه كراهة تحريم؛ لعدم اعتناؤه بأمر دينه. (حلي كبير - إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶ھ) ص: ۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سبيل الكيبي - لاهور)

(۴) سنن الدارقطني - أبو الحسن علي بن عمر، البغدادي الدارقطني (م: ۳۸۵ھ) ۲/۴۰۳، رقم الحديث: ۱۷۶۸، كتاب العيدين، باب صفة من تجوز الصلاة معه والصلاة عليه، ت: شعيب الارنؤوط وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت.

(۵) عن ابن عباس، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "ثلاثة لا ترفع صلاتهم فوق رؤوسهم شيئا: رجل أم قوما وهم له كارهون، وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط، وأخوان متصارمان". (سنن ابن ماجه: ص ۶۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: البدر - ديوبند)

(۶) فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالافتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد؛ لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

## [۱۹] پردے کے متعلق تاویل کرنے والے کی امامت

۱۴- سوال: زید سند یافتہ عالم ہے، عوام کو احکام شرعیہ، فضائل اور وعیدیں بڑے زور و شور سے سناتا ہے اور اپنی ولولہ انگیز تقریروں میں عوام کو خوب لتاڑتا ہے؛ لیکن ان کے گھر کی عورتوں میں پردہ- جو کہ لازم و ضروری ہے- کو اہم نہیں سمجھا جاتا، یوں کہا جاتا ہے کہ: بے پردگی میں کوئی مضائقہ نہیں، وہ لوگ پردے کی فرضیت کی نفی کرتے ہیں، جس کا اظہار خود ان کی اہلیہ محترمہ بازاروں اور پورے گاؤں میں بے پردہ گھوم کر کرتی ہے اور اللہ رب العزت کے حکم کی کھلے طور پر خلاف ورزی کرتی ہے، یہ عالم صاحب تماشائی بن کر دیکھتے رہتے ہیں، اگر کوئی پردے کے فوائد اور بے پردگی کے نقصانات بیان کر کے ان کو اس جانب متوجہ کرتا ہے، تو وہ عالم صاحب تاویلات کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور ایسے عالم کو شرعاً امامت کا حق ہے یا نہیں؟ مینواتو جروا۔

### الجواب حامداً ومصلياً:

اگر کسی امام صاحب کی اہلیہ بے پردہ گلی کو چوں میں گھومتی ہے اور امام صاحب اپنی بیوی کو نصیحت نہیں کرتے اور نہ ہی پردے میں رہنے کی تلقین کرتے ہیں، تو دینی اعتبار سے ان کو ”فاسق“ سمجھا جائے گا، اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔

امام صاحب اپنی بیوی کو نصیحت کرتے ہوں، مگر وہ نہ مانتی ہو اور پردہ نہ کرتی ہو، تو امام صاحب اگر اس پوزیشن میں ہوں کہ ایسی نافرمان بیوی کو طلاق دے کر دوسری جگہ شادی کر لیں، اور اس عورت کے بغیر زندگی گذاریں، تو ان کو اس طرح کر لینا چاہیے؛ لیکن اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ایسا کرنا ممکن نہ ہو، تو (مَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهِ ۗ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ) [۱] کے پیش نظر ان کی امامت مکروہ نہیں ہے؛ اس لیے کہ امام صاحب نے فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ رَأَىٰ مِنْكُمْ مُنْكَرًا

(۱) ۱- الإسراء: ۱۵۔۔۔ ترجمہ: جو شخص (دنیا میں) راہ پر چلتا ہے، وہ اپنے نفع کے لیے راہ پر چلتا ہے اور جو شخص بے راہی کرتا ہے، سو وہ بھی اپنے ہی نقصان کے لیے بے راہ ہوتا ہے، اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ (ترجمہ تھانوی)

فلیغیرہ بیدہ، فإن لم یستطع فبلسانہ، فإن لم یستطع فبقلبہ، وذلك أضعف الإیمان. (۱) کے موافق اپنی ذمہ داری ادا کر دی ہے۔

ہاں! کوئی امام- معاذ اللہ- حالات سے متاثر ہو کر صراحتاً پردے کا انکار کر دے، تو اب وہ امامت کا بالکل اہل نہیں ہے، بلاتاخیر اس کو منصب امامت سے علاحدہ کرنا ضروری ہے۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب

## [۲۰] میراث نہ ادا کرنے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم

۱۵- سوال: ہمارے ایک امام صاحب ہیں، جن کے پاس دوسرے ورثاء کا مال ہے، جب ورثاء مال طلب کرتے ہیں، تو امام صاحب جواب دیتے ہیں کہ میراث چاہیے، تو کورٹ سے وصول کر لو، یعنی میراث کا مال دینے سے انکار کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ میرا اس مال پر پرانا قبضہ ہے۔ در یافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

ملک غیر پر قبضہ سے کوئی- امام ہو یا کوئی اور- مالک نہیں ہو جاتا، کہ اس کے لیے اس مال میں تصرف جائز ہو۔ (۳)

(۱) عن طارق بن شهاب، قال: أول من بدأ بالخطبة يوم العيد قبل الصلاة مروان. فقام إليه رجل، فقال: الصلاة قبل الخطبة، فقال: قد ترك ما هنالك، فقال أبو سعيد: أما هذا فقد قضى ما عليه سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلمه، وذلك أضعف الإیمان. (الصحيح لمسلم: ۵۰/۱، رقم الحديث: ۷۸-۷۹، كتاب الإیمان، باب بیان كون النهي عن المنكر من الإیمان، و... أن الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر واجبان، ط: البدر- دیوبند)

(۲) پردہ کا صراحتاً انکار، درحقیقت قرآنی آیات کا انکار ہے، جس کی وجہ سے آدمی کے کفر کا اندیشہ ہے: ولا نکفر أحدا من أهل القبلة بذنب ما لم يستحلہ. (عقيدة الطحاوي- أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة، الأزدي، المصري المعروف ب'الطحاوي' (م: ۳۲۱ھ) ج: ۶، شرح وتعلیق: محمد ناصر الدین الألبانی، ط: المكتب الإسلامي- بیروت) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: "فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت" کے حواشی۔

(۳) لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۰۰/۶، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف... الخ، ط: دار الفکر- بیروت)

اس لیے امام صاحب کے لیے لازم ہے کہ صاحبِ حق و رثاء کو ان کا حق دے دیں۔<sup>(۲)</sup>

کسی کے مال پر ناحق قبضہ جمالینا اور دینے سے انکار کرنا گناہ کبیرہ ہے، اور مرتکب کبیرہ فاسق ہے، اگر واقعی امام و رثاء کو ان کا حق نہ دیتا ہو، تو وہ مرتکب کبیرہ ہو کر فاسق قرار پائے گا، جس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، البتہ ان کے پیچھے نماز پڑھ لی، تو ہو جائے گی، اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔<sup>(۳)</sup>

ایک مسلمان کی ہدایت کے لیے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کا ذخیرہ موجود ہے، دنیوی عدالت اور غیر شرعی کورٹ میں اپنی مرضی سے جانا یا جانے پر کسی کو مجبور کرنا ناجائز اور حرام ہے، ایک مسلمان کی شان کے خلاف ہے، اس لیے عدالت اور کورٹ میں جانے سے بچنا ضروری ہے۔<sup>(۴)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= قال رسول الله صلى الله عليه وسلم... ألا لا تظلموا، ألا لا تظلموا، ألا لا تظلموا، إنه لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه. (مسند الإمام أحمد: ۲۹۹/۳۴، رقم الحديث: ۲۰۶۹۵، مسند البصريين، حديث عم أبي حرة الرقاشي ☆ مسند أبي يعلى - أبو يعلى أحمد بن علي بن المثنى، الموصلي (م: ۳۰۷-هـ): ۱۳۰/۳، رقم الحديث: ۱۵۷۰، مسند عم أبي حرة الرقاشي، حسين سليم أسد، ط: دار المأمون للتراث - دمشق ☆ السنن الكبرى - أبو بكر البيهقي (م: ۳۵۸-هـ): ۱۶۶/۶، رقم الحديث: ۱۱۵۳۵، كتاب الغصب، باب من غصب لوجاً فأدخله في سفينة أو بنى عليه جداراً، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

عبد الله بن السائب بن يزيد، عن أبيه، عن جده قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يأخذ أحدكم عصا أخيه إلا عبا أو جادا، فمن أخذ عصا أخيه فليبردها إليه. (سنن الترمذي: ۳۹/۲، رقم الحديث: ۲۱۶۰، أبواب الفتن، باب ما جاء لا يحل لمسلم أن يروع مسلماً، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن أبي داود: ۲/۲۸۳، رقم الحديث: ۵۰۰۳، كتاب الأدب، باب من يأخذ الشيء من مزاح، ط: البدر - ديوبند ☆ شرح السنة - محيي السنة، أبو محمد الحسين بن مسعود، البغوي الشافعي (م: ۵۱۶-هـ): ۱۰/۲۶۳، رقم الحديث: ۲۵۷۲، كتاب قتال أهل البغي، باب لا يحل لمسلم أن يروع مسلماً، ت: شعيب الأرنؤوط - محمد زهير الشاويش، ط: المكتب الإسلامي - دمشق ☆ مشكاة المصابيح، ص: ۲۵۵، رقم الحديث: ۲۹۳۸، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، ط: ياسر نديم - ديوبند)

(۲) إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا. (النساء: ۵۸)

(۳) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ”فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نا اہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت“ کے حواشی۔

(۴) وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ. وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا. (۳۳- الأحزاب: ۳۶)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ، فَإِن تَنَادَوْا عَلَيْهِمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا. (النساء: ۵۹)

## [۲۱] میراث ہڑپ کر لینے والے کو امامت سے علاحدہ کرنا

گذشتہ سے بہتہ

۷۱۶- سوال: میراث ہڑپ کر لینے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہ ہو، تو متولی کو ایسے امام کو علاحدہ کر دینا چاہیے یا نہیں؟ چوں کہ میراث ادا نہ کرنا، درحقیقت قرآن و حدیث کے فرمان کو ٹھکرانا ہے۔ بیٹو! تو جروا۔

### الجواب حامدًا ومصليًا:

متولی اور ٹرسٹیان کی ذمہ داری ہے کہ وہ امامت کے لیے نیک اور صالح آدمی مقرر کریں، فاسق و فاجر کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ جماعت کا ثواب مل جائے گا، تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں فاسق کے پیچھے ہی نماز پڑھ لینا بہتر ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۲] امام متہم کے پیچھے نماز کا حکم

۷۱۷- سوال: گاؤں کے پیش امام پر ایک آدمی محض شک کی بنیاد تہمت لگا کر اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا ہے، نماز کے مکمل ہو جانے کے بعد وہ اپنی نماز ادا کرتا ہے، تو ایسی صورت میں اس شخص کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بیٹو! تو جروا۔

(۱) وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانتة شرعاً، ولا يخفى أنه إذا كان أعلم من غيره لا تزول العلة، فإنه لا يؤمن أن يصلي بهم بغير طهارة فهو كالمبتدع تكرر إمامته بكل حال، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۶۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

لو قدموا فاسقاً يأتمون ببناء أعلى أن كراهة تقديمه كراهة تحريم؛ لعدم اعتنائه بأمر دينه. (حلي كبير - إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶ھ)، ص: ۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سهيل الكيومي - لاهور)

فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالافتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد؛ لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

## الجواب حامدا ومصليا:

کسی بھی مسلمان پر محض شک کی بنیاد پر تہمت لگانا جائز نہیں، حرام ہے؛ جس کے متعلق قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں بڑی سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں؛ اس لیے شک کر کے اپنے امام صاحب کی عزت و آبرو کو نیلام کرنا سخت گناہ کی بات ہے۔<sup>(۱)</sup>

جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے متعلق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر نیک اور فاجر کے پیچھے نماز ادا کرلو۔<sup>(۲)</sup> اس لیے مقتدی کو چاہیے کہ ہر حال میں امام کے پیچھے نماز پڑھے، ان شاء اللہ اس کو

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَيْدَ الَّذِينَ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِذَا بَعْضُ الظَّنِّ أَنَّهُمْ وَلَا تَحْسَبُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا

تَحْمًا أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ ﴿١٢٩﴾ (الحجرات: ۱۲)

قال ابن كثير: يقول تعالى ناهيا عباده المؤمنين عن كثير من الظن، وهو التهمة والتخون للأهل والأقارب والناس في غير محله؛ لأن بعض ذلك يكون إثما محضاً، فليجتنب كثير منه احتياطاً. (تفسير القرآن العظيم) - أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي (م: ۷۷۷هـ): (م: ۷۷۷هـ)، الحجرات: ۱۲، ت: سامي بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع

عن أبي بكر، ذكر النبي صلى الله عليه وسلم قال: «فإن دماءكم وأموالكم... وأعراضكم، عليكم حرام، كحرمة يومكم هذا، في شهركم هذا... الخ. (صحيح البخاري: ۲۱/۱، رقم الحديث: ۱۰۵، كتاب العلم، باب: ليلغ العلم الشاهد الغائب، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۶۰/۲، رقم الحديث: ۲۹-۱۶۷۹، كتاب القسامة، باب: تغليظ تحريم الدماء والأعراض والأموال، ط: البدر - ديوبند)

عبد الله بن عمر، قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يطوف بالكعبة، ويقول: ما أطيبك وأطيب ريحك، ما أعظمك وأعظم حرمتك، والذي نفس محمد بيده، لحرمة المؤمن أعظم عند الله حرمة منك، ماله، ودمه، وأن نظن به إلا خيراً. (سنن ابن ماجه: ۲۸۲، رقم الحديث: ۳۹۳۲، كتاب الفتن، باب حرمة دم المؤمن وماله، ط: ديوبند)

عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث، ولا تحسسوا، ولا تجسسوا، ولا تحاسدوا، ولا تدابروا، ولا تباغضوا، وكونوا عباد الله إخواناً. (صحيح البخاري: ۸۹۶/۲، رقم الحديث: ۶۰۶۳، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن التحاسد والتدابير، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۳۱۶/۲، رقم الحديث: ۲۸-۲۵۶۳)، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الظن... الخ، ط: البدر - ديوبند)

(۲) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الصلاة المكتوبة واجبة خلف كل مسلم برا كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر. (سنن أبي داود: ۳۴۳/۱، رقم الحديث: ۲۵۳۳، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أمة الجور، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن الدار قطنية (م: ۳۸۵هـ): (م: ۴۰۳/۲)، باب صفة من تجوز الصلاة معه، والصلاة عليه، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت)



جماعت کا ثواب مل جائے گا۔<sup>(۳)</sup>

البتہ متولی کی ذمہ داری ہے کہ نیک، متقی اور پرہیزگار شخص کو امامت کے منصب پر فائز کرے، اگر اس نے کسی ایسے شخص کو امام بنایا، جو فاسق و فاجر ہے اور دینی امور کے سلسلے میں لاپرواہی سے کام لیتا ہے، تو متولی گنہگار ہوگا۔<sup>(۴)</sup>

مذکورہ شخص کا جماعت کی نماز کو چھوڑ کر تنہا نماز ادا کرنا گناہ کا کام ہے، جس سے پچاسخت ضروری ہے۔<sup>(۵)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۳] اَيْضاً

۷۱۸-سوال: اگر واقعہ پیش امام نے غلط کام کیا ہے اور گواہوں کے نہ ہونے کی وجہ سے مقتدی حضرات ان کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں، تو ان کی نماز ہوگی یا نہیں؟

(۳) فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالافتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۵۹/۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد؛ لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۶۲/۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

(۴) لو قدموا فاسقا يثمون بناء أعلى أن كراهة تقديمه كراهة تحريم؛ لعدم اعتناؤه بأمر دينه. (حلي كبير - إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶ھ)، ص: ۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سميل اكيڑی - لاہور)

[۵] (والجماعة سنة مؤكدة للرجال) قال الزاهدي: أراذوا بالتأكيد الوجوب إلا في جمعة وعيد فشرط. وفي الترويح سنة كفاية، وفي ترمز رمضان مستحبة على قول. (الدر المختار)

(قوله قال الزاهدي الخ) توفيق بين القول بالسنية والقول بالوجوب الآتي، وبيان أن المراد بهما واحد أخذ من استدلالهم بالأخبار الواردة بالوعيد الشديد بترك الجماعة. وفي النهر عن المفيد: الجماعة واجبة، وسنة لوجوبها بالسنة. وهذا كجوابهم عن رواية سنية الوتر بأن وجوبها ثابت بالسنة، قال في النهر: إلا أن هذا يقتضي الاتفاق على أن تركها مرة بلا عذر يوجب إثما مع أنه قول العراقيين. والخراسانيون ن على أنه يأنم إذا اعتاد الترك كما في القنية. اهـ. — وقال في شرح المنية: والأحكام تدل على الوجوب، من أن تاركها بلا عذر يعزر وترد شهادته، ويأنم الجيران بالسكوت عنه، وقد يوفق بأن ذلك مقيد بالمداومة على الترك. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۵۲/۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، ط: دار الفكر - بيروت)

**الجواب حامدا ومصليا:**

امام اگرچہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے، تب بھی ان کے پیچھے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے سے مصلین کو نماز باجماعت کا ثواب مل جائے گا؛ اس لیے ہر حال میں -خواہ امام صاحب گناہوں سے اجتناب کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں- جماعت سے نماز پڑھنی چاہیے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۴] شک کی بنیاد پر امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنے والے کا حکم  
گذشتہ سے ہے

۷۱۹- سوال: شک کی بنیاد پر جو شخص اپنے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا؛ بل کہ وہ تہا نماز پڑھ لیتا ہے، تو اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اور اس پر گناہ عائد ہوگا یا نہیں؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

نماز تو ادا ہو جائے گی؛ البتہ جماعت چھوڑنے کا اس پر گناہ عائد ہوگا۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الصلاة المكتوبة واجبة خلف كل مسلم براكبان أو فاجرا وإن عمل الكبائر. (سنن أبي داود: ۱/۳۴۳، رقم الحديث: ۲۵۳۳، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن الدار قطنی (م: ۸۵-۳)؛ ۲/۴۰۳، باب صفة من تجوز الصلاة معه، والصلاة عليه، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت)

(۲) عن عثمان قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أذركه الأذان في المسجد، ثم خرج، لم يخرج لحاجة، وهو لا يريد الرجعة، فهو منافق. (سنن ابن ماجه: ۵۳، رقم الحديث: ۷۳۴، كتاب الأذان والسنة فيه، باب إذا أذن وأنت في المسجد فلا تخرج، ط: البدر - ديوبند)

(والجماعة سنة مؤكدة للرجال) قال الزاهدي: أرادو بالتأكيد الوجوب إلا في الجمعة وعيد فشرط. وفي التراويح سنة كفاية، وفي وتر رمضان مستحبة على قول. (الدر المختار)

(قوله قال الزاهدي إلخ) توفيق بين القول بالسنية والقول بالوجوب الآتي، وبيان أن المراد بهما واحد أخذنا من استدلالهم بالأخبار الواردة بالوعيد الشديد بترك الجماعة. وفي النهي عن المفيد: الجماعة واجبة، وسنة لوجوبها بالسنة. وهذا كجوابهم عن رواية سنية الوتر بأن وجوبها ثابت بالسنة، قال في النهي: إلا أن هذا يقتضي الاتفاق على أن تركها مرة بلا عذر يوجب إثم مع أنه قول العراقيين. والخراسانيون ن على أنه يأتهم إذا اعتاد الترك كما في القنية. اهـ. (رد المختار على الدر المختار: ۱/۵۵۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، ط: دار الفكر - بيروت)

## [۲۵] خلاف شرع بال رکھنے اور دائرہی کتروانے والے کی امامت

۷۲۰- سوال: ایک شخص مسجد میں امامت کے منصب پر فائز ہے، اس کے بال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی طرح نہیں ہیں، وہ خلاف شرع انگلش اسٹائل کے بال رکھے ہوئے ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اس کو انتہائی نرمی سے اس جانب متوجہ کیا گیا، اس کے باوجود وہ اپنے طرز کو بدلنے کے لیے تیار نہیں ہے، متولی کو اس امام کی بار بار شکایت کی گئی، اس کے باوجود وہ اس امام کو اس کے منصب سے علاحدہ نہیں کرتے ہیں، ایسے متولی کا کیا حکم ہے؟ کیا متولی پر لازم نہیں ہے کہ ایسے امام کو علاحدہ کر دیں؟ بیٹو تو جو را۔

### الجواب حامد اومصلیا:

جو امام انگریزی بال رکھتا ہو اور ایک مشیت سے کم ہونے کے باوجود اپنی دائرہی بھی کتر و اتا ہو، تو چوں کہ یہ دونوں امر خلاف سنت ہیں، اگر امام اس پر مداومت اختیار کیے ہوئے ہو، اور اپنی اس غلط روش کو تبدیل کرنے کے لیے تیار نہ ہو، تو اس کے ”فاسق“ ہونے میں شبہ نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۱) عن ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "خالفو المشركين: وفروا اللحى، وأحفوا الشوارب" وكان ابن عمر: إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته، فما فضل أخذه. (صحيح البخاري: ۸۷۵/۲، رقم الحديث: ۵۸۹۲، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۱۲۹، رقم الحديث: ۵۴- (۲۵۹)، و ۵۵- (۲۶۰)، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ط: ديوبند)

حدثنا مروان يعني ابن سالم المقفع، قال: رأيت ابن عمر يقبض على لحيته، فيقطع ما زاد على الكف. (سنن أبي داود: ۳۲۱/۱، رقم الحديث: ۲۳۵۷، كتاب الصوم، باب القول عند الإفطار، ط: ديوبند) عن أبي زرعة، قال: كان أبو هريرة يقبض على لحيته، ثم يأخذ ما فضل عن القبضة. (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار - أبو بكر بن أبي شيبة، العبسي (م: ۲۳۵هـ): ۲۲۵/۵، رقم الحديث: ۲۵۳۸۱، كتاب الأدب، ما قالوا في الأخذ من اللحية، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد - الرياض)

عن الحسن، قال: كانوا يرخصون فيما زاد على القبضة من اللحية أن يؤخذ منها. (حوالہ سابق: حدیث نمبر: ۲۵۳۸۳) ولا بأس بنتف الشيب، وأخذ أطراف اللحية والسنة فيها القبضة... ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته، والمعنى المؤثر التشبه بالرجال اهـ. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله والسنة فيها القبضة) وهو أن يقبض الرجل لحيته فما زاد منها على قبضة قطعه، كذا ذكره محمد في كتاب الآثار عن الإمام، قال وبه أخذ. محيط اهـ ط. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/۴۰۷، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ط: دار الفكر - بيروت) عن ابن عمر: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الفزع، قال: قلت لنافع وما الفزع قال: يحلق بعض رأس =

اس لیے اگر اس امام کے مقابلہ میں زیادہ نیک اور متقی دوسرا کوئی شخص موجود ہو، تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے؛ البتہ مقتدیوں کو اپنی جماعت کا ثواب مل جائے گا۔<sup>(۲)</sup>

متولی اور ٹرسٹیوں کی ذمہ داری ہے کہ کسی متقی اور پرہیزگار آدمی کو امامت کی ذمہ داری حوالہ کریں، ورنہ وہ گنہگار ہوں گے؛ بعض لوگ اپنی ذاتی لڑائی جھگڑوں کی بنیاد پر بھی امام کو غلط طریقہ سے بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس سے بھی بچنے کی سخت ضرورت ہے، آپ نے متولियों اور امام کو سمجھا دیا، آپ نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی ہے، آپ ان کے پیچھے نماز پڑھتے رہیں، آپ کو جماعت کا ثواب مل جائے گا اور جو لوگ اس کے حقیقی سبب ہیں، ان سے سوال ہوگا، اور وہی گنہگار ہوں گے۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۶] فاسق امام کے پیچھے نماز اور تراویح کا حکم

۷۲۱- سوال: میں مہوویچ گاؤں کے مدرسہ کی کمیٹی کا ممبر ہوں، درج ذیل صورت میں میرے

لیے کیا حکم ہے؟

ابھی حال ہی میں ہمارے مدرسہ میں ایک مدرس کا تقرر کیا گیا ہے، جو حافظ قرآن ہیں، تاہم پنج وقتہ نماز نہیں پڑھتے ہیں، ریڈیو پر گانا بھی سنتے ہیں، سنیما بھی دیکھتے ہیں اور بدکاری میں بھی ملوث ہیں، کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ نماز بھی پڑھاتے ہیں، اس وقت میں ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا ہوں، نماز سے فراغت کے بعد لوگ مجھے اکیلا نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر پوچھتے ہیں کہ تم اکیلے نماز کیوں پڑھتے ہو؟ اس وقت میں لوگوں کو اس نونمختب مدرس کی ساری حقیقت بتاتا ہوں، اس کے باوجود بھی گاؤں کے لوگ اس کو امام بناتے ہیں۔

اس سال ان کے پیچھے گاؤں کے لوگ تراویح بھی پڑھنے والے ہیں؛ تو اس امام کے پیچھے ہماری

=الصبي ويترك بعض. (صحيح البخاري: ۸۷۷/۲، رقم الحديث: ۵۹۲۰، ۵۹۲۱، كتاب اللباس، باب الفزع، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۲/۲۰۳، رقم الحديث: ۱۱۳- (۲۱۲۰)، كتاب اللباس و الزينة، باب كراهة الفزع، ط: البدر - ديوبند)

(۲) ويكره تنزيهاً إمامة... فاسق. (الدر المختار) — فان أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالافتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۵۹/۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

(۳) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ”فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت“ کے حواشی۔

تراویح کی نماز ہوگی یا نہیں؟

### الجواب حامدا ومصليا:

متولیان اور ٹرسٹیان کی ذمہ داری ہے کہ منصب امامت کے لیے کسی لائق اور عالم آدمی کا تقرر کریں جو دین دار بھی ہو؛ اگر عالم نہ ہو، تو کم از کم حافظ قرآن تو ضرور ہو۔ (عالمگیری)<sup>[۱]</sup>

آپ کی تحریر کے مطابق وہ حافظ دین دار نہیں ہیں، تو ایسے شخص کو امامت کی ذمہ داری سپرد کرنا مکروہ تحریمی ہے، اگر ٹرسٹیان اور متولیان ان کو منصب امامت پر فائز کریں گے، تو گنہگار ہوں گے۔<sup>(۲)</sup>

البتہ ٹرسٹیان جس کسی آدمی کو بھی امامت کی ذمہ داری سپرد کریں، محلے اور گاؤں والوں کے لیے اسی امام کے پیچھے نماز پڑھنا ضروری ہے، ان کو اپنی نماز باجماعت کا ثواب مل جائے گا؛ اور امام اور ٹرسٹیان گنہگار ہوں گے؛ اس لیے آپ کی ذمہ داری تو بس یہی ہے کہ آپ اسی امام کے پیچھے اپنی نماز پڑھتے رہیں، جماعت کی نماز کو چھوڑ کر انفراداً اپنی نماز پڑھنا گناہ کا باعث ہوگا۔<sup>(۳)</sup> فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

(۱) الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة. هكذا في المضمرة وهو الظاهر. هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا في التبيين ولم يطعن في دينه. كذا في الكفاية وهكذا في النهاية. ويجتنب الفواحش الظاهرة. (الفتاوى الهندية: ۸۳/۱، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، ط: زكريا-ديوبند) بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع-علاء الدين، أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۱/۱۵۷، كتاب الصلاة، فصل بيان من هو أحق بالإمامة وأولى بها، ط: دار الكتب العلمية☆تحفة الفقهاء-أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو: ۵۳۰هـ): ۱/۲۳۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتب العلمية-بيروت (قولہ و فاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وأكل الربا ونحو ذلك، كذا في البرجندي إسماعيل... وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانتة شرعا، ولا يخفى أنه إذا كان أعلم من غيره لا تزول العلة، فإنه لا يؤمن أن يصلي بهم بغير طهارة، فهو كالمبتدع تكروه إمامته بكل حال، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۶۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) لو قدموا فاسقا يأمون بناء أعلى أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، لعدم اعتنائه بأمر دينه. (حلبی كبرى-إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶هـ)، ج: ۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سبيل الكيرى-لاهور)

(۳) عن عثمان قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أذركه الأذان في المسجد، ثم خرج، لم يخرج لحاجة، وهو لا يريد الرجعة، فهو منافق. (سنن ابن ماجه: ۵۳، رقم الحديث: ۷۳۳، أبواب الأذان والسنة فيها، باب إذا أذن وأنت في المسجد فلا تخرج، ط: البدر-ديوبند)

## [۲۷] امام کا کسی اجنبیہ سے ناجائز تعلقات رکھنا

۷۲۲- سوال: ہمارے امام صاحب نوجوان ہیں، پچیس سال کی عمر ہے، اب تک شادی نہیں کی ہے، ایک نوجوان لڑکی کے ساتھ عشق بازی میں مبتلا ہیں، ایسے شخص کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اُس کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟

## الجواب حامدا ومصليا:

اجنبیہ کے ساتھ غلط تعلقات رکھنے والا، یا بد نظری کرنے والا، گنہگار ہے، اگر غلط تعلقات رکھتا ہے، تو زانی اور فاسق ہے، ایسے شخص کو کسی بھی حال میں امام نہ بنایا جائے، اُس کو امام بنانے والے گنہگار ہوں گے؛ لیکن اگر بدرجہ مجبوری ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ لی گئی، تو نماز درست ہوگی۔ (ردالمحتار) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= (والجماعة سنة مؤكدة للرجال) قال الزاهدي: أرادوا بالتأكيد الوجوب إلا في جمعة وعيد فشرط. وفي التراويح سنة كفاية، وفي وتر رمضان مستحبة على قول. (الدر المختار)  
(قوله قال الزاهدي إلخ) توفيق بين القول بالسنية والقول بالوجوب الآتي، وبيان أن المراد بهما واحد أخذاً من استدلالهم بالأخبار الواردة بالوعيد الشديد بترك الجماعة. وفي النهي عن المفيد: الجماعة واجبة، وسنة لوجوبها بالسنة وهذا كجوابهم عن رواية سنية الوتر بأن وجوبها ثابت بالسنة، قال في النهي: إلا أن هذا يقتضي الاتفاق على أن تركها مرة بلا عذر يوجب إثم مع أنه قول العراقيين. والخراسانيون على أنه يأنم إذا اعتاد الترك كما في القنية. اهـ. (رد المختار على الدر المختار: ۱/۵۵۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، ط: دار الفكر - بيروت)

[۱] قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ مِنْكُمْ وَأَمَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا فَهُمْ لَكُمْ بَدِئٌ حَتَّىٰ تَضَعُوا حَذْرًا لَّهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

عن سهل بن سعد، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من يضمن لي ما بين لحييه وما بين رجليه أضمن له الجنة. (صحيح البخاري: ۲/۹۵۸، رقم الحديث: ۶۳۷۳، كتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، ط: البدر - ديوبند)  
(قوله وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وأكل الربوا ونحو ذلك، كذا في البرجندي إسماعيل... وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانتة شرعاً، ولا يخفى أنه إذا كان أعلم من غيره لا تزول العلة، فإنه لا يؤمن أن يصلي بهم بغير طهارة، فهو كالمبتدع تكره إمامته بكل حال، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا. (رد المختار على الدر المختار: ۱/۵۶۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

## [۲۸] سود کھانے والے کے پیچھے نماز پڑھنے کا شرعی حکم

۷۲۳- سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اور علمائے دین متین حسب ذیل مسئلہ میں:

زید نامی طالب علم، اپنے والد اور دادا کے ساتھ ایک گھر میں رہتا ہے، گھر کا مکمل نظم و نسق اس کے دادا کے ہاتھ میں ہے، اس کے والد کا گھر میں کسی قسم کا کوئی رول و دخل نہیں ہے، دادا کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کو سود پر پیسے دیتا ہے، اب یہ طالب علم یا اس کے والد لوگوں کو نماز پڑھائیں، تو ان کی اقتدا کرنے والوں کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں ہوگی؟ اگر نماز صحیح نہ ہو، تو اب تک جو نمازیں ان کے پیچھے پڑھی گئیں ہیں، ان کا کیا ہوگا؟ کیا ان کا اعادہ لازم ہوگا؟ نیز اس طالب علم کا ان پیسوں سے پڑھنا اور تعلیم حاصل کرنا کیسا ہے؟

## الجواب حامد اومصلیا:

سود کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، جس سے بچنا لازم و ضروری ہے؛<sup>(۱)</sup> اس لیے لازم ہے کہ باپ اور بیٹا دونوں مل کر اپنے دادا کو سودی کاروبار سے منع کریں۔

(۱) الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَعَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَيْسِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا ۚ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ۚ فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ ۚ وَأَمْرٌ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ @ (۲- البقرة: ۲۷۵)

اور جو لوگ سود کھاتے ہیں، نہیں کھڑے ہوں گے (قیامت میں قبروں سے) مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص، جس کو شیطان جنبلی بنادے لپٹ کر (یعنی حیران و مدہوش) یہ سزا اس لیے ہوگی کہ ان لوگوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے۔ پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ باز آ گیا، تو جو کچھ پہلے (لیتا) ہو چکا ہے، وہ اسی کارہا اور (باطنی) معاملہ اس کا خدا کے حوالہ رہا، اور جو شخص پھر عود کرے، تو یہ لوگ دوزخ میں جاویں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (ترجمہ تھانوی)

عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: اجتنبوا السبع الموبقات، قالوا: يا رسول الله وما هن؟ قال: الشرك بالله، والسحر، وقتل النفس التي حرم الله إلا بالحق، وأكل الربا، وأكل مال اليتيم، والتولي يوم الزحف، وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات. (صحيح البخاري: ۱/۳۸۸، رقم الحديث: ۲۷۶۶، كتاب الوصايا، باب قول الله تعالى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا...﴾ ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۶۳، رقم الحديث: ۱۳۵- (۸۹)، كتاب الإيمان، باب بيان الكبائر وأكبرها، ط: البدر - ديوبند)

عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الربا سبعون حوبا، أيسرها أن ينكح الرجل أمه. (سنن ابن ماجه: ۱۶۳، رقم الحديث: ۲۲۷۴، كتاب التجارات، باب التغليظ في الربا، ط: البدر - ديوبند)

اگر باپ اور بیٹا کے منع کرنے کے باوجود دادا نے اس کاروبار کو بند نہ کیا ہو، تو باپ اور بیٹے؛ دونوں ان شاء اللہ گنہ گار نہ ہوں گے، اور ضرورت کی وجہ سے اگر بہ قدر کفاف سودی مال کو استعمال بھی کر لیا ہو، تب بھی ان کی امامت بلا کراہت جائز ہوگی۔<sup>(۱)</sup>

لیکن اگر وہ دونوں دادا کے فعل پر راضی ہیں، تو فسق کی وجہ سے ان کی امامت مکروہ ہوگی، لیکن بہ ہر دو صورت مقتدی کی نماز ہو جائے گی، اعادہ کی ضرورت نہیں۔<sup>(۲)</sup>

طالب علم کا سود کے پیسوں سے علم حاصل کرنا جائز نہ ہوگا، کیوں کہ علم دین کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے، جب کہ سود سے بچنا فرض عین۔<sup>(۳)</sup>

اگر آمدنی کا صحیح اور حلال ذریعہ موجود ہو، تو اس طالب علم اور اس کے باپ کے لیے لازم ہے کہ دادا کی کمائی سے بالکل کوئی چیز استعمال نہ کریں۔

ہاں! اگر ان کے پاس آمدنی کا کوئی ذریعہ موجود نہ ہو، تو بہ قدر کفاف استعمال کی گنجائش ہے۔ بہ طور خاص اس صورت میں، جب کہ سود کے علاوہ دادا کے پاس دوسرے ذرائع بھی موجود ہوں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۹] سودی کاروبار کرنے والے امام اور مؤذن کی امامت و اذان کا حکم

۷۲۴-سوال: ایک مسجد کے امام اور مؤذن اگر سودی کاروبار کرتے ہوں اور [مثلاً] ایک روپیہ دے کر ایک مہینہ کے بعد اس کے عوض سو روپیہ وصول کرتے ہوں، تو ایسے امام اور مؤذن کی امامت و اذان کا کیا حکم ہے؟

**الجواب حامد او مصليا:**

سودی لین دین کا معاملہ کرنا بہت بڑے گناہ کا کام ہے۔<sup>(۴)</sup> ایسا شخص فاسق ہے، جو سودی کاروبار میں

(۱) مسئلہ کی تفصیل و تخریج کے لیے دیکھیے عنوان: بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت۔

(۲) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ”فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام“ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نا اہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت“ کے حواشی۔

(۳) درء المفساد اولى من جلب المنافع. (قواعد الفقہ ص: ۸۱، قاعدہ نمبر: ۱۳۳، ط: دار الکتب - دیوبند)

(۴) الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَيْسِ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا ۗ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ۗ فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ ۗ وَأَمْرٌ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ

أَخْضَبُ النَّارِ ۗ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ @ (۲- البقرة: ۲۷۵)



ملوث ہو، اور فاسق کی اذان اور اس کی امامت مکروہ ہے؛ اس لیے اس سے زیادہ اچھا اور بہتر کوئی دوسرا آدمی اذان اور امامت کی ذمہ داری قبول کر سکتا ہو، تو اس کو اس منصب پر فائز کرنا چاہیے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۳۰] غیر شرعی وضع قطع والے امام کی امامت حکم

۲۵- سوال: مسجد کے امام صاحب انگلش طرز کے بال کٹواتے ہیں اور چست کپڑے پہنتے ہیں، اگر ان کو کوئی اس جانب توجہ دلاتا ہے، تو کہتے ہیں کہ میں تو اسی طریقہ سے رہوں گا، گویا وہ اس سلسلے میں کسی کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

غلام حسین کنکات کوٹھہ

### الجواب حامد او مصليا:

انگلش طرز کے بال رکھنا، درحقیقت یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا ہے؛ اس لیے سنت

= عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: اجتنبوا السبع الموبقات، قالوا: يا رسول الله وما هن؟ قال: الشرك بالله، والسحر، وقتل النفس التي حرم الله إلا بالحق، وأكل الربوا، وأكل مال اليتيم، والتولي يوم الزحف، وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات. (صحيح البخاري: ۱/ ۳۸۸، رقم الحديث: ۲۷۶۶، كتاب الوصايا، باب قول الله تعالى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا...﴾، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۶۳، رقم الحديث: ۱۳۵- (۸۹)، كتاب الإيمان، باب بيان الكبائر وأكبرها، ط: البدر - ديوبند)

عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الربا سبعون حوبا، أيسرها أن ينكح الرجل أمه. (سنن ابن ماجه ۱۶۲، رقم الحديث: ۲۷۷۴، كتاب التجارات، باب التغليظ في الربا، ط: البدر - ديوبند)

(۲) قال الحصكفي: ويكره... إمامة عبد... وأعرابي... وفاسق. (الدر المختار)

(قوله وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وأكل الربوا ونحو ذلك، كذا في البرجندي إسماعيل... وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانتة شرعا، ولا يخفى أنه إذا كان أعلم من غيره لا تزول العلة، فإنه لا يؤمن أن يصلي بهم بغير طهارة، فهو كالمبتدع تكروه إمامته بكل حال، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: "فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت" کے حواشی۔

کے موافق بال کٹوانا چاہیے، انگلش طرز کے بال کٹوانا جائز نہیں۔<sup>(۱)</sup> اگر کوئی اس طرز کے موافق بال کٹوائے، تو تشبہ بالفساق کی وجہ سے وہ فاسق قرار پائے گا، جس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے؛ تاہم اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی، اور جماعت کا ثواب بھی ملے گا، ان شاء اللہ۔

متولی حضرات کی ذمہ داری ہے کہ وہ کسی نیک اور دین دار عالم کو امامت کی ذمہ داری سپرد کریں، فاسق و فاجر کو امامت کا منصب حوالے کریں گے، تو گنہ گار ہوں گے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳۱] داڑھی کٹوانے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم

۷۲۶-سوال: ہمارے گاؤں کے امام صاحب اپنی داڑھی کٹواتے ہیں، ڈاڑھی کو ایک مشمت کی مقدار تک نہیں بڑھاتے ہیں، اور ازراہی ٹخنوں سے نیچے پہنتے ہیں، تو ایسے امام کے پیچھے نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اس حوالے سے مصلیوں میں تشویش، بل کہ ناراضگی ہے۔ بینواتو جروا۔

#### الجواب حامدا ومصليا:

ایسے شخص کو امامت کا منصب سپرد کرنا مکروہ تحریمی ہے؛ جو اپنی داڑھی کتر و اتا تا ہو، اور ازراہ یا تہہ بند کو ٹخنوں سے نیچے بلا عذر لٹکا کر پہنتا ہو۔  
وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں کام: ڈاڑھی کٹوانا، اور بلا عذر ٹخنوں سے نیچے ازراہ لٹکا کر پہننا گناہ کبیرہ ہے، اور مرتکب کبیرہ ”فاسق“ کہلاتا ہے، جس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

(۱) حدثنا الحجاج بن حسان، قال: دخلنا على أنس بن مالك، فحدثني أختي المغيرة، قالت: وأنت يومئذ غلام ولك قرنان، أو قستان، فمسح رأسك، وبرك عليك، وقال: احلقوا هذين - أو قصوهما - فإن هذا زي اليهود. (سنن أبي داود ۲: ۵۷۷، رقم الحديث: ۴۱۹۷، كتاب الترجل، باب ما جاء في الرخصة، قبل: باب في أخذ الشارب) عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ليس منا من تشبه بغيرنا، لا تشبهوا باليهود ولا بالنصارى... الحديث. (سنن الترمذي: ۹۹/۲، رقم الحديث: ۲۶۹۵، أبواب الاستئذان والآداب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء في كراهية إشارة اليد في السلام، ط: البدر - ديوبند)

مسلم راتبہ بے کفار و فساق حرام است۔ (مالا بد منہ: ۱۳۱)

(۲) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ”فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام“ ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت“ کے حواشی۔

حدیث شریف میں ”إعفاء اللحية“ یعنی ڈاڑھی بڑھانے کو خصالِ فطرت میں شمار کیا گیا ہے۔<sup>(۱)</sup>  
اس لیے ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور ایک مشت تک پہنچنے سے پہلے پہلے کٹوانا ناجائز ہے۔<sup>(۲)</sup>

بلا عذر ٹخنوں سے نیچے اپنا ازار یا تہہ بند لٹکانا مکروہ ہے، آں حضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ:  
تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ رب العزت ان سے کلام نہیں فرمائیں گے اور ان کی طرف رحمت کی نظر سے نہیں دیکھیں گے اور نہ ان کو پاک کریں گے اور ان کے لیے سخت عذاب ہے [وہ تین یہ ہیں]:  
(۱) اپنے ازار اور تہہ بند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا۔ (۲) احسان جتلانے والا۔ اور (۳) جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنے مال کو فروخت کرنے والا۔ (مسلم شریف: ۷۱/۱)<sup>[۳]</sup>

(۱) عن عائشة، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "عشر من الفطرة: قص الشارب، وإعفاء اللحية، والسواك، واستنشاق الماء، وقص الأظفار، وغسل البراجم، وشف الإبط، وحلق العانة، وانتقاص الماء." (الصحيح لمسلم: ۱۲۹/۱، رقم الحديث: ۵۶-۲۶۱)، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ط: البدر - ديوبند  
(۲) عن ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "خالقوا المشركين: وفروا اللحى، وأحفوا الشوارب" وكان ابن عمر: إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته، فما فضل أخذه. (صحيح البخاري: ۸۷۵/۲، رقم الحديث: ۵۸۹۲، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار، ط: البدر - ديوبند)☆ الصحيح لمسلم: ۱۲۹/۱، رقم الحديث: ۵۲-۲۵۹، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة، ط: البدر - ديوبند

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: انهكوا الشوارب، وأعفوا اللحى. (صحيح البخاري: ۸۷۵/۲، رقم الحديث: ۵۸۹۳، كتاب اللباس، باب إعفاء اللحى)  
ولا بأس بنتف الشيب، وأخذ أطراف اللحية والسنة فيها القبضة... ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته، والمعنى المؤثر التشبه بالرجال اهـ. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله والسنة فيها القبضة) وهو أن يقبض الرجل لحيته فما زاد منها على قبضة قطعه، كذا ذكره محمد في كتاب الآثار عن الإمام، قال وبه أخذ. محيط اهـ ط. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۰۷، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ط: دار الفكر - بيروت)  
وقص اللحية من صنع الأعاجم وهو اليوم شعار كثير من المشركين كالإفريقيج والهنود، ومن لا خلاق له في الدين من الطائفة القلندرية. (مرقاة المصابيح: ۱/۳۹۶، رقم الحديث: ۳۷۹، كتاب الطهارة، باب السواك، الفصل الأول، ط: دار الفكر - بيروت)

وأما الأخذ منها وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة ومختلة الرجال فلم يبيحه أحد. (فتح القدير - ابن الهمام م: ۸۶۱هـ) ۲/۳۲۸، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، ط: دار الفكر

[۳] عن أبي ذر، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة، ولا ينظر إليهم ولا يزكهم ولهم عذاب أليم، قال: فقرأ أها رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث مراراً، قال أبو ذر: خابوا وخسروا، من هم يا رسول الله؟ =

الغرض وہ امام جو ڈاڑھی کاٹتا ہو، اور ٹخنے سے نیچے ازار لٹکاتا ہو، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ امام کے لیے لازم ہے کہ اپنی بری عادتوں سے باز آجائے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ: تین آدمی ایسے ہیں کہ ان کی نماز ان کے کانوں سے اوپر نہیں جاتی (یعنی اللہ رب العزت ان کی نماز قبول نہیں فرماتے، وہ تین آدمی یہ ہیں): [۱] وہ غلام، جو اپنے آقا سے بھاگ گیا ہو۔ [۲] وہ عورت جس نے رات اس حال میں گزاری ہو کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہو۔ [۳] وہ امام، جس نے لوگوں کی امامت کی اور لوگ اس کی امامت سے ناخوش ہوں۔ (ترمذی شریف) [۴]

صورت مسؤلہ میں امام صاحب سے ان کے مقتدی حضرات اس لیے ناراض ہیں کہ امام صاحب اپنی داڑھی کٹواتے ہیں، اور لباس کی سنت کی پابندی نہیں کرتے، گویا اسلامی تعلیم کے خلاف کام کرتے ہیں؛ اس لیے امام کے لیے لازم ہے کہ اپنے منصب امامت سے دست بردار ہو جائیں، امام صاحب اگر خود سے علاحدگی اختیار نہ کریں، تو متولی صاحبان ان کو علاحدہ کر دیں، لیکن جب تک علاحدگی کا عمل مکمل نہ ہو، مقتدی کے لیے لازم ہے کہ وہ اسی امام کی اقتدا میں نماز پڑھتے رہیں، ان شاء اللہ ان کو جماعت کا ثواب مل جائے گا؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: تم لوگ ہر نیک اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھ لو۔ (ابوداؤد شریف، مشکوٰۃ شریف: ۱۰۰/۱) [۵] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= قال: المسبل، والمنان، والمنفق سلعتہ بالحلف الکاذب. (الصحيح لمسلم: ۷۱/۱، رقم الحدیث: ۱۷۱-۱۰۶)، کتاب الايمان، باب بيان تحريم اسبال الازار... الخ، ط: البدر - ديوبند

الحدیث الصحيح أن الاسبال يكون في الازار والقميص والعمامة وأنه لا يجوز اسباله تحت الكعبين إن كان للخیلاء، فإن كان لغيرها فهو مكروه. (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج المعروف بـ "شرح النووي" - أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ۶۷۷هـ): ۱۳/۶۲، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم جر الثوب خلاء، وبيان حدماء يجوز إرخاؤه إليه وما يستحب، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(۴) عن أبي أمامة، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ثلاثة لا تجاوز صلاتهم أذانهم: العبد الأبق حتى يرجع، وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط، وإمام قوم وهم له كارهون". (سنن الترمذي: ۱/۸۳، رقم الحدیث: ۳۶۰، أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن أم قوما وهم له كارهون، ط: البدر - ديوبند☆ سنن أبي داود: ۱/۸۸، رقم الحدیث: ۵۹۳، كتاب الصلاة، باب الرجل يوم القوم وهم له كارهون، ط: البدر - ديوبند)

(۵) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الصلاة المكتوبة واجبة خلف كل مسلم برا كان أو فاجرا وإن عمل الكبائر. (سنن أبي داود: ۱/۳۳۳، رقم الحدیث: ۲۵۳۳، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور، ط: البدر - ديوبند☆ سنن الدار قطنی (م: ۳۸۵هـ): ۲/۴۰۳، باب صفة من تجوز الصلاة معه، والصلاة عليه، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت)

## [۳۲] جھگڑالو، بد زبان اور جھوٹے امام کے پیچھے نماز کا حکم

۷۲۷- سوال: ہماری مسجد کے امام صاحب کا حال یہ ہے کہ وہ فرائض کے تعلق سے لاپرواہی برتتے ہیں، مصلیوں کے ساتھ وقتاً فوقتاً لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں، متولی صاحب کے ساتھ لڑائی جھگڑا اور گالی گلوچ تک کرتے ہیں، ان امور کی بنیاد پر جب ان کو منصب امامت سے الگ کیا گیا، تو انہوں نے تنخواہ کے نام پر ملنے والی مسجد کی ایک رقم کو اپنے اثر و رسوخ سے بند کروادیا، اور متولی کے خلاف ایک آدمی کا سہارا لے کر کورٹ میں مقدمہ دائر کیا، دوران سماعت کورٹ کے اندر حج کے سامنے بھی متولی کے خلاف سراسر جھوٹ اور غلط بیانی سے کام لیا۔

بعد میں اس شرط پر صلح ہو گئی اور امام صاحب کو ان کے منصب پر بحال کر لیا گیا کہ وہ زبان درازی نہیں کریں گے اور جس جگہ سے تنخواہ رکوائی ہے، اسے دوبارہ فہمائش کے بعد شروع کرادیں گے اور مقدمہ واپس لے لیں گے، ایسا ہی ہوا؛ لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ ان کے پیچھے مصلی حضرات نماز پڑھنے کے لیے راضی نہیں ہیں، فی الحال محلہ کا کوئی بھی آدمی ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا ہے؛ بل کہ ہر آدمی قریب کی ایک دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جاتا ہے، نتیجتاً مسجد بالکل ویران ہو رہی ہے، تو ایسے امام صاحب کے متعلق شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں؟ ایسے امام کو امامت کرنا جائز ہے؟ مسجد کی مدد کرنے والے لوگ اس طرح کا دباؤ کر کے اس کی مدد بند کردیں، تو اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

## الجواب حامداً ومصلياً:

امامت بہت ہی اہم اور عظیم منصب ہے، اس لیے متولی اور ٹرسٹیان حضرات کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے لیے ایسے آدمی کا تقرر کریں، جو عالم، متبع سنت، متقی، پرہیزگار اور گناہوں سے دور رہنے والا ہو، تاکہ اس کی برکتوں سے مقتدیوں میں جوڑ، لگاؤ اور تعلق پیدا ہو سکے۔ وہ (امام) اسلامی تعلیمات پر عمل کر کے قوم کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہو؛ اس لیے جو باتیں سوال میں لکھی گئی ہیں، اگر وہ درست ہیں، اور آپ کے امام کے اندر واقعتاً وہ ساری باتیں پائی جاتی ہیں، تو اس کے فسق میں کلام نہیں، اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، لازم تھا کہ وہ خود امامت کے منصب سے دست بردار ہو جاتے، اگر اس نے ایسا نہیں کیا، تو متولی کی ذمہ

داری ہے کہ اسے امامت کے منصب سے علاحدہ کر دے۔<sup>(۱)</sup>

البتہ متولی اگر ٹرسٹ کے مال میں خیانت کرتا ہو، دھوکہ بازی سے کام لیتا ہو، بار بار سمجھانے کے باوجود بھی وہ سمجھنے کے لیے تیار نہ ہو؛ اس وجہ سے امام صاحب نے مجبور ہو کر کورٹ کچہری کا سہارا لیا ہو، تو اس نے اپنی ذمہ داری ادا کی ہے، اس بنا پر اگر متولی امام صاحب سے ناراض ہے، تو وہ (متولی) گنہگار ہوگا۔

اگر امام صاحب کے اندر کوئی خلاف شرع بات ہے، اس وجہ سے ناراض ہو کر لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھنا نہیں چاہتے ہیں، تو اس کو امامت سے اجتناب کرنا ضروری ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ایسے امام کی نماز اس کے کانوں سے اوپر نہیں چڑھتی۔ (مشکوٰۃ شریف) <sup>۱۲۱</sup> لیکن اگر محلے والے اس کے باوجود اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں گے، تو نماز صحیح ہو جائے گی اور ان کو جماعت کا ثواب مل جائے گا؛ کیوں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ: تم ہر نیک اور فاجر کے پیچھے اپنی نماز پڑھ لیا کرو۔<sup>(۳)</sup>

کسی دینی وجہ سے اگر مقتدی حضرات اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا نہیں چاہتے ہیں، تو امام کے لیے بھی مناسب نہیں کہ وہ ان کی امامت کرے؛ امداد کرنے والوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اچھی طرح سے اس بات کی تحقیق کر لیں کہ اس معاملہ میں کس کا قصور ہے، اگر متولی اور ٹرسٹیان کا قصور ثابت ہو جائے، تو امام کے لیے اپنی امداد بند نہ کریں۔ ہاں! اگر قصور امام کا ثابت ہو جائے، تو پھر اس کی طرف داری کرتے ہوئے

(۱) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: "فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نا اہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت" کے حواشی۔

[۲] (ولو أم قوما وهم له كارهون، إن الكراهة (لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة منه كره) له ذلك تحريماً؛ لحديث أبي داود: لا يقبل الله صلاة من تقدم قوما وهم له كارهون. (وإن هو أحق لا) والكراهة عليهم). الدر المختار مع رد المحتار: ۵۵۹/۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفکر

عن أبي أمامة، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ثلاثة لا تجاوز صلاحهم أذانهم: العبد الآبق حتى يرجع، وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط، وإمام قوم وهم له كارهون". (سنن الترمذي: ۸۳/۱، رقم الحديث: ۳۶۰، أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن أم قوما وهم له كارهون، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن أبي داود: ۸۸/۱، رقم الحديث: ۵۹۳، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، ط: البدر - ديوبند)

(۳) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الصلاة المكتوبة واجبة خلف كل مسلم برا كان أو فاجراً وإن عمل الكبائر. (سنن أبي داود: ۳۴۳/۱، رقم الحديث: ۲۵۳۳، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن الدار قطنی (م: ۳۸۵-هـ): ۲/۲، باب صفة من تجوز الصلاة معه، والصلاة عليه، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت)

متولیان پر دباؤ ڈالنا اور نہ ماننے کی صورت میں اپنی امداد بند کرنے کی دھمکی دینا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳۳] گالی دے کر معافی مانگنے والے شخص کی امامت

۷۲۸-سوال: ہمارے گاؤں کی مسجد میں ایک امام صاحب ہیں جو تقریباً پینتیس سال سے امامت کا فریضہ بہ حسن و خوبی انجام دے رہے ہیں، ابھی کچھ دنوں قبل وہ بیمار ہوئے، مرض ایسا تھا کہ رات کو انھیں نیند نہیں آتی تھی، کافی علاج و معالجہ کرایا؛ تب جا کر ٹھیک ہوئے، دوران مرض ذہنی اعتبار سے وہ کافی ٹینشن میں تھے، کہ متولی صاحب کے ساتھ ان کا جھگڑا ہو گیا، گالم گلوچ تک کی نوبت آ گئی، امام صاحب سے بھی نہ رہا گیا اور انہوں نے بھی غصہ میں آ کر متولی صاحب کو گالیاں دے دی۔

جھگڑا مسجد سے باہر محلے میں ہو رہا تھا، محلے کے بیشتر لوگوں نے اس مکروہ منظر کو دیکھا، بعد میں امام

(۳) خلاصہ یہ کہ اصحاب خیر کسی بھی حال میں اپنی امداد بند نہ کریں، خواہ غلطی ٹرٹیان کی ہو، یا امام صاحب کی؛ کیوں کہ وہ درحقیقت مسجد کا تعاون کرتے ہیں، نہ کہ کسی مخصوص آدمی کا:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۳﴾ (النور: ۲۳)

قال ابن كثير القرشي: وهذه الآية نزلت في الصديق، حين حلف ألا ينفع مسطح بن أثاثة بنافعة بعدما قال في عائشة ما قال، كما تقدم في الحديث. فلما أنزل الله براءة أم المؤمنين عائشة، وطابت النفوس المؤمنة واستقرت، وتاب الله على من كان تكلم من المؤمنين في ذلك، وأقيم الحد على من أقيم عليه، شرع تبارك وتعالى، وله الفضل والمنة، يعطف الصديق على قريبه ونسيبه، وهو مسطح بن أثاثة، فإنه كان ابن خالة الصديق، وكان مسكيناً لا مال له إلا ما ينفق عليه أبو بكر، رضي الله عنه، وكان من المهاجرين في سبيل الله، وقد لوق ولقة تاب الله عليه منها، وضرب الحد عليها. وكان الصديق - رضي الله عنه - معروفاً بالمعروف، له الفضل والأيدى على الأقارب والأجانب. فلما نزلت هذه الآية إلى قوله: {ألا تحبون أن يغفر الله لكم والله غفور رحيم} أي: فإن الجزاء من جنس العمل، فكما تغفر عن المذنب إليك تغفر لك، وكما تصفح نصفحك عنك. فعند ذلك قال الصديق: بلى، والله إن انحب - ياربنا - أن تغفر لنا. ثم رجع إلى مسطح ما كان يصله من النفقة، وقال: والله لا أنزعها منه أبداً، في مقابلة ما كان قال: والله لا أنفعه بنافعة أبداً، فلماذا كان الصديق هو الصديق [رضي الله عنه وعن بنته]. (تفسير القرآن العظيم المعروف بتفسير ابن كثير - أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي (م: ۷۷۷-۷۷۸هـ): ۳۱۶، النور: ۲۲، ت: سامي بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع)

صاحب کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، تو انہوں نے متولی صاحب کے پاس جا کر معافی بھی مانگ لی، گاؤں کے بڑے سرکردہ حضرات کے سامنے بھی انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور یہ کہا کہ غصہ کی حالت میں زبان کی گالی نکل گئی تھی، اسلامی نقطہ نظر سے میرے اس کروت کی جو بھی سزا ہو سکتی ہو، میں اس کو بھگتنے کے لیے تیار ہوں۔

امام صاحب ویسے اپنے رہن سہن، رفتار و گفتار اور کردار وغیرہ ہر اعتبار سے قابل اعتماد ہیں؛ لیکن چونکہ انہوں نے سب کے سامنے گالی دی تھی؛ اس لیے متولی صاحب اور دیگر مصلیان کا یہ کہنا ہے کہ ایسے گالی دینے والے امام کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہوتی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے کہ ”ایسے امام کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہوتی“۔ شرعاً ایسے امام صاحب کا اور ان کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

### الجواب حامد ومصليا:

گالی گلوچ اور جھگڑا کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔<sup>(۱)</sup> جو شخص گالی گلوچ کرتا ہو اور جھگڑنے کا عادی ہو، وہ شرعاً فاسق ہے اور فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔

صورت مسؤلہ میں اگر امام نے خود گالی دینے میں پہل کی ہو، تو ان کی امامت مکروہ ہوگی؛ اگر متولی کی طرف سے گالی کی ابتدا ہوئی اور اس کے جواب میں امام صاحب نے بھی ان کو گالی دی ہے، تو اس صورت میں ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں؛ البتہ گالی دینا ہر حال میں امام کی شان کے خلاف ہے۔

جب امام صاحب اپنی غلطی کا اعتراف کر کے معافی مانگتے ہیں، تو اسلامی تعلیم یہ ہے کہ متولی صاحب ان کو معاف کر دیں؛ کیوں کہ احادیث میں معاف کرنے والوں کے بڑے بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں اور بالخصوص اس وقت، جب کہ ان کے اندر بہت ساری خوبیاں ہیں اور دوسرے نقائص نہیں ہیں۔<sup>(۲)</sup>

(۱) الْحَيْجُ أَشْهُرُ مَعْلُومَاتٍ، فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَيْجَ فَلَا رَفْعَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جَدَالَ فِي الْحَيْجِ، وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ حَيْجٍ يُعَلِّمُهُ اللَّهُ تَزَوُّوْا فَإِنَّ حَيْجَ الزَّادِ التَّفْؤَى، وَأَتَقُّونَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۲﴾ (البقرة: ۱۹۷)

عن عبد الله أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: سباب المسلم فسوق، وقتاله كفر. (صحيح البخاري: ۱۲/۱، رقم الحديث: ۴۸، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر، ط: البدر - ديوبند) ☆ الصحيح لمسلم: ۵۸/۱، رقم الحديث: ۱۱۶- (۶۳)، كتاب الإيمان، باب بيان قول النبي صلى الله عليه وسلم: سباب المسلم فسوق وقتاله كفر، ط: البدر - ديوبند)

(۲) الَّذِينَ يُتَّقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَظِيمِ الْعَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ، وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۳﴾ (آل عمران: ۱۳۳) =



جب فاسق امام کے پیچھے بھی نماز صحیح ہو جاتی ہے؛ تو ان مذکورہ امام کا فسق چوں کہ ظاہر نہیں ہے؛ اس لیے ان کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہوگا، ہاں! ان کے اندر اس کے علاوہ دوسرے بھی نقائص موجود ہوں؛ مثلاً: ان کے فسق کی وجہ سے اہل محلہ ان سے ناراض رہتے ہوں، محلہ میں وقتاً فوقتاً لڑائی کرواتے رہتے ہوں، ان کی امامت کی وجہ سے محلہ میں فتنہ و فساد بھڑکنے کا اندیشہ ہو اور وہ اپنی ذمہ داری بھی ٹھیک سے ادا نہ کرتے ہوں، تو ان وجوہات کی بنا پر متولی ان کو منصب امامت سے الگ کرنا چاہیے، تو کر سکتا ہے، جائز ہے؛ لیکن محض ایک وجہ سے الگ کرنا بہتر نہیں ہے۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳۴] بیوی کے حقوق ادا نہ کرنے والے کی امامت

۲۹- سوال: ہمارے امام صاحب عالم دین ہیں؛ لیکن ان میں بعض خرابیاں بھی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ: ان کی دو بیویاں ہیں: نئی بیوی کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں، جب کہ پرانی کو اپنے وطن میں، اور پرانی بیوی کے ساتھ بین طور پر نا انصافی کرتے ہیں، شب باشی میں انصاف سے کام نہیں لیتے، ان کا کوئی حق اس سلسلے میں ادا نہیں کرتے، امام صاحب بہت دور کے رہنے والے ہیں، ان کی نئی بیوی شادی سے قبل خود ان ہی کے پاس پڑھنے کے لیے آیا کرتی تھی، دو سال تک تو اس کے ساتھ محبت و پیار کا معاملہ رہا، اس کے بعد انہوں نے پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ نکاح سے پہلے انہوں نے جو اس کے ساتھ ناجائز تعلقات رکھے ہیں اور گناہوں میں ملوث ہوئے ہیں، نیز اپنی پرانی بیوی کے ساتھ انصاف نہیں کرتے ہیں، تو کیا ان کی پیچھے نماز

= عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا كان يوم القيامة ينادي مناد فيقول: أين العافون عن الناس؟ هلموا إلي ربكم خذوا أجوركم، وحق على كل مسلم إذا عفا أن يدخله الله الجنة". (الترغيب في فضائل الأعمال و ثواب ذلك - ابن شاهين (م: ۸۵-۳ھ): ۱/۱۳۹، رقم الحديث: ۵۱۹، باب ما ذكر في فضل من عفا عن أخيه المؤمن، ت: محمد حسن محمد حسن إسماعيل، ط: دار الكتب العلمية، بيروت - لبنان ☆ مكارم الأخلاق للطبراني (مطبوع مع مكارم الأخلاق لابن أبي الدنيا)، ۱/۳۳۱، رقم الحديث: ۵۵، باب فضل العفو عن الناس، ط: دار الكتب العلمية ☆ حلية الأولياء وطبقات الأصفياء - أبو نعيم الأصبهاني (م: ۳۳۰-۴ھ): ۱/۱۸۷، ذكر طوائف من جماهير النساك والعباد، غالب القطن ومنهم المتعبد اليقظان... الخ، ط: السعادة - بجوار محافظة مصر) (۳) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: "فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نا اہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت" کے حواشی۔

پڑھنا جائز ہے؟ کیا ہماری نمازیں صحیح ہوں گی؟

امام صاحب نے گاؤں میں کچھ ناخواندہ لوگوں کو اپنے گروپ میں شامل کر لیا ہے، یہ لوگ وقتاً فوقتاً امام صاحب کی طرف داری کرتے ہوئے مسجد میں آ کر متولی صاحب کے ساتھ جھگڑا کرتے رہتے ہیں، اکثر ٹریشیان بے نمازی ہیں، تو ایسے مولوی کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے، میں نے خود تو اس مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا ہے، میں دوسری مسجد میں نماز پڑھتا ہوں، تو میرا یہ عمل کیسا ہے؟ بیوقوف تو جروا۔

### الجواب حامداً ومصلياً:

دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی کی اجازت حاصل کرنا لازم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نکاح کا معاملہ مردوں کے سپرد فرمایا ہے اور متعدد (بہ یک وقت چار تک) نکاح کی اجازت دی ہے۔<sup>(۱)</sup>  
بغیر گواہوں کے کسی آدمی پر غلط کاری اور زنا کی تہمت لگانا جائز نہیں۔<sup>(۲)</sup>

(۱) قوله تعالى: وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَمِينِ فَأَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَفْلُوحٌ وَرُزِقٌ، فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَحْسَنُ أَلَّا تَعُولُوا ﴿۳﴾ (النساء: ۳)  
(۲) وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شَهَادَةٍ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا، وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۴﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا، فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۵﴾ (النور: ۴-۵)  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَيْفَ يُؤْمِنُ الظَّنُّ: إِنْ بَعْضَ الظَّنِّ أَمْ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا، أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كَلِمَةً إِخْوِيهِمْ مِيمًا فَكَّرْهُنَّ مَوَدَّةً، وَاتَّقُوا اللَّهَ، إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ ﴿۳۹﴾ (الحجرات: ۱۲)  
قال ابن كثير: يقول تعالى ناهيا عباده المؤمنين عن كثير من الظن، وهو التهمة والتخون للأهل والأقارب والناس في غير محله؛ لأن بعض ذلك يكون إثما محضاً، فليجتنب كثير منه احتياطاً. (تفسير القرآن العظيم) - أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي (م: ۷۷۷ هـ): (۳۷۷/۷، الحجرات: ۱۲، ت: سامي بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع)

عن أبي بكرة، ذكر النبي صلى الله عليه وسلم قال: فإن دماءكم وأموالكم... وأعراضكم، عليكم حرام، كحرمة يومكم هذا، في شهركم هذا... الخ. (صحيح البخاري: ۲۱/۱، رقم الحديث: ۱۰۵، كتاب العلم، باب: ليلغ العلم الشاهد الغائب، ط: البدر - ديوبند صحیح لمسلم: ۶۰/۲، رقم الحديث: ۲۹-۱۶۷۹، كتاب القسامة و المحاربین والقصاص والديات، باب تغليظ تحريم الدماء والأعضاء والأموال، ط: البدر - ديوبند)  
عبد الله بن عمر، قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يطوف بالكعبة، ويقول: ما أطيبك وأطيب ريحك، ما أعظمك وأعظم حرمتك، والذي نفس محمد بيده، لحرمة المؤمن أعظم عند الله حرمة منك، ماله، ودمه، وأن نظن به إلا خيراً. (سنن ابن ماجه: ۲۸۲، رقم الحديث: ۳۹۳۲، كتاب الفتن، باب حرمة دم المؤمن وماله، ط: ديوبند)  
عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث، ولا تحسسوا، ولا =

”پرانی بیوی اپنے باپ کے مکان پر کیوں چلی گئی“ اس کی تفصیل آپ نے نہیں لکھی ہے، اگر وہ عورت بغیر کسی شرعی وجہ کے اپنے شوہر کی نافرمانی کرتے ہوئے چلی گئی ہے، تو شبِ باشی میں انصاف اور عدم انصاف کی بات بے معنی ہے؛ اس لیے میاں بیوی کے معاملے میں پرانی بیوی سے کوئی بات پوچھنے بغیر کچھ بھی نہیں لکھا جاسکتا، آپ کا اس مسئلے کو چھیڑنا، مناسب نہیں، گناہ کا کام ہے۔

البتہ امام صاحب کے لیے ضروری ہے کہ وہ اچھے اخلاق کا برتاؤ کریں، سب کے ساتھ اتحاد اور اتفاق قائم رکھیں، اختلاف پیدا کرنا اور کرانا جائز نہیں، حرام ہے۔<sup>(۳)</sup>

اگر امام کا مشغلہ ہی جھگڑا لڑائی اور پارٹی بندی ہو، جو حرام اور کافر فسق ہے، تو اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہوگا، لڑائی جھگڑے کے بغیر اگر امام کو بدلا جاسکتا ہو، تو بدلنا ضروری ہے، ورنہ آپ کو اس امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے جماعت کا ثواب مل جائے گا، آپ کو اپنے محلے کی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں جانے کی بجائے اپنی ہی مسجد میں نماز پڑھنی چاہیے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: تم ہر نیک اور فاجر کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو۔ (الحدیث) (۴) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۳۵] اَيْضًا

گذشتہ سے ہے:-

۷۳۰- سوال: ۱۰/۲۸/۱۰/۱۰/۱۰ء کے جواب میں جو ۱۰/۹/۱۰/۱۰ء کے روز پوچھا گیا تھا،

اس سلسلے میں مزید عرض ہے کہ پہلی بیوی کے بھائی کا بیان ہے کہ: ”پیش امام صاحب نئی بیوی کو وہ اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور پرانی کو اپنے وطن میں، شبِ باشی میں اس کو کوئی حق نہیں دیتے اور اس کے ساتھ انصاف بھی

= تجسسوا، ولا تحاسدوا، ولا تدابروا، ولا تباغضوا، وكونوا عباد الله اخوانا. (صحيح البخاري: ۵۹۶/۲، رقم الحدیث: ۶۰۶۳، کتاب الأدب، باب ما ينهى عن التحاسد والتدابير، ط: البدر - دیوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۲۱۶/۲، رقم الحدیث: ۲۸- (۲۵۲۳)، کتاب البر والصلوة والآداب، باب تحريم الظن... الخ، ط: البدر - دیوبند) (۳) وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۳۹﴾ - (الحجرات: ۱۲)

(۴) مسئلہ اور حدیث کی تخریج کے لیے دیکھیے عنوان: ”داڑھی کٹوانے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم“ اور ”جھگڑالو، بد زبان اور جھوٹے امام کے پیچھے نماز کا حکم“۔

نہیں کرتے۔“

الغرض گواہوں کے ذریعے ان کا اپنی بیوی کے ساتھ نا انصافی کرنا ثابت ہے، اس لیے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ کیا ہماری نمازیں صحیح ہوں گی؟ اور کتنے سالوں سے تو یہ مولانا صاحب اپنے وطن میں بھی نہیں جاتے ہیں، آپ سے اس سلسلے میں جواب درکار ہے۔

### الجواب حامدا ومصليا:

امام صاحب کی دوسری بیوی اپنے وطن میں رہتی ہے، تو اس سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ وہ بیوی کے ساتھ نا انصافی کا معاملہ کرتے ہیں؛ بل کہ ممکن ہے کہ بیوی نے اپنی باری اور اپنے حق کو معاف کر دیا ہو، ایسی صورت میں امام گنہ گار نہیں ہوگا؛ جیسا کہ حضرت سودہ بنت زمعہؓ - جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں - نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی تھی؛ اس لیے حضرت عائشہؓ کے یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو دن گزارتے تھے اور دوسری ازواج کے یہاں ایک دن۔<sup>(۱)</sup>

الغرض امام صاحب کی دوسری شادی کر لینے اور نئی بیوی کو اپنے ساتھ رکھنے کی وجہ سے ان پر صراحتہ نا انصافی کرنے کا حکم لگانا درست نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup>

البتہ امام صاحب اگر فاسق ہوں اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہوں، تو ان کو امامت کے منصب

(۱) وفي سوال من هذه السنة - سنة ۱۰ / من النبوة - تزوج رسول الله صلى الله عليه وسلم سودة بنت زمعة كانت ممن أسلم قديما، وهاجرت الهجرة الثانية إلى الحبشة، وكان زوجها السكران بن عمرو، وكان قد أسلم وهاجر معها، فمات بأرض الحبشة، أو بعد الرجوع إلى مكة، فلما حلت خطبها رسول الله صلى الله عليه وسلم وتزوجها، وكانت أول امرأة تزوجها بعد وفاة خديجة، وبعد عدة أعوام وهبت نوبتها لعائشة. (الرحيق المختوم - صفی الرحمن المبارکفوری (م: ۱۴۲۷ھ)، ص: ۱۰۵، الدور المکی، المرحلة الثانية، عام الحزن، الزواج بسودة رضی الله عنها، ط: دار الهلال - بیروت)

(۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَيْفَ إِذَا قُمَ الظَّنُّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا ۚ إِنَّكُمْ أَنْتُمْ أَنْ تَأْكُلُوا لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ @ (۳۹ - الحجرات: ۱۲)

قال ابن كثير: يقول تعالى ناهيا عباده المؤمنين عن كثير من الظن، وهو التهمة والتخون للأهل والأقارب والناس في غير محله؛ لأن بعض ذلك يكون إنما محضا، فليجتنب كثير منه احتياطا. (تفسير القرآن العظيم - أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي (م: ۷۷۴ھ): ۷ / ۳، الحجرات: ۱۲، ت: سامي بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع)

سے متولی علاحدہ کر دے، اگر بلا عذر علاحدہ نہ کرے، تو گنہ گار ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

لڑائی جھگڑا کرنا بڑا گناہ ہے، اس لیے مصلحت سے کام لیا جائے، کسی کا فاسق ہونا ظاہر ہو جائے، اس صورت میں بھی اس کے پیچھے پڑھی گئی نماز ہو جاتی ہے، تو جن کا فاسق ظاہر اور یقینی نہ ہو، ان کے پیچھے تو بلا کراہت نماز درست ہوگی۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳۶] تصویر کھینچوانے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم

۷۳۱-سوال: مدرسہ صدر مدرس صاحب نے عید میلاد النبی کے جلسے میں علی الاعلان تصویر کھینچوائیں، حالاں کہ بلا ضرورت تصویر کھینچوانا حرام ہے، اس کے باوجود انہوں نے ایسا کیا، وہ نماز بھی پڑھاتے ہیں، تو کیا ان کے پیچھے نماز صحیح ہو جائے گی؟ بینوا تو جروا۔

#### الجواب حامدا ومصليا:

بلا ضرورت تصویر کھینچوانا حرام اور گناہ کا کام ہے۔<sup>(۲)</sup> البتہ حرام کا ارتکاب کرنے کے باوجود اگر کوئی نماز پڑھاتا ہو، تو اس کی اقتداء میں پڑھی گئی نماز کراہت کے ساتھ ہو جائے گی۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳۷] سید نہ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو سید کہلانے والے کی امامت

گذشتہ سے بہتر

۷۳۲-سوال: ہمارے مدرسہ کے صدر مدرس صاحب - جو امام مسجد بھی ہیں - اپنے آپ کو سید ظاہر کرتے ہیں، حالاں کہ وہ سید خاندان سے تعلق نہیں رکھتے، ان کے گاؤں کے قریب کی بستی کے رہنے والے

(۱) تقدم تخريجه غير مرة.

(۲) عن مسلم، قال: كنا مع مسروق، في دار يسار بن نمير، فرأى في صفة تمانيل، فقال: سمعت عبد الله، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إن أشد الناس عذابا عند الله يوم القيامة المصورون. (صحيح البخاري: ۸۸۰/۲، رقم الحديث: ۵۹۵۰، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة، ط: البدر - ديوبند) الصحيح لمسلم: ۲۰۱/۲، رقم الحديث: ۲۱۰۹، كتاب اللباس والزينة، باب لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا صورة، ط: البدر - ديوبند)

(۳) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ”فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام“ ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت“ کے حواشی۔

ایک شخص کا یہ کہنا ہے کہ وہ سید نہیں ہیں، تو کیا حقیقی نسب کو چھپانے اور دوسرے اعلیٰ خاندان کی جانب اپنے آپ کو منسوب کرنے والے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ اور اگر نماز پڑھ لی، تو ان نمازوں کا کیا حکم ہوگا؟

صدر مدرس صاحب بہ کثرت جھوٹ بھی بولتے ہیں، تو ایسے امام صاحب کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ ان کے ساتھ کیسا معاملہ کرنا چاہیے؟ ان کی مخالفت ہو رہی ہے، اس کے باوجود وہ ایسی حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔

### الجواب حامدا ومصليا:

اپنے حقیقی خاندان اور نسب کی جانب نسبت نہ کر کے دوسرے خاندان کی جانب اپنے آپ کو منسوب کرنا ہونے حرام ہے؛ اس لیے اگر امام صاحب سید نہیں ہیں، تو ان کے لیے اپنے آپ کو سید کہنا حرام ہے۔ (مسلم شریف: ۱/۵۷۷)<sup>(۱)</sup>

جھوٹ بولنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔<sup>(۲)</sup> اور مرتکب کبیرہ کو "فاسق" کہا جاتا ہے۔

الغرض کسی شخص کا اپنے خاندان کے علاوہ کسی دوسرے خاندان کی جانب منسوب کرنا اور جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ اور عمل فسق ہے، ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے؛ لیکن اس کے باوجود اس امام کے پیچھے نماز کراہت کے ساتھ صحیح ہو جائے گی، تاہم متولیان مسجد کی ذمہ داری ہے کہ ایسے فاسق امام کو بدل دے، ورنہ گنہ گار ہوں گے۔ ہاں! اگر گاؤں کے بعض جاہلوں کی لڑائی، جھگڑے اور فتنہ و فساد برپا کرنے کے اندیشے

(۱) عن أبي ذر رضي الله عنه، أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم، يقول: ليس من رجل ادعى لغير أبيه - وهو يعلمه - إلا كفر، ومن ادعى قوما ليس له فيهم، فليتبوأ مقعده من النار. (صحيح البخاري: ۱/۴۹۸، رقم الحديث: ۳۵۰۸، كتاب المناقب، باب: بعد، باب: نسبة اليمين إلى إسماعيل، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۵۷۷، رقم الحديث: ۱۱۲-۶۱)، كتاب الإيمان، باب: بيان حال إيمان من رغب عن أبيه وهو يعلم، ط: البدر - ديوبند

(۲) وَأَجَلَّتْ لَكُمْ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا يُتَى عَلَيْكُمْ فَأَجْتَنِبُوا الرَّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ۖ (الحج: ۳۰)

عن عبد الرحمن بن أبي بكر، عن أبيه رضي الله عنه، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "أكبر الكبائر: الإشراف بالله، وعقوق الوالدين، وشهادة الزور، وشهادة الزور - ثلاثا - أو: قول الزور" فما زال يكررها حتى قلنا: ليته سكت. (صحيح البخاري: ۲/۱۰۲۲، رقم الحديث: ۶۹۱۹، كتاب استنابة المرتدين والمعاندين وقتالهم، باب: إثم من أشرك بالله، وعقوبته في الدنيا والآخرة، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۶۳، رقم الحديث: ۱۸۳-۸۷)، كتاب الإيمان، باب: بيان الكبائر وأكبرها، ط: البدر - ديوبند

سے امام کے بدلنے پر متولیان قادر نہ ہوں، تو وہ گنہ گار نہیں ہوں گے، پورا گناہ امام کی ناحق، طرف داری کرنے والوں کے سر ہوگا؛ کہ وہ غلط امر کی حمایت کر رہے ہیں۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۳۸] ڈھول باجا بجوانے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم

گذشتہ سے بہتہ

۷۳۳-سوال: مسجد کے قریب ہی اس امام صاحب نے اپنے حکم سے کسی کی شادی بیاہ کے موقع پر ڈھول اور باجہ بجوایا تھا اور کھیل تماشہ کروایا تھا اور ڈھول بجانے اور تماشہ کرنے والوں کو انہوں نے نقد رقم انعام بھی دیا تھا، تو کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے کی نماز ہو جائے گی؟

ایک صاحب کا کہنا ہے کہ ایسے امام صاحب کو رکھنے والے ٹرسٹیان ہی گنہ گار ہوں گے، ہماری نمازیں تو صحیح ہو جائیں گی، تو کیا یہ نظریہ صحیح ہے؟ کیوں کہ ٹرسٹیوں کو معلوم ہے، اس کے باوجود بھی انہوں نے ایسے امام کو منصب امامت پر برقرار رکھا ہے۔

در اصل اس مسجد کے زیادہ ٹرسٹیان بے نمازی ہیں، ان کو نماز کی قدر و قیمت کیا معلوم؟ میں ان کو مختلف طریقے سے سمجھاتا ہوں؛ لیکن وہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، ان کو تو صرف مسجد کے ٹرسٹیان کی فہرست میں اپنا نام چاہیے، بڑا اور ذمہ دار بننے کا شوق ہے اور بس۔

### الجواب حامد ومصليا:

ڈھول باجا بجانا یا اس کا سننا سنانا سب حرام ہے۔<sup>(۱)</sup> امام صاحب نے بجانے کا حکم دیا، مزید برآں

(۳) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ”فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت“ کے حواشی۔

(۱) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۳۱﴾ [لقمان: ۶]

قال ابن جرير: ... عن أبي الصهباء البكري، أنه سمع عبد الله بن مسعود - وهو يسأل عن هذه الآية: {ومن الناس من يشتري لهو الحديث ليضل عن سبيل الله} - فقال عبد الله: الغناء، والله الذي لا إله إلا هو، يردد ثلاث مرات. — وكذا قال ابن عباس، وجابر، وعكرمة، وسعيد بن جبير، ومجاهد، ومكحول، وعمر بن شعيب، وعلي بن بزيمة. وقال الحسن البصري: أنزلت هذه الآية: {ومن الناس من يشتري لهو الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم} في الغناء والمزَامِير. (تفسير القرآن العظيم - ابن كثير القرشي (م: ۷۴، ۷۵): ۶/۳۳۰-۳۳۱، لقمان: ۶، ت: سامي =

اس پر انعام بھی تقسیم کیے؛ یہ سب افعال گناہ اور معصیت کے ہیں اور حرام ہیں؛ اور ان کا مرتکب فاسق ہے، جن کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، لہذا متولی حضرت کی ذمہ داری ہے کہ اس امام کو نصیحت و خیر خواہی کے جذبے سے سمجھائے، اگر امام صاحب توبہ کر لے، تو ٹھیک، ورنہ ان کو منصب امامت سے علاحدہ کر دیا جائے۔ اگر متولی و ٹرسٹیان امام کے فسق کو جاننے کے باوجود انہیں منصب امامت پر برقرار رکھیں گے، تو گنہ گار ہوں گے۔<sup>(۲)</sup>

البتہ اتنی بات ضرور یاد رکھیں کہ آپ کا کام صرف تبلیغ کرنا، دین کی بات دوسروں تک پہنچانا اور نصیحت و خیر خواہی ہے، تبلیغ کے کام میں مخاطب کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرنا و انہیں، اخلاص کے ساتھ کام کرتے رہیں، اللہ رب العزت آپ کو اپنے کام میں کامیابی عطا فرمائے گا۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب

[۳۹] امام صاحب کارڈیو کے ذریعہ گانے سننا اور ان گانوں کے طرز پر نعت پڑھنا  
۷۳۴- سوال: ہمارے امام صاحب ریڈیو پر گانے سنتے ہیں، پھر ان گانوں کے نغمہ کے

= بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع

عن ابن عباس، قال: هو الغناء والاستماع له، يعني قوله: (ومن الناس من يشتري لهو الحديث)....  
جابر في قوله: (ومن الناس من يشتري لهو الحديث) قال: هو الغناء والاستماع له. (جامع البيان في تأويل القرآن - أبو جعفر الطبري (م: ۳۱۰هـ) - ۱۲۸/۲۰، لقمان، ۶، ت: أحمد محمد شاكر، ط: مؤسسة الرسالة)  
(۲) لو قدموا فاسقا يأمون ببناء أعلى أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، لعدم اعتنائه بأمر دينه. (حلبی كبر - إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶هـ) - ج: ۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی - لاہور)  
فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالافتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۵۹/۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) — قال ابن عابدين:  
(قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد؛ لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۶۲/۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

(۳) قوله تعالى: أَدْعُرَالِي سَبِيلَ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝ (النحل: ۱۲۵)

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ (۵- المائدة: ۲)  
يَأْتِيهَا الرُّسُولُ يَلْعَلُ مَا أُتِرِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۚ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغَتْ رِسَالَتُهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَعْمَلُونَ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝ (۵- المائدة: ۶۷)



مطابق نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے اور لکھتے ہیں، کیا ایسے امام صاحب کے پیچھے نماز صحیح ہوگی؟

### الجواب حامدًا ومصليًا:

(۱) ”گانا“ سننا جائز نہیں؛ حرام ہے۔<sup>(۱)</sup> اور اس گناہ میں مبتلا شخص فاسق ہے، اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ منصبِ امامت فاسق کے حوالہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر متولیانِ مسجد ایسے امام کو سبک دوش نہیں کرتے، تو وہ گنہگار ہوں گے، لیکن ایسے امام کے پیچھے نماز ادا کرنے سے نماز ادا ہو جائے گی، اگر قریب میں دوسری مسجد ہے، تو وہیں نماز ادا کرنی چاہیے، بہر صورت امام کے فاسق و فاجر ہونے کی وجہ سے جماعت چھوڑنے کا معمول بنانا درست نہیں ہے۔ (شامی)<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

(۱) وَمَنْ النَّاسِ مَنْ يُشْتَرَى لَهَوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۳۱﴾ [لقمان: ۶]

قال ابن جرير: ... عن أبي الصهباء البكري، أنه سمع عبد الله بن مسعود - وهو يسأل عن هذه الآية: {ومن الناس من يشتري لهو الحديث ليضل عن سبيل الله} - فقال عبد الله: الغناء، والله الذي لا إله إلا هو، يردد ثلاث مرات.

و كذا قال ابن عباس، وجابر، وعكرمة، وسعيد بن جبیر، ومجاهد، ومكحول، وعمر بن شعیب، وعلي بن بدیمة. وقال الحسن البصري: أنزلت هذه الآية: {ومن الناس من يشتري لهو الحديث ليضل عن سبيل الله} في الغناء والمزمار. (تفسير القرآن العظيم - ابن كثير القرشي (م: ۷۷۷هـ): ۶/۳۳۰-۳۳۱، لقمان: ۶، ت: سامي بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع)

عن ابن عباس، قال: هو الغناء والاستماع له، يعني قوله: {ومن الناس من يشتري لهو الحديث} ... جابر في قوله: {ومن الناس من يشتري لهو الحديث} قال: هو الغناء والاستماع له. (جامع البيان في تأويل

القرآن - أبو جعفر الطبري (م: ۳۱۰هـ): ۲۰/۱۲۸، لقمان: ۶، ت: أحمد محمد شاكر، ط: مؤسسة الرسالة)

(۲) لو قدمو فاسقا يثمون بناء أعلى أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، لعدم اعتناؤه بأمر دينه. (حلبی كبر - إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶هـ)، ص: ۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سبيل الكيومي - لاهور)

فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل، وإلا فالافتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۵۹/۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

وفي النهي عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد، لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۶۲/۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

## [۴۰] ڈھول تاشے کی نذر کو حضرت خدیجہؓ کی جانب منسوب کرنے والے کی امامت

۷۳۵- سوال: امام صاحب نے اپنی ایک تقریر اور بیان میں یہ کہا تھا کہ: حضرت خدیجہ الکبریٰؓ نے یہ نذر مانی تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر جہاد سے فتح حاصل کر کے صحیح سلامت واپس تشریف لائیں گے تو میں آپ کے سامنے ڈھول تاشے بجاؤں گی، چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحیح سلامت واپس تشریف لائے، تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈھول تاشے بجا کر خوشی منائی تھی، کیا یہ بات صحیح ہے؟

امام صاحب کی تقریر کے بعد، دوسرے دن سے لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں، بعضوں نے کہا کہ: یہ بات کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی ہے، مولانا صاحب سے چوک ہوئی ہے؛ کیوں کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جیسی پاک باز خاتون اس طرح کی نذر مان ہی نہیں سکتیں، اب جب امام صاحب کا گاؤں کے لوگوں نے پیچھا کیا اور اس سلسلے میں وضاحت چاہی، تو امام صاحب کہتے ہیں کہ میں نے ایسا نہیں کہا؛ بل کہ یوں کہا تھا کہ: خادمہ نے ایسی منت مانی تھی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس پوری روایت کی کیا حقیقت ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

## الجواب حامدا ومصليا:

ڈھول باجے کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں۔<sup>(۱)</sup> البتہ خوشی کے موقعہ پر دف بجانے کی اجازت ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) من الناس من يشترى الخ، و لهو الحديث على ما روي عن الحسن كل ما شغلك عن عبادة الله تعالى و ذكره من السمر و الأضحيك و الخرافات و الغناء و نحوها. (روح المعاني - شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألويسي (م: ۱۲۷۰ھ): ۶۶/۱۱، لقمان: ۱-۱۱، ت: علي عبد الباري عطية، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(قوله و كره كل لهو) أي كل لعب و عبث فالثلاثة بمعنى واحد، كما في شرح التأويلات، و الإطلاق شامل لنفس الفعل، و استماعه كالرقص، و السخرية، و التصفيق، و ضرب الأوتار: من الطنبور، و البربط، و الرباب، و القانون، و المزمار، و الصنج، و البوق؛ فإنها كلها مكروهة؛ لأنها زي الكفار، و استماع ضرب الدف، و المزمار، و غير ذلك حرام، و إن سمع بفتة، يكون معذورا، و يجب أن يجتهد أن لا يسمع، قهستاني. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۹۵/۲، كتاب الحظر و الإباحة، فصل في البيع، ط: دار الفكر)

(۲) عن الربيع بنت معوذ رضي الله عنها، قالت: دخل علي النبي صلى الله عليه وسلم غداة بني علي، فجلس علي فراشي كمجلسك مني، و جو يريات يضربن بالدف، يندبن من قتل من أبائهن يوم بدر، حتى قالت جارية: و فينا نبي يعلم ما في غد. فقال النبي صلى الله عليه وسلم: لا تقولي هكذا و قولي ما كنت تقولين. (صحيح البخاري: ۵۷۰/۲، رقم الحديث: ۴۰۰۱، كتاب المغازي، باب بعد: باب شهود الملائكة بدر، ط: البدر - ديوبند)

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا اظہار خوشی کے لیے ڈھول بجانا غیر معقول امر ہے؛ اس لیے امام صاحب نے جو بات ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی جانب منسوب کی ہے کہ ”انہوں نے ڈھول تاشے بجا کر خوشی منانے کی منت مانگی، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی پر ڈھول تاشے بجا کر خوشی منائی“، یہ غلط نسبت ہے اور ان پر بہتان ہے، اور کسی کی جانب جان بوجھ کر ایسی چیز کی نسبت کرنا، جو اس نے نہ کہی ہو اور نہ کی ہو، ناجائز اور حرام ہے، جس کا مرتکب شرعاً فاسق ہوتا ہے، اور فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے؛ لہذا جان بوجھ کر اگر اس امام نے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی جانب مذکورہ بات منسوب کی ہو، تو اسے منصب امامت سے بہ عجلت ممکنہ علاحدہ کر دیا جائے۔<sup>(۳)</sup>

حضرت خدیجہؓ کی وفات مکہ المکرمہ میں ہجرت سے تین سال قبل ہو چکی تھی؛ یعنی نبوت کے دسویں سال آپ کی وفات ہو چکی تھی اور جہاد کی اجازت آیت شریفہ: «أَيُّهَا الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بِأَنفُسِهِمْ ظِلْمًا» کے ذریعہ نبوت کے چودھویں سال مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کے بعد دی گئی، گویا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جب جہاد کی اجازت دی گئی، اس وقت حضرت خدیجہؓ زندہ ہی نہیں تھیں؛ اس لیے ان کے اس طرح منت ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔<sup>(۴)</sup>

ان کی جانب ایسی بات منسوب کرنے والا شخص کوئی عالم معلوم نہیں ہوتا؛ بل کہ جاہل اور فاسق و فاجر

(۳) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ”فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام“ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت“ کے حواشی۔

(۴) عن أبي حبيبة مولى الزبير قال: سمعت حكيماً بن حزام يقول: توفيت خديجة بنت خويلد في شهر رمضان سنة عشر من النبوة وهي يومئذ بنت خمس وستين سنة. (الطبقات الكبرى - ابن سعد (م: ۲۳۰ھ): ۱۵/۸، ذکر خديجة بنت خويلد، رقم: ۴۰۹۶، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

وقال محمد بن إسحاق: ماتت خديجة وأبو طالب في عام واحد. — وقال البيهقي: بلغني أن خديجة توفيت بعد موت أبي طالب بثلاثة أيام. — ذكره عبد الله بن منده في كتاب المعرفة، وشيخنا أبو عبد الله الحافظ. — قال البيهقي: وزعم الواقدي أن خديجة وأبا طالب ماتا قبل الهجرة بثلاث سنين عام خرجوا من الشعب، وأن خديجة توفيت قبل أبي طالب بخمس وثلاثين ليلة. — قلت: مرادهم قبل أن تفرض الصلوات الخمس ليلة الإسراء. (السيرة النبوية - ابن كثير القرشي (م: ۷۷۴ھ): ۱۳۲/۲، ذكر عزم الصديق على الهجرة إلى أرض الحبشة، ط: دار المعرفة - بيروت)

معلوم ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ کی پاک دامن ازواج اور امت کی ماؤں کی جانب غلط باتیں منسوب کرنے والا معلوم ہوتا ہے؛ اس لیے اس کو جلد از جلد منصب امامت سے علاحدہ کر دیا جائے، تاکہ کوئی فتنہ رونما نہ ہو۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۴۱] ڈھول تاشے کی نذر کو حضرت فاطمہؓ کی جانب منسوب کرنے والے کی امامت

گذشتہ سے بہتہ

۷۳۶-سوال: اس امام صاحب نے اپنی ایک تقریر اور بیان میں یہ بھی کہا تھا کہ: حضرت فاطمہؓ نے یہ نذر مانی تھی کہ میرے والد اور اللہ کے رسول ﷺ اگر جہاد سے فتح حاصل کر کے صحیح سلامت واپس تشریف لائیں گے، تو میں آپ کے سامنے ڈھول تاشا بجاؤں گی، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ صحیح سلامت واپس تشریف لائے، تو انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے ڈھول تاشا بجا کر خوشی منائی تھی۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ اس مولوی صاحب کی تقریر کے دوسرے دن سے لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئی اور لوگوں نے یہ کہا کہ یہ بات بالکل صحیح نہیں ہو سکتی ہے، مولانا صاحب سے چوک ہوئی ہے؛ کیوں ایسی پاک دامن خاتون حرام اور ناجائز امر کی نذر مان ہی نہیں سکتی۔ جب مولانا صاحب کا گاؤں کے لوگوں نے پیچھا کیا، تو مولانا صاحب نے کہا کہ: میں نے ایسا کہا ہی نہیں، میں نے تو یہ کہا تھا کہ: خادمہ نے ایسی منت مانی تھی، اس پوری روایت کی کیا حقیقت ہے؟ تفصیل سے جواب مطلوب ہے، اور ایسے پیش امام کے پیچھے کیا نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

### الجواب حامد اوصلیا:

مذکورہ نذر حضرت فاطمہؓ یا ان کی باندی دونوں میں سے کسی نے بھی نہیں مانی ہے، ایسا کہنا گناہ کا کام ہے، ڈھول تاشا بجانا باعث گناہ اور حرام ہے۔<sup>(۱)</sup> امام صاحب کو اپنے اس بیان سے توبہ کرنی چاہیے، جان بوجھ کر جھوٹ بولنا اور لوگوں میں غلط روایت بیان کرنا حرام ہے؛ اس لیے اس طرح کی بات بیان کرنے والے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔ تاہم ان کے پیچھے نماز صحیح ہو جائے گی اور مقتدی کو جماعت کا ثواب بھی

(۱) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے عنوان: ڈھول تاشے کی نذر کو حضرت خدیجہؓ کی جانب منسوب کرنے والے کی امامت“ کا حاشیہ نمبر: ۱۔

مل جائے گا؛ لڑائی جھگڑے کے بغیر اگر ان کو علاحدہ کرنا ممکن ہو، تو متولیان مسجد ان کو منصب امامت سے علاحدہ کر دیں، ورنہ گنہ گار ہوں گے۔<sup>(۲)</sup> فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

## [۴۲] اخلاق خراب ہونے کے باوجود امام کو منصب امامت پر برقرار رکھنا

۷۳- سوال: ہمارے گاؤں میں ایک صاحب نائب امام ہیں، جنہوں نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا ہے، اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے اس عورت کو ایک مرتبہ پانچ روپیہ اور دوسری مرتبہ دو روپیہ

(۲) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ”فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھونسنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت“ کے حواشی۔  
ضروری وضاحت: مذکورہ دونوں سوال میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جواب اصل سوال سے مربوط ہے، سوال میں اس بات کا ذکر ہے کہ امام صاحب نے حضرت خدیجہؓ یا حضرت فاطمہؓ کے بارے میں یہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے یہ نذرمانی بھی کی: ”حضور ﷺ رسول ﷺ اگر جہاد سے فتح حاصل کر کے صحیح سلامت واپس تشریف لائیں گے، تو میں آپ ﷺ کے سامنے ڈھول تاشا بجاؤں گی، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ صحیح سلامت واپس تشریف لائے، تو انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے ڈھول تاشا بجا کر خوشی منائی تھی۔“

اصل میں امام ابوداؤد نے بہ طریق: عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ایک روایت ذکر کی ہے کہ ایک خاتون نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ اے اللہ کے رسول! میں نے نذرمانی ہے کہ آپ جہاد سے صحیح سالم فتح یاب ہو کر واپس آجائیں گے، تو میں (مارے خوشی کے) دف بجاؤں گی (کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فتح سے ہم کنار کیا اور صحیح سالم ہمارے درمیان تشریف لے آئے، آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: کہ آپ اپنی نذر پوری کریں۔ روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

عن عمرو بن شعیب، عن أبیہ، عن جدہ، أن امرأة، أتت النبي صلى الله عليه وسلم فقالت: يا رسول الله، إنني نذرت أن أضرب على رأسك بالدف، قال: أوفي بنذرك. (سنن أبي داود: ۴۶۹/۲، رقم الحديث: ۳۳۱۲، كتاب الأيمان والنذور، باب ما يؤمر به من الوفاء بالنذر، ط: البدر - ديوبند)

لازمی طور پر اس خاتون نے دف بجا کر خوشی کا اظہار کیا ہوگا، وہ خاتون (امراة) کون ہیں؟ حضرت خدیجہؓ تو نہیں سکتیں؛ کیوں کہ ان کا انتقال سن ۱۰ نبوی میں ہو چکا تھا، حدیث کا انداز بتا رہا ہے کہ حضرت فاطمہؓ بھی مراد نہیں ہیں، پھر کون ہیں؟ بذل الجہود میں ہے: ”لم أقف على تسميتها“ (۱۳/۲۶۳، ط: دار الکتب العلمیہ) اور ابوداؤد کے بین السطور میں بھی یہی مذکور ہے۔

الغرض جو واقعہ سوال میں مذکور ہے، وہ بے اصل نہیں ہے، البتہ دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اصل حدیث میں دف بجا کر خوشی کا اظہار کرنا مذکور ہے، جو کہ امر مباح ہے، جب کہ واقعہ بیان کرتے ہوئے امام صاحب سے یا سمجھنے میں مقتدی سے غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے دف کو ”ڈھول تاشا“ سمجھ لیا، جو کہ ناجائز ہے، اور سوال کے مطابق ہی مفتی صاحب نے جواب ذکر کیا ہے، اسی وجہ سے اس کی حضرت خدیجہؓ یا حضرت فاطمہؓ کی جانب نسبت کو حضرت مفتی صاحب نے بہتان سے تعبیر فرمایا ہے اور اسی کے موافق حکم بھی ذکر کیا ہے۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

دیا ہے۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ ابھی مدرسے میں نہیں سوتے ہیں؛ بل کہ کسی اور جگہ سوتے ہیں۔ مسجد کے پیش امام صاحب کو اصل واقعہ معلوم ہے، اس کے باوجود جب کبھی وہ غیر حاضر ہوتے ہیں، تو امامت کی ذمہ داری ان ہی کو حوالے کر کے جاتے ہیں، جب گاؤں میں ان کے متعلق زیادہ سچے میگوئیاں ہونے لگیں، تو پیش امام صاحب نے کہا کہ ان کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہے۔

گاؤں کے سرکردہ حضرات نے ان کو سمجھایا کہ تم اپنی رضامندی سے اپنا استعفیٰ نامہ پیش کر دو، اس میں تمہاری عزت باقی رہے گی؛ لیکن وہ استعفیٰ دینے کے لیے تیار نہیں ہیں اور مدرسہ اور مسجد کی کمیٹی بھی ان کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے، اس صورت میں کمیٹی کے ممبران گنہ گار ہوں گے یا نہیں؟ تفصیلی جواب درکار ہے۔

### الجواب حامد اومصلیٰ:

ثبوت زنا کے لیے شریعت نے کچھ اصول مقرر کیے ہیں، جن کے بغیر کسی کو ”زنا کار“ کہنا حرام ہے؛ اگر اسلامی حکومت ہے، تو زنا کا الزام لگانے والے سے مطالبہ کیا جائے گا کہ اس (زنا) کو چار گواہوں کے ذریعہ ثابت کرو، اگر چار گواہوں میں سے ایک گواہ بھی ٹوٹ جائے، اور وہ صراحتہً گواہی نہ دے سکے، تو الزام لگانے والے پر حد قذف (افتراء اور بہتان تراشی کی حد) لگائی جائے گی، جو ۸۰ اسی کوڑے ہیں؛ اس لیے اگر امام صاحب نے اس عورت کو پانچ روپے یا دس روپے دیے ہیں، تو اس سے ان کا زانی ہونا ثابت نہیں ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

مسجد و مدرسے کے مکان میں نہ سونا اور کسی دوسرے کے مکان پر سونے کے لیے جانے سے بھی ان کا زانی ہونا ثابت نہیں ہوگا، نیز پیش امام کے یہ کہنے سے کہ ”ان کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔“ اس (نائب امام) کا زانی ہونا ثابت نہیں ہوگا۔

ہاں! نائب امام صاحب غیر محرم عورتوں سے بے پردہ باتیں کرتے ہوں، ان سے ہنسی مذاق کرتے ہوں اور اس بات پر گواہ موجود ہوں، تو ان کا فسق ثابت ہوگا، اور ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔<sup>(۲)</sup>

لہذا مذکورہ وجوہات کی بنیاد پر اگر آپ لوگ ان کا پیچھا کرنا چاہیں، تو کر سکتے ہیں؛ کمیٹی کے افراد اگر

(۱) قوله تعالى: وَوَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُنَّ مِائَتًا وَلَا تَقْبَلُوا لَهُنَّ شَهَادَةً أَبَدًا، وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ. (۲۳-النور: ۴)

(۲) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ”فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام“ ☆ ڈاڈھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت“ کے حواشی۔

آپ کے مخالف ہوں اور ان کو منصب امامت پر برقرار رکھنے کے لیے مصر ہیں، تو اولاً آپ یا دوسرا کوئی شخص جا کر امام صاحب کو سمجھائے اور اپنی غلط حرکتوں سے باز رہنے کی تاکید کرے؛ اگر نائب امام توبہ و استغفار کر لے اور غیر محرم عورتوں سے دور رہنے اور ان سے بات چیت نہ کرنے کا پختہ ارادہ اور اللہ رب العزت سے پکا عہد کر لے، تو اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کرنے والے ہیں۔

اگر انہوں نے اس طرح توبہ کر لی ہے، تو بلا کسی کراہت کے ان کے پیچھے نماز صحیح ہو جائے گی، اور اس صورت میں ان کو علاحدہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۴۳] مرض کی وجہ سے نس بندی کرانے والے شخص کی امامت

۴۳۸- سوال: ایک امام صاحب نے مرض کی وجہ سے دو آپریشن کروائے ہیں، ان میں ایک آپریشن نس بندی کا بھی ہے، امام صاحب کی عمر اس وقت پچاس سال کی ہے، ان کی دولڑکیوں کی شادی ہو چکی ہے، تو سوال یہ ہے کہ اتنی عمر میں کوئی امام صاحب اپنے کسی مرض کی وجہ سے نس بندی کروائے، تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

#### الجواب حامدًا ومصليًا:

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: دین آسان ہے۔<sup>(۱)</sup> اس لیے صحت اور بیماری دونوں

(۳) (إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا، فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (۲۴- النور: ۵)

وقال الإمام النووي: التوبة ما استجمعت ثلاثة أمور: أن يقلع عن المعصية، وأن يندم على فعلها، وأن يعزم عزمًا جازمًا على أن لا يعود إلى مثلها أبدًا، فإن كانت تتعلق بآدمي، لزم رد الظلامة إلى صاحبها، أو وارثه، أو تحصيل البراءة منه، وركنها الأعظم الندم. — وفي شرح المقاصد قالوا: إن كانت المعصية في خالص حق الله تعالى فقد يكفي الندم كما في ارتكاب الفرار من الزحف وترك الأمر بالمعروف، وقد تفتقر إلى أمر زائد كتسليم النفس للحد في الشرب، وتسليم ما وجب في ترك الزكاة، ومثله في ترك الصلاة، وإن تعلقت بحقوق العباد لزم مع الندم، والعزم، إيصال حق العبد أو بدله إليه، إن كان الذنب ظلما كما في الغصب والقتل العمد... الخ. (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني - الألو سي (م: ۱۲۷۰هـ): ۱۴/۳۵۳، سورة التحريم (۶۶)، آيت نمبر: ۷-۱۲، ت: علي عبد الباري عطية، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۱) عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن الدين يسر، ولن يشاد الدين أحد إلا غلبه، فسددوا وقاربوا، وأبشروا، واستعينوا بالغدوة والروحة وشيء من الدلجة. (صحيح البخاري: ۱/۱۰، رقم الحديث: ۳۹، كتاب الإيمان، باب: الدين يسر، ط: البدر - ديوبند)

کے احکام شریعت میں الگ الگ ہیں۔

تندرست مرد و عورت اس خوف اور اندیشے کی وجہ سے نس بندی کرواتے ہوں کہ بچوں کو کہاں سے کھانا کھلائیں گے، کہاں سے کپڑے پہنائیں گے، تب تو باعث گناہ اور حرام ہے،<sup>(۲)</sup> جس کا مرتکب فاسق ہے، اور فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔ (۳)

کسی مرض کی وجہ سے اگر آپریشن کرایا جائے، تو اس کی گنجائش ہے، خواہ وہ امام ہو یا مقتدی، مثلاً: کسی رگ میں خرابی واقع ہوگئی ہو، اس میں کیڑے پڑ گئے ہوں، یا عورت کی بچہ دانی میں خرابی پیدا ہوگئی ہو؛ اور کسی ماہر ڈاکٹر یا حکیم نے آپریشن تجویز کیا ہو۔

اس لیے صورت مسئولہ میں امام صاحب کے پیچھے نماز بلا کسی کراہت کے جائز ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۴۴] خاندانی منصوبہ بندی کروانے والے کے پیچھے نماز پڑھنا

۷۳۹- سوال: ایک صاحب نے خاندانی منصوبہ بندی (فیملی پلاننگ) کروائی ہے، تو کیا یہ گناہ

(۲) وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَنْزُرُ قَوْلَهُمْ وَأَيَّامًا كَثِيرًا ۖ وَإِن قَتَلْتَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيرًا ﴿۳۱﴾ (۱۷- الإسراء: ۳۱)  
 عن عبد الله، قال: قلت يا رسول الله، أي الذنب أعظم؟ قال: أن تجعل لله ندا وهو خلقك، قلت: ثم أي؟ قال: أن تقتل ولدك خشية أن يأكل معك، قال: ثم أي؟ قال: أن تزاني حليلة جارك... العتبت. (صحيح البخاري: ۸۸۷/۲، رقم الحديث: ۶۰۰۱، كتاب الأدب، باب قتل الولد خشية أن يأكل معه، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۳۳، رقم الحديث: ۱۳۱، ۱۳۲- (۸۶)، كتاب الإيمان، باب كون الشرك أقيح الذنوب، وبيان أعظمها بعده، ط: البدر - ديوبند) وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ يَعْنِي الْبَنَاتِ كَمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ مَخَافَةَ الْفَقْرِ نَهَاهُمْ عَنِ الْقَتْلِ وَضَمَّنَ لَهُمْ أَرْزَاقَهُمْ فَقَالَ نَحْنُ نَنْزُرُ قَوْلَهُمْ وَإَيَّامًا كَثِيرًا ۖ وَإِن قَتَلْتَهُمْ كَانَ خِطَاً ۖ قَرَأَ ابْنُ عَامِرٍ بِرِوَايَةِ ابْنِ ذَكْوَانَ وَابُو جَعْفَرٍ يَفْتَحُ النِّجَاءَ وَالطَّاءَ مَقْصُورًا - وَابْنُ كَثِيرٍ بِكَسْرِ النِّجَاءِ وَفَتْحِ الطَّاءِ مَمْدُودًا - وَالْبَاقُونَ بِكَسْرِ النِّجَاءِ وَسُكُونِ الطَّاءِ - قَالَ الْبَغَوِيُّ مَعْنَى الْكُلِّ وَاحِدًا يُثْمَا كَبِيرًا. (التفسير المظهري - المظهري، محمد ثناء الله (م: ۱۲۲۵هـ): ۴۳۶/۵، سورة الإسراء (۱۷): ۳۱، ت: غلام نبي التونسي، ط: مكتبة الرشدية - الباكستان)

إذا أراد الرجل أن يقطع إصبعا زائدة أو شيئا آخر، قال نصير - رحمه الله تعالى - إن كان الغالب على من قطع مثل ذلك الهلاك، فإنه لا يفعل وإن كان الغالب هو النجاة فهو في سعة من ذلك. (الفتاوى الهندية: ۳۶۰/۵، كتاب الكراهية، الباب الحادي والعشرون فيما يوسع من جراحات بني آدم والحيوانات، ط: دار الفكر)  
 (۳) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ”فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نا اہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت“ کے حواشی۔



نہیں ہے؟ اور اب وہ صاحب مکتب میں استاذ بن کر دینی تعلیم دے رہے ہیں، کیا ایسا آدمی اس کے لائق ہے؟ اور امامت بھی کرتے ہیں، تو کیا ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

مرد کانس بندی کرانا یا عورت کا ایسا آپریشن کروانا، جس سے مستقبل میں عورت کو کبھی بھی اولاد نہ ہو، ناجائز اور گناہ ہے، اس کے علاوہ اگر عارضی طور پر خاندانی منصوبہ بندی کروائی، تو اس کا مقصد کیا ہے؟ اس پر حکم کا دار و مدار ہے، اگر تنگی اور مفلسی کے ڈر سے ایسا کیا ہے، تو جائز نہیں؛ لیکن اگر عورت کی طبیعت کی خرابی اور کمزوری کے پیش نظر ایسا کیا ہے، تو جائز ہے۔ (شامی جلد ۳ صفحہ ۱۷۶) [۱]

مدرسہ میں ان کو باقی رکھنے کی گنجائش ہے، اسی طرح اگر کسی عذر کی وجہ سے خاندانی منصوبہ بندی کروائی ہے، تو جائز ہے اور امامت بھی جائز ہے، اگر بلا عذر نس بندی کروالی ہے، تو گنہگار ہوگا، توبہ کر لے تو نماز میں کوئی حرج نہیں۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۴۵] اپنی بیوی کی بچہ دانی نکلوا دینے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا

۷۴۰- سوال: امام نے اپنی زوجہ کا آپریشن کروا لیا ہے کہ بچے پیدا نہ ہوں، تو ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

### الجواب حامدا ومصليا:

روزی روٹی کا مالک اللہ ہے، خود اللہ نے مخلوق کی ذمہ داری لی ہے: وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلُّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ<sup>(۳)</sup>

(۱)... [تنبیہ] أخذ فی النهر من هذا وما قدمه الشارح عن الخانية والكمال أنه يجوز لها سد فرحمها كما تفعله النساء مخالفا لما بحثه في البحر من أنه ينبغي أن يكون حراما بغير إذن الزوج قياسا على عز له بغير إذنها.  
قلت: لكن في البرازية أن له منع امرأته عن العزل. اهـ. نعم النظر إلى فساد الزمان يفيد الجواز من الجانبين. فما في البحر مبني على ما هو أصل المذهب، وما في النهر على ما قاله المشايخ، والله الموفق. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۱۷۶، كتاب النكاح، باب نكاح الرقيق، مطلب في حكم العزل، ط: دار الفکر - بيروت)  
(۲) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے عنوان: ”کسی مرض کی وجہ سے نس بندی کرانے والے شخص کی امامت“ کا حاشیہ نمبر: ۲۔  
(۳) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ”فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت“ کے حواشی۔  
(۳) ۱۱- هو: ۶۔

زمین پر چلنے والی جنتی بھی مخلوق ہے، اللہ تعالیٰ ان کی روزی کا ضامن ہے؛ لہذا امام صاحب ہوں یا اور کوئی، یہ سوچ کر کہ بچے کیا کھائیں گے؟ کہاں رہیں گے؟ مکان کہاں سے خریدیں گے؟ ان چیزوں کی وجہ سے نس بندی یا آپریشن کرواتا ہے، تو حرام ہے؛ بل کہ ایمان سے نکل جانے کا خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رزاقیت پر ایمان نہیں ہے، ایسے لوگ درحقیقت نسل انسانی کو برباد کرنے والے ہیں، گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے لوگ ہیں، اور جو کوئی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے، وہ فاسق ہے اور فاسق کو امام بنانا مکروہ ہے۔<sup>(۱)</sup> البتہ مقتدی حضرات کے لیے لازم ہوگا کہ جب تک کسی متبادل کا نظم نہ ہو، ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھتے رہیں، ان کو جماعت کا ثواب مل جائے گا، متولیان کی ذمہ داری ہے کہ ایسے فاسق شخص کو امامت سے جلد علاحدہ کر دیں۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۴۶] مجبوری میں بچہ دانی نکلوانے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا

۷۴۱- سوال: عورت کی بچہ دانی میں خرابی پیدا ہوگئی ہے، اور ڈاکٹروں نے کہا کہ اگر بچہ دانی نہیں نکالی گئی، تو کینسر کی بیماری لاحق ہو جائے گی، جس کی وجہ سے عورت کی جان جاسکتی ہے؛ اس لیے شوہر (جو ایک مسجد کے امام ہیں) نے عورت کی بچہ دانی نکلوا دی، اب بچے نہیں ہو سکتے، تو ایسی صورت میں ان کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

### الجواب حامدا ومصليا:

صورت مسئلہ ہیں اگر عورت واقعہً بیمار ہے، اور حاذق ماہر طبیب کہتا ہے کہ مستقبل میں بچے کی پیدائش سے جان کے ضائع اور ہلاک ہونے کا شدید خطرہ ہے، اس وجہ سے آپریشن کروایا ہے، تو امام صاحب گنہگار نہیں ہوں گے اور ان کے پیچھے بلا کراہت نماز درست ہوگی۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے عنوان: ”کسی مرض کی وجہ سے نس بندی کرانے والے شخص کی امامت“ کا حاشیہ نمبر: ۲۔  
 (۲) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ”فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام“ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت“ کے حواشی۔  
 (۳) إذا أراد الرجل أن يقطع إصبعاً أو شيئاً آخر، قال نصير - رحمه الله تعالى - إن كان الغالب على من قطع مثل ذلك الهلاك؛ فإنه لا يفعل وإن كان الغالب هو النجاة فهو في سعة من ذلك. (الفتاوى الهندية: ۵/۳۶۰، کتاب الکراهية، الباب الحادي والعشرون فيما يسع من جراحات بني آدم والحيوانات، ط: دار الفکر)  
 مزید تفصیل و تخریج کے لیے دیکھیے عنوان: ”کسی مرض کی وجہ سے نس بندی کرانے والے شخص کی امامت“۔

## [۴۷] وضع حمل کی تکلیف کی وجہ سے آپریشن کرانا

۷۴۲- سوال: وضع حمل میں بہت تکلیف ہو، تو آپریشن کرانا جائز ہے یا نہیں؟

ایسا امام، جس نے اپنی بیوی کا آپریشن کروایا ہو، وہ امامت کر سکتا ہے؟

## الجواب حامد اومصلیا:

دنیا کے ہر کام میں تکلیف ہوتی ہے اور قرآن میں بھی وضع حمل کی تکلیف کا بیان ہے۔<sup>(۱)</sup> اسی وجہ سے فرماں بردار کے لیے ماں کی قدموں میں جنت کا وعدہ ہے۔<sup>(۲)</sup>

لہذا اس وجہ سے آپریشن کی اجازت نہیں دی جاسکتی، البتہ ماہر مسلمان ڈاکٹر مشورہ دے کہ آئندہ حمل رہے گا تو عورت کا انتقال ہو جائے گا یا عورت کا کوئی ہاتھ یا پاؤں معطل ہو جائے گا، تو مذکورہ شرعی عذر کی بنا پر آپریشن کرانا جائز ہے اور شوہر گنہگار نہیں ہوگا۔

بغیر شرعی عذر کے آپریشن کرانے سے امام فاسق و فاجر شمار ہوگا اور ایسے آدمی کو امامت کی ذمہ داری دینا مکروہ ہے، البتہ شرعی عذر کی وجہ سے آپریشن کرانا جائز ہے اور ایسے آدمی کو امام بنانا بھی جائز ہے۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) قوله تعالى: وَوَضَعْنَا الْإِنْسَانَ بِالذِّكْرِ، حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهَتْأَ عَلَى وَهْنٍ وَفَضَّلَهُ فِي عَامَتَيْنِ أَنْ أَشْكُرَ لِي وَلِيَوْمَ الدِّينِ. إِنَّ الْمَصِيبُ ۝ (۳۱- لقمان: ۱۳)

(۲) عن ابن عباس، في قوله: {ولنبلوكم بشيء من الخوف والجوع} [البقرة: ۱۵۵] ونحو هذا، قال: "أخبر الله سبحانه المؤمنين أن الدنيا دار بلاء وأنه مبتليهم فيها، وأمرهم بالصبر وبشرهم"، فقال: {وبشر الصابرين} [البقرة: ۱۵۵]، "ثم أخبرهم أنه هكذا فعل بأبيائه وصفوته بطيب نفوسهم"، فقال: {مستهم البأساء والضراء وزلزلوا} [البقرة: ۲۱۳]، "وأما البأساء: فالفقير، والضراء: فالسقم، وزلزلوا: بالفتن وأذى الناس إياهم". (شعب الإيمان - أبو بكر البيهقي (م: ۳۵۸هـ): ۱۷۷/۱۲، رقم الحديث: ۹۲۳۸، باب في الصبر على المصائب و عما ينتزع النفس من لذة وشهوة، ط: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومبي بالهند) عن معاوية بن جاهمة السلمي، أن جاهمة جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله، أردت أن أغزو وقد جئت أستشيرك، فقال: هل لك من أم؟ قال: نعم، قال: فالزمها، فإن الجنة تحت رجلها. (المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي (م: ۳۰۳هـ): ۱۱/۶، رقم الحديث: ۳۱۰۴، كتاب الجهاد، الرخصة في التخلف لمن له والدة، ط: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

(۲) تفصیل وخرج کے لیے دیکھیے عنوان: "کسی مرض کی وجہ سے نس بندی کرانے والے شخص کی امامت" ☆ مجبوری میں بچہ دانی نکلوانے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا۔

## [۴۸] نس بندی کرنے والے کی امامت

۷۴۳- سوال: کیا نس بندی کرانے والا شخص امامت کر سکتا ہے؟

**الجواب حامد او مصليا:**

متولیان و ٹرسٹیان مسجد کی ذمہ داری ہے کہ ایسے شخص کو امامت کے منصب پر فائز کرے، جو جمع سنت ہو، قرآن مجید تجوید سے پڑھتا ہو، متقی ہو، گناہ کبیرہ سے اجتناب کرنے والا ہو؛ لہذا جس شخص نے نس بندی کرائی ہے، وہ دو حال سے خالی نہیں: (۱) عورت مریضہ ہے اور ماہر مسلم ڈاکٹر و حکیم نے کہا ہے کہ حمل کی صورت میں عورت کی جان کا خطرہ ہے یا اس کے کسی عضو کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے، تو شریعت مطہرہ اجازت دیتی ہے؛ لہذا ایسے شخص کا امامت کے لیے تقرر کرنا جائز ہے۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ دنیا آواز لگاتی ہے، لوگ رات دن پکارتے ہیں کہ بچے زیادہ ہو جائیں گے، تو ان کو کیسے کھلاؤ گے، ان کا نان و نفقہ اور ضروریات زندگی وغیرہ کا نظم کیسے کرو گے، تو اس طرح سوچنا بھی دو حال سے خالی نہیں: (۱) اگر نقصان کا تصور ہو کہ ہم ہی طعام، شراب، لباس، سکونت کے ذمہ دار ہیں اور ہم ہی یہ انتظام کرنے والے ہیں، تو وہ انسان ایمان و اسلام سے خارج ہو جائے گا، مرتد ہو جائے گا، لہذا وہ امامت کے لائق نہیں (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ انسان سمجھتا ہے کہ خالق اور رازق اللہ ہی ہے، مگر وہ آدمی سوچتا ہے، یعنی وہ اس عقیدہ میں مکمل مضبوط نہیں ہوتا ہے اور دینی نقطہ سے کمزور ہوتا ہے؛ لہذا اہل دنیا کے دیکھا دیکھی وہ بھی نس بندی کروا لیتا ہے، تو وہ فاسق ہے اور فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، لہذا ایسے شخص کو بھی امام بنانا درست نہیں۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۴۹] شراب کا گڑ بیچنے والے امام صاحب کے پیچھے نماز

۷۴۴- سوال: ایک مسجد کے امام صاحب شراب بنانے کا گڑ اور نو سار (شراب بنانے کی

ایک شے) غیر مسلم بستوں میں فروخت کرتے ہیں، تو ان کے پیچھے نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ ان کے اس کام سے

(۱) تفصیل و تخریج کے لیے دیکھیے عنوان: ”کسی مرض کی وجہ سے نس بندی کرانے والے شخص کی امامت“ ☆ مجبوری میں بچہ دانی نکلوادینے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا۔

ان کے پیچھے نماز پڑھنے والے مقتدی حضرات ناراض ہیں اور نماز پڑھنے میں شش و پنج میں مبتلا ہیں کہ پتہ نہیں ان کی نماز ہوگی یا نہیں؟ تسلی بخش جواب مطلوب ہے۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

جو گڑ شراب کے علاوہ دوسرے کاموں کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے، مثلاً: جانوروں کے کھلانے کے لیے یا اس کے علاوہ دوسرے کسی کام کے لیے، تو اس کی تجارت جائز ہے، کوئی حرج نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>

لہذا ایسے امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا بلا کسی کراہت کے جائز ہے، کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

## [۵۰] فاسق امام کے پیچھے نماز کا حکم

۷۴۵- سوال: آپ کی کتاب ”مسلمان عورت“ میں لکھا ہے کہ جو امام صاحب اپنی عورت کو پردے کا حکم نہ کرے، تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، تو ہم لوگ برسوں سے ایسے امام کے پیچھے نمازیں پڑھتے چلے آئے ہیں تو ہماری نمازوں کا کیا ہوگا؟ اگر ہماری نمازیں صحیح ہو گئی ہیں، تو مکروہ تحریمی ہونے کا کیا مطلب؟

### الجواب حامدًا ومصلياً:

کتب فقہ میں لکھا ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔<sup>(۲)</sup>

فاسق اس آدمی کو کہتے ہیں، جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہو؛ مثلاً: شراب پینا، جوا کھیلنا، زنا کرنا وغیرہ؛

(۱) (و) جاز (بیع عصیر) عنب (ممن) يعلم أنه (يتخذہ خمرا) لأن المعصية لا تقوم بعينه بل بعد تغیرہ وقيل يكره لإعانتہ على المعصية ونقل المصنف عن السراج والمشكلات أن قوله ممن أي من كافر أما يبيع من المسلم فيكره ومثله في الجوهره والباقاني وغيرهما زاد الفهستاني معزيا للخانية أنه يكره بالاتفاق. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله و جاز) أي عنده لا عندهما بيع عصير عنب أي معصوره المستخرج منه فلا يكره بيع العنب والكرم منه بلا خلاف، كما في المحيط لكن في بيع الخزانة أن بيع العنب على الخلاف فهستاني، (قوله ممن يعلم) فيه إشارة إلى أنه لو لم يعلم لم يكره بلا خلاف فهستاني. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۹۱/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ”فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نا اہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت“ کے حواشی۔

عورت کے لیے پردہ کرنا فرض ہے۔<sup>(۱)</sup> باپ کے لیے اپنی لڑکی اور شوہر کے لیے اپنی بیوی کو پردے کا حکم دینا فرض ہے۔<sup>(۲)</sup> اور عصر حاضر میں عورتوں کا پردہ کرنا تو شعائر اسلام میں داخل ہے؛ کیوں کہ اس زمانے میں پردے کے خلاف منظم سازشیں چل رہی ہیں، بے پردگی کو عام کرنے کے لیے فحش لٹریچر چھپوا کر لوگوں میں عام کیے جاتے ہیں، اسی گندے ماحول کے زہریلے جراثیم کی وجہ سے آج ہماری مسلم لڑکیاں یہ کہنے لگیں ہیں کہ مجھے مولوی، ملا، حافظ جی اور کسی تبلیغی کے ساتھ شادی نہیں کرنی ہے، اس لیے اس زمانے میں عورتوں کا خود بھی پردے کا اہتمام کرنا ضروری ہے اور سر پرستوں کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی ماتحت عورتوں کو پردے کا تاکید اہکم کریں؛ لہذا ایک حافظ، مولوی اور امام، اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی کرے گا، تو وہ فاسق کہلائے گا اور اپنے اس عمل کی وجہ سے وہ گنہ گار ہوگا، ذمہ دار حضرات کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے امام کو منصب امامت سے علاحدہ کر دیں، تاکہ لوگوں کی نمازیں صحیح ہوں؛ لیکن ایسا شخص ٹرسٹیوں سے تعلق قائم کر کے اگر امام بن گیا ہے اور اس کو ہٹانے کی صورت میں فتنے کا اندیشہ ہے، تو آپ اسی امام کے پیچھے اپنی نمازیں پڑھ لیں، نماز ہو جائے گی اور جماعت کا ثواب بھی ملے گا؛ اس لیے کہ بعض صحابہ کرام نے بھی ظالم اور فاسق کے پیچھے نماز ادا کی ہیں، جیسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حجاج کے پیچھے نماز ادا کی ہیں، اس لیے اس امام کے پیچھے آپ کی نمازیں صحیح ہو جائیں گی؛ لیکن اس امام کو برقرار رکھنے والے ذمہ دار حضرات یا اس کی طرف داری کرنے والے لوگ گنہ گار ہوں گے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۵۱] ڈیوٹی میں کوتاہی کرنے والے اور جھوٹ بولنے والے شخص کی امامت

۷۴۶- سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ:

ایک شخص امامت کرتا ہے اور نذرانہ دو الگ الگ عنوانات کے تحت پاتا ہے، خدمت امامت کا الگ اور مکتب کا الگ، امامت کا حال یہ ہے کہ سال بھر وہ صرف چار وقت کی نمازوں کی امامت کرتا ہے، ماہ رمضان المبارک کو چھوڑ کر گیارہ ماہ وہ فجر کی نماز نہیں پڑھاتا ہے۔ رہا سوال مکتب کا، تو وہ جب سے اس خدمت

(۱) وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْمُجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَالْحِجْنَ الصَّلَاةَ وَالزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ؕ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿۳۳﴾ (الأحزاب: ۳۳)

(۲) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأَزْوَاجَكُمْ وَبَنَاتِكُمْ وَنِسَاءَ الْمُؤْمِنِينَ يُدْرَبُونَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيقِهِمْ ۖ ذَٰلِكُمْ أَخْبَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْخَذْنَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۳۳﴾ (الأحزاب: ۵۹)

پر مامور ہوا ہے، آج تک بچوں کو پڑھایا ہی نہیں، یہ شخص کھلے عام جھوٹ بولتا ہے، اگر اس شخص کی مرضی کے خلاف کوئی کام ہو، تو وہ برداشت نہیں کرتا، اپنی بات خواہ وہ غلط کیوں نہ ہو، منوانے کے لیے جھوٹ کا سہارا لیتا ہے، اگر کوئی اس کا ساتھ نہ دے، تو اس کے خلاف لوگوں کو درغلا کر آپس میں ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی کر کے اپنی بات منوانے کی کوشش کرتا ہے، دینی کام صحیح طور پر انجام دینے والی جماعت کے کام میں رخنہ پیدا کرتا ہے، رخنہ ڈالنے کے لیے جہلاء کو اپنا ہم خیال بناتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسے شخص کی امامت درست ہے؟ براہ کرم اس کا شرعی حل جلد از جلد روانہ فرما کر ممنون فرمائیں۔

### الجواب حامدا ومصليا:

اگر مدرسہ میں ملازمت کے باوجود نہیں پڑھاتا ہے اور تنخواہ لیتا ہے، تو یہ جائز نہیں، وقف کا مال ناحق کھا رہا ہے۔<sup>(۱)</sup> جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے، اس پر احادیث میں سخت وعید آئی ہے۔<sup>(۲)</sup>

اگر وہ شخص اپنے مذکورہ غلط روش پر برقرار رہنے اور معصیت کے افعال کو انجام دینے کے لیے مسلمین میں پھوٹ ڈالنا اور دینی کام انجام دینے والی جماعت میں رخنہ پیدا کرنا تو منافقین کا کام ہے۔

جو شخص ان امور قبیحہ کا ارتکاب کرے، وہ فاسق ہے، اور فاسق کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیے، ایسے

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿۲۸۰﴾ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ غَدَاً أَوْ ظَلْمًا فَسَوْفَ نُضَلِّيهِ أَتَىٰ ۖ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿۲۸۱﴾ (النساء: ۲۸۰-۲۸۱)

(۲) عن عبد الله رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن الصدق يهدي إلى البر، وإن البر يهدي إلى الجنة، وإن الرجل ليصدق حتى يكون صديقا. وإن الكذب يهدي إلى الفجور، وإن الفجور يهدي إلى النار، وإن الرجل ليكذب حتى يكتب عند الله كذابا. (صحيح البخاري: ۲/۹۰۰، رقم الحديث: ۲۰۹۳، كتاب الأدب، باب قول الله تعالى: {يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين} [التوبة: ۱۱۹] وما ينهي عن الكذب، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۲/۳۲۵، رقم الحديث: ۱۰۳-۲۶۰۷، كتاب البر والصلة والآداب، باب قبح الكذب وحسن الصدق وفضله، ط: البدر - ديوبند)

عن سمره بن جندب رضي الله عنه، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: " رأيت الليلة رجلين أتياني، قالوا: الذي رأيتك يشق شدة فلكذاب، يكذب بالكذبة تحمل عنه حتى تبلغ الآفاق، فيصنع به إلى يوم القيامة". (صحيح البخاري: ۲/۹۰۰، رقم الحديث: ۲۰۹۶، كتاب الأدب، باب قول الله تعالى: {يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين} [التوبة] وما ينهي عن الكذب، ط: البدر - ديوبند)

شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، جو لوگ اس کو امام بنائیں گے، وہ گنہگار ہوں گے، مقتدی مجبور ہوں، تو دوسری مسجد میں نماز پڑھیں، اگر دوسری مسجد قریب میں نہ ہو، تو گھر میں نماز پڑھنے کی بہ نسبت ایسے شخص کے پیچھے جماعت سے نماز پڑھنا افضل ہے، جماعت کو ترک نہ کریں۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۵۲] ایسے فاسق کی امامت، جو قرآن کریم صحیح نہ پڑھ پاتا ہو

۷۴۷- سوال: ہمارے یہاں کے امام صاحب ٹی وی پر کرکٹ میچ اور سینما بینی میں مبتلا ہیں، ان کی بیوی بے پردہ ہو کر بازاروں میں گھومتی پھرتی ہے، علاوہ ازیں امام صاحب مسائل نماز سے بھی ناواقف ہیں، چنانچہ ایک مرتبہ مغرب کی نماز میں ثناء کے بعد خاموش کھڑے رہ گئے، میرے کھنکھارنے پر انہوں نے سورہ فاتحہ شروع کی، اور سجدہ سہو بھی نہیں کیا، دوسری طرف گاؤں کے اکثر لوگ جاہل ہیں؛ تاہم ان میں دینی ذوق اچھا ہے، اکثر مسلمانوں کی عورتیں پردے کی پابندی کرتی ہیں، اطراف میں نواپور سے آنے والے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ امام صاحب قرآن بھی صحیح نہیں پڑھتے؛ لہذا ان کے پیچھے نماز نہیں ہوگی، تو ایسے امام کے پیچھے نماز کی صحت کے متعلق حکم شرعی کیا ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

جو امام قرآن پاک صحیح نہ پڑھے اور نماز کے دوران قراءت میں کوئی ایسی غلطی کرے، جس سے معنی میں کوئی خرابی پیدا ہو رہی ہو، تو نماز فاسد ہو جائے گی؛ اور اس کا اعادہ ضروری ہوگا۔<sup>(۲)</sup> اسی طرح سجدہ سہو

(۱) لو قدمو افا سقا یا ثمون بناء اعلیٰ ان کراهة تقدیمہ کراهة تحریم؛ لعدم اعتناہ بأمر دینہ. (حلبی کبیر - ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحلبي (م: ۹۵۶ھ)، ج: ۳۱۵، کتاب الصلاة، الأولی بالامامة، ط: سہیل اکیڈمی - لاہور) فان أمکن الصلاة خلف غیرہم فهو أفضل وإلا فالافتاء أولی من الانفراد. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/۵۵۹، کتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفکر)

وفي النهر عن المحيط: صلی خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) — قال ابن عابدین: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولی من الانفراد؛ لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/۵۶۲، کتاب الصلاة، باب الإمامة)

(۲) فإن كان لا یغیر المعنی، لا تفسد صلاته، نحو أن یقرأ: ولقد جاءهم رسلنا بالبینات، بترك التاء من جاءت، وإن غیر المعنی تفسد صلاته عند عامة المشایخ، نحو أن یقرأ: فما لهم یؤمنون، فی لا یؤمنون بترك لا، هكذا فی المحيط، وفي العتابة: هو الأصح. كذا فی التتارخانية. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۷۹، الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الخامس فی زلة القارئ، ط: دار الفکر)



واجب ہو گیا ہو اور امام نے سجدہ سہو نہیں کیا، تب بھی نماز کا اعادہ ضروری ہے۔<sup>(۱)</sup>

نماز کے دوران امام کسی رکن کی ادائیگی میں غلطی کر رہا ہو، تو مقتدی کو چاہیے کہ وہ جہراً سبحان اللہ یا اللہ اکبر پڑھے؛ جس سے وہ متنبہ ہو سکے۔<sup>(۲)</sup> لہذا آپ کا کھٹکھار کر متنبہ کرنے کی کوشش کرنا غلط ہے؛ بل کہ بلا ضرورت آواز کرنے سے اگر دو یا تین حروف پیدا ہو گئے، تو اُس سے نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے۔<sup>(۳)</sup>

امام اگر ٹی وی دیکھتا ہو، اجنبی عورتوں کے ساتھ اختلاط سے پرہیز نہ کرتا ہو اور اپنی بیوی کو پردے کی تاکید نہ کرے، تو وہ فاسق ہے، اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے؛ لہذا ایسا شخص امامت کے لائق نہیں ہے، متولیان مسجد کی ذمہ داری ہے کہ اُسے فوری طور پر امامت سے سبک دوش کر کے متقی، متبع سنت، مسائل سے واقف اور صحیح قرآن پڑھنے والے امام کو تلاش کریں، اگر متولیان مسجد اس امر میں غفلت برتیں گے، تو وہ گنہگار ہوں گے۔<sup>(۴)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۵۳] امام کے ساتھ جھگڑا ہو جانے کی وجہ سے مقتدی کا علاحدہ نماز پڑھنا

۷۴۸- سوال: ہمارے گاؤں ورکوٹڈ کے امام مولانا یعقوب بن یوسف درویش، بھروچ ضلع کے

(۱) (ولہا واجبات) لا تفسد بترکھا وتعاد وجوبا فی العمد والسہو إن لم یسجد لہ، وإن لم یعدھا یكون فاسقا اثما. (الدر المختار مع رد المحتار: ۴۵۶/۱، واجبات الصلاة، ط: دار الفکر)

(۲) وكذا إذا عرض للإمام شيء فسبح المأموم ولا بأس به؛ لأن القصد به إصلاح الصلاة، فسقط حكم الكلام عنه للحاجة إلى الإصلاح. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۲۳۵/۱، فصل بیان حکم الاستخلاف، ط: دار الکتب العلمیة - بیروت ☆ رد المحتار علی الدر المختار: ۳۷۷/۲، کتاب الصلاة، ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، ط: زکریا- دیوبند ☆ البحر الرائق: ۸/۲، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، ط: دار الکتب الإسلامی)

(۳) فإن كان التضحیح لعذر فإنه لا یبطل الصلاة بخلاف وإن حصل به حروف؛ لأنه جاء من قبل من له الحق، فجعل عفوا، وإن كان من غیر عذر، ولا غرض صحیح، فهو مفسد عندهما خلافاً لأبي يوسف في الحرّفين، وإن كان بغیر عذر لكن لغرض صحیح كتحسين صوته للقراءة أو للإعلام أنه في الصلاة أو ليهتدي إمامه عند خطئه ففيه اختلاف فظاهر الكتاب والظهيرية اختيار الفساد لكن الصحيح عدمه؛ لأن ما للقراءة ملحق بها كما في فتح القدير وغيره. (البحر الرائق: ۵/۲، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، ط: دار الکتب الإسلامی ☆ رد المحتار

علی الدر المختار: ۳۷۷/۲، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، ط: زکریا- دیوبند)

(۴) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں: ”فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام ☆ ڈاڑھی منڈوائے ہوئے شخص کی امامت ☆ بے پردہ گھومنے والی عورت کے شوہر کی امامت ☆ نااہل امام اور متولی کی ذمہ داری اور ☆ بلیک مارکیٹ کرنے والے کی امامت“ کے حواشی۔

پانچ تحصیل کے ون گاؤں کے وطنی ہیں، ایک سال سے ہمارے گاؤں میں امامت کرتے ہیں، اُن کے اور ہمارے والد صاحب کے مابین بہت اچھے تعلقات تھے، امام صاحب نے مجھ سے بہ تاریخ: ۱۰ نومبر ۱۹۸۹ء، بہ روز جمعرات، بعد نماز مغرب دو ہزار روپے بہ طور قرض مانگے، میں نے اُن کو جواب دیا کہ میں اپنے والد صاحب سے اجازت لے کر آپ کو جواب دوں گا۔ میرے والد صاحب نے بھی یہی کہا کہ بعد میں جواب دیں گے۔

اُس کے بعد ہمارے گھر میں مشورے کے بعد یہ بات طے ہوئی کہ امام صاحب کو قرض نہیں دیں گے، دوسرے دن جمعہ کی رات کو مسجد میں امام صاحب کا بیان تھا، تو پیسے نہ ملنے کی وجہ سے اُنھوں نے بیان میں ہی والد صاحب کی شان میں بہت سے گستاخانہ کلمات کہے، یہاں تک کہ اُن کو جانور تک کہہ دیا، ہم سب خاموش تھے، کوئی کچھ نہیں بولا، اُس کے دو دن بعد جب وہ اپنے وطن سے واپس آئے، تو والد صاحب کے ساتھ جھگڑا کیا، لعنت کی اور بددعا یہ کلمات بھی کہے، اُن کی اہلیہ نے بھی ہمارے والد صاحب کے ساتھ خوب جھگڑا کیا اور گالیاں تک دیں، اُس کے بعد میرے والد صاحب نے اُن کو ماضی میں جو کچھ ہدیہ وغیرہ دیا تھا، وہ واپس طلب کیا، تو اُنھوں نے وہ ہدایا بھی واپس کر دیے، اور ایک خط لکھ کر لائے، جس میں اُنھوں نے والد صاحب کے بارے میں لکھا کہ ”شیطان! تیرے لیے جنت حرام ہے“، پھر جھگڑا کر کے والد صاحب پر حملہ کرنے کی بھی کوشش کی۔

جب نوبت یہاں تک آگئی، تو والد صاحب نے گاؤں کے ذمہ داروں کے سامنے اِس امام کو علاحدہ کرنے کی بات کی، سارے لوگوں نے انکار کر دیا اور امام صاحب کا ساتھ دیتے ہوئے اُنھوں نے والد صاحب ہی کا تصور نکالا، مذکور امام اور اُن کی اہلیہ مرغی کی تجارت کرتے ہیں، اور اُس میں وہ جھوٹ بھی بولتے ہیں، ہم تو اِس واقعہ کے بعد اُن کے پیچھے نماز بھی نہیں پڑھتے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟ اور گاؤں کے سارے لوگ اُن کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، تو گنہگار کون ہوگا؟ ایسا امام امامت کے لائق ہے یا نہیں؟ گاؤں کے ذمہ دار اگر اُسے علاحدہ نہ کریں، تو شرعاً کیا حکم ہے؟ والد صاحب نے اُن کے پیچھے جمعہ پڑھنا بھی چھوڑ دیا ہے، تو اِس کا گناہ کس کے سر ہوگا؟

**الجواب حامدًا ومصلياً:**

اگر سوال میں تحریر کردہ باتیں صحیح ہیں، تو امام صاحب اور اُن کی اہلیہ گنہگار ہوں گے، گاؤں کے

لوگوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ حق پرست کی مدد کریں، خواہ وہ اجنبی ہو یا گاؤں کا باشندہ ہو۔<sup>(۱)</sup> اولاً تو یہ کہ اگر کسی بھی مؤمن میں ہم کوئی عیب دیکھیں، تو ہمیں چاہیے کہ اُسے خلوت میں نصیحت کریں۔ کیوں کہ دین نام ہے خیر خواہی کا، اور خیر خواہی اسی میں ہے کہ اس کو خلوت میں متنبہ کیا جائے۔<sup>(۲)</sup> بیانات میں یا عام مجمع میں کسی کے عیوب بیان کرنا جائز نہیں ہے۔<sup>(۳)</sup>

اگر کسی شخص میں کوئی عیب ہو، تو اُسے خلوت میں کہنا چاہیے، کہ یہ اُس کے لیے نصیحت ہے، اور اگر خلوت میں سب کے سامنے نشان دہی کی جائے، تو یہ اُس کی فضیحت ہے۔<sup>(۴)</sup>

لہذا امام کا کسی کی اصلاح کے لیے عام مجمع کے سامنے کچھ کہنا جائز نہیں ہے۔

امام کا جھوٹ بولنا گناہ کا کام ہے، ارباب حل و عقد کی ذمہ داری ہے کہ ایسے امام کو امامت سے سبک دوش کر دیں، اگر نہیں کریں گے، تو وہ گنہگار ہوں گے، لیکن ایک مسئلہ یاد رہے کہ بایں ہمہ گاؤں کے لوگوں کا فرض یہی ہے کہ وہ ایسے امام کے پیچھے بھی باجماعت نماز پڑھیں، اگر وہ امام کے فسق کی وجہ سے علاحدہ نماز

(۱) وَإِنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا، فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِئَ إِتَى أَمْرِ اللَّهِ، فَإِنْ فَاءَتْ فَاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا، إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿١٠٩﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٠٩﴾ (المحرات: ۹-۱۰)

(۲) عن تميم الداري أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: الدين النصيحة، قلنا: لمن؟ قال: لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم. (الصحيح لمسلم: ۱/۵۴، رقم الحديث: ۹۵-۵۵)، كتاب الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، ط: البدر - ديوبند ☆ ر: صحيح البخاري: ۱/۱۳، رقم الحديث: ۵۷-۵۸، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: "الدين النصيحة: لله ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم"، ط: البدر - ديوبند)

(۳) عن ابن شهاب أن سالماً أخبره أن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما، أخبره: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه، ومن كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته، ومن فرج عن مسلم كربة، فرج الله عنه كربة من كربات يوم القيامة، ومن ستر مسلماً ستره الله يوم القيامة. (صحيح البخاري: ۱/۳۳۰، رقم الحديث: ۲۳۳۲، كتاب المظالم والقصاص، باب: لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۳۲۰، رقم الحديث: ۵۸-۲۵۸۰، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الظلم، ط: البدر - ديوبند)

(۴) (وعن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أحدكم مرآة أخيه. ) بكسر ميم ومد همز أي: آلة لإراءة محاسن أخيه ومعائبه، لكن بينه وبينه، فإن النصيحة في الملائمات نصيحة. (مراجعة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - علي بن سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۸/۳۱۲۲، رقم الحديث: ۴۹۸۵، كتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، ط: دار الفكر، بيروت)

پڑھنا شروع کریں گے، تو گنہ گار ہوں گے، اس باب میں آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ: ”صلوا خلف کل بر او فاجر“۔<sup>(۱)</sup> کہ ہرنیک یا برے کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو، لہذا جب تک امام کے عقائد میں کوئی خرابی نہ ہو وہاں تک امام کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو، خواہ اُس کے اعمال برے ہوں، علاحدہ نماز پڑھنا یا جمعہ چھوڑنا جائز نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۵۴] اس شخص کی امامت، جو ٹی وی دیکھتا ہو اور اس کی بیوی بے پردہ رہتی ہو؟

۷۴۹-سوال: ایک مسجد کے امام صاحب کی اہلیہ محترمہ پردے کا اہتمام نہیں کرتی ہیں، میں نے اس سلسلے میں فتاویٰ رحیمیہ جلد ۴ میں پڑھا، اس کے بعد امام صاحب کو اس جانب متوجہ کیا: (اس وقت ان کے استاذ ان کے ساتھ تھے) تو انہوں نے یوں جواب دیا کہ ”اگر سب امام صحیح اصولوں پر چلیں گے، تو مصلے ہو میں اڑیں گے“۔ حالاں کہ وہ اس مسئلہ سے خوب واقف ہیں، جمعہ کے دن متعدد مرتبہ وہ اور ان کے استاذ لمبی لمبی تقریریں کرتے ہیں اور مقتدیوں کو کہتے ہیں کہ ٹی وی دیکھنا گناہ ہے۔

ایک مرتبہ میں نے ٹی وی پر حج کا پروگرام دیکھنے کے بارے میں پوچھا: تو انہوں نے کہا کہ اس کا دیکھنا بھی سخت گناہ ہے؛ حالاں کہ وہ خود ٹی وی دیکھ کر نکلے تھے، تو ہم نے کہا کہ آپ بھی تو گناہ کا کام کر کے آئے ہیں۔ تو امام صاحب اور ان کے استاذ نے کہا کہ ”ہم تو گناہ کا کام کرتے آئے ہیں“۔  
امام صاحب لوگوں کی غیبت بھی بہت کرتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ایسے امام کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟

### الجواب حامدا ومصليا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: الرجال قومون علی النساء... الاية<sup>[۳]</sup> شوہر کی ذمہ داری ہے کہ عورت کو پردہ میں رہنے کے بابت حکم کرے، اس کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ عورت کو بے پردہ رہنے، بے پردہ گھومنے پھرنے اور بے پردہ باہر نکلنے سے روکے، کیوں کہ رسول اللہ نے فرمایا: من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ...  
[۳] شوہر کی ذمہ داری ہے کہ عورت کو پردہ میں رہنے کے بابت حکم کرے، اس کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ عورت کو بے پردہ رہنے، بے پردہ گھومنے پھرنے اور بے پردہ باہر نکلنے سے روکے، کیوں کہ رسول اللہ نے فرمایا: من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ...

(۱) قد تقدم تخريجه مراراً عن الدار قطني.

(۲) قد تقدم تخريجه وتفصيله مراراً.

(۳) النساء: ۳۴۔

(۱)  
الحديث۔

اب اگر شوہر اپنی ذمہ داری کو ادا نہیں کرتا ہے، بیوی کو بے پردگی سے نہیں روکتا نہیں ہے، تو وہ فاسق گناہ گار ہے، اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔<sup>(۲)</sup>

اور آپ نے امام صاحب جو ”جواب“، سوال میں تحریر کیا ہے کہ ”سب امام صحیح اصولوں پر چلیں گے تو وصلے میں ہواڑنے لگیں گے“ یہ دین کا مذاق ہے، (جان بوجھ کر ایسا کیا ہو، تو ایمان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے) اسی طرح ٹی وی دیکھنا، گناہ کا کام کرنا اور گناہ کا اقرار کرنا اور گناہ کرتے رہنا، فاسق ہونے کی علامت ہے؛ امام کو چاہیے کہ بلا تاخیر توبہ کرے، ورنہ متولیان مسجد کی ذمہ داری ہے کہ ایسے امام کو امامت سے علاحدہ کر دے، اگر متولیان قدرت کے باوجود، ایسے فاسق امام کو علاحدہ نہیں کریں گے، تو گنہ گار ہوں گے؛ لیکن مقتدی جماعت سے نماز پڑھتے رہیں، ان کو جماعت کا ثواب مل جائے گا۔ (ان شاء اللہ)<sup>[۳]</sup>

واضح رہے کہ لمبی لمبی تقریریں کرنا مقصد نہیں ہے، مقصد تو عمل ہے، جب واعظ عالم میں عمل نہیں ہوگا، تو علم سے فائدہ نہ اٹھانے اور اس کے مقتضاء پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے گنہ گار ہوگا۔<sup>(۴)</sup> اس لیے اگر توبہ نہ کرے، تو امامت سے الگ کرنا ضروری ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) قال أبو سعيد (الخدري): سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فليسهه، فإن لم يستطع فليقلبه، وذلك أضعف الإيمان. (الصحيح لمسلم: ۵۰/۱، رقم الحديث: ۷۸- (۳۹)، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان، الخ، ط: البدر - ديوبند)  
عن عبد الله، قال النبي صلى الله عليه وسلم: كلكم راع وكلكم مسئول، فالإمام راع وهو مسئول، والرجل راع على أهله وهو مسئول، والمرأة راعية على بيت زوجها وهي مسئولة، والعبد راع على مال سيده وهو مسئول، ألا فكلكم راع وكلكم مسئول. (صحيح البخاري: ۷۷۹/۲، رقم الحديث: ۵۱۸۸، كتاب النكاح، باب: قوا أنفسكم وأهليكم نارا، ط: البدر - ديوبند)

(۲) قد تقدم تخريجه وتفصيله مرارا.

[۳] لو قدموا فاسقا يأثمون بناءً على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم؛ لعدم اعتناؤه بأمر دينه. (حلبی كبير - إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶ هـ)؛ ج: ۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سبيل الكيومي - لاهور)

(۴) عن جندب، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مثل الذي يعلم الناس الخير وينسى نفسه مثل مصباح يضيء للناس ويحرق نفسه. (كتاب الأمثال في الحديث النبوي - أبو محمد عبد الله بن محمد، الأنصاري المعروف بـ أبي الشيخ الأصبهاني (م: ۳۶۹ هـ)؛ ۱/۳۲۳، رقم الحديث: ۲۷۶، ذكر قوله صلى الله عليه وسلم: مثل الذي يعلم الناس الخير وينسى نفسه، ت: الدكتور عبد العلي عبد الحميد حامد، ط: الدار السلفية - بومباي)

## [۵۵] مرتکب کبائر کی کی امامت

گذشتہ سے بہتہ

۷۵۰- سوال: (۱) پیش امام صاحب لنگی ٹخنوں سے نیچے لٹکا کر امامت کرواتے ہیں، تو کیا اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی؟ (۲) امام صاحب اذان کے بعد مسجد میں آکر دنیوی باتیں کرتے ہیں۔ (۳) اور عصر و عشاء کی سنت غیر مؤکدہ نہیں پڑھتے۔ (۴) اور جماعت کا وقت ہو جاتا ہے، اس کے باوجود وقت پر جماعت کھڑی نہیں کرتے، فجر کے وقت ۵ سے سات منٹ دیر کرتے ہیں، لائٹ بند کر کے جماعت خانہ کے باہر بیٹھے رہتے ہیں اور مصلیٰ حضرات کو ان کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ (۵) وہ اپنی مرضی کے مطابق کام کرتے ہیں، اگر کوئی ان کو کچھ کہتا ہے، تو اس کو نامناسب الفاظ سے جواب دیتے ہیں، سوال یہ ہے کہ ایسے امام امامت کے عہدہ پر برقرار رکھنا چاہیے یا امامت سے معزول کر دینا چاہیے؟

(۶) مسجد میں پرانا حوض تھا، اس کو شہید کر کے نیا حوض بنایا گیا، پرانے حوض کی جگہ پر پودے اور پیپتے وغیرہ کا درخت لگایا گیا ہے، امام صاحب پیپتے وغیرہ لے جا کر اپنی ضرورت میں استعمال کرتے ہیں، کیا وہ اسے کھا سکتے ہیں؟

(۷) گھر میں بجلی کا میٹر نہیں ہے، بجلی کے تار کے ساتھ تار لگا کر اپنے گھر میں بجلی کا استعمال کرتے ہیں اور بجلی کا خرچہ پنچایت کو دینا پڑتا ہے، وہ نہیں دیتے، تو کیا کرنا چاہیے؟

(۸) مؤذن کو اپنے اعتماد میں لے رکھا ہے، ان کی ملی بھگت سے پیپتے اور سینگ دانہ کا استعمال کرتے ہیں، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

## الجواب حامدا ومصليا:

(۱) ازار بلا عذر گھٹنوں سے نیچے ہو، تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی؛ لہذا جس امام کی ازار بلا عذر گھٹنوں کے نیچے ہوئی، اس کو امام بنانا مکروہ ہے، کہ یہ فسق کا کام ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۲) مسجد میں بیٹھ کر دنیوی باتیں کرنا جائز نہیں، کبھی کوئی ضروری بات کر لی ہو، تو جائز ہے، رسول

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما أسفل من الكعبين من الإزار ففي النار. (صحيح البخاري: ۸۶۱/۲، رقم الحديث: ۵۷۸۷، كتاب اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار، ط: ديوبند)

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگ جس طرح سوکھی گھاس اور لکڑی کو جلا کر رکھ کر دیتی ہے، اسی طرح مسجد میں دیوباتیوں کرنے سے نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔<sup>(۲)</sup>

(۳) سنت غیر مؤکدہ نہ پڑھنے سے آدمی گنہگار نہیں ہوتا؛ لیکن امام کو سنت مؤکدہ کے ساتھ سنت غیر مؤکدہ اور نوافل کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔

(۴) نماز کے اوقات اس لیے مقرر کیے جاتے ہیں، تاکہ نمازیوں کے لیے سہولت ہو، اس لیے امام کا جان بوجھ کر وقت کی پابندی نہ کرنا، مروت و اخلاق کے خلاف ہے، ساتھ ہی نمازیوں کو تکلیف پہنچانا ہے، یہ جائز نہیں۔

(۵) نصیحت کرنے والوں کو نامناسب الفاظ کہنا، بدگوئی کرنا، تہمت لگانا: یہ سب حرام کام ہیں؛ اس لیے امام کو ان کاموں سے بچنا چاہیے۔<sup>(۳)</sup>

(۲) ذکر سفیان، عن بعض أصحابہ، عن الحسن، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يأتي على الناس زمان يكون حديثهم في مساجدهم في أمر دنياهم، فلا تجالسوهم، فليس لله فيهم حاجة". (شعب الإيمان - أبو بكر البيهقي (م: ۳۵۸ھ): ۳۸۷/۲، رقم الحديث: ۲۷۰۱، كتاب الصلاة، باب المشي إلى المساجد، ط: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع - الرياض)

قال الملا علي القاري (م: ۱۰۱۳ھ): (في مساجدهم في أمر دنياهم): وهي: موضوعة لأمر دينهم، قال ابن الهمام في شرح الهداية: الكلام المباح في المسجد مكروه يأكل الحسنات. (مراجعة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۲۲۲/۲، رقم: ۷۳۳، باب المساجد ومواضع الصلاة، ط: دار الفكر - بيروت)

وشرح في الظهيرية بكرة الحديث أي كلام الناس في المسجد لكن قيده بأن يجلس لأجله — وفي فتح القدير الكلام المباح فيه مكروه يأكل الحسنات. وينبغي تقييده بما في الظهيرية أما إن جلس للعبادة ثم بعدها تكلم فلا (البحر الرائق: ۳۹/۲، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، الوطء فوق المسجد والبول والتغوط، ط: دار الكتاب الإسلامي) حاشية الشرنبلالي مع درر الأحكام شرح غرر الأحكام - حسن بن عمار الشرنبلالي (م: ۱۰۲۹ھ): ۱۱۱/۱، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، مكروهات الصلاة، ط: دار إحياء الكتب العربية)

(۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَوَلُّوا قَوْلًا سَدِيدًا ۖ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝ (۳۳- الأعراب: ۷۰- ۷۱)

عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره، ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه، ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيرا أو ليصمت. (صحيح البخاري: ۸۸۹/۲، رقم الحديث: ۲۰۱۸ و ۲۰۱۹، كتاب الأدب، باب: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره، ط: ديوبند) ☆ الصحيح لمسلم: ۵۰/۱، رقم الحديث: ۷۴- ۷۵ (۴۷)، كتاب الإيمان، باب الحث على إكرام الجار والضيف، ولزوم الصمت إلا عن الخير وكون ذلك كله من الإيمان، ط: ديوبند)

(۶) مذکورہ زمین میں جس نے درخت لگایا ہے، جس نے محنت کی ہے، مذکورہ مسئلہ کے حکم کا دارو مدار اس کی نیت پر ہے، اس نے کیا نیت کی ہے: (۱) اپنے کھانے کے لیے۔ (۲) نمازیوں کے لیے۔ (۳) مسجد کے لیے، امام نے اگر اپنے لیے درخت لگائے ہوں، تو اس کے پھل کھانا جائز ہے، اگر مسجد کے لیے ہو، تو جائز نہیں۔ (۴) اگر ۵۰ فیصد مسجد کے لیے اور ۵۰ فی صد اپنے لیے ہو، تو امام کو کھانا جائز ہے؛ لیکن نمبر ۱ کے مطابق نیت ہو، تو متولیٰ ان مسجد کو اختیار ہے کہ وہ درخت اکھڑا دیں، اس لیے شرکت کی نیت کرنا بہتر ہے؛ لہذا امام کا بھی ۵۰ فی صد حق ہے، اس اعتبار سے کھانا جائز ہوگا۔

(۷) گاؤں والوں پر فرض ہے کہ امام کے لیے ان کی ضرورت کے مطابق گھر کی چیزوں کا انتظام کر دے، لائٹ فٹنگ کروا کر، میٹر رکھوا دے، امام کی ضرورتیں گاؤں والوں کو سمجھنا چاہیے، گرام پنچایت کارکنان سے اجازت لیے بغیر بجلی کا استعمال کرتے ہیں، تو جائز نہیں ہے، امام کو مذکورہ کام سے توبہ کرنی چاہیے اور جتنی بجلی کا استعمال کیا ہے، اس کا تاوان ادا کرنا چاہیے۔

(۸) جواب نمبر ۳ میں تفصیل لکھی ہے، امام و مؤذن نے وقف کی زمین میں درخت لگا کر محنت کی ہے، اور اپنے لیے استعمال کی نیت کی ہے، تو کھانا جائز ہے، معاملہ کی تحقیق کر لیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ غلط بیانی کر کے گزگار ہو جائیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۵۶] ایضاً

گزشتہ سے بہتر

۷۵۱-سوال: (۱) مؤذن کا وضوء صحیح نہیں ہوتا، کہنے کے باوجود وہ اپنی اصلاح نہیں کرتے؟ (۲) ان کو رہنے کے لیے مکان دیا ہے، اس کے باوجود رات کو جماعت خانہ میں سو جاتے ہیں، امام صاحب جب ان سے کہتے ہیں، تو مؤذن ان کو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ: ”جن تابع کرنے کا عمل کرتا ہوں“ اور امام صاحب نے ۸ ردن میں یہ ظاہر بھی کر دیا کہ مؤذن صاحب نے جن تابع کر لیا ہے۔ ہم نے کہا کہ جماعت خانہ میں سونے سے مسجد کی بے ادبی ہوتی ہے، تو جواب دیتے ہیں کہ آپ نہیں سمجھیں گے، سو سکتے ہیں۔ (۳) جماعت خانہ میں ناپاک پاؤں کے ساتھ داخل ہوتے ہیں۔ (۴) سنت و نوافل بھی نہیں پڑھتے۔ (۵) ان کے تکبیر پڑھنے کی وجہ سے نماز میں کوئی حرج و نقص تو نہیں ہوگا؟ (۶) مسجد میں پرانا حوض تھا، اس کو



شہید کر کے نیا حوض بنایا گیا ہے، پرانے حوض کی جگہ پیتے کا درخت لگایا گیا ہے، وہاں سے پیتے توڑ کر اپنے کمرہ میں لے جا کر کھاتے ہیں، گذشتہ کل اس سلسلے میں امام و مؤذن کے درمیان جھگڑا بھی ہوا اور مزید جھگڑے کا اندیشہ ہے، تو ان کو رکھنا چاہیے یا مستعفی کر دینا چاہیے؟ (۷) امام صاحب نماز میں بار بار داہنا پاؤں اٹھاتے رہتے ہیں؟ (۸) نماز میں قراءت ایسی پڑھتے ہیں، گویا شاعری پڑھتے ہوں اور سلام کھینچ کر کہتے ہیں، لوگ اس سے اکتا گئے ہیں، صرف پانچ سات مصلیٰ باقی ہو گئے ہیں۔ (۹) نماز کے اوقات دائمی تقویم کے مطابق نہیں لکھتے، اس میں اپنی من مانی کرتے ہیں اور جب کوئی اس کو غلطی سے متنبہ کرتا ہے، تو اس کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں۔ (۱۰) اگر وہ نماز پڑھائے، تو اس میں کوئی حرج ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

- (۱) آپ کو صحیح بات کہنے کا ثواب مل گیا، آپ دعا کیجیے، اللہ ان کو ہدایت عطا فرمائے۔
- (۲) مسجد نماز، تلاوت، ذکر کے لیے ہے، مسجد میں سونے کی عادت بنالینا جائز نہیں، مسجد جن کو تابع کرنے کی جگہ نہیں، جو کمرہ دیا ہے، اس کا استعمال کرنا چاہیے، جھوٹے بہانے بنا کر مسجد میں سونے کی عادت بنالینا مسجد کی بے عزتی ہے، جو جائز نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۱) (بُيُوتِ أَذْنِ اللَّهِ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ) (۲۴-النور: ۳۶)

{في بيوت أذن الله أن ترفع} أي: أمر الله تعالى برفعها، أي: بتطهيرها من الدنس واللغو، والأفعال والأقوال التي لا تليق فيها، كما قال علي بن أبي طلحة، عن ابن عباس في هذه الآية الكريمة: {في بيوت أذن الله أن ترفع} قال: نهى الله سبحانه عن اللغو فيها. وكذا قال عكرمة، وأبو صالح، والضحاك، ونافع بن جبيرة، وأبو بكر بن سليمان بن أبي حثمة، وسفيان بن حسين، وغيرهم من علماء المفسرين. (تفسير القرآن العظيم - أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي، الدمشقي (م: ۷۷۷هـ): ۲/۲۲، سورة النور: ۳۶، ت: سامي بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع) (وكره) أي تحريما لأنها محل إطلاقهم بحر (إحضار مبيع فيه) كما كره فيه مبيعة غير المعتكف مطلقا للنهي وكذا أكله ونومه إلا لغريب أشباهه وقد قدمناه قبيل الوتر، لكن قال ابن كمال لا يكره الأكل والشرب والنوم فيه مطلقا ونحوه في المجتبى. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله مطلقا) أي سواء احتاج إليه لنفسه أو عياله أو كان للتجارة أحضره أو لا كما يعلم مما قبله ومن الزيلعي والبحر (قوله للنهي) هو مارواه أصحاب السنن الأربعة وحسنه الترمذي، أن رسول الله نهى عن الشراء والبيع في المسجد وأن ينشد فيه ضالة أو ينشد فيه شعر ونهى عن التحلق قبل الصلاة يوم الجمعة، فتح (قوله وكذا أكله) أي غير المعتكف (قوله لكن إلخ) استدراك على ما في الأشباه، وعبارة ابن الكمال عن جامع الإسباجي لغير المعتكف أن ينام في المسجد مقيما كان أو غريبا أو مضطجعا أو متكنارا جللاه إلى القبلة أو إلى غيرها فالمعتكف أولى اهـ ونقله أيضا في المعراج وبه يعلم تفسير =

(۳) ناپاک پاؤں کے ساتھ جماعت خانہ میں داخل ہونا جائز نہیں، ناپاک لگ جانے کی وجہ سے نمازیوں کی نماز نہیں ہوگی، اس کا بھی گناہ ہوگا۔<sup>(۲)</sup>

(۴) سنت مؤکد چھوڑنے کی عادت بنالینے کی وجہ سے آدمی فاسق بن جاتا ہے؛ کہ یہ سنت سے عدم دل چسپی اور بے رغبتی کی علامت ہے۔<sup>(۳)</sup>

(۵) مذکورہ کام کرنے والا فاسق ہے اور فاسق کی اذان مکروہ ہے۔ (مجمع الانہر جلد ۱ صفحہ ۷۸)<sup>[۲]</sup>

(۶) سجدہ صحیح ہونے کے لیے پاؤں کی انگلیوں کا تھوڑی دیر کے لیے زمین پر رکھنا ضروری ہے؛

= الإطلاق قال ط: لكن قوله رجلاه إلى القبلة غير مسلم لما نصوا عليه من الكراهة اهـ ومفاد كلام الشارح ترجيح هذا الاستدراك والظاهر أن مثل النوم الأكل والشرب إذا لم يشغل المسجد ولم يلوثه لأن تنظيفه واجب كما مر لكن قال في متن الوقاية: ويأكل أي المعتكف ويشرب وينام ويبيع ويشترى فيه لا غيره، قال مناعلي في شرحه: أي لا يفعل غير المعتكف شيئا من هذه الأمور في المسجد اهـ ومثله في القهستاني ثم نقل ما مر عن المجتبي. (رد المحتار على الدر المختار: ۴/۳۹۹، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) إسحاق بن أبي طلحة، حدثني أنس بن مالك - وهو عم إسحاق -، قال: بينما نحن في المسجد مع رسول الله صلى الله عليه وسلم. إذ جاء أعرابي فقام يبول في المسجد، فقال أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم: مه مه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تزمروه دعوه، فتركوه حتى بال، ثم إن رسول الله صلى الله عليه وسلم دعاه، فقال له: إن هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا البول، ولا القذر إنما هي لذكر الله عز وجل، والصلاة وقراءة القرآن، أو كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: فأمر رجلا من القوم فجاء بدلو من ماء فشنه عليه. (الصحيح لمسلم: ۱/۱۳۸، رقم الحديث: ۱۰۰-۲۸۵)، كتاب الطهارة، باب وجوب غسل البول وغيره من النجاسات إذا حصلت في المسجد، وأن الأرض تطهر بالماء، من غير حاجة إلى حفرها، ط: ديوبند)

تطهير النجاسة من بدن المصلي وثوبه والمكان الذي يصلي عليه واجب. هكذا في الزاهدي في باب الأنجاس.

(الفتاوى الهندية: ۱/۵۸، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الأول في الطهارة وستر العورة، ط: دار الفكر)

(۳) والسنة نوعان: سنة الهدي، وتركها يوجب إساءة وكراهية كالجماعة والأذان والإقامة ونحوها. — سنة الزوائد، وتركها لا يوجب ذلك كسير النبي - عليه الصلاة والسلام - في لباسه وقيامه وقعوده. . . السنة هي الطريقة المسلوكة في الدين، فهي في نفسها عبادة. . . ولما لم تكن من مكملات الدين وشعائره سميت سنة الزوائد، بخلاف سنة الهدي، وهي السنن المؤكدة القريبة من الواجب التي يضلل تاركها؛ لأن تركها استخفاف بالدين. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۱۰۳، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، مطلب في السنة وتعريفها، ط: بيروت)

[۲] (وكره أذان الفاسق) لعدم الاعتماد ولكن لا يعاد. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - داماد أفندي

(م: ۷۸-۱۰۷)، ۱/۷۸، باب الأذان، صفة الأذان، ط: دار إحياء التراث العربي)

صورت مسئلہ میں یہ بات متحقق ہوتی ہے؛ اس لیے نماز تو ہو جائے گی؛ لیکن پاؤں اونچا نیچا کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔<sup>(۵)</sup>

(۷) گاؤں والے اپنے حالات سے بہ خوبی واقف ہیں، وہ اپنی مالی حالت کو سمجھ سکتے ہیں، اگر ان کے پاس زیادہ تنخواہ دینے کی طاقت و گنجائش ہو، تو نیک و صالح امام و مؤذن کا انتخاب کریں، تاکہ گاؤں کے بچوں کی تعلیم و تربیت اچھی ہو اور اگر تنخواہ دینے کی گنجائش نہ ہو، صالح آدمی کو رکھنے کی وسعت نہ ہو، تو کہیں ایسا نہ ہو موجودہ امام و مؤذن کو علاحدہ کرنے کی وجہ سے مسجد و مدرسہ ویران و برباد ہو جائے اور تعلیم دینے والا کوئی آدمی نہ ہو؛ اس لیے سوچ سمجھ کر کام کریں۔

(۸) امام اگر سوال میں تحریر کردہ کیفیت کے ساتھ کرتا ہے، تو اس طرح قرآن شریف پڑھنا صحیح نہیں ہے، امام اگر شرعی مسائل کی خلاف ورزی کرتا ہے، تو متولیان کی ذمہ داری ہے کہ وہ امامت کی ذمہ داری کسی نیک، متقی، مسائل سے واقف عالم باعمل شخص کے حوالہ کرے؛ لیکن اگر مقتدیوں نے ایسے امام کے پیچھے بھی نماز پڑھ لی، تو نماز ہو جائے گی، متولی اور امام گنہگار ہوں گے، مقتدی کو جماعت کا ثواب مل جائے گا۔<sup>(۶)</sup>

(۹) آپ کی شکایتوں کا حل متولی امام اور گاؤں کے دو سمجھ دار آدمی بیٹھ کر نکالیں، تو ممکن ہے۔

(۱۰) ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے، متولی کی ذمہ داری ہے، نیک آدمی کو امامت کی ذمہ داری سپرد کریں، بہر حال جماعت کا ثواب مل جائے گا۔<sup>(۷)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۵۷] سیاہ خضاب لگانے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا

۷۵۲- سوال: داڑھی میں سیاہ خضاب لگانا کیسا ہے؟ اور سیاہ خضاب لگانے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

سیاہ خضاب مجاہد کے لیے لگانا جائز ہے، تاکہ دشمن یہ نہ سمجھے کہ میرا مقابل بوڑھا ہے؛ بل کہ یہ سمجھے

(۵) ویکفیہ وضع أصبع واحدة، فلو لم يضع الأصابع أصلا، ووضع ظهر القدم فإنه لا يجوز. (البحر الرائق: ۵۵۶/۱،

کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الكتاب دیوبند)

(۶-۷) قد تقدم مرارا.

کہ مقابل میں مضبوط نوجوان ہے، اسی طرح اگر جوان عورت ہو اور وہ اپنے شوہر کو جوان دیکھنا چاہتی ہو تو جوان عورت کے شوہر کے لیے جوان عورت کی وجہ سے خضاب لگانا جائز ہے، ورنہ جائز نہیں ہے۔  
جو امام بلا وجہ، صرف فیشن کی خاطر خضاب لگائے، اس کو امام نہیں بنانا چاہیے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۵۸] اجنبیہ کی شرم گاہ سے شرم گاہ ملانے والے کی امامت

۷۵۳- سوال: غیر شادی شدہ عاقل و بالغ لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کی شرم گاہ کو ایک ساتھ مس کریں، دخول نہ ہو، تو وہ زانی ہوں گے یا نہیں؟ اور مذکورہ آدمی کے پیچھے کوئی شخص جماعت کے ساتھ نماز پڑھے، تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

### الجواب حامدًا ومصليًا:

شوہر و بیوی کے علاوہ کسی اور کا اس طرح کرنا حرام ہے، زنا کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آنکھ بھی زنا کرتی ہے، ہاتھ اور پاؤں بھی زنا کرتے ہیں۔<sup>(۲)</sup> شرم گاہ کا شرم گاہ میں داخل کرنا یہ بھی زنا ہے؛ اس لیے مذکورہ فعل حرام ہے، اس کا مرتکب فاسق ہے، تو بہ نہ کرے، تو اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) يستحب للرجل خضاب شعره ولحيته ولو في غير حرب في الأصح، والأصح أنه - عليه الصلاة والسلام - لم يفعله، ويكره بالسواد، وقيل: لا، مجمع الفتاوى، (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله ويكره بالسواد) أي لغير الحرب. قال في الذخيرة: أما الخضاب بالسواد للغزو؛ ليكون أهيب في عين العدو فهو محمود بالاتفاق، وإن ليزين نفسه للنساء فمكروه، وعليه عامة المشايخ، وبعضهم جوزه بلا كراهة روي عن أبي يوسف أنه قال: كما يعجبني أن تتزين لي يعجبها أن أتزين لها. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/۲۲۲، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، فرع يكره إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم يتخطر قارب الناس، وانظر: ۶/۵۶۶، ۷/۳۴، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۵/۳۵۹، الباب العشرون في الزينة واتخاذ الخادم للخدمة، ط: دار الفكر ☆ المحيط البرهاني - ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۵/۳۷۷، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الحادي والعشرون في الزينة، واتخاذ الخادم للخدمة، ت: عبد الكريم سامي الجندی، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۲) عن ابن مسعود، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: " العينان تزنيان، واليدان تزنيان، والرجلان تزنيان، والفرج يزني ". (مسند الإمام أحمد بن حنبل (م: ۲۳۱هـ): ۷/۲۸، رقم الحديث: ۳۹۱۲، ت: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة ☆ سنن أبي داود: ...، رقم الحديث: ۲۱۵۲، ۲۱۵۳، ۲۱۵۴، كتاب النكاح، باب ما يؤمر به من غض البصر، عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، ط: ...)

## [۵۹] گورنمنٹ سے اپنی تنخواہ چھپانے والے کی امامت

۷۵۴-سوال: زید لندن میں رہتا ہے، یہاں کی حکومت بیمار اور بیکار شخص کو طے شدہ رقم دیتی ہے، لیکن اس رقم سے اس کا بہ مشکل گزارہ ہوتا ہے، وہ مسجد میں امامت کی خدمت بھی انجام دیتا ہے اور مدرسے میں تعلیم بھی، مدرسہ کی جو کچھ تنخواہ دوسرے اساتذہ کو ملتی ہے، وہ بھی لیتا ہے؛ البتہ امامت کے فرائض فی سبیل اللہ انجام دیتا ہے، وہ صرف ناظرہ کیے ہوا ہے، البتہ کچھ وجوہات کی بنا پر حکومت کو اس کی اطلاع نہیں دیتا کہ وہ مدرسے سے بھی رقم لیتا ہے، بعض وجہ یہ ہے: محلے کا چھوٹا ہونا، آمدنی کم ہونا۔

اگر وہ شخص مدرسے کی تنخواہ سے حکومت کو مطلع کر دے، تو دوسرے اساتذہ کی بھی پکڑ ہوگی اور محلہ کو حکومتی ٹیکس ادا کرنا پڑے گا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید امامت کی خدمت انجام دے سکتا ہے یا نہیں اور جو نماز اس نے پڑھائی ہے، کیا ان کا اعادہ تو ضروری نہیں؟

### الجواب حامدا ومصليا:

زید امامت کی تنخواہ مذکورہ مصلحت کی بنا پر نہیں لیتا ہے اور مدرسے کی تنخواہ کی خبر مذکورہ مصلحت کی بنا پر گورنمنٹ میں نہیں کرتا ہے، تو اگر گورنمنٹ کے ساتھ دغا بازی نہ ہو، تو حرج نہیں اور ان کی امامت بلا کراہت جائز ہوگی؛ لیکن اگر حکومت کے ساتھ دغا بازی ہو رہی ہو، تو جائز نہیں ہے۔ ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے، البتہ اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۚ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۗ (۲۳- المؤمنون: ۵۱)

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْخِلُوا بِهَا إِلَى الْحُكْمِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۗ (۲- البقرة: ۱۸۸)

وقال سعيد بن جبیر، والضحاك: {كلوا من الطيبات} يعني: الحلال. (تفسير القرآن العظيم- ابن كثير القرشي، الدمشقي (م: ۷۷۷-هـ): ۷۷۷/۴، سورة المؤمنون: ۵۱، ت: سامي بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع)

عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أيها الناس، إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا، وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين، فقال: {يا أيها الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحا، إني بما تعملون عليم} [المؤمنون: ۵۱] وقال: {يا أيها الذين آمنوا كلوا من طيبات ما رزقناكم} [البقرة: ۱۷۲] ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر، يمد يديه إلى السماء، يارب، يارب، ومطعمه حرام، ومشربه حرام، وملبسه حرام، وغذي بالحرام، فأني يستجاب لذلك؟". (الصحيح لمسلم: ۱/۲۹۲، رقم الحديث: ۶۵- (۱۰۱۵)، كتاب الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب

الطيب وتربيتها، ط: مختار ايند كمنبي - ديوبند)

مزید دیکھیے عنوان: فاسق کی امامت سے متعلق کچھ احکام۔

[۶۰] مقتدی کا ایسے امام کی اقتدا کرنا، جس کی عیب جوئی میں وہ لگا رہے

۷۵۵- سوال: اگر امام سے مقتدی ناراض ہے اور وہ ہر وقت امام کی عیب جوئی میں لگا ہوا ہے تو

اس امام کی اقتدا میں ایسے مقتدی کی نماز ہوگی یا نہیں؟

**الجواب حامد اومصلیا:**

اگر کسی دنیوی وجہ کی بنا پر مقتدی امام سے ناراض ہو اور امام کی عیب جوئی میں لگا رہے، تو یہ فعل حرام ہے کسی کے درپے رہنے والے کے لیے بہت سی وعیدیں وارد ہوئی ہیں، کسی مسلمان کا اپنے مسلمان بھائی کی عیب جوئی میں لگ جانا اور اسی میں شب و روز گزارنا حرام ہے، اگر کوئی عیب نظر بھی آجائے تو اس کو پوشیدہ رکھنے کی آپ ﷺ نے نصیحت فرمائی ہے۔<sup>(۱)</sup>

اگر واقعاً امام میں کوئی عیب شرعی ہو، کسی حکم شریعت پر عمل نہ کرتا ہو، تو ایسی حالت میں ذمہ داروں کو مطلع کر کے امام کو متوجہ کیا جائے، ذمہ داروں کے توجہ دلانے کے باوجود وہ (امام) گناہ سے باز نہ آئیں، تو انہیں امامت سے معزول کر دیا جائے، کیوں کہ فاسق کو امام بنانا مکروہ ہے۔<sup>(۲)</sup>

جو شخص امام کی عیب جوئی میں لگا رہے، اگر وہ اسی امام کی اقتدا میں نماز پڑھتا ہے، تو نماز ہو جائے گی۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) عن ابن عمر قال: صعد رسول الله صلى الله عليه وسلم المنبر فنادى بصوت رفيع، فقال: يا معشر من أسلم بلسانه ولم يقض الايمان الى قلبه، لا تؤذوا المسلمين ولا تعيروهم ولا تتبعوا عوراتهم، فإنه من تتبع عورة أخيه المسلم تتبع الله عورته، ومن تتبع الله عورته يفضحه ولو في جوف رحله، قال: ونظر ابن عمر يوم الى البيت أو الى الكعبة فقال: ما أعظمك وأعظم حرمتك، والمؤمن أعظم حرمة عند الله منك. (سنن الترمذي: ۲/۲۳، رقم الحديث: ۲۰۳۲، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في تعظيم المؤمن، ط: مختار ايند كمپني - ديوبند)

(۲) قد تقدم مرارا.

(۳) کہ اس کے گمان کے مطابق زیادہ سے زیادہ وہ شخص فاسق ہوگا، جب کہ نبی کریم ﷺ نے ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور جماعت سے علاحدگی کو ناپسند فرمایا ہے:

صلوا خلف كل بر و فاسق. (سنن الدارقطني - أبو الحسن علي بن عمر، البغدادي الدارقطني (م: ۳۸۵-): ۲/۲۰۳، رقم الحديث: ۱۷۶۸، كتاب العيدين، باب صفة من تجوز الصلاة معه والصلاة عليه، ت: شعيب الارنؤوط وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت)

وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد؛ لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

## [۶۱] سے شخص کی امامت، جو کرکٹ ٹیم کا کپتان ہو

۷۵۶-سوال: ہمارے گاؤں میں امام صاحب کرکٹ ٹیم کے کپتان ہیں اور ہر اعتبار سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، ابھی کچھ دنوں قبل اطراف کے دیہاتوں کا کرکٹ راؤنڈ (Cricket Raund) کھیلا گیا تھا، جس میں ٹیم (Team) کی حوصلہ افزائی کے لیے ایک جلسہ منعقد ہوا تھا، اس جلسہ کی تصاویر خود امام صاحب نے لی تھی، اسی طرح اس جلسہ کی ابتدا قرآن پاک کی تلاوت سے کی گئی تھی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ کرکٹر (Cricketer) اور تصویر کھینچوانے والے کی اقتداء میں نماز جائز ہے، مذکورہ امام امامت کے لائق ہے؟ کیا مذکورہ جلسے میں تلاوت کرنا اور کرنا جائز ہے؟ مذکورہ امام صاحب کو معزول کرنے کے لیے گاؤں کے اہم ذمہ داران کو توجہ دلائی گئی؛ لیکن ذمہ داروں کی اکثریت امام کے عزیز واقارب کی ہے؛ اس لیے کوئی کچھ نہیں بولتا ہے، ایسے حالات میں ذمہ دار حضرات کی کیا ذمہ داری ہے؟ باخبر مصلیان کرام کیا کریں؟ نماز پڑھیں یا نہیں؟ کیا پڑھی ہوئی نماز پھر سے دھرائیں؟ یا ذمہ داروں پر بوجھ رہے گا؟ مینواتو جروا۔

### الجواب حامد او مصليا:

مسجد کے متولیان کی اہم ذمہ داری یہ ہے کہ امامت کے لیے دین دار، پابندِ صوم و صلاة عالم کا انتخاب کرے، اگر ذمہ داران، مذکورہ ذمہ داری ادا نہیں کریں گے، تو گنہگار ہوں گے۔<sup>(۱)</sup>

قیامت کے دن ایسے خائن ذمہ داروں کا حشر خیانت کے علم کے ساتھ ہوگا، اس علم (جھنڈا) کی وجہ سے لوگ جان لیں گے کہ ان لوگوں نے اپنی ذمہ داری ادا نہیں کی تھی، ذمہ داری بڑی ہوگی، تو پرچم بھی بڑا ہوگا۔ (الحديث [۲])

دوسری حدیث میں ہے کہ تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کے متعلق

(۱) لو قد مومنا فاسقائتمون بناء أعلى أن كراهة تقديمه كراهة تحريم؛ لعدم اعتناؤه بأمر دينه. (حلبی كبر - إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶ھ)، ص: ۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی - لاہور)

[۲] عن أبي سعيد، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لكل غادر لواء يوم القيامة، يرفع له بقدر غدره، ألا ولا غادر أعظم غدرًا من أمير عامة. (الصحيح لمسلم: ۸۳/۲، رقم الحديث: ۱۶- (۱۷۳۸)، كتاب الجهاد والسير، باب تحريم الغدر، ط: ديوبند)

پوچھا جائے گا۔<sup>(۳)</sup>

آج ذمہ دار کو جاہ و مال یا شہرت یا طاقت کے خوف سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، قیامت کے دن ایسے متکبروں کا تکبر اتر جائے گا اور اللہ کے یہاں ان کو جواب دینا پڑے گا۔

سوال میں امام کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں، اگر وہ واقعی صحیح ہیں، تو ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ ہے، اس مسئلے کی خبر ذمہ داروں کو کی جائے۔ اگر ذمہ دار ایسے فاسق امام کو نہیں بدلتے، تو مجبوراً ان کی اقتدا میں نماز پڑھنے سے مقتدیوں کو جماعت کا ثواب حاصل ہو جائے گا اور امام اور ذمہ دار حضرات گنہ گار ہوں گے۔

گناہ کے جلسوں میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا گناہ اور قرآن شریف کی بے عزتی ہے، ایسی صورت میں ایمان سے خارج ہو جانے کا خطرہ ہے؛ لہذا توبہ و استغفار کر کے آئندہ ایسا نہ کرنے کے متعلق اللہ سے عہد کرنا چاہیے۔<sup>(۴)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۶۲] فلم دیکھنے والے شخص کی امامت

۷۵۷- سوال: جو حافظ فلم دیکھتا ہو، اس کے پیچھے تراویح جائز ہے یا نہیں، اگر مکروہ ہے، تو

مکروہ تنزیہی یا تحریمی؟

**الجواب حامداً ومصلياً:**

امامت، فرائض کی ہو یا تراویح کی؛ اہم ذمہ داری ہے، امام مقتدیوں کا نمائندہ ہوتا ہے؛ لہذا عادل

متبع السنن، متقی، پرہیزگار کو امام بنایا جائے۔<sup>(۱)</sup>

(۳) عن عبد الله، قال النبي صلى الله عليه وسلم: كلكم راع وكلكم مسئول، فالإمام راع وهو مسئول، والرجل راع على أهله وهو مسئول، والمرأة راعية على بيت زوجها وهي مسئولة، والعبد راع على مال سيده وهو مسئول، ألا فكلكم راع وكلكم مسئول. (صحيح البخاري: ۷۹/۲، رقم الحديث: ۵۱۸۸، كتاب النكاح، باب: قوا أنفسكم وأهليكم ناراً، ط: البدر - ديوبند)

(۴) مزید تفصیل و تخریج کے لیے دیکھیے فتاویٰ فلاحیہ کی پہلی جلد کا عنوان: ”سودی بینک کا افتتاح قرآن خوانی سے کرنا“، باب الکفریات، مسئلہ نمبر: ۱۶۱، ص: ۲۹۷۔

(۱) الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة. هكذا في المضمرة وهو الظاهر. هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا في التبیین ولم يطعن في دينه. كذا في الكفاية وهكذا في النهاية. =



گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والوں کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے؛ لہذا متولیان کے لیے لازم ہے کہ فاسق و فاجر اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کو امامت کا منصب حوالے نہ کرے۔

اگر متولی حضرات ایسے شخص کو امام بنائیں گے، تو گنہ گار ہوں گے۔<sup>(۲)</sup>

فلم دیکھنے والا فاسق و فاجر ہے۔<sup>(۳)</sup> اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔<sup>(۴)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= ويجتنب الفواحش الظاهرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۳، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، مكتبة زكريا- ديوبند ☆ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع- علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ): ۱/ ۱۵۷، كتاب الصلاة، فصل بيان من هو أحق بالإمامة وأولى بها، ط: دار الكتب العلمية ☆ تحفة الفقهاء- أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو: ۵۴۰ھ): ۱/ ۲۳۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۲) لو قدموا فاسقا يأمون ببناء أعلى أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، لعدم اعتنائه بأمور دينه. (حلبی کبیر - إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶ھ)، ص: ۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سبيل الكيومي - لاہور)

[۳] (وكل لهو) لقوله - عليه الصلاة والسلام - : كل لعب ابن آدم حرام... الحديث. وفي البزازية: استماع صوت الملاهي معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر أي بالنعمة. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - داماد أفندي (م: ۱۰۷۸ھ): ۲/ ۵۵۳، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ الاختيار لتعليل المختار - ابن مودود الموصلي (م: ۶۸۳ھ): ۴/ ۱۶۵، كتاب الكراهية، فصل في مسائل مختلفة، ت: الشيخ محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة)

(۴) تقدم تخريجه مرارا.



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عن أبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: والذي نفسي بيده لقد هممت أن أمر بحطب، فيحطب، ثم أمر بالصلاة، فيؤذن لها، ثم أمر رجلا فيؤم الناس، ثم أخالف إلى رجال، فأحرق عليهم بيوتهم، والذي نفسي بيده لو يعلم أحدهم، أنه يجد عرقا سمينا، أو مرماطين حسنتين، لشهد العشاء.

(بخاری شریف: ۸۹/۱، حدیث نمبر: ۶۳۳، دیوبند)

## باب الجماعة

[جماعت کا بیان]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب الجماعة

### [جماعت کا بیان]

[۱] ترک جماعت کی عادت بنا لینا

۷۵۸-سوال: ایک شخص کی بازار میں سائیکل کی دکان ہے، وہ دن کی دو یا تین نمازیں تنہا پڑھ لیتا ہے؛ کیوں کہ جماعت کے وقت گا ہک زیادہ ہوتے ہیں اور یہ کہتا ہے کہ تنہا نماز پڑھنا بھی صحیح ہے۔ یہ سلسلہ کافی دنوں سے جاری ہے، تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

(۲) ایک شخص ایسی جگہ پر ملازمت کرتا ہے، جہاں اس کی روزانہ تین یا چار نمازیں قضا ہو جاتی ہیں، تو کیا اس طرح ملازمت کو عذر بنا کر نماز قضا کرنا صحیح ہے؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

(۱) حنفی مسلک کے مطابق جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے، بعض حضرات کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ وجوب کے قائلین کا کہنا ہے کہ جو لوگ جماعت کو سنت قرار دیتے ہیں، اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ واجب، سنت سے ثابت ہے، کبیری میں لکھا ہے کہ واجب ہے۔ (صفحہ ۷۴۷) [۱]

(۱) وقال محمد في الأصل: اعلم أن الجماعة سنة مؤكدة لا يرخص التارك فيها إلا بعذر مرض أو غيره. وأول هذا الكلام يفيد السنية و آخره يفيد الوجوب، وهو الظاهر، ففي الغاية: قال عامة مشائخنا أنها واجبة، وفي المفيد: أنها واجبة، وتسميتها سنة لوجوبها بالسنة، وفي البدائع: تجب على العقلاء البالغين الاحرار القادرين على الجماعة من غير حرج، انتهى. ————— والأدلة تدل على الوجوب، منها ما في الصحيحين و اللفظ لمسلم عن أبي هريرة أنه عليه السلام قال: ولقد هممت أن أمر بالصلاة، فنتقام، ثم أمر رجلا فيصلي بالناس، ثم أنطلق معي برجال معهم حزم من حطب إلى قوم لا يشهدون الصلاة، فأحرق عليهم بيوتهم بالنار.... فهذه الأدلة =

عالمگیری میں بدائع اور بعض کتابوں کے حوالے سے منقول ہے کہ آزاد، عاقل بالغ تندرست مختصر جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے۔<sup>(۲)</sup>

شمس الأئمة حلوانی نے لکھا ہے کہ قدم سے اذان کا جواب دینا (یعنی جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے مسجد جانا) واجب ہے، اگر صرف زبان سے جواب دے گا تو جواب دینا شمار نہ ہوگا۔ (خلاصۃ الفتاویٰ: ۵۰/۱)<sup>[۳]</sup>

علامہ زاہدی تحریر فرماتے ہیں کہ ترک جماعت کے متعلق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سخت وعیدیں اور سزا بیان فرمائی ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے۔<sup>(۳)</sup>

=أدنی ما يثبت بها الوجوب، وتسمية محمد لها سنة لا ينافيه؛ لأنه يطلق السنة كثير اعلی ما يجب بالسنة، كما اطلق على صلاة العيد أنها سنة... مع أنها واجبة على الأصح؛ لان وجوبها بالسنة... وكذلك الأحكام تدل على الوجوب، من أن تاركها من غير عذر يعزر، و ترد شهادته، و يأثم الجيران بالسكوت عنه، و هذه كلها أحكام الواجب... وهذه الأحكام المذكورة مما استدل به على الوجوب مقيد بالمدوامه على الترك، كما هو ظاهر قوله عليه السلام: لا يشهدون الصلاة. (حلبی کبیر - ابراهیم بن محمد الحلبي (م: ۹۵۶ھ)، ص: ۴۳۸-۴۳۹، کتاب الصلاة، فصل في الإمامة، ط: دار الكتاب - ديوبند)

(۲) الجماعة سنة مؤكدة. كذا في المتون والخلاصة والمحيط ومحيط السرخسي، وفي الغاية قال عامة مشايخنا: إنها واجبة، وفي المفيد: وتسميتها سنة لوجوبها بالسنة، وفي البدائع: تجب على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج. (الفتاوى الهندية: ۱/۸۲، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الأول في الجماعة، ط: دار الفكر - بيروت)

قال ابن نجيم المصري: (الجماعة سنة مؤكدة) أي قوية تشبه الواجب في القوة، والراجح عند أهل المذهب الوجوب، ونقله في البدائع عن عامة مشايخنا، وذكر هو وغيره أن القائل منهم أنها سنة مؤكدة ليس مخالفا في الحقيقة بل في العبارة؛ لأن السنة المؤكدة والواجب سواء خصوصا ما كان من شعائر الإسلام، ودليله من السنة المواظبة من غير ترك مع التكبير على تاركها بغير عذر في أحاديث كثيرة. (البحر الرائق: ۱/۳۶۵، باب الإمامة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۳] ومن سمع الأذان، فعليه أن يجيب... قال شمس الأئمة الحلواني: الإجابة بالقدم لا باللسان، حتى لو أجاب باللسان ولم يمش إلى المسجد لا يكون مجيبا. (خلاصۃ الفتاوی - طاهر بن أحمد بن عبد الرشيد البخاري (م: ۵۴۲ھ) ۱/۵۰، کتاب الصلاة، الفصل الأول في الأذان، ط: المكتبة الأثرية - ديوبند)

(۳) (والجماعة سنة مؤكدة للرجال) قال الزاهدي: أرادوا بالتأكيد الوجوب إلا في جمعة وعيد فشرط. وفي الترويح سنة كفاية. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله قال الزاهدي الخ) توفيق بين القول بالسنة والقول بالوجوب الآتي، وبيان أن المراد بهما واحد أخذ من استدلالهم بالأخبار الواردة بالوعيد الشديد بترك الجماعة. وفي النهر عن المفيد: الجماعة واجبة، وسنة لوجوبها بالسنة وهذا كجوابهم عن رواية سنينة الوتر بأن وجوبها ثبت بالسنة. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۵۲، باب الإمامة، مطلب شروط الإمامة الكبرى، ط: دار الفكر)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہ خدا میرا جی چاہتا ہے کہ میں نماز کا باجماعت انتظام کر کے بعض لوگوں کو لے جا کر ایندھن جمع کروں اور جو لوگ نماز میں حاضر نہیں ہوئے ہیں، ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔ (مفہوم حدیث، بخاری شریف) [۵]

اس کے علاوہ بہت سی روایات میں جماعت سے نماز پڑھنے کے متعلق تاکید وارد ہوئی ہے، جس کی وجہ سے علما کرام نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو واجب قرار دیا ہے؛ اس لیے جو شخص بغیر عذر کے جماعت ترک کر دے، وہ گنہگار ہے، اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، پڑوسی اگر ایسے شخص کو نصیحت نہیں کریں گے تو وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ (البحر الرائق: ۱/۳۴۵ ☆ کبیری، ص: ۷۵: ۴) [۶]

اس لیے دکان دار نے تجارت کی حرص میں جماعت ترک کرنے کی جو عادت بنالی ہے اور ۲-۳ نماز جماعت سے نہیں پڑھتا، تو وہ فسق کا کام کرتا ہے، اس کی شہادت قبول کیے جانے کے لائق نہیں، آپ جیسے لوگ مبارک بادی کے قابل ہیں کہ ان کو نصیحت کرنے لیے جواب طلب کر رہے ہیں، تاکہ انھیں سمجھا سکیں، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔ اور آپ کی محنت کو قبول فرمائے، آمین۔

(۲) جس نوکری یا کام دھندھے کی وجہ سے دو، تین نمازیں قضاء ہوتی ہوں، تو ایسا کام کرنا جائز نہیں ہے، حرام ہے؛ اس لیے دوسری نوکری تلاش کر کے اس کو ترک کر دینا ضروری ہے۔ (۷) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

[۵] عن أبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: والذي نفسي بيده لقد هممت أن أمر بحطب، فيحطب، ثم أمر بالصلاة، فيؤذن لها، ثم أمر رجلا فيؤم الناس، ثم أختلف إلى رجال، فأحرق عليهم بيوتهم، والذي نفسي بيده لو يعلم أحدهم، أنه يجدر عفا سميناً، أو مرتين حسنتين، لشهد العشاء. (صحيح البخاري: ۱/۸۹، رقم الحديث: ۶۳۴، كتاب الأذان، باب وجوب صلاة الجماعة، ط: مختار ايند کمپنی - ديوبند)

[۶] وذكر في غاية البيان معزيا إلى الأجناس أن تارك الجماعة يستوجب إساءة ولا تقبل شهادته إذا تر كها استخفافا بذلك ومجانة. (البحر الرائق: ۱/۳۶۵ ☆ حلبی کبیر، ص: ۲۳۹)

(۷) ایسی ملازمت کرنا، جس میں کبھی ترک جماعت بغیر کام نہ چلے منع ہے، اس کو چاہیے کہ کوئی دوسری ملازمت یا گذران کی دوری صورت اختیار کرے، جو ادائے فرض و سنن میں حارج نہ ہو، اور جب ملازمت مل جائے، تو موجودہ ملازمت کو ترک کرے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶/۴۱۴، سوال نمبر: ۲۸۳۸، باب الجماعت، ملازمت کی وجہ سے ترک جماعت، ط: زکریا - دیوبند)

## [۲] جماعت کے وقت مسجد کے صحن میں سنت فجر پڑھنا

۷۵۹-سوال: مسجد کا صحن اگر مسجد شرعی میں داخل ہو، تو جماعت کھڑی ہونے کے بعد اس

کے صحن میں سنت فجر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ جماعت کھڑی ہونے کی حالت میں مسجد کے اندر سنتیں پڑھنا مکروہ تحریمی

ہے، یہ مسئلہ صحن مسجد پر صادق آئے گا یا نہیں؟

## الجواب حامدًا ومصلياً:

فجر کی فرض نماز ہو رہی ہو، ایسے وقت میں اگر کوئی شخص فجر کی سنت گھر سے پڑھے بغیر پہنچے، تو وہ دیکھے کہ اگر سنت فجر پڑھنے سے جماعت فوت ہو جانے کا خطرہ ہو، تو جماعت میں شریک ہو جائے اور طلوع شمس کے کچھ دیر بعد سنت پڑھ لے اور اگر جماعت کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو، تو مسجد کے قریب کسی حجرہ میں یا صحن مسجد میں سنت ادا کر لے، پھر جماعت میں شریک ہو جائے۔<sup>(۱)</sup>

(۱) (وإذا خاف فوت) رکعتی (الفجر لا اشتغاله بستها تر کہا) لكون الجماعة أكمل (والإلا) بأن رجاء إدراك ركعة في ظاهر المذهب. وقيل التشهد واعتمده المصنف والشربلالي تبعاً للبحر، لكن ضعفه في النهج (لا) يتر کہا بل يصلیها عند باب المسجد إن وجد مكاناً وإلا تر کہا لأن ترك المکره مقدم علی فعل السنة. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله عند باب المسجد) أي خارج المسجد كما صرح به القهستاني. وقال في العناية لأنه لو صلاها في المسجد كان متفلاً فيه عند اشتغال الإمام بالفريضة وهو مکره، فإن لم يكن علی باب المسجد موضع للصلاة يصلیها في المسجد خلف سارية من سوارى المسجد، وأشدّها كراهة أن يصلیها مخالطاً للصف مخالفاً للجماعة والذي يلي ذلك خلف الصف من غير حائل هو مثله في النهاية والمعراج.

(قوله وإلا تر کہا) قال في الفتح: وعلى هذا أي علی كراهة صلاتها في المسجد ينبغي أن لا يصلی فيه إذا لم يكن عند بابها مكان لأن ترك المکره مقدم علی فعل السنة. غير أن الكراهة تنفوت، فإن كان الإمام في الصیفی فصلاته إياها في الشتوي أخف من صلاتها في الصیفی وعكسه، وأشد ما يكون كراهة أن يصلیها مخالطاً للصف كما يفعله كثير من الجهلة. اهـ.

والحاصل أن السنة في سنة الفجر أن يأتي بها في بيته، وإلا فإن كان عند باب المسجد مكان صلاها فيه، وإلا صلاها في الشتوي أو الصیفی إن كان للمسجد موضعان، وإلا فخلف الصفوف عند سارية، لكن فيما إذا كان للمسجد موضعان والإمام في أحدهما، ذكر في المحيط أنه قيل لا يكره لعدم مخالفة القوم، وقيل يكره لأنهما مكان واحد. قال: فإذا اختلف المشايخ فيه فالأفضل أن لا يفعل. قال في النهج: وفيه إفادة أنها تنزيهية اهـ. لكن في الحلية قلت: =

بہشتی زیور میں لکھا ہوا مسئلہ غور سے پڑھ لیں۔ اس میں یہ ہے کہ ”فرض ہونے کی حالت میں جو سنتیں پڑھی جائیں، خواہ فجر کی ہوں یا کسی اور وقت کی، وہ ویسے مقام پر پڑھی جائیں، جو مسجد سے علاحدہ ہو، اس لیے کہ جہاں فرض نماز ہوتی ہو، پھر کوئی دوسری نماز وہاں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے“۔<sup>(۱)</sup> اور صحن مسجد، مسجد میں داخل نہیں ہوتا، اس لیے اس میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳] داعی کا نماز نہ پڑھنے والوں کو مارنا

۷۶۰- سوال: ہمارے یہاں ایک شخص ہے، جو دعوت کا کام کرتا ہے، اس کا کام اچھی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، وہ لوگوں کو نماز کی دعوت دیتا ہے، تو بہت سے نماز کے لیے آجاتے ہیں، مگر کچھ لوگ نہیں آتے ہیں تو کیا نہ آنے والوں کو تنبیہاً مار سکتا ہے؟ بینو اتو جروا۔

#### الجواب حامدًا ومصلياً:

شریعت نے جو حدود بیان کی ہے، اس پر عمل ضروری ہے، اس سے تجاوز جائز نہیں، باپ اپنی اولاد کو یا استاذ و مہتمم اپنے شاگردوں اور ماتحتوں کو اور (ایک قول کے مطابق) شوہر اپنی بیوی کو نماز نہ پڑھنے پر تادیباً مار سکتا ہے، اس کے علاوہ مبلغ و داعی کسی عامی شخص کو مارے گا، تو بہ جائے فائدہ کے نقصان ہوگا؛ لہذا جائز نہیں، یہ حق تو بادشاہ اور حکومت کے کارندوں کا ہے ہر کسی کو یہ حق نہیں دیا گیا، ورنہ فساد پھیل جائے گا۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= وعدم الكراهة أو جہ للآثار التي ذكرناها اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۶۲/۲-۵۷۷، كتاب الصلاة، باب إدارك الفريضة، مطلب هل الإساءة دون كراهة أو أفحش، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۳، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، ط: دار الفكر - بيروت ☆ فتح القدير - ابن الهمام (م: ۸۶۱ھ): ۱/۴۷۷، باب إدارك الفريضة، ط: دار الفكر)

(۱) بہشتی زیور: ۶۷۰، حصہ نمبر: ۱۱، مسئلہ نمبر: ۸، جماعت میں شامل ہونے نہ ہونے کے مسائل، ط: اسلامک بک سروس۔

(۲) يَلِكُ حُدُودَ اللَّهِ فَلَا تَعْتُدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ وَابَعَهُ لِنَفْسِهِ عَذَابًا أَلِيمًا. (البقرة: ۲۲۹)

(ويعزر المولى عبده والزوج زوجته... على تركها الزينة... و) تركها غسل الجنابة... (لا على ترك الصلاة) لأن المنفعة لا تعود عليه بل إليها، كذا اعتمده المصنف تبعاً للدرر على خلاف ما في الكنز والملتقى واستظهره في حظر المجتبي. (والأب يعزر الابن عليه) وقدمنا أن للولي ضرب ابن سبع على الصلاة، ويلحق به الزوج نهر. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله واستظهره) أي ما في الكنز والملتقى من أن له ضربها على ترك الصلاة، وبه قال كثير كما في البحر... (قوله والأب يعزر الابن عليه) أي على ترك الصلاة. ومثلها الصوم كما =



[۴] مسواک کرنے پر رکعت فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو، تو کیا کرے؟

۷۶۱-سوال: مغرب کی جماعت کھڑی ہوگئی ہو اور وضو کے وقت مسواک کرنے میں رکعت

فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو، تو ایسی صورت میں مسواک ترک کر کے صرف انگلی پھیرنے پر اکتفاء کرنا درست ہوگا یا نہیں؟ مسواک کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ کیا اس صورت میں مسواک کرنا ضروری ہوگا؟ وضاحت فرمائیں۔

**الجواب حامدًا ومصلياً:**

رکعت فوت ہونے پر بھی جماعت کا ثواب ملے گا، دوسری رکعت میں شرکت کر سکتا ہے، لہذا مسواک

کر کے نماز میں شریک ہونا بہتر ہے، وضوء کرتے وقت مسواک کرنا سنت ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= صرحوا به، وتعليل القنية الاتي يفيد أن الأم كالأب. والظاهر أن الوصي كذلك، وأن المراد بالابن الصغير بقريته ما بعده، أما الكبير فكالأجنبي،... (قوله ابن سبع) تبع فيه النهر، والذي قدمه في كتاب الصلاة أمر ابن سبع وضرب ابن عشر. اهـ. وهكذا ذكره القهستاني عن الملقط، والمراد ضربه بيد لا بخشبة كما تقدم هناك (قوله ويلحق به الزوج) فله ضرب زوجته الصغيرة على الصلاة كالأب، (قوله وفي القنية إلخ) وفيها عن الروضة: ولو أمر غيره بضرب عبده حل للمأمور ضربه، بخلاف الحر. — قال: فهذا تنصيص على عدم جواز ضرب ولد الأمر بأمه، بخلاف المعلم؛ لأن المأمور يضربه نيابة عن الأب لمصلحة والمعلم يضربه بحكم الملك بتملك أبيه لمصلحة الولد اهـ وهذا إذا لم يكن الضرب فاحشا كما يأتي في المتن قريبا. (رد المحتار على الدر المختار: ۴/۷۸-۷۸، كتاب الحدود، باب التعزير، ط: دار الفكر - بيروت ☆ درر الحکام شرح غرر الأحكام - ملا خسرو (م: ۸۸۵ھ): ۲/۷۷، كتاب الحدود، فصل: التعزير، قبيل كتاب السرقه، ط: دار إحياء الكتب العربية ☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ داماد أفندي (م: ۷۸۰ھ): ۱/۶۱۲، كتاب الحدود، فصل في التعزير، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لولا أن أشق على أمتي أو على الناس لأمرتهم بالسواك مع كل صلاة. (صحيح البخاري: ۱/۱۲۲، رقم الحديث: ۸۸۷، كتاب الجمعة، باب السواك يوم الجمعة، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱۲۸/۱، رقم الحديث: ۴۲-۲۵۲)، كتاب الطهارة، باب السواك، ط: البدر - ديوبند) وعن عائشة - رضي الله تعالى عنها - قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تفضل الصلاة التي يستاك لها على الصلاة التي لا يستاك لها سبعين ضعفا. (مشكاة المصابيح، ص: ۳۵، الفصل الثالث، باب السواك، ط: ياسر نديم - ديوبند)

... أن من أدرك ركعة من الظهر مثلا فقد أدرك فضل الجماعة وأحرز ثوابها كما نص عليه محمد وفاقا لصاحبيه، وكذا لو أدرك التشهد يكون مدر كالفصيلتها على قولهم. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۵۶، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، ط: زكريا - ديوبند)

## [۵] عورتوں کا پردے کے ساتھ مسجد میں تراویح پڑھنا

۷۶۲-سوال: کیا عورتوں کا رمضان المبارک میں ایسی مسجد میں تراویح پڑھنا درست ہے، جہاں مکمل پردہ کا نظم کیا گیا ہو، اس طور پر کہ مرد عورت کو نہ دیکھ سکیں اور نہ ہی عورتیں مردوں کو دیکھ سکیں۔ بیوقوفوں کو جو روا۔

## الجواب حامدا ومصليا:

موجودہ دور فتنہ و فساد کا دور ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجودہ زمانے کی عورتوں کو دیکھ لیتے، تو ان کو مسجد میں آنے سے منع فرما دیتے۔<sup>(۱)</sup>

حضرت عمرؓ کی دلی تمنا تھی کہ ان کی عورتیں مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے نہ جائیں؛ اس لیے علماء کرام نے موجودہ دور فتن میں عورتوں کو مسجد میں جا کر نماز ادا کرنے کی -خواہ پردے کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو- اجازت نہیں دی ہے، اور ان کی مسجد میں حاضری اور نماز کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔<sup>(۲)</sup> عورتیں

(۱) عن عمرة بنت عبد الرحمن، أنها سمعت عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم تقول: لو أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى ما أحدث النساء، لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل. قال: فقلت لعمرة: أنساء بني إسرائيل ممنع المسجد؟ قالت: نعم. (صحيح البخاري: ۱/۱۲۰، رقم الحديث: ۸۶۹، كتاب الأذان، باب خروج النساء إلى المساجد بالليل والغلس، ط: البدر - ديوبند، الصحيح لمسلم: ۱/۱۸۳، رقم الحديث: ۱۳۴-۴۴۵، كتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد... الخ، ط: البدر - ديوبند، واللفظ لمسلم)

[۲] (ويكره حضورهن الجماعة) ولو لجمعة وعيد ووعظ (مطلقا) ولو عجوزا ليلا (على المذهب) المفتى به لفساد الزمان، واستثنى الكمال بحثا العجائز والمتفانية. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۵۶۶، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - ديوبند)

ويكره لهن حضور الجماعات يعني الشواب منهن؛ لما فيه من خوف الفتنة، ولا بأس للعجوز أن تخرج في الفجر والمغرب والعشاء. (الهدية) — قال العيني: (قال: ويكره لهن حضور الجماعات) ش: أي يكره للنساء (يعني الشواب منهن) ... وهذه اللفظة ياطلاقها تناول الجمع والأعياد والكسوف والاستسقاء. وعن الشافعي: يباح لهن الخروج، (لما فيه) أي في حضورهن الجماعة (من خوف الفتنة) عليهن من الفساق، وخروجهن سبب للحرام وما يفضي إلى الحرام فحرام. وذكر في كتاب الصلوات مكان الكراهة الإساءة والكراهة فحش. قلت: المراد من الكراهة التحريم ولا سيما في هذا الزمان لفساد أهله. (البنية شرح الهداية - بدر الدين العيني م: ۸۵۵ هـ): ۲/۳۵۳، كتاب الصلاة، باب في الإمامة، حضور النساء للجماعات، ط: دار الكتب العلمية)

(قوله ولا يحضرن الجماعات) لقوله تعالى {وقرن في بيوتكن} [الأحزاب: ۳۳] وقال - صلى الله عليه وسلم -: =

اپنے گھروں میں نماز ادا کریں، یہی ان کے لیے زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۶] عورتوں کی تنہا جماعت کا حکم

۷۶۳-سوال: ایک شخص نے اپنی ذاتی زمین میں ایک مسجد بنوا لی ہے، جس کے پڑوس میں ایک اسکول ہے، نماز کے اوقات میں لڑکے تو مسجد میں آکر امام کے پیچھے باجماعت نماز ادا کر لیتے ہیں؛ لیکن لڑکیاں کیا کریں؟ وہ مسجد میں ایک طرف کونے میں مردوں سے علاحدہ ہو کر امام کی اقتدا میں نماز پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟ واضح رہے کہ اگر وہ اسکول کے کمروں میں رہ کر امام کی اقتدا کرنا چاہیں، تو کر سکتی ہیں؛ کیوں کہ وہاں لاؤڈ اسپیکر کا بھی نظم ہے؛ تاہم ایک صاحب کا کہنا ہے کہ لڑکیوں ہی میں ایک کو امام بنا دیا جائے اور دوسری لڑکیاں اس کی اقتدا میں نماز ادا کر لیں، تو کیا ان کا ایسا کہنا صحیح ہے یا غلط؟

### الجواب حامدًا ومصليًا:

فتنہ و فساد کی وجہ سے عورتوں کے لیے مسجد میں آنا جائز نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup> اسکول، مسجد سے الگ ہے؛ اس لیے وہاں اقتدا ہو ہی نہیں سکتی۔<sup>(۳)</sup>

= صلاحتها في قعر بيتها أفضل من صلاحتها في صحن دارها و صلاحتها في صحن دارها أفضل من صلاحتها في مسجدها و بيوتهن خير لهن. ولأنه لا يؤمن الفتنة من خروجهن أطلقه فشمّل الشابة والعجوز والصلاة النهارية والليلية، قال المصنف في الكافي: والفتوى اليوم على الكراهة في الصلاة كلها لظهور الفساد. (البحر الرائق: ۱/ ۳۸۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۱) عن عبد الله، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاحتها في حجرتها، وصلاحتها في مخدعها أفضل من صلاحتها في بيتها. (سنن أبي داود: ۱/ ۸۴، رقم الحديث: ۵۷۰، كتاب الصلاة، باب التشديد في ذلك، بعد: باب ما جاء في خروج النساء إلى المسجد، ط: البدر - ديوبند)

(۲) عن عمرة بنت عبد الرحمن، أنها سمعت عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم تقول: لو أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى ما أحدث النساء، لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل. قال: فقلت لعمرة: أنساء بني إسرائيل ممنع المسجد؟ قالت: نعم. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۲۰، رقم الحديث: ۸۶۹، كتاب الأذان، باب خروج النساء إلى المساجد بالليل والغلس، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۸۳، رقم الحديث: ۱۲۴-۱۲۵، كتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد... الخ، ط: البدر - ديوبند، واللفظ لمسلم)

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں عنوان ”عورتوں کا پردے کے ساتھ مسجد میں تراویح پڑھنا“ کا حاشیہ نمبر: ۳۔

(۳) (و يمنع من الاقتداء)... (طریق تجری فیہ عجلۃ) آلۃ یجرھا الثور (أو نهر تجری فیہ السفن) ولوزور قاولو فی =

(۱) نیز عورتوں کا علاحدہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا۔ کہ جس میں امام بھی خود عورت ہو۔ مکروہ ہے۔  
لہذا بہتر یہ ہے کہ لڑکیاں فرداً فرداً نماز ادا کریں۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۷] عورتوں کا رمضان میں ایک امام کی اقتدا میں تراویح ادا کرنا

۷۶۴- سوال: عام دنوں میں تو عورتیں نماز باجماعت نہیں پڑھتی ہیں؛ لیکن رمضان میں اگر کسی نامحرم امام کے پیچھے پردے کا مکمل خیال کر کے صرف نماز تراویح پڑھیں، تو کیا کوئی حرج لازم آئے گا؟  
**الجواب حامدًا ومصليًا:**

امام کے پیچھے عورتوں کا اقتدا کر کے نماز پڑھنا جائز ہے؛ لیکن پھر بھی عورتوں کا رمضان میں اور رمضان کے علاوہ دیگر ایام میں علاحدہ نماز پڑھنا ہی افضل ہے۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۸] کیا رکوع میں شامل ہونے والے مقتدی کو تکبیر تحریمہ کا ثواب ملے گا؟

۷۶۵- سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مقتدی پہلی رکعت کے رکوع میں شامل ہوا، تو اس کو تکبیر تحریمہ کا ثواب ملے گا؟ یا قیام میں شامل ہو تو ہی تکبیر تحریمہ کا ثواب ملے گا؟  
**الجواب حامدًا ومصليًا:**

اگر مقتدی پہلی رکعت کے رکوع میں شامل ہو جائے، تو صاحبین کی روایت کے مطابق اس کو تکبیر

= المسجد (أو خلاء) أي فضاء (في الصحراء) أو في مسجد كبير جدا كمسجد القدس (يسع صفين) فأكثر.  
(الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۵۸۴-۵۸۵، کتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفکر ☆ الفتاویٰ الہندیة:

۸۷/۱، کتاب الصلاة، الفصل الرابع فی بیان ما یمنع... الخ، ط: زکریا- دیوبند)

[۱] (ویکرہ حضورہن الجماعة) ولو لجمعة وعید ووعظ (مطلقاً) ولو عجزوا لیلاً (علی المذہب) المفتی بہ لفساد الزمان، واستثنی الکمال بحثاً العجائز والمتفانیة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۵۶۶، کتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفکر- دیوبند)

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں عنوان ”عورتوں کا پردے کے ساتھ مسجد میں تراویح پڑھنا“ کا حاشیہ نمبر: ۳۔

(۲) عن عبد الله، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها، وصلاتها في منخلها أفضل من صلاتها في بيتها. (سنن أبي داود: ۱/۸۴، رقم الحديث: ۵۷۰، کتاب الصلاة، باب التشديد

في ذلك، بعد: باب ماجاء في خروج النساء إلى المسجد، ط: البدر- دیوبند)

(۳) تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: عورتوں کا پردے کے ساتھ مسجد میں تراویح پڑھنا ☆ عورتوں کی تنہا جماعت کا حکم۔

تحریمہ پانے کی فضیلت حاصل ہو جائے گی، جب کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس فضیلت کو پانے کے لیے ضروری ہے کہ مقتدی کی تکبیر تحریمہ امام کی تکبیر تحریمہ سے ملی ہوئی ہو۔<sup>(۱)</sup> فقط واللہ اعلم بالصواب۔

## [۹] تکبیر اولیٰ کا وقت کب تک رہتا ہے؟

۷۶۶- سوال: تکبیر اولیٰ کا وقت کب تک رہتا ہے؟ اگر کوئی شخص پہلی رکعت کے قیام کو پالے،

بالکل ابتدا میں شریک نہ ہو سکا ہو، تو اس کو تکبیر اولیٰ کی فضیلت اور اس کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

### الجواب حامد اومصلیٰ:

تکبیر اولیٰ کا ثواب پہلی رکعت پالینے میں ہے، لہذا جسے پہلی رکعت کا رکوع مل جائے، اسے صحیح قول کے مطابق تکبیر اولیٰ کا ثواب مل جائے گا۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) تم اختلفوا فی وقت إدراك فضیلة تكبیرة الافتتاح، ذكر شيخ الإسلام اختلافاً بين أبي حنيفة وصاحبه، فقال على قول أبي حنيفة: إذا كبر مقارناً لتكبير الإمام، فيصير مدر كاً فضیلة تكبیرة الافتتاح، وما لا فلا، وعندهما إذا أدرك الإمام في الشاء وكبر يصير مدر كاً فضیلة تكبیرة الافتتاح وما لا فلا.

وذكر الشيخ الإمام الزاهد أبو نصر الصفار رحمه الله أن شداد بن الحكيم كان يقول: إن كان الرجل حاضر أو أراذان يدرك فضیلة تكبیرة الافتتاح ينبغي أن يشروع قبل قراءة سبع آيات، وقال بعضهم: إذا أدرك الإمام في الركعة الأولى يصير مدر كاً فضیلة تكبیرة الافتتاح، وهذا أوسع بالناس والله أعلم. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني - ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۲۱۶هـ): ۳۵۵/۱، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر في التغني والألحان، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

قال ابن عابدين: وتظهر فائدة الخلاف في وقت إدراك فضیلة تكبیرة الافتتاح، فعنده بالمقارنة، وعندهما إذا كبر في وقت الشاء، وقيل بالشروع قبل قراءة ثلاث آيات لو كان المقتدي حاضرًا، وقيل سبع لو غائبًا، وقيل بإدراك الركعة الأولى، وهذا أوسع وهو الصحيح. اهـ. وقيل بإدراك الفاتحة وهو المختار خلاصة. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۲۶/۱، باب صفة الصلاة، مطلب في وقت إدراك فضیلة الافتتاح، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) وتظهر فائدة الخلاف في وقت إدراك فضیلة تكبیرة الافتتاح، فعنده بالمقارنة، وعندهما: إذا كبر في وقت الشاء، وقيل بالشروع قبل قراءة ثلاث آيات لو كان المقتدي حاضرًا، وقيل سبع لو غائبًا، وقيل بإدراك الركعة الأولى، وهذا أوسع، وهو الصحيح. اهـ. وقيل بإدراك الفاتحة وهو المختار، خلاصة. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۲۶/۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في وقت إدراك فضیلة الافتتاح، ط: دار الفكر - بيروت) ☆ الفتاوى الهندية: ۶۹/۱، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة، ط: زكريا - ديوبند ☆ مزيد تفصيل کے لیے دیکھیے عنوان: ”کیا رکوع میں شامل ہونے والے مقتدی کو تکبیر تحریمہ کا ثواب ملے گا؟“۔

[۱۰] رمضان میں افطاری کے عذر کی وجہ سے مغرب کی جماعت ترک کرنا

۷۶۷-سوال: ایک شخص رمضان میں افطار کر کے مسجد میں مغرب کی نماز کے لیے جاتا ہے؛ لیکن مسجد تک پہنچتے پہنچتے نماز ختم ہو جاتی ہے اور جماعت نکل جاتی ہے، تو کیا اس کے لیے اس بات کی گنجائش ہے کہ اپنے گھر میں نماز پڑھ لیا کرے؟ بیٹو! تو جروا۔

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، سنت مؤکدہ کے ترک کی عادت بنا لینا (خصوصاً رمضان المبارک میں) جائز نہیں؛ البتہ کبھی کبھار جماعت نکل جائے، تو اپنے گھر والوں اور بال بچوں کو جمع کر کے ان کے ساتھ باجماعت نماز ادا کر لے؛ لیکن اس کی عادت بنا لینا جائز نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] منفرد حنفی کے پیچھے کسی شافعی کا اقتداء کی نیت سے کھڑا ہو جانا

۷۶۸-سوال: ہمارے یہاں شوافع حضرات بڑی تعداد میں رہتے ہیں، میں حنفی ہوں، شوافع کی مسجد میں ایک بات یہ ہوتی ہے کہ ان میں سے کوئی آدمی جماعت کے بعد مسجد میں پہنچتا ہے اور دیکھتا ہے کہ کوئی تنہا نماز پڑھ رہا ہے، تو وہ (آنے والا) پیچھے سے اس نمازی کے بدن کو آہستہ سے چھوتا ہے۔ (جو اس

(۱) عن أبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: والذي نفسي بيده لقد هممت أن أمر بحطب، فيحطب، ثم أمر بالصلاة، فيؤذن لها، ثم أمر رجلاً فيؤم الناس، ثم أخالف إلى رجال، فأحرق عليهم بيوتهم، والذي نفسي بيده لو يعلم أحدهم، أنه يجدره قاسمينا، أو مرتين حسنتين، لشهد العشاء. (صحيح البخاري: ۸۹/۱، رقم الحديث: ۶۳۳، كتاب الأذان، باب وجوب صلاة الجماعة، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۲۳۲/۱، رقم الحديث: ۲۵۱-۲۵۱)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها... الخ، ط: ديوبند (والجماعة سنة مؤكدة للرجال)... ولو فاتته ندب طلبها في مسجد آخر إلا المسجد الحرام ونحوه... إلا إذا واطب تكاسلاً فلا يعذر ويعزر ولو بأخذ المال يعني بحبسه عنه مدة ولا تقبل شهادته إلا بتأويل بدعة الإمام أو عدم مراعاته. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله ولو فاتته ندب طلبها) فلا يجب عليه الطلب في المساجد بلا خلاف بين أصحابنا، بل إن أتى مسجداً للجماعة آخر فحسن، وإن صلى في مسجد حيه منفرداً فحسن. وذكر القدوري: يجمع بأهله ويصلي بهم، يعني وينال ثواب الجماعة كذا في الفتوح. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۵۲-۵۵۶، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

بات کی علامت ہوتی ہے کہ وہ شخص اس کی اقتدا کرے گا) اور اس کے بعد اس کی اقتدا کرنے لگتا ہے؛ چنانچہ وہ نمازی سمجھ جاتا ہے اور تکبیر وغیرہ جہراً شروع کر دیتا ہے، اس طرح نماز مکمل کرتا ہے۔

بعض دفعہ میرے ساتھ بھی ایسا واقعہ پیش آیا ہے کہ میں اکیلا نماز پڑھ رہا ہوتا ہوں اور کوئی شافعی آجاتا ہے اور میری اقتدا میں کھڑا ہو جاتا ہے، اس صورت میں میں کیا کروں؟ جہراً قراءت کروں یا نہیں؟ امامت کی نیت ضروری ہے یا نہیں؟ اگر امامت کی نیت کی، تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ اور بعض اوقات میں سنت پڑھ رہا ہوتا ہوں، تب بھی ایسا ہوتا ہے، اس وقت میں کیا کروں؟

### الجواب حامداً ومصلياً:

کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو، تو اس کی اقتداء کرنا جائز ہے۔ اگر جہری نماز ہو اور کچھ قراءت کے بعد کسی نے آکر اس کی اقتدا کر لی، تو بقیہ قراءت جہراً کرے گا، اگر سورۃ فاتحہ کی دو، تین آیتیں پڑھی اور دوسرے نے اقتدا کر لی، تو از سر نو سورۃ فاتحہ پڑھے، اگر اکثر سورۃ فاتحہ پڑھ چکا ہے، تو بقیہ کو جہراً پڑھ لے، پوری سورت نہ دہرائے۔ اگر سری نماز ہے، تو جہراً قراءت کی ضرورت نہیں۔<sup>(۱)</sup>

(۱) ولو انتم به بعد الفاتحة أو بعضها سرا أعادها جهراً، بحر. لكن في آخر شرح المنية: انتم به بعد الفاتحة، يجهر بالسورة إن قصد الإمامة، وإلا فلا يلزمه الجهر. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله أعادها جهراً) لأن الجهر فيما بقي صار واجبا بلاقتداء والجمع بين الجهر والمخافتة في ركعة واحدة شنيع، بحر. ومفاده أنه لو انتم بعد قراءة بعض السورة أنه يعيد الفاتحة والسورة، فليراجع ح (قوله لكن إلخ) استدراك على قوله ولو انتم به، وهذا قول آخر. وقد حكى القولين القهستاني حيث قال: إن الإمام لو خافت ببعض الفاتحة أو كلها أو المنفرد ثم اقتدى به رجل أعادها جهراً كما في الخلاصة، وقيل لم يعد وجهر فيما بقي من بعض الفاتحة أو السورة كلها أو بعضها كما في المنية اهـ وعز في القنية القول الثاني إلى القاضي عبد الجبار وفتاوى السعدي، ولعل وجهه أن فيه التحرز عن تكرار الفاتحة في ركعة وتأخير الواجب عن محله، وهو موجب لسجود السهو فكان مكروهاً، وهو أسهل من لزوم الجمع بين الجهر والإسرار في ركعة. على أن كون ذلك الجمع شنيعاً غير مطرد لما ذكره في آخر شرح المنية أن الإمام لو سها فخافت في الجهرية ثم تذكّر يجهر بالسورة ولا يعيد، ولو خافت بأية أو أكثر يتمها جهراً ولا يعيد. وفي القهستاني: ولا خلاف أنه إذا جهر بأكثر الفاتحة يتمها مخافتة كما في الزاهدي اهـ أي في الصلاة السرية، وكون القول الأول نقله في الخلاصة عن الأصل كما في البحر... (قوله إن قصد الإمامة إلخ) عزاه في القنية إلى فتاوى الكرمانی. ووجهه أن الإمام منفرد في حق نفسه، ولذا لا يحث في لا يؤم أحداً ما لم ينو الإمامة، ولا يحصل ثواب الجماعة إلا بالنية. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۳۲-۵۳۳، كتاب الصلاة، فصل في القراءة، ط: دار الفكر - بيروت)

اگر کوئی سنت یا نفل پڑھ رہا ہو، اور کسی نے فرض نماز اس کے پیچھے شروع کر دی، تو خفی مقتدی کی نماز درست نہ ہوگی؛ کیوں کہ حنفیہ کے یہاں فرض نماز متفصل (نفل پڑھنے والے) کے پیچھے درست نہیں ہوتی۔<sup>(۲)</sup> اگر شافعی مقتدی ہے، تو اس کی نماز درست ہو جائے گی؛ لیکن اگر مقتدی نے جہری نماز میں اقتدا کی ہو، تو امام کو جہراً قراءت کرنا ہوگی، تاکہ مقتدی کی نماز درست ہو جائے، اب اگر رات کی نوافل ہیں، تو خفی منفرد کے لیے جہراً قراءت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر دن کی نوافل ہیں، تو خفی کے لیے جہراً قراءت کرنا مکروہ ہے؛ لیکن مقتدی کی رعایت میں جہراً قراءت کر لے گا، تو نماز درست ہو جائے گی۔ (رد المحتار: ۱/۵۲۲)<sup>[۳]</sup>

اسی طرح خفی مقتدی ہو، تو (فرض میں) نماز کا متحد ہونا بھی ضروری ہے، مقتدی ظہر کی نیت سے امام عصر کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا، اگر مقتدی شافعی ہو، تو نماز درست ہو جائے گی، اگر چہ فرض جدا ہوں۔ (رد المحتار)<sup>[۴]</sup>

(۲) (قوله ومفترض بمتفصل وبمفترض آخر) أي وفسد اقتداء المفترض بإمام متفصل أو بإمام يصلي فرضا غير فرض المقتدي؛ لأن الاقتداء ببناء، ووصف الفرضية معدوم في حق الإمام في الأولى وهو مشاركة وموافقة فلا بد من الاتحاد وهو معدوم في الثانية... والحاصل أن اتحاد الصلاتين شرط لصحة الاقتداء وذلك بأن يمكنه الدخول في صلاته بنية صلاة الإمام فتكون صلاة الإمام متضمنة لصلاة المقتدي وهو المراد بقوله - عليه الصلاة والسلام -: الإمام ضامن، أي تتضمن صلاته صلاة المقتدي. (البحر الرائق: ۱/۶۳۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتاب - ديوبند ☆ الهداية: ۱/۱۲۳-۱۲۷، باب الإمامة، كتاب الصلاة، ط: ياسر نديم - ديوبند)

(۳) فالحوصل أن الإخفاء في صلاة المخافتة واجب على المصلي إماما كان أو منفردا وهي صلاة الظهر والعصر والرکعة الثالثة من المغرب والأخريان من صلاة العشاء وصلاة الكسوف والاستسقاء، وهو واجب على الإمام اتفاقا وعلى منفرد على الأصح، وأما الجهر في الصلاة الجهرية فواجب على الإمام فقط، وهو أفضل في حق المنفرد وهي صلاة الصبح والرکعتان الأولىان من المغرب والعشاء وصلاة العيدين والتراويح والوتر في رمضان. (البحر الرائق: ۱/۳۱۹، كتاب الصلاة، سنن الصلاة، الجهر والإسرار في الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(ويخير المنفرد في الجهر) وهو أفضل ويكتفى بأدناه (إن أدى) وفي السرية يخافت حتما على المذهب كمتفصل بالليل منفردا؛ فلو أم جهر لتبعية النقل للفرض زيلعي. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله فلو أم) أي فلو صلى المتفصل بالليل إماما جهر، ومقتضاه أن الوتر في غير رمضان كذلك؛ لأن كلامهم ما تكرر فيه الجماعة على سبيل التداعي، وبدونه لا. وإذا وجب الجهر في النقل يجب في الوتر كما أفهمته عبارة الزيلعي أفاده الرحمتي. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۳۳، فصل في القراءة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۴) (و لا) (مفترض بمتفصل وبمفترض فرضا آخر) لأن اتحاد الصلاتين شرط عندنا. (الدر المختار)  
قال ابن عابدين: (قوله وبمفترض فرضا آخر) سواء تغاير الفرضان اسما أو صفة كمصلي ظهر أمس بمصلي ظهر اليوم؛ بخلاف ما إذا فاتتهم صلاة واحدة من يوم واحد فإنه يجوز؛ وكذا لو صلى ركعتين من العصر فغربت الشمس =



اگر مقتدی شافعی ہو، تو مقتدی کی نماز صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ امام نے امامت کی نیت کی ہو، خواہ پہلے سے، خواہ مقتدی کے شریک ہوتے وقت، اگر امام نے نیت نہیں کی تو شافعی مقتدی کی نماز درست نہ ہوگی۔<sup>(۵)</sup>

حنفی مقتدی کی نماز درست ہو جاتی ہے، حنفیہ کے یہاں امام کے لیے نیت امامت شرط نہیں ہے۔  
(رد المحتار: ۱/۵۷۴)<sup>[۶]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات مغرلہ

= فاقتدی به آخر فی الأخریین لأن الصلاة واحدة وإن كان هذا قضاء للمقتدي، جوهره. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/۵۷۴، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب الواجب كفاية هل يسقط بفعل الصبي وحده؟ ط: دار الفکر) (۵) فقہ شافعی میں بھی یہی مسئلہ ہے کہ امامت کی صحت کے لیے نیت ضروری نہیں ہے، مسنون ہے، نیت کی وجہ سے جماعت کا ثواب ملے گا، اگر نیت نہ کرے، تو مقتدی کی نماز ہو جائے گی۔ ذیل کی عبارت دیکھیں:

إذا كان إماما... فيسن له: أن ينوي الإمامة، فإن لم ينو ذلك.. لم تحصل له فضيلة الجماعة، هكذا ذكره الجويني. وتجاوز نية الإمامة بعد التكبيرة. وإن كان مأموماً.. قال الجويني، والمسعودي [في "الإبانة" ق\61\ب]: فعليه أن ينوي الاقتداء، فإن لم ينو ذلك، وتابع الإمام.. بطلت صلاته. (البيان في مذهب الإمام الشافعي - أبو الحسين يحيى بن أبي الخير بن سالم العمراني اليمني الشافعي (م: ۵۵۸هـ): ۲/۱۶۳، باب صفة الصلاة، مسألة النية في الصلاة، فرع نية الإمام والمأموم، ت: قاسم محمد النوري، ط: دار المنهاج - جدة)

ينبغي للإمام أن ينوي الإمامة فإن لم ينوها صحت صلاته وصلاة المأمومين وفي وجه غريب حكاه الرافي عن حكاية أبي الحسن العبادي عن أبي حفص الباشامي والقفال أنهما قالا يجب على الإمام نية الإمامة وأشعر كلام العبادي بأنهما يشترطانها في صحة الاقتداء، والصواب أن نية الإمامة لا تجب، ولا تشترط لصحة الاقتداء، وبه قطع جماهير أصحابنا، وسواء اقتدى به رجال أم نساء لكن يحصل فضيلة الجماعة للمأمومين، وفي حصولها للإمام ثلاثة أوجه... الخ. (المجموع شرح المهذب - أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ۶۷۶هـ): ۲/۲۰۲-۲۰۳، باب صلاة الجماعة، ط: دار الفکر)

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام شافعی کے نزدیک احناف ہی کی طرح امامت کے لیے نیت شرط نہیں ہے، البتہ ایک ضعیف روایت - جو ابو حفص الباشامی اور قفال سے منقول ہے - سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں نیت شرط ہے۔

خیال ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے اسی کے پیش نظر یہ لکھا ہے کہ شافعی حضرات کے یہاں نیت امامت شرط ہے، اس لیے اگر امام نے نیت نہ کی ہو اور مقتدی نے اقتدا کر لی تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔ (مجتبیٰ حسن قاسمی)

(۶) وهل يحتاج إلى نية الإمامة؟ أما نية إمامة الرجال فلا يحتاج إليها ويصح اقتداؤهم به بدون نية إمامتهم. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - الكاساني (م: ۵۸۷هـ): ۱/۱۲۸، كتاب الصلاة، فصل شرائط أركان الصلاة، ط: دار الكتب العلمية)

## [۱۲] کیمرے میں امام کی تصویر دیکھ کر اقتداء کرنا

۷۶۹-سوال: ہمارے یہاں امریکہ میں ایک مسجد دو منزلہ ہے، جس کی پہلی منزل میں عورتیں

اور دوسری منزل میں مرد نماز پڑھتے ہیں۔ اس مسجد میں کیمرہ (Closed-Circuit Television=CCTV) نصب کیا گیا ہے، جو دورانِ صلاۃ امام صاحب کی تصویر پہلے منزلہ کی دیوار پر بتلاتا ہے، ضرورت کے مطابق عورتیں اس میں نماز پڑھتی ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس صورت میں کیمرے کی اقتداء کبھی جائے گی یا امام کی؟ ایسی صورت میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟

اس مسئلے کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں اردو یاعربی زبان میں عنایت فرمائیں۔

### الجواب حامدا ومصليا:

☆☆☆ في الصورة المسئولة، الاقتداء يجوز إن كانت انقلابات الإمام يعلم بصوت الإمام أو المكبر، ولا يبقى اشتباه، و إن كانت انقلابات الإمام غير معلومة إلا من هذه المصورة (كاميرا = تلفزيون الدائرة المقفلة) فلا اقتداء لا يجوز؛ لأن هذا عكس و صورة، واقتداء العكس و الصورة لا يجوز؛ لأنها ليست بإمام عاقل، كما لا تجب سجدة التلاوة على السامع مع صوت الصدى و الطير؛ لأنها ليست بتال، فكذلك في الاقتداء، وإذا كان صوت الإمام يسمع أو انقلاباته تری، ولا يبقى اشتباه، فيجوز الاقتداء، وإلا لا يجوز، كما لا يجوز الاقتداء بصوت و صورة تنعكس في الفيديو، وليس هذا الإمام؛ لأنه اقتداء بغير مصل؛ بل هو اقتداء الغير العاقل، فكذلك في هذه الحالة المسئولة يكره الاقتداء للعكس و الصورة وهي غير عاقلة.

☆☆☆ ترجمہ: اگر امام کے انتقال کا علم ہو جائے، خواہ امام کی آواز کے ذریعے ہو، یا آلہ مکبر الصوت یا مکبر کے ذریعے، اور کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے، تو اقتدا کرنا جائز ہے، اور اگر امام کے انتقال کا علم صرف مصورہ (کیمرہ = کلوزڈ ٹی وی سرکٹ (CCTV) کے ذریعے ہو، تو اقتدا جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ (اسکرین پر ابھرنے والی شکل) عکس اور صورت ہے، جس کی اقتدا کرنا جائز نہیں ہے، اس وجہ سے کہ امام عاقل نہیں ہے، جیسا کہ سجدہ تلاوت، صدائے بازگشت اور پرندہ کی آواز سننے سے واجب نہیں ہوتا، اس لیے کہ وہ (صدائے بازگشت اور پرندہ کی آواز) تلاوت کرنے والا نہیں ہے، (حالانکہ سجدہ تلاوت اس وقت واجب ہوتا ہے، جب کہ تلاوت کرنے والے سے سننا متحقق ہو) اسی طرح اقتدا میں ہے، کہ جب امام کی آواز سنائی دے یا اس کے انتقال کا علم ہو جائے، اور کوئی اشتباہ باقی نہ رہے، تو اقتدا کرنا جائز ہو جائے گا، ورنہ جائز نہیں ہوگا، جیسا کہ ایسی آواز اور صورت، جس کا عکس ویڈیو میں منعکس ہو، اس کی اقتدا جائز نہیں ہے، کہ یہ امام نہیں ہے، اس لیے کہ یہ غیر مصلی کی اقتدا ہے؛ بل کہ غیر عاقل کی اقتدا ہے۔

وفي الصورة الأولى وإن كان الاقتداء يجوز؛ لأنه اقتداء بصوت الإمام، ولكن الصورة أمام المصلي تفسد صلواته، وهذه صورة؛ لأن المصورة (الكاميرا) تصور، ثم تنعكس على زجاج تى وی (على شاشة التلفزيون) فهي مفسدة للصلاة؛ لأن الصورة في مكان الصلاة سوى تحت قدم المصلي توجب الكراهة التحريمية، وأشد الكراهة تكون في كون الصورة أمام المصلي.<sup>(۱)</sup> وفي هذه الحالة وإن لم توجه مواجهة الصورة للمصلي؛ بل تكون جدار و لكنه لا يكون الخالي عن الكراهة؛ لان صلاة المسبوقين لا تكون محفوظة من المواجهة، فلذا لا يجوز عمل نصب تى وی (التلفزيون) أمام المصلين مطلقاً؛ لان فيه إيقاع الصلاة على خطر الفساد. (ردالمحتار)<sup>[۲]</sup> والله أعلم بالصواب.

= لہذا (دوسری) صورت مسئلہ میں اقتدا کر وہ (ناجائز) ہے، صورت اور عکس کے اقتدا کے مستلزم ہونے کی وجہ سے (حالات کہ صورت و عکس کی اقتدا جائز نہیں ہے)

اور پہلی صورت میں اگرچہ اقتدا جائز ہے؛ اس لیے کہ امام کے آواز کی اقتدا کرتا ہے؛ لیکن نمازی کے سامنے تصویر ہے۔ اور تصویر، نماز کو فاسد کرنے والی ہے، اس لیے کہ کیمرہ پہلے فوٹو کھینچتا ہے، پھر اس کا عکس ٹی وی کی اسکرین پر منعکس ہوتا ہے، اور یہ صورت مفسد صلاۃ ہے، اس لیے کہ اس صورت میں نمازی کے سامنے تصویر ہے، نہ کہ اس کے پاؤں کے نیچے، جو کراہت تحریمی کو ثابت کرتی ہے، اور حد درجہ کمزور تحریمی وہ شکل ہے، جب کہ تصویر نمازی کے سامنے ہو۔ صورت مسئلہ میں تصویر گرچہ مصلیٰ کی مواجہت میں نہیں ہوتی، بل کہ دیوار پر ہوتی ہے، لیکن یہ بھی کراہت سے خالی نہیں ہے؛ اس لیے کہ مسبوقین کی نماز مواجہت سے محفوظ نہیں رہتی۔

لہذا امام کے اشتقالات سے واقف ہونے کے لیے ٹی وی (CCTV) نصب کرنا مطلقاً حرام اور ناجائز ہے، اس لیے کہ اس سے نماز فاسد ہونے کا اندیشہ ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ویکرہ أن یصلیٰ و بین یدیه أو فوق رأسه أو علی یمینہ أو علی یسارہ أو فی ثوبہ تصاویر... وأشدھا کراهة أن تكون أمام المصلي، ثم فوق رأسه، ثم یمینہ، ثم یسارہ، ثم خلفه. هكذا فی الکافی. وفي التهذيب ولو كانت علی وسادة منصوبة بین یدیه یکرہ ولو كانت ملقاة علی الأرض لا یکرہ. کذا فی التتارخانية ولا یکرہ تمثال غیر ذی الروح کذا فی النہایة. (الفتاویٰ الہندیة: ۱/۱۰۷، کتاب الصلاة، الباب السابع فیما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلاة وما لا یکرہ، ط: دار الفکر ☆ رد المحتار علی الدر المختار: ۱/۶۳۸، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، فرع لا بأس بتکلیم المصلي وإجابته برأسه، ط: دار الفکر)

(۲) ولو قام علی سطح المسجد واقتدی بإمام فی المسجد إن كان للسطح باب فی المسجد ولا یشتبہ علیہ حال الإمام یصح الاقتداء وإن اشتبہ علیہ حال الإمام لا یصح. کذا فی فتاویٰ قاضی خان وإن لم یکن له باب فی المسجد لکن لا یشتبہ علیہ حال الإمام صح الاقتداء أيضاً وکذا لو قام فی المنذنة مقتدیا بإمام المسجد. کذا فی الخلاصة. (الفتاویٰ الہندیة: ۱/۸۸، کتاب الصلاة، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل الرابع فی بیان ما یمنع صحة الاقتداء وما لا یمنع، ط: دار الفکر ☆ رد المحتار علی الدر المختار: ۲/۳۳۳، کتاب الصلاة، باب الإمامة، زکریا- دیوبند)

[۱۳] قریب میں مسجد ہونے کے باوجود چند افراد کا اپنی قیام گاہ پر باجماعت نماز پڑھنا ۷۷۰-سوال: (۱) ایک شخص کے گھر کے قریب مسجد ہے، تو کیا اس کے لیے اس بات کی گنجائش ہے کہ چند افراد کے ساتھ بغیر کسی عذر کے، محض اپنی سہولت کے لیے، اپنی قیام گاہ پر، ایک امام کو متعین کر کے، مستقل پنج گانہ باجماعت نماز ادا کر لے، کیا اس صورت میں ان کی نماز صحیح ہو جاتی ہے؟

(۲) اگر مذکورہ صورت میں نماز درست نہیں ہوتی؟ تو کیا ان کو اس عمل سے روکنا مناسب ہوگا؟

(۳) اگر کوئی شخص اس جماعت میں اس وجہ سے شریک ہوتا ہے کہ اس کے بچے بھی اس کی نگرانی

میں نماز پڑھتے ہیں، تو اس نیت سے شریک ہونا کیسا ہے؟

**الجواب حامد اوصلیا:**

صورت مسئلہ میں جماعت کی فضیلت حاصل تو ہو جائے گی، اور ترک جماعت کی وعید سے بھی بری ہو جائے گا؛ لیکن مسجد میں نماز ادا کرنے کی فضیلت سے محروم رہے گا، اور بلا وجہ مسجد کو ترک کرنے کی قباحت لازم آئے گی، مسجد کا حق ہے خصوصاً محلے کی مسجد کا کہ اس کو آباد کیا جائے، اس لیے اس طرح اگر جماعت کرنے کی عادت ہو اور اس پر دوام ہو، تو کراہت سے خالی نہیں ہے، مسجد کی جماعت کے کثیر منافع سے محرومی ہوتی ہے، مثلاً باہمی مشورہ، مسلمین کے احوال سے واقفیت، عبادت اور اجتماعی امور کو انجام دینے میں نظم باہمی، ہم دردی و اتحاد کا مظاہرہ۔ جس سے اسلام اور مسلمانوں کی شوکت ظاہر ہوتی ہے۔ ان سب منافع سے محرومی ہے، نیز اپنی قیام گاہ پر جماعت کرنے سے باہمی تفریق کا مظاہرہ ہے، جو موجودہ احوال میں شدید مضر ہے۔ ہاں اگر کوئی فتنہ اور عقائد کے جھگڑوں سے بچنے کے لیے یا مسجد میں عقائد حق اور اصلاحی کام میں رکاوٹ دور کرنے کی خاطر ایسا کیا جائے، تو جائز ہے (شامی) [۱]

(۱) وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا أَفْتَقَشَلُوا وَتَذَهَبَ رُجُوكُمْ وَأَصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (۸-الأنفال: ۳۶)  
 أفضل المساجد مكة، ثم المدينة، ثم القدس، ثم قبا، ثم الأقدم، ثم الأعظم، ثم الأقرب، ومسجد أستاذه لدرسه أو لسماح الأخبار أفضل اتفاقاً؛ ومسجد حيه أفضل من الجامع. والصحيح أن ما ألحق بمسجد المدينة ملحق به في الفضيلة. (الدر المختار: ۱/۲۵۸) قال ابن عابدين: (قوله ومسجد حيه أفضل من الجامع) أي الذي جماعته أكثر من مسجد الحيه، وهذا أحد قولين حكاهما في القنية، والثاني العكس؛ وما هنا جزم به في شرح المنية كما مر، وكذا في المصطفى والخانية؛ بل في الخانية: لو لم يكن لمسجد منزله مؤذن فإنه يذهب إليه ويؤذن فيه ويصلي ولو كان وحده لأن له حقا عليه فيؤديه. (رد المحتار: ۱/۲۵۹، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فروع أفضل المساجد، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) اگر کسی شرعی وجہ کے بغیر ایسا کرتے ہوں، تو ضرور روکنا چاہیے؛ لیکن حکمت سے روکے، لڑائی جھگڑانہ کرے۔<sup>(۲)</sup>

(۳) بچوں کو بھی تاکید کرنی چاہیے کہ وہ مسجد جا کر نماز ادا کریں، اور عورتیں اپنے گھر پر بلاجماعت نماز ادا کریں؛ بچوں کی نگرانی کی مصلحت قابل اعتبار نہیں ہے۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۱۴] مسجد دور ہونے کی وجہ سے اپنے مکان پر باجماعت فرض نماز ادا کرنا

۷۷۱-سوال: ایک شخص اپنے گھر جماعت سے نماز پڑھتا ہے، گاؤں میں دو مسجدیں ہیں، مگر دونوں مسجدیں گھر سے دور ہیں، یعنی اتنی دور ہیں کہ اذان ہونے کے ساتھ وہ آدمی اپنے مکان سے نکلے، تو جماعت کھڑی ہوتے وقت مسجد میں پہنچ جائے، اس کے باوجود یہ لوگ گھر پر نماز پڑھتے ہیں اور مجھ سے امامت کی درخواست کرتے ہیں، تو کیا صورت مسئولہ میں نماز ادا ہو جائے گی؟ اور ان کی امامت کرنا کیسا ہے؟ واضح رہے کہ بارش اور ٹھنڈی کے دنوں میں گاؤں کی مسجد جانے میں بڑی دقت ہوتی ہے۔

#### الجواب حامدا ومصليا:

مسجد میں جا کر جماعت سے نماز ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے؛ بل کہ بعض فقہاء کے قول کے مطابق واجب ہے؛ لہذا مسجد میں جا کر نماز ادا کرنا چاہیے، چاہے مسجد دور ہو، گھر میں باجماعت نماز ادا کر لینے سے نماز تو درست ہو جائے گی، مگر ایسی عادت بنا لینا مکروہ ہے، مسجد دور ہونے کی صورت میں بارش کے دنوں میں گھر پر نماز ادا کر لی، تو جائز ہے، بارش نہ ہو رہی ہو، تو مسجد جانا چاہیے، سردی اتنی زیادہ ہو کہ باہر نکلنے میں تکلیف ہو رہی ہو، دوسرے کام کاج کے لیے بھی باہر نہ نکلتا ہو، تو ایسی سردی کے وقت گھر میں ادا کر لینے کی اجازت ہے، ایسا بوڑھا یا بیمار آدمی، جو پیدل مسجد نہ جاسکتا ہو، یا جانے میں زیادہ تکلیف ہوتی ہو، تو وہ بھی گھر میں ادا کر سکتا ہے، البتہ تندرست آدمی کا مسجد سے اتنا دور ہونا کہ اذان کے بعد پیدل چل کر جماعت کے وقت پہنچ

(۲) اَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِأَلْمُهْتَدِينَ ﴿١٦﴾ (نحل: ۱۲۵)

(۳) عن عبد الملك بن الربيع بن سبرة، عن أبيه، عن جده، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: مروا الصبي بالصلاة إذا بلغ سبع سنين، وإذا بلغ عشر سنين فاضر به عليها. (سنن أبي داود: ۵/۱۰۷، رقم الحديث: ۴۹۳، كتاب الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة، ط: البدر - ديوبند)

جائے، عذر نہیں ہے؛ لہذا ان کی امامت کرنے کے لیے مسجد کی جماعت چھوڑنا مکروہ ہے۔ (درمختار: ۱/۵۵۵)<sup>[۱]</sup>  
فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] جس امام سے نمازی ناراض ہوں، ان کے پیچھے نماز پڑھنا

۷۷۲-سوال: مصلیان مسجد اگر کسی امام سے ناراض ہوں، تو ان کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصليًا:

اگر امام کے فاسد العقیدہ ہونے کی وجہ سے یا معاصی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے یا نماز کے بارے میں مصلیوں کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے مصلیان مسجد ناراض ہوں، تو ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ امامت نہ کرائے، ورنہ گنہگار ہوگا؛ کیوں کہ حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے۔

لیکن ان کے پیچھے نماز ہو جائے گی، اگر ناراضگی کسی دینی تقاضے سے نہیں ہے؛ بل کہ صرف ذاتی کشیدگی یا عداوت و عصبیت کی بناء پر ہے، یا خود نمازی فاسد العقیدہ ہے، اور امام حق پر ہے، تو ایسی صورت میں مصلیان کی ناراضگی خود ان کے لیے گناہ کا باعث ہے، ایسی صورت میں امام کو اپنی امامت نہ چھوڑنا چاہیے۔ (ترمذی شریف)<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) (والجماعة سنة مؤكدة للرجال)... (وقيل واجبة وعليه العامة) أي عامة مشايخنا وبه جزم في التحفة وغيرها. قال في البحر: وهو الراجح عند أهل المذهب (فتسن أو تجب) ثم رتبه تظهر في الإثم بتر كها مرة (على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج)... (فلا تجب على مريض ومقعد وزمن ومقطوع يد ورجل من خلاف) أو رجل فقط، ذكره الحدادي (ومفلوج وشيخ كبير عاجز وأعمى) وإن وجد قائدا (ولا على من حال بينه وبينها مطر وطين وبر د شديد وظلمة كذلك) وريح ليلا لا نهارا، وخوف على ماله، أو من غريم أو ظالم، أو مدافعة أحد الأخصيين، وإرادة سفر، وقيامه بمريض، وحضور طعام (تتوقه) نفسه ذكره الحدادي، وكذا اشتغاله بالفقه لا بغيره، كذا جزم به الباقر تبيعا للبهنسي: أي إلا إذا واطب تكاسلا فلا يعذر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۵۵۲-۵۵۶، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۸۲-۸۳، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، ط: دار الفكر ☆ الهداية: ۱/۱۲۱، باب الإمامة، ط: ياسر نديم - ديوبند)

(۲) عن أبي أمامة، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " ثلاثة لا تجاوز صلاتهم أذانهم: العبد الأبق حتى يرجع، وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط، وإمام قوم وهم له كارهون ". (سنن الترمذی: ۱/۸۳، رقم الحديث: ۳۶۰، أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن أم قوما وهم له كارهون، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن أبي داؤد: ۱/۸۸، رقم

الحديث: ۵۹۳، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، ط: البدر - ديوبند)

## [۱۶] نجی عداوت کی وجہ سے امام صاحب کے پیچھے نماز نہ پڑھنا

۷۷۳-سوال: مسجد کے امام صاحب کے ساتھ نجی عداوت کو بنیاد بنا کر ان کے پیچھے نماز نہ

پڑھنا اور جماعت ترک کر دینا شرعاً کیسا ہے؟

## الجواب حامداً ومصلياً:

امام صاحب سے نجی عداوت کی بناءً ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنا درست نہیں ہے، ہاں اگر امام کی کوئی دینی کمزوری ہو، جس کی وجہ سے دوسری مسجد میں باجماعت نماز پڑھ لے، تو گنجائش ہے، کسی بھی سبب سے ترک جماعت کی عادت بنا لینا مکروہ ہے، نماز باجماعت ادا کرنا سنت مؤکدہ قریب بہ واجب ہے، بہت سے محققین فقہاء نے اُس کو واجب کہا ہے، لہذا دنیوی عداوت کی وجہ سے امام کے پیچھے نماز چھوڑ دینا گناہ کا کام ہے، اگر امام فاسق بھی ہو، تو اس بات کی گنجائش ہے کہ دوسری کسی مسجد میں باجماعت نماز پڑھ لے، لیکن ترک جماعت کی عادت بنا کر تنہا نماز پڑھنا گناہ ہے۔ (شامی) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد، ایم بیات غفرلہ

= (ولو أم قوما وهم له كارهون، إن الكراهة (لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة منه كره) له ذلك تحريماً؛ لحديث أبي داود: لا يقبل الله صلاة من تقدم قوما وهم له كارهون، (وإن هو أحق لا) والكراهة عليهم). (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۵۹/۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

(۱) (والجماعة سنة مؤكدة للرجال)... (وقيل واجبة وعليه العامة) أي عامة مشايخنا وبه جزم في التحفة وغيرها. قال في البحر: وهو الراجح عند أهل المذهب (فتسن أو تجب) ثمرته تظهر في الإثم بتر كها مرة (على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج)... إلا إذا واطب تكاسلا فلا يعذر، و يعذر ولو بأخذ المال يعني بحبسه عنه مدة ولا تقبل شهادته إلا بتأويل بدعة الإمام أو عدم مراعاته. (الدر المختار: ۵۵۲/۱-۵۵۶)

قال ابن عابدين: (قوله قال في البحر إلخ) وقال في النهر: هو أعدل الأقوال وأقواها ولذا قال في الأجناس: لا تقبل شهادته إذا تر كها استخفافاً ومجانة، إماسهوا، أو بتأويل، ككون الإمام من أهل الأهواء أو لا يراعي مذهب المقتدي فتقبل. اه... (قوله بتر كها مرة) أي بلا عذر، وهذا عند العراقيين، وعند الخراسانيين إنما يأنم إذا اعتاده كما في القنية. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۵۳/۱، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۱/۳۸۴،

صلاة الجماعة، ط: زكريا - ديوبند)

[۱۷] جس امام سے مقتدی ناراض ہوں، ان کی امامت کا حکم

[۱۸] امام سے ناراض ہو کر اگر کوئی جماعت ترک کر دے؟

۷۷۴-سوال: مصلیٰ کے ناراض ہونے کی صورت میں امامت کرنا کیسا ہے؟ مصلیٰ کے ساتھ

کچھ اختلاف ہوا، جس کے نتیجے میں وہ امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا؛ بل کہ اپنے گھر نماز پڑھ لیتا ہے، تو اس حالت میں امام امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب حامد اومصلیٰ:**

سوال میں امام کے ساتھ اختلاف کی وجہ مذکور نہیں ہے۔ اگر امام صاحب حق پر ہوں اور سنت کے مطابق رہن سہن اختیار کیے ہوئے ہوں، مسجد اور مدرسے کی ذمہ داری پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہوں، تو اس صورت میں مذکورہ آدمی غلطی پر ہے اور امام کی امامت جائز ہے۔

مذکورہ آدمی کے لیے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ضروری ہے اور جماعت کی نماز سنت مؤکدہ قریب بہ واجب ہے، اور سنت مؤکدہ کو ہمیشہ چھوڑنے کی عادت بنا لینا جائز نہیں؛ اس لیے جماعت کے چھوڑنے کی بناء پر مقتدی گنہگار ہوگا۔ (عالمگیری، شامی)<sup>[۱]</sup>

اور اگر امام کی غلطی ہو، تو ان کو اصلاح کی فکر کرنی چاہیے؛ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اگر کسی امام سے اس کی قوم (دینی کام کی بناء پر) ناراض ہو، تو ایسے امام کی نماز اس کے سر سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں جائے گی۔ (حدیث)<sup>[۲]</sup> یعنی ایسے امام کی پڑھائی ہوئی نماز اللہ کے دربار میں قبولیت کا درجہ

[۱] رجل أم قوما وهم له كارهون إن كانت الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة يكره له ذلك وإن كان هو أحق بالإمامة لا يكره. هكذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۸۶۱/۸۷-۸۷، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۵۵۹/۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے، عنوان: ”نخی عداوت کی وجہ سے امام صاحب کے پیچھے نماز نہ پڑھنا“ کا حاشیہ نمبر ۱۔

[۲] سنن الترمذی: ۸۳/۱، رقم الحدیث: ۳۶۰، أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن أم قوما وهم له كارهون، ط: البدر - دیوبند ☆ سنن أبي داؤد: ۸۸/۱، رقم الحدیث: ۵۹۳، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، ط: البدر - دیوبند.



حاصل نہیں کر پاتی ہے؛ لیکن مصلیوں کے لیے ایسی حالت میں بھی جماعت ترک کرنا جائز نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ہرنیک وبد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو۔ (حدیث<sup>[۱]</sup>)

اس لیے اگر امام میں کوئی دینی نقص ہو، تب بھی مصلی کے لیے امام کے پیچھے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ضروری ہے، مصلی کو جماعت کا ثواب مل جائے گا، امام اور ذمہ دار حضرات گنہ گار ہوں گے۔ الغرض مذکورہ آدمی کا جماعت چھوڑنا درست نہیں، جماعت سے نماز پڑھنا ضروری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

### [۱۹] نماز باجماعت ہو جانے کے گمان سے گھر پر نماز پڑھ لینا

۷۷۵- سوال: فجر، ظہر، عصر، مغرب یا عشاء کی نماز کے لیے مسجد جانے میں تاخیر ہوگئی اور یہ گمان ہوا کہ مسجد میں نماز باجماعت ادا ہو چکی ہوگی، تو ایسی صورت میں مسجد میں جانے کے بجائے گھر پر ہی نماز پڑھ لینا جائز ہے یا نہیں؟

#### الجواب حامدا ومصليا:

اگر مسجد میں نماز باجماعت ہو چکی ہو، تو چھوٹی ہوئی نماز گھر پر پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup>

واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) سنن الدارقطني - أبو الحسن علي بن عمر، البغدادی الدارقطني (م: ۳۸۵ھ): ۲/۴۰۳، رقم الحدیث: ۱۷۶۸، کتاب العیدین، باب صفة من تجوز الصلاة معه و الصلاة عليه، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت.

(۲) عن عبد الله بن عمر: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة. (صحيح البخاري: ۱/۸۹، رقم الحدیث: ۶۳۵، كتاب الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، ط: ديوبند)

عن أبي سعيد الخدري، أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بخمس وعشرين درجة. (حواله سابق، رقم الحدیث: ۶۳۶☆ الصحيح لمسلم: ۱/۲۳۱، رقم الحدیث: ۲۳۹-۶۵۰)، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة، و بيان التشديد في التخلف عنها، ط: البدر - ديوبند)

البتة بہتر یہ ہے کہ اہل خانہ کے ساتھ گھر میں نماز باجماعت پڑھے:

عن عبد الرحمن بن أبي بكرة، عن أبيه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أقبل من بعض نواحي المدينة يريد الصلاة، فوجد الناس قد صلوا، فذهب إلى منزله، فجمع أهله، ثم صلى بهم. (المعجم الأوسط - أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰ھ): ۷/۵۰، رقم الحدیث: ۶۸۲۰، باب الميم، من اسمه أحمد، ت: طارق بن عوض الله بن محمد، عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني، ط: دار الحرمين - القاهرة)

[۲۰] غلطی کی وجہ سے امام نماز کا اعادہ کرے، تو مسبوق اور نو وارد کیا کرے؟

۷۷۶- سوال: امام صاحب نے ظہر کی تیسری رکعات میں بیٹھ کر سلام پھیر دیا، نماز پوری ہونے کے بعد مقتدی حضرات بولے کہ تین رکعت ہوئی ہے، تو امام صاحب نے دوبارہ نماز پڑھائی، تو اب مسبوق کیا کرے گا؟ کیا وہ دوسری جماعت میں شامل ہو سکتا ہے؟ نیز نو وارد اس جماعت میں شامل ہو سکتا ہے؟

**الجواب حامدًا ومصلياً:**

صورت مسؤلہ میں مسبوق، امام صاحب کے ساتھ نماز کا اعادہ کرے؛ کیوں کہ امام کی نماز کا فساد خود اس (مسبوق) کی نماز کے فساد کو مستلزم ہے۔<sup>(۱)</sup> ان کے علاوہ وہ تمام حضرات بھی نماز میں شریک ہو سکتے ہیں، جو پہلے سے نماز میں شامل نہیں تھے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= وروي عن أنس " أن أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - كانوا إذا فاتتهم الجماعة في المسجد صلوا في المسجد فرادى " ولأن التكرار يؤدي إلى تقليل الجماعة؛ لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة يتعجلون فتكثروا وإلا تأخروا. اهـ. بدائع. وحينئذ فلو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى أهله فيه فإنهم يصلون وحدانا، وهو ظاهر الرواية، ظهيرية. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۹۵، كتاب الصلاة، باب الأذان، فائدة التسليم بعد الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الإمام ضامن، والمؤذن مؤتمن، اللهم أرشد الأئمة، واغفر للمؤذنين. (سنن الترمذي: ۱/۵۱، رقم الحديث: ۲۰۷، أبواب الصلاة، باب ما جاء أن الإمام ضامن، والمؤذن مؤتمن، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن أبي داود: ۱/۷۷، رقم الحديث: ۵۱۷، كتاب الصلاة، باب ما يجب على المؤذن من تعاهد الوقت، ط: السبر - ديوبند)

قال العيني: (الإمام ضامن)، بمعنى: يضمنها صحة وفسادا. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري - بدر الدين العيني (م) ۸۵۵ھ: ۲۳۹/۵، كتاب مواقيت الصلاة، باب إذا طول الإمام وكان للرجل حاجة فخرج فصلي، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(۲) حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر پہلی دفعہ میں نماز بالکل نہیں ہوئی تھی، مثلاً باطل ہوئی تھی، تو نئے نمازیوں کی نماز بہ وقت اعادہ کرنے نماز کے ادا ہو گئی اور اگر کسی واجب کے ترک ہو جانے سے اعادہ نماز کا واجب تھا، تو نئے نمازیوں کی نماز نہ ہوگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۸/۳، باب الامامة والجماعة، ط: دارالاشاعت، کراچی)

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ ناکارہ احتیاط حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب قدس سرہ کے فتوے کا اتباع کرتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶/۴۵۰، باب الجماعة، ترک واجب کی بنا پر اعادہ والی نماز میں نو وارد شخص کی شرکت کا مفصل حکم، ط: پاکستان)

## [۲۱] بغیر وضو ادا کی ہوئی نماز کا اعادہ کرتے وقت نئے مقتدی کا شرکت کرنا

۷۷۷-سوال: امام صاحب نے ظہر کی نماز پڑھادی، پھر یاد آیا کہ ان کا وضوء نہیں تھا، نئے سرے سے وضوء کر کے نماز کا اعادہ کیا، زید نامی شخص دوسری مرتبہ کی نماز میں شرکت کرتا ہے، بکر کا کہنا ہے کہ یہ نماز امام کے فرض نماز کی تکمیل ہے اور زید نے فرض نماز امام کے پیچھے ادا نہیں کی ہے؛ لہذا وہ امام کے ساتھ شرکت نہیں کر سکتا، تو کیا بکر کا قول صحیح ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

وضوء کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی ہے؛ مذکورہ صورت میں جو حضرات نماز میں شریک نہ تھے، ان کا بھی اقتداء کرنا صحیح ہے، جس صورت میں نیا مقتدی [نو وارد] اقتدا نہیں کر سکتا، وہ مسئلہ دوسرا ہے اور وہ یہ ہے کہ وضوء کرنے کے بعد کسی ترک واجب کی وجہ سے نماز میں فساد پیدا ہو جائے اور امام سجدہ سہونہ کرے، تو ایسی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے اور اس کی ادائیگی کے وقت نئے مقتدی [نو وارد] کے لیے حکم ہے کہ وہ اقتدا نہ کرے؛ کیوں کہ اس صورت میں فرض کی تکمیل کے لیے نماز پڑھی جا رہی ہے، نہ کہ اصل فرض کی ادائیگی کے لیے؛ لہذا جو اصل فرض پڑھنا چاہتا ہے، وہ کیوں کر اس صورت میں اقتدا کر سکتا ہے؟<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۲] واجب الاعادہ نماز میں امام کے ساتھ نو وارد شخص کی شرکت

۷۷۸-سوال: امام کی نماز ترک واجب کی وجہ سے فاسد ہوگئی، اب وہ اس کا اعادہ کر رہے ہیں، تو ایسی صورت میں بعد میں آنے والا شخص (نو وارد) امام کی اقتداء کر سکتا ہے یا نہیں؟ واضح ہو کہ وہ پہلی مرتبہ شریک نہیں تھا۔ بیذا تو جروا۔

### الجواب حامدا ومصليا:

صورت مسؤلہ میں جماعت کی نماز کے اعادہ کیے جانے کی صورت میں وہ حضرات امام کی اقتداء نہیں کر سکتے، جو پہلی مرتبہ امام کے ساتھ شریک نہیں تھے؛ اس لیے کہ فرض نماز دوبارہ نہیں پڑھی جاتی؛ ترک

(۱) تقدم تفصيله و تخريجه تحت عنوان: غلطی کی وجہ سے امام نماز کا اعادہ کرے، تو مسبوق اور نو وارد کیا کرے؟۔

واجب کی بناء پر نماز درست نہیں ہوئی: اس لیے لوٹائی جا رہی ہے، تو وہ اصل فرض کو مکمل کرنے والی ہے، لہذا یہ نماز، مثل نفل کے ہوگی، اور فرض نماز پڑھنے والے کی اقتداء نفل نماز پڑھانے والے کے پیچھے درست نہیں ہے؛ اس لیے ترک واجب کی وجہ سے اعادہ کی صورت میں وہی حضرات اقتداء کریں گے، جو پہلی مرتبہ امام کے ساتھ شریک تھے۔<sup>[۱]</sup> (کفایت المفتی: جلد ۳/۹۶۶ ☆ فتاویٰ دارالعلوم: ۲/۱۷۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۲۳] صحن مسجد میں جماعت ثانیہ

۷۷۹- سوال: مسجد شرعی کی حد کے بعد صحن مسجد ہے، وہ صحن، مسجد میں داخل نہیں ہے؛ لیکن اس کو چھت سے مسقف کر دیا گیا ہے، تو اس جگہ بہ وقت ضرورت جماعت ثانیہ کی جاسکتی ہے؟ واضح رہے کہ یہ جماعت ثانیہ کبھی کبھار چار پانچ مہینے میں کر لی جاتی ہے، وہ بھی باہر سے آنے والے لوگ ایسا کر لیتے ہیں، تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

#### الجواب حامدًا ومصلياً:

صحن مسجد میں جماعت ثانیہ کبھی کبھار کر سکتے ہیں، صورت مسئولہ میں جیسا کہ لکھا ہے کہ چار پانچ مہینے میں کبھی پڑھ لی جاتی ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلا کراہت جائز ہے؛ البتہ روزمرہ کی عادت بنا لینا مکروہ ہے کہ اس کی وجہ سے جماعت اولیٰ متاثر ہوگی۔<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] (ولها واجبات) لا تفسد بترکها، وتعاد وجوباً في العمدة والسهو، إن لم يسجد له، وإن لم يعدها يكون فاسقاً، وكذا كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها. والمختار أنه جابر للأول؛ لأن الفرض لا يتكرر. (الدر المختار) ————— (قوله والمختار أنه) أي الفعل الثاني جابر للأول بمنزلة الجبر بسجود السهو وبالأول يخرج عن العهدة وإن كان على وجه الكراهة على الأصح، كذا في شرح الأكمل على أصول البزدوي. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۴۵۷، باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة، مطلب كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها، ط: دار الفكر)

(۲) دیکھیے: کفایت المفتی: ۳/۱۳۵، فصل دوم: جماعت، جماعت اعادہ میں نئے آنے والے کی شرکت درست نہیں، جواب نمبر: ۱۸۸، ط: زکریا۔ دیوبند ☆ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳/۴۸، باب الامامة والجماعة، ط: دارالاشاعت، کراچی۔

[۳] وروي عن أبي يوسف أنه إنما يكره إذا كانت الجماعة الثانية كثيرة، فأما إذا كانوا ثلاثة، أو أربعة، فقاموا في زاوية من زوايا المسجد وصلوا بجماعة لا يكره. ————— وروي عن محمد أنه إنما يكره إذا كانت الثانية على سبيل التداعي والاجتماع، فأما إذا لم يكن فلا يكره. (بدائع الصنائع: ۱/۱۵۳، كتاب الصلاة، فصل بيان محل وجوب الأذان، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

## [۲۴] جماعت فوت ہونے پر مسجد میں الگ سے جماعت کرنا

۷۸۰-سوال: امام صاحب نماز کے وقت پر حاضر نہیں تھے، جس کی وجہ سے ایک دوسرے شخص نے امامت کی، نماز ختم ہونے کے بعد امام صاحب آئے، تو انہوں نے کچھ دوسرے لوگوں کو لے کر۔ جن کی جماعت فوت ہو گئی تھی۔ الگ سے جماعت کی، تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ امام صاحب کا یہ طریقہ صحیح ہے یا غلط؟ واضح رہے کہ وہ نماز کے وقت پر بازار جانے کی وجہ سے وقت پر حاضر نہیں ہو سکے تھے؛ اس لیے دوسرے شخص نے نماز پڑھائی تھی، امید ہے مفصل جواب عنایت فرمائیں گے۔

## الجواب حامدًا ومصلياً:

دوسری جماعت مسجد میں یا صحن میں مکروہ ہے، البتہ اگر کوئی معقول وجہ ہو، تو کبھی کبھار مسجد کے باہر والے حصے میں جماعت کر لینے کی گنجائش ہے، مگر عادت بنالینا جائز نہیں۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۵] جماعت ثانیہ کا حکم

۷۸۱-سوال: مسجد میں باجماعت نماز ہو چکی تھی، بعد میں کچھ حضرات آئے، جو دوسری جماعت کر کے نماز ادا کرنا چاہتے ہیں، میری معلومات کے مطابق غالباً شامی وغیرہ میں لکھا ہے کہ جماعت ثانیہ مکروہ ہے؛ لیکن فتاویٰ رضویہ میں لکھا ہے کہ مصلیٰ کے داہنی یا بائیں طرف ہٹ کر جماعت ثانیہ کی جاسکتی

= وعن أبي يوسف إذا لم تكن على الهيئة الأولى لا تکره ولا تکره وهو الصحيح، وبالعدل عن المحراب تختلف الهيئة كذا في البرازية. اهـ. وفي التتارخانية عن الولوالجية: وبه نأخذ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۹۵، باب الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

مزید دیکھیے: المحيط البرهاني - أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۲ھ): ۱/۳۵۱، الفصل السادس عشر في التغني والألحان، ت: عبد الكريم سامي الجندبي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ البحر الرائق - ابن نجيم المصري: ۱/۶۰۵، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتب العلمية ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۸۳، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، ط: زكريا - ديوبند ☆ الفقه الإسلامي وأدلته - د. وهبة الزحيلي (م: ۲۰۱۵ھ = ۱۴۳۶ھ): ۲/۱۶۳ - ۱۶۴، الفصل العاشر: أنواع الصلاة، تاسعاً - تکرار الجماعة في المسجد، ط: ديوبند.

(۱) تقدم تخريجه عن البدائع، ورد المحتار، والمحيط البرهاني، والبحر الرائق، تحت: صحن مسجد میں جماعت ثانیہ۔

ہے، تو دونوں باتوں میں صحیح کیا ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب حامدا ومصليا:

شامی میں لکھا ہے کہ اگر کسی کی نماز جماعت کے ساتھ چھوٹ جائے، تو بہتر یہ ہے کہ وہ تنہا نماز پڑھ لے۔ (شامی: ۱/۵۱۷) [۱]

البتہ امام ابو یوسفؒ کے مسلک کے مطابق لکھا ہے کہ اگر جماعت ثانیہ، جماعت اولیٰ کی طرح نہ ہو، تو جائز ہے، مکروہ نہیں، محراب سے ہٹ جائے گا، تو ہیئت بدل جائے گی اور ان کے مسلک کے مطابق مکروہ نہیں ہوگی۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ: ۲/۵۱۷) [۲]

لیکن یہ بات کبھی کبھار کی ہے، ہمیشہ کے لیے اگر محلے والوں کو ان کی مساجد میں تکرار جماعت کی اجازت دے دی جائے، تو ان کے دلوں سے جماعت اولیٰ کی اہمیت ختم ہو جائے گی، اور جماعت اولیٰ لازماً متاثر ہوگی؛ اس لیے عام حالات میں جماعت ثانیہ کی اجازت نہیں ہے، ہاں کوئی خاص مجبوری ہو، اور ہیئت اولیٰ کے خلاف ہو، کبھی کبھار ہو، یا اسٹیشن کی مسجد ہو، تو اجازت ہے۔ (۳) فتاویٰ رضویہ کی بات کو اسی صورت پر محمول کیا جائے اور شامیؒ کی بات کو عام حالت پر، تو اشکال کی کوئی وجہ نہیں ہوگی، فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] وروی عن أنس "أن أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - كانوا إذا فاتتهم الجماعة في المسجد صلوا في المسجد فرادى" ولأن التكرار يؤدي إلى تقليل الجماعة؛ لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة يتعجلون فتكثر ولا تأخروا. اهـ. بدائع. وحينئذ فلو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى أهل فيه فإنهم يصلون وحدانا، وهو ظاهر الرواية، ظهيرية. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۹۵، كتاب الصلاة، باب الأذان، فائدة التسليم بعد الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) وروى في الفصل الأول أنه قال: إنما يكره تكرار الجماعة إذا كان القوم كثيرا، أما إذا صلى واحد بواحد أو يائنين بعد ما صلى فيه أهلهم، فلا بأس به. (التاتارخانيه: ۲/۱۵۵، كتاب الصلاة، رقم المسئلة: ۲۰۱۲، الفصل الثاني، ت: المفتي شبير أحمد القاسمي، ط: زكريا - ديوبند)

وعن أبي يوسف إذا لم تكن على الهيئة الأولى لا تكره ولا تكره وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة كذا في البرازية. اهـ. وفي التاتارخانية عن الولوالجية: وبه تأخذ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۹۵، كتاب الصلاة، باب الأذان، فائدة التسليم بعد الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) تقدمه تخريجه عن البدائع، ورد المحتار، والمحيط البرهاني، والبحر الرائق، تحت: صحن مسجد میں جماعت ثانیہ۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: المحيط البرهاني - أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶ھ): ۱/۳۵۱، الفصل السادس عشر في التغني والألحان، ت: عبد الكريم سامي الجندبي، ط: دار الكتب =

## [۲۶] ایک مسجد میں دوسری مرتبہ جماعت

۷۸۲-سوال: جس مسجد میں جماعت ہوگئی ہو، وہاں بعد میں چند لوگ دیر سے آئے اور جماعت خانہ کے باہر کے حصہ میں باجماعت نماز پڑھنا چاہتے ہیں، تو کیا دوسری مرتبہ جماعت کرنا درست ہے؟ بعض کا کہنا ہے کہ مکروہ ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟

## الجواب حامدا ومصليا:

جو لوگ مکروہ کہتے ہیں، ان کی بات صحیح ہے، اگر اس کی اجازت دے دی جائے، تو محلے کا ہر مصلیٰ اس طرح الگ سے نماز باجماعت پڑھتا رہے گا اور جماعت کی اہمیت ختم ہو جائے گی۔  
ہاں اگر کوئی معقول عذر ہو، تو پہلی جماعت جس جگہ ہوئی ہے، اس سے الگ دوسری جگہ گنجائش ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= العلمیۃ - بیروت ☆ البحر الرائق - ابن نجیم المصری: ۶۰۵/۱، کتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: در الکتب العلمیۃ ☆ الفتاویٰ الہندیۃ: ۸۳/۱، کتاب الصلاة، الباب الخامس فی الإمامة، ط: زکریا - دیوبند ☆ الفقہ الإسلامی و أدلتہ - د. وہبۃ الزحیلی (م: ۲۰۱۵ = ۱۴۳۶ھ): ۱۶۳/۲ - ۱۶۴، الفصل العاشر: أنواع الصلاة، تاسعاً - تکرار الجماعة فی المسجد، ط: دیوبند.

(۱) وکرہ... و تکرار الجماعة إلا فی مسجد علی طریق فلا بأس بذلك جوہرۃ. (الدر المختار)  
قال ابن عابدین: (قوله: و تکرار الجماعة) لما روی عبد الرحمن بن أبي بكر عن أبيه أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - خرج من بيته ليصلح بين الأنصار فرجع وقد صلى في المسجد بجماعة، فدخل رسول الله - صلى الله عليه وسلم - في منزل بعض أهله فجمع أهله فصلى بهم جماعة، ولو لم يكره تکرار الجماعة في المسجد لصلى فيه. وروی عن أنس " أن أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - كانوا إذا فاتتهم الجماعة في المسجد صلوا في المسجد فرادى "؛ ولأن التکرار يؤدي إلى تقليل الجماعة؛ لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة يتعجلون فتكثر وإلا تأخروا. اهـ. بدائع. وحينئذ فلو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى أهله فيه فإنهم يصلون وحدانا، وهو ظاهر الرواية ظهيريۃ. وفي آخر شرح المنية: وعن أبي حنيفة لو كانت الجماعة أكثر من ثلاثة يكره التکرار وإلا فلا. وعن أبي يوسف إذا لم تكن على الهيئة الأولى لا تکره وإلا تکره وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة كذا في البزازیة. اهـ. وفي التتارخانية عن الولو الجية: وبه نأخذ وسيأتي في باب الإمامة إن شاء الله تعالى لهذه المسألة زيادة كلام. (قوله: إلا في مسجد علی طریق) هو ما ليس له إمام ومؤذن راتب فلا يكره التکرار فيه بأذان وإقامة، بل هو الأفضل خانية. (رد المحتار علی الدر المختار: ۳۹۵/۱، کتاب الصلاة، باب الأذان، قبل: مطلب في كراهة تکرار الجماعة في المسجد، ط: دار الفكر - دیوبند)

## [۲۷] افطار کے بعد تاخیر سے آنے پر مغرب کی جماعت ثانیہ کا حکم

۷۸۳- سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ: مغرب کی نماز کے وقت پانچ سات آدمی کھانے (افطار) کی دعوت میں مصروف تھے، کھانے سے فراغت کے بعد مسجد میں آئے، اور صحن میں جماعت ثانیہ کی، تو جماعت اولیٰ کی فضیلت میں کوئی کمی آئے گی یا نہیں؟ رمضان المبارک میں اس طرح کی جماعت ثانیہ لوگ کرتے رہتے ہیں، اپنے اپنے گھروں پر اطمینان سے افطار کرتے ہیں اور مسجد میں چند لوگوں کے ساتھ جماعت ثانیہ کرتے ہیں، تو کیا اذان سنائی دینے کے بعد یہ لوگ اس طرح تاخیر کریں اور اپنی من مانی کے مطابق مسجد میں آ کر جماعت ثانیہ کریں، کیا شریعت میں ان کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟ نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ جماعت ثانیہ کب کر سکتے ہیں؟

امام صاحب داکرا، طبع بروج

## الجواب حامدا ومصليا:

جس مسجد کے اندر امام و مؤذن متعین ہوں، وہاں جماعت ثانیہ کرنا مکروہ تحریمی ہے؛ ہاں ہیئت بدل کر بلا تداویٰ کے کبھی کبھار جماعت ثانیہ کر لی جائے، تو جائز ہے۔<sup>(۱)</sup>

صورت مسئلہ میں جماعت ثانیہ کرنے والے لوگ ”امر مکروہ“ کا ارتکاب کرنے والے ہیں؛ لیکن اس کا جماعت اولیٰ تک اثر نہیں پہنچے گا، اور ان کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

امام صاحب کی ذمہ داری ہے کہ وہ رمضان المبارک میں سات آٹھ منٹ تک جماعت کو مؤخر کریں، تاکہ افطار کر کے لوگ اطمینان سے جماعت میں شریک ہو سکیں۔<sup>(۲)</sup> اگر نمازیوں کو جماعت نہیں مل سکی، تو تنہا تنہا اپنی اپنی نماز پڑھ لیں، جماعت ثانیہ نہ کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۸] جماعت ثانیہ جائز ہے یا نہیں؟

۷۸۴- سوال: بہت سی مساجد میں دیکھا گیا ہے کہ ایک مرتبہ باجماعت نماز ادا کر لی گئی، اُس

(۱) تقدم تخريجه عن البدائع، ورد المحتار، والمحيط البرهاني، والبحر الرائق، تحت: صحن مسجد میں جماعت ثانیہ۔

(۲) متعلقہ مسئلہ کے لیے دیکھیے عنوان: ”رمضان کے علاوہ مغرب کی جماعت میں تاخیر جائز نہیں“۔



کے بعد پھر دوسری اور تیسری مرتبہ بھی جماعت قائم ہوتی ہے، اور اُس کے لیے مستقل اقامت بھی کبھی جاتی ہے، تو کیا یہ عمل شرعاً صحیح ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

جو مساجد ایسی ہیں، جن کا کوئی مؤذن اور امام مقرر نہیں ہے؛ بل کہ وہ اس مقصد سے بنائی گئی ہیں کہ مسافرین وغیرہ وہاں آکر نماز پڑھ سکیں، جیسا کہ بہت سے اسٹیشنوں پر ایسی مساجد کا انتظام ہوتا ہے، تو اُن میں متعدد مرتبہ جماعت قائم کی جاسکتی ہے، البتہ ایسی مساجد، جن میں امام اور مؤذن مقرر ہوتے ہیں، مثلاً محلہ کی مسجد، تو اُن میں مستقل اذان کے ساتھ دوسری یا تیسری مرتبہ جماعت قائم کرنا جائز نہیں ہے، ہاں! بغیر اذان کے کبھی کسی ضرورت کی وجہ سے صرف اقامت کہہ کر چند لوگوں نے جماعت قائم کی ہو، تو جائز ہے، بشرطیکہ مسجد بڑی ہو اور دوسری جماعت مسجد کے جماعت خانہ میں نہیں؛ بلکہ اُس کے صحن یا کسی اور کونے میں قائم کی گئی ہو، لیکن اس کو بھی ہمیشہ کی عادت بنانا درست نہیں اور مستقل اذان کہنا بھی درست نہیں۔ (عالمگیری ۱: ۸۳) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۹] أَيْضًا

۷۸۵-سوال: ہمارے ملک میں مقامی افریقی مسلمان، شافعی المسلک ہیں، ایسا اکثر ہوتا ہے کہ وہ لوگ ایک مرتبہ مسجد میں نماز کے ختم ہونے کے بعد دیر سے آئے ہوئے مصلیوں کی دوسری جماعت مسجد کے باہر صحن میں قائم کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم حنفی المسلک ہندوستانی لوگ بھی کئی مرتبہ اس طرح کرتے ہیں، اور کبھی اُن کے ساتھ جماعت میں شریک بھی ہوتے ہیں، تو شرعی اعتبار سے اس کا کیا حکم ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

ایسی مسجد، جس میں اذان اور اقامت کے ساتھ نماز باجماعت ادا کی جا چکی ہو اور اُس مسجد کے مؤذن اور امام مقرر ہوں، تو دوسری مرتبہ وہاں جماعت قائم کرنا مکروہ ہے، جماعت خانہ سے باہر یا مسجد اگر

[۱] المسجد إذا كان له إمام معلوم وجماعة معلومة في محله فصلی أهلہ فیہ بالجماعة لا یباح تکرارہ فیہ بأذان ثان أما إذا صلوا بغیر أذان یباح إجماعا وکذا فی مسجد قارة الطریق. کذا فی شرح المجمع للمصنف إذا زاد علی الواحد فی غیر الجمعة فهو جماعة وإن كان معه صبی عاقل. کذا فی السراجیة. (الفتاویٰ الہندیة: ۱/۸۳، کتاب الصلاة، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل الأول فی الجماعة، ط: دار الفکر - بیروت)

بڑی ہے، تو کسی ایک کونے میں بغیر جماعت کے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ اگر جماعت قائم کی جا رہی ہے، تو اُس میں شرکت کر لینا جائز ہے۔ (عالمگیری: ۱/۸۳) <sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳۰] جماعت ثانیہ کا شرعی حکم

۷۸۶-سوال: ”باب ادراک الفریضۃ“ میں جہاں جہاں نماز توڑی جاسکتی ہے؛ مثلاً: کسی میں ایک رکعت تک گنجائش ہے، کسی میں دو رکعت تک گنجائش ہے۔ <sup>(۲)</sup> تو کیا نماز توڑنے کی ایسی ہی گنجائش اس صورت میں بھی رہے گی، جب کہ جماعت ثانیہ ہو رہی ہو؛ مثلاً: ایک مسجد میں ظہر کی جماعت ختم ہوگئی، اس کے بعد ایک آدمی آیا اور منفرداً اس نے نماز شروع کی، ابھی ایک یا دو رکعت ہی پڑھ سکا تھا، کہ چند آدمی آئے اور انہوں نے مل کر جماعت ثانیہ شروع کی، تو اب وہ منفرد اپنی نماز توڑ کر اس جماعت میں شامل ہوگا یا نہیں؟ اسی طریقہ سے مسجد کی جماعت تو نہیں ہوئی ہے؛ لیکن جماعت سے پہلے چند آدمیوں نے مل کر اپنی جماعت علاحدہ کر لی، جیسا کہ عام طور پر اسٹیشنوں کی مساجد میں ہوتا ہے، اس میں بھی اگر مذکورہ صورت پائی گئی، تو منفرد اپنی نماز توڑ کر جماعت میں شامل ہو سکتا ہے یا نہیں؟

#### الجواب حامداً ومصلياً:

اگر کسی کی جماعت فوت ہوگئی ہو، تو اصل حکم یہ ہے کہ منفرد نماز پڑھ لے۔ <sup>(۳)</sup> جماعت ثانیہ سے

[۱] دیکھیے عنوان: جماعت ثانیہ جائز ہے یا نہیں؟ کا حاشیہ، تقدم تخريجه عن البدائع، ورد المحتار، والمحيط البرهاني، والبحر الرائق، تحت: صحن مسجد میں جماعت ثانیہ۔

(۲) إن صلي ركعة من الفجر أو المغرب فأقيم يقطع ويقندي وكذا يقطع الثانية ما لم يقيدها بالسجدة وإذا قيدها بها لم يقطعها... ومن صلي ركعة من الظهر ثم أقيمت يصلي ركعة ثم يدخل مع الإمام وإن لم يقيد الأولى بالسجدة يقطع ويشرع مع الإمام هو الصحيح، كذا في الهداية، وأرداب الإقامة شروع الإمام في الصلاة لإقامة المؤذن... الخ. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۹، كتاب الصلاة، الباب العاشر في إدراك الفريضة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) وروي عن أنس "أن أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - كانوا إذا فاتتهم الجماعة في المسجد صلوا في المسجد فرادى" ولأن التكرار يؤدي إلى تقليد الجماعة؛ لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة يتعجلون فتكثروا ولا تأخروا. اهد. بدائع. وحينئذ فلو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى أهل فيه فإنهم يصلون وحداناً، وهو ظاهر الرواية، ظهيرية. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۹۵، كتاب الصلاة، باب الأذان، فائدة التسليم بعد الأذان، ط: دار الفكر - بيروت)

سلسلے میں کلام ہے کہ وہ بلا کراہت جائز ہے یا مکروہ ہے؛ اس لیے مسجد میں جماعت اولیٰ کے ختم ہونے کے بعد تنہا نماز پڑھنے والا شخص اصل حکم کے مطابق فریضہ کو ادا کر رہا ہے؛ لہذا اس کے لیے اس کی اجازت نہ ہوگی کہ نماز کو ترک کر کے جماعت ثانیہ میں شریک ہو۔

الغرض ”ادراک فریضہ“ کی صورت میں منفرداً نماز پڑھنے والا نماز توڑ کر جماعت میں شامل ہو جائے، یہ حکم اس صورت میں ہے، جب کہ جماعت اولیٰ شروع ہو رہی ہو۔ البتہ فقہائے کرام جس کو ”اسٹیشن کی مسجد“ سے تعبیر کرتے ہیں، وہاں جماعت ثانیہ، جماعت اولیٰ کی مانند ہے، اور تنہا نماز پڑھنے والے لیے گنجائش ہے کہ وہ اپنی نماز کو ترک کر کے جماعت میں شریک ہو جائے، خواہ وہ پہلی جماعت ہو، یا دوسری۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳۱] صحن مسجد میں دوسری جماعت قائم کرنا

۷۸۷- سوال: ایک مسجد میں نماز باجماعت ہو چکی ہو، اس کے بعد دو یا دو سے زائد مصلیٰ آئے اور انہوں نے جماعت خانے کے احاطے سے باہر تخت پر یا برآمدے میں فرض نماز کی دوسری جماعت قائم کرنا چاہا، تو کیا یہ دوسری جماعت مکروہ ہے؟ اور کیا اس سے جماعت کی اہمیت ختم ہو جائے گی؟

#### الجواب حامدا ومصليا:

جس مسجد میں امام اور مؤذن مقرر ہوں اور مسنون طریقے پر نماز باجماعت پڑھی جا چکی ہو، تو ایسی مسجد کے صحن یا برآمدے اور تخت پر کبھی کبھار عادت بنائے بغیر باجماعت نماز پڑھ لینا جائز ہے۔<sup>(۱)</sup> لیکن حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تحقیق کے مطابق جماعت کے جائز ہونے سے جماعت کا ثواب نہیں ملے گا۔ (امداد الفتاویٰ: ۱/۳۶۹)<sup>[۳]</sup>

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: صحن مسجد میں جماعت ثانیہ اور ☆ جماعت ثانیہ کا حکم۔

(۲) تقدم تخريجه عن البدائع، ورد المحتار، والمحيط البرهاني، والبحر الرائق، تحت عنوان: صحن مسجد میں جماعت ثانیہ۔

[۳] حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلے کی تحقیق کے بعد حاصل تحقیق ان الفاظ میں رقم فرماتے ہیں:

”پس غایت مانی الباب ایک فعل مباح ہوا، جس میں نہ ثواب نہ عقاب، اور امام صاحب کراہت کے قائل، تب بھی اسلم اور احوط اس کا ترک ہی ہوا، کیوں کہ فعل میں احتمال کراہت کا ہے، اور ترک میں کوئی ضرر محتمل نہیں، کہ حرمان ثواب بھی نہیں، پس ترک ہی راجح ہوا، یہ سب تحقیق ہے باعتبار حکم فی نفسہ کے۔۔۔۔۔ لیکن چون کہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، اور علماء کے فتوے بھی مختلف ہیں، اس لیے کسی کو کسی پر تکبر شدیدہ وطن زبیا نہیں۔ (امداد الفتاویٰ: ۱/۳۶۹-۳۷۰، تحقیق کراہت و عدم کراہت جماعت ثانیہ، سوال نمبر ۲۸۷، باب الامامة، ط: ذکر یا- دیوبند)

لہذا بہتر یہ ہے کہ برآمدے میں بھی دوسری مرتبہ جماعت سے نماز نہ پڑھیں؛ کیوں کہ جو لوگ جماعت کے پابند ہیں، اگر عذر کی بنا پر ان کی جماعت چھوٹ بھی جائے، پھر بھی ان شاء اللہ جماعت کا ثواب مل جائے گا؛ اس لیے دوسری جماعت نہ کرنا بہتر ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

عن سماك بن حرب، قال: سمعت النعمان بن بشير، يقول: كان رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يسوي صفوفنا حتى كأنما يسوي بها القداح حتى رأى أنا قد عقلنا عنه، ثم خرج يوماً فقام، حتى كاد يكبر فرأى رجلاً بادي صدره من الصف، فقال: عباد الله لتسون صفوفكم، أو ليخالفن الله بين وجوهكم.

(مسلم شریف: ۱۸۲/۱، حدیث نمبر: ۴۳۶)

## باب الصفوف

[جماعت کی صف بندی]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب الصفوف

### [جماعت کی صف بندی]

[۱] نماز میں صفیں کیسے سیدھی کی جائیں؟

۷۸۸-سوال: عرب حضرات نماز میں پیر چوڑے کر کے ایک دوسرے کے پیر کے ساتھ ملا کر

کھڑے رہتے ہیں، تو اس سلسلہ میں صحیح طریقہ کیا ہے؟ کس طرح صفیں سیدھی کی جائیں؟ بیٹو، تو جروا

الجواب حامداً ومصلياً:

شریعت میں مطلوب یہ ہے کہ صفیں سیدھی ہوں، عرب حضرات اور حناص کر غیر مقلدین اس کے لیے ایڑی کو ایڑی کے ساتھ ملانے کو ضروری سمجھتے ہیں، جب کہ دیگر ائمہ صفوں کو سیدھی کرنے کے متعلق فرماتے ہیں کہ کندھے کو کندھے سے ملایا جائے، کیوں کہ اس سے بہتر طور پر صفیں سیدھی ہوں گی۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) دراصل حدیث پاک میں کندھوں کو کندھوں سے، گھٹنوں کو گھٹنوں سے اور ٹخنوں کو ٹخنوں سے، اسی طرح ایک دوسری حدیث میں گردن کو گردن سے ملانے کا حکم معلوم ہوتا ہے، درحقیقت اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرنا دشوار کن امر ہے، تصور کیجیے! ایک شخص پستہ قد ہے اور دوسرا خوش قامت، اتفاق سے دونوں ایک صف میں جمع ہو گئے، تو اس حدیث کے ظاہر پر کیسے عمل ہوگا؟ اس لیے شرح حدیث کے نزدیک اس سے ”تعديل صفوف في المبالغة“ مراد ہے، چنانچہ ابن حجر عسقلانی رقم طراز ہیں: (قوله باب الزايق المنكب بالمنكب والقدم بالقدم في الصف) المراد بذلك المبالغة في تعديل الصف وسد خلله، وقد ورد الأمر بسد خلل الصف والترغيب فيه في أحاديث كثيرة أجمعها حديث بن عمر عند أبي داود وصححه بن خزيمة والحاكم. (فتح الباری: ۲/۲۱۱، ط: دار المعرفۃ- بیروت)

الغرض ہر حال میں صف درست کی جائی، نیز تجربہ ہے کہ کوئی کندھے سے کندھا ملانے کا اہتمام کرے گا، تو تمام اعضاء

-جن کا حدیث میں ذکر ہے- خود بہ خود برابر ہو جائیں گے:

## [۲] صف اول کی تعریف اور امام کا صف میں کھڑا ہونا

۷۸۹-سوال: (۱): صف اول کسے کہتے ہیں؟ مسجد میں پہلے منبر نہیں تھا، بعد میں صف کے درمیان

منبر بنایا گیا، تو کیا دوسری صف میں منبر کے سامنے جو حضرات نماز پڑھتے ہیں، ان کو صف اول کا ثواب ملے گا؟

(۲): محراب چھوٹا ہے، جس کی وجہ سے امام صاحب پہلی صف کے مقتدیوں سے صرف ایک دو قدم

آگے کھڑے ہوتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

### الجواب حامدًا ومصلياً:

① علامہ ابن عابدین شامیؒ نے پہلی صف کے متعلق تفصیل بیان فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ امام سے

متصل جو صف ہوتی ہے، وہ پہلی صف کہلاتی ہے، پس پہلی صف کے بیچ میں یا ایک جانب منبر رکھنے سے پہلی

صف کا حکم باطل نہ ہوگا۔<sup>(۱)</sup> امام کے متصل ہونے سے اسی صف کو پہلی صف کہا جائے گا۔ علامہ شامیؒ مزید

= عن عبد الله بن عمر، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: أقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب وسدوا الخلل

ولينوا بأيدي إخوانكم، ولا تذرُوا فرجات للشيطان ومن وصل صفا وصله الله، ومن قطع صفا قطعه الله. (سنن أبي

داود: ۱/ ۹۷، رقم الحديث: ۶۶۶، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، ط: البدر - ديوبند)

عن أبي القاسم الجدلي، قال: سمعت النعمان بن بشير، يقول: أقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم على الناس بوجهه،

فقال: أقيموا صفوفكم، ثلاثاً، والله لتقيمن صفوفكم أو ليخالفن الله بين قلوبكم، قال: فرأيت الرجل يلزق منكبه

بمنكب صاحبه، وركبته بركية صاحبه، وكعبه بكعبه. (حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۶۶۶)

مزید دیکھیے: اعلاء السنن: ۳/ ۳۱۳-۳۱۴، كتاب الصلاة، أبواب الإمامة، باب سنة تسوية الصفوف، ط: إدارة القرآن

والعلوم الإسلامية، پاکستان)

(۱) قال في البحر في آخر باب الجمعة: تكلموا في الصف الأول، قيل هو خلف الإمام في المقصورة، وقيل ما يلي

المقصورة، وبه أخذ الفقيه أبو الليث؛ لأنه يمنع العامة عن الدخول في المقصورة، فلا تتوصل العامة إلى نيل فضيلة

الصف الأول. اهـ. — أقول: والظاهر أن المقصورة في زمانهم اسم لبیت في داخل الجدار القبلي من المسجد

كان يصلي فيها الأمراء الجمعة ويمنعون الناس من دخولها خوفاً من العدو، فعلى هذا اختلف في الصف الأول، هل

هو ما يلي الإمام من داخلها أم ما يلي المقصورة من خارجها؟ فأخذ الفقيه بالثاني توسعة على العامة كي لا تفوتهم

الفضيلة، ويعلم منه بالأولى أن مثل مقصورة دمشق التي هي في وسط المسجد خارج الحائط القبلي يكون الصف

الأول ما يلي الإمام في داخلها وما اتصل به من طرفيها خارجها من أول الجدار إلى آخره، فلا ينقطع الصف بيناتها،

كما لا ينقطع بالمنبر الذي هو داخلها فيما يظهر. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۹، كتاب الصلاة، مطلب في

الكلام على الصف الأول، ط: دار الفكر)

فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بات ماخوذ ہوئی کہ: دوسری صف میں منبر کے محاذات میں جو مقتدی ہوں گے، ان کو پہلی صف کا ثواب ملے گا؛ کیوں کہ وہ، دوسرے مقتدیوں کے پیچھے نہیں ہیں، پس وہ حکماً پہلی صف میں شمار ہوں گے: ویؤخذ من تعریف الصف الأول بما هو خلف الإمام أي لا خلف مقتد آخر: أن من قام في الصف الثاني بحذاء باب المنبر يكون من الصف الأول؛ لأنه ليس خلف مقتد آخر، والله تعالى أعلم. (شامی: ۱/۳۸۳) [۲]

البتہ پہلی صف - منبر والی - اس طرح کی ہو کہ اس میں امام مقتدیوں کے ساتھ ہی صف میں کھڑا رہتا ہو، تو مکروہ ہے، کیوں کہ دو یا زائد مقتدیوں کے ہونے پر امام کا ان سے آگے کھڑا رہنا واجب ہے، اس کے خلاف کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (۳) لیکن اگر محراب بڑا ہو اور تنگی کی وجہ سے امام باہر کھڑا رہ کر رکوع و سجدہ محراب میں کرتا ہو، تو اس میں حرج نہیں، اسی طرح سردی یا بارش کے موقع پر باہر لوگوں کا کھڑا رہنا مشکل ہو یا لوگ زیادہ ہوں اور مسجد تنگ ہو، جس کی وجہ سے امام مقتدیوں کے ساتھ صف میں تھوڑا آگے بڑھ کر کھڑا رہے، تو درست ہے، ضرورتاً اس کی اجازت ہے، بلا ضرورت مکروہ ہے۔ (۴)

(۲) مذکورہ تفصیل کی روشنی میں اس صف کے مقتدیوں کو پہلی صف کا ثواب ملے گا؛ لیکن بلا ضرورت اس طرح امام کا مقتدیوں کے ساتھ کھڑا رہنا مکروہ تحریمی ہے، صرف ضرورت کی صورت میں گنجائش ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= صف اول وہ ہے، جو امام سے متصل ہو، مؤذن اقامت کے لیے پیچھے کھڑا ہوتا ہے، تو اس کے ساتھ مصلیوں کی جو صف ہے، وہ صف اول ہے۔ اگر یہ صف آگے بڑھ کر امام کے قریب ہو جائے، اس وقت بھی وہ صف اول شمار ہوگی۔ (دیکھیے: فتاویٰ رحیمیہ: ۳۰/۵، باب صفۃ الصلاة، ط: دارالاشاعت - کراچی)

(۲) رد المحتار علی الدر المختار: ۱/۵۷۰، کتاب الصلاة، مطلب فی الکلام علی الصف الأول، ط: دار الفکر۔ [۳] (والزائد) یقف (خلفه) فلو تو سطاتین کرہ تنزیہا و تحریما لو أكثر. (الدالمختار) — قال ابن عابدین: (قولہ و تحریما لو أكثر) أفاد أن تقدم الإمام أمام الصف واجب كما أفاده في الهداية والفتح. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/۵۶۸، باب الإمامة، مطلب فی جواز الإیثار بالقرب، ط: دار الفکر المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ هـ): ۱/۴۲، کتاب الصلاة، باب افتتاح الصلاة، ط: دار المعرفة - بیروت)

(۴) والذی ینبغی للمقتدی التأخر إذا جاء ثالث فإن تأخر وإلا جذبه الثالث إن لم یخش إفساد صلاته، فإن اقتدی عن یسار الإمام یشیر إلیهما بالتأخر،... وهذا كله عند الإمكان وإلا تعین الممكن. (رد المحتار: ۱/۵۶۸، باب الإمامة، مطلب هل الإساءة دون الكراهة أو أفحش منها؟)



### [۳] جمعہ کے دن امام کا مصلیٰ محراب کی جانب کھینچ کر آگے صف بنانا

۷۹۰-سوال: ہماری مسجد میں جمعہ کے دن نمازی زیادہ ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے ممبر کے ساتھ والی صف- جہاں صرف امام ہی کھڑے رہتے ہیں- کے مصلیٰ کو محراب کی جانب کھینچ کر آگے ایک صف بڑھائی جاتی ہے، بعض تبلیغی حضرات کا کہنا ہے کہ اس میں پہلی صف کا ثواب حاصل نہیں ہوگا، اور بعض کا کہنا ہے کہ پہلی صف کا ثواب حاصل ہوگا؟ تو صحیح کیا ہے؟

#### الجواب حامدا ومصليا:

مذکورہ صف پہلی صف نہیں ہے، اس کو ایمر جنسی صف شمار کیا جائے گا، لوگوں کے ازدحام اور جگہ کی تنگی کی وجہ سے اس کا اضافہ کرنا بغیر کسی حرج کے جائز ہے اور بلا ضرورت مکروہ ہے۔<sup>(۱)</sup>

امام کے دائیں اور بائیں کی صف گرچہ پہلی صف نہیں ہے، اس کے باوجود پہلی صف کے مقتدی پیچھے کے مقتدیوں کی آسانی کی غرض سے جگہ خالی کر دیں اور اس صف میں اس نیت سے شامل ہو جائیں کہ پچھلی صفوں کے مقتدیوں کو سہولت ہوگی، تو اس قربانی کا ثواب پہلی صف کے ثواب سے بھی زیادہ ہوگا، علمائے کرام نے لکھا ہے کہ کوئی شخص پہلی صف میں تھا، اس غرض سے کہ جگہ کی کمی کی وجہ سے دوسرے نمازیوں کو تکلیف نہ ہو، پیچھے کی صف میں آ گیا اور وہیں نماز ادا کی، مقصد یہ تھا کہ اس کی ذات سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے، تو مذکورہ شخص کو پہلی صف میں نماز ادا کرنے والے سے زیادہ ثواب ہوگا۔ بس اسی طرح محراب والی صف پہلی صف نہیں ہے؛ لیکن پیچھے کی صف کے نمازیوں کی تکلیف کو مد نظر رکھتے ہوئے قربانی دیتے ہوئے، محراب والی صف میں نماز ادا کرے، تو پہلی صف سے بھی زیادہ ثواب کا مستحق ہوگا۔ (ان شاء اللہ)<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) والذی ینظر أنه ینبغی للمقتدی التأخر إذا جاء ثالث فإن تأخر والا جذبہ الثالث إن لم یخس إفساد صلاحته، فإن اقتدی عن یسار الإمام یشیر إلیهما بالتأخر،... وهذا کله عند الإمكان والإلتین الممكن. (رد المحتار: ۱/ ۵۶۸، باب الإمامة، مطلب هل الإساءة دون الکراهة أو أفحش منها؟، ط: دار الفکر - بیروت)

[۲] قال فی البحر فی آخر باب الجمعة: تکلموا فی الصف الأول، قیل هو خلف الإمام فی المقصورة، وقیل ما یلی المقصورة، وبه أخذ الفقیه أبو اللیث لأنه یمنع العامة عن الدخول فی المقصورة فلا تتوصل العامة إلى نیل فضیلة الصف الأول. اهـ۔۔۔ أقول: والظاهر أن المقصورة فی زمانهم اسم لبيت فی داخل الجدار القبلی من المسجد کان یصلی فیها الأمراء الجمعة ویمنعون الناس من دخولها خوفا من العدو، فعلى هذا اختلف فی الصف =

## [۴] امام کا پہلی صف میں مقتدیوں سے کچھ آگے کھڑا رہنا

۷۹۱- سوال: جناب مفتی صاحب، بعد سلام مسنون عرض میں کہ ہم اپنی مسجد میں صفیں فٹ (سیٹ) کر رہے ہیں، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلی صف میں امام کی جگہ اس طرح بنائی جا رہی ہے کہ مقتدی ان سے دو فٹ دور رہیں گے، سجدہ کے وقت مقتدی کا سر امام کے پیٹ کے برابر تک پہنچ جائے گا۔ یعنی امام کے لیے مستقل صف نہیں ہوگی، مقتدی کی پہلی صف میں ہی امام صاحب کھڑے ہوں گے، البتہ اس قدر آگے کھڑے ہوں گے کہ سجدہ کرتے وقت مقتدی کا سر ان کے پیٹ یا گھٹنے تک ہی پہنچ سکے گا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح امام کا کھڑا ہونا جائز ہے، اس صورت میں ہماری نماز مکروہ تو نہیں ہوگی؟ اس طرح صف فٹ کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

ضروری نوٹ: پہلی صف کا ہم صرف جمعہ اور عید کے دن اور رمضان المبارک میں عشاء اور تراویح میں ہی استعمال کریں گے، ان دنوں کے علاوہ باقی نمازوں میں پہلی صف کا استعمال کرنے کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔

واضح رہے کہ اگر مذکورہ طریقے سے صفوں کو فٹ نہ کرائیں اور امام صاحب کے لیے مستقل صف قائم کریں، تو نقصان یہ ہوتا ہے کہ پیچھے پوری ایک صف کٹ جاتی ہے، جس سے پچاس (۵۰) ساٹھ (۶۰) مقتدیوں کی جگہ کم ہو جاتی ہے؛ جس کی وجہ سے جمعہ و عیدین میں دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تفصیل سے جواب

= الأول، هل هو ما يلي الإمام من داخلها أم ما يلي المقصورة من خارجها؟ فأخذ الفقيه بالثاني توسعه على العامة كي لا تفوتهم الفضيلة، ويعلم منه بالأولى أن مثل مقصورة دمشق التي هي في وسط المسجد خارج الحائط القبلي يكون الصف بنائها، كما لا ينقطع بالمنبر الذي هو داخلها فيما يظهر، وصرح به الشافعية، وعليه فلو وقف في الصف الثاني داخلها قبل استكمال الصف الأول من خارجها يكون مكروها. ويؤخذ من تعريف الصف الأول بما هو خلف الإمام أي لا خلف مقتد آخر أن من قام في الصف الثاني بحذاء باب المنبر يكون من الصف الأول لأنه ليس خلف مقتد آخر، والله تعالى أعلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۹-۵۷۰، كتاب الصلاة، مطلب في الكلام على الصف الأول، ط: دار الفكر)

قال في المعراج: الأفضل أن يقف في الصف الآخر إذا خاف إيذاء أحد. قال - عليه الصلاة والسلام - من ترك الصف الأول مخافة أن يؤذي مسلما أضعف له أجر الصف الأول، وبه أخذ أبو حنيفة ومحمد، وفي كراهة ترك الصف الأول مع إمكانه خلاف أه أي لو تركه مع عدم خوف الإيذاء. (المصدر السابق: ۱/ ۵۶۹)

عنایت فرمائیں۔

### الجواب حامدا ومصليا:

مذکورہ صورت میں امام صاحب پہلی ہی صف میں شمار ہوں گے، چاہے وہ مقتدیوں سے ایک باشت آگے کھڑے رہیں یا چار باشت، اور امام کا پہلی صف میں کھڑے رہنا مکروہ تحریمی ہے؛ لہذا امام صاحب کا پہلی صف سے آگے رہنا واجب ہے، بغیر مجبوری کے ایسا کرنا جائز نہیں ہے؛ لہذا مجبوری کے بغیر مذکورہ مسجد کی پہلی صف میں مقتدیوں کا کھڑا رہنا مکروہ تحریمی ہوگا۔ (فتح القدیر)<sup>[۱]</sup>

ہاں، اگر عید یا جمعہ کی نماز میں مقتدی زیادہ ہو جائیں اور پیچھے کھڑے رہنے کی جگہ نہ ہو اور عید اور جمعہ کی نماز کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو، تو پہلی صف کا استعمال کر سکتے ہیں۔ (شامی)<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۵] پہلی صف کے درمیان منبر حائل ہو جائے، تو کیا وہ پہلی صف کہلائے گی؟

۷۹۲-سوال: آج سے چار، پانچ مہینہ پہلے جب آپ کا نو ساری شہر کا سفر ہوا تھا، تو آپ نے

(۱) وفي الكافي: وإن كثر القوم كره قيام الإمام وسطهم لأن تقدم الإمام سنة لمواظبته - صلى الله عليه وسلم - والإعراض عن سنته مكروه انتهى. والحق أن يعلل بترك الواجب لأن مقتضى فعله التقدم على الكثير من غير ترك الوجوب، فيكون التوسط مكروها كراهة تحريم، وهو صريح الهداية فيما قدمنا في صدر إقامة المرأة النساء حيث قال: لأنها لا تخلو عن ارتكاب محرم وهو قيام الإمام وسط الصف، ولو قام في يمنة الصف أو يسره أساءوا، ولو قام واحد بجانب الإمام، وخلفه صف يكره بالإجماع، كذا في الدراية. (فتح القدیر: ۱/۳۵۶، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

[۲] السنة أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف، ألا ترى أن المحارب ما نصبت إلا وسط المساجد وهي قد عينت لمقام الإمام. اهـ. وفي التتارخانية: ويكره أن يقوم في غير المحراب إلا للضرورة اهـ ومقتضاه أن الإمام لو ترك المحراب وقام في غيره يكره ولو كان قيامه وسط الصف لأنه خلاف عمل الأمة، وهو ظاهر في الإمام الراتب دون غيره والمنفرد، فاغتنم هذه الفائدة... (قوله كجمعة وعيد) مثال للعذر، وهو على تقدير مضاف: أي كزحمة الجمعة وعيد (قوله فلو قاموا إلخ) تفرغ على عدم الكراهة عند العذر في الجمعة وعيد. قال في المعراج: وذكر شيخ الإسلام إنما يكره هذا إذا لم يكن من عذر، أما إذا كان فلا يكره كما في الجمعة إذا كان القوم على الرف، وبعضهم على الأرض لضيق المكان. وحكى الحلواني عن أبي الليث: لا يكره وقيام الإمام في الطاق عند الضرورة بأن ضاق المسجد على القوم. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۶۳۶، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فرع لا بأس بتكليم المصلي وإجابته برأسه، ط: دار الفكر - بيروت)

یہاں کی جامع مسجد میں جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے بیان فرمایا تھا، جب آپ کا بیان ختم ہوا، تو میں نے آپ کو منبر والی پہلی صف میں بٹھانے کی کوشش کی، تو آپ نے انکار کر دیا اور آپ یہ کہتے ہوئے میرے پاس بیٹھ گئے کہ آٹھ دس روز ہوئے ہیں کہ میں منبر والی ناقص صف کے رد میں فتویٰ دے چکا ہوں، اب ہم لوگ ہی اس کے خلاف عمل کریں گے، تو ہم میں اور عوام میں کیا فرق رہے گا؟ تو اب ہمیں آپ کے اس فتوے کی ضرورت ہے؛ تاکہ یہ فتویٰ لوگوں کو پڑھ کر سنا دیا جائے؛ سوال کے اجزاء حسب ذیل ہیں:

(۱) منبر والی صف میں نماز کیوں نہیں پڑھنی چاہیے، ممانعت کی کیا وجہ ہے؟

(۲) منبر والی صف کو اگر ختم کرنا ہو تو کیا کرنا چاہیے؟ ہمارے ایک دعوت و تبلیغ سے جڑے بزرگ

نے یہ ارشاد فرمایا کہ: منبر والی پہلی صف میں مصلیٰ کھینچ لیا جائے، جس سے وہ صف خود بخود ختم ہو جائے گی؛ تو کیا ہم اس پر عمل کریں؟ ان شاء اللہ حتمی عمل تو اسی پر ہوگا، جیسا آپ فتویٰ دیں گے۔

ابراہیم اولاد

### الجواب حامدا ومصليا:

منبر کے درمیان میں، حائل ہونے کی وجہ سے جو صف ٹوٹ جاتی ہو، وہ پہلی صف نہیں ہے، پہلی صف کے متعلق علمائے کرام نے لکھا ہے کہ جس کے دونوں کنارے برابر ہوں، درمیان میں ٹوٹی نہ ہو۔ (شامی: ۱/۵۳۲)<sup>(۱)</sup>

اس تبلیغی بزرگ صاحب نے بالکل صحیح بات کہی ہے، مصلیٰ منبر والی صف میں کھینچ لیا جائے اور امام وہیں پر کھڑے ہوں؛ البتہ جب ضرورت ہو اور نمازیوں کی تعداد بڑھ جائے اور مسجد کا صحن بھر جائے، تو اس وقت منبر والی صف کو پہلی صف بنانا ضرورت کے تحت جائز ہوگا اور اس صف میں نماز پڑھنے والے کو پہلی صف کا ثواب مل جائے گا۔ (شامی: ۱/۶۰۵)<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) وما اتصل به من طرفيها خارجا عنها من أول الجدار إلى آخره، فلا ينقطع الصف ببناها. (رد المحتار: ۲/۳۱۱،

كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الكلام على الصف الأول، ط: مكتبة زكريا- ديوبند)

(۲) قال الولو الجي في فتاواه، وصاحب التجنيس: إذا ضاق المسجد بمن خلف الإمام على القوم لا بأس بأن يقوم الإمام في الطاق؛ لأنه تعذر الأمر عليه، وإن لم يضق المسجد بمن خلف الإمام لا ينبغي للإمام أن يقوم في الطاق؛ لأنه يشبه تباين المكانين اهـ. يعني: وحقيقة اختلاف المكان تمنع الجواز فشبهاه الاختلاف توجب الكراهة. (البحر

الرائق: ۲/۲۸، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: دار الكتاب الإسلامي)

## [۶] امام کے دائیں بائیں کچھ پیچھے ہٹ کر صف بنانا

۷۹۳- سوال: مسجد کے اندرونی حصہ میں نیز صحن میں جگہ ہونے کے باوجود امام کے پڑوس

میں کچھ پیچھے ہٹ کر (محراب کی لائن میں) صف بنانا کیسا ہے؟

## الجواب حامدا ومصليا:

بہت سی مساجد میں محراب بڑا ہونے کی بنا پر امام اگر اس طرح کھڑا ہو، کہ پاؤں کا پچھلا کچھ حصہ محراب کے باہر اور کچھ محراب میں ہو، تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ امام محراب والی صف میں کھڑا ہے؛ بل کہ یہ صف بندی تو مسنون طریقے پر ہوئی ہے اور مذکورہ طریقہ پر صرف بندی جائز ہے؛ لیکن بہت سی مساجد میں محراب تنگ ہونے کی وجہ سے امام صف کے درمیان کھڑا رہتا ہے، تو یہ سنت طریقے کے خلاف ہے؛ اس لیے فقہاء نے اس طریقے کو مکروہ لکھا ہے۔

لیکن اگر مسجد میں جگہ تنگ ہو اور مصلیٰ حضرات زیادہ ہوں؛ اس لیے امام مقتدیوں کے ساتھ، تھوڑا آگے کی طرف بڑھ کر، درمیان میں کھڑا ہو جائے، تو یہ جائز ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ صحن میں اور مسجد کے اندرونی حصے میں جگہ ہے، تو ایسی صورت امام کا صف کے درمیان کھڑا رہنا مکروہ ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات مغرلہ

(۱) وكره... قيام الامام في المحراب لا سجود فيه. وقدماه خارجه؛ لأن العبرة للقدم (مطلقا) وإن لم يتشبه حال الإمام... إذا لم يضق المسجد بمن خلف الإمام لا ينبغي له ذلك... إنما بني علامة لمحل قيام الإمام ليكون قيامه وسط الصف كما هو السنة، لا لأن يقوم في داخله... وفي التتارخانية: ويكره أن يقوم في غير المحراب إلا لضرورة اهدو مقتضاه أن الإمام لو ترك المحراب وقام في غيره يكره ولو كان قيامه وسط الصف لأنه خلاف عمل الأمة، وهذا كله (عند عدم العذر) كجمعة وعيد، وذكر شيخ الإسلام إنما يكره هذا إذا لم يكن من عذر، أما إذا كان فلا يكره كما في الجمعة إذا كان القوم على الرف، وبعضهم على الأرض لضيق المكان. وحكى الحلواني عن أبي الليث: لا يكره وقيام الإمام في الطاق عند الضرورة بأن ضاق المسجد على القوم. (رد المحتار: ۲/ ۱۴۵-۱۴۶، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلوة، وما يكره فيها، ط: مكتبة زكريا- ديوبند ☆ مراقی الفلاح، ص: ۱۳۱، كتاب الصلاة، فصل يكره للمصلي سبعة وسبعون شيئا، ط: فيصل- ديوبند)

## [۷] مصلیٰ پر کھڑا ہونے کے بعد امام کا ادھر ادھر دیکھنا

۷۹۴-سوال: پیش امام صاحب جب مصلیٰ پر کھڑے ہوتے ہیں، تو موذن کی تکبیر کے وقت وہ دائیں بائیں اور گھڑی وغیرہ کی طرف دیکھتے رہتے ہیں، تو ان کی اس طرح کی حرکت کہاں تک درست ہے؟

## الجواب حامدًا ومصلياً:

امام صاحب کی ذمہ داری ہے کہ مقتدیوں کی صفیں برابر اور درست کرنے کا مکمل خیال رکھیں، اگر مقتدی آگے پیچھے ہوں، یا صف کے درمیان جگہ خالی ہو، تو حکم دیں کہ صفیں درست کی جائیں؛ اس مقصد کی خاطر امام صاحب دائیں بائیں دیکھتے ہوں۔ جس کو مقتدی سمجھتے ہوں کہ گھڑی کی طرف دیکھتے ہیں۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں؛ بل کہ ضرورت کے وقت گھڑی کی طرف دیکھنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۸] بڑوں کا صف بنانے کے لیے بچوں کی صف کے سامنے سے گزرنا

۷۹۵-سوال: بڑوں کی صف کے پیچھے ایک صف چھوڑ کر تیسری صف بچوں کے لیے رکھی گئی ہو

(۱) عن سماك بن حرب، قال: سمعت النعمان بن بشير، يقول: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسوي صفوفنا حتى كأنما يسوي بها القداح حتى رأى أنا قد عقلنا عنه، ثم خرج يومًا فقام، حتى كاد يكبر فرأى رجلاً بادي صدره من الصف، فقال: عباد الله لتسون صفوفكم، أو ليخالفن الله بين وجوهكم. (الصحيح لمسلم: ۱/۱۸۲، رقم الحديث: ۱۲۸-۴۳۶)، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، وإقامتها... الخ، ط: ديوبند

عن النعمان بن بشير، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسوي صفوفنا، فخرج يومًا فرأى رجلاً خارجاً صدره عن القوم، فقال: لتسون صفوفكم أو ليخالفن الله بين وجوهكم. — وقد روي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: من تمام الصلاة إقامة الصف. وروي عن عمر: "أنه كان يوكل رجلاً بإقامة الصفوف، ولا يكبر حتى يخبر أن الصفوف قد استوت. وروي عن علي، وعثمان، أنهما كانا يتعاهدان ذلك، ويقولان: استوا، وكان علي يقول: "تقدم يا فلان، تأخر يا فلان. (سنن الترمذي: ۱/۵۳، رقم الحديث: ۲۲۷، أبواب الصلاة. باب ماجاء في إقامة الصفوف، ط: ياسر نديم - ديوبند)

(ويصف) أي يصفهم الإمام بأن يأمرهم بذلك. قال الشمسي: وينبغي أن يأمرهم بأن يترصوا ويسدوا الخلل، ويسووا مناكبهم ويقف وسطاً. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۵۶۸، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

اور دوسری صف بنانے کے لیے بچوں کے آگے گزرنا پڑتا ہو، ایسی صورت میں بچوں کی صف امام کے پیچھے، درمیان سے بنانے کی بجائے کسی ایک جانب سے بنائی جائے، تو کیا اس میں کوئی حرج ہوگا؟

### الجواب حامدا ومصليا:

امام کو بیچ میں کھڑا رہنا چاہیے اور صف دونوں جانب میں برابر ہونی چاہیے، ایک طرف صف بنانا مکروہ ہے؛ مگر مذکورہ صورت میں جب کہ اگلی صفیں برابر ہوں، بچوں کی صف اگر ایک جانب میں بنا دی جائے، تو اس کی گنجائش ہے؛ لیکن جب بچے زیادہ ہوں گے، تو مردوں کو دوسری صف بنانے میں وہی حرج لاحق ہوگا، جو آپ نے ذکر کیا ہے؛ لہذا بہتر یہی ہے کہ بچوں کی صف بھی درمیان ہی سے بنائی جائے۔

اور رہ گیا معاملہ دوسری صف بنانے کے لیے بڑوں کا بچوں کے سامنے سے گزرنے کا، تو کوشش کی جائے کہ اس کی نوبت نہ آئے؛ لیکن اگر اس کی نوبت آجائے، تو ان کے سامنے سے گزرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (در مختار جلد ۲، صفحہ ۳۹۹، باب ما یفسد الصلاة) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۹] نابالغ بچے کا بڑوں کی صف میں کھڑا ہونا

۷۹۶- سوال: (۱) بچہ نابالغ ہو، گیارہ سے بارہ سال کی عمر ہو، ہوش دہو اس رکھتا ہو اور سمجھ بوجھ والا ہو، کیا ایسا نابالغ بچے بڑوں کی صف میں کھڑا ہو سکتا ہے؟

[۱] قال الشمني: وينبغي أن يأمرهم بأن يترصوا ويسدوا الخلل ويسووا منا كبهم ويقف وسطا... وخير صفوف الرجال أولها. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۲۸، باب ما يفسد الصلاة، ط: دار الفكر - بيروت) ولو كان فرجة فللداخل أن يمر على رقبة من لم يسدها لأنه أسقط حرمة نفسه فتنبه (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله ولو كان فرجة إلخ) كان تامة وفرجة فاعلها. قال في القنية: قام في آخر الصف في المسجد بينه وبين الصفوف مواضع خالية فللداخل أن يمر بين يديه ليصل الصفوف؛ لأنه أسقط حرمة نفسه فلا يَأْتُم المار بين يديه، دل عليه ما ذكر في الفردوس برواية ابن عباس - رضي الله تعالى عنهما - عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال: من نظر إلى فرجة في صف فليسد بها بنفسه، فإن لم يفعل فمر مار فليخط. على رقبته فإنه لا حرمة له. أي فليخط المار على رقبة من لم يسد الفرجة. اهـ.

قلت: وليس المراد بالخطي الوطء على رقبته لأنه قديودي إلى قتله ولا يجوز، بل المراد أن يخطو من فوق رقبته، وإذا كان له ذلك فله أن يمر من بين يديه بالأولى، فافهم. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۳۶، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، فروع مشي المصلي مستقبل القبلة هل تفسد صلاته، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) کیا نابالغ بچے بڑوں کی صف میں کھڑا رہے گا، تو شرعی اعتبار سے وہ جگہ خالی جگہ کے حکم میں شمار ہوگی؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

ایک امام اور دو مقتدی ہوں، ایک بالغ اور دوسرا نابالغ، تو دونوں کو ایک ہی صف میں کھڑے رہنے کا حکم ہے۔<sup>(۱)</sup> لیکن بالغ دو یا دو سے زیادہ ہوں، تو نابالغ کی صف ان کے پیچھے بنائی جائے گی، سمجھ بوجھ رکھنے والا، ہوشیار بچہ بھی نابالغ ہو، تو مردوں کی صف میں کھڑا نہیں رہے گا؛ بل کہ پیچھے کھڑا کیا جائے گا، اگر کوئی بچہ مردوں کی صف میں کھڑا ہو جائے، حالاں کہ بچوں کی صف قائم ہو، تو یہ ترتیب کے خلاف ہے، لیکن وہ مقام ”خالی جگہ“ کے حکم میں شمار نہیں ہوگا۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] امام کی ہر دو جانب مقتدی برابر ہوں

۷۹۷-سوال: ایک صاحب نے مثال بیان کی: ”جماعت کے وقت امام اور مقتدی حضرات

کی مثال ترازو کی ڈنڈی اور اس کے پلے کی سی ہے، امام کی دونوں جانب مقتدی برابر برابر ہوں، ایسا نہ ہو کہ

(۱) عن أنس بن مالك، أن جدته مليكة دعت رسول الله صلى الله عليه وسلم لطعام صنعته له، فأكل منه، ثم قال: قوموا فأصل لكم. قال أنس: فقمتم إلى حصير لنا، قد اسود من طول ما لبس، فنضحته بماء، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم، و صفت و اليتيم و راءه، و العجوز من ورائنا، فصلى لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين، ثم انصرف. (صحيح البخاري: ۱/۵۵، رقم الحديث: ۳۸۰، كتاب الصلاة، باب الصلاة على الحصير، ط: البدر - ديوبند) الصحيح لمسلم: ۱/۲۳۳، رقم الحديث: ۲۶۶- (۲۵۸)، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب جواز الجماعة في النافلة، و الصلاة على حصير... الخ، ط: البدر - ديوبند

(الرجال)... (ثم الصبيان) ظاهره تعددهم، فلو واحد داخل الصف (ثم الخنثي ثم النساء). [الدر المختار] وفي الشامية: (قوله فلو واحد داخل الصف) ذكره في البحر بحثا، قال: وكذا لو كان المقتدي رجلا و صبيا يفهما خلفه لحديث أنس: فصفت أنا و اليتيم و راءه و العجوز من ورائنا. و هذا بخلاف المرأة الواحدة فإنها تتأخر مطلقا كالمتعددات للحديث المذكور. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۷۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت)

و إذا كان معه اثنان كما خلفه و كذلك إذا كان أحدهما صبيا. (الفتاوى الهندية: ۱/۸۸، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في بيان ما يمنع صحة الاقتداء... الخ، ط: زكريا ديوبند)

(۲) ولو اجتمع الرجال و النساء و الصبيان و الخنثي و الصبيات المراهقات فأرادوا أن يصطفوا للجماعة - يقوم الرجال صفا مما يلي الإمام، ثم الصبيان بعدهم، ثم الخنثي، ثم الإناث، ثم الصبيات المراهقات. (بدائع الصنائع: ۱/۱۵۹، كتاب الصلاة، فصل في بيان مقام الإمام و المأموم، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)



ایک جانب کم ہو اور دوسری جانب زیادہ۔ اور جس طرح تاجر برابر کرنے کے لیے، ترازو کے اس پلٹے سے مال کو نکال دیتا ہے، جس پلے میں زیادہ ہو، اسی طرح اللہ بھی اس جانب سے مقتدی کو نکال دیتے ہیں، جس جانب زیادہ ہوں۔“

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طور پر مثال بیان کرنا صحیح ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

حدیث شریف سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امام صاحب بالکل بیچ میں کھڑے ہوں اور صف کے درمیان کی خالی جگہوں کو پُر کیا جائے، اور جب تک ایک صف مکمل نہ ہو، دوسری صف نہ بنائی جائے؛ امام کے دونوں جانب مقتدی برابر، برابر کھڑے رہیں، اگر اس کے خلاف ہو، تو مکروہ ہوگا۔ (شامی جلد ۱، صفحہ ۵۶۸) [۱]

[۱] النعمان بن بشیر، يقول: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لتسون صفوفكم، أو ليخالفن الله بين وجوهكم. (صحيح البخاري: ۱۰۰/۱، رقم الحديث: ۷۱۷، كتاب الأذان، باب تسوية الصفوف عند الإقامة وبعدها، ط: البدر - ديوبند)

عن جابر بن سمرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا تصفون كما تصف الملائكة عند ربهم جل وعز، قلنا وكيف تصف الملائكة عند ربهم؟، قال: يتمون الصفوف المقدمة ويتراصون في الصف. (سنن أبي داود: ۱/۹۷، رقم الحديث: ۶۲۱، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، ط: البدر - ديوبند)

عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "توسطوا الإمام، وسدوا الخلل". (السنن الكبرى - أبو بكر البيهقي (م: ۵۸۸ھ): ۱۳/۱۳۷، رقم الحديث: ۵۲۰۳، جماع أبواب موقف الإمام والمأموم، باب مقام الإمام من الصف، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

قال الشمي: وينبغي أن يأمرهم بأن يتراصوا ويسدوا الخلل ويسووا مناكبهم ويقف وسطا. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله ويقف وسطا) قال في المعراج: وفي ميسوط بكر: السنة أن يقوم في المحراب ليعتدل الطرفان، ولو قام في أحد جانبي الصف يكره... ومتى استوى جانباه يقوم عن يمين الإمام إن أمكنه وإن وجد في الصف فرجة سدّها وإلا انتظر حتى يجيء آخر فيقفان خلفه، وإن لم يجيء حتى ركع الإمام يختار أعلم الناس بهذه المسألة فيجذب به ويقفان خلفه، ولو لم يجد عالما يقف خلف الصف بحذاء الإمام للضرورة، ولو وقف منفردا بغير عذر تصح صلاته عندنا هـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۶۸، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

[تنبیه] يفهم من قوله أو إلى سارية كراهة قيام الإمام في غير المحراب، ويؤيده قوله قبله السنة أن يقوم في المحراب، وكذا قوله في موضع آخر: السنة أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف، ألا ترى أن المحارب ما نصبت إلا وسط المساجد وهي قد عينت لمقام الإمام هـ. والظاهر أن هذا في الإمام الراتب لجماعة كثيرة لتلازم عدم قيامه في الوسط، فلو لم يلزم ذلك لا يكره تأمل. (حوالہ سابق، مطلب في الكراهة قيام الإمام في غير المحراب ☆ البحر الرائق: ۱/۶۱۸، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتب - ديوبند)

لیکن ترازو کی مثال دے کر ایک جانب کے مقتدیوں کو نکالنے کی بات درست نہیں، نماز ادا ہو جائے گی، البتہ ثواب کم ملے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] اگلی صف پر کیے بغیر پچھلی صف میں کھڑے ہونے والوں کا حکم

۷۹۸- سوال: اگر اگلی صفوں میں جگہ خالی ہو، تو پچھلی صف میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ دریافت

طلب امر یہ ہے کہ کیا مکروہ [کراہت] کا گناہ پچھلی صف میں کھڑے ہونے والے تمام حضرات کو ہوگا؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

ہر ایک کو گناہ ہوگا، البتہ جن لوگوں کو اگلی صف پر کرنے کے لیے پچھلی صف کے مقتدیوں کے آگے سے ہو کر گزرنا پڑتا ہو، وہ لوگ مصلیٰ کے آگے سے گزرنے کی وعید سے بچنے کے لیے پچھلی صف میں کھڑے ہو گئے ہوں، تو گناہ گار نہیں ہوں گے، اگرچہ حکم یہی ہے کہ اس صورت میں مصلیٰ کے آگے سے گزرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے؛ لہذا مصلیٰ کے آگے سے گذر کر بھی اگلی صف پر کرنی چاہیے۔ (شامی: جلد ۱ صفحہ ۵۷۰) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

(۱) النعمان بن بشیر، يقول: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لتسون صفوفكم، أو لينخالفن الله بين وجوهكم. (صحيح البخاري: ۱/۱۰۰، رقم الحديث: ۷۷۷، كتاب الأذان، باب تسوية الصفوف عند الإقامة وبعدها، ط: ديوبند)

عن جابر بن سمرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا تصفون كما تصف الملائكة عند ربهم جل وعز، قلنا وكيف تصف الملائكة عند ربهم؟، قال: يتمون الصفوف المقدمة ويترصون في الصف. (سنن أبي داود: ۱/۹۷، رقم الحديث: ۶۶۱، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، ط: البدر - ديوبند)

ولو وجد فرجة في الأول لا الثاني له خرق الثاني لتقصيرهم، وفي الحديث: من سد فرجة غفر له. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله لتقصيرهم) يفيد أن الكلام فيما إذا شرعوا. وفي القنية قام في آخر صف وبينه وبين الصفوف مواضع خالية فللداخل أن يمر بين يديه ليصل الصفوف لأنه أسقط حرمة نفسه فلا يأنم المار بين يديه، دل عليه ما في الفردوس عن ابن عباس عنه - صلى الله عليه وسلم - من نظر إلى فرجة في صف فليسدها بنفسه؛ فإن لم يفعل فمر مار فليخط على رقبته فإنه لا حرمة له. أي فليخط المار على رقبة من لم يسد الفرجة. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۷۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

## [۱۲] ضرورت کے وقت چھوٹے بچوں کو بڑوں کی صف میں کھڑا کرنے کا حکم

۷۹۹-سوال: آٹھ دس سال کے بچے، نماز میں بڑے آدمیوں کی صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ ایک آدمی کا یہ کہنا ہے کہ: چھوٹے بچے نماز کے لیے اگلی صفوں میں پہلے سے آکر بیٹھ جاتے ہیں اور بڑے لوگ نماز کی جماعت کھڑی ہونے کے عین وقت پر حاضر ہوتے ہیں، اب اگر وہ اگلی صفوں میں موجود بچوں کو پیچھے کر دیتے ہیں، تو ان بچوں کے دلوں میں نماز کے متعلق نفرت پیدا ہوتی ہے اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم لوگ نماز میں پہلے حاضر ہوئے تھے اور ہمیں انہوں نے پیچھے کر دیا، یہ سوچ کر کسی دن وہ بچے مسجد میں آنے کو تیار بھی نہیں ہوتے، بسا اوقات ان کو اتنا پیچھے کر دیا جاتا ہے کہ باہر دھوپ اور بارش سے بھی دو چار ہونا پڑتا ہے، بچوں کی جگہوں پر بعد میں آنے والے بڑے حضرات اپنا قبضہ جمادیتے ہیں، اس سے غلط اثر یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ بچے مسجد سے نکل کر سینما ہال وغیرہ کا رخ کرتے ہیں؛ لہذا ان حالات کے پیش نظر ان بچوں کے بارے میں اب کیا کیا جائے؟

بہت سی مرتبہ شہروں میں عیدین کے موقع پر لاکھوں کا مجمع ہوتا ہے، ایسے موقع پر چھوٹے بچے بھی اپنے اپنے اولیاء کے ساتھ نماز عید میں شرکت کی غرض سے آتے ہیں، اب ان کے اولیاء پہلی صف میں ہوتے ہیں اور بچے آخری صف میں، نماز کے بعد ہر ایک کو ایک دوسرے سے ملنے کی فکر لاحق ہوتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نماز میں کسی کا بھی دل نہیں لگتا ہے، اور نماز کے بعد اتنے بڑے مجمع میں سے ایک دوسرے کو تلاش کرنے میں کافی وقت ضائع ہوتا ہے اور پریشانی بھی لاحق ہوتی ہے؛ خدا نہ خواستہ بچہ اگر گم ہو گیا پھر تو مصیبت اور تکلیف کی انتہا نہیں رہتی؛ یہ بات بھی ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ بچوں کو پیچھے کر دینے سے ان کی بے راہ روی کا قوی اندیشہ ہے، جیسا کہ اوپر اس کی جانب ہلکا سا اشارہ کیا گیا، یا پھر ان کے دلوں سے نماز کی اہمیت ختم ہو کر اس کی جگہ نفرت پیدا ہو جائے گی اور نماز میں آنا ہی بالکل چھوڑ دیں گے۔ اور بڑے مجمع میں اگر چھوٹے بچے اپنے والدین سے بچھڑ جائیں، تو پھر ہر ایک کو بڑی پریشانی لاحق ہوگی۔

ان ساری وجوہات کے پیش نظر ایک آدمی کا یہ کہنا ہے کہ بچوں کو اپنے والدین کے ساتھ ایک ہی صف میں نماز پڑھنے کی اجازت ہونی چاہیے اور ان کو پیچھے نہ کیا جائے؛ اس سلسلے میں کیا بات صحیح ہے، شریعت کا کیا حکم ہے؟ مینو اتو جروا۔

## الجواب حامد اومصلیا:

صف بندی کا مسنون طریقہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بہ موجب یہ ہے کہ پہلے مردوں کی صفیں، پھر بچوں کی، پھر عورتوں کی۔<sup>(۱)</sup> البتہ ضرورت کے وقت ایک دو بچے اگر مردوں کی صف میں کھڑے رہیں تو یہ جائز ہے، ممنوع نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup> چھوٹے، نابالغ بچوں کو نماز کے لیے مسجد ہی میں آنا ضروری نہیں ہے؛ بل کہ ان کو نماز کی مشق اور عادت اپنے گھروں پر رکھ کر بھی کروائی جاسکتی ہے، نیز عیدین کے موقع پر بچوں کو عید گاہ لے جانے سے وہ خود بھی پریشانی میں مبتلا ہوں گے اور ان کے اولیاء بھی؛ اس لیے ان مواقع میں چھوٹے بچوں کو محلے ہی کی مسجد میں نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے، اگر عید گاہ میں بچے اپنے والدین کے ساتھ آگے کی صفوں میں ہوں گے، تو ان کی وجہ سے بڑوں کی نماز میں خلل واقع ہوگا؛ اس لیے عید گاہ کی بجائے ان بچوں کو محلے کی مسجد ہی میں نماز پڑھنے کی تاکید کرنی چاہیے، یا اس کی ایک آسان شکل یہ ہے کہ عید گاہ ہی میں ایک الگ جگہ ان بچوں کے لیے متعین کی جائے، جہاں جمع ہو کر یہ سارے بچے اپنی اپنی نماز امام کی اقتدا میں ادا کریں، نماز سے فراغت کے بعد اولیاء حضرات اپنے بچوں کو وہاں جا کر تلاش کر لیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے نواسوں کو صف میں اپنے ساتھ رکھ کر نماز ادا کرنا

۸۰۰-سوال: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسوں کو صف میں اپنے ساتھ رکھ کر نماز ادا کرتے تھے، کیا یہ بات صحیح ہے۔؟

## الجواب حامد اومصلیا:

کبھی کبھی پڑھتے تھے، مستقل آپ کی عادت نہیں تھی۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب

(۱) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خير صفوف الرجال أولها، وشرها آخرها، وخير صفوف النساء آخرها، وشرها أولها. (الصحيح لمسلم: ۱/۱۸۲، رقم الحديث: ۱۳۲-۱۳۳)، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها وفضل الأول فالأول... الخ، ط: البدر- ديوبند

[۲] (ويصف) أي يصفهم الإمام بأن يأمرهم بذلك الرجال، (ثم الصبيان) ظاهره تعددهم، فلو واحدا، دخل الصف (ثم الخنائي ثم النساء)... وكذا لو كان المقتدي رجلا وصبيا يصفهما خلفه لحديث أنس: فصففت أنا واليتم وراءه والعجوز من ورائنا. أخرجه البخاري. (رد المحتار: ۱/۵۶۸-۵۷۱)، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار

الفكر ☆ البحر الرائق: ۱/۶۱۶-۶۱۷، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتاب- ديوبند

(۲) اس سلسلے میں صریح حدیث تو احقر کو تلاش بسیار کے باوجود مل سکی، تاہم ذیل کی روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نماز =

## [۱۴] کسی نمازی کا مسجد سے قریب مدرسہ میں رہ کر امام کی اقتدا کرنا

۸۰۱-سوال: ہمارے محلہ کی مسجد چھوٹی ہے، جو رمضان میں تراویح کے لیے ناکافی ہوتی ہے، مسجد سے بالکل متصل مدرسہ ہے، تو کیا یہ جائز ہے کہ کچھ مقتدی وہاں مدرسہ میں، مسجد کے امام کی اقتدا میں نماز پڑھیں؟

### الجواب حامدا ومصليا:

صورت مسئلہ میں جب مسجد کا صحن نمازیوں سے پُر ہو جائے اور کوئی جگہ خالی نہ رہے، اور مسجد سے متصل مدرسہ میں نماز پڑھنے والے مقتدیوں کو امام کی نقل و حرکت کی اطلاع کے لیے پورا انتظام ہو، تو ان کا امام کی اقتداء کے ساتھ اس جگہ میں نماز پڑھنا درست ہے؛ البتہ صفوں کا اتصال ضروری ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= سے پہلے منبر سے صحابہ کو خطاب فرما رہے ہیں، اور حضرت حسن بن علی خطبے کے دوران آپ ﷺ کے بازو میں بیٹھے ہیں۔ غالب گمان یہی ہے کہ نماز کے دوران بھی رہے ہوں گے، فقط، واللہ اعلم:

..... فقال الحسن: ولقد سمعت أبا بكر يقول: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر والحسن بن علي إلى جنبه، وهو يقبل على الناس مرة، وعليه أخرى ويقول: إن ابني هذا سيد، ولعل الله أن يصلح به بين فتيين عظيمين من المسلمين. (صحيح البخاري: ۲/ ۳۷۳، رقم الحديث: ۲۷۰۴، كتاب الصلح، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم للحسن بن علي رضي الله عنهما الخ، ط: البدر - ديوبند)

(۱) (ويمنع من الاقتداء)... (طريق تجري فيه عجلة) ألة يجرها الثور (أو نهر تجري فيه السفن) ولو زورقا ولو في المسجد (أو خلاء) أي فضاء (في الصحراء) أو في مسجد كبير جدا كمسجد القدس (يسع صفيين) فأكثر إلا إذا اتصلت الصفوف فيصح مطلقا، كأن قام في الطريق ثلاثة، وكذا اثنان عند الثاني لا واحد اتفاقا لأنه لكرهه صلاته صار وجوده. كعدمه في حق من خلفه. (والحائل لا يمنع) الاقتداء (إن لم يشتهه حال إمامه) بسمع أو رؤية ولو من باب مشبك يمنع الوصول في الأصح (ولم يختلف المكان) حقيقة كمسجد وبیت في الأصح قنية، ولا حكما عند اتصال الصفوف؛ ولو اقتدى من سطح داره المتصلة بالمسجد لم يجز لاختلاف المكان درر وبحر وغيرهما وأقره المصنف لكن تعقبه في الشر نبلاية ونقل عن البرهان وغيره أن الصحيح اعتبار الاشتباه فقط. قلت: وفي الأشباه وزواهر الجواهر ومفتاح السعادة أنه الأصح. وفي النهر عن الزاد أنه اختيار جماعة من المتأخرين. (الدر المختار: ۵۸۳/۱-۵۸۸)

(قوله عند اتصال الصفوف) أي في الطريق أو على جسر النهر، فإنه مع وجود النهر أو الطريق يختلف المكان، وعند اتصال الصفوف يصير المكان واحدا حكما فلا يمنع كما مر، وكأنه أراد بالحائل في كلام المصنف ما يشمل الحائط وغيره كالطريق والنهر.

## [۱۵] مقتدی حضرات ”حی علی الفلاح“ کہنے سے قبل ہی کیوں کھڑے ہو جاتے ہیں؟

ایک تحقیقی جواب

۸۰۲-سوال: میرے پیش نظر ایک دارالافتاء سے جاری کیا گیا فتویٰ ہے، جس میں یہ تحریر ہے کہ نماز کے لیے اقامت میں ”حی علی الفلاح“ سے قبل صف بنا کر کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے۔ اور یہ بات بخاری شریف، عالم گیری وغیرہ کے حوالہ سے لکھی ہے۔

تو سوال یہ ہے کہ بعض بریلویوں کی مساجد کے علاوہ تمام مساجد میں دیکھا جاتا ہے کہ تمام مقتدی جن میں علماء بھی ہوتے ہیں۔ اقامت شروع ہوتے ہی کھڑے ہو جاتے ہیں اور ”حی علی الفلاح“ تک انتظار نہیں کرتے، تو مسلسل کراہت تحریمی کا ارتکاب کیسے برداشت کیا جاتا ہے؟ یا حی علی الفلاح تک انتظار صرف مستحب ہے، جس پر عمل نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں؟ مستند حوالوں کے ساتھ تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں۔

## الجواب حامدًا ومصلياً:

سب سے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ نماز باجماعت کے لیے کچھ فرائض، سنن اور آداب ہیں، ادب کو

= (قولہ درر) عبارتھا: الحائل بينهما لو بحيث يشته به حال الإمام يمنع وإلا فلا، إلا أن يختلف المكان. قال قاضي خان: إذا قام على الجدار الذي يكون بين داره وبين المسجد ولا يشته به حال الإمام يصح الاقتداء، وإن قام على سطح داره، وداره متصلة بالمسجد لا يصح اقتداؤه، وإن كان لا يشته به حال الإمام؛ لأن بين المسجد وبين سطح داره كثير التخلل فصار المكان مختلفا.

أما في البيت مع المسجد لم يتخلل إلا الحائط ولم يختلف المكان، وعند اتحاد المكان يصح الاقتداء إلا إذا اشتبه عليه حال الإمام. اهـ. أقول: حاصل كلام الدرر أن اختلاف المكان مانع مطلقاً. وأما إذا اتحد، فإن حصل اشتباه منع وإلا فلا، وما نقله عن قاضي خان صريح في ذلك.

(قولہ لکن تعقبہ فی الشرنبلالیۃ إلخ) حیث ذکر أن ما نقله عن الخانية من أنه لو قام على سطح داره المتصلة بالمسجد لا يصح إلخ خلاف الصحيح، لما في الظهيرية من أن الصحيح أنه يصح؛ ولما في البرهان من أنه لو كان بينهما حائط كبير لا يمكن الوصول إلى الإمام ولكن لا يشته به حاله عليه بسماع أو رؤية لانقلاته لا يمنع صحة الاقتداء في الصحيح، وهو اختيار شمس الأئمة الحلواني. اهـ. وحاصل كلام الشرنبلالی أن المعتبر الاشتباه وعدمه فقط دون اختلاف المكان، فإن حصل الاشتباه منع سواء اتحد المكان أو لا، وإلا فلا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۸۶-۵۸۷، باب الإمامة، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۸۸، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الرابع في بيان ما يمنع الاقتداء وما لا يمنع، ط: زكريا-ديوبند)

”مستحب“ بھی کہا جاتا ہے، درمختار میں ادب کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ”تو کہ لا یوجب اساءة ولا عتاباً، کترک سنة الزوائد؛ لکن فعله أفضل“۔<sup>(۱)</sup> یعنی تارک ادب کسی گناہ یا ملامت کا مستحق نہیں ہوتا ہے، جیسے سنن زوائد کا چھوڑنے والا، البتہ ادب پر عمل کرنا افضل ہے۔

اور مذکورہ مسئلہ کہ: ”حجی علی الفلاح“ پر امام اور مقتدیوں کو کھڑا ہونا چاہیے، تو وہ آداب میں سے ہے، جیسا کہ بدائع الصنائع، طحاوی، نور الایضاح اور مراقی الفلاح میں ہے۔<sup>(۲)</sup> پس یہ فعل ادب و مستحب ہے، جس کے نہ کرنے پر کوئی گناہ و ملامت نہیں۔

اور نماز کے آداب میں سے تو یہ بھی ہے کہ امام ”قد قامت الصلوة“ پر نماز شروع کر دیں۔<sup>(۳)</sup> لیکن بتائیں آج اس مسئلہ پر کس جگہ عمل ہو رہا ہے؟ ظاہر ہے اس پر عمل اس لیے چھوڑ دیا گیا ہے کہ مکبر (تکبیر کہنے والے) کی رعایت ہو جائے کہ وہ بھی امام کے ساتھ نماز شروع کر سکے۔<sup>(۴)</sup>

جب صرف تنہا مکبر کی رعایت میں یہ ادب ترک کر دیا گیا ہے، تو صفوں کی درستگی۔ جو کہ بعض علماء کے نزدیک واجب ہے اور یہ تمام مقتدیوں کا حق ہے۔ کی رعایت میں حجی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کا ادب ترک کر دیا جائے، تو اس میں کیا حرج ہے؟ بل کہ ہمارے اس غفلت والے دور میں تو لوگ پہلے کھڑے

(۱) الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۷۷۷، کتاب الصلاة، آداب الصلاة، ط: دار الفکر۔ بیروت۔  
(۲) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع۔ علاء الدین، الکاسانی الحنفی (م: ۵۸۷ھ)۔ ۱/۲۰۰، فصل فی سنن حکم التکبیر آیام التشریق، ط: دار الکتب العلمیة ☆ حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/۲۱۵، باب صفة الصلاة، ط: دار الکتب العلمیة ☆ حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح۔ أحمد بن محمد بن إسماعیل الطحطاوی الحنفی (م: ۱۲۳۱ھ)۔ ۲/۷۷، فصل فی آدابها، ت: محمد عبد العزیز الخالدي، ط: دار الکتب العلمیة۔ بیروت ☆ نور الایضاح ونجاة الأرواح فی الفقہ الحنفی۔ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی المصری الحنفی (م: ۱۰۶۹ھ)۔ ص: ۵۹، کتاب الصلاة، فصل: فی آداب الصلاة، ت: محمد أنیس مہرات، ط: المكتبة العصرية ☆ مراقی الفلاح شرح متن نور الایضاح۔ الشرنبلالی الحنفی، ص: ۱۰۳، اعتنی به وراجعہ: نعیم زرزور، ط: المكتبة العصرية۔

(۳) أن المؤذن إذا قال قد قامت الصلاة كبر الإمام في قول أبي حنيفة ومحمد. (بدائع الصنائع: ۱/۲۰۰)  
(۴) [۲] (و شروع الإمام) فی الصلاة (مذقيل قد قامت الصلاة) ولو آخر حتى أتمها لا بأس به إجماعاً، وهو قول الثاني والثلاثة؛ وهو أعدل المذاهب كما في شرح المجمع لمصنفه. — وفي القهستاني معزيا للخلاصة أنه الأصح. (الدر المختار) — وقال ابن عابدين: (قوله وهو) أي التأخير المفهوم من قوله آخر. (قوله إنه الأصح) لأن فيه محافظة على فضيلة متابعة المؤذن وإعانة له على الشروع مع الإمام. (رد المحتار على الدر المختار: ۴/۷۷۷، آداب الصلاة)

ہونے کے باوجود صحیح صف بندی نہیں کر پاتے ہیں، امام کو انتظار کر پڑتا ہے، تو اگر حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو کہا جائے گا، تو ذرا سوچے کہ ایک رکعت پوری ہونے تک بھی صفیں درست نہیں ہو سکیں گی۔

اور مسئلہ میں یہ جو کہا گیا ہے کہ ”مکبر جب ”حی علی الفلاح“ پر پہنچے، تو امام اور مقتدیان کھڑے ہو جائیں“ تو اس میں تحدید بتلائی گئی ہے نہ کہ حکم، یعنی کھڑے ہونے کا آخری وقت ”حی علی الفلاح“ تک ہے، اس سے تاخیر نہیں کرنی چاہیے، یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا جائز نہیں، چنانچہ طحاوی میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ”الظاهر أنه احتراز عن التأخير لا التقديم حتى لو قام أول الإقامة لا بأس به“۔ (طحاوی: ۱۵۱) [۵] یعنی ظاہر یہ ہے کہ حی علی الفلاح سے آگے تاخیر کرنا ممنوع ہے نہ کہ پہلے کھڑا ہونا، یہاں تک کہ اول اقامت میں کھڑا ہو گیا تو کوئی حرج نہیں؛ لیکن اس بات کو غلط رخ دے کر فتویٰ دیا جاتا ہے اور لوگوں کو بہر کیا جاتا ہے، حالاں کہ اصل حقیقت وہی ہے، جو اوپر بیان کی گئی۔

اس مسئلہ میں جب یہ ثابت ہو گیا کہ حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کا درجہ، مستحب کا ہے اور اس کے ترک پر کوئی گناہ نہیں؛ بل کہ اس زمانہ میں تو اول اقامت میں ہی کھڑا ہونا افضل ہے۔ [۶] (تاکہ تسویہ صفوف میں حرج نہ ہو، جس کی بڑی تاکید احادیث میں وارد ہوئی ہے۔) تو اب جب کسی کتاب میں مکروہ لکھا ہے، تو مکروہ کا لفظ یہاں مستحب کے مقابل میں ہے اور مستحب کی مخالفت میں۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ گناہ نہیں ہے۔ اور مکروہ کے لفظ سے مکروہ تحریمی مراد لینا قطعاً غلط ہے اور یہ گمراہی ہے، بلکہ درحقیقت یہاں مکروہ سے مکروہ تنزیہی بھی ثابت نہیں ہوتا۔

ہاں اگر کسی جگہ لوگ پہلے سے صف بندی کے پابند ہوں اور سیدھی دیوار کی طرح برابر بیٹھنے کے عادی

[۵] حاشیة الطحاوی علی الدر المختار: ۲۱۵/۱، باب صفة الصلاة.

(۶) أخبرني ابن شهاب: " أن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن: الله أكبر، الله أكبر، يقيم الصلاة، يقوم الناس إلى الصلاة، فلا يأتي النبي صلى الله عليه وسلم مقامه حتى يعدل الصفوف ". (المصنف - أبو بكر عبد الرزاق بن همام بن نافع الحميري اليماني الصنعاني (م: ۲۱۱ھ): ۵۰۷/۱، رقم الحديث: ۱۹۴۲، كتاب الصلاة، باب قيام الناس عند الإقامة، ت: حبيب الرحمن الأعظمي، ط: المجلس العلمي - دابھيل، الهند)

عن نافع، أن عمر بن الخطاب كان يأمر بتسوية الصفوف، فإذا جاءوا فأخبروه أن قد استوتت كبر.

عن ابن عمر قال: كان عمر لا يكبر حتى تعادل الصفوف، يوكل بذلك رجالا. (المصدر السابق: ۲/۴۷، رقم

الحديث: ۲۳۳۸ و ۲۳۳۹)



ہوں، تو ان کے لیے مستحب و افضل یہ ہے کہ شروع اقامت میں نہیں؛ بل کہ حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں۔<sup>(۱)</sup>  
نوٹ: مکروہ سے مکروہ تحریمی اس جگہ مراد لیا جاتا ہے، جہاں دوسری جگہ اس کے خلاف کی صراحت نہ ہو، جب دوسری کتابوں میں؛ بل کہ اسی کتاب میں دوسری جگہ خود مصنف اس کے مقابل مستحب لفظ بیان کر رہے ہوں، تو مکروہ سے مراد وہاں مکروہ تحریمی بالکل نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۶] مقتدی حی علی الصلاة کے وقت کھڑے ہوں یا اس سے پہلے؟

۸۰۳-سوال: فرض نماز کے لیے امام اور مقتدی، مؤذن کے حی علی الصلاة اور حی علی الفلاح کہتے وقت کھڑے ہوں گے یا شروع ہی سے کھڑے ہو جائیں؟ یعنی جب اللہ اکبر (تکبیر) کہی جائے، اسی وقت کھڑے ہو جائیں؟

### الجواب حامدا ومصليا:

نماز پڑھنا فرض، جماعت واجب اور صفوف کو درست کرنا ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: صفیں درست کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہرے مسخ کر دے گا۔ (بخاری شریف)<sup>[۲]</sup> نیز صفیں درست نہ

[۱] مسئلے کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: شامی: ۴/۱۷۹، باب صفۃ الصلاة ☆ فتاویٰ محمودیہ: ۴/۵۷۰-۴/۵۹۸، ط: اشرفی بک ڈپو-دیوبند۔

[۲] النعمان بن بشیر يقول قال النبي صلى الله عليه وسلم لتسون صفوفكم أو ليخالفن الله بين وجوهكم. (صحيح البخاري: ۱/۱۰۰، رقم الحديث: ۷۱۷، كتاب الأذان، باب تسوية الصفوف عند الإقامة وبعدها، ط: البدر-ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۱۸۲، رقم الحديث: ۱۲۷-۱۲۸)، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، وإقامتها، وفضل الأول... الخ، ط: البدر-ديوبند)

قال المحقق مصطفى البغا: (ليخالفن الله بين وجوهكم) يقع بينها المخالفة بتحويلها عن مواضعها أو المراد اختلاف القلوب ووقوع العداوة والبغضاء بينها]

قال العيني: والمعنى: ليخالفن الله إن لم تقيموا الصفوف؛ لأنه قابل بين الإقامة وبينه، فيكون الواقع أحد الأمرين، وهذا عي لمن لم يقيم الصفوف بعذاب من جنس ذنبهم لاختلافهم في مقامهم، وقيل: يقع بينكم العداوة والبغضاء واختلاف القلوب، يقال: تغير وجه فلان علي، أي: ظهر لي من وجهه كراهية في وتغير؛ لأن مخالفتهم في الصفوف مخالفة في الظاهر، واختلاف الظاهر سبب لاختلاف الباطن. وقيل: هو على حقيقته، والمراد تشويه الوجه بتحويل خلقه عن وضعه بجعله موضع القفا، وهذا نظير الوعيد فيمن رفع رأسه قبل الإمام أن يجعل الله رأسه راس حمار، ويؤيد حمله على ظاهره مارواه أحمد من حديث أبي أمامة بلفظ: (لتسون الصفوف أو لتطمسن الوجوه) =

کرنے کی وجہ سے تم میں لڑائی جھگڑے کھڑے ہوں گے۔

نمازوں کی صفیں درست نہ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہاری شکل و صورت کو مسخ کر دیں گے۔ اب آپ ہی سوچیں کہ برابر صف بندی پہلے سے کھڑے ہونے کی صورت میں ہوگی یا حی علی الصلوٰۃ کے وقت؟ ظاہر ہے کہ مسجد میں نماز پڑھنے ہی آئے ہیں اور استوائے صفوف واجب ہے؛ لہذا بہتر یہ ہے کہ اقامت شروع ہوتے ہی لوگ کھڑے ہو جائیں؛ لیکن اگر کوئی شخص بیٹھا رہے گا اور حی علی الصلوٰۃ پر کھڑا ہوگا، تو وہ نماز میں سستی کرنے والوں کی فہرست میں داخل نہیں ہوگا؛ اسی لیے علامہ طحاویؒ نے درمختار کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہو جائیں اور اس سے زیادہ تاخیر سے احتراز کریں: وقال العلامة الطحاوي: "الظاهر أنه احتراز عن التأخير لا التقديم حتى لو قام أول الإقامة لا بأس به" (۲)۔

اب آپ سوچئے! جو لوگ حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے کے لیے کہتے ہیں تو ان سے سوال ہے کہ کیا حی علی الصلوٰۃ پر کھڑا ہونا واجب ہے یا سنت یا مستحب؟ کسی نے بھی واجب نہیں کہا ہے۔ درمختار میں لکھا ہے کہ نماز کے چند آداب ہیں، جن کے ترک پر برا بھلا کہنا یا غصہ کرنا جائز نہیں ہے، جس طرح کہ سنن زوائد کے تارک پر برہمی کا اظہار کرنا درست نہیں ہے۔

تاہم ان (آداب) کی رعایت کرنا بہتر ہے، اگر ان کے نزدیک امام اور مقتدی کا حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے، (واجب نہیں ہے) تو ایک مستحب عمل کے بارے میں لڑائی جھگڑا کرنا حرام ہے، نمازی سہولت کے مطابق کھڑے ہوں، تو جائز ہے؛ لیکن اگر کھڑے ہونے میں حی علی الصلوٰۃ سے زیادہ تاخیر نہ کریں۔

اگر اقامت شروع ہوتے ہی کھڑے ہو جائیں کہ جس سے صف بندی - جو واجب ہے - درست ہو سکے، تو بہتر ہوگا؛ لہذا جو لوگ استوائے صفوف کا لحاظ کرتے ہوئے شروع ہی سے کھڑے ہو جائیں، ان پر لعن طعن کرنا اور برا بھلا کہنا حرام ہے۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= قال القرطبي: معناه تفترون ليأخذ كل واحد وجهها غير الذي أخذ صاحبه، لأن تقدم الشخص على غيره مظنة الكبر المفسد للقلب الداعي إلى القطيعة، ويقال: المراد من الوجه إما الذات فالمخالفة بحسب المقاصد، وإما العضو المخصوص، فالمخالفة إما بحسب الصورة الإنسانية وغيرها، وإما بحسب الصفة، وإما بحسب القدم والوراء. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵ھ): ۲۵۳/۵، رقم الحديث: ۱۷، باب تسوية الصفوف عند الإقامة وبعدها، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(۲) حاشية الطحاوي على الدر المختار: ۱/۲۱۵، باب صفة الصلاة.

(۳) تقدم تفصيله وتخرجه.

## [۱۷] امام کی دائیں جانب کھڑے ہونے کی فضیلت

۸۰۴-سوال: بہت سے لوگ نماز میں امام کے پیچھے داہنی جانب کھڑے ہونے کا اہتمام کرتے ہیں، اس بارے میں کوئی فضیلت وارد ہوئی ہو، تو تحریر فرمائیں۔

### الجواب حامداً ومصلياً:

روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنی رحمت نازل فرماتے ہیں، تو اولاً امام پر، پھر اس صف پر، جو امام سے نزدیک ہوتی ہے، اس میں بھی پہلے دائیں جانب، پھر بائیں جانب۔ اسی تفصیل کے مطابق دوسری اور تیسری صف والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتے ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے کو ۱۰۰ نماز کا ثواب، اس کی دائیں جانب ۷۵ نماز، بائیں جانب ۵۰ نماز، اس کے بعد ہر ایک کو ۲۵ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ (مراقی الفلاح)<sup>[۱]</sup> الغرض مختلف افراد امام کے پیچھے داہنی جانب زیادہ ثواب حاصل کرنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) وأفضل الصفوف أولها ثم الأقرب فالأقرب لما روى أن الله تعالى ينزل الرحمة أولاً على الإمام ثم تتجاوز عنه إلى من يحاذيه في الصف الأول ثم إلى الميامن ثم إلى المياسر ثم إلى الصف الثاني، وروى عنه صلى الله عليه وسلم أنه قال: "تكتب للذي خلف الإمام بحذائه مائة صلاة وللذي في الجانب الأيمن خمسة وسبعون صلاة وللذي في الأيسر خمسون صلاة وللذي في سائر الصفوف خمسة وعشرون صلاة". (مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح - حسن بن عمار بن علي الشرنبلالی المصري الحنفی (م: ۱۰۶۹ھ)، ص: ۱۱۶، باب الإمامة، "فصل: في بيان الأحق بالإمامة و" في بيان ترتيب الصفوف"، ت: نعیم زرزور، ط: المكتبة العصرية ☆ البحر الرائق شرح كنز الدقائق - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ): ۳/۵۷۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار - ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفی (م: ۱۲۵۲ھ): ۵۶۹/۱، باب الإمامة، مطلب في الكراهة قيام الإمام في غير المحراب، ط: دار الفكر - بيروت)



عن أنس بن مالك، عن النبي -صلى الله عليه وسلم- قال: " من نسى صلاة فليصل إذا ذكرها، لا كفارة لها إلا ذلك {وأقم الصلاة لذكري} [طه: ۱۳] ".

(متفق عليه، بخاری شریف، حدیث نمبر: ۵۹۷، مسلم شریف: ۶۸۰)

## باب إدراك الفرائض وقضاء الفوائت

[فرائض کو پانے اور فوت شدہ نماز کی قضا کا بیان]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب ادراك الفرائض وقضاء الفوائت

[فرائض کو پانے اور فوت شدہ نماز کی قضا کا بیان]

[۱] امام صاحب کو رکوع میں پانے والا، رکعت کو پانے والا ہوگا

۸۰۵-سوال: ایک شخص جماعت میں ایسے وقت شریک ہوا، جب کہ امام صاحب رکوع

میں تھے، شریک ہونے والا آدھے رکوع کے بہ قدر جھک سکا کہ امام صاحب رکوع سے اٹھنے لگے، تو کیا ایسی صورت میں وہ رکعت پانے والا شمار ہوگا؟ بینو اتو جروا۔

**الجواب حامدا ومصليا:**

مذکورہ صورت میں اگر پشت ٹیڑھی ہو چکی ہو، چاہے پوری ٹیڑھی نہ ہوئی ہو اور ہاتھ بھی گھٹنوں تک نہ پہنچے ہوں اور امام کے رکوع میں ہونے کی حالت میں ہی اس قدر جھک گیا ہو، تو وہ اس رکعت کا پانے والا شمار ہوگا، مگر پوری طرح رکوع میں جانے کے بعد ایک تسبیح کے بہ قدر ٹھہرنا واجب ہے؛ لہذا اگر امام کے کھڑے ہونے کے بعد رکوع میں اتنی مقدار ٹھہرا ہو، تو نماز درست ہوگی اور اگر تھوڑا ٹیڑھا ہونے (جھکنے) کے بعد مکمل رکوع کیے بغیر امام کے ساتھ کھڑا ہو گیا، تو واجب چھوڑنے کی وجہ سے نماز کا اعادہ کرنا ہوگا۔ (شامی جلد ۱، صفحہ: ۷۷۷) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ذکر الجلابی فی صلاتہ أدرك الإمام فی الركوع، فكبر قائما ثم شرع في الانحطاط، وشرع الإمام في الرفع، الأصح أن يعتد بها إذا وجدت المشاركة قبل أن يستقيم قائما وإن قل، هكذا في معراج الدراية. (الفتاوى الهندية:

۱۲۰/۱، كتاب الصلاة، الباب العاشر في إدراك الفريضة، ط: زكريا- ديوبند، رد المحتار على الدر المختار:

۵۱۶/۲-۵۱۷، كتاب الصلاة، باب ادراك الفريضة، ط: زكريا- ديوبند)

[۲] مقتدی تکبیر تحریمہ کہہ کر قعدہ میں جا رہا ہو کہ امام سلام پھیر دے

۸۰۶-سوال: جماعت ہو رہی تھی، امام صاحب قعدہ اخیرہ میں بیٹھے ہوئے تھے، کہ بعد میں آنے والے شخص نے جماعت میں شامل ہونے کے ارادے سے تکبیر تحریمہ کہی، قیام کیا اور قعدہ میں بیٹھنے ہی جا رہا تھا کہ امام صاحب نے سلام پھیر دیا، تو کیا اس صورت میں بعد میں آنے والے شخص کو جماعت میں شامل سمجھا جائے گا؟ جماعت میں شمولیت کی آخری حد کیا ہے؟ مقتدی کا التحیات شروع کر دینا یا پھر قعدہ میں اطمینان سے بیٹھ جانا؟

**الجواب حامد اومصلیا:**

آنے والے شخص کی اقتداء کے صحیح ہونے کے لیے امام کا نماز میں ہونا ضروری ہے؛ لہذا اگر آنے والا شخص نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں داخل ہو گیا، تو اقتداء صحیح ہو گئی، قعدہ میں بیٹھنا ضروری نہیں ہے؛ لیکن اگر امام نے سلام شروع کیا اور مقتدی نے تکبیر پڑھی، تو اقتداء صحیح نہیں ہوگی اور مذکورہ تکبیر رد و باطل ہو جائے گی؛ کیوں کہ اقتداء کی نیت سے تکبیر کہی تھی اور اقتداء صحیح ہوئی نہیں؛ لہذا از سر نو تکبیر کہہ کر نماز کا آغاز کرے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] رکوع میں مقتدی کے ہاتھ گھٹنوں تک نہیں پہنچے تھے کہ امام کھڑا گیا

۸۰۷-سوال: امام صاحب رکوع میں تھے، بعد میں آنے والے شخص نے تکبیر کہی اور امام کے ساتھ شامل ہونے کے لیے جھکے، ابھی ہاتھ گھٹنوں تک پہنچے تھے کہ امام رکوع سے کھڑے ہو گئے، تو کیا بعد میں آنے والا شخص رکعت پانے والا ہوگا؟ رکعت پانے کا معیار کیا ہے؟ ایک مرتبہ سبحان ربی العظیم کہنا یا جھک کر گھٹنوں تک ہاتھ پہنچانا؟

(۱) وتنقضي قدوة بالأول قبل عليكم على المشهور عندنا وعليه الشافعية. (الدر المختار) — قال ابن عابدین: (قوله وتنقضي قدوة بالأول) أي بالسلام الأول. قال في التجنيس: الإمام إذا فرغ من صلاته، فلما قال السلام، جاء رجل، واقتدى به قبل أن يقول عليكم، لا يصير داخلًا في صلاته؛ لأن هذا سلام؛ ألا ترى أنه لو أراد أن يسلم على أحد في صلاته ساهيا، فقال السلام ثم علم فسكت تفسد صلاته. اهـ. رحمتي. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۲۶۸، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة، مطلب لا ينبغي أن يعدل عن الدراية إذا وافقتهار واية، ط: دار الفكر)

## الجواب حامدا ومصليا:

رکوع اور رکعت مل جانے کا معیار مقتدی کا رکوع میں شامل ہو جانا ہے، سبحان اللہ پڑھنا معیار نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] دوران صلاۃ وضو ٹوٹ جائے اور مجمع کی زیادتی کی وجہ سے نکلنا دشوار ہو تو کیا کرے؟

۸۰۸-سوال: ایک شخص باجماعت نماز پڑھ رہا ہو، کسی وجہ سے وضو ٹوٹ گیا، اب اگر وہ آدمی وضو کرنے کے لیے جائے گا، تو پیچھے بہت سی صفیں ہیں، جن کی وجہ سے اسے کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا، مثلاً اجتماع کا موقع ہے، تو ایسے وقت بوڑھے اور جوان آدمی کو کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟

## الجواب حامدا ومصليا:

فرض نماز کی جماعت میں وضو ٹوٹ جائے، تو وضو کر کے جتنی نماز پڑھ چکا ہے، اس پر بناء کرنے کی اجازت ہے اور جماعت چھوٹنے کا اندیشہ ہو، تو بناء کرنا افضل ہے، تنہا نماز پڑھ رہا ہو، تو ایسی صورت میں استیناف (یعنی وضو کر کے از سر نو نماز پڑھنا) افضل ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) "ومن انتهى إلى الإمام في ركوعه فكبر ووقف حتى رفع الإمام رأسه لا يصير مدر كالتلك الركعة خلافا لرفر رحمہ اللہ" ہو یقول أدرك الإمام فيما له حكم القيام فصار كما لو أدر كه في حقيقة القيام ولنا أن الشرط هو المشاركة في أفعال الصلاة ولم يوجد لا في القيام ولا في الركوع". (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۲/۱، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي-بيروت)

قوله: "أو لم يقف بل انحط بمجرد إحرامه فرفع الإمام رأسه" بحيث لم تتحقق مشار كته له فيه فإنه يصح اقتداؤه ولكنه لم يدرك الركعة حيث لم يدركه في جزء من الركوع قبل رفع رأسه منه... وقيل في مقدار تسبيحة، قال ابن أمير حاج: والأول أوجه، وقال الحلبي: هو الأصح؛ لأن الشرط المشاركة في جزء من الركوع، وإن قل، والحاصل أنه إذا وصل إلى حد الركوع قبل أن يخرج الإمام من حد الركوع فقد أدرك معه الركعة وإلا فلا. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح- أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱ھ)، ص: ۴۵۵، باب إدراك الفريضة، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۶۰، باب إدراك الفريضة، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) من سبقه حدث توطأ وبني. كذا في الكنز... والاستئناف أفضل. كذا في المتون وهذا في حق الكل عند بعض المشايخ، وقيل: هذا في حق المنفرد قطعاً، وأما الإمام والمأموم إن كانا يجدان جماعة فالاستئناف أفضل =



صورتِ مسئلہ میں وضو کرنا فرض ہے، اگر سہولت کے ساتھ صف سے نکلنے کی کوئی صورت ہو، تو جا کر وضو کر لے اور جماعت میں شامل ہو کر بقیہ رکعتیں مکمل کرے، اگر یہ ممکن نہ ہو، تو بہتر ہے کہ وہاں تیمم کر کے نماز کی صورت قائم رکھے، پھر جیسے ہی جگہ ملے، وضو کر کے فرض نماز کو لوٹا لے۔ (شامی جلد ۱، صفحہ ۲۴۲) [۱]

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۵] فدیہِ صلاۃ اپنی بہن یا بھانجی کو دینا

۸۰۹- سوال: زید اپنی والدہ کا فدیہ صلاۃ ادا کر رہا ہے، تو کیا یہ فدیہ وہ اپنی بہن یا بھانجی کو دے سکتا ہے؟ بینواتو جروا۔

=أيضا، وإن كانا لا يجدان فالبناء أفضل صيانة لفضيلة الجماعة، وصحح هذا في الفتاوى كذا في الجوهرة النيرة. (الفتاوى الهندية: ۹۳/۱، كتاب الصلاة، الباب السادس في الحدث في الصلاة، ط: دار الفكر - بيروت)

(وإذا سأل له البناء ترضاً) فوراً بكل سنة (وبني على ماضى) بلا كراهة (ويتم صلاحه ثمة) وهو أولى تقليلاً للمشى (أو يعود إلى مكانه) ليتحد مكانها (كمفرد) فإنه مخير، وهذا كله (إن فرغ خليفته وإلا عاد إلى مكانه) حتماً لو بينهما ما يمنع الاقتداء (كالمتقدمي إذا سبقه الحدث). [الدر المختار]

قال ابن عابدين: (قوله ترضاً) أي إن وجد ماء وإلا تیمم، كما يعلم من قولهم في التيمم أعيد ولو بناءً رملي. قلت: بل صرح به في البدائع هنا، وقال لأن ابتداء الصلاة بالتيمم جائز فالبناء أولى، فإن تیمم ثم وجد الماء، فإن وجده بعدما عاد إلى مقامه استقبل، وإن قبله في الطريق فالقياس كذلك. وفي الاستحسان يتوضأ ويبنى. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۶۰۵-۶۰۶، كتاب الصلاة، باب الاستخلاف، ط: دار الفكر)

(۱) وحاصله ما ذكره القهستاني بقوله: إن سبق الحدث في المصلي قبل الصلاة، فإن رجاً إدراك شيء منها بعد الوضوء لا تیمم؛ وإن شرع، فإن خاف زوال الشمس تیمم بالإجماع، وإلا فإن رجاً إدراكه لا تیمم، وإلا فإن شرع به تیمم إجماعاً، وإن شرع بالوضوء فكذلك عنده خلافاً لهما. اهـ وهو محمول على ما إذا خاف خروج الوقت إذا ذهب يتوضأ وإلا فلا بد من الوضوء لأمن الفوات؛ لأنه يمكنه إكمال صلاته بعد سلام إمامه تأمل، وقد اقتصر وافي تصوير مسألة البناء على صلاة العيد، وذكر في الإمداد أنه ليس للاحتراز عن الجنابة؛ لأن العلة فيهما واحدة. (رد

المختار على الدر المختار: ۲۴۲/۱، كتاب الطهارة، باب التيمم، سنن التيمم، ط: دار الفكر)

نوٹ: مذکورہ فقہی جزیئہ ان نمازوں کے لیے ہے، جن کے فوت پر کوئی بدل موجود نہ ہو، جیسا کہ خط کشیدہ عبارت سے واضح ہے، صورتِ مسئلہ میں جماعت کی فضیلت فوت ہو رہی ہے، خیال ہوتا ہے کہ مذکورہ جزیئہ پر قیاس کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحبؒ نے لکھا ہے کہ ایسا شخص تیمم کر کے نماز پڑھے یا نماز پڑھنے کی صورت بنا لے، بعد میں اس کا اعادہ کر لے۔

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

اگر والدہ کے حکم سے یا وصیت کی بنا پر والدہ کے مال میں سے نذیہ ادا کر رہا ہے، تو وہ اپنی بہن کو نہیں دے سکتا، اگر ورثاء تبرعاً اپنی جانب سے نذیہ ادا کریں، تو بہن یا بھانجی کو دینا صحیح ہے۔ (رد المحتار ۳۴۵/۳)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

**[۶] کیا مغرب کی نماز میں مسبوق کے لیے تین قعدے ہو سکتے ہیں؟**

۸۱۰- سوال: زید کا کہنا ہے کہ اگر کسی کو امام کے ساتھ کسی بھی نماز میں ایک رکعت ملی ہو، تو وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی نماز پوری کرنے کے لیے کھڑا ہو، تو ایک رکعت کے بعد قعدہ کرنا ضروری ہے چاہے مغرب میں تین قعدہ ہوتے ہوں، تو کیا زید کا ایسا کہنا صحیح ہے؟

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

زید کا کہنا صحیح ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک بھی یہی ہے، نیز علماء کا عمل بھی اسی پر ہے، البتہ اگر مسبوق پہلی رکعت میں نہیں بیٹھا، دوسری رکعت پر بیٹھا، تو سجدہ سہو واجب نہ ہوگا۔ اور مسبوق کے لیے پہلی دو باقی ماندہ (چھوٹی ہوئی) رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورہ ملانا واجب ہے۔ (شامی)<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] مصرف الكفارة مصرف الفطرة وهو أي مصرف الفطرة مصرف الزكاة. (منحة الخالق على البحر الرائق:

۱۱۶/۳، كتاب الطلاق، باب الطهار، فصل في كفارة الظهار، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(قوله وأصله، وإن علا وفرعه، وإن سفل) بالجرأي لا يجوز الدفع إلى أبيه وجده، وإن علا، ولا إلى ولده وولد ولده،

وإن سفل؛... وفيه إشارة إلى أن هذا الحكم لا يخص الزكاة بل كل صدقة واجبة لا يجوز دفعها لهم كأحد الزوجين

كالكفارات وصدقة الفطر والندور، وقيد بأصله وفرعه؛ لأن من سواهم من القرابة يجوز الدفع لهم، وهو أولى لما

فيه من الصلة مع الصدقة كالإخوة والأخوات والأعمام والعمات والأحوال والخالات الفقراء. (البحر الرائق:

۲/۲۶۲، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۲) (والمسبوق - من سبقه الإمام بها أو ببعضها - وهو منفرد) حتى يثني ويتعوذ ويقرأ... (فيما يقضيه) أي بعد

متابعته لإمامه،... ويقضي أول صلاته في حق قراءة، وآخرها في حق تشهد؛ فمدرك ركعة من غير فجر يأتي

بركعتين بفاتحة وسورة وتشهد بينهما، واربعة الرباعي بفاتحة فقط. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله ويقضي أول صلاته في حق قراءة إلخ) هذا قول محمد كما في مبسوط السرخسي، وعليه

اقتصر في الخلاصة وشرح الطحاوي والإسبغابي والفتح والدرر والبحر وغيرهم وذكر الخلاف كذلك في

السراج لكن في صلاة الجلابي أن هذا قولهما وتامهما في شرح إسماعيل. وفي الفيض عن المستصفي: لو أدر كه =

[۷] نماز میں شریک ہونے والا نو وارد کب رکعت کا پانے والا شمار کیا جائے گا؟

۸۱۱-سوال: مقتدی تکبیر کہہ کر رکوع میں گیا، اور امام نے سر اٹھالیا یعنی امام صاحب رکوع سے اٹھ گئے؛ البتہ صف اول کے مقتدی ابھی رکوع میں ہیں، تو رکعت پانا (ملنا) شمار ہوگا یا نہیں؟  
یعنی امام کو تو اس شخص نے رکوع میں نہیں پایا، البتہ بعض مقتدی ابھی رکوع میں تھے، تو ایسی صورت میں اس کی وہ رکعت شمار کی جائے گی یا نہیں؟

### الجواب حامدًا ومصلياً:

اگر مقتدی کے آگے کوئی صف ہو اور اس صف کے مقتدی ابھی رکوع ہی میں ہوں، خواہ امام نے رکوع سے سر اٹھالیا ہو، شریک ہونے والے شخص کو رکعت مل گئی۔ (یعنی شرح بخاری: ۵۰/۵) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= في ركعة الرباعي يقضي ركعتين بفاتحة وسورة ثم يتشهد ثم يأتي بالثالثة بفاتحة خاصة عند أبي حنيفة. وقال: ركعة بفاتحة وسورة وتشهد ثم ركعتين أو لاهما بفاتحة وسورة وثانيتها بفاتحة خاصة اهـ.  
وظاهر كلامهم اعتماد قول محمد (قوله وتشهد بينهما) قال في شرح المنية: ولو لم يقعد جاز استحسانا لا قياسا، ولم يلزمه سجود السهو لكون الركعة أولى من وجهه اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۹۶ - ۵۹۷، باب الإمامة، فروع اقتداء متنفل بمتنفل ومن يرى الوتر واجبا بمن يراه سنة، مطلب في أحكام المسبوق والمدرك اللاحق، ط: دار الفكر - بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۱/۵۲۵، كتاب الصلاة، حكم المسبوق، ط: زكريا - ديوبند)  
(۱) وإذا انتهى إلى الصف الآخر ولم يرفعوا رؤوسهم، أو بقي منهم واحد لم يرفع رأسه، وقد رفع الإمام رأسه، فإنه يركع وقد أدرك الصلاة؛ لأن الصف الذي هو فيه إمامه. وقال ابن أبي ليلى وزفر والثوري: إذا كبر قبل أن يرفع الإمام رأسه فقد أدرك، وإن رفع الإمام قبل أن يضع يديه على ركبتيه، فإنه لا يعتد بها. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۵۰/۵، كتاب مواقيت الصلاة، باب من أدرك ركعة من العصر قبل الغروب، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ، ایک غیر مفتی بہ قول پر مبنی ہے؛ جمہور احناف کے نزدیک نماز میں شریک ہونے والے شخص کی رکعت، اسی وقت شمار کی جائے گی، جب کہ کم از کم رکوع میں امام کے ساتھ اس کی مشارکت پائی جائے، خواہ وہ ادنیٰ درجے کی ہی کیوں نہ ہو، اس کے بغیر اس رکعت کا وہ پانے والا شمار نہیں کیا جائے گا، جس میں وہ شریک ہو ہے:  
(ولو اقتدى بإمامه راع فوقف حتى رفع الإمام رأسه لم يدرك) (المؤتم (الركعة) لأن المشاركة في جزء من الركن شرط ولم توجد فيكون مسبوقاً فيأتي بها بعد فراغ الإمام. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله فوقف) وكذا لو لم يقف بل انحط فرفع الإمام قبل ركوعه لا يصير مدر كالهذه الركعة مع الإمام فتح. ويوجد في =

## باب قضاء الفوائت

[۸] فدیہ صوم کی طرح زندہ آدمی کا فدیہ صلاۃ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

۸۱۲- سوال: زید اپنی والدہ- جو کہ عجزہ فانیہ (بہت زیادہ بوڑھی) ہیں- کی طرف سے صوم و صلاۃ کا فدیہ ادا کرنا چاہتا ہے، تو یہ صحیح ہے یا نہیں؟ درمختار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ فدیہ صلاۃ نہیں دے سکتے: ولو فدی عن صلاته في مرضه لا يصح بخلاف الصوم. (درمختار)<sup>[۱]</sup>

اور اُس کو علامہ شامی نے عقلی و نقلی دلائل سے مؤید بھی فرمایا ہے۔<sup>(۲)</sup> اِس لیے اُمید ہے کہ جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

= بعض النسخ: فوقف بلا عذر أي بأن أمكنه الركوع فوقف ولم يركع، وذلك لأن المسألة فيها خلاف زفر؛ فعنده إذا أمكنه الركوع فلم يركع أدرك الركعة لأنه أدرك الإمام فيما له حكم القيام. — (قوله لأن المشاركة) أي أن الاقتداء متابعة على وجه المشاركة ولم يتحقق من هذا مشاركة لا في حقيقة القيام ولا في الركوع فلم يدرك معه الركعة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲۰/۲، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مطلب هل الإساءة دون كراهة أو أفحش، ط: دار الفكر- بيروت)

[۱] الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۷۴، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان الوصية بالختمات والنهاليل، ط: دار الفكر.

(۲) (قوله ولو فدى عن صلاته في مرضه لا يصح) في التارخانية عن التتمة: سئل الحسن بن علي عن الفدية عن الصلاة في مرض الموت هل تجوز؟ فقال لا. وسئل أبو يوسف عن الشيخ الفاني هل تجب عليه الفدية عن الصلوات كما تجب عليه عن الصوم وهو حي؟ فقال لا. اهـ. وفي القنية: ولا فدية في الصلاة حالة الحياة بخلاف الصوم. اهـ.

أقول: ووجه ذلك أن النص إنما ورد في الشيخ الفاني أنه يفطر ويفدي في حياته، حتى إن المريض أو المسافر إذا أفطر يلزمه القضاء إذا أدرك أياماً أخر وإلا فلا شيء عليه، فإن أدرك ولم يصم يلزمه الوصية بالفدية عما قدر، هذا ما قالوه، ومقتضاه أن غير الشيخ الفاني ليس له أن يفدي عن صومه في حياته لعدم النص ومثله الصلاة؛ ولعل وجهه أنه مطالب بالقضاء إذا قدر، ولا فدية عليه إلا بتحقيق العجز عنه بالموت فيوصي بها، بخلاف الشيخ الفاني فإنه تحقق عجزه قبل الموت عن أداء الصوم وقضائه فيفدي في حياته، ولا يتحقق عجزه عن الصلاة لأنه يصلي بما قدر ولو مومياً برأسه، فإن عجز عن ذلك سقطت عنه إذا كثرت، ولا يلزمه قضاءها إذا قدر كما سيأتي في باب صلاة المريض، وبما قررنا ظهر أن قول الشارح بخلاف الصوم أي فإن له أن يفدي عنه في حياته خاص بالشيخ الفاني تأمل. (رد المحتار: ۲/۷۴، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان الوصية بالختمات والنهاليل)

## الجواب حامدًا ومصليًا:

یہ صحیح ہے کہ نمازوں کا فدیہ آدمی کی زندگی میں دینا جائز نہیں ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مرض الموت میں نمازوں کے فدیہ کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ کیا یہ جائز ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے۔

نیز امام ابو یوسف اور امام محمدؒ سے شیخ فانی کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اُس پر نماز کا فدیہ واجب ہے یا نہیں؟ جس طرح کہ روزوں کا فدیہ اُس کی زندگی میں واجب ہوتا ہے، تو فرمایا کہ نہیں۔ کذا فی التا تاریخانیۃ۔ (عالمگیری)<sup>[۱]</sup>

علامہ شامیؒ اور علامہ حصکفیؒ نے بھی یہی فرمایا ہے؛ کیوں کہ نماز اشارہ سے بھی پڑھنا فرض ہے، اگر اشارہ سے بھی پڑھنے کی قدرت نہ ہو، تو ساقط ہو جاتی ہے، شیخ فانی اشارہ سے نماز پڑھ سکتا ہے، اور جب تک زندہ ہے، احتمال ہے کہ اشارہ سے نماز پڑھنے پر قادر ہو جائے، اس لیے نمازوں کا فدیہ زندگی میں واجب نہیں ہوگا، اور دینا جائز بھی نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup> ہاں، اُس کے مرنے کی وجہ سے جب عجز متحقق ہو چکا اور اس نے وصیت کی ہو، تو ایک تہائی میں سے ادا کرنا واجب ہے، اور اگر وصیت نہیں کی ہے اور ورثاء اپنی جانب سے تبرعاً ادا کر دیں، تو جائز ہوگا۔ (فتاویٰ ہندیہ: ۱/۱۲۵)<sup>[۳]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بنات غفرلہ

[۱] وفي اليتيمة سئل الحسن بن علي - رضي الله تعالى عنه - عن الفدية عن الصلوات في مرض الموت هل يجوز فقال: لا، وسئل حمير الوبري وأبو يوسف بن محمد عن الشيخ الفاني هل تجب عليه الفدية عن الصلوات كما تجب عليه عن الصوم وهو حي فقال: لا، كذا في التتارخانية. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۵، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) دیکھیے: اسی سوال کا حاشیہ نمبر ۲۔

[۳] إذامات الرجل وعليه صلوات فائتة فأوصى بأن تعطى كفارة صلواته يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر وللوثر نصف صاع ولصوم يوم نصف صاع من ثلث ماله... وفي فتاوى الحجة وإن لم يوص لورثته وتبرع بعض الورثة يجوز. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۵، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، ط: دار الفكر - بيروت) ☆ البحر الرائق: ۲/۱۶۰، باب قضاء الفوائت، ط: دار الكتاب - ديوبند ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۵۳۲، باب قضاء الفوائت، ط: زكريا - ديوبند ☆ قاضي خان على هامش الهندية: ۱/۱۱۳، فصل في الترتيب و قضاء المتركات، ط: زكريا - ديوبند)

## [۹] خروج وقت کے بعد اذان کہہ کر باجماعت نماز پڑھنا

۸۱۳-سوال: اگر کسی مسجد میں گھڑی بگڑ گئی ہو، وقت کا کچھ پتہ نہ چل سکے اور ظہر کی نماز کا وقت

نکل جائے، اس (خروج وقت) کے بعد اذان دے کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

اذان اور اقامت کہہ کر نماز باجماعت پڑھنا جائز ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۰] چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا کا طریقہ

۸۱۴-سوال: میرے ذمے دو سال کی نمازیں باقی ہیں، میں اب ان کی قضا کرنا چاہتا ہوں،

کس طرح قضا کروں؟ تفصیلی بیان فرمائیں۔

**الجواب حامدا ومصليا:**

اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ قضا کرتے وقت یہ نیت کر لیجیے کہ میں پہلے سال کے پہلے مہینے یعنی:

جنوری کی پہلی تاریخ کی چھوٹی ہوئی فجر کی نماز کی قضا کرتا ہوں، پھر ظہر کی، پھر عصر کی، پھر مغرب کی اور پھر

عشاء کی، اس طرح روزانہ نمازوں کی قضا کرتے جائیں اور ایک ڈائری میں یادداشت کے لیے لکھتے بھی

جائیں؛ اگر یہ طریقہ مشکل معلوم ہو، تو یہ نیت کر لیں کہ میرے ذمہ سب سے پہلی فجر کی جو نماز چھوٹی ہوئی ہے،

میں اس کی قضا کرتا ہوں، اس کے بعد ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں بھی اسی طرح قضا کرتے جائیں؛

(۱) قال عبد الله: إن المشركين شغلوا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن أربع صلوات يوم الخندق، حتى ذهب من الليل ما شاء الله، فأمر بلالا فأذن، ثم أقام فصلى الظهر، ثم أقام فصلى العصر، ثم أقام فصلى المغرب، ثم أقام فصلى العشاء. (سنن الترمذي: ۱/۴۳، رقم الحديث: ۱۷۹، أبواب الصلاة، باب ما جاء في الرجل تفوته الصلوات بأيتن يبدأ، ط: ديوبند)

(قوله: وكذا الأولى الفوائت وخير فيه للباقي) أي في الأذان إن شاء أذن وإن شاء تركه لما روى أبو يوسف بسنده: أنه - صلى الله عليه وسلم - حين شغلهم الكفار يوم الأحزاب عن أربع صلوات عن الظهر والعصر والمغرب والعشاء

قضاهن على الولا وأمر بلالا أن يؤذن ويقوم لكل واحدة منهن، ولأن القضاء على حسب الأداء. (البحر

الرائق: ۱/۲۷۶، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: دار الكتاب الإسلامي)

اور روزانہ اسی نیت سے قضاء کرتے جائیں؛ کیوں کہ جب سب سے پہلے چھوٹی ہوئی نماز قضا ہو جائے گی، تو لاحالہ اس کے بعد والی نماز سب سے پہلی ہی رہے گی؛ اس لیے نیت یہی کریں کہ میرے ذمے چھوٹی ہوئی نمازوں میں سے جو سب سے پہلی نماز ہے میں اس کی قضا کرتا ہوں، اس طرح ہر نماز کے وقت میں اگر دو دو نمازوں کی قضا کی جائے گی، تو پانچ سال میں دس سال کی نمازوں کی قضا مکمل ہو جائے گی۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) کثرت الفوائت نوی أول ظہر علیہ أو آخرہ... فإن أراد تسهیل الأمر، یقول أول فجر مثلاً، فإنه إذا صلاه یصیر ما یلیہ أولاً أو یقول آخر فجر، فإن ما قبله یصیر آخراً، ولا یضرب عکس الترتیب لسقوطه بکثرة الفوائت. وقیل لا یلزمه التعین أيضاً (رد المحتار: ۷۶/۲، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، ط: دار الفکر)

ولو نوی أول ظہر علیہ أو آخر ظہر علیہ جاز وهذا هو المخلص لمن لم یعرف الأوقات الفائتة أو اشتبهت علیہ أو أراد التسهیل علی نفسه. (الاشباه و النظائر - ابن نجیم المصری (م: ۹۷۰ھ) ۲۶:، القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها، الثالث فی بیان تعیین المنوی وعدمه، ط: دار الکتب العلمیة - بیروت)





قال الله تعالى: {وَتِيَابِكَ فَطَهَّرْ} [۴۳-۴۴-المدثر: ۴]

وقال الله تعالى: {وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا} [۵-المائدة: ۶]

تطهير النجاسة من بدن المصلي وثوبه والمكان الذي يصلي

عليه واجب. هكذا في الزاهدی فی باب الأنجاس. (عالمگیری: ۵۸/۱)

## باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها

[مفسدات ومكروهات كإعلان]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها

[مفسدات و مکروہات کا بیان]

[۱] ناپاک کپڑا مصلیٰ پر رکھ کر نماز پڑھنا

۸۱۵-سوال: ناپاک کپڑا رومال میں لپیٹ کر مصلیٰ پر رکھ دیا جائے اور اُس پر نماز پڑھی

جائے، تو اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

الجواب حامدًا ومصليًا:

اگر کپڑا نمازی کے بدن سے مس نہ ہو رہا ہو اور نہ ہی نمازی سجدہ میں جاتے ہوئے اس پر ہاتھ یا سر رکھے، تو نماز صحیح ہو جائے گی؛ لیکن احتیاط بہتر ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۲] لاؤڈ اسپیکر میں نماز پڑھانا

۸۱۶-سوال: سلام مسنون کے بعد عرض یہ ہے کہ ہمارے یہاں ایک مسجد میں جمعہ کی نماز لاؤڈ

اسپیکر میں پڑھائی جاتی ہے، جب کہ جماعت خانہ، نمازیوں سے مکمل پُر نہیں ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں شریعت

(۱) قال اللہ تعالیٰ: {وَيُنَبِّئُكَ فَظْهَرًا} {۴۳- المدثر: ۳} وقال اللہ تعالیٰ: {وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا} {۵- المائدة: ۶}

تطهير النجاسة من بدن المصلي وثوبه والمكان الذي يصلي عليه واجب. هكذا في الزاهدي في باب الأنجاس.

(الفتاوى الهندية: ۵۸/۱، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الأول في الطهارة وستر العورة،

ط: بيروت ☆ الهداية: ۴۵/۱، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة التي تتقدمها: طلال يوسف، ط: دار احياء

التراث العربي - بيروت ☆ الجوهرة النيرة - أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزبيدي اليمني الحنفي

(م: ۸۰۰ھ) ۴۶/۱، كتاب الصلاة، باب شروط صحة الصلاة، ط: المطبعة الخيرية

کا کیا حکم ہے؟

**الجواب حامداً ومصلياً:**

جب نماز میں بھیڑ زیادہ ہو اور امام کی آواز آخری صف تک نہ پہنچتی ہو، تو مسئلہ یہ ہے کہ ایک یا زیادہ مکبر متعین کر کے نماز ادا کی جائے، موجودہ زمانہ میں اس ضرورت کو لاؤڈ اسپیکر سے حاصل کیا جاسکتا ہے، کہ اس کے استعمال کی گنجائش ہے؛ لیکن صورت مسئولہ میں جب کہ مصلی جماعت خانہ میں زیادہ نہیں ہیں، بلا ضرورت لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا مکروہ ہوگا۔<sup>(۱)</sup> فقط واللہ اعلم بالصواب۔

**[۳] نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کا حکم**

۸۱۷-سوال: کیا امام کے لیے فرض نماز اور تراویح کی نماز مائیک کے ذریعے پڑھانا جائز ہے؟

**الجواب حامداً ومصلياً**

علماء نے لکھا ہے کہ قرآن شریف ضرورت کے بعد آواز سے زیادہ بلند آواز سے پڑھنا مکروہ ہے۔ (شامی جلد ۱: صفحہ ۴۹۷) [۲] اس لیے اگر مقتدی اس قدر زیادہ ہوں کہ امام کی آواز، ان تمام تک نہ پہنچتی ہو، تو گنجائش ہے، ورنہ مکروہ ہے؛ البتہ احتیاط استعمال نہ کرنے میں ہے۔

اس لیے کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر سے جو آواز بلند ہوتی ہے، وہ قائل کی اصل آواز

(۱) کیوں کہ اس میں مال وقف کا اسراف ہے، حالانکہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے مسجد میں روشنی کے لیے چراغ دیا ہو، تو اس کا بقدر ضرورت استعمال جائز ہے، پوری رات جلانا جائز نہیں ہے:

ولو وقف على دهن السراج للمسجد لا يجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين ويجوز إلى ثلث الليل أو نصفه إذا احتيج إليه للصلاة فيه، كذا في السراج الوهاج ولا يجوز أن يترك فيه كل الليل إلا في موضع جرت العادة فيه بذلك كمسجد بيت المقدس ومسجد النبي - صلى الله عليه وسلم - والمسجد الحرام، أو شرط الواقف تركه فيه كل الليل كما جرت العادة به في زماننا، كذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهدنية: ۲/۵۹، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۵/۴۲۰، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، ط: دار الكتاب - ديوبند)

[۲] (ويجهز الإمام) وجوباً بحسب الجماعة، فإن زاد عليه أساء. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله فإن زاد عليه أساء) وفي الزاهدي عن أبي جعفر: لو زاد على الحاجة فهو أفضل، إلا إذا أجهد نفسه أو أذى غيره قهستاني. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۳۲، كتاب الصلاة، فصل في القراءة، ط: دار الفكر - ديوبند)

نہیں ہوتی ہے، بل کہ اصل آواز ختم ہو جاتی ہے، اور جو آواز سنائی دیتی ہے، وہ صدائے بازگشت ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہو، تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی؛ چوں کہ اس کے استعمال کے جواز و عدم جواز میں اختلاف ہے۔ (البتہ تحقیق یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر سے سنائی دینے والی آواز صدائے بازگشت نہیں؛ بل کہ متکلم کی اصل آواز ہے، آلہ مکبر الصوت اس آواز کو صرف بلند کر دیتا ہے) اس لیے استعمال نہ کرنا بہتر ہے، تاہم ضرورت کے موقع پر استعمال کرے، تو جائز ہے، بلا ضرورت استعمال کرے، تو مکروہ ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۴] بلا ضرورت نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال

۸۱۸- سوال: ایک گاؤں میں نمازیوں کی تین چار صفیں ہوتی ہیں، امام کی آواز نمازی حضرات کو واضح طریقے سے سنائی دیتی ہے، اس کے باوجود محض شوقیہ بلا کسی ضرورت کے وہاں لاؤڈ اسپیکر (مائیک) کا استعمال کیا جاتا ہے، مائیک پر تراویح اور نماز وغیرہ پڑھائی جاتی ہے، تو کیا یہ جائز ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

#### الجواب حامداً ومصلياً:

نماز میں مائیک کے استعمال کے سلسلہ میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اس پر بہت سی کتابیں بھی چھپ چکی ہیں۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ ضرورت کے وقت مائیک استعمال کرنے کی اجازت ہے؛ بلا ضرورت مکروہ ہے۔<sup>[۱]</sup>

(۱) اختلف في الصوت الذي يخرج من مكبر الصوت هل هو صوت المتكلم وتلك الآلة ترفعه وتجهره أم هو صدى، وأصل صوت المتكلم يختم وينعدم في الآلة؟ وأكثر مشتهرة هذا الفن على الأول، فتجوز الصلاة بتلك الآلة على قولهم، وهو الراجع عند أكثر أهل العلم، فصوت الخطيب بتلك الآلة يصل إلى السامعين ويتأدى الفرض. وأما الأذان بتلك الآلة، فلا إشكال فيه، ومع هذا لا ينبغي استعمال هذه الآلة في الصلاة من غير حاجة؛ بأن يصل صوت الإمام إلى الحاضرين بلا تكلف، فإن الصلاة على هيئة القديمة أحسن وأقرب. (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۲۸، نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال، ط: اشرفی - دیوبند)

حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جدید تحقیقات کے نتیجے میں یہ ظاہر ہوا ہے کہ آلہ مکبر الصوت سے سنی ہوئی آواز متکلم کی اصلی آواز ہوتی ہے، جس کی وجہ سے فساد نماز کی اصل بنیاد ہی منہدم ہوگئی۔ (آلات جدیدہ، ص: ۳۲، مقدمہ طبع ثالث، ادارۃ المعارف - کراچی) ☆ امداد الفتاویٰ: ۱/۶۰، ضمیر، بابت مسئلہ مکبر الصوت، ط: دارالعلوم - کراچی)

[۲] (وجہر الإمام بالتكبير) بقدر حاجته للإعلام بالدخول والانتقال. وكذا بالتسميع والسلام. (الدر المختار) قال ابن عابدين: ... والرائد على قدر الحاجة كما هو مكروه للإمام يكره للمبلغ. — وفي حاشية أبي السعود: واعلم أن التبليغ عند عدم الحاجة إليه بأن بلغهم صوت الإمام مكروه. وفي السيرة الحلبية: اتفق الأئمة الأربعة على أن التبليغ حينئذ بدعة منكروة أي مكروهة وأما عند الاحتياج إليه فمستحب. (رد المحتار على الدر المختار: =

جب آپ کے گاؤں کی مسجد میں صرف تین یا چار صرف ہوتی ہیں، تو محض دکھلاوے کے لیے مائیک کا استعمال کرنا جائز نہیں مگر وہ تحریمی ہے، کہ اس میں وقف کے مال کا اسراف لازم آتا ہے، جو ناجائز ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۵] نماز اور لاؤڈ اسپیکر

۸۱۹-سوال: نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کا کیا حکم ہے؟ ہمارے یہاں بڑی مسجد میں جمعہ کے دن نمازیوں کی خاصی تعداد رہتی ہے، جس کی وجہ سے بغیر لاؤڈ اسپیکر کے امام صاحب کی آواز باہر تمام مقتدیوں تک نہیں پہنچتی ہے، تو کیا اس صورت میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

#### الجواب حامدا ومصليا:

شروع میں جب لاؤڈ اسپیکر وجود میں آیا، تو مفتیان کرام کے دو گروہ تھے، سہارن پور کے علماء کا فتویٰ تھا کہ جائز نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup> اور دیوبند کے علماء کا فتویٰ تھا کہ جائز ہے۔<sup>(۳)</sup> حضرت مفتی محمد شفیع صاحب (مفتی اعظم: پاکستان) اس زمانہ میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی تھے، اس وقت انہوں نے بڑی تحقیق کے ساتھ نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے جواز کا فتویٰ دیا تھا۔<sup>(۴)</sup> اسی وقت سے عام مسلمان اس پر عمل کرتے آ رہے ہیں۔

اسی طرح حرم شریف میں بھی نماز لاؤڈ اسپیکر میں ہوتی ہے؛ لیکن بعض علماء، احتیاط کی وجہ سے پرہیز کرتے چلے آئے ہیں، چنانچہ جمع زیادہ ہو، تو لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن اگر امام کی آواز تمام مقتدیوں کو پہنچ جاتی ہو، تو بلا ضرورت لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ مسئلہ ہے

= ۴۷۵/۱، کتاب الصلاة، واجبات الصلاة، مطلب في التبليغ خلف الإمام، ط: دار الفكر - بيروت)  
قد تقدم شرح المسئلة وتخریجها تحت عنوان: لاؤڈ اسپیکر میں نماز پڑھانا اور نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کا حکم۔

(۱) إِنَّ الْمُبَدِّينَ كَانُوا الْإِخْوَانَ الشَّيْطَانِيَّ، وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۝ (۱۷- الإسراء: ۲۷)

(۲) آلات جدیدہ کے شرعی احکام: ص: ۱۱، ط: کتب خانہ قاسمی، دیوبند۔

(۳) حوالہ سابق: ص: ۱۰۔

(۴) حوالہ سابق: ص: ۵۷۔

کہ امام کے لیے بھی خود اپنی آواز ضرورت سے زیادہ بلند کرنا مکروہ ہے۔<sup>[۴]</sup>

خلاصہ یہ ہے کہ فرض نماز کی جماعت میں اگر لاؤڈ اسپیکر کی ضرورت ہو، تو جائز ہے، البتہ لاؤڈ اسپیکر کو پہلے ٹھیک کر لینا ضروری ہے، نماز میں یا نماز کے شروع ہوتے وقت شور و غل کا ہونا اچھی بات نہیں ہے (آلات جدیدہ - حضرت مفتی محمد شفیع صاحب)<sup>[۵]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب

## [۶] سجدہ میں پیر کا انگوٹھا اٹھ جانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے

۸۲۰-سوال: ہمارے یہاں ایک مسئلہ پیش آیا ہے، اس کا جواب عنایت فرما کر مہربانی

فرمائیں، مسئلہ یہ ہے کہ: نماز میں سجدہ کی حالت میں یا کسی اور حالت میں پیر کا انگوٹھا اٹھ جائے، تو کیا اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟ ہمارے گاؤں کے ایک مولانا صاحب کا کہنا یہ ہے کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، ان کی یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

**الجواب حامدًا ومصلياً:**

نماز کی صحت کے لیے سجدہ شرط ہے اور سجدہ کی شرائط میں سے یہ ہے کہ دونوں پیروں کی انگلیوں میں سے کوئی ایک انگلی تھوڑی دیر کے لیے زمین پر لگ جائے۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں ان مولانا صاحب کا کہنا صحیح نہیں ہے؛ لہذا دائیں یا بائیں پیر میں سے کوئی

[۴] (وجہ الإمام بالتكبير) بقدر حاجته للإعلام بالدخول والانتقال. وكذا بالتسميع والسلام. (الدر المختار) قال ابن عابدين: ... والزند على قدر الحاجة كما هو مكروه للإمام يكره للمبلغ. — وفي حاشية أبي السعود: واعلم أن التبليغ عند عدم الحاجة إليه بأن بلغهم صوت الإمام مكروه. وفي السيرة الحلبية: اتفق الأئمة الأربعة على أن التبليغ حينئذ بدعة منكورة أي مكروهة وأما عند الاحتياج إليه فمستحب. (رد المحتار على الدر المختار: ۴/۵۷، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة، مطلب في التبليغ خلف الإمام، ط: دار الفكر - بيروت)

(۵) نوٹ: لاؤڈ اسپیکر (Loud speaker) سے نماز کے جواز عدم جواز کا اختلاف درحقیقت ایک دوسرے اختلاف پر مبنی ہے کہ لاؤڈ اسپیکر (Loud speaker) کی آواز بعینہ متکلم کی آواز ہے یا آواز متکلم کا غیر ہے، علماء سہارن پور کی تحقیق یہ تھی کہ آلہ مکبر الصوت کی آواز متکلم کی آواز کا غیر ہے اور علماء دیوبند اور مفتی اعظم پاکستان کی تحقیق یہ تھی کہ آلہ مکبر الصوت (Loud speaker) کی آواز بعینہ متکلم کی آواز ہے؛ مگر یہ اختلاف عہد قدیم کا ہے اب یہ مسئلہ متفق علیہ ہو گیا ہے اور ہر ایک کے یہاں لاؤڈ اسپیکر سے نماز درست ہے، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: آلات جدیدہ کے شرعی احکام، از: حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب

ایک پیر کا انگوٹھا زمین پر ٹک جائے، تو نماز صحیح ہو جائے گی۔<sup>(۱)</sup> (در مختار و شامی: ۴۱۶/۱) [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۷] بہ حالت سجدہ پاؤں کی انگلیوں کا زمین سے اٹھالینا

۸۲۱-سوال: نماز میں بہ حالت سجدہ، دونوں پیر زمین سے اونچا کرنے کے متعلق درج ذیل

دو مسئلوں کے جواب مطلوب ہیں:

(۱) اگر کوئی انسان بہ حالت سجدہ دونوں پاؤں کی انگلیوں کو ایک سینڈ کے لیے زمین سے اٹھالے، تو

کیا اس کی نماز درست ہو جائے گی؟

(۲) کوئی انسان دونوں سجدوں میں دونوں پاؤں کی انگلیاں زمین پر تھوڑی دیر کے لیے بھی نہ رکھے،

تو کیا اس کا سجدہ ادا ہوگا؟

### الجواب حامدا ومصليا:

دونوں پاؤں کی انگلیاں زمین پر رکھنا ضروری ہے، اگر بالکل ہی نہ رکھے، تو نماز ادا نہ ہوگی اور اگر

صرف ایک پاؤں کی انگلیاں رکھے، تو نماز مکروہ ہوگی۔

اگر دونوں پاؤں کی انگلیاں زمین پر رکھنے کے بعد اٹھالی، تو اگر ایک مرتبہ سبحان اللہ پڑھنے کی مقدار

رکھنے کے بعد اٹھائی ہے، تو نماز جائز ہوگی اور اگر اتنی مقدار سے کم ہو، تو نماز کا اعادہ ضروری ہوگا۔ (عالمگیری

جلد ۱، صفحہ ۴۱) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) وخرج أيضا بقولنا: "مما لا سخرية فيه" ما إذا رفع قدميه في السجود، فإنه لا يصح؛ لأن السجود مع رفعهما

بالتلاعب أشبه منه بالتعظيم والإجلال، ويكفيه وضع أصبع واحدة فلو لم يضع الأصابع أصلا، ووضع ظهر القدم

فإنه لا يجوز؛ لأن وضع القدم بوضع الأصبع، وإذا وضع قدما ورفع آخر، جاز مع الكراهة من غير عذر، كما أفاده

قاضي خان، وذهب شيخ الإسلام إلى أن وضعهما سنة، فتكون الكراهة تنزيهية، والأوجه على منوال ما سبق هو

الوجوب، فتكون الكراهة تحريمية لما سبق من الحديث، وذكر القدوري أن وضعهما فرض، وهو ضعيف. (البحر

الرائق شرح كنز الدقائق- ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۳۳۶/۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار

الكتاب الإسلامي)

[۲] رد المحتار على الدر المختار: ۴۴۷/۱، كتاب الصلاة، بحث الركوع والسجود، ط: دار الفكر- ديوبند.

(۱) ولو سجد ولم يضع قدميه على الأرض لا يجوز، ولو وضع إحدهما جاز مع الكراهة إن كان بغير عذر. كذا في

شرح منية المصلي لابن أمير الحاج، ووضع القدم بوضع أصابعه، وإن وضع أصبعًا واحدة، فلو وضع ظهر القدم =

## [۸] سجدہ کی حالت میں پاؤں اٹھالینا

۸۲۲-سوال: ”اگر کوئی شخص نماز میں تین مرتبہ سبحان اللہ پڑھنے کے بعد سجدہ میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھالے، تو نماز فاسد ہو جائے گی، اور دو مرتبہ سبحان اللہ پڑھنے کی مقدار ہو، تو درست جائے گی۔“ کیا یہ بات صحیح ہے؟

## الجواب حامدا ومصليا:

نماز کے سجدہ میں دونوں پاؤں زمین پر رکھنا فرض ہے، اگر پاؤں بالکل نہ رکھے، تو نماز نہیں ہوگی اور اگر ایک مرتبہ سبحان اللہ پڑھنے کی بعد رکھ کر اٹھالے، تو نماز ہو جائے گی، خواہ تین مرتبہ سبحان اللہ پڑھنے کی بعد یا اس سے زیادہ دیر تک اٹھائے ہوئے ہو، البتہ پورے سجدہ میں پاؤں زمین پر رکھنا بہتر ہے۔ (درمختار، البحر الرائق)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۹] نماز میں گرم ٹوپی وغیرہ سے پیشانی ڈھانک کر سجدہ کرنا

۸۲۳-سوال: ایک شخص نماز میں سردی کے موسم میں گرم ٹوپی یا مفلر (گلوبند) باندھے ہوئے ہو، جس کی وجہ سے اس کی پیشانی ڈھک [چھپ] جاتی ہو، تو اس حال میں اس کا سجدہ ادا ہوگا یا نہیں؟

=دون الأصابع بأن كان المكان ضيقاً، إن وضع إحداهما دون الأخرى تجوز صلاحته، كما لو قام على قدم واحدة. كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱/۷۰، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة، ط: دار الفكر) ☆ رد المحتار: ۱/۴۹۹، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، ط: دار الفكر [۱] (ومنها السجود) بجهته وقدميه، ووضع إصبع واحدة منهما شرط. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله وقدميه) يجب إسقاطه لأن وضع إصبع واحدة منهما يكفي كما ذكره بعد ح. وأفاد أنه لو لم يضع شيئاً من القدمين لم يصح السجود. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۴۴، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، بحث الركوع والسجود، ط: دار الفكر) ويكفيه وضع أصبع واحدة، فلو لم يضع الأصابع أصلاً، ووضع ظهر القدم فإنه لا يجوز. (البحر الرائق: ۱/۵۵۶، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الكتاب ديوبند) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: سجدہ میں پیر کا انگوٹھا اٹھ جانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے ☆ بہ حالت سجدہ پاؤں کی انگلیوں کا زمین سے اٹھالینا۔



## الجواب حامدًا ومصلياً:

سجدہ کا معنی زمین پر پیشانی کو جمانا ہے۔<sup>(۱)</sup> جب سجدے میں پیشانی اور ناک کو رکھ لیا، اگرچہ ٹوپی پہننے کی حالت میں ہو اور پیشانی اچھی طرح زمین پر جم گئی تو سجدہ ادا ہو گیا۔

اُس لیے اگر ٹوپی یا مفلر باندھنے کی حالت میں پیشانی جم جاتی ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں، نماز ہو جائے گی، تاہم بہتر ہے کہ وہ گرم ٹوپی یا مفلر پیشانی سے اوپر ہی رکھے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) سجد: (أبو عبيد عن أبي عمرو): أسجد الرجل إذا طأ رأسه وانحنى، وسجد إذا وضع جبهته بالأرض. (تهذيب اللغة - محمد بن أحمد بن الأزهرى الهروي، أبو منصور (م: ۳۷۰ھ): ۳۰۰/۱۰، أبواب الجيم والسين، ت: محمد عوض مرعب، ط: دار إحياء التراث العربى - بيروت ☆ لسان العرب - ابن منظور الأنصارى، الإفريقي (م: ۱۱۷۱ھ): ۲۰۳/۳، فصل السين المهملة، ط: دار صادر - بيروت)

(۲) عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: أمرت أن أسجد على سبعة أعظم على الجبهة، وأشار بيده على أنفه واليدين والركبتين، وأطراف القدمين ولا نكفت الثياب والشعر. (صحيح البخاري: ۱۱۲/۱، رقم الحديث: ۸۱۲، كتاب الأذان، باب السجود على الأنف، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱۹۳/۱، رقم الحديث: ۲۲۸-۲۹۰)، كتاب الصلاة، باب أعضاء السجود، والنهي عن كف الشعر والثوب وعص الرأس في الصلاة، ط: ديوبند)

ومنها (من السنن) أن يسجد على الجبهة والأنف من غير حائل من العمامة والقنسوة... ولو سجد على كور العمامة ووجد صلابة الأرض جاز عندنا كذا ذكر محمد في الآثار. (بدائع الصنائع: ۲۱۰/۱، فصل في سنن حكم التكبير أيام التشريق، ط: دار الكتب العلمية)

ويسجد على أنفه وجبهته... ولو سجد على كور عمامته أو فاضل ثوبه جاز. (المختار) قال في شرحه: (ولو سجد على كور عمامته أو فاضل ثوبه جاز) قال ابن عباس: رأيت النبي - صلى الله عليه وسلم - يسجد على كور عمامته. وقال أيضا: إنه - عليه الصلاة والسلام - صلى في ثوب واحد يتقي بفضوله حر الأرض وبردها، ولو سجد على السرير والعرزال، جاز ولو سجد على الحشيش والقطن إن وجد حجمه بجبهته كالطنفسة واللبد والحصير جاز. (الاختيار لتعليق المختار - عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفى (م: ۶۸۳ھ): ۵۱/۱: ۵۲، كتاب الصلاة، باب الأفعال في الصلاة، ت: محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۱۲۵/۲، كتاب الصلاة، فصل في السجود، ط: زكريا - ديوبند)

(فائدة) قال البيهقي: أحاديث كان يسجد على كور عمامته لا يثبت منها شيء، يعني مرفوعا. وحكي عن الأوزاعي أنه قال: كانت عمائم القوم صغار الينة، وكان السجود على كورها لا يمنع من وصول الجبهة إلى الأرض. وقال الحسن: كان أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يسجدون وأيديهم في ثيابهم. ويسجد الرجل منهم على عمامته. علقه البخاري، ووصله البيهقي، وقال: هذا أصح ما في السجود على العمامة موقوفا على الصحابة. (التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير - ابن حجر العسقلاني (م: ۸۵۲ھ): ۶۱۵/۱، باب صفة الصلاة، ط: دار الكتب العلمية)

## [۱۰] امام کا لنگی پہن کر نماز پڑھانا

۸۲۴-سوال: اگر کسی نے لنگی پہن کر نماز پڑھائی، تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ ہم نے یہ سن رکھا ہے کہ لنگی پہننا جائز نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لنگی نہیں پہنی ہے۔

## الجواب حامدا ومصليا:

یہ بات صحیح نہیں ہے کہ لنگی پہننا جائز نہیں، یہ بھی درست نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لنگی نہیں پہنی ہے، صحیح بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری عمر لنگی ہی پہنی ہے، اور اسی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز بھی پڑھائی ہے، ازار کا خریدنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؛ البتہ پہننا ثابت نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>

لیکن چون کہ قرآن پاک میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ﴿يَبِئْتِي آذَنَهُمْ حُذُوًا زِيَنَتْكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾<sup>[۲]</sup>

ترجمہ: اے اولاد آدم علیہ السلام کی تم مسجد کی ہر حاضری (یعنی عبادت) کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔ اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے فقہاء کرام نے فرمایا کہ ایسے معمولی کپڑے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے؛ جن میں بندہ لوگوں کے سامنے آنے سے شرم محسوس کرتا ہے، اگر آپ عام معمول کے مطابق

(۱) عن سويد بن قيس قال: جلبت أنا ومخرفة العبدي بزمن هجر، فأتانا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن بمنى، ووزان يزن بالأجر، فاشتري منا سراويل، فقال للوزان: زن وأرجح. (المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي - أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳-هـ): ۲۸۴/۷، رقم الحديث: ۴۵۹۲، كتاب البيوع، الرجحان في الوزن، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

قال السيوطي ذكر بعضهم أن النبي صلى الله عليه وسلم اشترى السراويل ولم يلبسها.

وفي الهدي لابن القيم الجوزي أنه لبسها فقليل إنه سبق قلم لكن في مسند أبي يعلى والمعجم الأوسط للطبراني بسند ضعيف، عن أبي هريرة قال دخلت يوم ما السوق مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فجلس إلى البزارين فاشتري سراويل بأربعة دراهم، قلت يا رسول الله وإنك لتلبس السراويل، فقال أجل في السفر والحضر والليل والنهار، فإني أمرت بالستر فلم أجد شيئاً أستر منه، كذا في فتح الودود. (تحفة الأحوذى بشرح جامع الترمذي - أبو العلام محمد عبد الرحمن بن عبد الرحيم المبارك كפורى (م: ۱۳۵۳-هـ): ۴/۴۳۳، تحت: رقم الحديث: ۱۳۰۵،

باب ما جاء في الرجحان في الوزن، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

لنگی پہن کر بازار، آفس اور دعوت وغیرہ کی تقریبات میں جاتے ہیں، تو لنگی پہن کر مسجد میں آ کر نماز پڑھنا اور پڑھانا بھی صحیح ہے، مکروہ اُس وقت ہے جب کہ لوگوں کے سامنے آفس، بازار نیز شادی وغیرہ کی تقریبات میں آپ لنگی پہننا باعثِ عار سمجھتے ہوں اور نماز کے لیے اُس کو پہن لیں۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۱] نماز میں آگے پیچھے ہٹنا

۸۲۵-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ: ہمارے گاؤں

(۳) عن ابن جریج قال: أخبرني نافع، أن ابن عمر كساه ثوبين وهو غلام قال: فدخل المسجد فوجد يصلي متوشحا به في ثوب فقال: أليس لك ثوبان تلبسهما؟ فقلت: بلى. فقال: أرأيت لو أني أرسلتلك إلى وراء الدار لكنت لا لبسهما؟ قال: نعم قال: فإله أحق أن تتزين له أم الناس؟ قال نافع: فقلت: بل الله. (مصنف عبد الرزاق - أبو بكر عبد الرزاق بن همام بن نافع الحميري اليماني الصنعاني (م: ۲۱۱ھ): ۱/۳۵۷، رقم الحديث: ۱۳۹۰، كتاب الصلاة، باب ما يكفي الرجل من الثياب، ت: حبيب الرحمن الأعظمي، ط: المجلس العلمي - الهند ☆ شرح صحيح البخاري لابن بطلال - ابن بطلال أبو الحسن علي بن خلف بن عبد الملك (م: ۴۲۹ھ): ۱۸/۲، كتاب الصلاة، باب عقد الإزار على القفا في الصلاة، ت: أبو تميم ياسر بن إبراهيم، ط: مكتبة الرشد - السعودية، الرياض)

وسأل رجل ابن عمر - رضي الله عنهما - عن الصلاة في ثوب واحد، فقال: أرأيت لو أرسلتكَ في حاجة كنت منطلقا في ثوب واحد؟ فقال: لا. فقال: الله أحق أن تتزين له. وروى الحسن عن أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - أن الصلاة في إزار واحد فعل أهل الجفاء، وفي ثوب واحد متوشحا به أبعد عن الجفاء، وفي إزار ورداء من أخلاق الكرام. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۱/۳۳، مكروهات الصلاة، ط: دار المعرفة - بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۲۱۹/۱، فصل بيان ما يستحب في الصلاة وما يكره، ط: دار الكتب العلمية ☆ المحيط البرهاني - ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۲۱۲ھ): ۱/۳۷۷، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر في التغني والألحان، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱ھ): ص: ۳۵۹، ۳۳۴، ۳۳۳، ۳۳۲، ۳۳۱، ۳۳۰، ۳۲۹، ۳۲۸، ۳۲۷، ۳۲۶، ۳۲۵، ۳۲۴، ۳۲۳، ۳۲۲، ۳۲۱، ۳۲۰، ۳۱۹، ۳۱۸، ۳۱۷، ۳۱۶، ۳۱۵، ۳۱۴، ۳۱۳، ۳۱۲، ۳۱۱، ۳۱۰، ۳۰۹، ۳۰۸، ۳۰۷، ۳۰۶، ۳۰۵، ۳۰۴، ۳۰۳، ۳۰۲، ۳۰۱، ۳۰۰، ۲۹۹، ۲۹۸، ۲۹۷، ۲۹۶، ۲۹۵، ۲۹۴، ۲۹۳، ۲۹۲، ۲۹۱، ۲۹۰، ۲۸۹، ۲۸۸، ۲۸۷، ۲۸۶، ۲۸۵، ۲۸۴، ۲۸۳، ۲۸۲، ۲۸۱، ۲۸۰، ۲۷۹، ۲۷۸، ۲۷۷، ۲۷۶، ۲۷۵، ۲۷۴، ۲۷۳، ۲۷۲، ۲۷۱، ۲۷۰، ۲۶۹، ۲۶۸، ۲۶۷، ۲۶۶، ۲۶۵، ۲۶۴، ۲۶۳، ۲۶۲، ۲۶۱، ۲۶۰، ۲۵۹، ۲۵۸، ۲۵۷، ۲۵۶، ۲۵۵، ۲۵۴، ۲۵۳، ۲۵۲، ۲۵۱، ۲۵۰، ۲۴۹، ۲۴۸، ۲۴۷، ۲۴۶، ۲۴۵، ۲۴۴، ۲۴۳، ۲۴۲، ۲۴۱، ۲۴۰، ۲۳۹، ۲۳۸، ۲۳۷، ۲۳۶، ۲۳۵، ۲۳۴، ۲۳۳، ۲۳۲، ۲۳۱، ۲۳۰، ۲۲۹، ۲۲۸، ۲۲۷، ۲۲۶، ۲۲۵، ۲۲۴، ۲۲۳، ۲۲۲، ۲۲۱، ۲۲۰، ۲۱۹، ۲۱۸، ۲۱۷، ۲۱۶، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۱۳، ۲۱۲، ۲۱۱، ۲۱۰، ۲۰۹، ۲۰۸، ۲۰۷، ۲۰۶، ۲۰۵، ۲۰۴، ۲۰۳، ۲۰۲، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۹، ۱۹۸، ۱۹۷، ۱۹۶، ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۹۳، ۱۹۲، ۱۹۱، ۱۹۰، ۱۸۹، ۱۸۸، ۱۸۷، ۱۸۶، ۱۸۵، ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۸۲، ۱۸۱، ۱۸۰، ۱۷۹، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۹، ۱۶۸، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۶۲، ۱۶۱، ۱۶۰، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۵۴، ۱۵۳، ۱۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰، ۱۴۹، ۱۴۸، ۱۴۷، ۱۴۶، ۱۴۵، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۲، ۱۴۱، ۱۴۰، ۱۳۹، ۱۳۸، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۳۳، ۱۳۲، ۱۳۱، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲، ۱۲۱، ۱۲۰، ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۱۱۶، ۱۱۵، ۱۱۴، ۱۱۳، ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۵، ۱۰۴، ۱۰۳، ۱۰۲، ۱۰۱، ۱۰۰، ۹۹، ۹۸، ۹۷، ۹۶، ۹۵، ۹۴، ۹۳، ۹۲، ۹۱، ۹۰، ۸۹، ۸۸، ۸۷، ۸۶، ۸۵، ۸۴، ۸۳، ۸۲، ۸۱، ۸۰، ۷۹، ۷۸، ۷۷، ۷۶، ۷۵، ۷۴، ۷۳، ۷۲، ۷۱، ۷۰، ۶۹، ۶۸، ۶۷، ۶۶، ۶۵، ۶۴، ۶۳، ۶۲، ۶۱، ۶۰، ۵۹، ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، -۱، -۲، -۳، -۴، -۵، -۶، -۷، -۸، -۹، -۱۰، -۱۱، -۱۲، -۱۳، -۱۴، -۱۵، -۱۶، -۱۷، -۱۸، -۱۹، -۲۰، -۲۱، -۲۲، -۲۳، -۲۴، -۲۵، -۲۶، -۲۷، -۲۸، -۲۹، -۳۰، -۳۱، -۳۲، -۳۳، -۳۴، -۳۵، -۳۶، -۳۷، -۳۸، -۳۹، -۴۰، -۴۱، -۴۲، -۴۳، -۴۴، -۴۵، -۴۶، -۴۷، -۴۸، -۴۹، -۵۰، -۵۱، -۵۲، -۵۳، -۵۴، -۵۵، -۵۶، -۵۷، -۵۸، -۵۹، -۶۰، -۶۱، -۶۲، -۶۳، -۶۴، -۶۵، -۶۶، -۶۷، -۶۸، -۶۹، -۷۰، -۷۱، -۷۲، -۷۳، -۷۴، -۷۵، -۷۶، -۷۷، -۷۸، -۷۹، -۸۰، -۸۱، -۸۲، -۸۳، -۸۴، -۸۵، -۸۶، -۸۷، -۸۸، -۸۹، -۹۰، -۹۱، -۹۲، -۹۳، -۹۴، -۹۵، -۹۶، -۹۷، -۹۸، -۹۹، -۱۰۰، -۱۰۱، -۱۰۲، -۱۰۳، -۱۰۴، -۱۰۵، -۱۰۶، -۱۰۷، -۱۰۸، -۱۰۹، -۱۱۰، -۱۱۱، -۱۱۲، -۱۱۳، -۱۱۴، -۱۱۵، -۱۱۶، -۱۱۷، -۱۱۸، -۱۱۹، -۱۲۰، -۱۲۱، -۱۲۲، -۱۲۳، -۱۲۴، -۱۲۵، -۱۲۶، -۱۲۷، -۱۲۸، -۱۲۹، -۱۳۰، -۱۳۱، -۱۳۲، -۱۳۳، -۱۳۴، -۱۳۵، -۱۳۶، -۱۳۷، -۱۳۸، -۱۳۹، -۱۴۰، -۱۴۱، -۱۴۲، -۱۴۳، -۱۴۴، -۱۴۵، -۱۴۶، -۱۴۷، -۱۴۸، -۱۴۹، -۱۵۰، -۱۵۱، -۱۵۲، -۱۵۳، -۱۵۴، -۱۵۵، -۱۵۶، -۱۵۷، -۱۵۸، -۱۵۹، -۱۶۰، -۱۶۱، -۱۶۲، -۱۶۳، -۱۶۴، -۱۶۵، -۱۶۶، -۱۶۷، -۱۶۸، -۱۶۹، -۱۷۰، -۱۷۱، -۱۷۲، -۱۷۳، -۱۷۴، -۱۷۵، -۱۷۶، -۱۷۷، -۱۷۸، -۱۷۹، -۱۸۰، -۱۸۱، -۱۸۲، -۱۸۳، -۱۸۴، -۱۸۵، -۱۸۶، -۱۸۷، -۱۸۸، -۱۸۹، -۱۹۰، -۱۹۱، -۱۹۲، -۱۹۳، -۱۹۴، -۱۹۵، -۱۹۶، -۱۹۷، -۱۹۸، -۱۹۹، -۲۰۰، -۲۰۱، -۲۰۲، -۲۰۳، -۲۰۴، -۲۰۵، -۲۰۶، -۲۰۷، -۲۰۸، -۲۰۹، -۲۱۰، -۲۱۱، -۲۱۲، -۲۱۳، -۲۱۴، -۲۱۵، -۲۱۶، -۲۱۷، -۲۱۸، -۲۱۹، -۲۲۰، -۲۲۱، -۲۲۲، -۲۲۳، -۲۲۴، -۲۲۵، -۲۲۶، -۲۲۷، -۲۲۸، -۲۲۹، -۲۳۰، -۲۳۱، -۲۳۲، -۲۳۳، -۲۳۴، -۲۳۵، -۲۳۶، -۲۳۷، -۲۳۸، -۲۳۹، -۲۴۰، -۲۴۱، -۲۴۲، -۲۴۳، -۲۴۴، -۲۴۵، -۲۴۶، -۲۴۷، -۲۴۸، -۲۴۹، -۲۵۰، -۲۵۱، -۲۵۲، -۲۵۳، -۲۵۴، -۲۵۵، -۲۵۶، -۲۵۷، -۲۵۸، -۲۵۹، -۲۶۰، -۲۶۱، -۲۶۲، -۲۶۳، -۲۶۴، -۲۶۵، -۲۶۶، -۲۶۷، -۲۶۸، -۲۶۹، -۲۷۰، -۲۷۱، -۲۷۲، -۲۷۳، -۲۷۴، -۲۷۵، -۲۷۶، -۲۷۷، -۲۷۸، -۲۷۹، -۲۸۰، -۲۸۱، -۲۸۲، -۲۸۳، -۲۸۴، -۲۸۵، -۲۸۶، -۲۸۷، -۲۸۸، -۲۸۹، -۲۹۰، -۲۹۱، -۲۹۲، -۲۹۳، -۲۹۴، -۲۹۵، -۲۹۶، -۲۹۷، -۲۹۸، -۲۹۹، -۳۰۰، -۳۰۱، -۳۰۲، -۳۰۳، -۳۰۴، -۳۰۵، -۳۰۶، -۳۰۷، -۳۰۸، -۳۰۹، -۳۱۰، -۳۱۱، -۳۱۲، -۳۱۳، -۳۱۴، -۳۱۵، -۳۱۶، -۳۱۷، -۳۱۸، -۳۱۹، -۳۲۰، -۳۲۱، -۳۲۲، -۳۲۳، -۳۲۴، -۳۲۵، -۳۲۶، -۳۲۷، -۳۲۸، -۳۲۹، -۳۳۰، -۳۳۱، -۳۳۲، -۳۳۳، -۳۳۴، -۳۳۵، -۳۳۶، -۳۳۷، -۳۳۸، -۳۳۹، -۳۴۰، -۳۴۱، -۳۴۲، -۳۴۳، -۳۴۴، -۳۴۵، -۳۴۶، -۳۴۷، -۳۴۸، -۳۴۹، -۳۵۰، -۳۵۱، -۳۵۲، -۳۵۳، -۳۵۴، -۳۵۵، -۳۵۶، -۳۵۷، -۳۵۸، -۳۵۹، -۳۶۰، -۳۶۱، -۳۶۲، -۳۶۳، -۳۶۴، -۳۶۵، -۳۶۶، -۳۶۷، -۳۶۸، -۳۶۹، -۳۷۰، -۳۷۱، -۳۷۲، -۳۷۳، -۳۷۴، -۳۷۵، -۳۷۶، -۳۷۷، -۳۷۸، -۳۷۹، -۳۸۰، -۳۸۱، -۳۸۲، -۳۸۳، -۳۸۴، -۳۸۵، -۳۸۶، -۳۸۷، -۳۸۸، -۳۸۹، -۳۹۰، -۳۹۱، -۳۹۲، -۳۹۳، -۳۹۴، -۳۹۵، -۳۹۶، -۳۹۷، -۳۹۸، -۳۹۹، -۴۰۰، -۴۰۱، -۴۰۲، -۴۰۳، -۴۰۴، -۴۰۵، -۴۰۶، -۴۰۷، -۴۰۸، -۴۰۹، -۴۱۰، -۴۱۱، -۴۱۲، -۴۱۳، -۴۱۴، -۴۱۵، -۴۱۶، -۴۱۷، -۴۱۸، -۴۱۹، -۴۲۰، -۴۲۱، -۴۲۲، -۴۲۳، -۴۲۴، -۴۲۵، -۴۲۶، -۴۲۷، -۴۲۸، -۴۲۹، -۴۳۰، -۴۳۱، -۴۳۲، -۴۳۳، -۴۳۴، -۴۳۵، -۴۳۶، -۴۳۷، -۴۳۸، -۴۳۹، -۴۴۰، -۴۴۱، -۴۴۲، -۴۴۳، -۴۴۴، -۴۴۵، -۴۴۶، -۴۴۷، -۴۴۸، -۴۴۹، -۴۵۰، -۴۵۱، -۴۵۲، -۴۵۳، -۴۵۴، -۴۵۵، -۴۵۶، -۴۵۷، -۴۵۸، -۴۵۹، -۴۶۰، -۴۶۱، -۴۶۲، -۴۶۳، -۴۶۴، -۴۶۵، -۴۶۶، -۴۶۷، -۴۶۸، -۴۶۹، -۴۷۰، -۴۷۱، -۴۷۲، -۴۷۳، -۴۷۴، -۴۷۵، -۴۷۶، -۴۷۷، -۴۷۸، -۴۷۹، -۴۸۰، -۴۸۱، -۴۸۲، -۴۸۳، -۴۸۴، -۴۸۵، -۴۸۶، -۴۸۷، -۴۸۸، -۴۸۹، -۴۹۰، -۴۹۱، -۴۹۲، -۴۹۳، -۴۹۴، -۴۹۵، -۴۹۶، -۴۹۷، -۴۹۸، -۴۹۹، -۵۰۰، -۵۰۱، -۵۰۲، -۵۰۳، -۵۰۴، -۵۰۵، -۵۰۶، -۵۰۷، -۵۰۸، -۵۰۹، -۵۱۰، -۵۱۱، -۵۱۲، -۵۱۳، -۵۱۴، -۵۱۵، -۵۱۶، -۵۱۷، -۵۱۸، -۵۱۹، -۵۲۰، -۵۲۱، -۵۲۲، -۵۲۳، -۵۲۴، -۵۲۵، -۵۲۶، -۵۲۷، -۵۲۸، -۵۲۹، -۵۳۰، -۵۳۱، -۵۳۲، -۵۳۳، -۵۳۴، -۵۳۵، -۵۳۶، -۵۳۷، -۵۳۸، -۵۳۹، -۵۴۰، -۵۴۱، -۵۴۲، -۵۴۳، -۵۴۴، -۵۴۵، -۵۴۶، -۵۴۷، -۵۴۸، -۵۴۹، -۵۵۰، -۵۵۱، -۵۵۲، -۵۵۳، -۵۵۴، -۵۵۵، -۵۵۶، -۵۵۷، -۵۵۸، -۵۵۹، -۵۶۰، -۵۶۱، -۵۶۲، -۵۶۳، -۵۶۴، -۵۶۵، -۵۶۶، -۵۶۷، -۵۶۸، -۵۶۹، -۵۷۰، -۵۷۱، -۵۷۲، -۵۷۳، -۵۷۴، -۵۷۵، -۵۷۶، -۵۷۷، -۵۷۸، -۵۷۹، -۵۸۰، -۵۸۱، -۵۸۲، -۵۸۳، -۵۸۴، -۵۸۵، -۵۸۶، -۵۸۷، -۵۸۸، -۵۸۹، -۵۹۰، -۵۹۱، -۵۹۲، -۵۹۳، -۵۹۴، -۵۹۵، -۵۹۶، -۵۹۷، -۵۹۸، -۵۹۹، -۶۰۰، -۶۰۱، -۶۰۲، -۶۰۳، -۶۰۴، -۶۰۵، -۶۰۶، -۶۰۷، -۶۰۸، -۶۰۹، -۶۱۰، -۶۱۱، -۶۱۲، -۶۱۳، -۶۱۴، -۶۱۵، -۶۱۶، -۶۱۷، -۶۱۸، -۶۱۹، -۶۲۰، -۶۲۱، -۶۲۲، -۶۲۳، -۶۲۴، -۶۲۵، -۶۲۶، -۶۲۷، -۶۲۸، -۶۲۹، -۶۳۰، -۶۳۱، -۶۳۲، -۶۳۳، -۶۳۴، -۶۳۵، -۶۳۶، -۶۳۷، -۶۳۸، -۶۳۹، -۶۴۰، -۶۴۱، -۶۴۲، -۶۴۳، -۶۴۴، -۶۴۵، -۶۴۶، -۶۴۷، -۶۴۸، -۶۴۹، -۶۵۰، -۶۵۱، -۶۵۲، -۶۵۳، -۶۵۴، -۶۵۵، -۶۵۶، -۶۵۷، -۶۵۸، -۶۵۹، -۶۶۰، -۶۶۱، -۶۶۲، -۶۶۳، -۶۶۴، -۶۶۵، -۶۶۶، -۶۶۷، -۶۶۸، -۶۶۹، -۶۷۰، -۶۷۱، -۶۷۲، -۶۷۳، -۶۷۴، -۶۷۵، -۶۷۶، -۶۷۷، -۶۷۸، -۶۷۹، -۶۸۰، -۶۸۱، -۶۸۲، -۶۸۳، -۶۸۴، -۶۸۵، -۶۸۶، -۶۸۷، -۶۸۸، -۶۸۹، -۶۹۰، -۶۹۱، -۶۹۲، -۶۹۳، -۶۹۴، -۶۹۵، -۶۹۶، -۶۹۷، -۶۹۸، -۶۹۹، -۷۰۰، -۷۰۱، -۷۰۲، -۷۰۳، -۷۰۴، -۷۰۵، -۷۰۶، -۷۰۷، -۷۰۸، -۷۰۹، -۷۱۰، -۷۱۱، -۷۱۲، -۷۱۳، -۷۱۴، -۷۱۵، -۷۱۶، -۷۱۷، -۷۱۸، -۷۱۹، -۷۲۰، -۷۲۱، -۷۲۲، -۷۲۳، -۷۲۴، -۷۲۵، -۷۲۶، -۷۲۷، -۷۲۸، -۷۲۹، -۷۳۰، -۷۳۱، -۷۳۲، -۷۳۳، -۷۳۴، -۷۳۵، -۷۳۶، -۷۳۷، -۷۳۸، -۷۳۹، -۷۴۰، -۷۴۱، -۷۴۲، -۷۴۳، -۷۴۴، -۷۴۵، -۷۴۶، -۷۴۷، -۷۴۸، -۷۴۹، -۷۵۰، -۷۵۱، -۷۵۲، -۷۵۳، -۷۵۴، -۷۵۵، -۷۵۶، -۷۵۷، -۷۵۸، -۷۵۹، -۷۶۰، -۷۶۱، -۷۶۲، -۷۶۳، -۷۶۴، -۷۶۵، -۷۶۶، -۷۶۷، -۷۶۸، -۷۶۹، -۷۷۰، -۷۷۱، -۷۷۲، -۷۷۳، -۷۷۴، -۷۷۵، -۷۷۶، -۷۷۷، -۷۷۸، -۷۷۹، -۷۸۰، -۷۸۱، -۷۸۲، -۷۸۳، -۷۸۴، -۷۸۵، -۷۸۶، -۷۸۷، -۷۸۸، -۷۸۹، -۷۹۰، -۷۹۱، -۷۹۲، -۷۹۳، -۷۹۴، -۷۹۵، -۷۹۶، -۷۹۷، -۷۹۸، -۷۹۹، -۸۰۰، -۸۰۱، -۸۰۲، -۸۰۳، -۸۰۴، -۸۰۵، -۸۰۶، -۸۰۷، -۸۰۸، -۸۰۹، -۸۱۰، -۸۱۱، -۸۱۲، -۸۱۳، -۸۱۴، -۸۱۵، -۸۱۶، -۸۱۷، -۸۱۸، -۸۱۹، -۸۲۰، -۸۲۱، -۸۲۲، -۸۲۳، -۸۲۴، -۸۲۵، -۸۲۶، -۸۲۷، -۸۲۸، -۸۲۹، -۸۳۰، -۸۳۱، -۸۳۲، -۸۳۳، -۸۳۴، -۸۳۵، -۸۳۶، -۸۳۷، -۸۳۸، -۸۳۹، -۸۴۰، -۸۴۱، -۸۴۲، -۸۴۳، -۸۴۴، -۸۴۵، -۸۴۶، -۸۴۷، -۸۴۸، -۸۴۹، -۸۵۰، -۸۵۱، -۸۵۲، -۸۵۳، -۸۵۴، -۸۵۵، -۸۵۶، -۸۵۷، -۸۵۸، -۸۵۹، -۸۶۰، -۸۶۱، -۸۶۲، -۸۶۳، -۸۶۴، -۸۶۵، -۸۶۶، -۸۶۷، -۸۶۸، -۸۶۹، -۸۷۰، -۸۷۱، -۸۷۲، -۸۷۳، -۸۷۴، -۸۷۵، -۸۷۶، -۸۷۷، -۸۷۸، -۸۷۹، -۸۸۰، -۸۸۱، -۸۸۲، -۸۸۳، -۸۸۴، -۸۸۵، -۸۸۶، -۸۸۷، -۸۸۸، -۸۸۹، -۸۹۰، -۸۹۱، -۸۹۲، -۸۹۳، -۸۹۴، -۸۹۵، -۸۹۶، -۸۹۷، -۸۹۸، -۸۹۹، -۹۰۰، -۹۰۱، -۹۰۲، -۹۰۳، -۹۰۴، -۹۰۵، -۹۰۶، -۹۰۷، -۹۰۸، -۹۰۹، -۹۱۰، -۹۱۱، -۹۱۲، -۹۱۳، -۹۱۴، -۹۱۵، -۹۱۶، -۹۱۷، -۹۱۸، -۹۱۹، -۹۲۰، -۹۲۱، -۹۲۲، -۹۲۳، -۹۲۴، -۹۲۵، -۹۲۶، -۹۲۷، -۹۲۸، -۹۲۹، -۹۳۰، -۹۳۱، -۹۳۲، -۹۳۳، -۹۳۴، -۹۳۵، -۹۳۶، -۹۳۷، -۹۳۸، -۹۳۹، -۹۴۰، -۹۴۱، -۹۴۲، -۹۴۳، -۹۴۴، -۹۴۵، -۹۴۶، -۹۴۷، -۹۴۸، -۹۴۹، -۹۵۰، -۹۵۱، -۹۵۲، -۹۵۳، -۹۵۴، -۹۵۵، -۹۵۶، -۹۵۷، -۹۵۸، -۹۵۹، -۹۶۰، -۹۶۱، -۹۶۲، -۹۶۳، -۹۶۴، -۹۶۵، -۹۶۶، -۹۶۷، -۹۶۸، -۹۶۹، -۹۷۰، -۹۷۱، -۹۷۲، -۹۷۳، -۹۷۴، -۹۷۵، -۹۷۶، -۹۷۷، -۹۷۸، -۹۷۹، -۹۸۰، -۹۸۱، -۹۸۲، -۹۸۳، -۹۸۴، -۹۸۵، -۹۸۶، -۹۸۷، -۹۸۸، -۹۸۹، -۹۹۰، -۹۹۱، -۹۹۲، -۹۹۳، -۹۹۴، -۹۹۵، -۹۹۶، -۹۹۷، -۹۹۸، -۹۹۹، -۱۰۰۰، -۱۰۰۱، -۱۰۰۲، -۱۰۰۳، -۱۰۰۴، -۱۰۰۵، -۱۰۰۶، -۱۰۰۷، -۱۰۰۸، -۱۰۰۹، -۱۰۱۰، -۱۰۱۱، -۱۰۱۲، -۱۰۱۳، -۱۰۱۴، -۱۰۱۵، -۱۰۱۶، -۱۰۱۷، -۱۰۱۸، -۱۰۱۹، -۱۰۲۰، -۱۰۲۱، -۱۰۲۲، -۱۰۲۳، -۱۰۲۴، -۱۰۲۵، -۱۰۲۶، -۱۰۲۷، -۱۰۲۸، -۱۰۲۹، -۱۰۳۰، -۱۰۳۱، -۱۰۳۲، -۱۰۳۳، -۱۰۳۴، -۱۰۳۵، -۱۰۳۶، -۱۰۳۷، -۱۰۳۸، -۱۰۳۹، -۱۰۴۰، -۱۰۴۱، -۱۰۴۲، -۱۰۴۳، -۱۰۴۴، -۱۰۴۵، -۱۰۴۶، -۱۰۴۷، -۱۰۴۸، -۱۰۴۹، -۱۰۵۰، -۱۰۵۱، -۱۰۵۲، -۱۰۵۳، -۱۰۵۴، -۱۰۵۵، -۱۰۵۶، -۱۰۵۷، -۱۰۵۸، -۱۰۵۹، -۱۰۶۰، -۱۰۶۱، -۱۰۶۲، -۱۰۶۳، -۱۰۶۴، -۱۰۶۵، -۱۰۶۶، -۱۰۶۷، -۱۰۶۸، -۱۰۶۹، -۱۰۷۰، -۱۰۷۱، -۱۰۷۲، -۱۰۷۳، -۱۰۷۴، -۱۰۷۵، -۱۰۷۶، -۱۰۷۷، -۱۰۷۸، -۱۰۷۹، -۱۰۸۰، -۱۰۸۱، -۱۰۸۲، -۱۰۸۳، -۱۰۸۴، -۱۰۸۵، -۱۰۸۶، -۱۰۸۷، -۱۰۸۸، -۱۰۸۹، -۱۰۹۰، -۱۰۹۱، -۱۰۹۲، -۱۰۹۳، -۱۰۹۴، -۱۰۹۵، -۱۰۹۶، -۱۰۹۷، -۱۰۹۸، -۱۰۹۹، -۱۱۰۰، -۱۱۰۱، -۱۱۰۲، -۱۱۰۳، -۱۱۰۴، -۱۱۰۵، -۱۱۰۶، -۱۱۰۷، -۱۱۰۸، -۱۱۰۹، -۱۱۱۰، -۱

میں ایک پیش امام ہیں، وہ جہری اور سری؛ دونوں نماز میں مصلیٰ (جائے نماز) پر جس جگہ کھڑے رہتے ہیں، وہاں سے دوران نماز (رکوع اور سجدہ میں جاتے ہوئے) کھسکتے کھسکتے بالکل اس کے کنارے پر آجاتے ہیں، پھر واپس اپنی جگہ چلے جاتے ہیں، اس طرح کرتے رہتے ہیں، ان کو کسی طرح کا عذر بھی نہیں ہے، بسا اوقات ان کے پیر بھی حالت سجدہ میں زمین سے اٹھ جاتے ہیں، بعض مقتدیوں نے اس جانب توجہ دلائی، مگر عادت سے باز نہیں آتے، تو کیا ایسے امام کے پیچھے ہماری نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

بہت سے مقتدی بھی نماز میں اپنے پیروں کو آگے پیچھے کر کے اپنی جگہ سے ہٹتے رہتے ہیں، تو اس حالت میں ان کی بھی نماز صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ کا مفصل و مدلل جواب عطا فرمائیں۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

صورت مسئلہ میں امام کی نماز بغیر کسی شک و شبہ کے صحیح ہے۔ ان کی نماز کے صحیح نہ ہونے کے متعلق شک کرنا درست نہیں۔

سجدہ کی حقیقت چہرے کا زمین پر بہ طریق تعظیم رکھنا ہے۔<sup>(۱)</sup> اس کی صحت کے لیے پیروں کی انگلیوں کا زمین پر خواہ تھوڑی دیر کے لیے رکھنا شرط ہے۔ اس میں پیروں کا ایک ہی جگہ رکھے رکھنا شرط نہیں؛ اس لیے امام صاحب کی نماز صحیح ہے۔ (شامی ۱/۳۶۶-۳۶۷ طحاوی: ۱۲۶) و فیہ یفترض وضع أصابع القدم ولو واحدة۔ (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۰۴، زکریا دیوبند-ہندیہ: ۱/۷۰۱)<sup>[۲]</sup>

مقتدیوں کی نماز کا بھی یہی حکم ہے کہ جب ان کی انگلیاں سجدہ میں تھوڑی دیر کے لیے لگ گئی ہوں، تو پھر ہٹنے سے نقصان نہ ہوگا، ان کی نماز صحیح ہے، البتہ صف کے آگے پیچھے ہونے سے صف سیدھی نہ رہے گی، تو سنت کے خلاف ہوگا؛ لیکن نماز ہو جائے گی۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: أمرت أن أسجد على سبعة أعظم على الجبهة، وأشار بيده على أنفه واليدين والركبتين، وأطراف القدمين ولا نكفت الثياب والشعر. (صحيح البخاري: ۱۱۲/۱، رقم الحديث: ۸۱۲، كتاب الأذان، باب السجود على الأنف، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱۹۳/۱، ۲۲۸- (۳۹۰)، كتاب الصلاة، باب أعضاء السجود، والنهي عن كف الشعر والثوب وعص الرأس في الصلاة، ط: ديوبند)

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان ”نماز میں گرم ٹوپی وغیرہ سے پیشانی ڈھانک کر سجدہ کرنا“ کا حاشیہ نمبر: ۱۔  
(۲-۳) تفصیل تخریج کے لیے دیکھیے: ”نماز میں گرم ٹوپی وغیرہ سے پیشانی ڈھانک کر سجدہ کرنا“ اور ”سجدہ میں پیر کا انگوٹھا اٹھ جانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے“ کے حواشی۔

[۱۲] نماز میں پیر آگے پیچھے ہو جانا یا ایڑی زمین سے اٹھ جانا

۸۲۶-سوال: امام صاحب جب مصلیٰ (جائے نماز) پر کھڑے ہوتے ہیں، تو ان کے پیر پیچھے سے اٹھ جاتے ہیں، یا ان کے پیر اپنی جگہ سے ہٹ جاتے ہیں، تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ بیوقوف تو جروا۔

**الجواب حامداً ومصلياً:**

قیام کی حالت میں ایڑی اوپر اٹھ جانے سے، یا پیر کچھ آگے پیچھے ہو جانے سے نماز ہو جائے گی، اس سے نماز میں کوئی نقصان نہ آئے گا۔<sup>(۱)</sup> فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] رکوع یا سجدہ میں امام سے سبقت کرنا

۸۲۷-سوال: جماعت کی نماز میں مقتدی امام سے پہلے رکوع یا سجدہ کرے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

**الجواب حامداً ومصلياً:**

رکوع و سجدہ میں مقتدی کا امام سے سبقت کرنا جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ: کیا تم میں سے کوئی، جو اپنا سر امام سے پہلے اٹھالیتا ہے، اس بات کا خوف نہیں کرتا کہ اللہ اس کے سر کو گدھے کا ساسر بنا دے یا اللہ اس کی صورت کو گدھے کی سی صورت بنا دے۔ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ اس کا سر گدھے کے سر

(۱) وإن حرك رجلا واحداً لا على الدوام لا تفسد صلاته وإن حرك رجليه تفسد واعتبر هذا القائل العمل بالرجلين بالعمل باليدين والعمل برجل واحدة، وقال بعضهم: إن حرك رجليه قليلاً لا تفسد صلاته. كذا في المحيط وهو الأوجه. هكذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۰۳، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، الفصل الأول فيما يفسدها، ط: دار الفكر ☆ البناية شرح الهداية - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۲/۴۳۹، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل في العوارض التي تكره في الصلاة، الأكل والشرب في الصلاة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۲/۲۳۵، كتاب الصلاة، فصل ما يفسد الصلاة وما لا يفسد، ط: زكريا - ديوبند ☆ النهر الفائق شرح كنز الدقائق - سراج الدين عمر بن إبراهيم بن نجيم الحنفي (م: ۱۰۰۵هـ): ۱/۲۷۳، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ت أحمد عز و عناية، ط: دار الكتب العلمية)

جیسا بنادیں گے۔ (بخاری شریف)<sup>[۱]</sup>

البتہ اگر بے خیالی میں امام سے سبقت کر گیا، تو اگر امام بھی اس کے ساتھ اس رکوع یا سجدے میں شریک ہو گیا تو نماز ہوگئی اور اگر امام کے رکوع یا سجدہ میں آنے سے پہلے ہی اس نے اپنا سر اٹھالیا، اس کے بعد امام نے رکوع یا سجدہ کیا، تو مقتدی اگر امام کے ساتھ دوبارہ وہ رکوع یا سجدہ کر لیتا ہے، تو نماز ہو جائے گی، ورنہ اس کی نماز نہ ہوگی۔<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۱۳] نماز میں مجبوبہ کا خیال آنے سے نماز ترک کرنا

۸۲۸-سوال: زید کو ایک لڑکی سے بہت محبت ہے، ہر وقت اس کا خیال آتا رہتا ہے؛ یہاں تک کہ نماز میں بھی اس کے متعلق وساوس آتے رہتے ہیں، وہ پانچوں وقت کی نماز کا پابند ہے؛ لیکن لڑکی سے بے انتہاء محبت ہے، جس کی وجہ سے نماز میں آنے والے خیالات سے وہ پریشان ہے، زید کہتا ہے کہ کیا ایسی صورت میں مجھے نماز چھوڑ دینی چاہئے؟ ان خیالات کے ساتھ نماز پڑھنا گناہ تو نہ ہوگا؟ رہنمائی فرما کر شکر یہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

### الجواب حامدًا ومصليًا:

نماز پڑھنا ہر حال میں فرض ہے، نماز چھوڑنا جائز نہیں۔<sup>(۳)</sup> نماز میں خیالات کا لانا برا ہے، خیالات

(۱) عن محمد بن زياد، سمعت أبا هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أما يخشى أحدكم - أو لا يخشى أحدكم - إذا رفع رأسه قبل الإمام، أن يجعل الله رأسه رأس حمار، أو يجعل الله صورته صورة حمار." (صحيح البخاري: ۹۶۱/۱، رقم الحديث: ۶۹۱، باب إثم من رفع رأسه قبل الإمام، كتاب الأذان، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱۸۱/۱، رقم الحديث: ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶ - (۴۲۷)، كتاب الصلاة، باب تحريم عن سبق الإمام بر كوع أو سجود ونحوهما، ط: ديوبند)

[۲] (ولور كع) قبل الإمام (فلحقه إمامه فيه صح) ركوعه، وكره تحريما... (وإلا لا) يجزيه. (الدر المختار) قوله وإلا لا أي وإن لم يلحقه إمامه فيه بأن رفع رأسه قبل أن يركع الإمام... لا يجزيه. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۶۱/۲، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ﴿۴﴾ (النساء: ۱۰۳)

عن أبي الدر داء، قال: أو صاني خليلي صلى الله عليه وسلم أن لا تشرك بالله شيئا، وإن قطعت وحرقت، ولا تترك صلاة مكتوبة متعمدا، فمن تركها متعمدا، فقد برئت منه الذمة، ولا تشرب الخمر، فإنها مفتاح كل شر. (سنن ابن ماجه، رقم الحديث: ۴۰۳۴، كتاب الفتن، باب الصبر على البلاء، ط: أشرفيه - ديوبند)

وساوس کا از خود آجانا برا نہیں ہے، بل کہ اگر خیالات و وساوس کے ہجوم کے باوجود کوئی نماز کی طرف متوجہ ہونے کی کوشش کرتا رہے، تو اسے مجاہدے کا ثواب ملے گا۔

اس لیے خیالات و وساوس کی وجہ سے زید کے لیے نماز کا ترک کرنا جائز نہ ہوگا، البتہ چاہیے کہ وہ روزانہ صبح و شام کثرت سے استغفار کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف دل سے متوجہ ہو کر نماز پڑھنے کی کوشش کرے، ان شاء اللہ وساوس ختم ہو جائیں گے۔<sup>(۱)</sup> ان وساوس کے ساتھ بھی نماز ہو جائے گی۔<sup>[۲]</sup> (اسے یہ بھی سوچنا چاہیے کہ غیر اللہ کی ایسی محبت جو خالق سے توجہ کو ہٹا دے، بھلا کیوں کر درست ہو سکتی ہے؟؟؟) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۵] نماز میں شیطانی وساوس کا علاج

۸۲۹-سوال: سلام مسنون کے بعد عرض ہے کہ میں جب نماز پڑھنے لگتا ہوں، تو مسلسل شیطانی وساوس شروع ہو جاتے ہیں، جس سے دل بہت بے چین اور پریشان ہوتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؛ اس لیے آپ سے عرض ہے کہ اس کا کوئی علاج بیان فرمائیں، یعنی دعایا کوئی قرآنی آیت پڑھنے کی ہو، تو رہنمائی

(۱) عن عبد الله بن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من لزم الاستغفار جعل الله له من كل هم فرجا، ومن كل ضيق مخرجا، ورزقه من حيث لا يحتسب. (سنن ابن ماجه: ۲۷۱، باب الاستغفار، أبواب الأدب، ط: البدر- ديوبند)

[۲] عن مالك أنه بلغه أن رجلا سأل القاسم بن محمد فقال: إني أهم في صلاتي. فيكثر ذلك علي. فقال القاسم بن محمد " امض في صلاتك. فإنه لن يذهب عنك، حتى تنصرف وأنت تقول: ما أتممت صلاتي ". (موطأ الإمام مالك: ۱/۱۰۰، رقم: ۳، كتاب السهو، باب العمل في السهو، ت: محمد فؤاد عبد الباقي، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

قال الملا علي القاري (م: ۱۰۱۳ھ): (فقال له: امض في صلاتك): سواء كانت الوسوسة خارج الصلاة، أو داخلها، ولا تلتفت إلى موانعها (فإنه لن يذهب ذلك عنك) ... والمعنى لا يذهب عنك تلك الخطرات الشيطانية، (حتى تنصرف) أي: تفرغ من الصلاة (وأنت تقول): للشيطان صدقت (ما أتممت صلاتي): لكن ما أقبل قولك، ولا أتمها إرغاماً لك، ونقضا لما أردته مني، وهذا أصل عظيم لدفع الوسوس، وقمع هواجس الشيطان في سائر الطاعات، والحاصل أن الخلاص من الشيطان إنما هو بعون الرحمن، والاعتصام بظواهر الشريعة، وعدم الالتفات إلى الخطرات، والوسوس الذميمة، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۱/۱۳۷، كتاب الإيمان، باب الوسوسة، ط: دار الفكر، بيروت- لبنان)

فرمائیں، تاکہ میری نماز صحیح ہو جائے اور دین و دنیا کی کامیابی میسر ہو، اس دعا کو پڑھنے کا طریقہ اور وقت وغیرہ بھی تفصیل سے بیان فرمائیں، آپ کی بڑی مہربانی ہوگی اور مجھ پر بڑا احسان ہوگا، باقی دعائے خیر میں یاد فرمائیں۔

**الجواب حامدًا ومصلياً:**

شیطانی وساوس اور برے خیالات کو رفع کرنے کے لیے صبح شام ۷۱-۷۱ دفعہ ”لا حول ولا قوة الا باللہ العلیٰ العظیم“ کا ورد رکھیے، ان شاء اللہ اس سے بہت فائدہ ہوگا۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] ٹخنوں سے نیچے پا جامہ لٹکانا ہر حال میں ممنوع ہے

[۱۷] نماز کے وقت پائینچے چڑھانا پھر اتار دینا

۸۳۰-سوال: شریعت نے مردوں کو پا جامہ، لنگی، پینٹ وغیرہ کو ٹخنوں سے اوپر باندھنے کا حکم دیا ہے، تو یہ حکم صرف نماز کی حالت میں ہے یا عام حالت میں بھی؟ بہت سے لوگ صرف نماز کے وقت پا جامہ یا پینٹ ٹخنوں سے اوپر کرتے ہیں اور بعض تو اس طرح کرتے ہیں کہ صرف نیچے کے پائینچے موڑ دیتے ہیں، تو نماز کے وقت یہ پائینچے موڑنا (چڑھانا) کیسا ہے؟

**الجواب حامدًا ومصلياً:**

ازار، لنگی، پینٹ، کرتہ، جُبَّہ، چنغا وغیرہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا، تمام حالتوں میں مکروہ تحریمی ہے، یعنی خواہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر، ہر حال میں یہ حکم ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۱) دیکھیے: فتاویٰ رحیمیہ: ۱۲۰/۵، دارالاشاعت کراچی پاکستان ☆ طب نبوی: ص ۱۳۵/دارالکتاب دیوبند۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں ”نماز میں محبوبہ کا خیال آنے سے نماز ترک کرنا“ کے حواشی۔

(۲) وأما القدر المستحب فيما ينزل إليه طرف القميص والأزار فنصف الساقين، كما في حديث ابن عمر المذکور وفي حديث أبي سعيد إزاره المؤمن إلى أنصاف ساقيه لا جناح عليه فيما بينه وبين الكعبين، ما أسفل من ذلك فهو في النار، فالمستحب نصف الساقين، والجائز بلا كراهة ماتحته إلى الكعبين، فما نزل عن الكعبين فهو ممنوع، فإن كان للخيلاء فهو ممنوع منع تحريم والامنع تنزيه وأما الأحاديث المطلقة بأن ماتحت الكعبين في النار، فالمراد بها ما كان للخيلاء؛ لأنه مطلق فوجب حمله على المقيد، والله أعلم. (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج - أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ۶۷۷-۶۷۸هـ) ۱۳/۶۳، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم جر الثوب خيلاء وبيان حد ما يجوز إرخاؤه إليه وما يستحب، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت ☆ مرآة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - ملا علي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۲۷۶/۷، رقم الحديث: ۳۳۱۳، ط: دار الفکر - بيروت) =



رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ: تین قسم کے آدمی سے اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کریں گے اور ان کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھیں گے۔ وہ تین یہ ہیں: ۱- جو شخص ازار وغیرہ ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے۔ ۲- جو احسان کر کے جلتا ہے۔ ۳- جو جھوٹی قسم کھا کر مال بیچتا ہے۔ (مسلم شریف: ۴۰۱/۱)<sup>[۱]</sup>

اگر نماز کی حالت میں ٹخنوں سے نیچے کپڑا ہوگا، تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی، تاہم فریضہ ادا ہو جائے گا۔<sup>(۲)</sup> اور جو لوگ نماز کے وقت پائینچے چڑھاتے ہیں، ان کی نماز بلا کراہت ادا ہو جائے گی، مسلمانوں کو اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پانچامہ ہمیشہ ٹخنوں سے اوپر رکھنا چاہیے، لہذا جو لوگ نماز کے علاوہ عام حالت میں ٹخنوں سے نیچے پانچامہ لٹکاتے ہیں، وہ مرتکب کبیرہ ہونے کی وجہ سے گنہ گار ہوں گے۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۸] امام کا قعدہ اخیرہ چھوڑ کر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جانا

۸۳۱-سوال: ہمارے یہاں امام صاحب ظہر کی نماز میں، چوتھی رکعت میں قعدہ کرنے کے

= تقصیر الثیاب سنة وإسبال الإزار والقمیص بدعة یبغی أن یكون الإزار فوق الکعبین إلى نصف الساق وهذا فی حق الرجال، وأما النساء فیرخین إزارهن أسفل من إزار الرجال لیستر ظهر قدمهن. إسبال الرجل إزاره أسفل من الکعبین إن لم یکن للخیلاء ففیہ کراهة تنزیہ، کذا فی الغرائب. (الفتاویٰ الہندیہ: ۵/۳۳۳، کتاب الکراہیۃ، الباب التاسع فی اللبس ما یکرہ من ذلك وما لا یکرہ، ط: دار الفکر - بیروت)

[۱] عن أبي ذر، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة، ولا ينظر إليهم، ولا يزكّيهم ولهم عذاب أليم، قال: فقراهم رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث مراراً، قال أبو ذر: خابوا وخسروا، من هم يا رسول الله؟ قال: المسبل، والمنان، والمنفق سلعته بالحلف الكاذب. (الصحيح لمسلم: ۱/۷۱، رقم الحديث: ۱۷۱- (۱۰۶)، كتاب الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار... الخ، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن ابو داؤد: ۲/۵۶۵، رقم الحديث: ۴۰۸۷، كتاب اللباس، باب ماجاء في إسبال ازار، ط: مكتبة البدر - ديوبند)

(۲) ويكره للمصلي ما هو من أخلاق الجبابة. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۳۸۳هـ): ۱/۳۴، مكرهات الصلاة، ط: دار المعرفة - بيروت ☆ المحيط البرهاني - أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۲۱۶هـ): ۱/۳۷۷، الفصل السادس عشر في التغني والألحان، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۳) عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما أسفل من الكعبين من الإزار ففي النار. (صحيح البخاري: ۲/۸۶۱، رقم الحديث: ۵۷۸۷، كتاب اللباس، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار، ط: ديوبند)

بجائے سیدھے کھڑے ہو گئے، مقتدیوں نے لقمہ بھی دیا، مگر اس کی طرف انہوں نے توجہ نہیں دی اور پانچویں رکعت کے دو سجدے کرنے بعد قعدہ اخیرہ کیا، پھر اخیر میں سجدہ سہو کیا، تو نمازِ ظہر صحیح ہوئی یا نہیں؟ یا پانچویں رکعت کے ساتھ چھٹی رکعت ملانا بھی ضروری تھا؟ جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

نماز، خواہ فرض ہو یا نفل، اس کا آخری قعدہ فرض ہے، پس ظہر یا عصر میں چار رکعت کے بعد ”التحيات“ پڑھنے کے بہ قدر بیٹھنا فرض ہے۔<sup>(۱)</sup> جب آپ کے امام صاحب چوتھی رکعت کے بعد آخری قعدہ میں بیٹھے ہی نہیں، تو (پانچویں رکعت کا سجدہ کرتے ہی) فرض نماز فاسد ہوگئی، سجدہ سہو سے بھی اب تلافی نہ ہوگی، نماز کا اعادہ لازم ہوگا۔

اگر امام صاحب چوتھی رکعت میں التحیات کے بہ قدر بیٹھ جاتے، پھر کھڑے ہوتے، تو سجدہ سہو سے تلافی ہو جاتی، مگر یہاں ایسا نہیں ہوا ہے؛ بل کہ سیدھے پانچویں رکعت کے لیے کھڑے ہو گئے ہیں۔ ایسی صورت میں حکم یہ تھا کہ پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے اگر لوٹ آئے، تو سجدہ سہو سے نماز صحیح ہو جاتی ہے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا، تو فرض نماز فاسد ہو کر نفل بن جائے گی، اور سجدہ سہو کرنے سے بھی فرضیت عود کر نہیں آئے گی۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) "فرائض الصلاة ستة: التحريمة..." والقعدة في آخر الصلاة مقدار التشهد "لقوله عليه الصلاة والسلام لابن مسعود رضي الله عنه حين علمه التشهد "إذا قلت هذا أو فعلت هذا فقد تمت صلاتك" علق التمام بالفعل قرأ أو لم يقرأ. (الهداية في شرح بداية المبتدي - المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۹۸/۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: ياسر ندیم - ديوبند ☆ تحفة الفقهاء - أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۳۰ھ): ۱۳۶/۱، كتاب الصلاة، باب افتتاح الصلاة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲۶/۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) وإن سها عن القعدة الأخيرة حتى قام إلى الخامسة رجع إلى القعدة ما لم يسجد "لأن فيه إصلاح صلاته وأمكنه ذلك؛ لأن ما دون الركعة بمحل الرفض. — قال: "وألقى الخامسة" لأنه رجع إلى شيء محل قبلها فترفض "وسجد للسهو" لأنه آخر واجباً "وإن قيد الخامسة بسجدة بطل فرضه" عندنا... وتحولت صلاته نفلًا عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله "خلافًا لمحمد رحمه الله. (الهداية في شرح بداية المبتدي: ۱۵۹/۱، باب سجود السهو، كتاب الصلاة، ياسر ندیم - ديوبند)

ولو ترك القعدة الأخيرة من ذوات الأربع، وقام إلى الخامسة - فإن لم يقيد بها بالسجدة يعود إلى القعدة؛ لأنه لما لم يقيد الخامسة بالسجدة لم يكن ركعة فلم يكن فعل صلاة كاملاً، وما لم يكمل بعد فهو غير ثابت على الاستقرار =

## [۱۹] قعدہ اخیرہ ترک کر کے سیدھا کھڑا ہو جانا

۸۳۲-سوال: امام ظہر کی نماز پڑھا رہا تھا اور چوتھی رکعت میں قعدہ اخیرہ کرنے کے بجائے کھڑا ہو گیا اور اتنا کھڑا ہو گیا کہ گویا قیام کے قریب تھا، اس حال میں مقتدی نے پیچھے سے لقمہ دیا اور امام نے اس لقمہ کی تابع داری کی اور بیٹھ گیا یعنی لقمہ کی وجہ سے امام۔ جو کھڑے ہونے کے قریب تھا۔ لوٹ آیا اور بیٹھ گیا، تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

## الجواب حامدا ومصليا:

قعدہ اخیرہ میں بیٹھنے کے بجائے کھڑے ہونے کے قریب تھا اور لقمہ کی وجہ سے بیٹھ گیا، تو نماز ہو جائے گی اور سجدہ سہولاً آئے گا۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۰] تصویر والے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا

۸۳۳-سوال: جان دار کی تصویر والے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ نیز بہ طور فیشن ایسے کپڑے عام حالات میں پہننا کیسا ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

=فكان قابلا للرفع، ويكون رفعه في الحقيقة دفعا ومنعا عن الثبوت، فيدفع لئتمكن من الخروج عن الفرض وهو القعدة الأخيرة، وقد روي أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قام إلى الخامسة فسبح به فعاد، وإن قيد الخامسة بالسجدة لا يعود وفسد فرضه. (بدائع الصنائع: ۱/۱۷۱، كتاب الصلاة، فصل بيان المتروك ساھيا هل يقضى أم لا، ط: دار الكتب العلمية ☆ المحيط البرهاني: ۱/۵۰۷، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، ت: عبد الكريم سامي الجندی، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۱) وإن سها عن القعدة الأخيرة حتى قام إلى الخامسة رجع إلى القعدة مالم يسجد "لأن فيه إصلاح صلاته وأمكنه ذلك؛ لأن مادون الركعة بمحل الرفض. — قال: "وألقى الخامسة" لأنه رجع إلى شيء محل قبلها فترفض" وسجد للسهو "لأنه آخر واجب" وإن قيد الخامسة بسجدة بطل فرضه "عندنا... وتحولت صلاته نفلًا عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله" خلافاً لمحمد رحمه الله. (الهداية في شرح بداية المبتدي: ۱/۱۵۹، باب سجود السهو، كتاب الصلاة، ياسر نديم-ديوبند ☆ البحر الرائق: ۲/۱۱۰-۱۱۱، كتاب الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي) مزید دیکھیے: بدائع الصنائع: ۱/۱۷۱، كتاب الصلاة، فصل بيان المتروك ساھيا هل يقضى أم لا، ط: دار الكتب العلمية ☆ المحيط البرهاني: ۱/۵۰۷، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، ت: عبد الكريم سامي الجندی، ط: دار الكتب العلمية-بيروت.

## الجواب حامداً ومصلياً:

رسول اللہ ﷺ نے تعلیم دی ہے کہ ہم گناہ کے کاموں سے دور رہیں، خصوصاً کفر اور شرک کی چیزوں سے۔ آپ نے ﷺ نے اس مضمون کو اس طرح سے واضح فرمایا ہے کہ مسلمان اگر اس پر غور کرے، تو اس کے دل میں کفر و شرک سے نفرت ضرور پیدا ہوگی۔ یاد رہے کہ ایمان جس قدر مضبوط ہوگا، کفر و شرک کی چیزوں سے مسلمان اتنا ہی دور رہے گا۔

تصویر اور فوٹو کی راہ سے شیطان نے انسان کو گمراہ کیا ہے، چنانچہ اس نے بزرگوں اور نیک لوگوں کی یاد میں تصویر بنانے کا خیال دل میں ڈالا، جب وہ اس میں کام یاب ہو گیا، تو ان تصویروں کے ادب، احترام اور عزت کی تعلیم دی، معاملہ یہاں تک پہنچا کہ لوگ، اکابر کی ان تصویروں کو ہی پوجنے لگے اور شرک و بت پرستی نے ان میں جڑ پکڑ لیا۔<sup>(۱)</sup> اس لیے شریعت اسلامیہ میں تصویر کی سخت وعید آئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جان دار کی تصویر جس گھر میں ہوگی، رحمت کے فرشتے اس میں داخل نہیں ہوں گے۔<sup>[۲]</sup>

اگر روپے کی نوٹ پر تصویر ہو اور وہ مصلیٰ کے پاس اس طور پر ہو کہ تھیلی یا پیکٹ وغیرہ میں بند ہو (ڈھکی ہوئی ہو) تو نماز مکروہ نہ ہوگی، اور اگر کھلی ہو، اوپر سے نظر آتی ہو، تو نماز اس حال میں مکروہ ہے؛ لیکن اگر بہت چھوٹی تصویر ہو، جو (نیچے رکھی ہوئی ہو تو کھڑے ہو کر دیکھنے سے صاف) نظر نہ آتی ہو، تو اس کو پہن کر

(۱) عن عائشة أم المؤمنين، أن أم حبيبة، وأم سلمة ذكرتا كنيسة رأينها بالحبشة فيها تصاوير، فذكرت للنبي صلى الله عليه وسلم فقال: إن أولئك إذا كان فيهم الرجل الصالح فمات، بنوا على قبره مسجداً، وصوروا فيه تلك الصور، فأولئك شرار الخلق عند الله يوم القيامة. (صحيح البخاري: ۶۱/۱، رقم الحديث: ۴۲۷، كتاب الصلاة، باب: هل تنبش قبور مشركي الجاهلية، ويتخذ مكانها مساجد، ط: ديوبند، وانظر: ۲۳۷، ۱۳۲۱، ۳۸۷۳، ☆ الصحيح لمسلم: ۲۰۱/۱، رقم الحديث: ۱۶- (۵۲۸)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المساجد، على القبور واتخاذ الصور فيها والنهي عن اتخاذ القبور مساجد، ط: ديوبند)

(۲) عن أبي طلحة، رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا تصاوير. (صحيح البخاري: ۸۸۰/۲، رقم الحديث: ۵۹۴۹، كتاب اللباس، باب التصاوير، ط: ...، وانظر: ۳۲۲۶، ۳۳۲۲، ☆ الصحيح لمسلم: ۳۰۰۲، رقم الحديث: ۱۹۹/۲، ۸۳- (۲۱۰۶)، كتاب اللباس والزينة، باب لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا صورة، ط: ديوبند)

نماز پڑھنے میں حرج نہیں۔<sup>[۳]</sup> جان دار کی تصویر والا کپڑا پہننا مکروہ ہے، عام حالات میں بھی اس کا پہننا مکروہ ہے، ظاہر ہے کہ جب عام حالات میں مکروہ ہے، تو اس کپڑے میں نماز پڑھنا بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا۔<sup>(۴)</sup>

جب تصویر کی وجہ سے رحمت کے فرشتے گھر نہیں آتے، تو نماز پڑھنے والا جو کہ اللہ کی رحمت و مغفرت کا طلب گار ہے، اس کو تو اس سے بچنا بہت ضروری ہے؛ اس لیے نمازی کو اپنی شکل و صورت ایسی بنانی چاہیے، جو شریعت میں مطلوب ہے، عام حالات میں جن کپڑوں کا پہننا مکروہ ہے، مسلمان کو نماز میں ایسے کپڑے پہننے سے حد درجہ اجتناب کرنا چاہیے، البتہ اگر تصویر جان دار کی نہ ہو، تو ایسے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے، کیوں کہ ممانعت کا حکم جان دار کی تصویر کے ساتھ مخصوص ہے۔<sup>(۵)</sup>

اور جان دار کی تصویر والے کپڑے فیشن کے طور پر پہننے کی بھی بالکل اجازت نہیں ہے۔<sup>(۶)</sup> کیوں کہ اس طرح کے کپڑے پہننے کی وجہ سے دل سے تصویر کی نفرت ختم ہو جائے گی، اور جب تصویر کی نفرت دل سے نکل جائے گی، تو شریعت کی حدیں ٹوٹنے لگیں گی، اور گناہ کے کاموں سے نفرت آہستہ آہستہ ختم ہو جائے

[۳] (واختلف فيما إذا كان التمثال خلفه والأظهر الكراهة) لا يكره (لو كانت تحت قدميه) أو محل جلوسه لأنها مهانة (أو في يده) عبارة الشمني بدنه لأنها مستورة بشيا به (أو على خاتمه) بنقش غير مستبين. قال في البحر: ومفاده كراهة المستبين لا المستتر بكيس أو صرة أو ثوب آخر. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله لا المستتر بكيس أو صرة) بأن صلى ومعه صرة أو كيس فيه دنانير أو دراهم فيها صور صغار فلا تكره لاستتارها بحر، ومقتضاه أنها لو كانت مكشوفة تكره الصلاة مع أن الصغيرة لا تكره الصلاة معها كما يأتي، لكن يكره كراهة تنزيه جعل الصورة في البيت، نهر. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۲۳۸، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة أولى، ط: دار الفكر) ويكره أن يصلي وبين يديه أو فوق رأسه أو على يمينه أو على يساره أو في ثوبه تصاوير وفي البساط روايتان و الصحيح أنه لا يكره على البساط إذا لم يسجد على التصاوير وهذا إذا كانت الصورة كبيرة تبدو للناظر من غير تكلف. كذا في فتاوى قاضي خان، ولو كانت صغيرة بحيث لا تبدو للناظر إلا بتأمل لا يكره وإن قطع الرأس فلا بأس به. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۰۷، كتاب الصلاة، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لا يكره، ط: دار الفكر - بيروت)

(۴) قال في البحر: وفي الخلاصة وتكره التصاوير على الثوب، صلى فيه أو لا انتهى، وهذه الكراهة تحريمية. (رد المحتار على الدر: ۱/۲۳۷)

(۵) ولا يكره تمثال غير ذي الروح كذا في النهاية. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۰۷)

(۶) دیکھیے حاشیہ نمبر: ۳۔

گی، ایمان کمزور ہو جائے گا، لہذا ایسے کپڑوں سے حد درجہ احتراز ضروری ہے، اور کپڑا بدن کو چھپانے کے لیے ہے، دکھانے اور تکبر کے لیے نہیں ہے، فیشن والا عموماً اسی نیت سے پہنا جاتا ہے، لہذا حرام ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ: جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر و گھمنڈ ہوگا، وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (مسلم شریف: ۶۵/۱) [۴] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

### [۲۱] نماز میں بار بار چھینک آنے پر ہاتھ، منہ پر رکھنا

۸۳۴- سوال: زید نماز میں قیام کی حالت میں چھینک آنے پر ہاتھ منہ پر رکھتا ہے، تاکہ قریب والے اس سے متاثر نہ ہوں، تو اگر تین بار چھینک آجائے، اور ہر بار ہاتھ منہ پر رکھے، تو اس سے اس کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلہ میں شرعاً کیا حکم ہے؟ ہاتھ منہ پر رکھنا چاہیے یا نہیں؟

#### الجواب حامداً ومصلياً:

”نماز“ عمل کثیر سے فاسد ہوتی ہے، عمل قلیل سے فاسد نہیں ہوتی، اور عمل قلیل و کثیر کی تحدید میں علماء کی عبارتیں مختلف ہیں: ایک قول یہ ہے کہ جو کام دو ہاتھ سے کیا جاتا ہو، وہ ”عمل کثیر“ ہے اور جو ایک ہاتھ سے ہو جاتا ہو، وہ ”عمل قلیل“ ہے۔ بعض علماء کے نزدیک ایسی حرکت کرنا کہ جس سے دیکھنے والا یوں سمجھے کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے، عمل کثیر ہے۔ پس چھینک آنے پر ایک ہاتھ منہ پر رکھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی؛ کیوں کہ یہ ”عمل کثیر“ کے تحت نہیں آتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۱) وعن ابن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يدخل النار أحد في قلبه مثقال حبة خردل من إيمان. ولا يدخل الجنة أحد في قلبه مثقال حبة من خردل من كبر. (الصحيح لمسلم: ۶۵/۱، كتاب الايمان، تحريم الكبر وبيانہ، ط: البدر - ديوبند)

(۲) العمل الكثير يفسد الصلاة والقليل لا. كذا في محيط السرخسي واختلفو في الفاصل بينهما على ثلاثة أقوال: (الأول) أن ما يقام باليدين عادة كثير وإن فعله بيد واحدة كالتميم ولبس القميص وشد السراويل والرمي عن القوس وما يقام بيد واحدة قليل وإن فعل بيدين كتنزع القميص وحل السراويل ولبس القنسوة ونزعها ونزع اللجام. هكذا في التبيين وكل ما يقام بيد واحدة فهو يسير ما لم يتكرر. كذا في فتاوى قاضي خان. (والثاني) أن يفوض إلى رأي المبتلى به وهو المصلي فإن استكثره كان كثيراً وإن استقله كان قليلاً وهذا أقرب الأقوال إلى رأي أبي حنيفة رحمه الله تعالى.

(والثالث) أنه لو نظر إليه ناظر من بعيد إن كان لا يشك أنه في غير الصلاة فهو كثير مفسد وإن شك فليس بمفسد =

چھینک آنے پر مصلیٰ منہ پر ہاتھ ڈال سکتا ہے، تاکہ اس سے دوسرے مقتدی کو کسی قسم کی کراہیت محسوس نہ ہو اور مسجد بھی تلویث سے محفوظ رہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۲] نماز میں چھینک آنے پر الحمد للہ کہنا

۸۳۵-سوال: فرض یا نفل نماز میں نمازی کو چھینک آئے اور وہ اس پر الحمد للہ کہے، تو اس سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

### الجواب حامداً ومصلياً:

نماز میں چھینک آنے پر الحمد للہ کہنے سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ (عالم گیری: ۷۸/۱) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۳] ایک رکن میں تین مرتبہ کھجلا نا

۸۳۶-سوال: نماز کے ایک رکن میں تین مرتبہ ہاتھ اٹھائے، تو نماز فاسد ہو جاتی ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟ حقیقتہً مجبوری ہو اور بار بار کھجلا نے کی ضرورت محسوس ہوتی ہو، تو تین مرتبہ سے زیادہ کھجلا نے کا کیا حکم ہے؟

### الجواب حامداً ومصلياً ومسلماً

صورت مسئلہ میں نماز صحیح ہو جائے گی۔ حضرات فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، عمل قلیل و کثیر کی تحدید میں علماء کی عبارتیں مختلف ہیں: ایک قول یہ ہے کہ جو کام دو ہاتھ سے

= وهذا هو الأصح. هكذا في التبیین وهو أحسن. كذا في محيط السرخسي وهو اختيار العامة كذا في فتاویٰ قاضی خان والخلصة. (الفتاویٰ الہندیة: ۱۰۱/۱-۱۰۲، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، النوع الثاني في الأفعال المفسدة للصلاة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۳۸۳/۲-۳۸۵، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره، ط: زكريا - ديوبند)

[۱] تاہم بہتر یہ ہے کہ اس وقت کچھ نہ پڑھے، خاموش رہے: ولو عطس، فقال له المصلي الحمد لله لا تفسد؛ لأنه ليس بجواب، وإن أراد به جوابه، أو استفهامه، فالصحيح أنها تفسد، هكذا في التمر تاشي. ولو قال العاطس لا تفسد صلاته، وينبغي أن يقول في نفسه، والأحسن هو السكوت. كذا في الخلاصة. (الفتاویٰ الہندیة: ۹۸/۱، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: دار الفكر - ديوبند ☆ البحر الرائق: ۸/۲، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: دار الكتاب - ديوبند)

کیا جاتا ہو، وہ ”عمل کثیر“ ہے اور جو ایک ہاتھ سے ہو جاتا ہو، وہ ”عمل قلیل“ ہے۔ بعض علماء کے نزدیک ایسی حرکت کرنا کہ جس سے دیکھنے والا یوں سمجھے کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے، عمل کثیر ہے۔

آپ کی تحریر کے مطابق صاحب واقعہ کو حقیقتاً عذر ہے؛ اس لیے اس طور پر کھجلائے کہ دیکھنے والا اسے نماز سے باہر نہ سمجھے، تو نماز فاسد نہیں ہوگی، خواہ تین مرتبہ ہی اس نے کیوں نہ کھجلا یا ہو۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۲۴] نماز میں مقتدی کا ایک رکن میں تین مرتبہ ہاتھ اٹھانا

۸۳۷-سوال: اگر کوئی مقتدی ایک رکن میں تین مرتبہ ہاتھ اٹھائے، تو کیا اس کی نماز ہو جائے

گی؟ یا نماز کا اعادہ لازم ہوگا؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

چوں کہ عمل کثیر کی تحدید میں کئی اقوال ہیں؛ اس لیے اگر اس مصلیٰ کو دور سے دیکھنے والا نماز میں ہی خیال کرتا ہو، تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۲۵] نماز میں اللہ کے خوف سے رونے سے کوئی فساد نہیں آتا ہے

۸۳۸-سوال: میں جب نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھتا ہوں تو ”مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ“ یا ”إِهْدِنَا

(۱) العمل الكثير يفسد الصلاة والقليل لا. كذا في محيط السرخسي واختلّفوا في الفاصل بينهما على ثلاثة أقوال: (الأول) أن ما يقام باليدين عادة كثير وإن فعله بيد واحدة كالتعمم ولبس القميص وشد السراويل والرمي عن القوس وما يقام بيد واحدة قليل وإن فعل بيدين كتنزع القميص وحل السراويل ولبس القننسة ونزعها ونزع اللجام. هكذا في التبيين وكل ما يقام بيد واحدة فهو يسير ما لم يتكرر. كذا في فتاوى قاضي خان.

(والثاني) أن يفوض إلى رأي المبتلى به وهو المصلي فإن استكثره كان كثيرا وإن استقله كان قليلا وهذا أقرب الأقوال إلى رأي أبي حنيفة رحمه الله تعالى.

(والثالث) أنه لو نظر إليه ناظر من بعيد إن كان لا يشك أنه في غير الصلاة فهو كثير مفسد وإن شك فليس بمفسد وهذا هو الأصح. هكذا في التبيين وهو أحسن. كذا في محيط السرخسي وهو اختيار العامة كذا في فتاوى قاضي خان والخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱۰۱/۱-۱۰۲، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، النوع الثاني في الأفعال المفسدة للصلاة، ط: دار الفكر - بيروت، الرد المحتار على الدر المختار: ۳۸۳/۲-

۳۸۵، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره، ط: زكريا-ديوبند)

(۲) قد تقدم تخريجه تحت عنوان: ”نماز میں بار بار چھینک آنے پر ہاتھ منہ پر رکھنا“۔



الصَّوْطِ الْمُسْتَقِيمِ“ جیسی آیات پر آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو جاتے ہیں، تو اس طرح نماز میں آنسو بہنے سے نماز میں کوئی خلل تو نہیں آتا ہے؟ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

نماز میں اللہ تعالیٰ کے خوف اور ڈر سے رونا آجائے، اور اس میں آواز بھی نکل جائے، تو نماز میں کوئی نقصان نہ آئے گا۔ (ہدایہ: ۱/۱۴۴، درمختار و شامی: ۱/۵۷۹) [۱] کیوں کہ جو نماز خشوع و خضوع سے پڑھی جائے گی، انسان خود کو گنہگار سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگے گا، راہ راست طلب کرے گا اور اپنے گناہوں پر ندامت کا اظہار کرے گا، تو اس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خوف و ڈر محسوس ہوگا اور رونا آئے گا، گویا نماز میں رونا کمال خشوع و خضوع کی علامت ہے، پس اس سے نماز میں کوئی خلل نہ آئے گا، نماز بلا کراہت صحیح رہے گی۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

### [۲۶] مسجد کی چھت پر تراویح اور فرض نماز پڑھنا

۸۳۹-سوال: ہمارے گاؤں میں مسجد سے متصل ہی مدرسہ ہے اور مسجد اور مدرسہ کی چھت ملی ہوئی ہے، فی الحال شدت کی گرمی پڑ رہی ہے، تو ایسے میں مسجد کی چھت کے اوپر تراویح پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ نیز مدرسہ کی چھت پر پڑھنے کا کیا حکم ہوگا؟ اور تراویح کے علاوہ دیگر فرض نمازیں وغیرہ چھت پر پڑھی جائیں، تو کیسا ہے؟ تفصیل سے جواب مرحمت فرمائیں۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

مسجد کا ادب و احترام کرنا ضروری ہے؛ اسی وجہ سے علماء نے بلا ضرورت مسجد کی چھت پر چڑھنے کو (۱) "فان أن فيها أو تأوه أو بكي فارتفع بكاؤه فإن كان من ذكر الجنة أو النار لم يقطعها" لأنه يدل على زيادة الخشوع. (الهداية في شرح بداية المبتدي: ۱/۱۳۵، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، ط: ياسر ندیم- دیوبند)

(لا لذكر جنة أو نار) فلو أعجبت قراءة الإمام فجعل يبكي ويقول بلى أو نعم أو آري لا تفسد... لدلالته على الخشوع. (در مختار) قال الشامي: لأن الأئين، ونحوه إذا كان يذكرهما صار كأنه قال: اللهم إني أسألك الجنة وأعوذ بك من النار، ولو صرح به لا تفسد صلاته. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۶۱۹-۶۲۰، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، ط: دار الفكر- بيروت)

مزید دیکھیے: سبب الأنهر مع المجمع: ۱/۱۷۸-۱۷۹، كتاب الصلاة، ط: مكتبة فقيه الأمة- دیوبند.

مکروہ لکھا ہے، چنانچہ آج تک امت کا عمل اس پر ہے کہ گرمی کے زمانہ میں صحن مسجد میں نماز تو پڑھتے ہیں، چھت پر کوئی نہیں پڑھتا ہے، لہذا بلا ضرورت مسجد کی چھت پر خواہ فرض، نفل یا تراویح ہو؛ پڑھنا مکروہ ہوگا، اگر ضرورت ہو کہ مسجد، مصلیوں کے لیے تنگ پڑتی ہو، تو اس کی چھت پر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہوگا۔ — مدرسہ کی چھت پر نماز پڑھی جاسکتی ہے؛ لیکن اس میں مسجد کا ثواب نہ ملے گا، اسی طرح تراویح میں مسجد کا حق ادا نہ ہوگا۔ (شامی، عالمگیری) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۷] گرمی کی شدت کی وجہ سے مسجد کی چھت پر نماز اور تراویح ادا کرنا

۸۴۰-سوال: پچھلے کئی سالوں سے رمضان المبارک کا مہینہ، بارش کے موسم میں آتا ہے، جس میں گرمی حد درجہ شدید ہوتی ہے، رات کو تراویح اور عشاء کی نماز میں وقت گزارنا بہت دشوار ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ بجلی کے نہ ہونے کی وجہ سے پنکھوں کا بھی انتظام نہیں ہے، اس کیفیت ناگفتہ بہ کو مانع خشوع قرار دیں، تو مبالغہ نہ ہوگا۔

کتب فقہ کے مطالعہ، نیز علمی صحبت کے نتیجہ میں خیال ہوتا ہے کہ ”إبراد بالظہر“ کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ گرمی کی شدت مانع خشوع ہوتی ہے، جب کہ نماز میں خشوع مطلوب ہے۔

مذکورہ بالا صورت میں۔ کہ گرمی شدید ہوتی ہے، جو نماز میں مانع خشوع ہے۔ نماز عشاء اور تراویح

[۱] الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ، ولہذا إذا اشتد الحر یکرہ أن یصلوا بالجماعة فوقہ إلا إذا ضاق المسجد فحینئذ لا یکرہ الصعود علی سطحہ للضرورة، کذا فی الغرائب. (الفتاویٰ الہندیہ: ۵/۵۲۲، کتاب الکراہیۃ، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلة والمصحف... الخ، ط: دار الفکر)

(و) کرہ تحریمًا (الوطء فوقہ، والبول والتغوط) لأنه مسجد إلى عنان السماء. (الدر المختار) — وفي الشامية: (قوله الوطء فوقہ) أي الجماع خزانن؛ أما الوطء فوقہ بالقدم فغير مکروہ إلا فی الکعبة لغير عذر، لقولهم بکراہة الصلاة فوقہا. ثم رأیت القهستانی نقل عن المفید کراہة الصعود علی سطح المسجد اہ وینلزمہ کراہة الصلاة أيضا فوقہ فلیتأمل. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/۶۵۶، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا، مطلب فی أحكام المسجد، ط: دار الفکر - بیروت)

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے، عام کتابوں میں ایسا ہی ہے، تاہم حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب ”مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟“ کے جواب میں رقم طراز ہیں: مسجد کی چھت بھی مسجد ہی کا حکم رکھتی ہے، چھت پر نماز پڑھنا خصوصاً گرمی کی وجہ سے بلا کراہت جائز ہے۔ (کفایت المفتی: ۳/۱۵۹، جواب نمبر: ۲۴۱، کتاب الصلاة، گرمی کی وجہ سے چھت پر نماز، ط: دارالاشاعت، کراچی)

مسجد کی کھلی چھت (جماعت خانے کی چھت) پر ادا کی جائے، تو مکروہ نہ ہوگا۔

مسجد کا صحن اتنا کشادہ نہیں کہ تمام نمازی ایک ساتھ بہ آسانی نماز ادا کر سکیں؛ علاوہ ازیں مسجد کا صحن ہر چہار طرف سے بند بھی ہے، بعض حضرات مسجد کے بالائی حصہ میں نماز ادا کرنے کو مسجد کے آداب کے خلاف سمجھتے ہیں، اور ایسی ناگفتہ بہ حالت میں بھی اوپر والے حصہ میں نماز ادا کرنے میں کراہت کے قائل ہیں، کیا اصول فقہ کے قاعدہ: ”الضرورات تبیح المحظورات“ کے پیش نظر ہمارے لیے بلا کراہت مسجد کی کھلی چھت پر نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے؟

محمد عبد الرحیم گندھا (سابر کاٹھا)

### الجواب حامداً ومصلياً:

صورت مسؤلہ میں مسجد کی چھت پر نماز عشاء اور نماز تراویح کی اجازت نہیں ہوگی۔ مسجد کی چھت پر چڑھنا بلا ضرورت شدیدہ مکروہ تحریمی ہے۔ فقہاء کرامؒ نے صرف اس صورت میں مسجد کی چھت پر نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے، جب کہ مسجد تنگ پڑ رہی ہو یا کوئی ایسی مجبوری درپیش ہو کہ مسجد میں نماز پڑھنا ممکن نہ ہو۔ گرمی کی صورت میں مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا جائز نہ ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں عذر متحقق نہیں ہے۔ اس مسئلے کو ”ابو ااد بالظہر“ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، ابو ااد بالظہر کی صورت میں کسی امر مکروہ کا ارتکاب لازم نہیں آتا، جب کہ چھت پر نماز پڑھنے کی صورت میں امر مکروہ کا ارتکاب لازم آتا ہے، اس لیے مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا کراہت سے خالی نہ ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۲۸] نفل نماز میں قرآن کریم دیکھ کر قراءت کرنا

۸۴۱- سوال: کیا نفل نماز میں قرآن میں دیکھ کر قراءت کرنا جائز ہے؟ ہمارے یہاں ایک شخص ہیں، جو نفل نماز میں قرآن شریف سامنے رکھ کر پڑھتے ہیں اور رکوع و سجدہ میں نیچے رکھ لیتے ہیں، پھر جب کھڑے ہوتے ہیں، تو ہاتھ میں قرآن لے کر پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، تو کیا ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک نفل نماز میں قرآن شریف دیکھ کر تلاوت کرنا جائز ہے؟

### الجواب حامداً ومصلياً

امام شافعیؒ کے نزدیک قرآن دیکھ کر پڑھنا جائز ہے، اس سے نماز ہو جاتی ہے۔ (رد المحتار علی الدر

[۱] (المختار: ج: ۱، ص: ۵۸۵)

امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر قرآن شریف ہاتھ میں اٹھا کر پڑھتا ہے، تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ (عالم گیری: ۸۱/۱، دروشامی: ۱/۵۸۵) [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۲۹] قعدہ اخیرہ چھوڑ کر مزید دو رکعت ملانے کی صورت میں فرض کا متغیر ہو جانا

۸۳۲-سوال: امام صاحب نے عصر کی نماز پڑھائی، قعدہ اخیرہ نہیں کیا، ان کو متنبہ کیا گیا، مگر انہوں نے پانچویں اور چھٹی رکعت پڑھ کر سجدہ مسہو کر لیا، ان کا کہنا ہے کہ چار رکعت فرض اور دو رکعت نفل ہو گئی، کیا ان کی یہ بات درست ہے؟ کیا اس صورت میں فرض نماز ہو جائے گی؟ بینوا تو جروا۔

#### الجواب حامدا ومصليا:

پانچویں رکعت کو سجدہ سے مقید کرنے سے قبل تک امام کے لیے ضروری تھا کہ قعدہ اخیرہ کی جانب

(۱) یفسدها (انتقاله من صلاة إلى مغايرتها)... (وقراءته من مصحف) أي ما فيه قرآن (مطلقا)... وجوزة الشافعي بلا كراهة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۶۲۳، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فروع: سمع المصلي اسم الله تعالى فقال جل جلاله... الخ، ط: دار الفكر)  
فلو قرأ في صلاته من مصحف جاز. (الحاوي الكبير في فقه مذهب الإمام الشافعي - الماوردي (م: ۴۵۰هـ):  
۱۸۳/۲، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة وعدد سجود القرآن، ت: علي محمد معوض - عادل أحمد عبد الموجود، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

ويجوز أن يقرأ في الصلاة من مصحف. (الإقناع في الفقه الشافعي، ص: ۳۵، باب ما يبطل الصلاة وما لا يبطلها)  
[۲] ويفسدها قراءته من مصحف عند أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - وقال: لا يفسده إن حمل المصحف وتقلب الأوراق والنظر فيه عمل كثير وللصلاة عنه بد، وعلى هذا لو كان موضوعا بين يديه على رحل وهو لا يحمل ولا يقبل أو قرأ المكتوب في المحراب لا تفسد، ولأن التلقن من المصحف تعلم ليس من أعمال الصلاة وهذا يوجب التسوية بين المحمول وغيره فتفسد بكل حال وهو الصحيح. هكذا في الكافي. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۰۱، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، الفصل الأول فيما يفسدها، ط: دار الفكر - بيروت) ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۶۲۳، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فروع: سمع المصلي اسم الله تعالى فقال جل جلاله... الخ، ط: دار الفكر)

لوٹ جائے اور سجدہ سہو کے ساتھ نماز کی تکمیل کرے۔<sup>[۱]</sup>

صورت مسئلہ میں قعدہ اخیرہ کے چھوٹ جانے، اور پانچویں رکعت کا سجدہ کر لینے کی صورت میں فرض نماز صحیح نہیں ہوگی؛ کیوں کہ قعدہ اخیرہ میں تشهد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے اور فرض چھوٹ جانے کی وجہ سے نماز ادا نہیں ہوتی ہے؛ مذکورہ صورت میں چھ کی چھ رکعات نفل بن جائے گی، امام اور مقتدیوں سب کو اپنی اپنی نمازیں دوبارہ پڑھنی ہوگی۔<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳۰] چار رکعت فرض کی جگہ پانچ رکعت پڑھنا

۸۴۳-سوال: ایک شخص نے غلطی سے چار رکعت فرض کے بجائے پانچ رکعت پڑھ لی، پانچویں رکعت کے سجدہ کے بعد یاد آیا تو پھر مزید ایک رکعت ملا لی، اس طرح کل چھ رکعات ہوئیں، تو سجدہ سہو کرنے سے نماز درست ہوگی یا پوری نماز دہرا نا ضروری ہے؟

#### الجواب حامدًا ومصليًا:

اگر چوتھی رکعت کے قعدہ کے بعد پانچویں اور چھٹی رکعات پڑھی ہے اور سجدہ سہو کیا ہے، تو نماز درست

[۱] (ولو سها عن القعود الأخير) كله أو بعضه (عاد) ويكفي كون كلا الجلستين قدر التشهد (ما لم يقيدها بسجدة) لأن ما دون الركعة محل الرفض وسجد للسهو لتأخير القعود (وإن قيدها) بسجدة عامداً أو ناسياً أو ساهياً أو مخطئاً (تحول فرضه نقلاً). [رد المحتار على رد المحتار: ۸۵/۲، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: دار الفكر - بيروت]

(۲) فرائض الصلاة ستة... "والقعدة في آخر الصلاة مقدار التشهد" لقوله عليه الصلاة والسلام لابن مسعود رضي الله عنه حين علمه التشهد "إذا قلت هذا أو فعلت هذا فقد تمت صلاتك" علق التمام بالفعل قرأ أو لم يقرأ. (الهداية في شرح بداية المبتدي: ۹۸/۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة ☆ تحفة الفقهاء: ۱۳۶/۱، كتاب الصلاة، باب افتتاح الصلاة ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲۶/۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة ☆ بدائع الصنائع: ۱۷۱/۱، كتاب الصلاة، فصل بيان المتروك ساهياً هل يقضى أم لا ☆ المحيط البرهاني: ۵۰۷/۱، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو)

وفي الولوجية الأصل في هذا أن المتروك ثلاثة أنواع فرض وسنة وواجب، ففي الأول أمكنه التدارك بالقضاء يقضي وإلا فسدت صلاته وفي الثاني لا تفسد؛ لأن قيامها بأركانها وقد وجدت ولا يجبر بسجدة السهو وفي الثالث إن ترك ساهياً يجبر بسجدة السهو وإن ترك عامداً لا، كذا التتارخانية. (الفتاوى الهندية: ۱۲۶/۱، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، ط: زكريا - ديوبند)

ہو جائے گی، اس صورت میں چار رکعات فرض اور دو رکعات نفل شمار ہوں گی، لیکن یہ دو رکعات فرض کے بعد کی سنت کے قائم مقام نہیں ہوں گی۔<sup>(۱)</sup> اور اگر چوتھی رکعت کے بعد قعدہ نہیں کیا، تو سجدہ سہو کے باوجود فرض نماز درست نہیں ہوگی، بل کہ یہ چاروں رکعت نفل بن جائیں گی۔ (شامی: ۱/۵۵۳)<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳۱] کسی وجہ سے امام صاحب کے ساتھ رکوع چھوٹ جائے، تو کیا کرے؟

۸۴۴-سوال: ہمارے یہاں جمعہ کی نماز مائیک میں ہوتی ہے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ امام صاحب جمعہ کی نماز کے لیے کھڑے ہوئے، انہوں نے اللہ اکبر کہا، سب مصلیوں نے ان کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہی، اس کے بعد امام صاحب نے سورہ فاتحہ پڑھی اور سورت ملاتے ہوئے ایک آیت پڑھی کہ مائیک بند ہو گیا، اس کے بعد امام صاحب نے رکوع کی تکبیر کہی، وہ رکوع میں گئے، پھر قومہ میں آئے؛ لیکن مائیک بند ہی تھا، جب سجدے میں جانا شروع کیا، تو ایک دم سے مائیک چالو ہوا، امام صاحب تو سجدے میں چلے گئے؛ لیکن مقتدیوں کا ابھی رکوع باقی تھا، انہوں نے رکوع کے بغیر ہی امام صاحب کے ساتھ سجدے میں شرکت کر لی، ان میں سے بعض نے اس رکعت کا اعادہ کیا، اور بعض نے نہیں کیا۔

سوال یہ ہے کہ جنہوں نے پہلی رکعت کا اعادہ کیا، ان کی نماز کا کیا ہوگا اور جنہوں نے اعادہ نہیں کیا ہے، ان کی نماز کا کیا حکم ہے؟ بعضوں کا یہ کہنا ہے کہ ہم لوگ امام صاحب کے تابع ہیں؛ اس لیے ہماری نماز صحیح ہو جائے گی، کیا یہ بات صحیح ہے؟

### الجواب حامدًا ومصليًا:

صورت مسئلہ میں جن لوگوں نے رکوع نہیں کیا ہے اور سیدھے سجدے میں چلے گئے ہیں، اور بعد میں اس رکعت کی تکمیل نہیں کی، ان کی نماز نہیں ہوگی؛ کیوں کہ رکوع نماز میں فرض ہے اور فرض کے چھوٹ جانے

(۱) (و) الرکعتان (لا ینوبان عن السنة الراتبة) بعد الفرض فی الأصح لأن المواظبة علیہما إنما كانت بتحریمة مبتدأة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۸۸، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: دار الفکر - بیروت)

[۲] (ولو سها عن القعود الأخير) کله أو بعضه (عاد) ویکفی کون کلا الجلسین قدر التشهد (ما لم یقیدها بسجدة) لأن ما دون الرکعة محل الرفض وسجد للسهو لتأخیر القعود (وان قیدها) بسجدة عامداً أو ناسیاً أو ساهیاً أو مخطئاً (تحول فرضه نفلاً). [الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۸۵، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط:

کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؛ البتہ جنہوں نے رکوع کر کے سجدہ کیا ہے، کہ اصل یہی ہے۔ یا رکوع تو نہیں کیا ہے؛ لیکن بعد میں کھڑے ہو کر ایک رکعت پڑھ لی ہے، ان کی نماز صحیح ہو جائے گی۔ جن لوگوں نے یہ کہا کہ ”ہم لوگ امام صاحب کے تابع ہیں؛ لہذا ان کی تبعیت میں ہماری نماز صحیح ہو جائے گی“ ان کا ایسا کہنا غلط ہے؛ کیوں کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں گرچہ امام کی اتباع واجب ہے؛ لیکن کسی مقتدی کا اگر کوئی فرض چھوٹ جائے، تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۲] امام کے ساتھ کسی مقتدی کا سجدہ ثانیہ چھوٹ جائے تو کیا کرے؟

۸۴۵-سوال: فرض نماز میں کسی مقتدی نے امام کے ساتھ پہلا سجدہ کیا، پھر جلسہ کیا، اور کسی وجہ سے دوسرا سجدہ امام کے ساتھ نہیں کر سکا، بل کہ سیدھا سر اٹھا کر دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا، تو مقتدی کی نماز واجب الاعادہ ہوگی یا نہیں؟

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

امام کے ساتھ اگر کوئی مقتدی سجدہ نہیں کر سکا، تو اُسے چاہیے کہ وہ سجدہ کر کے امام کے ساتھ شریک ہو جائے، اس صورت میں اُس کا سجدہ درست ہوگا، اگرچہ امام کے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد سجدہ کیا ہو، تب بھی درست ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری) [اگر نہ تو اس وقت سجدہ کیا اور نہ بعد میں؛ بل کہ اسی طرح نماز مکمل

(۱) الللاحق وهو الذي أدرك أولها وفاته الباقي لنوم أو حدث أو بقي قائما للزحام... الللاحق... ينبغي له أن يشتغل أولاً بقضاء ما سبقه الإمام بغير قراءة يقوم مقدار قيام الإمام وركوعه وسجوده ولو زاد أو نقص فلا يضره هكذا في شرح الطحاوي وإذا كبر مع الإمام ثم نام حتى صلى الإمام ركعة ثم انتبه فإنه يصلي الركعة الأولى وإن كان الإمام يصلي الركعة الثانية. هكذا في الذخيرة، ولو لم يشتغل بقضاء ما سبقه الإمام ولكن يتابع الإمام أو لا ثم قضى ما سبقه الإمام بعد تسليم الإمام جازت صلاته عندنا. هكذا في شرح الطحاوي. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۹۲، الباب الخامس في الإمامة، الفصل السابع في المسبوق واللاحق، ط: دار الفكر - بيروت)

إن المتروك الذي يتعلق به سجود السهو من الفرائض والواجبات لا يخلو إما أن كان من الأفعال أو من الأذكار، ومن أي القسمين كان وجب أن يقضى إن أمكن التدارك بالقضاء وإن لم يمكن فإن كان المتروك فرضا تفسد الصلاة، وإن كان واجبا لا تفسد، ولكن تنتقص وتدخل في حد الكراهة. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۶۷، كتاب الصلاة، فصل بيان المتروك ساهيا هل يقضى أم لا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

کر لی، تو فرض [رکن] کے رہ جانے کی وجہ سے نماز نہیں ہوگی اور اعادہ ضروری ہوگا۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳۳] قراءاتِ سبجہ کی تمام روایتوں کو ایک نماز میں پڑھنا

۸۴۶-سوال: قرأتِ سبجہ کی تمام روایتوں کو نماز میں جمع کر کے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

قراءاتِ سبجہ متواتر ہیں، اس اعتبار سے ان کا نماز میں پڑھنا جائز ہے؛ لیکن کوئی ایک روایت پڑھنی چاہیے۔<sup>(۲)</sup>

ایک ساتھ تمام روایات کو جمع کر کے یا بعض روایات کو جمع کر کے نماز میں پڑھنا مکروہ ہے۔ اس طرح پڑھنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے، یہ تو نمائش اور فن کا اظہار ہے اور نماز اس کے لیے نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳۴] پلاسٹک کی سخت ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا

۸۴۷-سوال: ہمارے یہاں مسجدوں میں پلاسٹک کی ٹوپیاں رکھی گئی ہیں، ٹوپیاں اتنی سخت

ہیں کہ نماز پڑھتے وقت سر سے گر جاتی ہیں، تو ایسی ٹوپی میں نماز درست ہوگی یا نہیں؟

(۱) تكون المتابعة فرضا؛ بمعنى أن يأتي بالفرض مع إمامه أو بعده، كما لو ركع إمامه فركع معه مقارنا أو معاقبا وشاركه فيه أو بعد ما رفع منه، فلو لم يركع أصلا، أو ركع ورفع قبل أن يركع إمامه ولم يعده معه أو بعده بطلت صلاته. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۴۷۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة، مطلب مهم في تحقيق متابعة الإمام، ط: دار الفكر - بيروت)

(ومنها السجود) السجود الثاني فرض كالأول يجمع الأمة. كذا في الزاھدي. (الفتاوى الهندية: ۱/۷۰، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة، ط: دار الفكر - بيروت)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان سابق: ”کسی وجہ سے امام صاحب کے ساتھ رکوع چھوٹ جائے، تو کیا کرے؟“۔

(۲) في الحجة قراءة القرآن بالقراءات السبعة والروايات كلها جائزة. (الفتاوى الهندية: ۱/۷۹، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في القراءة، ط: زكريا - ديوبند)

(۳) قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَشِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝ (۲۳- المؤمنون: ۱-۳)



## الجواب حامد اومصلیا:

پلاسٹک کی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، جائز ہے؛ لیکن اگر بار بار سر سے گرجاتی ہو، تو بہتر نہیں ہے؛ کیوں کہ کھلے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور بار بار ٹوپی کو اٹھا کر پہنے سے نماز فاسد ہو جائے گی؛ لہذا ایسی ٹوپی نہیں پہننی چاہیے۔ (درمختار)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۳۵] امام صاحب کو لقمہ دینا مفسد صلاۃ نہیں ہے

۸۴۸-سوال: اگر امام صاحب سے تین آیتیں پڑھ لینے کے بعد غلطی ہوئی اور کسی مقتدی نے لقمہ دیا، تو کیا لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی؟

## الجواب حامد اومصلیا:

امام صاحب نے تین آیت سے کم تلاوت کی ہو یا زیادہ، لقمہ دینے والے مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ (درمختار جلد ۱ صفحہ ۶۲۲)<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۳۶] مصلیٰ کے سامنے کا پردہ سترہ کے قائم مقام ہے

۸۴۹-سوال: کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو، اس کے آگے پردہ لگا ہوا ہو، جو اوپر سے ڈوری سے بندھا ہوا ہو اور نیچے سے تقریباً ایک بالشت پردہ اونچا ہو، تو کیا وہ سترہ مانا جائے گا؟ جب کہ سترہ کا حکم نیچے سے [۱] و کرہ... (وصلاۃ حاسرا) أي کاشفا (رأسه للتکاسل) ولا بأس به للتذلل، وأما للإهانة بها فکفر ولو سقطت قلنسوته فإعادتها أفضل إلا إذا احتاجت لتكوير أو عمل كثير. (الدر المختار)

وفي الدرر عن التارخانية: والظاهر أن أفضلية إعادتها حيث لم يقصد بترکها التذلل. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱/۶۲۱، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة، وما یکره فیها، فروع مشی المصلی مستقبل القبلة هل تفسد صلاۃ، ط: دار الفکر - دیوبند ☆ البحر الرائق: ۲/۴۴، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة، وما یکره فیها، ط: دار الکتاب - دیوبند ☆ الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۰۶، فیما یکره الصلاة وما لا یکره، ط: زکریا - دیوبند)

[۲] (بخلاف فتحہ علی امامہ) فإنه لا یفسد (مطلقاً) لفتح وأخذ بكل حال،... وینوی الفتح لا القراءة. (الدر المختار) قال ابن عابدین: (قوله بكل حال) أي سواء قرأ الإمام قدر ما تجوز به الصلاة أم لا، انتقل إلى آية أخرى أم لا، تكرر الفتح أم لا، هو الأصح نهر. (رد المحتار: ۱/۶۲۲، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، فروع سمع المصلی اسم الله تعالی فقال جل جلاله أو النبي صلی الله علیه وسلم فصلی علیه، ط: دار الفکر - بیروت ☆ الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۹۹، کتاب الصلاة، الباب السابع فیما یفسد الصلاة، الفصل الأول فیما یفسدها، ط: زکریا - دیوبند)

دوبالشت کا ہے اور پردہ نیچے سے کھلا ہے؟ بیٹو اتو جروا۔

### الجواب حامدا ومصليا:

سترہ کا مقصد یہ ہے کہ مصلیٰ کے سامنے سے گزرنے کی بنا پر اس کی توجہ اور دھیان میں خلل نہ ہو، سترہ کی وجہ سے ایک حد قائم ہو جاتی ہے، جس حد تک اس کی توجہ مرکوز رہتی ہے، سترہ کے باہر سے گزرنے میں توجہ محدود نہیں آتا۔<sup>(۱)</sup> اسی لیے سترہ نہ ہونے کی صورت میں حضرات شوافع کے یہاں طویل کپڑا بچھا دینا بھی کافی ہوتا ہے۔ جب مقصد خیال کو انتشار سے بچانا ہے اور ایک حد قائم کر دینا ہے، تو مذکورہ پردہ سے بھی حد قائم ہو جاتی ہے اور مصلیٰ کا دھیان بھی ہٹتا نہیں ہے، جس طرح دیوار سامنے ہو، اس لیے مذکورہ پردہ سترہ کے لیے کافی ہے؛ کیوں کہ گزرنے والا مصلیٰ کی نظروں سے غائب ہے، تو سترہ سے بھی زیادہ مفید ہے۔ اگر پردہ نیچے سے کچھ اونچا ہے؛ اور باہر چلنے پھرنے سے مصلیٰ کی توجہ میں خلل نہیں پڑتا اور چلنے والے کے پیر مصلیٰ کو نظر نہیں آتے، تو مقصد حاصل ہو جاتا ہے؛ اس لیے وہ سترہ کے لیے کافی ہے۔ (تحفة المحتاج: ۲/۱۱۰) ☆ المجموع: ۳/۲۲۸<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) فأما إن كان بينهما حائل فلا بأس بالمرور فيما وراء الحائل والمستحب لمن يصلي في الصحراء أن ينصب بين يديه عودا أو يضع شيئا أدناه طول ذراع كي لا يحتاج إلى الدرء؛ لقول النبي - صلى الله عليه وسلم - إذا صلى أحدكم في الصحراء فليتحذ بين يديه سترة. (بدائع الصنائع: ۱/۲۱۷، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يستحب في الصلاة وما يكره، ط: دار الكتب العلمية ☆ رد المحتار: ۲/۴۰۱-۴۰۲، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: زكريا- ديوبند ☆ الهداية: ۱/۱۳۸-۱۳۹، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: ياسر نديم، ديوبند) [۲] (ويسن للمصلي) أن يتوجه (إلى جدار أو سارية) أي عمود (أو عصا مغروزة) أو هنا وفيما بعد للترتيب وفيما قبل للتخيير... وكذا يقال في المصلي مع العصا وفي الخط مع المصلي (أو بسط مصلی) بعد عجزه عما ذكر (أو خط) خطأ (قبالته). (تحفة المحتاج في شرح المنهاج - أحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتمي (م: ۹۷۷ھ): ۲/۱۵۶-۱۵۷، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، (فصل) في ذكر مبطلات الصلاة وسننها ومكروها، ط: المكتبة التجارية الكبرى بمصر لصاحبها مصطفى محمد)

قال الإمام عبد الحميد الشرواني... أقول ما ذكره من التردد ظاهر فيما لو بسط نحو بساط طويل للصلاة عليه، أما ما جرت به العادة من الحصر المفروشة في المساجد فينبغي القطع بأنه لا يعد شيئا منها سترة، حتى لو وقف في وسط حصير وكان الذي أمامه منها ثلاثة أذرع لم يكف؛ لأن المقصود من السترة تنبيه المار على احترام المحل بوضعها وهذه لجريان العادة بدوام فرشها في المحل لم يحصل بها التنبيه المذكور، ع. ش. (حاشية الشرواني مع تحفة المحتاج: ۲/۱۵۷) ☆ المجموع شرح المهذب - أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ۷۷۷ھ):

۲۳۸/۳-۲۳۹، كتاب الصلاة، باب استقبال القبلة، ط: دار الفكر.

[۳۷] امام کا سترہ مقتدیوں کے لیے کافی ہے

۸۵۰-سوال: امام کے آگے سترہ ہو، تو کیا صرف امام کے لیے کافی ہوگا یا مقتدی حضرات کے لیے بھی کفایت کر جائے گا، یعنی اس صورت میں مقتدی کے آگے سے گزرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

امام کے آگے سترہ ہو، تو یہ مقتدی کو بھی کافی ہوگا، ایسی صورت میں امام کے پیچھے جو مقتدی حضرات ہیں، ان کے آگے سے نکلنا جائز ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۸] سجدے میں جاتے ہوئے ازار اور پتلون کو سمیٹنا

۸۵۱-سوال: سجدے میں جاتے ہوئے دونوں ہاتھ سے اپنی ازار یا پتلون کو اوپر چڑھانا کیسا ہے؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

سجدے میں جاتے ہوئے اپنی ازار اور پتلون کو اوپر نہیں چڑھانا چاہیے؛ کیوں کہ اس میں عمل کثیر ہوگا۔ عمل کثیر کسے کہتے ہیں، اس سلسلے میں ایک قول یہ ہے کہ کوئی کام نماز کی حالت میں دونوں ہاتھ سے کیا جائے؛ لہذا اس قول کے مطابق نماز فاسد ہو جائے گی؛ عمل کثیر کے بارے میں دوسرے دو قول اور بھی

(۱) عن عون بن أبي جحيفة، قال: سمعت أبي: أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى بهم بالبطحاء وبين يديه عنزة، الظهر ركعتين، والعصر ركعتين، تمر بين يديه المرأة والحمراء. (صحيح البخاري: ۱/۷۱، رقم الحديث: ۴۹۵، كتاب الصلاة، باب ستر الإمام ستره من خلفه، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۱۹۵-۱۹۶، رقم الحديث: ۲۵۲-۵۰۳)، كتاب الصلاة، باب ستره المصلي، ط: البدر - ديوبند

"وسترة الإمام ستره للقوم" لأنه عليه الصلاة والسلام صلى ببطحاء مكة إلى عنزة ولم يكن للقوم ستره". (الهداية في شرح بداية المبتدي - المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/۱۳۹، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: ياسر نديم - ديوبند ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۰۳-۴۰۴، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: زكريا - ديوبند)

(وسترة الإمام مجزئة) أي كافية (عن القوم) وإن كان مسبوقا كما هو ظاهر الأحاديث الثابتة في الصحيحين من الاقتصار على سترته - عليه الصلاة والسلام - وهي ستره للقوم. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/۱۲۲، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: دار إحياء التراث العربي)

ہیں: ان کے مطابق نماز فاسد نہیں ہوگی؛ لہذا اگر ضرورت کی وجہ سے ازار اور پتلون کو اوپر چڑھانا ہی پڑ جائے، تو دونوں ہاتھ سے جلدی سے چڑھا لے، اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی، اور اگر دونوں ہاتھ سے چڑھانے میں دونوں ہاتھ کو دو تین مرتبہ استعمال کیا ہے، تو نماز فاسد ہو جائے گی۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳۹] نماز کی حالت میں جمائی آنا اور روکنے کی صورت میں آنکھوں سے پانی بہنا

۸۵۲-سوال: ایک شخص کو نماز میں بہت جمائی آتی ہے اور اگر تکلف کے ساتھ اس کو روکنے کی کوشش کرتا ہے، تو اس کو پورے بدن میں تکلیف ہونے لگتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ناقص جمائیاں آتی ہیں، جن کی وجہ سے نماز میں بھی پریشانی لاحق ہوتی ہے، ساتھ ساتھ آنکھوں میں بھی پانی اتر آتا ہے اور اتنی مقدار میں پانی اترتا ہے کہ وہ چہرے اور کپڑوں پر بھی گرنے لگتا ہے، تو ان کی وجہ سے نماز میں کوئی حرج لازم آئے گا یا نہیں؟ زیادہ تر ایسا نماز ہی کی حالت میں ہوتا ہے۔

#### الجواب حامد اوصلیا:

جو چیزیں طبعی اور فطری ہوتی ہیں، جن میں آدمی کے قصد و ارادے کا کوئی دخل نہیں ہوتا ہے، ایسے کام اگر نماز میں طبعی تقاضوں کی وجہ سے پیش آجائیں، تو ان سے نماز میں کوئی خرابی لازم نہیں آئے گی، مثلاً: جمائی، کھانسی اور چھینک آجائے، تو ان چیزوں میں آدمی مجبور ہوتا ہے؛ اس لیے ان کی وجہ سے نماز میں کوئی نقصان لازم نہیں آئے گا؛ اسی طرح اگر کسی شخص سے قصد و ارادے اور درد و تکلیف کے بغیر ”ہاء ہاء ہاء“ کی

(۱) العمل الكثير يفسد الصلاة والقليل لا. كذا في محيط السرخسي، واختلفوا في الفاصل بينهما على ثلاثة أقوال: (الأول) أن ما يقام باليدين عادة كثير، وإن فعله بيد واحدة كالتعمم، ولبس القميص، وشد السراويل، والرمي عن القوس، وما يقام بيد واحدة قليل، وإن فعل بيدين كنزق القميص، وحل السراويل، ولبس القلنسوة، ونزعها ونزع اللجام. هكذا في التبيين.

(والثاني) أن يفوز إلى رأي المبتلى به، وهو المصلي فإن استكثره كان كثيرا وإن استقله كان قليلا، وهذا أقرب الأقوال إلى رأي أبي حنيفة - رحمه الله تعالى -.

(والثالث) أنه لو نظر إليه ناظر من بعيد إن كان لا يشك أنه في غير الصلاة فهو كثير مفسد، وإن شك فليس بمفسد وهذا هو الأصح. هكذا في التبيين وهو أحسن. كذا في محيط السرخسي وهو اختيار العامة. (الفتاوى الهندية:

۱/۱۰۲، ۱۰۱/۱، كتاب الصلاة، النوع الثاني في الأفعال المفسدة للصلاة، ط: دار الفكر، رد المحتار: ۱/۶۲۳، ۶۲۵،

كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، ط: دار الفكر)

آواز نکلے اور آنکھوں سے آنسو بہے، تو بھی نماز میں کوئی فساد نہیں آئے گا؛ ہاں! اگر یہ تمام چیزیں اپنے قصد و ارادے سے کر رہا ہے، تو اس سے بعض صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۰] نماز کا وقت ختم ہو جانے کے خوف سے استنجاء کے شدید تقاضہ کے ساتھ نماز پڑھنا

۸۵۳-سوال: کسی شخص کو استنجاء کا سخت تقاضہ ہے، اور فجر کی نماز کا وقت بہت ہی کم باقی رہ گیا ہے، کہ اگر استنجاء سے فراغت حاصل کرے گا، تو وقت ختم ہو جائے گا اور نماز قضاء ہو جائے گی، تو اس صورت میں اگر وہ شخص استنجاء کے تقاضہ کو روک کر نماز ادا کرے، تو اس کی نماز درست ہوگی یا مکروہ؟

### الجواب حامداً ومصلياً ومسلماً

استنجاء کے تقاضہ کے ساتھ نماز ادا کرنا مکروہ ہے، اگر نماز کا وقت کم ہو اور استنجاء کا تقاضہ اتنا شدید نہ ہو، کہ اُسے روکنے میں کوئی تکلیف ہو اور اُسے روک کر نماز پڑھنے سے نماز کے خشوع و خضوع میں کوئی فرق نہیں آتا، تو پہلے نماز پڑھ لینی چاہیے؛ لیکن اگر تقاضہ کو روکنے میں تکلیف ہو کہ نماز کا خشوع و خضوع حاصل نہ ہو، اور پورا دھیان استنجاء میں ہی رہنے کا اندیشہ ہو، تو پہلے استنجاء سے فارغ ہو جائے، اور بعد میں نماز کی قضا کر لے۔ (فتاویٰ قاضی خان)<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) یفسدھا... (والتنحیح) بحر فین (بلا عذر) أما به بأن نشأ من طبعه فلا (أو) بلا (غرض صحیح) فلو لتحسين صوته أو ليهتدي إمامه أو للإعلام أنه في الصلاة فلا فساد على الصحيح... (والأئین) هو قوله "أه" بالقصر (والتأوه) هو قوله أه بالمد (والتأیف) أف أو تف (والبكاء بصوت) يحصل به حروف (لوجع أو مصيبة) قيد للأربعة إلا لمريض لا يملك نفسه عن أئین وتأوه لأنه حينئذ كعطاس وسعال وجشاء وتثاوب وإن حصل حروف للضرورة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۱۸، ۲۱۹، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۰۱، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة الخ، الفصل الاول فيما يفسدھا، ط: مكتبة زكريا- ديوبند)

(۲) عن ابن أبي عتيق، قال: تحدثت أنا والقاسم، عند عائشة رضي الله عنها، حديثاً وكان القاسم رجلاً لحاناً وكان لأم ولد، فقالت له عائشة: مالك لا تحدث كما يتحدث ابن أخي هذا، أما إنني قد علمت من أين أتيت هذا أدبته أمه، وأنت أدبتك أمك، قال: فغضب القاسم وأضب عليها، فلما رأى مائدة عائشة، قد أتت بها قام، قالت: أين؟ قال: أصلي، قالت: اجلس، قال: إنني أصلي، قالت: اجلس غدر، إنني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا صلاة بحضرة الطعام، ولا هو يدافعه الأخبثان. (الصحيح لمسلم: ۱/۲۰۸، رقم الحديث: ۶۷- (۵۶۰)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب لا صلاة بحضرة طعام ولا هو يدافعه الأخبثان، ط: البدر- ديوبند)

ويكره الدخول في الصلاة وهو مطالب ببول أو غائط، فإن افتتحتها ذلك يشغله عن الصلاة، قطعها، وإن مض =

[۴۱] امام سری نماز میں جہراً قراءت شروع کر دے تو مقتدی اُسے کیسے آگاہ کرے؟

۸۵۴-سوال: امام صاحب اگر غلطی سے سری نماز میں جہراً قراءت شروع کر دیں، تو مقتدی

انہیں کیسے آگاہ کرے؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

سری نماز میں امام صاحب جہراً قراءت شروع کر دیں یا اور کوئی غلطی ہو جائے، تو مقتدی کو چاہیے کہ

وہ ”سبحان اللہ“ کہہ کر آگاہ کرے۔ (در مختار)<sup>[۱]</sup> فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

= علیہا أجزأه وقد أساء، وكذا لو أصابه بعد الافتتاح. (فتاویٰ قاضی خان مع الہندیہ: ۱/۱۱۹، باب الحدیث فی الصلاة، وما یکره وما لا یکره، ط: زکریا- دیوبند)

وفي "المحیط" ویکره أن یدخل فی الصلاة وهو یدافع الأخبثین أو الريح فإن ثقله الالتهام بها قطعها، وإن مضى علیہا أجزأه وقد أساء، وشد دأبوزید المروزی والقاضی حسین من الشافعیة وقالوا: إذا انتهى به مدافعة الأخبثین إلى ذهاب خشوعه لم تصح صلاته، ومذهب الظاهرية بطلان الصلاة مع مدافعة الأخبثین، والصحيح عند العلماء: صحة ذلك مع الكراهة. (البنایة شرح الہدیة- أبو محمد محمود بن أحمد بن موسی، الغیتابی الحنفی بدر الدین العینی (م: ۸۵۵ھ): ۲/۴۳۶، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیہا، فصل فی العوارض التي تکره فی الصلاة، کف الثوب فی الصلاة، ط: دار الکتب العلمیة- بیروت)

ویکره الصلاة وقت مدافعة البول أو الغائط، ووقت حضور الطعام إذا كانت النفس تائقة إليه، والوقت الذي يوجد فيه ما يشغل البال من أفعال الصلاة، ويخل بالخشوع كأننا ما كان الشاغل، ویکره أداء العشاء ما بعد نصف الليل. هكذا في البحر الرائق. (الفتاویٰ الہندیة: ۱/۵۳، الباب الأول فی مواقیب الصلاة وما یصل بها، الفصل الأول فی أوقات الصلاة، ط: دار الفکر☆ الجوهرة النيرة- أبو بکر بن علی بن محمد الحدادی العبادي الزبيدي اليمني الحنفی (م: ۸۰۰ھ): ۱/۵۹، باب صفة الصلاة، ط: المطبعة الخيرية)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: رد المحتار علی الدر المختار: ۱/۶۳۱، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیہا، مطلب فی الخشوع، ط: دار الفکر- بیروت☆ حاشیة الشرنبلالی علی درر الحکام شرح غرر الأحکام: ۱/۱۰۹، مکروہات الصلاة، ط: دار إحياء الكتب العربية.

[۱] ولو استأذن على المصلي إنسان، فسبح، وأراد به إعلامه أنه في الصلاة، لم يقطع صلاته؛ لما روي عن علي - رضي الله عنه - أنه قال: كان لي من رسول الله - صلى الله عليه وسلم - مدخلان في كل يوم، بأيهما شئت دخلت، فكنت إذا أتيت الباب، فإن لم يكن في الصلاة فتح الباب فدخلت، وإن كان في الصلاة، رفع صوته بالقراءة فانصرفت؛ ولأن المصلي يحتاج إليه لصيانة صلاته؛ لأنه لو لم يفعل ربما يلح المستأذن حتى يبتلى هو بالغلط في القراءة، فكان القصد به صيانة صلاته فلم تفسد، وكذا إذا عرض للإمام شيء فسبح المأموم ولا بأس به؛ لأن القصد به إصلاح =

[۴۲] دورانِ صلاۃ امام صاحب کی لنگی کی گرہ کھل جائے، تو وہ بقیہ نماز کیسے پوری کریں؟

۸۵۵-سوال: امام صاحب کی لنگی کی گرہ دوسری رکعت کے سجدے کے دوران کھل گئی؛ جس کی وجہ سے وہ بیٹھ گئے، اور اسی حالت میں نماز مکمل کی، جب کہ مقتدی کھڑے ہو گئے، امام صاحب نے اس لیے بیٹھ کر نماز مکمل کی کہ اگر کھڑے ہوتے تو ستر کھل جاتا، اور لنگی باندھ لیتے تو عمل کثیر ہو جاتا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح امام بیٹھ کر نماز پوری کرے اور مقتدی کھڑے ہوں، تو نماز صحیح ہوگی؟ اور اس صورت میں امام کے لیے صحیح طریقہ کون سا ہے؟ کیا انھیں عمل کثیر کے باوجود لنگی باندھ لینی چاہیے تھی؟ یا بیٹھ کر نماز پوری کرنا ہی صحیح ہے، جیسا کہ انہوں نے کیا۔

#### الجواب حامدا ومصليا:

مسئلہ مذکورہ میں جب امام صاحب نے بیٹھ کر نماز مکمل کی، تو قیام۔ جو کہ فرض ہے۔<sup>(۱)</sup> کے ترک کرنے کی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی، امام صاحب کے لیے صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ اس صورت میں اولاً عمل قلیل کے ذریعے لنگی باندھ لیتے، اگر احتیاط کے باوجود عمل کثیر کا تحقق ہو جاتا، تو نماز کا اعادہ کر لیتے، یہ ایسا ہی ہے، جیسے نماز کے درمیان اگر سانپ یا بچھونکل آئے اور اُس کے کاٹنے کا خوف ہو، تو نماز کے دوران اولاً اُسے مارنے کا حکم ہے۔ پھر نماز دہرائی جائے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= الصلاة، فسقط حکم الکلام عنه للحاجة إلى الإصلاح. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۱/۲۳۵، فصل بیان حکم الاستخلاف، ط: دار الکتب العلمیة- بیروت ☆ رد المحتار علی الدر المختار: ۲/۳۷۷، کتاب الصلاة، ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، ط: زکریا- دیوبند ☆ البحر الرائق: ۲/۸، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، ط: دار الکتب الإسلامی)

(۱) ولا يجوز ترك القيام في المكتوبة إلا من عذر. (المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۸۳۳ھ): ۱/۲۰۸، کتاب الصلاة، صلت المرأة وربيع ساقها مكشوف، ط: دار المعرفة- بیروت ☆ المحيط البرهاني- ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۶۱۶ھ): ۲/۱۳۳، کتاب الصلاة، الفصل الحادي والثلاثون في صلاة المريض، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الکتب العلمیة- بیروت)

(۲) (لا) یکره (قتل حية أو عقرب) إن خاف الأذى، إذ الأمر للإباحة لأنه منفعة لنا، فالأولى ترك الحية البيضاء لخوف الأذى (مطلقاً) ولو بعمل كثير على الأظهر؛ لكن صحح الحلبي الفساد. (الدر المختار: ۱/۲۵۰) قال ابن عابدين: (قوله على الأظهر) كذا قال الإمام السرخسي، وقال لأنه عمل رخص فيه للمصلي، فهو كالمشي =

## [۴۳] نماز میں کسی نابالغ کا لقمہ دینا

۸۵۶-سوال: اگر جہری نماز میں کسی نابالغ بچے نے لقمہ دے دیا، تو اُس کا لقمہ قبول کرنے سے نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

نابالغ کی نماز اور اقتداء درست ہے؛ لہذا اُس سے لقمہ لینا بھی جائز ہے۔ (درمختار) <sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۴۴] کھجور کے درخت کی پتیوں سے بنی ہوئی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا

۸۵۷-سوال: ہماری مسجد میں کھجور کے درخت کی پتیوں کی ٹوپیاں رکھی ہوئی ہیں، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ان ٹوپیوں کو پہن کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ مفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

کھجور کے درخت کی پتیوں کی ٹوپی، جو عام طور پر مساجد میں رکھی جاتی ہیں، انھیں پہن کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، نماز جائز ہے، جس طرح کھجور کی چٹائی پر نماز پڑھی جاتی ہے، اسی طرح یہ بھی جائز ہے۔ <sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= بعد الحدث بحر (قوله لكن صحح الحلبي الفساد) حيث قال تبعًا لابن الهمام: فالحق فيما يظهر هو الفساد، والأمر بالقتل لا يستلزم صحة الصلاة مع وجوده كما في صلاة الخوف، بل الأمر في مثله لإباحة مباشرة وإن كان مفسدًا للصلاة. اهـ. ونقل كلام ابن الهمام في الحلية والبحر والنهر وأقروه عليه، وقالوا: إن ما ذكره السرخسي رده في النهاية بأنه مخالف لما عليه عامة رواة شروط الجامع الصغير ومبسوط شيخ الإسلام من أن الكثير لا يباح. اهـ. (رد المحتار: ۶۵۱/۱، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فرع لا بأس باتخاذ المسبحة لغير رياء، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۲/۵۳-۵۴، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، ط: دار الكتاب - ديوبند)

(۱) وفتح المراهق كالبالغ. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق - زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (م: ۹۰: ۹۷)، ۱۱/۲، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: دار الكتاب - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۹۹، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، الفصل الأول فيما يفسدها، ط: دار الفكر)

(۲) کہ عدم جواز کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے؛ و الأصل في الأشياء الإباحة (رد). [قواعد الفقه - محمد عميم الإحسان المجدي البر كتي: ۵۹، القواعد الفقهية، ط: الصدف ببلشرز - كراتشي]



[۴۵] عورتوں کا ایسی چوڑیاں پہن کر نماز پڑھنا، جن میں باریک تصویریں ہوں  
 ۸۵۸-سوال: چوڑیوں میں اگر ایسی باریک تصاویر ہوں، جو بہت غور سے دیکھے بغیر دکھائی نہ  
 دیتی ہوں، تو ایسی چوڑیاں پہن کر نماز پڑھنے سے نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

### الجواب حامدًا ومصليًا:

ایسی چوڑیاں پہن کر نماز پڑھنا جن میں غور سے دیکھے بغیر تصاویر کا پتہ نہ چل سکتا ہو جائز ہے۔  
 (فتاویٰ عالمگیری) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۴۶] جان بوجھ کر بغیر ٹوپی پہنے نماز پڑھنا

۸۵۹-سوال: ہمارے یہاں بہت سے مسلمان بغیر ٹوپی پہنے نماز پڑھ لیتے ہیں، ہمیں معلوم  
 ہے کہ اُن کی نماز تو ہو جاتی ہے؛ لیکن جان بوجھ کر بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنے کے سلسلہ میں حکم شرعی کیا ہے؟ اس  
 کے متعلق مکمل تفصیل سے رہنمائی فرمائیں۔

### الجواب حامدًا ومصليًا:

بغیر ٹوپی پہنے نماز پڑھنا مکروہ ہے، ٹوپی پہننے کو ضروری نہ سمجھتے ہوئے یا اس وجہ سے کہ ٹوپی اپنے  
 ساتھ رکھنا بوجھ معلوم ہو رہا ہو، تو مکروہ تنزیہی ہے، کبھی کسی مجبوری کی وجہ سے بغیر ٹوپی کے نماز پڑھ لے، تو  
 گنجائش ہے، لیکن اس کی عادت بنانے والا گنہگار ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] ویکرہ أن یصلیٰ و بین یدیه أو فوق رأسه أو علی یمینہ .. وهذا إذا كانت الصورة كبيرة تبدو للناظر من غير  
 تكلف. كذا في فتاویٰ قاضی خان، ولو كانت صغيرة بحيث لا تبدو للناظر إلا بتأمل، لا یكره. (الفتاویٰ الہندیة:  
 ۱/۱۰۷، الباب السابع فيما یفسد الصلاة وما یكره فیها، الفصل الثانی فیما یكره فی الصلاة وما لا یكره: ط: دار الفکر)  
 (۲) و كره... (وصلاته حاسرا) أي كاشفا (رأسه للتكاسل) ولا بأس به للتذلل، وأما للإهانة بها فكفر ولو سقطت  
 قلنسوته فإعادتها أفضل إلا إذا احتاجت لتكوير أو عمل كثير. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله  
 للتكاسل) أي لأجل الكسل، بأن استقل تغطيته ولم يرها أمرهما في الصلاة فتركها لذلك، وهذا معنى قولهم  
 تهاونا بالصلاة وليس معناه الاستخفاف بها والاحتقار لأنه كفر شرح المنية. قال في الحلية: وأصل الكسل ترك  
 العمل لعدم الإرادة، فلو لعدم القدرة فهو العجز. (قوله ولا بأس به للتذلل) قال في شرح المنية: فيه إشارة إلى أن  
 الأولى أن لا يفعله وأن يتذلل ويخشع بقلبه فإنهما من أفعال القلب. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۶۳۱، =

## [۴۷] قلیل کلام مفسد صلاۃ ہے

۸۶۰-سوال: ایک مرتبہ یہاں (کویت میں) امام صاحب نے بھول کر عصر کی تین رکعت فرض نماز پڑھائی، کچھ گفتگو کی، پھر ان کو یاد آیا، تو انہوں نے باقی ایک رکعت پڑھائی اور سجدہ سہو کر کے سلام پھیرا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں نماز ہوئی یا نہیں؟

## الجواب حامدا ومصليا:

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اصلاح صلاۃ کے لیے قلیل گفتگو سے نماز فاسد نہ ہوگی۔<sup>(۱)</sup>

= باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا، فروع مشی المصلی مستقبل القبلة هل تفسد صلاته، مطلب فی الخشوع، ط: دار الفکر - بیروت ☆ الفتاویٰ الہندیۃ: ۱/۱۰۶، الباب السابع فیما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا، الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلاۃ وما لا یکرہ، ط: دار الفکر

(۱) عن معاویۃ بن الحکم السلمي، قال: بینا أنا أصلي مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، إذ عطس رجل من القوم، فقلت: یرحمک اللہ فرماني القوم بأبصارهم، فقلت: واثكل أمياه، ما شأنکم؟ تنظرون إلی، فجعلوا یضربون بأیدیہم علی أفخاذهم، فلما رأيتهم یصمتونني لکني سکت، فلما صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فبأبي هو وأمي، ما رأيت معلما قبله ولا بعده أحسن تعليما منه، فوالله، ما كهرني ولا ضربني ولا شتمني، قال: إن هذه الصلاۃ لا یصلح فیہا شيء من كلام الناس، إنما هو التسبیح والتكبير وقراءة القرآن. (الصحيح لمسلم: ۱/۲۰۳، رقم الحديث: ۳۳-۵۳۷)، كتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب تحريم الكلام في الصلاۃ، ونسخ ما كان من إباحته، ط: ديوبند  
امام نووی شافعیؒ (م: ۶۷۶ھ) نے اس حدیث کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے:

فیہ تحريم الكلام في الصلاۃ سواء كان لحاجة أو غيرها وسواء كان لمصلحة الصلاۃ أو غيرها، فإن احتاج إلی تنبيه، أو إذن لداخل ونحوه سبح إن كان رجلا و صفت إن كانت امرأة، هذا مذهبنا ومذهب مالك وأبي حنيفة رضي الله عنهم والجمهور من السلف والخلف، وقال طائفة منهم الأوزاعي يجوز الكلام لمصلحة الصلاۃ لحديث ذي الیدين... وهذا في كلام العامد العالم أما الناسي فلا تبطل صلاته بالكلام القليل عندنا، وبه قال مالك وأحمد والجمهور، وقال أبو حنيفة رضي الله عنه والكوفيون: تبطل... فإن كثر كلام الناسي، ففيه وجهان مشهوران لأصحابنا، أحدهما تبطل صلاته؛ لأنه نادر وأما كلام الجاهل إذا كان قريب عهد بالإسلام فهو ككلام الناسي فلا تبطل الصلاۃ بقليله. (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج المعروف بـ 'حاشية النووي على المسلم: ۲۰/۵، باب تحريم الكلام في الصلاۃ ونسخ ما كان من إباحته، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

احناف کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی: اس لیے صورت مسئولہ میں خفی مسلک والوں کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۴۸] نماز میں بلا ضرورت عادتاً کھنکھارنا

۸۶۱- سوال: ایک شخص ہر وقت رکوع اور سجدہ میں کھنکھارتا رہتا ہے اور بلغم پی جاتا ہے، خواہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہو یا اکیلا، کیا اس طرح ہر نماز میں زور سے کھنکھارنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی؟

#### الجواب حامداً ومصلياً:

مصلی کے دوران صلاة بلا ضرورت کھنکھارنے کی وجہ سے اگر کوئی لفظ بن جائے، جیسے کہ آہ کرنا، تو نماز فاسد ہو جائے گی؛ لیکن اگر عذر ہے، گلے میں بلغم پھنسا ہوا ہے، یا آواز کی صفائی کے لیے ایسا کرتا ہے، یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے کھنکھارتا ہے، تو جائز ہے، نماز فاسد نہ ہوگی۔ درمختار میں ہے: (والتنحیح) بحر فین (بلا عذر) أما به بأن نشأ من طبعه فلا (أو) بلا (غرض صحیح) فلو لتحسين صوته أو ليهتدي إمامه أو للإعلام أنه في الصلاة فلا فساد على الصحيح. (درمختار مع شامی، ج: ۱، ص: ۵۷۸) [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) (يفسدها التكلم) هو النطق بحرفين أو حرف مفهم. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۲۱۳، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: دار الفكر - بيروت)

ومنها أي من مفسدات الصلاة الكلام عمداً أو سهواً، وقال الشافعي: كلام الناسي لا يفسد الصلاة إذا كان قليلاً. (بدائع الصنائع: ۱/۲۳۳، فصل بيان حكم الاستخلاف، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۲) قال ابن عابدين: (قوله والتنحیح) هو أن يقول أح بالفتح والضم بحر (قوله بحر فین) يعلم حكم الزائد عليهما بالأولى،... (قوله بأن نشأ من طبعه) أي بأن كان مدفوعاً إليه (قوله على الصحيح) لأنه يفعل لإصلاح القراءة فيكون من القراءة معنى كالمشي للبناء، فإنه وإن لم يكن من الصلاة لكنه لإصلاحها فصار منها معنى شرح المنية عن الكفاية، لكنه لا يشمل ما لو كان لإعلام أنه في الصلاة أو ليهتدي إمامه إلى الصواب. والقياس الفساد في الكل إلا في المدفوع إليه كما هو قول أبي حنيفة ومحمد؛ لأنه كلام، والكلام مفسد على كل حال كما مر، وكأنهم عدلوا بذلك عن القياس وصحروا عدم الفساد به إذا كان لغرض صحيح لوجود نص، ولعله ما في الحلية عن سنن ابن ماجه عن علي - رضي الله عنه - قال: كان لي من رسول الله - صلى الله عليه وسلم - مدخلان: مدخل بالليل ومدخل بالنهار، فكننت إذا أتيت به وهو يصلي تنحیح لي. وفي رواية: سبح. وحملهما في الحلية على اختلاف الحالات، والله تعالى أعلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۲۱۸-۲۱۸، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب المواضع التي لا يجب فيها رد السلام، ط: دار الفكر - بيروت)

## [۴۹] کیا نمازی کے آگے سے گزرنا اور ہٹنا دونوں برابر ہیں؟

۸۶۲-سوال: نمازی کے آگے بیٹھے ہوئے شخص کا اٹھ کر چلا جانا گناہ کا باعث ہے یا نہیں؟

ہم نے سنا ہے کہ ”نمازی کے آگے جو شخص ہوتا ہے، وہ بہ منزلہ سترہ کے ہے، اگر وہ وہاں سے ہٹ جائے گا، تو گنہ گار ہوگا“۔ میں بھی ایسا ہی خیال کرتا ہوں کہ جس طرح سامنے سے گزرنے پر گناہ ہوتا ہے، اسی طرح سامنے بیٹھے ہوئے شخص کا ہٹنا بھی گناہ کا باعث ہوگا، تو کیا میرا ایسا سمجھنا درست ہے؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

## الجواب حامد اومصلیٰ:

مصلیٰ کے سامنے والے آدمی کا ہٹنا جائز ہے، البتہ گزرنا جائز نہیں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو اس کا پتا چل جائے کہ اس کی وجہ سے اس کو کس قدر گناہ ہوگا، تو وہ چالیس دن یا چالیس مہینہ یا چالیس سال انتظار کرنا پسند کرے گا۔ (اور اس کے سامنے سے نہیں گزرے گا) [۱]

(۱) عن بسر بن سعید، أن زيد بن خالد، أرسله إلى أبي جهيم يسأله: ماذا سمع من رسول الله صلى الله عليه وسلم في المار بين يدي المصلي؟ فقال أبو جهيم: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لو يعلم المار بين يدي المصلي ماذا عليه، لكان أن يقف أربعين خيراً له من أن يمر بين يديه. قال أبو النضر: لا أدري، أقال أربعين يوماً، أو شهراً، أو سنة. (صحيح البخاري: ۳/۱، رقم الحديث: ۵۱۰، كتاب الصلاة، باب ثم المار بين يدي المصلي، ط: البدر - ديوبند) ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۱۹۷، رقم الحديث: ۲۶۱-۵۰۷، كتاب الصلاة، باب ستر المصلي، ط: ديوبند)

قال الطحاوي في مشكل الآثار: إن المراد: أربعين سنة، واستدل بحديث أبي هريرة مرفوعاً: "لو يعلم الذي يمر بين يدي أخيه معترضاً وهو يناجي ربه وحينئذ لكان أن يقف مكانه مائة عام خيراً من الخطوة التي خطاها"، ثم قال: هذا الحديث متأخر عن حديث أبي جهيم؛ لأن فيه زيادة الوعيد، وذلك لا يكون إلا بعد ما أوعدهم بالتخفيف كذا نقله ابن الملك. — وفي شرح المنية: إنما يكره المرور بين يدي المصلي إذا لم يكن عنده حائل نحو السترة؛ فإنه لا يكره المرور من وراء الحائل، وأيضاً إنما يكره المرور عند عدم الحائل إذا مر في موضع سجوده، وهو الأصح، وهو مختار السرخسي، وفي النهاية: الأصح أنه لو صلى صلاة الخاشعين بأن يكون بصره حال قيامه إلى موضع سجوده لا يقع بصره على المار لا يكره، وهو مختار فخر الإسلام، وقيل: هذا في الصحراء، أما في المسجد الصغير فيكره مطلقاً، وأما الكبير فقيل: هو كالصغير، وقيل كالصحراء، ورجح ابن الهمام ما ذكره في النهاية من غير تفصيل بين المسجد وغيره، والله أعلم. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - الملا علي الهروي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۲/۲۳۳، رقم الحديث: ۷۷۶، باب السترة، الفصل الأول، ط: دار الفكر - بيروت)

مزید دیکھیے: رد المحتار علی الدر المختار: ۱/۲۳۶، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها، فروع مشی المصلیٰ مستقبل القبلة هل تفسد صلاحه، مطلب إذا قرأ قوله تعالى جدك " بدون ألف لا تفسد، ط: دار الفكر - بيروت.

اس حدیث میں وعید ”گزرنے والے“ کے بارے میں ہے اور جو مصلیٰ کے آگے ہو اور اٹھ کر چلا جائے، تو اس کو گزرنے نہیں کہتے؛ بل کہ ”سامنے سے ہٹنا“ کہا جاتا ہے، الغرض مصلیٰ کے سامنے سے ہٹنے والا گنہ گار نہیں ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۵۰] مصلیٰ کے آگے سے اٹھ جانا

۸۶۳-سوال: نمازی کے سامنے سے گذرنا تو گناہ ہے لیکن اگر ایک آدمی پیچھے کی صف میں نماز پڑھا ہو اور آگے کی صف والا فارغ ہو گیا ہے تو وہ اٹھ کر جاسکتا ہے یا نہیں؟ زید کا کہنا ہے کہ اٹھ کے جاسکتا ہے گناہ نہیں ہوگا؟

#### الجواب حامدًا ومصليًا:

سامنے نماز پڑھنے والا آدمی ہٹ سکتا ہے، نمازی کے سامنے سے گذرنا ممنوع ہے، ہٹنا ممنوع نہیں۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۵۱] امام کا محراب میں کھڑا ہونا

۸۶۴-سوال: مسجد میں جماعت کھڑی ہونے پر امام مسجد میں بالکل محراب کے اندر کھڑا رہے۔ جس کو امام کا کٹ جانا کہتے ہیں۔ تو اس طرح کرنے سے نماز فاسد ہوگی یا صحیح ہوگی؟ بہت سوں کا کہنا ہے کہ امام محراب سے تھوڑا باہر کھڑا رہے، اس سلسلہ میں کیا حکم ہے؟

#### الجواب حامدًا ومصليًا:

امام کا اس طرح کھڑا ہونا کہ دونوں پیر محراب کے اندر ہوں، مکروہ ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوگی؛ لہذا امام اپنے دونوں پیر مسجد میں رکھیں اور محراب سے باہر کھڑے ہوں۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) تقدم تخريجه تحت عنوان متقدم.

(۲) (و) كره... (قيام الإمام في المحراب لا سجود فيه) وقدماه خارجة لأن العبرة للقدم (مطلقاً) وإن لم يتشبه حال الإمام إن علل بالتشبه وإن بالاشتباه ولا اشتباه فلا اشتباه في نفي الكراهة. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله إن علل بالتشبه إلخ) قيد للكراهة. وحاصله أنه صرح محمد في الجامع الصغير بالكراهة ولم يفصل؛ فاختلف المشايخ في سببها، فقليل كونه يصير ممتاز عنهم في المكان؛ لأن المحراب في معنى بيت آخر وذلك صنيع أهل الكتاب، واقتصر عليه في الهداية واختاره الإمام السرخسي وقال إنه الأوجه، وقيل اشتباه حاله =

## [۵۲] امام کا محراب کے اندر کھڑے رہ کر نماز پڑھانا

۸۶۵-سوال: اگر کوئی امام جماعت والی نماز میں بالکل محراب کے اندر کھڑے ہو کر نماز

پڑھائے، تو اس سے نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

امام کے لیے بالکل محراب کے اندر کھڑے ہو جانا مکروہ ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= علی من فی یمنہ و یسارہ، فعلى الأول یکره مطلقا، وعلى الثاني لا یکره عند عدم الاشتباه، وأید الثاني فی الفتح بأن امتیاز الإمام فی المكان مطلوب، وتقدمه واجب وغایته اتفاق الملتین فی ذلك، وارتضاه فی الحلیة وأیده، لكن نازعه فی البحر بأن مقتضى ظاهر الرواية الكراهة مطلقا، وبأن امتیاز الإمام المطلوب حاصل بتقدمه بلا وقوف فی مكان آخر، ولهذا قال فی الرولو الجبیه وغيرها إذا لم یضق المسجد بمن خلف الإمام لا ینبغي له ذلك لأنه يشبه تباین المكانین انتهى... . وفي حاشیة البحر للرملي: الذي یظهر من كلامهم أنها كراهة تنزیه تأمل اهـ. (رد المحتار علی الدر المختار: ۶۳۵-۶۳۷، كتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، ط: دار الفکر)

قال أبو جعفر: (ویکره للإمام أن یكون مقامه فی الصلاة فی الطاق، ولا نرى بأسا أن یكون مقامه فی المسجد، وسجوده فی الطاق). — قال أحمد: یعنی بالطاق: المحراب إذا كان طاعنا فی الحائط یمكن أن یغیب فیہ الإمام ببندنه، حتى لا یبصره من علی جنبته، وكذا كانت محاریب الكوفة قديما. — وقد روی كراهة ذلك عن بعض السلف. — ووجه ذلك: أنه إذا كان مقامه فی الطاق: لم یبصره من عن جانبیه فیقتدوا به. (شرح مختصر الطحاوي - أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي (م: ۳۷۰هـ): ۵۱۷/۸، كتاب الكراهية، مسألة: كراهية صلاة الإمام فی المحراب الذي لا یرى منه، ط: دار البشائر الإسلامية - ودار السراج)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: درر الحکام شرح غرر الأحكام - ملا خسرو (م: ۸۸۵هـ): ۱۰۸/۱، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، ط: دار إحياء الكتب العربية ☆ مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح، ص: ۳۲، فصل فی المکروهات، ط: المكتبة العصرية.

(۲) قد تقدم تخريجه تحت عنوان "امام کا محراب میں کھڑا ہونا"

لو قرأ القرآن في الصلاة بالألحان إن غير الكلمة تفسد وإن كان ذلك في حروف المد واللين لا تفسد إلا إذا فحش وإن قرأ في غير الصلاة اختلف المشايخ وعامتهم كرهوا ذلك. كذا في الخلاصة وهو الصحيح. كذا في الوجيز للكردری وكرهوا الاستماع أيضاً. كذا في الخلاصة ونقل عن أبي القاسم الصفار البخاري أن الصلاة إذا جازت من وجوه فسدت من وجه يحكم بالفساد احتياطاً إلا في باب القراءة؛ لأن للناس عموم البلوى. كذا في الظهيرية.

(فتاویٰ عالمگیری: ۱/۸۲، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، ط: دار الفكر)

## باب القراءة وزلة القاري

[قراءت اور قاری کی لغزش کا بیان]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب القراءۃ وزلۃ القاری

[قراءت اور قاری کی لغزش کا بیان]

[۱] فجر کی نماز میں ۴۰ سے ۵۰ آیتیں پڑھنا استحباب کے لیے کافی ہے

۸۶۶-سوال: ایک امام صاحب اپنی مسجد میں مقتدیوں کا خیال کرتے ہوئے مفصلات سے قراءت کرتے ہیں، مثلاً صبح کی نماز میں سورۃ نازعات کا پہلا رکوع پہلی رکعت میں اور دوسرا رکوع دوسری رکعت میں، مغرب کی پہلی رکعت میں سورۃ قریش اور دوسری میں اخلاص، اور عشاء کی پہلی رکعت میں سورۃ ضحیٰ اور دوسری میں بینہ [سورۃ لم یکن] کی آخری تین آیتیں پڑھتے ہیں، تو کیا امام صاحب نے اس طرح تلاوت کرنے میں کسی ایسی غلطی کا ارتکاب کیا ہے، جو نماز کو متاثر (فاسد یا مکروہ) کر دے؟

کیا امام صاحب کو مصلیٰ ہی پر مصلین کے سامنے کہا جاسکتا ہے کہ آپ اتنی مختصر نماز کیوں پڑھاتے ہیں کہ فجر میں صرف سات منٹ میں نماز مکمل ہو جاتی ہے؟

کیا ثواب کا مدار وقت کے زیادہ ہونے پر ہے یا طول قراءت پر؟ ایک شخص کا کہنا ہے کہ نماز میں وقت زیادہ لگنا چاہیے، سوال یہ ہے کہ شریعت میں صحیح و مسنون طریقہ کیا ہے؟ واضح رہے کہ یہ مسئلہ گاؤں کی مسجد کا ہے، جن میں کمزور افراد بھی ہیں، جن کی عمر ۴۰، ۵۰، ۶۰، ۷۰ تک ہوتی ہے، اور مختصر نماز سے مقتدی راضی ہیں، تو امام کیا کرے؟ امام صرف اس ایک ہی شخص کی رعایت کرے یا اکثر مقتدی حضرات کی۔ تفصیلاً جواب مطلوب ہے۔

الجواب حامد اومصلیٰ:

(۱) امام اور منفرد کے لیے فجر اور ظہر کی نماز میں طویل مفصل یعنی سورۃ حجرات سے سورۃ بروج تک،



عصر اور عشاء میں اوساط مفصل یعنی سورۃ بروج سے سورۃ لم یکن تک اور مغرب میں قصار مفصل یعنی لم یکن سے اخیر قرآن تک پڑھنا مستحب ہے۔ (عالمگیری، شامی، البحر الرائق) [۱]

(۲) نیز یہ بھی مستحب ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی ایک مکمل سورت پڑھی جائے۔ (عالمگیری) [۲]

(۳) اسی طرح ایک سورت کا نصف حصہ یعنی ایک رکوع ایک رکعت میں اور دوسرا نصف دوسری رکعت میں پڑھنا جائز ہے، اس سے نماز میں کوئی کراہت پیدا نہیں ہوگی۔ (عالمگیری) [۳]

(۴) فجر کی نماز کے متعلق علماء کرام نے لکھا ہے کہ دونوں رکعت میں کل ملا کر ۴۰ آیتیں پڑھنا

مستحب ہے دو رکعت میں ۴۰ آیات سے کم قرآن کی تلاوت کی گئی تو مستحب ادا نہ ہوگا۔ (البحر الرائق) [۴]  
لیکن آیتیں چھوٹی ہوں تو ۶۰ سے ۱۰۰، بڑی ہوں تو ۴۰ اور متوسط ہوں تو ۵۰ آیات پڑھنے سے مستحب ادا ہو جائے گا۔ (۵)

[۱] وستنها فی الحضرة أن یقرأ فی الفجر فی الرکتین بأربعین أو خمسين آية سوی فاتحة الكتاب وفي الظهر ذکر فی الجامع الصغير مثل الفجر و ذکر فی الأصل أو دونہ وفي العصر والعشاء فی الرکتین عشرين آية سوی فاتحة الكتاب وفي المغرب یقرأ فی کل رکعة سورة قصيرة. هكذا فی المحيط واستحسنوا فی الحضرة طوال المفصل فی الفجر والظهر وأوسطه فی العصر والعشاء وقصاره فی المغرب. کذا فی الوقایة. (الفتاویٰ الہندیة: ۷۷، الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الرابع فی القراءة، ط: دار الفکر ☆ مجمع الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر - إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي الحنفی (م: ۹۵۶ھ): ۱/۱۵۷-۱۵۸، باب صفة الصلاة، فصل: یجهر الإمام بالقراءة، ت: خليل عمران المنصور، ط: دار الکتب العلمیة - بیروت ☆ البحر الرائق: ۱/۳۶۰، باب صفة الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ مجمع الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر - داماد آقندی (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/۱۰۵، باب صفة الصلاة، فصل فی أحكام القراءة فی الصلاة، ط: دار إحياء التراث العربی ☆ رد المحتار علی الدر المختار: ۱/۴۹۲، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، مطلب قراءة البسملة بين الفاتحة والسورة حسن، ط: دار الفکر - بیروت ☆ بدائع الصنائع: ۱/۴۸۰، کتاب الصلاة، بیان القدر المستحب من القراءة، ط: زکریا - دیوبند)

[۲] الأفضل أن یقرأ فی کل رکعة الفاتحة وسورة كاملة فی المكتوبة. (الفتاویٰ الہندیة: ۷۸، بدائع الصنائع: ۴۸۴) [۳] ولو قرأ بعض السورة فی رکعة والبعض فی رکعة قیل یکره وقیل لا یکره وهو الصحيح. کذا فی الظہیریة ولكن لا ینبغي أن یفعل ولو فعل لا بأس به. کذا فی الخلاصة. (الفتاویٰ الہندیة: ۷۸، بدائع الصنائع: ۴۸۲)

[۴-۵] ولم یذكر المصنف عدد الآيات التي تقرأ فی کل صلاة لا اختلاف الآثار والمشایخ، والمنقول فی الجامع الصغير أنه یقرأ فی الفجر فی الرکتین سوی الفاتحة أربعین أو خمسين أو ستین آية، واقتصر فی الأصل علی الأربعین، وروی الحسن فی المجرد ما بین ستین إلى مائة، ووردت الأخبار بذلك عنه - صلى الله عليه وسلم - ثم قالوا یعمل بالروایات كلها بقدر الإمكان، واختلفوا فی کیفیة العمل به، فقیل: ما فی المجرد من المائة محتمل =

فجر میں سورہ نازعات (جس کی ۴۶ آیتیں ہیں) اور مغرب میں قصار مفصل پڑھنے سے سنت پر عمل ہو جائے گا؛ لیکن عشاء کی پہلی رکعت میں "والضحیٰ" تو مقدار مستحب ہے؛ لیکن دوسری رکعت میں سورہ بینہ کی آخری تین آیتوں کی تلاوت کرنے سے سنت پر عمل نہ ہوگا؛ کیوں کہ وہ مقدار مسنون سے کم ہے۔ البتہ کسی رکعت میں کسی سورت کی آخری آیات تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup>

البتہ اگر دوسری رکعت میں کم آیات پڑھنے کا کوئی عذر یا کوئی معقول وجہ ہو، تو یہ سنت کے خلاف نہ ہوگا۔ مذکورہ صورت میں امام صاحب نے کوئی ایسی غلطی نہیں کی ہے، جو نماز میں خلل و نقصان کا باعث بنے؛ اس لیے مسجد میں مصلین کے سامنے یہ کہنا کہ "امام صاحب نے فجر کی نماز میں بہت جلدی کی ہے" جائز نہیں ہے۔ جب امام صاحب نے مستحب کے ادنیٰ درجہ کی قرات کی ہے، تو ان پر تکبیر کرنا جائز نہیں ہے، امام صاحب کی بے حرمتی کرنے کے مرادف ہے۔

اگر امام صاحب ۱۰۰ آیات پڑھنے کی استطاعت رکھتے ہوں اور رغبت بھی ہو اور مقتدی بھی طویل قراءت کے خواہش مند اور متمنی ہوں، تو فجر کی دونوں رکعت میں کل ملا کر ۶۰ سے ۱۰۰ آیات تک۔ جو یہ قول امام حسن مستحب ہے۔ پڑھنا اور استحباب کے اعلیٰ درجے پر عمل کرنا مطلوب ہے۔ (البحر الرائق: ۱/۳۴۰)۔<sup>۱۴۱</sup>

لیکن دو، چار مقتدی طویل قراءت کو چاہتے ہوں اور دوسرے مقتدی کم قراءت کی آرزو رکھتے ہوں،

= الراغبین، وما فی الأصل محمل الكسالی أو الضعفاء، وما فی الجامع الصغیر من الستین محمل الأوساط، وقیل: ينظر إلى طول الليالي وقصرها وإلى كثرة الأشغال، وقتلتها. قال في فتح القدير: الأولى أن يجعل هذا محمل اختلاف فعله - عليه الصلاة والسلام - بخلاف القول الأول؛ فإنه لا يجوز فعله عليه؛ لأنهم لم يكونوا كسالي، فيجعل قاعدة لفعل الأئمة في زماننا ويعلم منه أنه لا ينقص في الحضر عن الأربعين، وإن كانوا كسالي؛ لأن الكسالي محملها هو. فالحاصل أنه لا ينقص عن الأربعين في الركعتين في الفجر على كل حال على جميع الأقوال، وقال فخر الإسلام قال مشايخنا إذا كانت الآيات قصارا فمن الستين إلى مائة وإذا كانت أوساطا فخمسين وإذا كانت طوالا فأربعين. (البحر الرائق: ۱/۳۶۰-۳۶۱، باب صفة الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ بدائع الصنائع: ۱/۳۷۸-۳۷۹، كتاب الصلاة، بيان القدر المستحب من القراءة، ط: زكريا- ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۷۷)

(۲) ولو قرأ في ركعة من وسط سورة أو من آخر سورة وقرأ في الركعة الأخرى من وسط سورة أخرى أو من آخر سورة أخرى لا ينبغي له أن يفعل ذلك على ما هو ظاهر الرواية ولكن لو فعل ذلك لا بأس به. كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۱/۷۸)

[۷] وروى الحسن في المجر دما بين ستين إلى مائة. (البحر الرائق: ۱/۳۶۰)

تو اختلاف سے بچنے کے لیے امام صاحب کا جو عمل ہے، وہ استجاب کی مقدار کے موافق ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض ائمہ لوگوں کو جماعت سے متنفر کرنے والے ہیں، اگر تم میں سے کوئی امام بنے تو سنت اور مستحب کا خیال کرتے ہوئے امامت میں تخفیف سے کام لے؛ کیوں کہ تم میں عمر رسیدہ ضعیف اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں؛ لہذا ان کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ (بخاری شریف جلد ۱ صفحہ ۹۸)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲] قراءت کے دوران آیات کے ترک یا رد و بدل سے نماز کا حکم

۸۶۷-سوال: ہمارے یہاں ایک دن امام صاحب نے فجر کی نماز میں سورہ رَحْمٰن پڑھتے وقت کبھی کچھ آیات کو چھوڑ دیا، کبھی اوپر چلے گئے، کبھی نیچے کی آیتوں کو شروع کر دیا، اس طرح سورہ رَحْمٰن کی قراءت مکمل کی، پھر نماز کے اخیر میں سجدہ سہو بھی نہیں کیا، تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

### الجواب حامدًا ومصليًا:

امام اگر فرض نماز میں سہو یا شبہ کی بناء پر آیتوں کو مکرر پڑھے، تو مکروہ نہ ہوگا، اگر قصد ابلا عذر آیت کا تکرار کرتا ہے، تو مکروہ تنزیہی ہے۔<sup>(۲)</sup>

صورت مسؤلہ میں امام صاحب سے شبہ کی بنیاد پر ایسا ہوا ہے؛ اس لیے نماز میں کوئی نقصان نہیں آیا، نماز ادا ہوگئی، سجدہ سہو بھی واجب نہیں ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

[۱] عن أبي مسعود، قال: قال رجل: يا رسول الله إني لأتأخر عن الصلاة في الفجر مما يطيل بنا فلان فيها، فغضب رسول الله صلى الله عليه وسلم، ما رأيت غضب في موضع كان أشد غضبا منه يومئذ، ثم قال: يا أيها الناس، إن منكم منفرين، فمن أم الناس فليتجوز، فإن خلفه الضعيف والكبير وذا الحاجة. (صحيح البخاري: ۹۸/۱، رقم الحديث: ۷۰۳، كتاب الأذان، باب من شك إمامه إذا طول، وانظر: رقم: ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۵، ۱۷۲۶، ۱۷۲۷، ۱۷۲۸، ۱۷۲۹، ۱۷۳۰، ۱۷۳۱، ۱۷۳۲، ۱۷۳۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵، ۱۷۳۶، ۱۷۳۷، ۱۷۳۸، ۱۷۳۹، ۱۷۴۰، ۱۷۴۱، ۱۷۴۲، ۱۷۴۳، ۱۷۴۴، ۱۷۴۵، ۱۷۴۶، ۱۷۴۷، ۱۷۴۸، ۱۷۴۹، ۱۷۵۰، ۱۷۵۱، ۱۷۵۲، ۱۷۵۳، ۱۷۵۴، ۱۷۵۵، ۱۷۵۶، ۱۷۵۷، ۱۷۵۸، ۱۷۵۹، ۱۷۶۰، ۱۷۶۱، ۱۷۶۲، ۱۷۶۳، ۱۷۶۴، ۱۷۶۵، ۱۷۶۶، ۱۷۶۷، ۱۷۶۸، ۱۷۶۹، ۱۷۷۰، ۱۷۷۱، ۱۷۷۲، ۱۷۷۳، ۱۷۷۴، ۱۷۷۵، ۱۷۷۶، ۱۷۷۷، ۱۷۷۸، ۱۷۷۹، ۱۷۸۰، ۱۷۸۱، ۱۷۸۲، ۱۷۸۳، ۱۷۸۴، ۱۷۸۵، ۱۷۸۶، ۱۷۸۷، ۱۷۸۸، ۱۷۸۹، ۱۷۹۰، ۱۷۹۱، ۱۷۹۲، ۱۷۹۳، ۱۷۹۴، ۱۷۹۵، ۱۷۹۶، ۱۷۹۷، ۱۷۹۸، ۱۷۹۹، ۱۸۰۰، ۱۸۰۱، ۱۸۰۲، ۱۸۰۳، ۱۸۰۴، ۱۸۰۵، ۱۸۰۶، ۱۸۰۷، ۱۸۰۸، ۱۸۰۹، ۱۸۱۰، ۱۸۱۱، ۱۸۱۲، ۱۸۱۳، ۱۸۱۴، ۱۸۱۵، ۱۸۱۶، ۱۸۱۷، ۱۸۱۸، ۱۸۱۹، ۱۸۲۰، ۱۸۲۱، ۱۸۲۲، ۱۸۲۳، ۱۸۲۴، ۱۸۲۵، ۱۸۲۶، ۱۸۲۷، ۱۸۲۸، ۱۸۲۹، ۱۸۳۰، ۱۸۳۱، ۱۸۳۲، ۱۸۳۳، ۱۸۳۴، ۱۸۳۵، ۱۸۳۶، ۱۸۳۷، ۱۸۳۸، ۱۸۳۹، ۱۸۴۰، ۱۸۴۱، ۱۸۴۲، ۱۸۴۳، ۱۸۴۴، ۱۸۴۵، ۱۸۴۶، ۱۸۴۷، ۱۸۴۸، ۱۸۴۹، ۱۸۵۰، ۱۸۵۱، ۱۸۵۲، ۱۸۵۳، ۱۸۵۴، ۱۸۵۵، ۱۸۵۶، ۱۸۵۷، ۱۸۵۸، ۱۸۵۹، ۱۸۶۰، ۱۸۶۱، ۱۸۶۲، ۱۸۶۳، ۱۸۶۴، ۱۸۶۵، ۱۸۶۶، ۱۸۶۷، ۱۸۶۸، ۱۸۶۹، ۱۸۷۰، ۱۸۷۱، ۱۸۷۲، ۱۸۷۳، ۱۸۷۴، ۱۸۷۵، ۱۸۷۶، ۱۸۷۷، ۱۸۷۸، ۱۸۷۹، ۱۸۸۰، ۱۸۸۱، ۱۸۸۲، ۱۸۸۳، ۱۸۸۴، ۱۸۸۵، ۱۸۸۶، ۱۸۸۷، ۱۸۸۸، ۱۸۸۹، ۱۸۹۰، ۱۸۹۱، ۱۸۹۲، ۱۸۹۳، ۱۸۹۴، ۱۸۹۵، ۱۸۹۶، ۱۸۹۷، ۱۸۹۸، ۱۸۹۹، ۱۹۰۰، ۱۹۰۱،

[۳] آیت کی تبدیلی میں تغیر فاحش ہو گیا، تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

[۴] کیا اسی رکعت میں اصلاح ضروری ہے، بعد میں اصلاح کافی نہیں؟

۸۶۸-سوال: تراویح کی نماز میں امام صاحب نے ”الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ بَعْضُهُمْ قَرْنٌ

بَعْضُهُمْ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ“ پڑھا، جب کہ اصل آیت ہے: ”الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ بَعْضُهُمْ قَرْنٌ بَعْضُهُمْ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ“ تو اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل سوالات ہیں:

۱- کیا اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی، ایک مولانا صاحب کا کہنا ہے کہ معنی کفر تک پہنچ گیا

ہے؛ اس لیے نماز فاسد ہوگی، نماز پھر سے ادا کرنی ہوگی، کیا یہ بات صحیح ہے؟

۲- اگر دو رکعت کی نیت ہو اور اس میں پہلی رکعت میں اس طرح کی غلطی ہو جائے اور دوسری رکعت

میں اس غلطی کی اصلاح کر لی جائے، تو کیسا ہے؟ نماز صحیح ہو جائے گی یا اعادہ لازم ہوگا؟

۳- اگر ان دو رکعتوں میں غلطی کی اصلاح نہ کی گئی؛ بل کہ بعد والی دو رکعتوں میں اصلاح کی گئی، تو

اس صورت میں کیا حکم ہے؟ تلافی کے لیے یہ کافی ہوگا یا نہیں؟

۴- اگر معنی میں فحش تغیر نہیں ہوا ہے، تو بعد والی نماز میں اصلاح کرنا کافی ہوگا یا نہیں؟ یا اسی نماز

میں اصلاح ضروری ہے؟

۵- اگر تراویح کے بجائے فجر کی نماز میں مذکورہ غلطی پیش آئے، تو کیا حکم ہے؟ اس سلسلہ میں کیا فجر

اور تراویح دونوں نمازوں کا حکم ایک ہی ہے یا دونوں میں فرق ہے؟ بیّنوا تو جروا۔

**الجواب حامداً ومصلياً:**

(۱) صورت مسئلہ میں مولانا صاحب کا کہنا صحیح ہے کہ: ”نماز فاسد ہوگی“؛ لہذا تراویح کی ان دو رکعتوں

کو پھر سے دوہرانا ضروری ہے: منهاذ کر آية مكان آية... أما إذا غير المعنى بأن قرأ "إن الذين آمنوا وعملوا

الصالحات أولئك هم خير البرية إن الذين كفروا من أهل الكتاب" إلى قوله "خالدين فيها أولئك هم

خير البرية" تفسد عند عامة علمائنا وهو الصحيح. هكذا في الخلاصة. (عالمگیری)<sup>[۱]</sup>

نوٹ: لیکن اگر امام صاحب نے ”الْمُتَأَفِقُونَ وَالْمُتَأَفِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ“ پر سانس توڑ دیا ہو اور وقف تام کیا ہو، پھر پڑھا ”يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ“ تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ لو ذکر آیت مکان آیت ابن وقف وقفاتاً، ثم ابتداء آیت أخرى أو ببعض آية لا تفسد... أو قرأ {إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات} ووقف ثم قال {أولئك هم شر البرية}... لا تفسد. (عالمگیری)<sup>[۲]</sup>

(۲) اسی رکعت میں اگر امام بہ ذات خود یا مقتدی کے لقمہ دینے سے غلطی کی اصلاح کر لیتا ہے، تو نماز صحیح ہو جائے گی؛ لیکن دوسری رکعت میں اصلاح کرنے سے نماز صحیح نہیں ہوگی، ان دونوں رکعتوں کو دوہرانا لازم ہوگا۔

(۳) دوسری دور رکعتوں میں اصلاح کرنے سے بہ درجہ اولیٰ نماز [تراویح] صحیح نہیں ہوگی، فاسد ہی رہے گی، دوبارہ ادائیگی لازم ہوگی۔

(۴) جب تغیر فاحش نہیں ہوا، تو نماز صحیح رہی، اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ (عالمگیری)<sup>[۳]</sup>

(۵) علماء متاخرین کے نزدیک دونوں نمازوں کا حکم ایک ہی ہے، اس میں کوئی فرق نہیں۔<sup>(۴)</sup> اور

(۲) المصدر السابق.

(۳) (ومنها ذکر آیت مکان آیت) لو ذکر آیت مکان آیت... أما إذا لم يقف ووصل - إن لم يغير المعنى - نحو أن يقرأ {إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات} فلهم جزاء الحسنی مکان قوله {كانت لهم جنات الفردوس نزلاً} لا تفسد. (الفتاویٰ الہندیہ: ۸۱/۱-۸۰)

فإن كان لا يغير المعنى لا تفسد صلاته نحو أن يقرأ ولقد جاءهم رسلنا بالبينات بترك التاء من جاءت. (الفتاویٰ الہندیہ: ۷۹/۱، الفصل الخامس في زلة القاري، ط: زكريا - ديوبند)

(۴) فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوئی نے ایک سوال کے جواب میں ذکر فرمایا ہے:

”جو غلطی منافی سلوٰۃ ہو، اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، اگر معنی بگڑنے سے نماز فاسد ہو گئی تھی، تو اس لفظ کا صحیح طور پر اعادہ کرنے سے نماز صحیح نہیں ہوتی؛ بل کہ نماز کا اعادہ ضروری ہوگا، البتہ عالمگیری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز صحیح ہو جائے گی، ہمارے اکابر اس کو نفل و تراویح پر حمل کرتے ہیں۔“ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۱۲۰، باب فی مسائل زلۃ القاری، سوال نمبر: ۳۲۶)

حضرت مفتی صاحب کے فتویٰ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس سلسلے میں فرض اور تراویح و نفل کے درمیان فرق ہے، فرض میں اگر قراءت کے اندر فاحش غلطی ہوئی، تو بہر حال میں نماز کا اعادہ ضروری ہے، خواہ اسی وقت اس غلطی کی اصلاح کر لے، البتہ تراویح میں توسع ہے کہ اس طرح کی غلطی کی اصلاح کر لی جائے تو نماز ہو جائے گی۔

تاہم صاحب فتاویٰ ”مفتی بیات صاحب“ اور دیگر علماء کی رائے یہ ہے کہ فرض نماز اور نفل و تراویح کا حکم ایک ہی ہے، اگر غلطی کی اصلاح کر لی گئی، تو نماز درست ہو جائے گی۔

ائمہ سے لغزشیں ہوتی رہتی ہیں؛ اس لیے اگر معنی میں تغیر فاحش ہو بھی گیا ہے، تو ساتھ ہی یہ گنجائش بھی ہے کہ اسی رکعت میں اصلاح کر لینے سے نماز صحیح ہو جاتی ہے؛ لیکن بعد کی رکعتوں میں اصلاح سے نماز صحیح نہ ہوگی۔<sup>(۵)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۵] قراءت کی غلطی کی دوسری رکعت میں اصلاح معتبر ہے یا نہیں؟

۸۶۹-سوال: ایک امام صاحب نے عشاء کی نماز میں سورۃ اعراف کا پہلا رکوع پڑھا، اس میں ”فمن ثقلت موازینہ فاولئك هم المفلحون“ کی جگہ ”هم الكافرون“ پڑھا؛ لیکن دوسری رکعت میں خود ہی ”والوزن يومئذ الحق“ سے اعادہ کر کے درست کر لیا، تو نماز درست ہوگی یا نہیں؟ کیا اعادہ لازم ہے یا نہیں؟ پہلی رکعت میں کوئی غلطی ہو جائے اور دوسری رکعت میں درست کر لے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ مع حوالہ جواب عطا فرمانے کی گزارش ہے، عین نوازش ہوگی۔

### الجواب حامدا ومصليا:

اگر امام صاحب نے ”ثقلت موازینہ“ پر وقف کیا ہے اور وقف کے بعد ”هم الكافرون“ پڑھا ہے، تو نماز صحیح ہو جائے گی: أو قرأ {إن الدين آمنوا و عملوا الصالحات} [البينة: ۷] ووقف ثم قال {أو لئنك هم شر البرية} [البينة: ۶] لا تفسد. (عالمگیری: جلد ۱، صفحہ ۶۳)<sup>[۲]</sup>

= حضرت مفتی عبدالرحیم لاج پوری رقم طراز ہیں: ”جب قرأت کی غلطی بذات خود درست کر لے یا مقتدی کے لقمہ دینے سے درست کر لے، تو حرج اور عموم بلوئی کے پیش نظر نماز صحیح ہونے کا فتویٰ دیا جائے گا۔“ (فتاویٰ رحیمیہ: ۵/۱۰۳-۱۰۴، سوال نمبر: ۸۵) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: امداد الفتاویٰ: ۱/۱۶۸، باب شروط الصلاة و صفتها، ط: دارالعلوم، کراچی ☆ احسن الفتاویٰ: ۱۳/۴۴۵، مسائل زلزۃ القاری ☆ فتاویٰ دارالعلوم، ۸۱/۸۱، مسائل زلزۃ القاری، دارالاشاعت - پاکستان ☆ فتاویٰ حقانیہ: ۳/۱۷۷، باب القراءة، لاہور)

(۱) ذکر فی الفوائد لو قرأ فی الصلاة بخطأ فاحش ثم رجع وقرأ صحيحا قال عندي صلاحته جائزة. (الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۸۲، کتاب الصلاة، الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الخامس فی زلزۃ القاری، ط: زکریا-دیوبند) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: زد المختار علی الدر المختار: ۱/۶۳۰-۶۳۲، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما لا یکرہ فیہا، مطلب مسائل زلزۃ القاری ☆ المحيط البرہانی فی الفقہ النعمانی - أبو المعالی برہان الدین محمود بن أحمد بن عبد العزیز بن عمر بن مازة البخاری الحنفی (م: ۶۱۶ھ): ۱/۳۲۶، کتاب الصلاة، قبیل: الفصل الخامس: فی حذف حرف من کلمة، ت: عبد الکریم سامی الجنیدی، ط: دار الکتب العلمیہ - بیروت.

[۲] الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۸۰، الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الخامس فی زلزۃ القاری، ط: دار الفکر - بیروت.

وفي الكبيرى: ولو قرأ: "إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات" ووقف، وقرأ بعد الوقف التام "أولئك أصحاب الجحيم"، و"أولئك هم شر البرية"... وما أشبه ذلك مما فيه تغيير حكم الله على أحد الفريقين بضده، لا تفسد لصيرورة الكلام الثاني مبتدأ به غير متصل بالأول فلم يتعين الحكم بضده. (صفحہ: ۴۵۶) [۱]

البتہ بغیر وقف کے، ساتھ ہی پڑھ لیا، تو معنی فاسد ہو جانے کی بناء پر نماز فاسد ہو جائے گی: ولو لم يقف ووصل، قال عامة المشائخ: تفسد صلواته؛ لأنه أخبر بخلاف ما أخبر الله تعالى به ولو اعتقده يكون كفرا كبيرا. (صفحہ: ۴۵۶) [۲]

وفي العالمگیری: تفسد عند عامة علمائنا وهو الصحيح. هكذا في الخلاصة. (ص: ۷۳) [۳]  
مگر غلط بلا وقف پڑھنے کے بعد اصلاح کر لی، تو نوافل اور تراویح میں نماز صحیح ہو جائے گی۔ اعادہ کی ضرورت نہیں، البتہ فرائض میں غلط پڑھنے کے بعد اسی رکعت میں یا دوسری رکعت میں اصلاح کر لی، تو احتیاطاً نماز کو لوٹا لے، حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب "استاذ محترم نے اعادہ کا حکم فرمایا تھا اور فرماتے تھے کہ بناء الفاسد علی الفاسد فاسد۔

فتاویٰ کاملیہ، فتاویٰ قاضی خان وغیرہ میں اصلاح کے بعد بھی عدم صحت صلاۃ کو لکھا ہے؛ لیکن ائمہ سے ایسی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں؛ لہذا عموم بلوی کی وجہ سے، جب کہ ایام گزر جائیں، نماز کی صحت کا حکم لگایا جائے گا۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے نماز کی صحت کا حکم لگایا ہے، جب کہ اسی رکعت میں اصلاح کر لی جائے؛ لہذا تحریر کردہ صورت میں اعادہ نماز کی ضرورت نہیں۔ (امداد الفتاویٰ، جلد ۱، صفحہ ۲۵۴) [۴]  
فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] حلبی کبیر، ص: ۴۲۰، فصل فی بیان أحكام زلة القاری الواقعة فی الصلاة، ط: دار الكتاب - دیوبند.

[۲] المصدر السابق.

[۳] الفتاویٰ الہندیۃ: ۸۱/۱، الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الخامس فی زلة القاری.

[۴] مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: امداد الفتاویٰ: ۱/۱۶۸، باب شروط الصلاة و صفتها، ط: دار العلوم، کراچی ☆ احسن الفتاویٰ: ۳/۴۴۵، مسائل زلة القاری ☆ فتاویٰ دار العلوم ۴/۸۱، مسائل زلة القاری، دار الاشاعت - پاکستان ☆ فتاویٰ حقانیہ: ۳/۱۷۷، باب القراءة، لاہور - ☆ نیز تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے "آیت کی تبدیلی میں تغیر فاحش ہو گیا، تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟" اور "کیا اسی رکعت میں اصلاح ضروری ہے، بعد میں اصلاح کافی نہیں؟" کا حاشیہ نمبر ۱۳ اور ۵۔

## [۶] قراءت میں غلطی کے بعد اصلاح کر لینے سے نماز کا حکم

۸۷۰-سوال: امام نے نماز میں آیت: {وَيُعَذِّبُ الْمُنْفِقِينَ وَالْمُنْفِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ بِاللَّهِ ظَالِمِينَ} (۱) کی بجائے ”وَيُعَذِّبُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ“ پڑھا، تو نماز باقی رہی یا فاسد ہوگئی؟ اور اگر کوئی مقتدی امام کو لقمہ دے، پھر امام صحیح آیت پڑھ لے، تو کیا حکم ہے؟ نماز صحیح رہے گی یا فاسد ہو جائے گی؟

### الجواب حامدًا ومصلياً:

قرأت میں امام سے ایسی غلطی ہو جائے، جس سے معنی میں تغیر فاحش ہو جائے، تو نماز فاسد ہو جاتی ہے، دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن اگر امام نے غلطی کر کے خود ہی اس کو اسی رکعت میں صحیح کر لیا، یا مقتدی نے لقمہ دیا اور امام نے غلطی کی اصلاح کر لی، تو نماز صحیح ہو جائے گی؛ کیوں کہ عامۃً اماموں سے ایسی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں، اگر اس وقت بھی نماز کا اعادہ ضروری ہو، تو لوگ حرج میں مبتلا ہوں گے۔ (۱)

لہذا صورت مسئلہ میں اگر امام نے غلط پڑھنے کے بعد اسی رکعت میں اس کی اصلاح کر لی ہو، تو گنماز ہو جائے گی اور اگر اصلاح نہ کی ہو، تو نماز فاسد ہوگی، اعادہ ضروری ہوگا۔ (امداد الفتاویٰ: ۱/۲۵۶) [۲] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] امام کا ”إن الأبرار لفي نعيم“ کے بجائے ”إن الأبرار لفي جحيم“ پڑھ کر اصلاح کر لینا

۸۷۱-سوال: امام صاحب نے فجر کی نماز میں ”إن الأبرار لفي نعيم“ کے بجائے ”إن

(۱) ۳۸-فتح: ۶۔

(۲) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے ”آیت کی تبدیلی میں تغیر فاحش ہو گیا، تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟“ اور ”کیا اسی رکعت میں اصلاح ضروری ہے، بعد میں اصلاح کافی نہیں؟“ کا حاشیہ نمبر ۱۳ اور ۵۔

[۳] سوال: اگر کسے فَأَقَامَن فَعَلَّتْ مَوَازِينُهُ فَأَقَامَهُهَا وَيَوْمَئِذٍ فِي الْقُورِ مَحْمِشٌ مُنْمُودَةٌ نماز ادا کر دے، نماز صحیح یا شد یا نہ؟

الجواب: في العالم غيرية: ذكر في الفوائد لو قرأ في الصلاة بخطأ فاحش ثم رجع وقرأ صحيحاً قال عندي صلاحه جائزة. وكذلك الأعراب، ۵۱: ج ۱، ص ۵۱، قلت: وكذلك سمعت شيوخنا مولانا محمد يعقوب رحمه الله تعالى. پس بناءً على نماز این کس صحیح یا شد۔ (امداد الفتاویٰ: ۱/۲۵۵-۲۵۵، صحت صلاۃ بعد تدارک زلہ القاری، سوال نمبر: ۲۲۵، ط: زکریا-یوبند)



الأبرار لفي جحيم“ پڑھ لیا، لیکن فوراً متنبہ ہوئے، اور اُسے دہرا کر ”إن الأبرار لفي نعيم“ پڑھ لیا، تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

### الجواب حامدًا ومصلياً:

مذکورہ صورت میں اگر امام صاحب فوراً دہرا کر اصلاح نہ کر لیتے، تو نماز فاسد ہو جاتی؛ لیکن جب انہوں نے دہرا کر اصلاح کر لی، تو نماز صحیح ہوگئی، اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری: ۸۲/۱)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] امام نے يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَسَاءِ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ پڑھا تو؟

۸۷۲-سوال: امام صاحب نے نماز میں ”يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ“ کی بجائے ”يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ“ پڑھا، لقمہ دینے کے باوجود پھر سے یہی غلطی کی تو نماز میں کوئی نقصان آیا یا نہیں؟

### الجواب حامدًا ومصلياً:

نماز صحیح ہوگئی؛ کیوں کہ معنی میں ایسا تغیر فاحش نہیں ہوا کہ جس سے نماز کے فساد کا حکم لگے، البتہ امام صاحب کو احتیاط کرنا ضروری ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] تجوید کے لحاظ سے امام صاحب کی قراءت صحیح نہ ہونے پر کیا حکم ہے؟

۸۷۳-سوال: بولٹن، انگلینڈ کی ایک مقامی مسجد کے امام جامعہ حسینہ رانڈیر کے فارغ التحصیل ہیں، نام مولوی عبدالرشید ہے، قراءت صحیح نہ ہونے کی وجہ سے ان پر بار بار سوالات اٹھتے رہتے ہیں، ایک

(۱) ذكر في الفوائد لو قرأ في الصلاة بخطأ فاحش ثم رجع وقرأ صحيحاً قال عندي صلاته جائزة. (الفتاوى الهندية: ۸۲/۱، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، ط: زكريا-ديوبند) مزيد تفصيل کے لیے دیکھیے: رد المحتار على الدر المختار: ۶۳۰/۱-۶۳۲، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما لا يكره فيها، مطلب مسائل زلة القاري.

(۲) إن كانت الكلمة التي قرأها مكان كلمة يقرب معناها وهي في القرآن لا تفسد صلاته نحو إن قرأ مكان العليم الحكيم وإن لم تكن تلك الكلمة في القرآن لكن يقرب معناها عن أبي حنيفة ومحمد - رحمهما الله تعالى - لا تفسد. (الفتاوى الهندية: ۸۰/۱، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، ط: دار الفكر - بيروت)

مرتبہ مسجد کی کمیٹی نے ان کو نوٹس بھی دی، نماز میں بھی غلطیاں ہوتی ہیں اور رمضان المبارک میں تو تراویح میں بے شمار غلطیاں ہوتی ہیں، بسا اوقات نماز کے فساد کا بھی اندیشہ ہو جاتا ہے۔

لوگ سمجھ رہے تھے کہ ان کی قراءت اس حد تک غلط ہے کہ نماز فاسد ہو جاتی ہے، حالاں کہ فساد نماز کا الزام ان پر بے بنیاد تھا۔ اس کے باوجود ہم کمیٹی کے ممبران نے نمازوں کے فساد کو ثابت کرنے کا چیلنج کیا، کمیٹی کے ممبران دس پندرہ آدمیوں کی بات سن کر ان کو اپنے منصب امامت سے برطرف کرنا چاہتے تھے؛ لیکن بعد میں کمیٹی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور نمازوں کے عدم فساد اور غلط الزام لگانے کو انہوں نے قبول کیا اور امام صاحب کو ان کے منصب پر برقرار رکھا۔ تاہم امامت کی ذمہ داری ان پر سے اٹھالی؛ صرف یہ طے ہوا کہ اصل امام صاحب کی غیر حاضری میں امامت کر سکتے ہیں۔

اب پھر کمیٹی کے افراد کا یہ کہنا ہے کہ اصل امام صاحب کی غیر حاضری میں جب بھی وہ امامت کرتے ہیں، تو اس وقت لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو جاتی ہیں؛ اس لیے کمیٹی کے لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس سلسلے میں کسی مفتی صاحب سے مشورہ کیا جائے، اور مولوی عبدالرشید کی نماز اور ان کی قرات مفتی صاحب کو سنائی جائے، ان سے فتویٰ دریافت کیا جائے، مفتی صاحب کا جو فتویٰ ہوگا، اس پر عمل کیا جائے گا، چنانچہ ایک مفتی صاحب کے فتویٰ پر مولوی عبدالرشید صاحب کو ان کے منصب امامت سے علاحدہ کر دیا گیا اور مدرسے میں صرف صدر مدرس کی حیثیت سے ان کو برقرار رکھا گیا۔

اس کے بعد اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے لندن کے مفتی عبدالباقی صاحب یہاں تشریف لے آئے، انہوں نے مولوی عبدالرشید صاحب کی قرات وغیرہ سنی اور اپنا حسب ذیل فتویٰ جاری کیا:

”۳ جولائی ۱۹۷۷ء کو بولٹن میں حاضری ہوئی، حاضری کا مقصد ایک تنازعے کو حل کرنا تھا، جو وہاں کے امام صاحب جناب مولوی عبدالرشید، مسجد کے متولی صاحبان اور وہاں کے مصلیان کے درمیان تھا، امام صاحب پر دو اعتراض تھے: (۱) امام صاحب تراویح میں قرآن مجید سناتے وقت بھول جاتے ہیں اور حروف کاٹ دیتے ہیں۔ (۲) دوسرا یہ کہ ان کی قراءت اچھی نہیں ہے، اور حروف کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ میں نے امام صاحب سے کمیٹی کے چند افراد کی موجودگی میں یعنی مولانا یوسف متالا صاحب اور ان کے علاوہ دوسرے چند حضرات کی موجودگی میں ان کی تلاوت سنی، امام صاحب نے تجوید کے لحاظ سے کچھ غلطیاں کی ہیں؛ لیکن فقہی لحاظ سے کوئی غلطی نہیں ہے، حضرات فقہائے کرام کے نزدیک ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہو جاتی

ہے، نفس قراءت کی حد تک امام کے اندر کوئی خرابی نہیں ہے، یہ فقہ کا مسئلہ ہے، اور حضرات فقہائے کرام نے ایسے امام صاحب کے پیچھے بلا کسی شک و شبہ کے نماز کی اجازت دی ہے؛ رہا قاری صاحبان کا مسلک، تو وہ حضرات اخفاء، اظہار، قلقلہ وغیرہ کو بھی ضروری سمجھتے ہیں؛ اس لیے وہ حضرات اخفاء کی جگہ اظہار، اظہار کی جگہ اخفاء اور قلقلہ کی جگہ عدم قلقلہ وغیرہ کو قابل اعتراض سمجھتے ہیں۔

امام صاحب پر دوسرا اعتراض تراویح میں قرآن مجید کے بھول جانے کا ہے، تو اس کا حل یہ ہے کہ امام صاحب سے تراویح نہ پڑھوائی جائے، یعنی وہ تراویح میں قرآن مجید کو نہ سنائیں؛ یہ فیصلہ دیانت و امانت کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے، کسی جانب کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے۔“

کتبہ عبدالباقی عفی عنہ مفتی لندن

ان کے فتویٰ کی وجہ سے مولوی عبدالرشید صاحب کو امامت کی ذمہ داری دوبارہ حوالے کر دینی چاہیے تھی؛ لیکن کمیٹی کے ممبران نے ایسا نہیں کیا، اس کے بعد میں نے کمیٹی کے لوگوں کو ایک خط لکھا، جس میں میں نے یہ لکھا کہ: ”آپ لوگوں نے مولوی عبدالرشید صاحب کو امامت کی ذمہ داری مفتی عبدالباری کے فتویٰ کے باوجود کیوں حوالے نہیں کی، ان کو کس وجہ سے آپ حضرات نے امامت کی ذمہ داری سے علاحدہ کیا تھا؟“

لیکن کمیٹی کے لوگوں نے آج تک مجھے اس کا جواب نہیں دیا، جب کہ خط لکھے ہوئے آج تقریباً تین ہفتے ہو چکے ہیں؛ البتہ کمیٹی کے لوگوں نے مولوی عبدالرشید صاحب کو اپنے یہاں بلا کر یہ کہا کہ: لوگوں کی شکایات بہت آتی رہتی ہیں؛ اس لیے ہمارا آپ کے متعلق فیصلہ یہ ہے کہ آپ از خود اپنا استعفیٰ نامہ پیش کر دیں، تاکہ آپ کی بھی عزت برقرار رہے۔ اس پر مولوی عبدالرشید صاحب نے یہ کہا کہ: میں بے قصور ہوں، میں از خود اپنا استعفیٰ نامہ پیش نہیں کروں گا، آپ کو جیسا مناسب لگے، ویسا کیجئے۔

اس کے بعد کمیٹی نے مولوی عبدالرشید صاحب کو علاحدہ ہونے کی نوٹس دے دی ہے کہ تاریخ ۱۱/۱۱/۱۹۷۷ء سے آپ کو علاحدہ کیا جا رہا ہے؛ کیوں کہ آپ کی وجہ سے ہم کمیٹی ممبران کو عوام کے ساتھ بار بار تکرار اور بحث و مباحثے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس پر حسب ذیل چند سوالات ہیں، جن کے جوابات مطلوب ہیں:

- (۱) مولوی عبدالرشید صاحب کا پڑھنا دل کش نہیں ہے۔
- (۲) کمیٹی کے ممبران کا یہ کہنا کہ مولوی عبدالرشید رمضان المبارک میں جب تراویح پڑھاتے ہیں

توان سے بہت غلطیاں ہوتی ہیں، اس کا حل مفتی صاحب نے یہ بتایا کہ مولوی عبدالرشید تراویح نہ پڑھائیں۔  
 (۳) مفتی صاحب نے اپنے فتویٰ میں فقہ اور قرأت کے مابین جو فرق کیا ہے، وہ نہ تو عوام کی سمجھ میں آتا ہے اور نہ تو کمیٹی کے ممبران کی سمجھ میں؛ اس لیے کمیٹی کے ممبران امام صاحب کو ان کے منصب سے یہ بہانہ بنا کر علاحدہ کرنا چاہتے ہیں کہ ان کی نماز نہیں ہوتی۔

(۴) مفتی صاحب کے فتویٰ کے مطابق مولوی عبدالرشید صاحب کے پیچھے بلا کسی شک و شبہ کے نماز ہو جائے گی۔

(۵) کمیٹی، جن عوام کے اعتراض کی بات کرتی ہے، ان کی تعداد پندرہ سے زیادہ نہیں ہے۔  
 اب شریعت مطہرہ اور فقہ کی روشنی میں حضرت والا سے گزارش ہے کہ بتائیں کہ کمیٹی کے ممبران مولوی عبدالرشید کو اپنی امامت کی ذمہ داری سے سبک دوش کرنے میں حق بہ جانب ہیں یا پھر وہ ان پر ظلم کر رہے ہیں؟

نوٹ: یہ ایک حقیقت ہے کہ مولوی عبدالرشید صاحب کا تقرر آج سے تقریباً چار سال پہلے ہوا تھا، اس کے بعد سے ان کے پیچھے مسلسل اعتراضات کی بارش ہوتی رہتی ہے اور لوگ برابراں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، یہاں تک کہ ایک شخص نے میرے نام سے یہاں کی ہیڈ آفس (جہاں دوسرے ممالک سے آنے والے حضرات کے لیے انگلینڈ میں رہنے کے حقوق وغیرہ سے متعلق کارروائیاں کی جاتی ہیں) سے یہ عرضی لکھی کہ مولوی عبدالرشید صاحب کو انگلینڈ سے واپس اپنے ملک میں بھیج دیا جائے۔

مولوی عبدالرشید کو ابھی تک انگلینڈ میں رہنے کا باقاعدہ کوئی حق نہیں ملا ہے، ہر سال کمیٹی کے ممبران ان کا پاسپورٹ یہاں کی ہیڈ آفس میں بھیجتے ہیں اور وہاں سے ایک ایک سال کے ویزے لگواتے ہیں، اس طرح سے پانچ سال گزرنے پر ہی ان کو دائمی حق رہائش ملے گا اور بڑے مزے کی بات تو یہ ہے کہ کمیٹی جب بھی مولوی عبدالرشید کو الگ ہونے کی نوٹس دیتی ہے اس وقت بڑا نازک حال ہوتا ہے، یعنی مولوی عبدالرشید کا پاسپورٹ اس وقت ہیڈ آفس میں بھیجنے کا وقت بالکل قریب آچکا ہوتا ہے، بس یہ ان کی پوری حقیقت ہے؛ اس لیے حضرت والا سے گزارش ہے کہ بتائیں اس میں کون حق پر ہے اور کون حق پر نہیں ہے؟

## الجواب حامدا ومصليا:

آپ کا مذکورہ استفتاء اور مفتی عبدالباقی صاحب کا فتویٰ میں نے پڑھا۔  
فتوے کے بعد بھی کمیٹی کے ممبران نے مولوی عبدالرشید صاحب کو منصب امامت سے علاحدہ  
کر دیا، آخر کیوں؟

مولوی عبدالرشید صاحب جو پڑھتے ہیں، اگر اس میں سننے والے کو اشتباہ ہوتا ہے، تو محض اشتباہ کی  
وجہ سے کوئی حکم نہیں لگے گا۔ اور اگر امام صاحب کی غلطی کا تعلق مد، غنہ، اور حروف کو باریک اور پُر پڑھنے  
سے ہے، تو نماز صحیح ہو جائے گی، نماز پر کسی طرح کے فساد کا حکم نہیں لگے گا۔ (فتاویٰ دارالعلوم)<sup>[۱]</sup>

اگر پڑھنے میں حروف بدل جاتے ہیں (ز) کی جگہ (ج)، (ص) کی جگہ (س) اور (ش) کی جگہ  
(ث) وغیرہ پڑھتے ہیں اور ترجمہ بالکل بدل جاتا ہے، تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ (شامی: ۱/۵۹۲)<sup>[۲]</sup>

[۱] سوال: لفظ ”علیہم“..... کے لئے پر نو، دس الف کے برابر مد کھینچ کر پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟  
سوال: (۲) جس جگہ میم اور نون کو غنہ کر کے پڑھا جاتا ہے، اس جگہ میم اور نون کو ظاہر کر کے پڑھے، تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟  
الجواب: یہ ظاہر ہے کہ حسب قاعدہ تجوید اس جگہ مد نہیں ہے؛ لہذا یہ کن ہے، اور خطا ہے؛ مگر نماز ہو جاتی ہے۔  
(۲) اس صورت میں نماز صحیح ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸۰۴-۸۱، باب زلۃ القاری، علیہم کلام زیادہ کھینچا، تو نماز ہوئی یا نہیں، سوال نمبر: ۱۳۳۶-۱۳۳۷)  
[۲] ولوزاد کلمة أو نقص کلمة أو نقص حرفا، أو قدمه أو بدله بأخر نحو من ثمره إذا أثمر واستحصد - تعالیٰ جد  
ربنا - انفرجت بدل - انفجرت - إياب بدل - أواب - لم تفسد ما لم يتغير المعنى إلا ما يشق تمييزه كالضاد والطاء  
فأكثرهم لم يفسدها. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله إلا ما يشق إلخ) قال في الخانية والخلاصة: الأصل فيما إذا ذكر حرفا مكان حرف وغير  
المعنى إن أمكن الفصل بينهما بلا مشقة تفسد، وإلا يمكن إلا بمشقة كالطاء مع الضاد المعجمتين والصاد مع  
السين المهملتين والطاء مع التاء قال أكثرهم لا تفسد. اهـ. وفي خزائن الأكملة قال القاضي أبو عاصم: إن تعمد  
ذلك تفسد، وإن جرى على لسانه أو لا يعرف التمييز لا تفسد، وهو المختار حلية وفي الجزاية: وهو أعدل  
الأقوال، وهو المختار اهـ وفي التتارخانية عن الحاوي: حكى عن الصفار أنه كان يقول: الخطأ إذا دخل في  
الحروف لا يفسد لأن فيه بلوى عامة الناس لأنهم لا يقيمون الحروف إلا بمشقة. اهـ. وفيها: إذا لم يكن بين الحرفين  
اتحاد المنخرج ولا قربه إلا أن فيه بلوى العامة كالذال مكان الصاد أو الزاي المحض مكان الذال والطاء مكان  
الضاد لا تفسد عند بعض المشايخ. اهـ.

قلت: فينبغي على هذا عدم الفساد في إبدال التاء سينا والقاف همزة كما هو لغة عوام زماننا، فإنهم لا يميزون بينهما  
ويصعب عليهم جدا كالذال مع الزاي ولا سيما على قول القاضي أبي عاصم وقول الصفار، وهذا كله قول =

البتہ مشورتا چند باتیں عرض کرتا ہوں:

(۱) کمیٹی کے تمام ممبران کی اہم ذمہ داری ہے کہ امامت کا منصب ایسے عالم کے حوالے کرے، جو متقی اور پرہیزگار ہو، اور نماز کے مسائل سے واقف ہو، اگر مذکورہ شخص عالم نہیں ہے، تو امامت کی ذمہ داری ایسے آدمی کے حوالے کرے، جو قرآن مجید اچھے طریقے سے پڑھ سکتا ہو اور اس کی امامت سے لوگ خوش ہوں، یعنی دینی اعتبار سے وہ ایسا آدمی ہو کہ لوگ اس کو پسند کرتے ہوں۔<sup>(۳)</sup>

اس لیے مولوی عبدالرشید صاحب سے بہتر کوئی امام ملتا ہو، جو قرآن مجید بھی اچھا پڑھتا ہو اور علم قراءت سے بھی اچھی طرح واقف ہو، تو امامت کی ذمہ داری اس کے حوالے کر دی جائے، اگر مذکورہ شرائط کے مطابق فی الحال کوئی امام نہ ملتا ہو، تو عارضی طور پر یہ ذمہ داری مولوی عبدالرشید کے حوالے کی جاسکتی ہے، جب اچھا آدمی مل جائے، تو یہ ذمہ داری ان سے واپس لے لی جائے۔

(۲) کتنے لوگ ان کے مخالف ہیں اور کتنے موافق؟ یہ تنازعہ اخلاص کے ساتھ حل کرنے کی کوشش کریں، اپنے کسی ذاتی مقصد کو پیش نظر نہ رکھیں اور نہ ہی اپنے دل کی بھڑاس نکالنا مقصود ہو، کہ یہ خواہش نفس کی پیروی ہے۔<sup>(۴)</sup>

= المتأخرین، وقد علمت أنه أوسع وأن قول المتقدمين أحوط قال في شرح المنية: وهو الذي صححه المحققون وفعروا عليه، فاعمل بما تختار، والاحتياط أولى سيما في أمر الصلاة التي هي أول ما يحاسب العبد عليها. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۳۲-۶۳۳، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب إذا قرأ قوله تعالى جددك " بدون ألف لا تفسد، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۷۹، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، ط: زكريا - ديوبند)

(۳) الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة. هكذا في المضمرة وهو الظاهر. هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا في التبيين ولم يطعن في دينه. كذا في الكفاية وهكذا في النهاية. ويجتنب الفواحش الظاهرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۳، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، مكتبة زكريا - ديوبند ☆ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۱/ ۱۵۷، كتاب الصلاة، فصل بيان من هو أحق بالإمامة وأولى بها، ط: دار الكتب العلمية ☆ تحفة الفقهاء - أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو: ۵۳۰هـ): ۱/ ۲۳۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۴) يَدَاؤُدَا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ يَوْمَ تُنْفَخُ الْأَسْبَابُ ﴿۳۸﴾ (س: ۲۶)

(۳) مولوی عبدالرشید صاحب کو مدرس سے علاحدہ نہ کریں، بل کہ جہاں تک ہو سکے ان کی دل داری کریں، اور ان کو صدر مدرس کے عہدہ پر بحال رکھیں۔

(۴) اگر تراویح میں ان سے بہ کثرت غلطیاں ہوتی ہوں، تو تراویح کے لیے کسی دوسرے شخص کا انتخاب کیا جائے اور ان کو تراویح کی ذمہ داری سے سبک دوش کیا جائے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۰] سورۃ عادیات کی آیتوں میں وصل کرتے ہوئے تنوین کو ظاہر نہ کرنا

۸۷۴-سوال: امام صاحب نے سورۃ عادیات کی تلاوت کی اور ضبحاً، قدحاً، صبحاً، نقعاً اور جمعاً کو ایک ساتھ پڑھا کسی آیت پر انہوں نے وقف نہیں کیا، وصل کی صورت میں چون کہ تنوین کو ظاہر کرنا چاہیے تھا اور ضبحاً، قدحاً، صبحاً، نقعاً اور جمعاً تنوین کے ساتھ پڑھنا چاہیے تھا، مگر انہوں نے وصل کرنے کے باوجود تنوین کو ظاہر نہیں کیا اور الف کے ساتھ پڑھتے ہوئے گزر گئے، تو کیا تنوین کو ظاہر نہ کرنے کی صورت میں نماز میں کوئی حرج لاحق نہیں ہوگا؟ چون کہ نماز میں پہلی تین آیات کا صحیح ہونا ضروری ہے؛ لیکن امام صاحب نے تو پہلی تین آیات ہی کو تجوید کے لحاظ سے غلط پڑھا ہے، تو اس طرح پڑھنے سے نماز کو لوٹانا پڑے گا یا نہیں؟

### الجواب حامداً ومصلياً

صورت مسؤلہ میں سانس توڑے بغیر تمام کلمات کو ایک ساتھ پڑھنا اور ان پر تنوین کو ظاہر نہ کرنا تجوید کے قواعد کے لحاظ سے لحن خفی ہے، اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۱] امام کو متنبہ کرنے کی غرض سے ”جزاک اللہ“ کہنا

۸۷۵-سوال: امام صاحب کو نماز کے دوران کسی غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے جزاک اللہ کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ جزاک اللہ کہنے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی، یہ تو یقینی ہے؛ لیکن کیا امام اس جزاک اللہ

(۱) ومنها القراءة بالالحن إن غير المعنى والالاف في حرف مدولين إذا فحش وإلا لا بزاوية، ومنها لة القارئ، فلو في إعراب أو تخفيف مشدد وعكسه، أو بزيادة حرف، فأكثر نحو الصراط الذين، أو بوصل حرف بكلمة نحو إياك نعبد، أو بوقف وابتداء لم تفسد وإن غير المعنى به يفتى بزاوية. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۶۳۰-۶۳۲، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فروع مشي المصلي مستقبل القبلة هل تفسد صلاته، ط: دار الفكر)

کے مطابق عمل کر لے، یعنی رکوع وغیرہ میں چلا جائے، تو اس کی بھی نماز فاسد ہو جائے گی یا نہیں؟

واقعہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ رمضان المبارک میں ”شبینہ تراویح“ کے پروگرام میں ایک رکعت میں ڈیڑھ ڈیڑھ پارہ پڑھنے کی وجہ سے مقتدی حضرات تھک گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی بیٹھ کر نماز پڑھنے لگا، کوئی نماز توڑ کر بیٹھ گیا، وغیرہ وغیرہ۔ یہ حالت دیکھ کر ایک ذمہ دار صاحب نے۔ جو دوسری مسجد سے تراویح پڑھ کر آئے تھے۔ نماز میں شامل ہوئے اور امام صاحب کو جزاک اللہ کہا، جس کی وجہ سے امام صاحب نے فوراً رکوع اور سجدہ وغیرہ ادا کر کے نماز پوری کر دی، تو کیا اس طرح جزاک اللہ کے ذریعہ امام کو متنبہ کر سکتے ہیں؟

### الجواب حامدا ومصليا:

امام صاحب کو نماز کی اصلاح کی غرض سے تنبیہ کرنا جائز ہے؛<sup>(۱)</sup> اس کے لیے ”سبحان اللہ“ لفظ استعمال کیا جاتا ہے؛ لیکن دوسرا لفظ کہہ دے، تو اس سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی۔

مذکورہ صورت میں ”جزاک اللہ“ نماز کو مختصر کرنے کی غرض سے کہا گیا ہے، تو یہ تعلیم ہوئی، لہذا خود مصلیٰ کی نماز فاسد ہوگئی اور امام نے فوراً اس کی تنبیہ پر عمل کیا، لہذا امام کی نماز بھی فاسد ہوگئی، اگر امام صاحب تھوڑی دیر کے بعد اپنی مرضی کے مطابق نماز کو مختصر کرتے، تو کوئی حرج نہیں تھا۔ (رد المحتار: ۱/۶۲۲)<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) وفتحہ علیٰ امامہ جائز، ولو قرأ المفروض أو انتقل لآية أخرى على الصحيح لإصلاح صلاتهما. (مراقی الفلاح) قال الطحطاوي: قوله: " وفتحہ علیٰ امامہ جائز " لما روي أنه صلى الله عليه وسلم قرأ في الصلاة سورة المؤمنين، فترك كلمة، فلما فرغ، قال: ألم يكن فيكم أمي؟ قال: بلى، قال: هلا فتحت علي؟ قال: ظننت أنها نسخت، فقال صلى الله عليه وسلم: " لو نسخت لأعلمتكم "، وقال: " إذا استطعمك الإمام فأطعمه " أي إذا استفتحك الإمام فافتح عليه والصحيح أنه ينوي الفتح دون التلاوة؛ لأن الفتح مرخص فيه وقراءة المقتدي محظورة... قوله: " لإصلاح صلاتهما " لأنه لو لم يفتح ربما يجري على لسانه ما يكون مفسداً، فيكون فيه إصلاح صلاة الإمام، وبإصلاحها تصلح صلاة المقتدي. (حاشية الطحطاوي على مراقی الفلاح- الطحطاوي (م: ۲۳۱ هـ)، ج: ۳۳۳، باب ما يفسد الصلاة، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

[۲] ( وفتحہ علیٰ غیر امامہ) إلا إذا أراد التلاوة وكذا الأخذ، إلا إذا تذكر فتلا قبل تمام الفتح (بخلاف فتحه على امامه) فإنه لا يفسد (مطلقاً) لفتاح وأخذ بكل حال، إلا إذا سمعه المؤتم من غير مصل ففتح به تفسد صلاة الكل، وينوي الفتح لا القراءة. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله وفتحہ علیٰ غیر امامہ) لأنه تعلم وتعليم من غير حاجة بحر. وهو شامل لفتح المقتدي على مثله وعلى المنفرد وعلى غير المصلیٰ وعلى امام آخر، لفتح الإمام والمنفرد على أي شخص كان إن أراد به =



[۱۲] "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ" الآية کے بجائے يَا أَيُّهَا النَّاسُ پڑھنا

۸۷۶-سوال: کسی امام نے اٹھائیسویں پارہ کے آخری صفحہ کی آیت يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ

الْكُفَّارَ<sup>(۱)</sup> کے بجائے نماز میں يَا أَيُّهَا النَّاسُ جَاهِدِ الْكُفَّارَ پڑھا، تو نماز درست ہوگی یا نہیں؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ کی جگہ يَا أَيُّهَا النَّاسُ پڑھنے سے معنی اور مطلب میں زیادہ فرق نہیں پڑتا ہے؛ اس لیے

بھول کر ایسا پڑھنے کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی، البتہ عمداً اس طرح پڑھنے سے نماز فاسد ہو جائے گی، اور گنہ

گار ہوگا۔ (ردالمحتار: ۱/۶۳۰) [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= التعليم لا التلاوة نهر. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۶۲۲، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع سمع

المصلي اسم الله تعالى فقال جل جلاله أو النبي صلى الله عليه وسلم فصلي عليه، ط: دار الفكر - بيروت)

"و" يفسدها "فتحه" أي المصلي "على غير إمامه" لتعليمه بلا ضرورة. (مراقى)

قوله: "على غير إمامه" سواء كان الغير في الصلاة أم لا هذا إذا قصد تعليمه لأنه يقع جوابا من غير ضرورة فكان من

كلام الناس وإن أراد القراءة دون التعليم لا تفسد كما في مسكين وغيره. (حاشية الطحطاوي على مراقى الفلاح: ۳۳۷)

مزید دیکھیے: البحر الرائق: ۲/۳، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، ط: دار الكتاب ديوبند.

(۱) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَيُنْسُ الصُّبُرُ ۝ (۶۶) - الخ: ۹: ۹۶ - التوبة: ۷۳)

(۲) ولوزاد كلمة أو نقص كلمة أو نقص حرفا، أو قدمه أو بدله بآخر نحو من ثمره إذا أثمر واستحصد - تعالى جد

ربنا - انفرجت بدل - انفجرت - إياب بدل - أواب - لم تفسد ما لم يتغير المعنى إلا ما يشق تمييزه كالضاد والظاء

فأكثرهم لم يفسدها. (الدر المختار: ۱/۶۳۲-۶۳۳)

قال ابن عابدين: (قوله أو بدل بآخر) هذا إما أن يكون عجزا كالألثغ وقدمنا حكمه في باب الإمامة، وإما أن يكون

خطأ، وحينئذ فإذا لم يغير المعنى، فإن كان مثله في القرآن نحو (إن المسلمون) لا يفسد، وإلا نحو (قيامين

بالقسط)، وكمثال الشارح لا تفسد عندهما، وتفسد عند أبي يوسف، وإن غير فسدت عندهما؛ وعند أبي يوسف

إن لم يكن مثله في القرآن، فلو قرأ (أصحاب الشعير) بالشين المعجمة فسدت اتفاقا وتامه في الفتح. (رد المحتار

على الدر المختار: ۱/۶۳۳، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فروع مشى المصلي مستقبل القبلة

هل تفسد صلاته، ط: دار الفكر - بيروت)

(ومنها) ذكر كلمة مكان كلمة على وجه البدل إن كانت الكلمة التي قرأها مكان كلمة يقرب معناها وهي في القرآن

لا تفسد صلاته. (الفتاوى الهندية: ۱/۸۰، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة

القارئ، ط: دار الفكر - بيروت ☆ خلاصة الفتاوى: ۱/۱۱۵، كتاب الصلاة، تقديم الحروف والكلمة مكان

الكلمة، ط: اشرفيه - ديوبند)

## [۱۳] امام کا قراءت میں وقف وغیرہ میں غلطی کرنا اور آیتوں کا بھول جانا

۸۷۷-سوال: امام صاحب نے فجر کی نماز اس طرح پڑھائی کہ پہلی رکعت میں سورہ انبیاء کے آخری رکوع کی تلاوت کی، تین آیت درست پڑھی، اس کے بعد آگے کی آیت بھول گئے اور "ولقد کتبنا" والی آیت پڑھنے لگے، پیچھے سے ایک مقتدی نے لقمہ دیا "انکم وما تعبدون من" والی آیت کا؛ لیکن امام صاحب نے لقمہ نہیں لیا اور "ولقد کتبنا" والی آیت دو سے تین مرتبہ پڑھی، پھر خیال آیا، تو "لہم فیہا زفیر" والی آیت پڑھی اور "اولئک عنہا مبعدون" کی جگہ "ہم الفسقون یا ہم الغفلون" پڑھ دیا، یہاں تک کہ سورہ انبیاء ختم کر ڈالی اور اس کسمپرسی کے عالم میں پہلی رکعت پوری ہوئی۔

دوسری رکعت میں سور فاتحہ کے بعد سورہ حشر کے آخری رکوع کی تلاوت کی اور دوسری رکعت ختم ہوئی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ فجر کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ کیا اس کا دوبارہ اعادہ لازم ہوگا؟ بیّنوا تو جروا۔

### الجواب حامدا ومصليا:

تحریر کردہ صورت میں امام کے لیے افضل اور مستحب تھا کہ رکوع کر لیتے اور دوسری رکعت میں دوسری سورت کی قراءت کرتے، مگر جب غلط سلسلہ قرأت کر لی، تو عموم بلوی کی وجہ سے نیز بقیہ آیت پر وقف کر دینے اور "ہم الغفلون" یا "لہم فیہا زفیر" پر وقف کرنے کے بعد پڑھ لینے کی وجہ سے نماز صحیح ہوگئی۔ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ کسی نے الذین آمنوا و عملوا الصلحت پر وقف کر دیا، اس کے بعد "اولئک اصحاب الجہیم" یا "اولئک ہم شر البریۃ" پڑھا، تو نماز صحیح ہو جائے گی۔<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] (ومنها الوقف والوصل والابتداء في غير موضعها) إذا وقف في غير موضع الوقف أو ابتداء في غير موضع الابتداء إن لم يتغير به المعنى تغيرا فاحشا نحو أن يقرأ {إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات} [البينة: ۷] ووقف ثم ابتداء بقوله {أولئك هم خير البرية} [البينة: ۷] لا تفسد بالإجماع بين علمائنا. هكذا في المحيط وكذا إن وصل في غير موضع الوصل كما لو لم يقف عند قوله أصحاب النار بل وصل بقوله {الذين يحملون العرش} [غافر: ۷] لا تفسد لكنه قبيح. هكذا في الخلاصة وإن تغير به المعنى تغيرا فاحشا نحو أن يقرأ {شهد الله أنه لا إله} [آل عمران: ۱۸] ووقف ثم قال: {إلا هو} [آل عمران: ۱۸] لا تفسد صلاته عند عامة علمائنا، وعند البعض تفسد صلاته والفتوى على عدم الفساد بكل حال. هكذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/۸۱، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، ط: دار الفكر - بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۹۳-۳۹۵، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يفسد فيها، ط: زكريا - ديوبند)

[۱۴] نماز میں غلطی سے ”رب العرش العظیم“ کے بجائے ”رب العرش الکریم“ پڑھ لیا  
 ۸۷۸-سوال: فرض نماز میں بھول سے لقد جاء کم رسول والی آیت<sup>(۱)</sup> کے آخر میں رب  
 العرش العظیم کی بجائے العرش الکریم پڑھ لیا، تو کیا نماز میں کوئی نقصان آئے گا؟

### الجواب حامدا ومصليا:

”رب العرش العظیم“ کی جگہ پر ”رب العرش الکریم“ پڑھ لیا، تو نماز میں کوئی نقصان نہیں  
 آئے گا؛ کیوں کہ عظیم کا معنی عظمت و بڑائی والا اور کریم کا معنی عزت والا ہوتا ہے، یعنی دونوں کے معنی میں  
 کوئی خاص فرق نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] امام کالر میں لام کو کھینچنے بغیر اور ”ان نسینا“ میں دوسرے نون کو کھینچ کر پڑھنا  
 ۸۷۹-سوال: ہمارے یہاں امام صاحب نماز میں قرآن کریم کو اس طرح پڑھتے ہیں کہ  
 جہاں کھینچنا چاہیے، وہاں نہیں کھینچتے ہیں، اور جہاں نہیں کھینچنا چاہیے، وہاں کھینچتے ہیں، مثلاً: سورۃ یوسف کے  
 شروع میں الزلام کے اوپر بڑا مد (مد لازم) ہے، اسے بالکل نہیں پڑھتے اور سورۃ کہف کے آخر میں ”قل إماماً  
 نابشر“ کے ”أنا“ کی الف کو چھوٹے مد کی مقدار میں کبھی کھینچتے ہیں۔ اور ایک جگہ ”ربنا لا تؤاخذنا إن نسينا“ کو  
 ”إن ناسینا“ پڑھتے ہیں؛ اس لیے ہمیں نماز میں کراہت ہوتی ہے، ہم نے امام صاحب کی اس جانب توجہ

(۱) لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲۹﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۱۳۰﴾ (۹-التوبة: ۱۲۹، ۱۳۰)

(۲) (ومنها) ذکر کلمۃ مکان کلمۃ علی وجہ البدل إن كانت الکلمۃ التي قرأها مکان کلمۃ یقرب معناها وهي فی  
 القرآن لا تفسد صلاته، نحو إن قرأ مکان العليم الحكيم. وإن لم تكن تلك الکلمۃ فی القرآن؛ لكن یقرب معناها، عن  
 أبي حنيفة ومحمد - رحمهما الله تعالى - لا تفسد، وعن أبي يوسف - رحمه الله تعالى - تفسد، نحو: إن قرأ التيايين  
 مکان التوابين، وإن لم تكن تلك الکلمۃ فی القرآن، ولا تتقاربان فی المعنی، تفسد صلاته بلا خلاف، إذ لم تكن تلك  
 الکلمۃ تسيحاً ولا تحميداً ولا ذكراً، وإن كان فی القرآن ولكن لا تتقاربان فی المعنی، نحو: إن قرأ أو عدا علينا إنا كنا  
 غافلين، مکان فاعلين، ونحوه مما لو اعتقده يكفر تفسد عند عامة مشايخنا، وهو الصحيح من مذهب أبي يوسف  
 رحمه الله تعالى. هكذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱/۸۰، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل  
 الخامس في زلة القارئ، ط: دار الفكر - بيروت ☆ خلاصة الفتاوى: ۱/۱۱۵، كتاب الصلاة، تقديم الحروف و  
 الکلمۃ مکان الکلمۃ، ط: اشرفیہ - دیوبند)

دلانی، تو وہ کہتے ہیں کہ میں آیت کا ترجمہ جانتا ہوں، "أنا" کا الف پڑھا جائے گا اور "ان ناسینا" پڑھتا ہوں، اس سے معنی میں تبدیلی نہیں ہوتی، سوال یہ ہے کہ اس لفظ کو کس طرح پڑھنا چاہیے؟ اگر امام صحیح نہ پڑھے، تو ہماری نماز ہو جائے گی؟ یا لوٹانی پڑے گی؟ دوسری چھوٹی غلطیاں بھی بہت ہوتی ہیں، اگر ہمیں نماز لوٹانی پڑے، تو ہم نماز علاحدہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

### الجواب حامدا ومصليا:

مذکورہ مثالوں میں نماز تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔<sup>(۱)</sup> لیکن اگر امام بار بار ایسی غلطیاں کرے، اور توجہ دلانے پر اصلاح کی کوشش کے بجائے ضد سے کام لے، اصلاح کی فکر نہ کرے، تو ایسے امام کو حسن تدبیر کے ساتھ بدل دینا چاہیے؛ کیوں کہ امامت کا ترجیحی بنیاد پر مستحق وہ شخص ہے، جو قرآن کریم کی عمدہ تلاوت اچھے انداز میں کرتا ہو۔<sup>(۲)</sup>

(۱) وأما ترك المد، إن كان لا يغير المعنى، بأن قرأ أولئك بلامد، وأنا أعطيناك بدون المد، لا تفسد، وإن كان يغير، بأن قرأ سواء عليهم بترك المد، وكذا في قوله دعاء ونداء، المختار أنها لا تفسد كما في ترك التشديد. هكذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۸۱/۱، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القارئ، ط: دار الفكر - بيروت)

لو قرأ القرآن في الصلاة بالألحان إن غير الكلمة تفسد وإن كان ذلك في حروف المد واللين لا تفسد إلا إذا فحش وإن قرأ في غير الصلاة اختلف المشايخ وعامتهم كرهوا ذلك. كذا في الخلاصة وهو الصحيح. كذا في الوجيز للكردي وكرهوا الاستماع أيضا. كذا في الخلاصة ونقل عن أبي القاسم الصفار البخاري أن الصلاة إذا جازت من وجوه فسدت من وجه يحكم بالفساد احتياطا إلا في باب القراءة؛ لأن للناس عموم البلوى. كذا في الظهيرية. (حوالہ سابق: ۸۲/۱) ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۶۳۰-۶۳۲، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فروع مشي المصلي مستقبل القبلة هل تفسد صلاته، ط: دار الفكر)

(۲) الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة. هكذا في المضمورات وهو الظاهر. هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا في التبيين ولم يطعن في دينه. كذا في الكفاية وهكذا في النهاية. ويجتنب الفواحش الظاهرة وإن كان غيره أروع منه. كذا في المحيط وهكذا في الزاهدي وإن كان متبحر في علم الصلاة لكن لم يكن له حظ في غيره من العلوم فهو أولى. كذا في الخلاصة فإن تساوا فأقرؤهم أي أعلمهم بعلم القراءة يقف في موضع الوقف ويصل في موضع الوصل ونحو ذلك من التشديد والتخفيف وغيرهما. كذا في الكفاية. (الفتاوى الهندية: ۸۳/۱، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، ط: زكريا - ديوبند) ☆ بدائع الصنائع - علاء الدين الكاساني الحنفی (م: ۵۸۷ھ): ۱/۱۵۷، كتاب الصلاة، فصل بيان من هو أحق بالإمامة وأولى بها، ط: دار الكتب العلمية ☆ تحفة الفقهاء - أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو: ۵۳۰ھ): ۱/۲۳۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

مذکورہ غلطیاں گرچہ لحنِ جلی (بڑی غلطی، جس سے نماز فاسد ہو جائے) میں داخل نہیں ہے، لیکن شریعت میں یہ بھی مطلوب ہے کہ قرآن کریم کو عمدہ انداز میں، صحیح مخرج اور اصول تجوید کی رعایت کر کے پڑھا جائے؛ اس لیے مذکورہ غلطیوں سے بھی گریز کرنا چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۶] لحنِ جلی کے ساتھ تلاوت کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا

۸۸۰-سوال: ہمارے یہاں ایک افریقی امام صاحب ہیں، جو قرآن پاک تجوید کے ساتھ صحیح نہیں پڑھتے ہیں؛ قرآن کریم پڑھنے میں غلطی کرتے ہیں اور لحنِ جلی کے ساتھ پڑھتے ہیں، تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

### الجواب حامداً ومصلياً:

نماز ایک اہم عبادت ہے، اُس میں جہاں تک ہو سکے احتیاط کا پہلو اختیار کرنا چاہیے، امام ایسا ہونا چاہیے، جو تجوید کے ساتھ قرآن پاک صحیح پڑھتا ہو۔<sup>(۱)</sup> اگر لحنِ جلی اس قدر ہو کہ جس سے معنی میں خرابی واقع ہو رہی ہو، تو بعض صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی۔<sup>(۲)</sup> اگر امام سے اس طرح کی غلطی ہو رہی ہو، تو اُسے

(۱) الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة. هكذا في المضمرة وهو الظاهر. هكذا في البحر الرائق هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة هكذا في التبيين ولم يطعن في دينه. كذا في الكفاية وهكذا في النهاية. ويجتنب الفواحش الظاهرة وإن كان غيره أروع منه. كذا في المحيط وهكذا في الزاهدي وإن كان متبحراً في علم الصلاة لكن لم يكن له حظ في غيره من العلوم فهو أولى. كذا في الخلاصة فإن تساوا فأقرؤهم أي أعلمهم بعلم القراءة يقف في موضع الوقف ويصل في موضع الوصل ونحو ذلك من التشديد والتخفيف وغيرهما. كذا في الكفاية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۳، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، ط: زكريا- ديوبند ☆ بدائع الصنائع- علاء الدين الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ) ۱/ ۱۵۷، كتاب الصلاة، فصل بيان من هو أحق بالإمامة وأولى بها، ط: دار الكتب العلمية ☆ تحفة الفقهاء- أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو: ۵۴۰ھ) ۱/ ۲۳۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۲) ومنها القراءة بالألحان إن غير المعنى وإلا لا إلا في حرف مدولين إذا فحش وإلا لا بزايية. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله بالألحان) أي بالنغمات، وحاصلها كما في الفتح إشباع الحركات لمراعاة النغم. (قوله إن غير المعنى) كما لو قرأ- {الحمد لله رب العالمين}- وأشبع الحركات حتى أتى بواو بعد الدال وبياء بعد اللام والهاء وبألّف بعد الراء، ومثله قول المبلغ رابنا لك الحامد بألف بعد الراء لأن الراء هو زوج الأم كما في الصحاح والقاموس وابن الزوجة يسمى ربيبا. (قوله وإلا لا الخ) أي وإن لم يغير المعنى فلا فساد إلا =

امام بنانا جائز نہیں ہے۔ نیز ایسے امام کے پیچھے اُن لوگوں کی نماز صحیح نہیں ہوگی، جو خود صحیح قرآن پاک پڑھنے پر قادر ہوں۔

اگر کوشش کے باوجود کوئی شخص صحیح نہ پڑھ پاتا ہو، تو اُس کی خود کی نماز تو درست ہو جائے گی؛ لیکن اُس کے پیچھے صحیح پڑھنے پر قادر شخص کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔<sup>(۳)</sup>

= في حرف مدولين إن فحش فإنه يفسد، وإن لم يغير المعنى، وحروف المد واللين وهي حروف العلة الثلاثة الألف والواو والياء إذا كانت ساكنة وقبلها حركة تجانسها، فلو لم تجانسها فهي حروف علة ولين لا مد. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۶۳۰، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فروع مشي المصلي مستقبل القبلة هل تفسد صلاحه، ط: دار الفكر)

لو قرأ القرآن في الصلاة بالألحان إن غير الكلمة تفسد وإن كان ذلك في حروف المد واللين لا تفسد إلا إذا فحش وإن قرأ في غير الصلاة اختلف المشايخ وعامتهم كرهوا ذلك. كذا في الخلاصة وهو الصحيح. كذا في الوجيز للكردري وكرهوا الاستماع أيضا. كذا في الخلاصة ونقل عن أبي القاسم الصفار البخاري أن الصلاة إذا جازت من وجوه فسدت من وجه يحكم بالفساد احتياطاً إلا في باب القراءة؛ لأن للناس عموم البلوى. كذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية: ۱/۸۲، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القارئ، ط: دار الفكر)

(ومنها اللحن في الإعراب) إذا لحن في الإعراب لحن لا يغير المعنى بأن قرأ لترفعوا أصواتكم برفع التاء لا تفسد صلاحه بالإجماع وإن غير المعنى تغييراً فاحشاً بأن قرأ وعصى آدم به بنصب الميم ورفع الرب وما أشبه ذلك مما لو تعمد به يكفر. إذا قرأ خطأ فسدت صلاحه في قول المتقدمين واختلف المتأخرون: قال محمد بن مقاتل وأبو نصر محمد بن سلام وأبو بكر بن سعيد البلخي والفقهاء أبو جعفر الهندواني وأبو بكر محمد بن الفضل والشيخ الإمام الزاهد وشمس الأئمة الحلواني لا تفسد صلاحه. وما قاله المتقدمون أحوط؛ لأنه لو تعمد يكون كفراً وما يكون كفراً لا يكون من القرآن وما قاله المتأخرون أوسع؛ لأن الناس لا يميزون بين إعراب وإعراب. كذا في فتاوى قاضي خان وهو الأشبه. كذا في المحيط وبه يفتى. كذا في العتبية وهكذا في الظهيرية. (المصدر السابق: ۱/۸۱، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القارئ، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) (و) لا (غير الألتغ به) أي بالألتغ (على الأصح) كما في البحر عن المجتبى، وحرر الحلبي وابن الشحنة أنه بعد بذل جهده دائماً حتماً كالأمي، فلا يؤم إلا مثله، ولا تصح صلاته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه أو ترك جهده أو وجد قدر الفرض مما لا لتغ فيه، هذا هو الصحيح المختار في حكم الألتغ، وكذا من لا يقدر على التلفظ بحرف من الحروف أو لا يقدر على إخراج الفاء إلا بتكرار. (الدر المختار: ۱/۵۸۱-۵۸۲)

قال ابن عابدين: وفي الظهيرية وإمامة الألتغ لغيره تجوز، وقيل لا، ونحوه في الخانية عن الفضلي. وظاهره اعتمادهم الصحة، وكذا اعتمادها صاحب الحلية، قال لما أطلقه غير واحد من المشايخ من أنه ينبغي له أن لا يؤم غيره، ولما في خزنة الأكمل: وتكره إمامة الفقهاء أهولكن الأحوط عدم الصحة كما مشى عليه المصنف ونظمه في منظومته تحفة الأقران، وأفتى به الخير الرملي وقال في فتاواه: الراجح المفتى به عدم صحة إمامة الألتغ لغيره =

تجوید کی ایسی باریک غلطی۔ جو ہر شخص کوشش کے باوجود صحیح نہیں پڑھ سکتا، مثلاً: ’ص‘ کی جگہ ’س‘ پڑھنا، ’ظ‘ کی جگہ ’ذ‘ پڑھنا یا ’ض‘ کی جگہ ’ظ‘ یا ’ذ‘ پڑھنا وغیرہ۔ معاف ہے، لیکن ایسے شخص کو امام بنانا مناسب نہیں ہے۔<sup>(۴)</sup> لہذا مذکورہ امام صاحب کی غلطی کی تفصیل درکار ہے، اور اسی پر حکم موقوف ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۷] امام کا قراءت میں کسی حرف کو بڑھا دینا

۸۸۱-سوال: ہمارے امام صاحب قرآن پاک صحیح نہیں پڑھ پاتے ہیں، اور لحن جلی اُن سے اتنی مقدار میں ہوتی ہے کہ اولاً تو اُن کے پیچھے نماز پڑھنے والے علماء و حفاظ کو یہی پتہ نہیں چلتا کہ وہ قرآن پاک کی کون سی سورت یا کون سی آیت پڑھ رہے ہیں؟ اور اگر کسی آیت کا پتہ چل بھی گیا، تو اُس میں حذف و زوائد بہت ہوتے ہیں، مثلاً سورہ فجر میں ”دکا دکا“ کی جگہ وہ ”دکا دکان“ اور ”صفا صفا“ کی جگہ ”صفا صفان“ اور ”وَأَنالَهُ الذِّكْرَانُ“ پڑھتے ہیں، یعنی ہر آیت میں الف اور نون کو اخیر میں بڑھا دیتے ہیں، تو ایسے امام کے پیچھے نماز کا حکم کیا ہے؟

### الجواب حامدًا ومصليًا:

قراءت کے دوران ایک حرف کی زیادتی سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے، لہذا امام صاحب کی مذکورہ قراءت کی وجہ سے بھی نماز فاسد ہو جائے گی، ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں ہے، نیز ایسے شخص کی بھی امامت

= ممن ليس به لثغة. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۸۲، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الألف، ط: دار الفکر - بیروت)

(۴) وإن كان الخطأ يبدال حرف بحرف، فإن أمكن الفصل بينهما بلا كلفة كالصا د مع الطاء بأن قرأ الطالحات مكان الصالحات فاتفقوا على أنه مفسد، وإن لم يمكن إلا بمشقة كالطاء مع الضاد والصاد مع السين فأكثرهم على عدم الفساد لعموم البلوى.

وبعضهم يعتبر عسر الفصل بين الحرفين وعدمه. وبعضهم قرب المخرج وعدمه، ولكن الفروع غير منضبطة على شيء من ذلك فالأولى الأخذ فيه بقول المتقدمين لانضباط قواعدهم وكون قولهم أحوط وأكثر الفروع المذكورة في الفتاوى منزلة عليه اهد ونحوه في الفتح. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۶۳۱، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، فروع مشي المصلي مستقبل القبلة هل تفسد صلاته، مطلب مسائل زلة القارئ)

درست نہیں ہے، جس کی تلاوت بالکل سمجھ میں نہ آئے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جو ترتیب قراءت سے واقف نہ ہوں

۸۸۲-سوال: ہمارے امام صاحب نماز میں قراءت کی ترتیب سے واقف نہیں ہیں، بہت سی

نمازوں میں وہ پہلی رکعت میں مختصر قراءت اور دوسری رکعت میں لمبی قراءت کرتے ہیں، تو ان کے پیچھے پڑھی گئی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

**الجواب حامداً ومصلياً:**

پہلی رکعت میں طویل قراءت کرنا اور دوسری میں مختصر کرنا مکروہ ہے؛ لیکن نماز درست ہو جائے

گی۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) قال في البزازية: ولو زاد حرفاً لا يغير المعنى لا تفسد عندهما. وعن الثاني روايتان، كما لو قرأ: وانهي عن المنكر - بزيادة الياء، ويتعد حدوده يدخلهم ناراً. وإن غير أفسد مثل: وزر ابيب مكان - زرابي مبنوثة - ومثانين مكان مثنائي، وكذا - {والقرآن الحكيم} [يس] - و - {إنك لمن المرسلين} [يس] - بزيادة الواو تفسد أهد أي لأنه جعل جواب القسم قسماً كما في الخانية، لكن في المنية: وينبغي أن لا تفسد. قال في شرحها لأنه ليس بتغيير فاحش ولا يخرج عن كونه من القرآن، ويصح جعله قسماً. والجواب محذوف كما في - {والنازعات غرقاً} [النازعات] - إلخ فإن جوابه محذوف. أهد. أقول: والظاهر أن مثل زرابي ومثانين يفسد عند المتأخرين أيضاً إذا لم يذكروا فيه خلافاً. (رد المحتار على الدر المختار: ۶۳۱/۱ - ۶۳۲، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، فروع مشي المصلي مستقبل القبلة هل تفسد صلاته، مطلب مسائل زلة القارئ، ط: دار الفكر - بيروت)

مزید دیکھیے: ”لحن جلی کے ساتھ تلاوت کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا“ کا حاشیہ نمبر ۲۰۔

(۲) (وإطالة الثانية على الأولى يكره) تنزيهاً (إجماعاً إن بثلاث آيات) إن تقاربت طولاً وقصرًا، وإلا اعتبر الحروف والكلمات، واعتبر الحلبي فحش الطول لا عدد الآيات، واستثنى في البحر ما وردت به السنة واستظهر في النفل عدم الكراهة مطلقاً (وإن بأقل لا) يكره. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: ... والحاصل أن سنية إطالة الأولى على الثانية وكرهية العكس إنما تعتبر من حيث عدد الآيات إن تقاربت الآيات طولاً وقصرًا فإن تفاوتت تعتبر من حيث الكلمات، فإذا قرأ في الأولى من الفجر عشرين آية طويلة وفي الثانية منها عشرين آية قصيرة تبلغ كلماتها قدر نصف كلمات الأولى فقد حصل السنة، ولو عكس يكره، وإنما ذكر الحروف للإشارة إلى أن المعتبر مقابلة كل كلمة بمثلها في عدد الحروف، فالمعتبر عدد الحروف لا الكلمات فلو اقتصر الشارح على الحروف أو عطفها على الكلمات كما فعل في الكافي لكان أولى (قوله واعتبر الحلبي فحش الطول إلخ) كما لو قرأ في الأولى والعصر وفي الثانية الهمزة فرمز في القنية أو لأنه لا يكره ثم رمز =



[۱۹] ایسا امام متعین کرنا، جس کے پیچھے نماز فاسد ہوتی ہو

۸۸۳-سوال: اگر امام کے پیچھے نماز فاسد ہوتی ہو، تو اُسے امام بنانے میں گنہگار کون شمار ہوگا؟

مسجد کے متولی اور ذمہ داران یا مقتدی حضرات؟ کسی اچھے امام کا انتخاب متولی کی ذمہ داری ہے یا نہیں؟

### الجواب حامداً ومصلياً:

ایسا امام جس کے پیچھے نماز فاسد ہوتی ہو، اُسے امام بنانا جائز نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup> ایسے شخص کو امام بنانے

والا گنہگار ہوگا۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] غلط قراءت کرنے والے کے پیچھے علماء و حفاظ کی نماز صحیح ہوگی؟

گذشتہ سے بہتر

۸۸۴-سوال: غلط قراءت کرنے والے امام کے پیچھے علماء و حفاظ کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

ثانياً أنه يكره وقال لأن الأولى ثلاث آيات والثانية تسع، وتكره الزيادة الكثيرة. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۴۳/۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، ط: دار الفكر ☆ فتاوى قاضي خان مع الفتاوى الهندية: ۱۱۹/۱، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة، وما يكره فيها، ط: زكريا-ديوبند)

(۱) (و) لا (غير الألف به) أي بالألف (على الأصح) كما في البحر عن المجتبى، وحرر الحلبي وابن الشحنة أنه بعد بذل جهده دائماً حتماً كالأمي، فلا يؤم إلا مثله، ولا تصح صلاته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه أو ترك جهده أو وجد قدر الفرض مما لا لئغ فيه، هذا هو الصحيح المختار في حكم الألف، وكذا من لا يقدر على التلفظ بحرف من الحروف أو لا يقدر على إخراج الفاء إلا بتكرار. (الدر المختار: ۵۸۱/۱-۵۸۲)

قال ابن عابدين: وفي الظهيرية وإمامة الألف لغيره تجوز، وقيل لا، ونحوه في الخانية عن الفضلي. وظاهره اعتمادهم الصحة، وكذا اعتمادها صاحب الحلية، قال لما أطلقه غير واحد من المشايخ من أنه ينبغي له أن لا يؤم غيره، ولما في خزنة الأكمل: وتكره إمامة الفأفاء اهـ ولكن الأحوط عدم الصحة كما مشى عليه المصنف ونظمه في منظومته تحفة الأقران، وأفتى به الخير الرملي وقال في فتاواه: الرجح المفتى به عدم صحة إمامة الألف لغيره ممن ليس به لئغ. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۸۲/۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الألف، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) لو قدموا فاسقاً يأمون بناءً على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، لعدم اعتنائه بأمر دينه. (حلبى كبير - إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلبي (م: ۹۵۶ هـ)؛ ص: ۳۱۵، كتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سميل أكيدى - لاهور)

## الجواب حامدًا ومصليًا:

غلط قراءت کرنے والے امام کے پیچھے کسی عالم یا حافظ کی نماز درست نہیں ہے۔ (در مختار) [۱] فقط،  
واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۱] فرض نماز کی قراءت میں اعتدال ہونا چاہیے

۸۸۵-سوال: رمضان میں ایک قاری صاحب تراویح پڑھانے آتے ہیں اور وہی صبح کی نماز بھی پڑھاتے ہیں ایک مقتدی نے اخلاص کے ساتھ قاری صاحب کو جمعہ کی فجر میں سورہ سجده پڑھانے کا کہا اور الحمد للہ انہوں نے پڑھائی، یہ بات ہمارے امام صاحب کو برداشت نہیں ہوئی اور بہت غصہ ہوئے اور غصہ یہ کہہ کر اتارا کہ آخری صف میں دو مقتدی نیند کی وجہ سے گرتے گرتے بچ گئے۔ گویا ۱۴۰۰ سال بعد بھی ہمارے امام صاحب ایک سنت کو زندہ کرنے پر اعتراض کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایسے مولوی قوم کو کہاں تک گمراہ کریں گے۔

ہمارے امام صاحب ظہر کی نماز اقامت سے سلام تک ساڑھے تین منٹ میں ختم کر دیتے ہیں مسجد کے بہت سے ٹرسٹی امام صاحب کو کچھ بھی کہتے ڈرتے ہیں کہ کچھ کہیں گے اور امام صاحب امامت چھوڑ کر چلے جائیں گے، تو مسجد کے انتظامات کون کرے گا۔ ان اللہ والیراجعون، دل گواہی نہ دے، تب بھی ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیے؟

## الجواب حامدًا ومصليًا:

جمعہ کے دن فجر کی نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سورہ سجده اور سورہ دہر پڑھنا ثابت ہے۔ (۱) لہذا جمعہ کی فجر میں اس کا پڑھنا سنت ہے۔

(۱) تقدم تخریجہ تحت عنوان: ”ایسا امام متعین کرنا جس کے پیچھے نماز قاسد ہوتی ہو“۔ حاشیہ نمبر: (۱) دیکھیے۔

(۲) عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يقرأ في الجمعة في صلاة الفجر الم تنزِيل السجدة، وهل أتى على الإنسان حين من الدهر. (صحيح البخاري: ۱/۱۲۲، رقم الحديث: ۸۹۱، كتاب الجمعة، باب ما يقرأ في صلاة الفجر يوم الجمعة، ط: ديوبند، الصحيح لمسلم: ۱/۲۸۸، رقم الحديث: ۶۳-۸۷۹، كتاب الجمعة، باب ما يقرأ في يوم الجمعة، عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما، ط: ديوبند)

البتہ تطویل قراءت کے متعلق فقہاء لکھتے ہیں کہ مقتدیوں میں شوق اور رغبت ہو، تو تطویل قراءت کرنی چاہیے، جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ نے فجر کی دونوں رکعت میں مکمل سورہ بقرہ پڑھی ہے۔<sup>(۲)</sup> اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں سورہ اعراف پڑھی ہے۔<sup>(۳)</sup> لیکن اس میں مقتدیوں کی رعایت کرنا ضروری ہے، سکتا نہ ہو، تو تطویل قراءت نہیں کرنی چاہیے۔<sup>(۴)</sup>

حضرت معاذؓ نے ایک مرتبہ عشاء کی نماز میں سورہ بقرہ پڑھی، تو ایک مقتدی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شکایت کی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذ! ایسا لگتا ہے کہ تم، لوگوں کو فتنہ، بلا اور گناہ میں مبتلا کر دو گے۔<sup>[۵]</sup> ظہر کی نماز میں سورہ حجرات سے سورہ بروج تک کی سورتوں میں سے پڑھنا سنت ہے،

(۲) عن أبيه؛ أن أبا بكر الصديق صلى الصبح فقرأ فيها بسورة البقرة، في الركعتين كليهما. (الموطأ- إمام دار الهجرة مالك بن أنس المدني (م: ۱۷۹ھ) ۱۱۱/۲، رقم الحديث: ۲۷۰، كتاب الصلاة، القراءة في الصبح، ت: محمد مصطفى الأعظمي، ط: مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية- أبوظبي- الإمارات) (۳) عن عائشة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قرأ في صلاة المغرب بسورة الأعراف فركعها في ركعتين. (المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي (م: ۳۰۳ھ) ۱۷۰/۲، رقم الحديث: ۹۹۱، كتاب الافتتاح، القراءة في المغرب ب'المص'، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية- حلب)

(۴) عن إسماعيل، قال: سمعت قيسا، قال: أخبرني أبو مسعود، أن رجلا، قال: والله يا رسول الله إني لأتأخر عن صلاة الغداة من أجل فلان مما يطيل بنا، فمارأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في موعظة أشد غضبا منه يومئذ، ثم قال: إن منكم منفرين، فأياكم ما صلى بالناس فليجتوز، فإن فيهم الضعيف والكبير وذا الحاجة. (صحيح البخاري: ۱/۹۷، رقم الحديث: ۷۰۲، كتاب الأذان، باب تخفيف الإمام في القيام، وإتمام الركوع والسجود، ط: البدر- ديوبند)

عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا صلى أحدكم للناس، فليخفف، فإن منهم الضعيف والسقيم والكبير، وإذا صلى أحدكم لنفسه فليطول ما شاء. (صحيح البخاري: ۱/۹۷، رقم الحديث: ۷۰۳، كتاب الأذان، باب: إذا صلى لنفسه فليطول ما شاء ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۱۸۸، رقم الحديث: ۱۸۵-۱۸۶) (۴۶۷) كتاب الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، ط: البدر- ديوبند

يکرہ تحریماً (تطویل الصلاة) علی القوم زاندا علی قدر السنة فی قراءتہ واذکار رضی القوم أو لا لإطلاق الأمر بالتخفيف نهر وفي الشرب لبالية ظاهر حديث معاذ أنه لا يزيد على صلاة أضعفهم مطلقاً. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۵۶۳، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر- بيروت)

[۵] عن عمرو، قال: سمعت جابر بن عبد الله، قال: كان معاذ بن جبل يصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم، ثم يرجع، فيؤم قومه، فصلى العشاء، فقرأ بالبقرة، فانصرف الرجل، فكان معاذ تناول منه، فبلغ النبي صلى الله عليه وسلم فقال: فتان، فتان، فتان، ثلاث مرار - أو قال: فاتنا، فاتنا، فاتنا - وأمره بسورتين من أوسط المفصل، قال عمرو: لا أحفظهما. (صحيح البخاري: ۱/۹۷، رقم الحديث: ۷۰۱، كتاب الأذان، باب إذا طول الإمام، وكان للرجل حاجة، فخرج فصلي، ط: البدر- ديوبند)

مقتدیوں کی رعایت کے ساتھ ساتھ سنت قراءت کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔<sup>[۶]</sup>

نماز میں اتنی جلدی نہیں کرنی چاہیے کہ سنتوں کی رعایت بھی نہ ہو اور ارکان کی ادائیگی میں اطمینان بھی حاصل نہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلدی کرنے اور اطمینان سے ارکان ادا کرنے کی وجہ سے ایک مصلیٰ کو نماز لوٹانے کا حکم دیا تھا۔<sup>(۷)</sup> اس بنا پر بعض ائمہ کے نزدیک تعدیل ارکان (اطمینان سے نماز ادا کرنا) فرض ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے۔<sup>(۸)</sup> جلدی جلدی پرندے کے چونچ مارنے کے مانند رکوع، سجدہ کرنے والے کو حدیث شریف میں منافق کہا گیا ہے؛ اس لیے اس طرح کی وعید بھی امام کی نظر میں رہنی چاہیے۔<sup>(۹)</sup> فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] (طوال المفصل) من الحجرات إلى آخر البروج (في الفجر والظهر) و منها إلى آخر - لم يكن - (أوساطه في العصر والعشاء) و باقية (قصاره في المغرب) أي في كل ركعة سورة مما ذكره الحلبي. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۵۴۰، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، ط: دار الفكر)

(۷) عن أبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل المسجد فدخل رجل، فسلم على النبي صلى الله عليه وسلم، فرد وقال: ارجع فصل، فإنك لم تصل، فارجع يصلي كما صلى، ثم جاء، فسلم على النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: ارجع فصل، فإنك لم تصل، ثلاثاً، فقال: والذي بعثك بالحق ما أحسن غيره، فعلمني، فقال: إذا قمت إلى الصلاة فكبر، ثم اقرأ ما تيسر معك من القرآن، ثم اركع حتى تطمئن راكعاً، ثم ارفع حتى تعدل قائماً، ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً، ثم ارفع حتى تطمئن جالساً، وافعل ذلك في صلاتك كلها. (صحيح البخاري: ۱/۱۰۴، رقم الحديث: ۷۵۷، كتاب الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم في الصلوات كلها، في الحضر والسفر... الخ، وانظر رقم: ۹۳ و ۲۵۱ و ۲۶۷، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۱۷۰، رقم الحديث: ۳۵ - ۳۹، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة، وإنه إذا لم يحسن الفاتحة، ولا أمكنه تعلمها قرأ ما تيسر له من غيرها، ط: البدر - ديوبند)

(۸) (قوله وتعديل الأركان)، وهو تسكين الجوارح في الركوع والسجود حتى تطمئن مفاصله وأذناه مقدار تسيبحة، وهو واجب على تخريج الكرخي، وهو الصحيح كما في شرح المنية، وسنة على تخريج الجرجاني وفرض على ما نقله الطحاوي عن الثلاثة، والذي نقله الجرم الغفير أنه واجب عند أبي حنيفة ومحمد، فرض عند أبي يوسف. (البحر الرائق: ۱/۳۱۶، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۱/۴۶۳، باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة، مطلب لا ينبغي أن يعدل عن الدراية إذا افتقها رواية، ط: دار الفكر - بيروت ☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - داماد أفندي (م: ۸۰۷۸هـ) ۱/۸۸، باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ درر الأحكام شرح غرر الأحكام - ملا خسرو (م: ۸۸۵هـ): ۱/۷۱، باب صفة الصلاة، ط: دار إحياء الكتب العربية)

(۹) رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: تلك صلاة المنافق، يجلس يرقب الشمس حتى إذا كانت بين قرني =

## [۲۲] سورتوں کی ترتیب اللہ سے نماز ہوگی یا نہیں؟

۸۸۶-سوال: اگر امام صاحب نے مغرب کی پہلی رکعت میں سورہ لہب پڑھی اور دوسری رکعت میں سورہ نصر، تو نماز ہوئی یا نہیں؟ اور اس طرح پڑھنا کیسا ہے؟ اور اگر کسی امام نے ظہر کی پہلی چار رکعت سنت مؤکدہ نہ پڑھی ہو، تو وہ ظہر کی نماز پڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟

## الجواب حامدا ومصليا:

پہلی رکعت میں سورہ لہب کے بعد دوسری رکعت میں سورہ نصر پڑھی، تو یہ مکروہ ہے، مگر نماز ادا ہو جائے گی۔ (عالم گیری: ۶۱/۱)<sup>[۱]</sup>

رہی ظہر کی چار رکعات سنت مؤکدہ، تو امام صاحب کی اس کی جانب توجہ مبذول کرائیں، البتہ امام صاحب کسی عذر کی وجہ سے نہیں پڑھ سکے، تو ان کی امامت میں کچھ حرج نہیں۔ نماز ہر حال میں ہو جائے گی۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۳] امام صاحب کا لہب میں ۵ کی جگہ ح اور الحمد کی ح جگہ ۵ پڑھنا

۸۸۷-سوال: امام صاحب "لہب" میں "ھ" کی جگہ "ح" اور "الحمد" میں "ح" کی جگہ

= الشيطان، قام فنقرها أربعا، لا يذكر الله فيها إلا قليلا. (الصحيح لمسلم: ۲۲۵/۱، رقم الحديث: ۱۹۵-۱۹۶)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب التكبير بالعصر، عن أنس بن مالك، ط: البدر - ديوبند [ ۱ ] وإذا قرأ في ركعة سورة وفي الركعة الأخرى أو في تلك الركعة سورة فوق تلك السورة يكره. (الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الرابع في القراءة، ط: دار الفكر - بيروت)

ويكره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوسا إلا إذا ختم فيقرأ من البقرة. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله وأن يقرأ منكوسا) بأن يقرأ الثانية سورة أعلى مما قرأ في الأولى لأن ترتيب السور في القراءة من واجبات التلاوة؛ وإنما جوز للصغار تسهيلات لضرورة التعليم، (قوله إلا إذا ختم إلخ) قال في شرح المنية: وفي اللؤلؤ الحبية: من يختم القرآن في الصلاة إذا فرغ من الموعودتين في الركعة الأولى يركع ثم يقرأ في الثانية بالفاتحة وشيء من سورة البقرة؛ لأن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال: خير الناس الحال المرتحل. أي الخاتم المفتاح. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۴، فصل في القراءة، قبيل باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت) (۲) مسئلہ کی تفصیل وخریج کے لیے دیکھیے: باب الإمامة کا عنوان امام کا ظہر کی چار سنت پڑھے بغیر امامت کرانا۔

”ھ“ اور ”لن نجمع“ میں ”ع“ کی جگہ پر ”ء“ پڑھتے ہیں، اور ”ش“ کی جگہ پر ”س“ اور ”ک“ کی جگہ ”ق“ وغیرہ پڑھتے ہیں، تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

### الجواب حامداً ومصلياً:

کوئی ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھ لے، اور اس کی وجہ سے معنی میں تغیر پیدا ہو جائے، تو ایسی صورت میں اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، بہ شرطیکہ وہ بغیر مشقت کے ان حروف کے درمیان فرق کرنے پر قادر ہو، مثلاً ”صالحات“ کی جگہ ”طالحات“ پڑھ لے، تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر ایسے حروف ہوں کہ بغیر مشقت کے فصل کرنے پر قدرت نہ ہو، جیسے۔ ”طاء“ کی جگہ ”ضاد“ پڑھ لیا، اور ”صاد“ کی جگہ ”سین“ یا ”طاء“ کی جگہ ”تاء“، تو اکثر حضرات کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی، اور خزانة الاكمل میں ہے کہ اگر وہ جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے، تو نماز فاسد ہو جائے گی، ورنہ زبان پر بلا اختیار جاری ہو جائے یا تمیز کرنے پر قادر نہیں ہے، تو نماز فاسد نہیں ہوگی، یہ پسندیدہ قول ہے اور اس سلسلے کے تمام اقوال میں معتدل ہے۔

اسی طرح اگر ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھنے سے معنی میں کوئی خرابی پیدا نہ ہو، تو مطلقاً نماز صحیح ہو جائے گی۔ (عالم گیری ☆ خلاصۃ الفتاویٰ) [۱]

[۱] (ومنها) ذکر حرف مکان حرف إن ذکر حرفاً مکان حرف ولم یغیر المعنی بأن قرأ أن المسلمون، إن الظالمون، وما أشبه ذلك لم تفسد صلاته، وإن غیر المعنی، فإن أمکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقة، كالطاء مع الصاد، فقرأ الطالحات مکان الصالحات تفسد صلاته عند الكل، وإن كان لا یمكن الفصل بین الحرفین إلا بمشقة، كالطاء مع الضاد، والصاد مع السین، والطاء مع التاء، اختلف المشایخ، قال أكثرهم: لا تفسد صلاته. هكذا فی فتاویٰ قاضی خان. وكثیر من المشایخ أفتوا به، قال القاضی الإمام أبو الحسن والقاضی الإمام أبو عاصم: إن تعمد فسدت، وإن جرى علی لسانه أو كان لا يعرف التمييز لا تفسد، وهو أعدل الأقاويل والمختار هكذا فی الوجيز للکردري. (الفتاویٰ الهندية: ۷۹/۱، الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الخامس فی زلة القارئ، ط: دار الفكر)

قال فی الخانية والخلاصة: الأصل فیما إذا ذکر حرفاً مکان حرف وغیر المعنی إن أمکن الفصل بینهما بلا مشقة تفسد، وإلا یمكن إلا بمشقة كالطاء مع الضاد المعجمتین والصاد مع السین المهملتین والطاء مع التاء قال أكثرهم لا تفسد. اهـ. وفي خزانة الاكمل قال القاضی أبو عاصم: إن تعمد ذلك تفسد، وإن جرى علی لسانه أو لا يعرف التمييز لا تفسد، وهو المختار حلیة وفي البزازیة: وهو أعدل الأقاويل، وهو المختار اهـ. وفي التارخانية عن الحاوي: حکى عن الصفار أنه كان يقول: الخطأ إذا دخل فی الحروف لا یفسد لأن فیہ بلوی عامة الناس لأنهم لا یقیمون الحروف إلا بمشقة. اهـ. وفيها: إذا لم یکن بین الحرفین اتحاد المخرج ولا قربه إلا أن فیہ بلوی العامة کالذال مکان الصاد أو الزاي المحض مکان الذال والطاء مکان الضاد لا تفسد عند بعض المشایخ. اهـ. =

اس لیے کمیٹی کے ذمے داران ایسے شخص کو امام بنائیں، جو تجوید سے واقف ہو، تاکہ اس طرح کی خرابیوں سے بچا جاسکے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= قلت: فينبغي على هذا عدم الفساد في إبدال الراء سينا والقاف همزة كما هو لغة عوام زماننا، فإنهم لا يميزون بينهما ويصعب عليهم جدا كالدال مع الزاي ولا سيما على قول القاضي أبي عاصم وقول الصفار، وهذا كله قول المتأخرين، وقد علمت أنه أوسع وأن قول المتقدمين أحوط قال في شرح المنية: وهو الذي صححه المحققون وفرعوا عليه، فاعمل بما تختار، والاحتياط أولى سيما في أمر الصلاة التي هي أول ما يحاسب العبد عليها. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۳۳، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب إذا قرأ قوله تعالى جذك "بدون ألف لا تفسد، ط: دار الفكر - بيروت)

ولو قرأ ليغيب بالضاد أو بالراء أو قرأ المغضوب بالطاء أو بالدال يفسد، ولو قرأ الضالين بالطاء أو الدال لا يفسد. (خلاصة الفتاوى: ۱۰۶/۱، كتاب الصلاة، في زلة القارئ، ط: المكتبة الأشرفية - ديوبند)

(۲) الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة... هذا إذا علم من القراءة قدر ما تقوم به سنة القراءة... فإن تساوا فأقرؤهم أي أعلمهم بعلم القراءة يقف في موضع الوقف، ويصل في موضع الوصل، ونحو ذلك من التشديد والتخفيف وغيرهما. كذا في الكفاية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۳، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة، ط: دار الفكر)





عن ابن عباس - رضی اللہ تعالیٰ عنہما - قال: كانت صلاة  
النبي - صلى الله عليه وسلم - ثلاث عشرة ركعة، يعنى بالليل.  
(بخاری شریف: ۱/۱۵۳، حدیث نمبر: ۱۱۳۸)

عن أم حبيبة - رضی اللہ تعالیٰ عنہا - قالت: قال النبي صلى  
الله عليه وسلم: من صلى في يوم ثنتي عشرة ركعة تطوعاً، بنى له  
بهن بيت في الجنة.  
(مسلم شریف: ۱/۲۵۱، حدیث نمبر: ۷۲۸)

## باب الوتر والنوافل والتهجد

[ وتر، نوافل اور تہجد کا بیان ]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب الوتر والنوافل والتهجد

[ وتر، نوافل اور تہجد کا بیان ]

[۱] تہجد کی رکعتوں کی تعداد

[۲] صلاۃ التیسع افضل ہے یا تہجد؟

۸۸۸- سوال: تہجد کی نماز چار، چھ، آٹھ، دس یا بارہ (۳-۶-۸-۱۰-۱۲) کل کتنی رکعتیں پڑھنی چاہیے؟ چار رکعت پڑھنا افضل ہے یا بارہ رکعت؟ نیز تہجد کے وقت صلاۃ التیسع پڑھنا افضل ہے یا تہجد کی نماز؟ جواب دے کر مہربانی فرمائیں۔

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی دن لمبی قراءت فرماتے، تو رکعتوں کی تعداد کم رہتی تھی اور قراءت مختصر فرماتے، تو تعداد بڑھ جاتی تھی، روایت میں تہجد کی کم از کم دو رکعت ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت ثابت ہیں۔<sup>(۱)</sup>

(۱) عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: كانت صلاة النبي صلى الله عليه وسلم ثلاث عشرة ركعة، يعني بالليل. (صحيح البخاري: ۱/۱۵۳، رقم الحديث: ۱۱۳۸، كتاب الجمعة، باب: كيف كان صلاة النبي صلى الله عليه

وسلم؟ وكم كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي من الليل؟)

عن مسروق، قال: سألت عائشة رضي الله عنها، عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم بالليل؟ فقالت: سبع، وتسع، وإحدى عشرة، سوى ركعتي الفجر. (حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۱۱۳۹)

عن عائشة رضي الله عنها، قالت: «كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي من الليل ثلاث عشرة ركعة منها الوتر، وركعتا الفجر». (حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۱۱۴۰)

مزید روایتوں کی تفصیل کے ملاحظہ فرمائیں: فتح الباری - ابن حجر عسقلانی (م: ۸۵۲ھ): ۲۰۱/۳-۲۱، (قولہ باب کیف صلاۃ اللیل وکم کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی باللیل، ط: دار المعرفۃ - بیروت)

پس تہجد پڑھنے والا دو رکعت سے بارہ رکعت تک حسب سہولت پڑھ سکتا ہے۔ تاہم بیشتر روایات آٹھ رکعات کی ہیں، اس لیے احناف نے آٹھ رکعت کے معمول بنانے کو بہتر قرار دیا ہے۔<sup>(۲)</sup>

= ان تمام روایتوں کے درمیان صاحب فیہم نے بڑی عمدہ تطبیق دی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

قلت: والذي يظهر للعبد الضعيف من مجموع الروايات - والله أعلم - أن النبي - صلى الله عليه وسلم - كان يفتتح صلاته بالليل بركعتين خفيفتين، وهما من مبادئ التهجد، ثم يصلي ثمان ركعات، وهي أصل التهجد، ثم يوتر بثلاث ركعات، ثم يصلي ركعتين جالسا، وهما من توابع الوتر، كالر كعتين بعد المغرب، ثم يركع ركعتين في مبدأ الفجر حين يسمع الأذان، ثم يضطجع، فمن قال سبع عشر ركعة، جمع كلها، ومن قال خمس عشرة، لعله أسقط ركعتي الفجر لوقوعها بعد انقضاء الليل، ومن قال: بثلاث عشرة ركعة، فأكبر ظني أنه أسقط الركعتين اللتين كان يفتتح بهما، والركعتين بعد الوتر جالسا، وندر كعتي الفجر منها، وفي بعض الروايات ما يشعر بإسقاط ركعتي الفجر وندر كعتي الافتتاح، ومن قال: بأحدى عشرة ركعة، فيأسقاطه كل من المبدأ أو المنتهى، والركعتين بعد الوتر أيضا، والاقصصار على أصل التهجد والوتر، وأما روايات التسع والسيب فمحمولة على تقليل ركعات التهجد الثمانية حين أسن وضعف، والله أعلم. (فتح الملهم - شبير أحمد العثماني (م: ۶۹-۱۳هـ): ۶/۵، باب صلاة الليل و عدد ركعات النبي صلى الله عليه وسلم في الليل وأن الوتر ركعة... الخ: ت: المفتي رفيع العثماني، مع تكملة محمود شاكر، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(۲) وصلاة الليل وأقلها على ما في الجوهرة ثمان. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله وأقلها على ما في الجوهرة ثمان) قيد بقوله على ما في الجوهرة؛ لأنه في الحاوي القدسي قال: يصلي ما سهل عليه ولور كعتين والسنة فيها ثمان ركعات بأربع تسليمات اهـ والتقييد بأربع تسليمات مبني على قول الصاحبين، وأما على قول الإمام فلا كما ذكره في الحلية، وقال فيها أيضا، وهذا بناء على أن أقل تهجده - صلى الله عليه وسلم - كان ركعتين، وأن منتهاه كان ثمان ركعات، أخذ أمما في مبسوط السرخسي. ثم ساق تبعاً لشيخه المحقق ابن الهمام الأحاديث الدالة على ما عينه في المبسوط من منتهاه، وحديث أبي داود الدال على أن أقل تهجده - صلى الله عليه وسلم - أربع سوى ثلاث الوتر، وتمام ذلك فيها فراجعها، لكن ذكر آخر اعنه - صلى الله عليه وسلم - من استيقظ من الليل وأيقظ أهله فصليا ركعتين كتبنا من الذاكرين الله كثير والذاكرات. رواه النسائي وابن ماجه وابن حبان في صحيحه والحاكم، وقال المنذري صحيح على شرط الشيخين. اهـ.

أقول: فينبغي القول بأن أقل التهجد ركعتان وأوسطه أربع وأكثره ثمان، والله أعلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۲۵/۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في صلاة الليل، دار الفكر - بيروت)

فأما ما أجابت به مسروقاً فمرادها أن ذلك وقع منه في أوقات مختلفة فتارة كان يصلي سبعا وتارة تسعا وتارة إحدى عشرة وأما حديث القاسم عنها فمحمول على أن ذلك كان غالب حاله. (فتح الباري شرح صحيح البخاري - أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي (م: ۸۵۲-هـ): ۲۰/۳، قوله باب كيف صلاة الليل وكم كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي بالليل، ط: دار المعرفة - بيروت)

تہجد کے وقت تہجد کی نماز پڑھنا افضل ہے، اور بڑے ثواب کا باعث ہے۔<sup>[۱]</sup> واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳] نماز تہجد پڑھنا افضل ہے یا صلاۃ التَّسْبِيحِ؟

گزشتہ سے ہوتے

۸۸۹-سوال: تہجد کی نماز میں ۴، ۶، ۱۰ رکعت پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز تہجد پڑھنا افضل ہے

یا صلاۃ التَّسْبِيحِ؟ بیّنوا، تو جروا۔

**الجواب حامدا ومصليا:**

تہجد کی کم سے کم دو اور زیادہ بارہ رکعت ہے۔

جو روزانہ تہجد کا پابند ہو، اس کے لیے بھی بہتر یہ ہے کہ تہجد پڑھے اور کبھی کبھی ۲ رکعت تہجد پڑھ کر

چار رکعت صلوٰۃ التَّسْبِيحِ پڑھے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۴] کیا نوافل کا اہتمام سنت کے خلاف ہے؟

۸۹۰-سوال: ہمارے علاقے میں مسجد کے ایک امام ہیں، جو صرف فرض، وتر اور سنت مؤکدہ

پڑھتے ہیں، مثلاً: عشاء کی ۴ رکعت فرض، ۲ رکعت سنت مؤکدہ اور ۳ رکعت وتر، کل ۹ رکعت پڑھنے کا

اہتمام کرتے ہیں اور مصلیٰ حضرات کو بھی اس کی ترغیب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نفل نماز کا اہتمام کرنا سنت

کے خلاف ہے۔

[۱] (قوله وصلاة الليل) أقول: هي أفضل من صلاة النهار كما في الجوهرة ونور الإيضاح، وقد صرح الآيات

والأحاديث بفضلها والحث عليها. قال في البحر: فمنها ما في صحيح مسلم مرفوعا: أفضل الصلاة بعد الفريضة

صلاة الليل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۴، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في صلاة الليل)

(۲) وصلاة الليل وأقلها على ما في الجوهرة ثمان، قال: يصلي ما سهل عليه ولور كعتين، والسنة فيها ثمان ركعات

بأربع تسليمات، والتقييد بأربع تسليمات مبني على قول الصحابين، وأما على قول الإمام فلا كما ذكره في الحلية،

وقال فيها أيضا، وهذا بناء على أن أقل تهجده - صلى الله عليه وسلم - كان ركعتين، وأن منتهاه كان ثمان ركعات،

أخذ مما في مبسوط السر حسي. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۵، ۲۶، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل،

ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/۱۳، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الكتاب - ديوبند)

## الجواب حامد اومصلیا:

امام صاحب کا عمل صحیح نہیں ہے، فرض نماز کے بعد کے نوافل اور مستحب روزے کا اہتمام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صحیح اور بہترین عمل وہ ہے، جس پر اس کا کرنے والا مداومت کرے۔ (بخاری شریف) [۱] یہ فرمان نبوی نوافل کے متعلق ہے؛ اس لیے ان کی بات ماننے کے لائق نہیں ہے، ان کو اپنی اس فکر کی اصلاح کرنی چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۵] وتر کی نماز مسلسل ترک کرنا

۸۹۱-سوال: عرب حضرات گا ہے وتر پڑھتے ہیں اور گاہے نہیں۔ ان سے جب پوچھا گیا، تو کہنے لگے: وتر فرض نہیں ہے، سنت ہے، تو کیا حکم ہے؟

## الجواب حامد اومصلیا:

دوسرے ائمہ کے نزدیک وتر سنت ہے۔ (۲) اس لیے وہ کبھی پڑھتے ہیں اور کبھی نہیں پڑھتے ہیں۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) عن عائشة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: سددوا وقاربوا، واعلموا أن لن يدخل أحدكم عمله الجنة، وأن أحب الأعمال إلى الله أدومها وإن قل. (صحيح البخاري: ۲/۹۵۷، رقم الحديث: ۶۳۶۳، كتاب الرقاق، باب القصد والمداومة على العمل، ط: البدر - ديوبند) الصحيح لمسلم: ۳/۳۷۷، رقم الحديث: ۷۸-۲۸۱۸، كتاب صفة القيامة والجنة والنار، باب لن يدخل أحد الجنة بعمله بل برحمة الله تعالى، ط: البدر - ديوبند) عن عائشة رضي الله عنها، قالت: صلى النبي صلى الله عليه وسلم العشاء، ثم صلى ثمانين ركعات، وركعتين جالسا، وركعتين بين النداءين ولم يكن يدعهما أبدا. (صحيح البخاري: ۱/۱۵۵، رقم الحديث: ۱۱۵۹، كتاب التهجد، باب المداومة على ركعتي الفجر، ط: البدر - ديوبند)

رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۵۲-۳۵۳، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: زكريا - ديوبند)  
 (۲) قال الشافعي رضي الله عنه: "الفرض خمس في اليوم والليله لقوله - صلى الله عليه وسلم - للأعرابي حين قال هل علي غيرها؟ قال: لا إلا أن تطوع" قال الماوردي: وهذا كما قال يتضمن هذا الفصل الخلاف في صلاة الوتر فعند الشافعي أنها سنة، وبه قال الفقهاء كافة. — وقال أبو حنيفة: الوتر واجب. (الحاوي الكبير في فقه مذهب الإمام الشافعي - أبو الحسن، الماوردي (م: ۳۵۰هـ): ۲/۲۷۸، كتاب الصلاة، باب صلاة التطوع وقيام شهر رمضان، ت: علي محمد معوض - عادل أحمد عبد الموجود، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)  
 (۳) تاہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے، جس کی ادائیگی لازم ہے:

## [۶] ضرورت کے پیش نظر فرض نماز پر اکتفاء کرنا

۸۹۲-سوال: اگر کوئی نوکری اور کام کے موقع پر وقت نہ ہونے کی وجہ سے صرف فرض

نماز پڑھ لے، تو کیا حکم ہے؟

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

گنجائش ہے۔<sup>[۱]</sup>

## [۷] سنن مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کی تعریف اور ان کا حکم

۸۹۳-سوال: محترم حضرت مفتی صاحب! ظہر کی کل رکعتیں (سنن و نوافل کے ساتھ) کتنی

= (هو فرض عملا و واجب اعتقادا و سنة ثبوتا) [الدر المختار] — قال ابن عابدين: أي ثبوته علم من جهة السنة لا القرآن وهي قوله - صلى الله عليه وسلم -: الوتر حق، فمن لم يوتر فليس مني، قاله ثلاثا. رواه أبو داود والحاكم وصححه وقوله - صلى الله عليه وسلم -: أوتروا قبل أن تصبحوا. رواه مسلم، والأمر للوجوب، وتامه في شرح المنية. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، زكريا - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۰-۱۱۱، كتاب الصلاة، الباب الثامن في صلاة الوتر، ط: زكريا - ديوبند ☆ بدائع الصنائع: ۱/۲۰۵-۲۰۷، فصل في أنواع الصلاة الواجبة، ومنها صلاة الوتر، ط: زكريا - ديوبند)

[۱] تاہم سنتوں کے ترک کی عادت نہ بنالی جائے، کہ اس سے فرائض میں کوتاہی ہونے لگتی ہے، نیز نبی کریم ﷺ نے سنن مؤکدہ کی ادا ہنگی کا بڑا اہتمام فرمایا ہے اور ان کی بڑی فضیلت بیان کی ہے: عن عائشة، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ثابر على اثنتي عشرة ركعة من السنة، بنى الله له بيتا في الجنة: أربع ركعات قبل الظهر، وركعتين بعدها، وركعتين بعد المغرب، وركعتين بعد العشاء، وركعتين قبل الفجر". (سنن الترمذي: ۱/۹۳، رقم الحديث: ۴۱۳، أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن صلى في يوم وليلة اثنتي عشرة ركعة من السنة، ما له فيه من الفضل، ط: البدر - ديوبند ☆ المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي (م: ۳۰۳-ہـ): ۳/۲۶۰-۲۶۱، رقم الحديث: ۱۷۹۳، ۱۷۹۵، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب ثواب من صلى في اليوم والليله اثنتي عشرة ركعة سوى المكتوبة... الخ: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

(ويأتي) المسافر (بالسنن) إن كان (في حال أمن وقرار وإلا) بأن كان في خوف وقرار (لا) يأتي بها، هو المختار؛ لأنه ترك لعذر تجنيس، قيل: إلا سنة الفجر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۶۱۳، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: زكريا - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۹، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: زكريا، ديوبند)

ہیں؟ اسی طرح مغرب اور عشاء کی کل رکعتیں کتنی ہیں؟ ظہر، مغرب اور عشاء میں جو نفل نمازیں ہیں، میں جان بوجھ کر محض سستی کی بناء پر ان کو ترک کر دیتا ہوں؛ حالاں کہ کوئی کام کاج نہیں ہوتا ہے، پھر بھی نہیں پڑھتا ہوں، جب کہ پانچوں وقت کی نماز کے لیے میں اذان کے ساتھ ہی مسجد میں حاضر ہو جاتا ہوں، تو آپ حدیث شریف کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب حامداً ومصلياً

نفلت میں نفل کے معنی ہیں: ”زیادتی“۔<sup>(۱)</sup> اور شریعت کی اصطلاح میں: وہ عبادت و بندگی، جس کے کرنے میں ثواب حاصل ہو اور نہ کرنے میں کوئی عذاب نہ ہو۔<sup>(۲)</sup>

سنت کی دو قسمیں ہیں: (۱) سنت مؤکدہ اور (۲) سنت غیر مؤکدہ۔

(۱) سنت مؤکدہ: جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیز خلفائے راشدینؓ نے ہمیشہ کیا ہو اور وہ فرض اور واجب کے علاوہ ہو اور کبھی کبھار اسے ترک بھی کیا ہو۔ اس کو سنن ہدیٰ اور سنت روا تب بھی کہا جاتا ہے، یہ حکم میں واجب کے قریب قریب ہے، یہ فرض اور واجب میں نقصان کی تلافی کرنے والا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ: بلا عذر چھوڑ دے گا، تو لعنت کا مستحق ہوگا اور ترک میں مواظبت کرے گا، تو فاسق ہو جائے گا اور اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔<sup>(۳)</sup>

(۱) والنفل في اللغة: الزيادة. وفي الشريعة زيادة عبادة شرعت لنا لا علينا. (رد المحتار على الدر المختار: ۳/۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الفكر)

(۲) النفل... يثاب فاعله ولا يسيء تاركه. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۱۰۳، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، مطلب في السنة وتعريفها، ط: دار الفكر)

(۳-۴) فما كان فعله أولى من تركه مع منع الترك إن ثبت بدليل قطعي ففرض، أو بظني فواجب، وبلا منع الترك إن كان مما واطب عليه الرسول - صلى الله عليه وسلم - أو الخلفاء الراشدون من بعده فسنة، وإلا فمندوب و نفل. (حوالہ سابق: ۱/۱۰۲)

والسنة نوعان: سنة الهدي، وتركها يوجب إساءة وكرهية كالجماعة والأذان والإقامة ونحوها. وسنة الزوائد، وتركها لا يوجب ذلك كسير النبي - عليه الصلاة والسلام - في لباسه وقيامه وقعوده... السنة هي الطريقة المسلوكة في الدين، فهي في نفسها عبادة... ولما لم تكن من مكملات الدين وشعائره سميت سنة الزوائد، بخلاف سنة الهدي، وهي السنن المؤكدة القريبة من الواجب التي يضل تاركها؛ لأن تركها استخفاف بالدين. (حوالہ سابق: ۱/۱۰۳)

(۲) سنت غیر مؤکدہ: وہ کام جو رسول اللہ ﷺ نے کبھی کیا ہو اور کبھی نہ کیا ہو، وہ کام آپ کو پسند ہو، مگر اس کے چھوڑنے والے پر وعید اور عذاب نہ ہو۔ اس کو ”سنن زوائد“ اور ”مستحب“ بھی کہا جاتا ہے۔<sup>(۳)</sup>

نفل کا اطلاق بعض مرتبہ دونوں قسم کی سنتوں پر ہوتا ہے، جیسا کہ آپ نے فرض کے علاوہ ہر نماز کے متعلق نفل ہونا لکھا ہے۔<sup>(۵)</sup>

سنت مؤکدہ: ۱۲ رکعتیں ہیں، دو رکعت فجر کی فرض نماز سے پہلے، چار رکعت ظہر کی فرض نماز سے پہلے، دو رکعت ظہر کی فرض نماز کے بعد، دو رکعت مغرب کی فرض نماز کے بعد، اور دو رکعت عشاء کی فرض نماز کے بعد۔ پس یہ کل بارہ رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں۔<sup>(۶)</sup>

البتہ جمعہ کے دن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ۱۶ رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں، جمعہ سے پہلے چار رکعت، اور جمعہ کے بعد چار اور دو، کل چھ رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں، پس جمعہ کے وقت ان کے نزدیک مجموعی دس رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں۔<sup>(۷)</sup> البتہ جمعہ کے بعد کی دو رکعت سنت کو کبھی کبھار چھوڑنے سے گناہ نہ ہوگا؛ لیکن

(۵) رد المحتار علی الدر المختار: ۱/۱۰۳، کتاب الطہارۃ، سنن الرضوء، مطلب فی السنۃ وتعرفہا، ط: دار الفکر۔  
 (۶) عن عبد اللہ بن شقیق، قال: سألت عائشة عن صلاة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عن تطوعہ؟ فقالت: کان یصلی فی بیتی قبل الظهر أربعاً، ثم یدخل فیصلی بالناس، ثم یدخل فیصلی رکعتین، وکان یصلی بالناس المغرب، ثم یدخل فیصلی رکعتین، ویصلی بالناس العشاء، ویدخل بیتی فیصلی رکعتین... وکان إذا طلع الفجر صلی رکعتین. (الصحيح لمسلم: ۱/۲۵۲، رقم الحديث: ۱۰۵- (۷۳۰)، کتاب صلاة المسافرین وقصرها، باب جواز النافلة قائما وقاعدا، وفعل بعض الركعة قائما وبعضها قاعدا، ط: البدر - دیوبند ☆ سنن أبي داود: ۱/۱۷۸، رقم الحديث: ۱۲۵۱، کتاب الصلاة، باب تفریح أبواب التطوع ورکعات السنۃ، ط: البدر - دیوبند)  
 عن أم حبیبة، قالت: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من صلی فی یوم ثنتی عشرة رکعة تطوعا، بنی له بہن بیت فی الجنة. (الصحيح لمسلم: ۱/۲۵۱، رقم الحديث: ۱۰۱-۲۸، کتاب صلاة المسافرین وقصرها، باب فضل السنن الراجعة قبل الفرائض وبعدہن، وبيان عددہن، ط: البدر - دیوبند ☆ سنن أبي داود: ۱/۱۷۸، رقم الحديث: ۱۲۵۰، باب تفریح أبواب التطوع ورکعات السنۃ، ط: البدر - دیوبند)

عن عائشة رضي الله عنها، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ثابر على ثنتي عشرة ركعة من السنة بنى الله له بيتا في الجنة: أربع ركعات قبل الظهر، ورکعتين بعدها، ورکعتين بعد المغرب، ورکعتين بعد العشاء، ورکعتين قبل الفجر". (سنن الترمذي: ۱/۹۳، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی من صلی فی یوم وليلة... الخ، ط: یاسر نديم - دیوبند)  
 (۷) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كان منكم مصليا بعد الجمعة فليصل أربعاً. (الصحيح لمسلم: ۱/۲۸۸، رقم الحديث: ۶۹- (۸۸۱)، کتاب صلاة المسافرین وقصرها، باب الصلاة بعد =



پڑھنے سے ثواب کا مستحق ہوگا۔

ظہر کی فرض اور سنت مؤکدہ کے بعد دو رکعت، عصر کی فرض سے پہلے چار رکعت یا دو رکعت جو بھی پڑھنا میسر ہو اور عشاء کی فرض و سنت مؤکدہ کے بعد دو رکعت اور وتر کے بعد دو رکعت، اور مغرب میں سنت مؤکدہ کے بعد چھ رکعت یا دو رکعت جو بھی میسر ہو، اسی طرح تحیۃ المسجد کی دو رکعت، اشراق کی دو یا چھ رکعت اور چاشت کی دو یا بارہ رکعت، اور تہجد کی دو یا آٹھ رکعت اور ایک روایت کے مطابق بارہ رکعت؛ یہ سب نمازیں نوافل یعنی سنن غیر مؤکدہ ہیں، ان کے فضائل اور ثواب احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔<sup>(۸)</sup>

= الجمعة، فصل في استحباب أربع ركعات أو الركعتين بعد؛ الجمعة، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن الترمذي: ۱/۱۱۷، رقم الحديث: ۵۲۳، أبواب الجمعة، باب ما جاء في الصلاة قبل الجمعة وبعدها، ط: البدر - ديوبند) وروي عن عبد الله بن مسعود: أنه كان يصلي قبل الجمعة أربعاً، وبعدها أربعاً — وروي عن علي بن أبي طالب أنه: أمر أن يصلي بعد الجمعة ركعتين، ثم أربعاً. (سنن الترمذي: ۱/۱۱۷، أبواب الجمعة، باب ما جاء في الصلاة قبل الجمعة وبعدها، ط: البدر - ديوبند)

و يصلي قبلها أربعاً وفي رواية ستا الأربع سنة والركعتان تحية المسجد وبعدها أربعاً أو ستا على حسب الاختلاف في سنة الجمعة و سننها توابع لها. (الهداية في شرح بداية المبتدي - المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ) ۱/۱۳۰، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت) (وسن مؤكداً (أربع قبل الظهر و) أربع قبل (الجمعة و) أربع (بعدها بتسليمة) ... الخ. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۳، كتاب الصلاة، باب الوتر والنفل، ط: دار الفكر ☆ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۳۸۹، فصل في بيان النوافل، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

قال العلامة العثماني: عن أبي عبد الرحمان السلمي... فإن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه يعلمنا أن نصلي أربع ركعات بعد الجمعة، حتى سمعنا قول علي صلوا ستاً... الخ. ذهب إليه أبو يوسف من أئمتنا أن السنة بعد الجمعة ست ركعات. (إعلاء السنن: ۱۲/۷، كتاب الصلاة، باب النوافل، إدارة القرآن - كراتشي، بحوالہ فتاویٰ محمودیہ: ۸/۳۲۳) [۸] (ويستحب أربع قبل العصر، وقبل العشاء وبعدها بتسليمة) وإن شاء ركعتين، وكذا بعد الظهر لحديث الترمذي "من حافظ على أربع قبل الظهر وأربع بعدها حرّمه الله على النار" (وست بعد المغرب) ليكتب من الأوابين (بتسليمة) أو ثنتين أو ثلاث والأول أذوم وأشق وهل تحسب المؤكدة من المستحب، ويؤدى الكل بتسليمة واحدة؟ اختار الكمال: نعم. وحرر إباحة ركعتين خفيفتين قبل المغرب؛ وأقره في البحر والمصنف. (الدر المختار) — وقال ابن عابدين: (قوله ويستحب أربع قبل العصر) لم يجعل للعصر سنة راتبه لأنه لم يذكر في حديث عائشة المار بحر قال في الإمداد وخير محمد بن الحسن والقُدوري المصلي بين أن يصلي أربعاً أو ركعتين قبل العصر لاختلاف الآثار (قوله وإن شاء ركعتين) كذا عبر في منية المصلي. وفي الإمداد عن الاختيار: يستحب أن يصلي قبل العشاء أربعاً وقيل ركعتين، وبعدها أربعاً وقيل ركعتين اهـ. والظاهر أن الركعتين =

آپ سنن مؤکدہ نہیں پڑھتے ہیں، یہ غلط ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

آگاہ رہو! بے شک مجھے کتاب دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اس کے مثل بھی دی گئی ہے، خبردار! قریب ہے کہ ایک پیٹ بھرا آدمی اپنے تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھا کہے گا کہ تمہارے ذمہ قرآن کو پکڑنا لازم ہے۔ (صرف قرآن کافی ہے، حدیث کی ضرورت نہیں) پس تم اس میں جو حلال پاؤ، تو اسے حلال سمجھو اور جو اس میں تم حرام پاؤ، تو اسے حرام سمجھو۔ خبردار! (اس کی بات میں مت آنا)..... الحدیث۔ (ابوداؤد)<sup>[۹]</sup>

اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے صرف قرآن کریم پر تکیہ کرنے سے منع فرمایا ہے اور حدیث پاک سے ثابت ہونے والے احکام کو نہ ماننے والے کو سخت لہجہ میں متنبہ کیا ہے۔ جس کا حاصل یہ نکلا کہ سنت (مؤکدہ وغیر مؤکدہ) کا اگر قرآن کریم میں ذکر نہ ہو، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ شریعت میں مطلوب نہیں ہے، آپ ﷺ نے سنت کی ادائیگی کا بڑا اہتمام فرمایا ہے، نیز ان کے پڑھنے پر بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ اگر فرائض میں کمی ہوگی، تو ان سنتوں کے ذریعہ قیامت میں تلافی کی جائے گی۔<sup>(۱۰)</sup>

=المذکورین غیر المؤکدین۔ (رد المحتار علی الدر المختار: ۲/۱۳، کتاب الصلاة، باب الوتر والنفل، ط: دار الفکر - بیروت)

(۹) عن المقدم بن معدی کرب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: "ألا إني أوتيت الكتاب، ومثله معه ألا يوشك رجل شبعان على أريكته يقول عليكم بهذا القرآن فما وجدتم فيه من حلال فأحلوه، وما وجدتم فيه من حرام فحرّموه، ألا لا يحل لكم لحم الحمار الأهلي، ولا كل ذي ناب من السبع، ولا لقطه معاهد، إلا أن يستغني عنها صاحبها، ومن نزل بقوم فعليهم أن يقروه فإن لم يقروه فله أن يعقبهم بمثل قراه". (سنن أبي داود: ۲/۶۲۳، رقم الحديث: ۴۶۰۴، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، ط: البدر - ديوبند)

(۱۰) (عن أبي هريرة) قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "إن أول ما يحاسب به العبد يوم القيامة من عمله صلاته، فإن صلحت فقد أفلح وأنجح، وإن فسدت فقد خاب وخسر، فإن انتقص من فريضته شيء، قال الرب عز وجل: انظروا هل لعبدي من تطوع فيكمل بها ما انتقص من الفريضة، ثم يكون سائر عمله على ذلك". (سنن الترمذي: ۱/۹۳، كتاب الصلاة، باب ما جاء أن أول ما يحاسب به العبد الصلاة، ط: ياسر نديم - ديوبند)

... شرعت البعدية لجبر النقصان، والقلبية لقطع طمع الشيطان. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۳، كتاب الصلاة، باب الوتر والنفل، ط: دار الفکر)

السنة المؤكدة بمنزلة الواجب في الإثم بالترك كما صرحوا به كثيرا وصرح به في المحيط هنا وأنه لا يجوز ترك السنن المؤكدة. (البحر الرائق: ۲/۸۶، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الكتاب ديوبند)

سنن زوائد انسان مسجد میں جا کر ادا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، تو فرائض کو استحضار قلب کے ساتھ پڑھنے کی توفیق ملتی ہے۔ آپ مسجد میں اذان ہوتے ہی چلے جاتے ہیں، تو اس کا اہتمام کریں، ورنہ مسجد میں پہنچ کر لغو باتوں میں مشغول ہو جانے کا خطرہ رہے گا۔

بنیادی بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض کے علاوہ بہت سی نمازیں سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کے طور پر ادا فرمائی ہیں؛ اس لیے آپ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے فرائض میں نقصان کی تلافی کے لیے کمر بستہ ہو جائیں اور سنن و نوافل کا اہتمام کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۸] نفل اور سنت نماز کا حکم اور ان کی تعداد

۸۹۴-سوال: نفل نماز کا کیا حکم ہے؟ اور نفل رکعتیں کتنی ہیں؟ مغرب اور عشاء کی جو نفل رکعتیں ہیں، انہیں پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

#### الجواب حامدًا ومصلياً

فرض نماز سے پہلے اور بعد میں کل بارہ رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں، بلا عذر ان کا چھوڑنا جائز نہیں ہے، ان کو چھوڑنے والا لعنت کا مستحق ہے، اور سنت کو خفیف اور بے عزت سمجھ کر چھوڑنے والے پر کفر کا اندیشہ ہے۔

مذکورہ بارہ رکعتوں کے علاوہ پڑھی جانے والی نفل نماز کو سنت غیر مؤکدہ یا مستحب کہتے ہیں۔ ان کے پڑھنے والے بہت ثواب کے مستحق ہوں گے اور چھوڑنے والے گنہگار نہ ہوں گے۔ کتابوں میں مذکور نفل اور مستحب نماز کے پڑھنے پر بھی بہت سے وعدے اور فضائل بیان کیے گئے ہیں؛ اس لیے انہیں پڑھنا بہتر ہے، ترک کی عادت نہیں بنانی چاہیے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] کم وقت میں زیادہ رکعت پڑھنے والا بہتر ہے یا زیادہ وقت میں کم رکعت پڑھنے والا؟

۸۹۵-سوال: ایک شخص چار منٹ میں چھ رکعت پڑھتا ہے، دوسرا شخص چار منٹ میں چار رکعت پڑھتا ہے اور تیسرا شخص چار منٹ میں دو رکعت پڑھتا ہے، تو ان تینوں میں سے بہتر کون ہے اور کس کو زیادہ ثواب ملے گا؟ بہت سوں کو دیکھا ہے وہ جلدی جلدی نماز پڑھتے ہیں تو کیا جلدی نماز پڑھنا خشوع اور خضوع

(۱) مسئلے کی تفصیل اور تخریج کے لیے دیکھیے ”سنن مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کی تعریف اور ان کا حکم“ کے تمام حواشی۔

کے خلاف نہیں ہے؟ کیا نماز جیسی عظیم الشان عبادت میں تعدیل ارکان ضروری نہیں ہے؟ بیٹو، تو جروا۔

### الجواب حامدًا ومصلياً

جو شخص نفل نماز میں زیادہ لمبی قراءت کرے اور رکعت کم پڑھے، وہ اس شخص سے بہتر ہے، جو قراءت کم کرے اور رکعت زیادہ پڑھے، صورت مسئولہ میں چار منٹ میں دو رکعت پڑھنے والا شخص بہتر ہوگا؛ اس لیے کہ کم رکعت پڑھنے والا قرآن کی تلاوت زیادہ کرے گا اور قرآن کی تلاوت، تمام اذکار میں سب سے بہتر یعنی افضل الذکر ہے؛ اس لیے زیادہ وقت میں کم رکعت پڑھنے والا، کم وقت میں زیادہ رکعت پڑھنے والے سے بہتر ہوگا۔<sup>(۱)</sup>

نماز میں تعدیل ارکان واجب ہے، اگر کوئی شخص تعدیل ارکان کا خیال کرتے ہوئے جلدی نماز پڑھتا ہے، تو اس کی نماز ہو جائے گی اور جو شخص جلدی نماز پڑھتا ہے اور تعدیل ارکان کا لحاظ نہیں کرتا، تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ واجب ترک کرنے کی وجہ سے دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہوگا۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۰] بہن کی ہم نام خاتون کے ساتھ نکاح کے لیے صلاۃ استخارہ

۸۹۶-سوال: صلوٰۃ استخارہ کا طریقہ کیا ہے؟ نیز کسی ایسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے کے

لیے، جو میری بہن کے ہم نام ہے، استخارہ کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(۱) والحاصل أن المذهب المعتمد أن طول القيام أحب، ومعناه كما في شرح المنية أنه إذا أراد شغل حصه معينة من الزمان بصلاة فإطالة القيام مع تقليل عدد الركعات أفضل من عكسه، فصلاة ركعتين مثلاً في تلك الحصه أفضل من صلاة أربع فيها، وهكذا القياس. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۸/۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الفكر - بيروت)

وَلْيَاكُفِّرُوا كَثِيرًا. (۲۹-العنكبوت: ۳۵)

(۲) وأما الاعتدال في الركوع والسجود وكل ركن، هو أصل بنفسه، ذكر الكرخي: أنه واجب على قولهما. هكذا في الظهيرية، وهو الصحيح. كذا في شرح المنية لابن أمير الحاج، وتعدیل الأركان: هو تسكين الجوارح؛ حتى تطمنن مفاصله، وأدناه قدر تسبيحة. كذا في العيني شرح الكنز، والنهر الفائق. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۷۱، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة، ط: زكريا - ديوبند ☆ النهر الفائق شرح كنز الدقائق - سراج الدين عمر بن إبراهيم بن نجيم الحنفی (م: ۱۰۵۵ھ) - ۱/۱۹۹، باب صفة الصلاة: ت: أحمد عزو عناية، ط: دار الكتب العلمية ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۱/۲۶۳، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الفكر - بيروت)

## الجواب حامدًا ومصليًا:

آپ سونے سے قبل وضوء کر کے دو رکعت نماز نفل کی نیت سے پڑھیں، پھر استخارہ کی مسنون دعاء پڑھ کر سوجائیں۔ دعاء میں ”هذا الأمر“ کے بجائے اس لڑکی کا نام لیں اور یہ کہیں کہ اس لڑکی کے ساتھ نکاح کا ارادہ رکھتا ہوں، اس کے بعد آپ سوجائیں، اگر پندرہ، بیس دنوں میں آپ کے دل کو سکون و اطمینان نصیب ہو جائے اور ان سے شادی کرنے پر دل مطمئن ہو جائے، تو نکاح کر لیں۔<sup>(۱)</sup>

صورت مسئلہ میں استخارہ کرنا چاہیے۔<sup>(۲)</sup>

نوٹ: اس مسئلے کی مزید معلومات کے لیے میری کتاب ”مسلمان عورت حصہ اول دوم“ کا مطالعہ کیجیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۱] استخارہ کا طریقہ

۸۹۷-سوال: استخارہ کا طریقہ اور اس کی ترتیب کیا ہے؟

(۱-۲) عن جابر رضي الله عنه، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يعلمنا الاستخارة في الأمور كلها، كالمسورة من القرآن: "إذا هم بالأمر فليركع ركعتين ثم يقول: اللهم إنني أستخيرك بعلمك، وأستقدرك بقدرتك، وأسألك من فضلك العظيم، فإنك تقدر ولا أقدر، وتعلم ولا أعلم، وأنت علام الغيوب، اللهم إن كنت تعلم أن هذا الأمر خير لي في ديني ومعاشي وعاقبة أمري - أو قال: في عاجل أمري وآجله - فاقدره لي، وإن كنت تعلم أن هذا الأمر شر لي في ديني ومعاشي وعاقبة أمري - أو قال: في عاجل أمري وآجله - فاصرفه عني واصرفني عنه، واقدر لي الخير حيث كان، ثم رضني به، ويسمي حاجته". (صحيح البخاري: ۹۴۳/۲، رقم الحديث: ۶۳۸۲، كتاب الدعوات، باب الدعاء عند الاستخارة، ط: البدر - ديوبند)

وفي الحلية: ويستحب افتتاح هذا الدعاء وختمه بالحمدلة والصلاة. وفي الأذكار أنه يقرأ في الركعة الأولى الكافرون، وفي الثانية الإخلاص. اهـ. وعن بعض السلف أنه يزيد في الأولى - {وربك يخلق ما يشاء ويختار} [القصص: ۲۸] إلى قوله - {يعلنون} [القصص: ۲۹] - وفي الثانية {وما كان لمؤمن ولا مؤمنة} [الأحزاب: ۳۶] الآية. وينبغي أن يكرر هاسبعاً، لما روى ابن السني "يأنس إذا هممت بأمر فاستخر ربك فيه سبع مرات، ثم انظر إلى الذي سبق إلى قلبك فإن الخير فيه" ولو تعذرت عليه الصلاة استخار بالدعاء اهـ ملخصاً. وفي شرح الشريعة المسموع من المشايخ أنه ينبغي أن ينام على طهارة مستقبل القبلة بعد قراءة الدعاء المذكور، فإن رأى منامه بياضا أو خضرة فذلك الأمر خير، وإن رأى فيه سواداً أو حمرة فهو شر ينبغي أن يجتنب اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲۶/۲-۲۷، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في ركعتي الاستخارة، ط: دار الفکر - بيروت)

## الجواب حامد اومصلیا:

جب کوئی اہم کام درپیش ہو، تو پہلے دو رکعت نماز پڑھے، پہلی رکعت میں ”قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ“ اور دوسری رکعت میں ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ پڑھے، سلام پھیرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج کر یہ دعا پڑھے: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ، وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ، وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ، اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أُمْرِي أَوْ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ، فَأَقْضِرْهُ لِي، وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أُمْرِي أَوْ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَأَصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ، وَأَقْضِرْ لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ، ثُمَّ رَضِّنِي بِهِ.<sup>(۱)</sup>

ترجمہ: اے اللہ میں آپ سے آپ کے علم کے ذریعہ خیر طلب کرتا ہوں اور آپ کی قدرت کے ذریعہ آپ سے (بھلے کام پر) قدرت طلب کرتا ہوں اور آپ سے آپ کے بڑے فضل (مہربانی و انعام) کا سوال کرتا ہوں؛ کیوں کہ آپ کو قدرت ہے اور مجھے قدرت نہیں اور آپ جانتے ہیں اور میں نہیں جانتا اور آپ تمام غیبوں کو خوب جاننے والے ہیں۔ اے اللہ! اگر آپ کے علم میں یہ کام (یہاں کام کا نام لے) میرے لیے دین و دنیا، حال و مستقبل اور آخرت کے لحاظ سے بہتر ہے، تو آپ اسے میرے لیے مقدر فرما دیجیے اور اسے میرے لیے اس میں آسانی پیدا فرما دیجیے، پھر میرے لیے اس میں برکت عطا فرمائیے۔ اور اگر یہ کام (یہاں کام کا نام لے) میرے لیے دین و دنیا، حال و مستقبل، معاش اور انجام کار کے لحاظ سے برا ہے، تو اس کام کو مجھ سے دور رکھیے اور میرے دل کو اس کام کی طرف سے پھیر دیجیے، اور جہاں بھی میرے لیے خیر مقدر ہو، اس کا میرے لیے فیصلہ فرما دیجیے اور جو فیصلہ آپ فرمائیں، اس پر مجھے خوش رکھیے۔

اگر یہ دعا عربی میں نہیں پڑھ سکتا، تو گجراتی میں یا کسی بھی زبان میں پڑھ لے، دعا پڑھنے کے بعد قبلہ رخ ہو کر سوجائے، اگر نیند میں سفید یا ہرے رنگ کی کوئی چیز دیکھے، تو یہ اس کام کے خیر ہونے کی علامت ہے، اور اگر کالے یا سرخ رنگ کی چیز دیکھے، تو اس کام کے شر ہونے کی علامت ہے؛ لہذا اس سے بچنا چاہیے، خواب کسی چیز کا دیکھنا یا نہ دیکھنا اصل نہیں ہے؛ اس لیے اگر کوئی خواب نہ دیکھے، تو دل جس پر جم جائے، اسی کو

(۱) صحیح البخاری: ۲/۹۴۴، رقم الحدیث: ۲۳۸۲، کتاب الدعوات، باب الدعاء عند الاستخارة، ط: دیوبند.

کر لے، اگر ایک دن میں تسلی و تشفی نہ ہو، تو سات دن تک ایسا ہی کرے، پھر جو کام کرے گا، اسی میں بھلائی ہوگی۔ (شامی، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب فی رکعتی الاستحارة، ج ۲: ۲، ص: ۴۰، ذکر یا- دیوبند) [۱]

## [۱۲] سنن و نوافل کو گھر میں ادا کرنا اور عشاء کی آخری دو رکعت بیٹھ کر ادا کرنا

۸۹۸-سوال: فجر کی دو رکعت سنت مؤکدہ گھر سے پڑھ کر جانے اور عشاء کی آخری دو رکعت

نفل بیٹھ کر پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بعض لوگ عشاء کی آخری دو رکعت بیٹھ کر پڑھنے کو سنت بتلاتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا

فجر کی دو رکعت گھر میں پڑھنا سنت ہے۔ (۲) اس کے علاوہ دوسرے نوافل بھی گھر پر، پڑھنا افضل ہے؛ لیکن اگر یہ خوف ہو کہ سستی اور مشغولی کی وجہ سے نماز کے بعد نوافل گھر جا کر نہیں پڑھ سکے گا، تو پھر مسجد میں پڑھ لینا افضل ہے۔ نیز فجر کی دو رکعت مسجد میں نہ پڑھنے کی وجہ سے جاہل لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو کہ فجر کی سنت، سنت مؤکدہ نہیں ہے یا ایسی بدگمانی کا اندیشہ ہو کہ لوگ یہ کہیں گے کہ فلاں صاحب سنت نہیں

(۱) وفي الحلية: ويستحب افتتاح هذا الدعاء وختمه بالحمدلة والصلاة. وفي الأذكار أنه يقرأ في الركعة الأولى الكافرون، وفي الثانية الإخلاص. اهـ. وعن بعض السلف أنه يزيد في الأولى - {وربك يخلق ما يشاء ويختار} [القصص: ۲۸] إلى قوله - {يعلمون} [القصص: ۲۹] - وفي الثانية {وما كان لمؤمن ولا مؤمنة} [الأحزاب: ۳۶] الآية. وينبغي أن يكرر هاسبعاً، لما روى ابن السني "يا أنس إذا هممت بأمر فاستخر ربك فيه سبع مرات، ثم انظر إلى الذي سبق إلى قلبك فإن الخير فيه"، ولو تعذرت عليه الصلاة استخار بالدعاء اهـ ملخصاً.

وفي شرح الشريعة: المسموع من المشايخ أنه ينبغي أن ينام على طهارة مستقبل القبلة بعد قراءة الدعاء المذكور، فإن رأى منامه بياضاً أو خضرة فذلك الأمر خير، وإن رأى فيه سواداً أو حمرة فهو شر ينبغي أن يجتنب اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲۶۲/۲-۲۷، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في ركعتي الاستحارة،

ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱۱۲/۱، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، ط: زكريا - ديوبند)

(۲) وفي الخلاصة: والسنة في ركعتي الفجر ثلاث: أحدها أن يقرأ في الركعة الأولى {قل يا أيها الكافرون}، وفي الثانية الإخلاص، والثانية أن يأتي بهما أول الوقت، والثالثة أن يأتي بهما في بيته... اهـ. (البحر الرائق: ۸۵/۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الكتاب ديوبند ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲۰/۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، قبيل: مبحث مهم في الكلام على الضجعة بعد سنة الفجر، ط: دار الفكر - بيروت)

پڑھتے ہیں، تو ایسی صورت میں مسجد میں پڑھنا بہتر ہے۔<sup>(۱)</sup>

وتر کے بعد کی دو رکعت نفل کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے، آپ ﷺ تہجد کے بعد وتر پڑھتے تھے لمبی تہجد پڑھنے کی وجہ سے تھک جاتے تھے؛ اس لیے بعض مرتبہ بیٹھ کر پڑھتے تھے، ہمارے لیے کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے، ہاں اگر کوئی آدمی تہجد کے بعد وتر کی نماز پڑھتا ہے۔<sup>(۲)</sup> اور آپ ﷺ کی اتباع کی نیت سے بیٹھ کر دو رکعت پڑھتا ہے، تو زیادتی ثواب کا مستحق ہوگا۔ (در مختار) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) والأفضل في النفل غير التراويح المنزل إلا لخوف شغل عنها والأصح أفضلية ما كان أخشع وأخلص. (الدر المعاصر) قال ابن عابدين: (قوله والأفضل في النفل إلخ) شمل ما بعد الفريضة وما قبلها لحديث الصحيحين: عليكم الصلاة في بيوتكم فإن خير صلاة المرء في بيته إلا المكتوبة. وأخرج أبو داود "صلاة المرء في بيته أفضل من صلاته في مسجدي هذا إلا المكتوبة" وتماهه في شرح المنية، وحيث كان هذا أفضل يراعى ما لم يلزم منه خوف شغل عنها لو ذهب لبيته، أو كان في بيته ما يشغل باله ويقلل خشوعه، فيصليها حينئذ في المسجد لأن اعتبار الخشوع أرجح. (رد المحتار على الدر المختار: ۲۲/۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في الكلام على حديث النهي عن النذر، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) عن عبد الله بن عمرو، قال: حدثت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: صلاة الرجل قاعدا نصف الصلاة، قال: فأتيته، فوجدته يصلي جالسا، فوضعت يدي على رأسه، فقال: مالك يا عبد الله بن عمرو، قلت: حدثت يا رسول الله أنك قلت: صلاة الرجل قاعدا على نصف الصلاة، وأنت تصلي قاعدا، قال: أجل، ولكني لست كأحد منكم. (الصحيح لمسلم: ۱/۲۵۳، رقم الحديث: ۱۲۰- (۷۳۵)، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب جواز النافلة قائما وقاعدا، وفعل بعض الركعة قائما وبعضها قاعدا، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن أبي داود: ۱/۱۳۷، رقم الحديث: ۹۵۰، كتاب الصلاة، باب في صلاة القاعد، ط: البدر - ديوبند ☆ المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي (م: ۳۰۳-هـ): ۳/۲۲۳، رقم الحديث: ۱۶۵۹، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب فضل صلاة القائم على صلاة القاعد، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

لأنه صلى الله عليه وسلم كان يصلي بعد الوتر قاعدا... و "لكن له" أي للمتفضل جالسا "نصف أجر القائم" لقوله صلى الله عليه وسلم: "من صلى قائما فهو أفضل ومن صلى قاعدا فله نصف أجر القائم ومن صلى نائما فله نصف أجر القاعد" "إلا" أنهم قالوا هذا في حق القادر. (مراقى الفلاح شرح متن نور الإيضاح، ص: ۱۵۲، باب في النوافل، فصل في صلاة النفل جالسا وفي الصلاة على الدابة وصلاة الماشي، اعتنى به وراجعه: نعم زرزور، ط: المكتبة العصرية) (قوله ولكن له نصف أجر القائم) يستثنى منه صاحب الشرع صلى الله عليه وسلم كما ورد عنه صلى الله عليه وسلم. فإن أجر صلوته قاعدا كأجر صلوته قائما، فهو من خصوصياته. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ۱/۲۶۵، فصل في صلاة النفل جالسا، ط: المطبعة الكبرى الأميرية ببلاق، مصر)

قلت الصواب أن هاتين الركعتين فعلهما صلى الله عليه وسلم بعد الوتر جالسا لبيان جواز الصلاة بعد الوتر وبيان =



## [۱۳] رمضان میں تہجد کی نماز باجماعت پڑھنے کا حکم

۸۹۹-سوال: چہ فرمائید علمائے دین و مفتیان شرع متین در بارہٴ این مسئلہ کہ گزاردن نماز تہجد باجماعت در رمضان المبارک شرعاً جائز است یا نہ؟ بعضے دریں ادائے کردن تہجد باجماعت مکروہ دانند و بعضے جائز گویند، و بعضے بلا تداعی آں را در رمضان مبارک حرج نمی دانند، این قول مفتی بہ عند الاحناف در فقہ نمی آید، و شمار مؤدبانہ التماس کرده شود تا این مسئلہ یعنی گزاردن نماز تہجد باجماعت در رمضان مبارک قدرے تفصیل بیان کرده شود، و قول مفتی بہ عند الاحناف ذکر کرده آید، تا عمل برائے عوام الناس در تشویش افتادہ اند سہل آید، بیضا بسند الکتاب و توجروانی اللہ الملک الوہاب، فقط۔<sup>(۱)</sup>

### الجواب حامداً ومصلياً

بعض اکابر رمضان المبارک میں ”نماز تہجد“ جماعت سے ادا کرتے تھے؛ بغیر تداعی کے اس کی اجازت ہے، تاہم افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ تہجد کی نماز تنہا پڑھی جائے، بلا تداعی کبھی کبھار دو تین شخص کسی کی اقتداء میں تہجد ادا کر لیں، تو جائز ہے۔

البتہ تین سے زائد نے غیر رمضان میں اقتداء کی ہو، تو مکروہ ہے، تاہم اقتداء صحیح ہو جائے گی۔  
در حقیقت اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ باجماعت تہجد کی نماز ادا کرنا کیسا ہے؟ واضح رہے کہ یہ اختلاف جواز و عدم جواز کا نہیں ہے؛ بل کہ کراہت و عدم کراہت کا ہے۔

تداعی کے بغیر ہو، تو رمضان وغیر رمضان: ہر دو میں اس کا باجماعت ادا کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

= جواز النفل جالساً ولم يواظب على ذلك بل فعله مرة أو مرتين أو مرات قليلة. (شرح النووی: ۷۵/۳، صلاة اللیل و عدد الرکعات، ط: دار احیاء التراث العربی - بیروت)  
والمحققون من اکابرنا علی أن اتیانها قیاماً أفضل اھ. (إعلاء السنن: ۱۰۹/۲، کتاب الصلاة، حکم الرکعتین بعد الوتر، ط: إدارة الکراچی)

(۱) ترجمہ: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ: رمضان المبارک میں تہجد کی نماز باجماعت پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بعض حضرات باجماعت تہجد کی نماز ادا کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں، جب کہ بعض حضرات اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ بعض بغیر تداعی کے رمضان میں کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں، اور یہی قول فقہ حنفی میں مفتی بہ ہے۔ آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ اس مسئلے کو واضح فرمائیں اور مفتی بہ قول کی بھی نشان دہی کر دیں، تاکہ عوام کے لیے اس اختلافی مسئلے میں عمل کرنا آسان ہو جائے۔ بیضا و توجروا۔

تداعی کے ساتھ غیر رمضان میں مکروہ ہے۔ البتہ رمضان المبارک میں کیا حکم ہے؟ فقہ حنفی کی بیشتر روایت تو یہی ہے کہ رمضان میں بھی تداعی کے ساتھ مکروہ ہے؛ بعض فقہاء کی صراحت کے مطابق مکروہ تنزیہی ہے، بعض کی صراحت کے مطابق مکروہ تحریمی۔<sup>(۱)</sup>

خود بعض اکابر کا یہی معمول رہا ہے کہ تہجد میں جماعت کے ساتھ قرآن کریم ختم کرتے تھے۔

بعض نے تداعی کا مطلب ”اذان و اقامت“ بیان کیا ہے، لہذا نفل نماز جماعت سے ادا کرنے کے لیے اذان و اقامت کہنا مکروہ ہوگا اور اس پر مواظبت مکروہ تحریمی؛ بل کہ بدعت کی حد میں داخل ہو کر حرام ہوگا۔

جو حضرات تہجد کی نماز رمضان المبارک میں جماعت سے ادا کرتے ہیں، وہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

من قام رمضان إيماناً واحتساباً. الحدیث (بخاری، مسلم)<sup>[۲]</sup> سے استدلال کرتے ہیں کہ اس روایت میں تراویح

[۱] [ولا يصلي الوتر و لا التطوع بجماعة خارج رمضان) أي يكره ذلك على سبيل التداعي، بأن يقتدي أربعة بواحد كما في الدرر، ولا خلاف في صحة الاقتداء إذ لا مانع نهر. [الدر المختار] — قال ابن عابدین: (قوله أي يكره ذلك) أشار إلى ما قالوا من أن المراد من قول القدوري في مختصره لا يجوز الكراهة لا عدم أصل الجواز، لكن في الخلاصة عن القدوري أنه لا يكره، وأيده في الحلية بما أخرجه الطحاوي عن المسور بن مخرمة، قال: دفنا أبا بكر - رضي الله تعالى عنه - ليلاً، فقال عمر - رضي الله عنه -: إني لم أوتر، فقام وصفنا وراءه فصلى بنا ثلاث ركعات لم يسلم إلا في آخرهن. ثم قال: ويمكن أن يقال: الظاهر أن الجماعة فيه غير مستحبة، ثم إن كان ذلك أحياناً كما فعل عمر كان مباحاً غير مكروه، وإن كان على سبيل المواظبة كان بدعة مكروهة؛ لأنه خلاف المتوارث، وعليه يحمل ما ذكره القدوري في مختصره، وما ذكره في غير مختصره يحمل على الأول، والله أعلم اهـ. — قلت: ويؤيده أيضاً ما في البدائع من قوله: إن الجماعة في التطوع ليست بسنة إلا في قيام رمضان اهـ فإن نفي السنة لا يستلزم الكراهة، نعم إن كان مع المواظبة كان بدعة فيكره. وفي حاشية البحر للنخير الرملي: علل الكراهة في الضياء والنهاية بأن الوتر نفل من وجه حتى وجبت القراءة في جميعها، وتؤدى بغير أذان وإقامة، والنفل بالجماعة غير مستحب؛ لأنه لم تفعله الصحابة في غير رمضان اهـ وهو كالصريح في أنها كراهة تنزيهية تأمل اهـ. — (قوله على سبيل التداعي) هو أن يدعو بعضهم بعضاً كما في المغرب، وفسره الواني بالكثرة وهو لازم معناه. — (قوله أربعة بواحد) أما اقتداء واحد بواحد أو اثنين بواحد فلا يكره، وثلاثة بواحد فيه خلاف بحر عن الكافي. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۸-۳۹، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في كراهة الاقتداء في النفل على سبيل التداعي وفي صلاة الرغائب، ط: دار الفكر - بيروت)

[۲] عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من قام رمضان إيماناً واحتساباً، غفر له ما تقدم من ذنبه. (صحيح البخاري: ۱۰/۱، رقم الحديث: ۳۷ و ۳۸، كتاب الإيمان، باب: تطوع قيام رمضان من الإيمان، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۲۵۹، رقم الحديث: ۱۷۳ - (۵۵۹)، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الترغيب في قيام رمضان، وهو التراويح)

کی کوئی قید نہیں ہے؛ لہذا تراویح وغیر تراویح ہر دو کا جماعت سے ادا کرنا جائز ہوگا۔

اسی طرح سے فقہاء نے لکھا ہے کہ نفل مطلقاً جماعت سے تداعی کے بغیر جائز ہے: وفي عمدة الفقهاء وتحفة الفقهاء: والتفسير فيه أن التطوع بالجماعة إذا لم يكن على وجه التداعي، وهو بالأذان والإقامة على سبيل الجهر - كما هو المعتاد في المساجد - لا يكره... (الخرزانه: ۱/ ۲۰۴) [۳]

الغرض رمضان المبارک میں باجماعت تہجد پڑھنا مختلف فیہ ہے؛ اس لیے جو حضرات کسی حافظ، قاری و عالم کے پیچھے تہجد ادا کرتے ہیں، ان پر شدت سے نکیر نہ کی جائے؛ اس لیے کہ اگر شدت سے روکا گیا، تو منفرداً تہجد کو چھوڑ دیں گے، یہ ایسا ہی ہے، جیسے کہ وقت مکروہ میں نماز ادا کرنا، کہ باتفاق علماء احناف مکروہ تحریمی ہے، اس کے باوجود اگر عوام کو اس وقت نماز پڑھنے سے نہیں روکا جائے گا، جیسا کہ علامہ حصکفیؒ نے صراحت کی ہے کہ: وقت مکروہ میں جو نماز ادا کرے، اس کو نہ روکا جائے، اگر اس وقت نماز سے روک دیا گیا، تو احتمال ہے کہ نماز قضا کر دے گا یا نماز کو ترک کر دے گا۔<sup>(۴)</sup>

الغرض تہجد جماعت سے ادا کرنے پر رمضان المبارک میں سختی سے نکیر نہ کی جائے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] تہجد کی نماز باجماعت پڑھنا اور طلوع صبح صادق کے بعد اور اذان فجر سے قبل پڑھنا

[۱۵] نماز کی حالت میں کھجلا نا، مچھر کو بھگانا اور سجدے کی حالت میں زمین سے پیراٹھانا

۹۰۰- سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسائل ذیل کے بارے میں:

(۱) تہجد کی نماز باجماعت ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ زید کا کہنا ہے کہ اعلان کر کے یا لوگوں کو بلا کر جماعت کرنا جائز نہیں ہے، ہاں جب کسی آدمی کو تہجد کی جماعت میں شرکت کی دعوت نہ دی جائے اور نہ ہی کسی کو بلانے کے لیے بھیجا جائے، بل کہ کچھ لوگ تہجد کے لیے خود اپنے شوق و رغبت سے آجائیں، تو کوئی حرج کو بلانے کے لیے بھیجا جائے، بل کہ کچھ لوگ تہجد کے لیے خود اپنے شوق و رغبت سے آجائیں، تو کوئی حرج

[۳] لم أجدها في الكتاب.

(۴) (و کرہ) تحریم، وکل ما لا یجوز مکروہ (صلاة) مطلقاً (ولو) قضاء أو واجبة أو نفلأو (على جنازة وسجدة تلاوة وسهواً) لا شکر قنیة (مع شروق) إلا العوام، فلا یمنعون من فعلها؛ لأنهم یتروکونها، والأداء الجائز عند البعض أولى من التروک كما فی القنیة وغیرها. (الدالمختار مع رد المحتار: ۱/ ۳۷۰-۳۷۱، کتاب الصلاة، ط: دار الفکر)

نہیں ہے۔ ہمارے یہاں یہی صورت حال رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ان لوگوں کی طرف سے پیش آتی ہے، جو شب بیداری کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ تہجد میں مکمل کلام پاک سن کر زیادہ اجر و ثواب کے مستحق ہوں، نیز یہ حضرات اپنے طور پر اپنے خویش واقارب کو ترغیب دے کر تہجد کی جماعت میں شریک ہونے کے لیے لاتے ہیں، تو اس طرح جماعت بڑی ہو جاتی ہے؛ لہذا اب دریافت یہ کرنا ہے کہ مذکورہ بالا صورت کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

(۲) اکثر جگہ رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں فجر کی اذان صبح صادق کے آدھا گھنٹہ یا مزید کچھ دیر بعد ہوتی ہے، تو اس صورت میں اذان سے قبل اور صبح صادق کے بعد تہجد پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) نماز کی حالت میں کھجلانا، چھڑوں کو بھگانا، داڑھی کا بار بار خلال کرنا، پکڑنا یا دونوں ہاتھوں سے دامن کو بار بار صحیح کرنے کا کیا حکم ہے؟

(۴) سجدے کی حالت میں ایک پاؤں کا زمین سے اٹھانا کیسا ہے؟ اور اگر دونوں پاؤں اٹھ جائے، تو شرعی حکم کیا ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

تہجد کی نماز کے لیے جماعت غیر مسنون (مکروہ) ہے؛ غیر رمضان میں کسی صاحب نے تہجد کی نماز پڑھنا کے لیے نیت باندھی، دو تین مقتدیوں نے اس کی اقتدا کر لی، تو جائز ہے، حضرت عتبان بن مالک کے مکان پر رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے، آپ ﷺ نے نماز شروع فرمائی، دیگر صحابہ نے اقتدا کر لی، تو آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا؛ لہذا اگر کبھی بلا تداعی غیر رمضان میں اتفاقی طور سے جماعت بن گئی، تو جائز ہے۔ (حدیث بخاری)<sup>[۱]</sup>

البتہ رمضان المبارک میں تہجد کی نماز جماعت سے ادا کرنے کے متعلق اختلاف ہے؛ بعض علماء نے جائز کہا ہے اور شامی اور بدائع کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے، جس میں ہے: ”جماعت، نفل نماز کے لیے مسنون نہیں ہے، سوائے نوافل رمضان میں۔“

[۱] عن عتبان بن مالك، أن النبي صلى الله عليه وسلم أتاه في منزله، فقال: أين تحب أن أصلي لك من بيتك؟ قال: فأشرت له إلى مكان، فكبر النبي صلى الله عليه وسلم، وصفنا خلفه، فصلى ركعتين. (صحيح البخاري: ۶۰/۱، رقم الحدیث: ۴۲۴، كتاب الصلاة، باب إذا دخل بيتنا يصلي حيث شاء أو حيث أمر ولا يتجسس، ط: البدر - ديوبند)

رمضان کے نوافل میں تراویح اور تہجد دونوں داخل ہوں گے؛ لہذا رمضان المبارک میں تہجد کی نماز جماعت سے پڑھنا جائز ہوگا اور غیر رمضان میں مکروہ۔<sup>[۲]</sup>

(۲) طلوع صبح صادق کے بعد فجر کی دو رکعت سنت کے علاوہ دوسری کوئی نفل نماز جائز نہیں ہے۔  
(عالمگیری ج: ۱ ص: ۱۹-۲۰)<sup>[۳]</sup>

تہجد کا وقت صبح صادق تک ہے؛ لہذا صبح صادق کے بعد تہجد کی نیت سے نفل نماز جائز نہیں۔

(۳) فقہاء نے لکھا ہے کہ عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، عمل کثیر میں کئی اقوال ہیں، مگر علامہ شامی نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ دور سے دیکھنے والا نمازی کو خارج صلاۃ سمجھے، تو یہ عمل کثیر ہے ورنہ عمل قلیل۔ داڑھی میں ہاتھ پھیرنا، کپڑے درست کرنا یہ عبث بے کار کام ہیں؛ اس لیے مکروہ ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہیے؛ مگر عمل کثیر کا تحقق نہ ہو، تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔<sup>[۴]</sup>

[۲] (ولا یصلی الوترو) لا (التطوع بجماعة خارج رمضان). (الدر المختار) — قال الشامي: أي يكره ذلك على سبيل التداعي، بأن يقتدي بأربعة بواحد كما في الدرر، ولا خلاف في صحة الاقتداء إذ لا مانع، نهر... قلت: ويؤيده أيضا ما في البدائع من قوله: إن الجماعة في التطوع ليست بسنة إلا في قيام رمضان اه فإن نفي السنية لا يستلزم الكراهة، نعم إن كان مع المواظبة كان بدعة فيكرهه. والنفل بالجماعة غير مستحب؛ لأنه لم تفعله الصحابة في غير رمضان وهو كالصریح في أنها كراهة تنزيه. (رد المحتار: ۲/۵۰۰، كتاب الصلاة، باب الوترو والنوافل، ط: مكتبة زكريا-ديوبند)

[۳] تسعة أوقات يكره فيها النوافل وما في معناها لا الفرائض. منها ما بعد طلوع الفجر قبل صلاة الفجر. يكره فيه التطوع بأكثر من سنة الفجر. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۲، كتاب الصلاة، الباب الأول في مواقيت الصلاة، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة وتكره فيها، ط: دار الفكر)

(قوله: وبعد طلوع الفجر بأكثر من سنة الفجر) أي ومنع عن التنفل بعد طلوع الفجر قبل صلاة الفجر بأكثر من سنته قصدا لمارواه أحمد وأبو داود: لا صلاة بعد الصبح إلا ركعتين. وفي رواية الطبراني: إذا طلع الفجر فلا تصلوا إلا ركعتين. قيدنا بكونه قصدا لما في الظهيرية. (البحر الرائق: ۱/۲۶۵، كتاب الصلاة، التنفل بعد صلاة الفجر، ط: دار الكتب العلمية ☆ رد المحتار: ۲/۱۷۱، كتاب الصلاة، باب الوترو والنوافل، ط: دار الفكر)

[۴] (و) يفسدها (كل عمل كثير) ليس من أعمالها ولا لإصلاحها، وفيه أقوال خمسة: أصحابها (ما لا يشك) بسببه (الناظر) من بعيد (في فاعله أنه ليس فيها) وإن شك أنه فيها أم لا فقليل. (الدر المختار) — قال الشامي: (قوله وفيه أقوال خمسة أصحابها ما لا يشك إلخ) صححه في البدائع، وتابعه الزيلعي والولوالحي. وفي المحيط أنه الأحسن. وقال الصدر الشهيد: إنه الصواب. وفي الخانية والخلاصة: إنه اختيار العامة. وقال في المحيط وغيره: رواه الثلجي عن أصحابنا حلية. (رد المحتار: ۱/۶۲۳، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: دار الفكر) =

(۴) اگر سجدہ میں دونوں پاؤں بالکل اٹھ گئے ہوں، تھوڑی دیر کے لیے بھی زمین پر نہیں رکھے گئے ہوں، تو نماز فاسد ہو جائے گی، البتہ تھوڑی دیر بھی پاؤں زمین پر رہے، پھر اٹھ گئے یا شروع سے اٹھے ہوئے تھے، بعد میں زمین پر تھوڑی دیر کے لیے ٹک گئے، تو سجدہ صحیح ہو جائے گا اور نماز بھی صحیح ہو جائے گی؛ البتہ پاؤں کو اٹھانا یا حرکت دینا مکروہ ہے۔<sup>[۵]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۶] نماز وتر میں دعاء قنوت کے وجوب پر ایک اشکال کا جواب

۹۰۱- سوال: دو مسئلے ہشتی شمر، حصہ اول، باب سجود السہو سے نقل کر رہا ہوں:

مسئلہ: ”دعاء قنوت کی جگہ سبحانک اللهم پڑھ لیا، پھر جب اس کو یاد آیا، تو دعاء قنوت پڑھ لی، تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا؛ کیوں کہ کوئی خاص دعاء اس میں واجب نہیں ہے۔“

مسئلہ: وتر میں دعاء قنوت پڑھنا بھول گیا، سورت پڑھ کر رکوع میں چلا گیا، تو سجدہ سہو واجب ہے؛ کیوں کہ دعاء قنوت پڑھنا واجب ہے۔

اب اس پر سوال یہ ہے کہ پہلے مسئلے میں تو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ نماز وتر میں کسی دعاء کی تخصیص نہیں

= (و) کرہ (کفہ) أي رفعه ولو لتراب كمشمر کم أو ذیل (و عبثه به) أي بثوبه (و بجسده) للنهي إلالحة ولا بأس به خارج صلاة. ((قوله ولو لتراب) وقيل لا بأس بصونه عن التراب، أي كما لو دخل في الصلاة، وهو مشمر كمه أو ذيله، وأشار بذلك إلى أن الكراهة لا تختص بالكف وهو في الصلاة، وحاصله أن كل عمل هو مفيد للمصلي فلا بأس بأن يأتي به، أصله ما روي: أن النبي - صلى الله عليه وسلم - عرق في صلاة فسلت العرق عن جبينه، أي مسحه؛ لأنه كان يؤذيه فكان مفيدا، وفي زمن الصيف كان إذا قام من السجود نفض ثوبه يمنة أو يسرة؛ لأنه كان مفيدا كي لا يبقى صورة، فأما ما ليس بمفيد فهو العبث وقوله كي لا تبقى صورة يعني حكاية صورة الألية، فليس نفضه للتراب. فلا يرد ما في البحر عن الحلية من أنه إذا كان يكره رفع الثوب كي لا يتتراب، لا يكون نفضه من التراب عملا مفيدا (قوله للنهي) وهو ما أخرجه القضاعي عنه - صلى الله عليه وسلم - «إن الله كره لكم ثلاثا: العبث في الصلاة. والرث في الصيام، والضحك في المقابر» وهي كراهة تحريم كما في البحر ((قوله إلالحة) كحك بدنه لشيء أكله وأضره وسلت عرق يؤلمه ويشغل قلبه. وهذا لو بدون عمل كثير. (رد المحتار: ۲/۳۰۶-۳۰۷، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: مکتبہ زکریا- دیوبند)

[۵] (ومنها السجود) بجبهته وقدميه، ووضع إصبع واحدة منهما شرط؛ لأن وضع إصبع واحدة منهما يكفي كما ذكره بعد. وأفاد أنه لو لم يضع شينا من القدمين لم يصح السجود. (رد المحتار: ۲/۱۳۵، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: مکتبہ زکریا- دیوبند)

ہے، جب کہ دوسرے مسئلے میں وتر کی نماز میں دعاء قنوت کی تخصیص کی گئی ہے، اور یہ کہا گیا ہے کہ: دعاء قنوت کا پڑھنا واجب ہے۔ نیز دعاء قنوت کے نہ پڑھنے کی صورت میں سجدہ سہو کا بھی حکم دیا گیا ہے، اسی طرح اس کتاب میں ص: ۶۶ پر واجبات صلاۃ کی تعداد میں وتر کے لیے دعاء قنوت کو بھی شمار کیا گیا ہے۔ بہ ظاہر دونوں مسئلوں میں تضاد معلوم ہوتا ہے، دونوں کے مابین تطبیق دے کر ممنون فرمائیں گے۔

مولوی ولی اسماعیل غلامی خان پوری

### الجواب حامد اومصلیٰ:

جناب والا نے بہشتی ثمر کے حوالے سے جن دو مسائل کا ذکر کیا ہے، ان دونوں مسئلوں میں کوئی تعارض نہیں ہے؛ اس لیے کہ وتر کی نماز میں نفس دعاء واجب ہے؛ البتہ مشہور دعاء پڑھنا سنت ہے؛ لہذا ”سبجائک اللہم..... الخ“ یا اس کے علاوہ کوئی دوسری دعاء پڑھے گا، تو نفس وجوب ادا ہو جائے گا؛ شامی میں لکھا ہے: (وقنت فیہ) ویسن الدعاء المشہور... وہ یفتی. (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۲)<sup>[۱]</sup>

اور صرف قراءت پر اکتفا کرنا اور بالکل یہ دعاء نہ پڑھنا، دعاء واجب کو ترک کرنا ہے؛ لہذا سجدہ سہو واجب ہوگا، واجبات میں قنوت کو واجب کہنا مخصوص دعاء کے وجوب کے معنی میں نہیں ہے۔ و ذکر فی البحر عن الکرخی أن القنوت لیس فیہ دعاء مؤقت لأنه روي عن الصحابة أدعية مختلفة ولأن المؤقت من الدعاء یذهب بركة القلب. (شامی: ۶/۲) (۶۳۳)<sup>[۲]</sup>

اس جواب سے آپ کا اشکال حل ہو جائے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] رمضان میں عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ نہ پڑھنے والے کے لیے وتر کا حکم

۹۰۲- سوال: رمضان المبارک میں جس نمازی کو عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ نہ ملے اور وہ

تراویح میں شرکت کر لے، تو اس کے لیے وتر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا کیسا ہے؟

### الجواب حامد اومصلیٰ:

عشاء کی فرض نماز پڑھنے کے بعد ہی اس کی سنن اور تراویح پڑھی جائے، فرض نماز ادا کیے بغیر وتر اور

(۱) رد المحتار: ۶/۲، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الفکر.

(۲) رد المحتار: ۶/۲، کتاب الصلاة، ط: دار الفکر، بدائع الصنائع: ۱/۶۱۴، کتاب الصلاة، القنوت، ط: مکتبہ

تراویح کی نماز ادا نہیں ہوگی، فرض نماز اگر امام کے ساتھ باجماعت نہیں ملی ہے، تو تنہا ادا کر لے، اس کے بعد ہی تراویح میں شامل ہو، فرض نماز ادا کیے بغیر تراویح میں شامل ہونا صحیح نہیں ہے اور وتر کو رمضان میں جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہیے، اس سے ثواب زیادہ ملے گا اور جو لوگ وتر کو تنہا پڑھنے کے قائل ہیں، وہ صریح غلطی پر ہیں۔ (شامی: ۱/۳۷۳) <sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۸] سنن قبلیہ کو فرض نماز کے بعد پڑھنا

۹۰۳- سوال: فرض نماز سے پہلے کی سنت، فرض نماز کے بعد پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) اسی طرح فرض کی قضاء کے ساتھ اسے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) بعض لوگ کہتے ہیں کہ سنت مؤکدہ کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورت ملانی چاہیے، کیا

یہ بات صحیح ہے؟

## الجواب حامدا ومصليا:

(۱-۲) ظہر کی سنت مؤکدہ اگر چھوٹ جائے، تو فرض نماز کے بعد پڑھ لینا بہتر ہے۔ <sup>(۲)</sup> اور اگر فجر کی

(۱) وقولہ ثم یوتر بہم یشیر الی أن وقتہا بعد العشاء قبل الوتر وبہ قال عامة المشایخ رحمہم اللہ والأصح أن وقتہا بعد العشاء الی آخر اللیل قبل الوتر وبعده لأنہا نوافل سنت بعد العشاء... "ولا یصلی الوتر بجماعة فی غیر" شہر "رمضان" وعلیہ إجماع المسلمین واللہ أعلم. (ہدایہ- علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل الفرغانی المرغینانی، أبو الحسن برہان الدین (م: ۵۹۳ھ) ص: ۱۵۱، کتاب الصلاة، فصل فی قیام رمضان، ط: مکتبہ باسر ندیم- دیوبند)

(ولو تر کو الجماعة فی الفرض لم یصلوا التراويح جماعة) لأنہا تبع فمصلیہ وحده یصلیہا معه. (ولا یصلی الوتر و) لا (التطوع بجماعة خارج رمضان). (رد المحتار: ۲/۳۹۹-۵۰۰، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط:

مکتبہ زکریا- دیوبند ☆ الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۱۷، کتاب الصلاة، فصل فی التراويح، ط: مکتبہ زکریا- دیوبند ☆ البحر الرائق: ۲/۱۱۵-۱۱۹ کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دارالکتاب- دیوبند)

(۲) عن عائشة، أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان إذا لم یصل أربعاً قبل الظہر صلاہن بعدہا. (سنن الترمذی: ۹۷/۱، رقم الحدیث: ۳۲۶، أبواب الصلاة، باب آخر قبل: باب ماجاء فی الأربع قبل العصر، ط: البدر- دیوبند)

(بخلاف سنۃ الظہر) وکذا الجمعة (فإنہ) إن خاف فوت رکعة (یترکها) ویقتدی (ثم یأتی بها) علی أنها سنۃ (فی وقتہ) أي الظہر. (الدرا المختار) قال ابن عابدین: ... وقد استدلل قاضی خان لقضاء سنۃ الظہر بما عن

عائشہ- رضی اللہ تعالیٰ عنہا- "أن النبی- صلی اللہ علیہ وسلم- کان إذا فاتتہ الأربع قبل الظہر قضاہن بعدہ" فیكون قضاؤہا ثبت بالحديث علی خلاف القیاس. (رد المحتار: ۲/۵۸، باب إدراك الفريضة، ط: دار الفکر- بیروت)



سنت چھوٹ گئی ہو، تو چوں کہ فجر کی فرض نماز کے بعد نفل نماز مکروہ ہے؛ لہذا فرض کے بعد اسے نہ پڑھنا چاہیے اور طلوع آفتاب کے بعد پڑھا، تو یہ سنت کی قضا نہیں ہوئی، ہاں اگر فجر کی سنت فرض کے ساتھ چھوٹ گئی ہو اور اسی دن طلوع آفتاب کے بعد اس کی قضا کر رہا ہو، تو فرض کے ساتھ ساتھ سنت کی بھی قضا کر لے، تنہا سنتوں کی قضا نہیں ہے، اسی طرح اس دن کی فجر کے علاوہ کسی اور قضا نماز کے ساتھ سنتوں کی قضا نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>

(۳) سنت مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ، اس کی چاروں رکعت میں قرأت فرض ہے، صرف فرض کی پہلی دو رکعتوں کے علاوہ میں قرأت فرض نہیں ہے۔ (در مختار)<sup>۲</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۹] تنہا فجر کی سنت کی قضا کرنا

۹۰۴- سوال: فجر کی سنت مؤکدہ فوت ہو جائے اور فرض نماز ادا کر دی جائے، تو کیا سورج

طلوع ہونے کے بعد سنت مؤکدہ کی قضا کر سکتے ہیں؟

### الجواب حامد اوصلیا:

تنہا سنت کی قضا مشروع نہیں ہے، ہاں اگر فجر کی سنت کے ساتھ فرض نماز بھی قضا ہو جائے، تو اس

(۱) (وإذا خاف فوت) رکعتی (الفجر لا اشتغاله بسنتها ترکھا) لكون الجماعة أكمل (والا) بأن رجا إدراك ركعة في ظاهر المذهب. وقيل التشهد واعتمده المصنف والشربنلابي تبعاً للبحر، لكن ضعفه في النهر (لا) يترکھا... (ولا يقضيها إلا بطريق التبعية ل) قضاء (فرضها قبل الزوال لا بعده في الأصح). [الدر المختار: ۵۶/۲-۵۸]

قال ابن عابدين: (قوله ولا يقضيها إلا بطريق التبعية إلخ) أي لا يقضي سنة الفجر إلا إذا فاتت مع الفجر فيقضيها تبعاً لقضائه لو قبل الزوال؛ وما إذا فاتت وحدها فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالإجماع؛ لكرهه النفل بعد الصبح. وأما بعد طلوع الشمس فكذلك عندهما. وقال محمد: أحب إلي أن يقضيها إلى الزوال كما في الدرر. قيل هذا قريب من الاتفاق؛ لأن قوله "أحب إلي" دليل على أنه لو لم يفعل لا لوم عليه. وقالوا: لا يقضي، وإن قضى فلا بأس به، كذا في الخبازية؛ ومنهم من حقق الخلاف، وقال الخلاف في أنه لو قضى كان نفلاً مبتدأ أو سنة، كذا في العناية يعني نفلاً عندهما، سنة عنده كما ذكره في الكافي إسماعيل. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۷/۲، كتاب الصلاة، باب

إدارة الفريضة ☆ بدائع الصنائع: ۱/۶۳۳، فصل في بيان أن السنة... ط: زكريا- ديوبند)

(۲) (قوله ومنها القراءة) أي قراءة آية من القرآن، وهي فرض عملي في جميع ركعات النفل والوتر وفي ركعتين من الفرض كما سيأتي متناً في باب الوتر والنوافل. وأما تعيين القراءة في الأوليين من الفرض فهو واجب. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۴۳۶، باب صفة الصلاة، فرائض الصلاة، مبحث القراءة، ط: دار الفكر- بيروت)

دن زوال سے قبل فرض کے ساتھ سنت کی بھی قضا کر سکتے ہیں؛ لیکن زوال کے بعد فجر کی قضا کی جائے، تو صرف فرض کی قضا کی جائے گی، سنت کی قضا نہیں ہوگی۔ (شامی جلد ۱، صفحہ ۶۳۲) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۰] وتر کی نماز میں دعاء قنوت کے بعد درود شریف پڑھنا

۹۰۵- سوال: وتر کی نماز میں دعاء قنوت پڑھنے کے بعد درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟ مطلب یہ کہ

رکوع میں جانے سے پہلے قیام کی حالت میں دعاء قنوت پڑھنے کے بعد درود شریف پڑھنا سنت ہے، یا بدعت؟

### الجواب حامدا ومصليا:

وتر کی تیسری رکعت میں دعاء قنوت کے بعد درود شریف پڑھنا چاہئے۔ (در مختار مع الشامی، جلد ۲،

صفحہ ۶) [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] (وإذا خاف فوت) ركعتي (الفجر لا شغاله بسنتها تر كها) لكون الجماعة أكمل (وإلا) بأن رجاء إدراك ركعة في ظاهر المذهب. وقيل التشهد واعتمده المصنف والشرنبلالي تبعاً للبحر، لكن ضعفه في النهر (لا) يتر كها ... (ولا يقضيها إلا بطريق التبعية) قضاء (فرضها قبل الزوال لا بعده في الأصح). [الدر المختار: ۵۶/۲-۵۸]

قال ابن عابدين: (قوله ولا يقضيها إلا بطريق التبعية إلخ) أي لا يقضي سنة الفجر إلا إذا فاتت مع الفجر فيقضيها تبعاً لقضائه لو قبل الزوال، وما إذا فاتت وحدها فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالإجماع؛ لكرهه النفل بعد الصبح. وأما بعد طلوع الشمس فكذلك عندهما. وقال محمد: أحب إلي أن يقضيها إلى الزوال كما في الدرر. قيل هذا قريب من الاتفاق؛ لأن قوله "أحب إلي" دليل على أنه لو لم يفعل لا لوم عليه. وقالوا: لا يقضي، وإن قضى فلا بأس به، كذا في الخبازية؛ ومنهم من حقق الخلاف، وقال الخلاف في أنه لو قضى كان نفلاً مبتدأ أو سنة، كذا في العناية يعني نفلاً عندهما، سنة عنده كما ذكره في الكافي إسماعيل. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۷/۲، باب إدارك الفريضة \* بدائع الصنائع: ۱/۲۳۳، فصل في بيان أن السنة... ط: زكريا- ديوبند)

[۲] قنوت وتر کے بعد درود شریف پڑھنے کے سلسلے میں دو مختلف تصریح منقول ہے، صاحب در مختار نے ذکر کیا ہے کہ درود شریف پڑھنا چاہیے، اور یہی مفتی بہ قول ہے، علامہ ابن عابدین نے خلاف عادت اس پر کوئی تمبرہ نہیں کیا ہے: (وقنت فيه) ويسن الدعاء المشهور، ويصلي على النبي - صلى الله عليه وسلم - به يفتي. (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الفكر - بيروت)

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے؛ لیکن عالمگیری کی صراحت ہے کہ درود شریف نہ پڑھے، یہی ہمارے مشائخ کا پسندیدہ عمل ہے۔ (عام معمول بھی یہی ہے): ولا يصلي على النبي - صلى الله عليه وسلم - في القنوت وهو اختيار مشايخنا. كذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۱، كتاب الصلاة، الباب الثامن في صلاة الوتر، ط: دار الفكر)

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: سوال: ایک شخص کہتا ہے کہ وتر میں دعائے قنوت کے بعد درود شریف پڑھنا مستحب ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ =

## [۲۱] وتر کی نماز تہجد کے بعد پڑھنا

۹۰۶- سوال: تہجد پڑھنے والے اور اس کے عادی شخص کے لیے وتر کی نماز تہجد کی نماز کے بعد پڑھنا سنت ہے یا نہیں؟

## الجواب حامدا ومصليا:

تہجد کی نماز کے لیے اٹھنے پر پورا اعتماد ہو، اور تہجد کا عادی ہو، تو اس کے لیے تہجد کے بعد وتر کی نماز پڑھنا مسنون ہے۔ اور اگر اعتماد نہ ہو، تو عشاء کے بعد پڑھ لینا بہتر ہے۔ جسے رات کے آخری پہر میں جاگنے کا یقین نہ ہو، اسے عشاء کے بعد سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی آپ ﷺ نے تاکید کی ہے۔ (در مختار) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= الجواب: جی ہاں! نماز وتر میں دعائے قنوت پوری کر کے اللھم صل علی محمد و علی آل محمد پڑھنا مستحب ہے۔ (بہ طور استدلال مفتی عبدالرحیم لاچپوری نے در مختار کی وہی عبارت ذکر فرمائی ہے، جو ما قبل میں گذر چکی۔) [فتاویٰ رحیمیہ: ۲۳۶/۵، باب الوتر، دعائے قنوت کے ساتھ درود پڑھنا، سوال نمبر: ۳۳۶، ط: دارالاشاعت، کراچی]

(۱) عن جابر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من خاف أن لا يقوم من آخر الليل فليوتر أوله، ومن طمع أن يقوم آخره فليوتر آخر الليل، فإن صلاة آخر الليل مشهودة، وذلك أفضل. (الصحيح لمسلم: ۱/۲۵۸، رقم الحديث: ۱۲۲- (۷۵۵)، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب من خاف أن لا يقوم من آخر الليل فليوتر أوله، ط: البدر - ديوبند)

(و) تأخير (الوتر إلى آخر الليل لوائق بالانتباه) وإلا قبل النوم. (الدر المختار)  
(قوله: فإن فاق الخ) أي إذا أوتر قبل النوم ثم استيقظ يصلي ما كتب له، ولا كراهة فيه بل هو مندوب، ولا يعيد الوتر، لكن فاتته الأفضل المفاد بحديث الصحيحين إمداد.

وفي الشامية: ولا يقال: إن من لا يثق بالانتباه فالتعجيل في حقه أفضل كما في الخانية، فإذا انتبه بعدما عجل يتنفل ولا تفوته الأفضلية؛ لأننا نقول: المراد بالأفضلية في الحديث السابق هي المترتبة على ختم الصلاة بالوتر وقد فاتت، والتي حصلها هي أفضلية التعجيل عند خوف الفوات على التأخير فافهم وتأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۶۹/۱، كتاب الصلاة، مطلب في طلوع الشمس من مغربها، ط: دار الفكر - بيروت، متن بدایة المبتدي في فقه الإمام أبي حنيفة - علي بن أبي بكر، المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ)، ص: ۱۲، كتاب الصلاة، باب المواقيت، فصل ويستحب الأسفار بالفجر والإبراد... الخ، ط: مكتبة ومطبعة محمد علي صبح - القاهرة)

قال - رحمه الله - (والوتر إلى آخر الليل لمن يثق بالانتباه) أي ندب تأخير الوتر إلى آخر الليل إذا كان يثق من نفسه أنه ينتبه ليصلي ليكون الوتر ختما لقيام الليل كله لقوله - عليه الصلاة والسلام - : اجعلوا آخر صلواتكم من الليل وترا. رواه البخاري ومسلم وغيرهما، فإن لم يثق بالانتباه أوتر قبل النوم لحديث جابر أنه - عليه الصلاة والسلام - قال: أيكم خاف أن لا يقوم من آخر الليل فليوتر، ثم ليرقد ومن وثق بقيام من آخر الليل فليوتر من آخره فإن قراءة آخر =

## [۲۲] فرض نماز کے بعد سنن و نوافل کے لیے جگہ تبدیل کرنا

۹۰۷- سوال: ایک جگہ فرض نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد نفل یا سنت نماز جگہ بدل کر پڑھنا مستحب ہے؛ کیوں کہ کل قیامت کے دن وہ جگہ گواہی دے گی؛ لیکن کوئی دوسرے مقتدی کو ہٹا کر جگہ بدلنا اور مستحب ادا کرنا کیسا ہے؟ یہ کسی مسلمان کو تکلیف دینا شمار ہوگا یا نہیں؟

## الجواب حامدا ومصليا:

امام کے لیے جگہ بدلنے کی تاکید زیادہ ہے، مقتدیوں کے لیے بھی فضیلت کی چیز ہے؛ لیکن اس کے لیے مستقل کسی کو اس کی جگہ سے ہٹانا۔ جس کی وجہ سے اس کو تکلیف پہنچتی ہو۔ درست نہیں ہے، استحباب پر عمل کرنے کے لیے ممنوع کا ارتکاب جائز نہیں ہے، ایسی صورت میں یہ عمل، مستحب نہیں رہے گا۔ (در مختار جلد ۱، صفحہ ۵۳۱)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= اللیل محضورة و ذلك أفضل، رواه مسلم وغيره، وقال - عليه الصلاة والسلام - لأبي بكر: متى توتر؟ قال: أول الليل بعد العتمة؛ فقال أخذت بالوثقى، ثم قال لعمر: متى توتر؟ قال: آخر الليل، قال أخذت بالقوة، رواه الطحاوي وروى أبو سليمان الخطابي أنه - عليه الصلاة والسلام - قال لأبي بكر حذر هذا ولعمر قوي هذا. (تبين الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارع، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۳۳هـ): ۱/۸۳، كتاب الصلاة، مواقيت الصلاة، الأوقات التي يستحب فيها الصلاة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة ☆ مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح - حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹هـ)، ص: ۷۵، كتاب الصلاة، أحكام الصلاة، اعتنى به وراجعته: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية ☆ مختصر القدوري في الفقه الحنفي - أحمد بن محمد بن أحمد بن جعفر بن حمدان أبو الحسين القدوري (م: ۴۲۸هـ)، ص: ۲۴، كتاب الصلاة، ت: كامل محمد محمد عويضة، ط: دار الكتب العلمية ☆ النهر الفائق شرح كنز الدقائق - سراج الدين عمر بن إبراهيم بن نجيم الحنفي (م: ۱۰۰۵هـ): ۱/۱۶۳، كتاب الصلاة، ت: أحمد عز وعناية، ط: دار الكتب العلمية)

[۱] وفي الجوهره: ويكره للإمام التنفل في مكانه لا للمؤتم، وقيل يستحب كسر الصفوف. وفي الخانية يستحب للإمام التحول ليمين القبلة يعني يسار المصلي لتنفل أو ورد. (الدر المختار) \_\_\_\_\_ قال ابن عابدين: (قوله يكره للإمام التنفل في مكانه) بل يتحول مخيرا كما يأتي عن المنية، وكذا يكره مكثه قاعدا في مكانه مستقبلا القبلة في صلاة لا تطوع بعدها كما في شرح المنية عن الخلاصة، والكرهه تنزيهية كما دلت عليه عبارة الخانية (قوله لا للمؤتم) ومثله المنفرد، لما في المنية وشرحها: أما المقتدي والمنفرد فإنهما إن لبثا أو قاما إلى التطوع في مكانهما الذي صليا فيه المكتوبة جاز، والأحسن أن يتطوعا في مكان آخر. اهـ. (قوله وقيل يستحب كسر الصفوف) ليزول الاشتباه عن الداخل المعين لكل في الصلاة البعيد عن الإمام، وذكره في البدائع والذخيرة عن محمد، ونص في =

[۲۳] نماز کا وقت ہو جانے پر اذان سے پہلے سنن قبلیہ پڑھی جاسکتی ہیں یا نہیں؟  
 ۹۰۸-سوال: نماز کا وقت ہو جانے کے بعد اذان سے پہلے سنن قبلیہ پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

سنن قبلیہ جو فرض نماز سے پہلے پڑھی جاتی ہیں، اُن کا اصل وقت اذان اور اقامت کے درمیان کا ہے، لہذا اذان ہونے کے بعد اقامت سے پہلے پڑھنا مسنون ہے، نبی اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرامؓ کا بھی یہی عمل رہا ہے، مثلاً فجر کی سنت کے متعلق حدیث پاک میں آپ ﷺ کا عمل یہ بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ تہجد اور وتر سے فراغت کے بعد کچھ دیر آرام فرماتے، اُس کے بعد جب مؤذن آپ ﷺ کو فجر کی نماز کے لیے جگاتے، تو آپ ﷺ دو رکعت مختصراً پڑھنے کے بعد مسجد میں تشریف لاتے۔ (ابوداؤد شریف)<sup>[۱]</sup>

=المحيط على أنه السنة كما في الحلية، وهذا معنى قوله في المنية: والأحسن أن يتطوعا في مكان آخر. قال في الحلية. وأحسن من ذلك كله أن يتطوع في منزله إن لم يخف مانعا. (رد المحتار على الدر المختار - ابن عابدين، الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲ھ): ۵۳۱/۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل: فصل في القراءة، ط: دار الفكر ☆ بدائع الصنائع: ۶۳۹/۱، كتاب الصلاة، الصلاة المسنونة، وبيان ما يكره، ط: زكريا - ديوبند)

[۱] .. ثم أوتر، ثم اضطجع حتى جاءه المؤذن، فقام فصلى ركعتين خفيفتين، ثم خرج، فصلى الصبح". (سنن أبي داود: ۱۹۳/۱، رقم الحديث: ۱۳۶۷، كتاب الصلاة، باب في صلاة الليل، ط: البدر - ديوبند)

عن عبد الله بن عباس رضي الله عنهما: أنه بات عند ميمونة أم المؤمنين رضي الله عنها - وهي خالته - قال: فاضطجعت على عرض الوسادة، واضطجع رسول الله صلى الله عليه وسلم وأهله في طولها، فنام رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى انتصف الليل - أو قبله بقليل، أو بعده بقليل - ثم استيقظ رسول الله صلى الله عليه وسلم، فجلس، فمسح النوم عن وجهه بيده، ثم قرأ العشر آيات خواتيم سورة آل عمران، ثم قام إلى شن معلقة، فتوضأ منها، فأحسن وضوءه، ثم قام يصلي، قال عبد الله بن عباس رضي الله عنهما: فقامت فصنعت مثل ما صنع، ثم ذهبت، فقامت إلى جنبه، فوضع رسول الله صلى الله عليه وسلم يده اليمنى على رأسي، وأخذ بأذني اليمنى يفتلها بيده، فصلى ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم اضطجع حتى جاءه المؤذن، فقام، فصلى ركعتين خفيفتين، ثم خرج، فصلى الصبح. (صحيح البخاري: ۱۵۹/۱، رقم الحديث: ۱۱۹۸، كتاب التهجد، باب استعانة اليد في الصلاة، إذا كان من أمر الصلاة، ط: البدر - ديوبند)

عائشة، قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سكت المؤذن بالأولى من صلاة الفجر قام، فركع ركعتين خفيفتين قبل صلاة الفجر، بعد أن يستبين الفجر، ثم اضطجع على شقه الأيمن، حتى يأتيه المؤذن للإقامة. (صحيح

البخاري: ۱/ ۸۷، رقم الحديث: ۶۲۶، كتاب الأذان، باب من انتظر الإقامة، ط: البدر - ديوبند) =

مذکورہ بالا روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سنن قبلیہ کا وقت فرض نماز سے پہلے، اذان کے بعد ہے، دیگر روایات میں بھی یہی تعلیم دی گئی ہے، مثلاً ایک حدیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ ہر اذان اور اقامت کے درمیان نفل نماز ہے۔ (ترمذی شریف: ۴۵) [۲]

لیکن اگر کوئی شخص اپنے محلہ کی مسجد جس میں وہ عام طور پر نماز پڑھتا ہے، اُس میں اذان نہ ہوئی ہو، اور نماز کا وقت ہو جانے سے دوسری قرب و جوار کی مساجد میں اذان ہو چکی ہو، تو اُس کے لیے محلہ کی مسجد کی اذان سے پہلے سنن قبلیہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ فرض نماز اور سنن قبلیہ کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ کرنا بہتر ہے۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۴] اذان کے بعد تحیۃ الوضوء یا تحیۃ المسجد پڑھنا

۹۰۹- سوال: اذان کے بعد تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

= عن عائشة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، كان يصلي بالليل إحدى عشرة ركعة، يوتر منها بواحدة، فإذا فرغ منها اضطجع على شقه الأيمن، حتى يأتيه المؤذن فيصلي ركعتين خفيفتين. (الصحيح لمسلم: ۱/۲۵۳، رقم الحديث: ۱۲۱- (۷۳۶)، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة الليل، وعدد ركعات النبي صلى الله عليه وسلم في الليل، الخ، ط: البدر- ديوبند)

تفصیل کے لیے دیکھیے: رد المحتار علی الدر المختار: ۲/۲۶۱-۲۶۲، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، بحث مهم فی الکلام علی الضعجة بعد سنن الفجر، ط: زکریا- دیوبند۔

[۲] عن عبد الله بن مغفل، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: بين كل أذانين صلاة لمن شاء. (سنن الترمذي: ۱/۴۵، رقم الحديث: ۱۸۵، أبواب الصلاة، باب ما جاء في الصلاة قبل المغرب، ط: البدر- ديوبند)

عن عبد الله بن مغفل، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: بين كل أذانين صلاة، بين كل أذانين صلاة، ثم قال في الثالثة: لمن شاء. (صحيح البخاري: ۱/۸۷، رقم الحديث: ۶۲۷، كتاب الأذان، باب: بين كل أذانين صلاة لمن شاء، ط: البدر- ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۳۰۴- (۸۳۸)، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب بين كل أذانين صلاة، ط: البدر- ديوبند)

(۳) (وفي بيته بمصر) أو قرية لها مسجد؛ فلا يكره تركهما إذ أذان الحي يكفيه. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله: إذ أذان الحي يكفيه) لأن أذان المحلة وإقامتها كأذانه وإقامته؛ لأن المؤذن نائب أهل المصر كلهم كما يشير إليه ابن مسعود حين صلى بعلقمة والأسود بغير أذان ولا إقامة، حيث قال: أذان الحي يكفيننا، ومن رواه سبط ابن الجوزي، (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۲۳، كتاب الصلاة، باب الأذان، ط: زکریا- دیوبند)

## الجواب حامدا ومصليا:

اذان کے بعد تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد پڑھنا جائز ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۵] فجر کی نماز کے علاوہ کسی اور نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھنا

۹۱۰- سوال: آج کل بابرہ مسجد کی شہادت کے پیش نظر پورے ملک میں حالات انتہائی کشیدہ ہیں، ان حالات کی وجہ سے فجر کی نماز کے علاوہ مغرب یا جمعہ وغیرہ میں قنوتِ نازلہ پڑھنے کے متعلق کیا حکم ہے؟ نیز ان حالات کے مناسب کوئی اور دعاء و ورد ہو، تو رہنمائی فرمائیں؛ تاکہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اسے حفاظت کے لیے پڑھنے کا معمول بنایا جاسکے۔

## الجواب حامدا ومصليا:

امام سفیان ثوری اور امام احمدؒ کا قول ہے کہ جہری نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھی جائے، اس سلسلے میں امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر مصیبت سخت ہو، تو سبھی جہری تمام نمازوں میں بھی قنوتِ نازلہ پڑھنا جائز ہے، علماء احناف فرماتے ہیں کہ قنوتِ نازلہ صرف فجر کی نماز ہی میں پڑھی جائے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) (ویسن تحیۃ) رب (المسجد، وہی رکعتان) [الدر المختار] — قال ابن عابدین: (قوله ویسن تحیۃ) کتب الشارح فی ہامش الخزان أن هذا رد علی صاحب الخلاصة حیث ذکر أنها مستحبة. (قوله رب المسجد) أفاد أنه علی حذف مضاف؛ لأن المقصود منها التقرب إلى الله تعالی لا إلى المسجد؛ لأن الإنسان إذا دخل بیت الملك یحبی الملك لا بیته، بحر عن الحلیة. ثم قال: وقد حکي الإجماع علی سنیتها، غیر أن أصحابنا یکرهونها فی الأوقات المکروهة تقدیما للعموم الحاضر علی عموم المبیح اهـ. (قوله وہی رکعتان) فی القهستانی ورکعتان أو أربع، وهی أفضل لتحیۃ المسجد إلا إذا دخل فیہ بعد الفجر أو العصر، فإنه یسبح ویهلل ویصلی علی النبی - صلی الله علیه وسلم - فإنه حیث یؤدی حق المسجد كما إذا دخل للمکتوبه؛ فإنه غیر مأمور بها حیث کما فی التمر تاشی. اهـ. (رد المحتار) علہ الدر المختار: ۱۸/۲، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب فی تحیۃ المسجد، ط: دار الفکر - بیروت

مذکورہ عبارت سے واضح ہے کہ تحیۃ المسجد دخول مسجد کے وقت ادا کی جائے گی، بشرطیکہ کہ وقت مکروہ نہ ہو۔

(۲) (ولا یقنت لغيره) إلا النازلة فیقنت الإمام فی الجهریة، وقیل فی الكل. (الدر المختار) — قال ابن عابدین: (قوله إلا للنازلة) قال فی الصحاح: النازلة الشدیدة من شدائد الدهر، ولا شک أن الطاعون من أشد النوازل أشباه. (قوله فیقنت الإمام فی الجهریة) یوافقہ ما فی البحر والشربلالیة عن شرح النقابة عن الغایة: وإن نزل بالمسلمین نازلة قنت الإمام فی صلاة الجهر. وهو قول الثوری وأحمد اهـ وكذا ما فی شرح الشیخ إسماعیل عن البنائیة: إذا =

## [۲۶] قنوتِ نازلہ کب تک پڑھی جائے؟

گذشتہ سے پیوستہ

۹۱۱- سوال: ہندوستان کے حالات چند مہینوں پہلے ناسازگار تھے؛ اس وجہ سے نمازِ فجر میں

= وقعت نازلہ قنوت الإمام في الصلاة الجهرية، لكن في الأشباه عن الغاية: قنوت في صلاة الفجر، ويؤيده ما في شرح المنية حيث قال بعد كلام: فتكون شرعيته: أي شرعية القنوت في النوازل مستمرة، وهو محمل قنوت من قنوت من الصحابة بعد وفاته - عليه الصلاة والسلام -، وهو مذهبنا وعليه الجمهور. وقال الحافظ أبو جعفر الطحاوي: إنما لا يقننت عندنا في صلاة الفجر من غير بلية، فإن وقعت فتنة أو بلية فلا بأس به، فعلة رسول الله - صلى الله عليه وسلم - وأما القنوت في الصلوات كلها للنوازل فلم يقل به إلا الشافعي، وكانهم حملوا ما روي عنه - عليه الصلاة والسلام -: أنه قننت في الظهر والعشاء. كما في مسلم، وأنه قننت في المغرب أيضا، كما في البخاري على النسخ لعدم ورود المواظبة والتكرار الوارد في الفجر عنه - عليه الصلاة والسلام - اهـ وهو صريح في أن قنوت النازلة عندنا مختص بصلاة الفجر دون غيرها من الصلوات الجهرية أو السرية. ومفاده أن قولهم بأن القنوت في الفجر منسوخ معناه نسخ عموم الحكم لأنسخ أصله كما نبه عليه نوح أفندي، وظاهر تقييدهم بالإمام أنه لا يقننت المنفرد، وهل المقتدي مثله أم لا؟ وهل القنوت هنا قبل الركوع أم بعده؟ لم أره. والذي يظهر لي أن المقتدي يتابع إمامه إلا إذا جهر فيؤمن وأنه يقننت بعد الركوع لا قبله، بدليل أن ما استدلل به الشافعي على قنوت الفجر وفيه التصريح بالقنوت بعد الركوع حمله علماؤنا على القنوت للنازلة، ثم رأيت الشرنبلالي في مراقبي الفلاح صرح بأنه بعده؛ واستظهر الحموي أنه قبله والأظهر ما قلناه. والله أعلم.

(قوله وقيل في الكل) قد علمت أن هذا لم يقل به إلا الشافعي، وعزاه في البحر إلى جمهور أهل الحديث، فكان ينبغي عزوه إليهم؛ لتلايهم أنه قول في المذهب. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۱/۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في القنوت للنازلة، ط: دار الفكر - بيروت)

قال الحافظ أبو جعفر الطحاوي: إنما لا يقننت عندنا في صلاة الفجر من غير بلية، فإذا وقعت فتنة، أو بلية، فلا بأس به، فعلة رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم -، وأما القنوت في الصلوات كلها عند النوازل، فلم يقل به إلا الشافعي، وكانهم حملوا ما روي عنه - عليه الصلاة والسلام - أنه قننت في الظهر والعشاء على ما في مسلم وأنه قننت في المغرب أيضا على ما في البخاري، على النسخ لعدم ورود المواظبة، والتكرار الوارد في الفجر عنه - عليه الصلاة والسلام - اهـ. ومقتضى هذا أن القنوت لنازلة خاص بالفجر، ويخالفه ما ذكره المؤلف معزيا إلى الغاية، من قوله في صلاة الجهر، ولعله محرف عن الفجر، وقد وجدته بهذا اللفظ في حواشي مسكين، وكذا في الأشباه، وكذا في شرح الشيخ إسماعيل، لكنه عزاه إلى غاية البيان، ولم أجد المسألة فيها، فلعله اشتبه عليه غاية السروجي بغاية البيان، لكن نقل عن البناية ما نصه: إذا وقعت نازلہ قننت الإمام في الصلاة الجهرية، وقال الطحاوي: لا يقننت عندنا في صلاة الفجر في غير بلية أما إذا وقعت فلا بأس به اهـ. (منحة الخالق على البحر الرائق: ۲/۳۷-۳۸، باب الوتر، القنوت في غير الوتر، ط: دار الكتاب الإسلامي)



قنوتِ نازلہ پڑھنا شروع کیا گیا تھا، جواب تک جاری ہے، حدیثِ پاک میں مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مہینے تک قنوتِ نازلہ پڑھی تھی۔<sup>(۱)</sup> تو اب فی الحال قنوتِ نازلہ بند کیا جائے؟ یا اُسے پڑھنا چاہیے؟ اور کب تک پڑھا جائے؟

### الجواب حامداً ومصلياً:

فی الحال ہندوستان کے حالات سازگار نہیں ہیں، حالات جیسے نظر آ رہے ہیں، حقیقت اُس سے کچھ الٹی ہی ہے۔ یو۔ پی۔ میں انا مت (ریزرویشن) کے خلاف شدت سے مظاہرے ہو رہے ہیں، اور اب گجرات میں بھی اِس طرح کے مظاہرے اور احتجاج کے بارے میں سوچا جا رہا ہے، اِس لیے قنوتِ نازلہ جاری رکھا جائے، رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینے تک قنوتِ نازلہ پڑھی، قبولیت دعاء (یعنی جن کے حق میں بددعاء کر رہے تھے، ان کے انجام کار تک پہنچ جانے) کے بعد آپ ﷺ نے قنوتِ نازلہ پڑھنا بند فرمایا۔<sup>(۲)</sup>

لہذا ہمیں چاہیے کہ جب تک حالات درست نہ ہوں، اس وقت تک قنوتِ نازلہ پڑھتے رہیں، ملک

(۱) عن أنس بن مالك رضي الله عنه، أن رجلاً، وذكوان، وعصية، وبني لحيان، استمدوا رسول الله صلى الله عليه وسلم على عدو، فأمدهم بسبعين من الأنصار، كنا نسْمِيهم القراء في زمانهم، كانوا يحتطبون بالنهار، ويصلون بالليل، حتى كانوا يبتر معونة قتلهم وغدر وابعهم، فبلغ النبي صلى الله عليه وسلم، فقنت شهراً يدعو في الصباح على أحياء من أحياء العرب، على رعل، وذكوان، وعصية، وبني لحيان. (صحيح البخاري: ۵۸۵/۲، رقم الحديث: ۴۰۹۰، كتاب المغازي، باب غزوة الرجيع، ورعل، وذكوان، وبتر معونة، وحديث عضل، والقارة، وعاصم بن ثابت، وخبيب وأصحابه، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۲۳۷، رقم الحديث: ۲۹۹- (۶۷۷)، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب استحباب القنوت في جميع الصلاة إذا نزلت بالمسلمين نازلة، ط: البدر - ديوبند)

(۲) عن أبي سلمة، أن أبا هريرة، حدثهم أن النبي صلى الله عليه وسلم قنت بعد الركعة في صلاة شهر، إذا قال: سمع الله لمن حمده، يقول في قنوته: اللهم أنج الوليد بن الوليد، اللهم نج سلمة بن هشام، اللهم نج عياش بن أبي ربيعة، اللهم نج المستضعفين من المؤمنين، اللهم اشد وطأتك على مضر، اللهم اجعلها عليهم سنين كسني يوسف. قال أبو هريرة: "ثم رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ترك الدعاء بعد، فقلت: أرى رسول الله صلى الله عليه وسلم قد ترك الدعاء لهم، قال: فقيل: وما تراهم قد قدموا". [ش (وما تراهم قد قدموا) معناه ماتوا]. (الصحيح لمسلم: ۱/۲۳۹، رقم الحديث: ۲۹۵- (۶۷۵)، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب استحباب القنوت في جميع الصلاة إذا نزلت بالمسلمين نازلة، ط: البدر - ديوبند)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: "فجر کی نماز کے علاوہ کسی اور نماز میں قنوتِ نازلہ پڑھنا" کا حاشیہ۔

میں مسلمان شہید ہو گئے، اُن کے گھر بار لوٹے گئے، اُس کے بعد بھی مظلومین کو ظلم بالائے ظلم عدالتوں میں جھوٹے مقدمات درج کر کے ستایا جا رہا ہے، کتنے بے قصور نوجوانوں کو دہشت گردی کے جھوٹے الزام میں پکڑ کر قید خانہ میں ڈھکیل دیا گیا ہے، لہذا قنوت نازلہ جاری رکھیں، مسجدیں آباد کرنے کی کوشش میں رہیں، یسین شریف پڑھ کر دعا کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۷] وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں دعائے قنوت پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

۹۱۲- سوال: وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں دعائے قنوت پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب حامداً ومصلياً:**

دعائے قنوت صرف وتر ہی کی نماز میں پڑھی جائے گی، اُس کے علاوہ کسی اور فرض نماز میں پڑھنا صحیح نہیں، جس وقت دین اسلام اور مسلمانوں پر دشمنوں کی جانب سے کوئی خطرہ ہو یا ظلم و زیادتی کی گئی ہو، تو ایسے حالات میں فجر کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد قنوت نازلہ پڑھنی چاہیے۔ (در مختار، شامی: ۴/۲) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۸] زوال کے بعد پڑھی جانے والی سنت کا ثواب

۹۱۳- سوال: دوپہر میں زوال آفتاب کے بعد وقت مکروہ ختم ہونے کے بعد جب ظہر کا وقت

شروع ہوتا ہے، اس وقت چار رکعت سنت زوال پڑھتے ہیں، کیا یہ چار رکعت سنت ہے؟ اور اس کا ثواب کیا ہے؟

**الجواب حامداً ومصلياً:**

سنت زوال مسنون ہے، آپ ﷺ زوال کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے اور فضیلت بیان فرماتے تھے کہ زوال کے بعد آسمان کے دروازے کھلتے ہیں؛ اس لیے میں پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میرے نیک اعمال اوپر چڑھیں۔ (ترمذی) [۲]

[۱] تقدم تخريجه تحت عنوان: فجر کی نماز کے علاوہ کسی اور نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا۔

[۲] عن عبد الله بن السائب، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي أربعاً بعد أن تزول الشمس قبل الظهر، وقال: إنها ساعة تفتح فيها أبواب السماء، وأحب أن يصعد لي فيها عمل صالح.

وروي عن النبي صلى الله عليه وسلم: أنه كان يصلي أربع ركعات بعد الزوال، لا يسلم إلا في آخرهن. (سنن الترمذی: ۱/۱۰۸، رقم الحديث: ۴۷۸، أبواب الوتر، باب ما جاء في الصلاة عند الزوال، ط: البدر- دیوبند) =

اور ایک روایت میں ارشاد فرمایا کہ تہجد کی نماز کے برابر ثواب ملتا ہے اور ہر چیز اس وقت اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ (ترمذی، بیہقی، مشکوٰۃ<sup>[۱]</sup>) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۹] فرض پڑھے بغیر وتر کی اقتدا کرنا

۹۱۳-سوال: ایک آدمی عشاء کی نماز امام کے پیچھے نہ پڑھ سکا ہو، تو کیا وہ وتر میں امام کی اقتدا کر سکتا ہے؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

ایک شخص اس وقت مسجد میں داخل ہوا، جب کہ عشاء کی جماعت ہو چکی تھی، تو اسے چاہیے کہ اولاً فرض نماز ادا کرے، پھر تراویح میں شریک ہو، اور باجماعت تراویح پڑھے، اور وتر بھی جماعت کے ساتھ ادا کرے، خلاصہ یہ کہ جس مقتدی نے باجماعت تراویح پڑھی ہو، وہ وتر میں اقتدا کر سکتا ہے، چاہے عشاء کی فرض نماز میں امام کی اقتدا نہ کی ہو۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= عن أبي أيوب الأنصاري: أنه كان يصلي أربع ركعات قبل الظهر، ف قيل له: إنك تدिम هذه الصلاة فقال: إني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعله فسألته، فقال: "إنها ساعة تفتح فيها أبواب السماء، فأجبت أن يرتفع لي فيها عمل صالح". (مسند الإمام أحمد بن حنبل - (م: ۲۳۱)ھ: ۵۳۳/۳۸، رقم الحديث: ۲۳۵۵۱، ت: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة، وانظر: ۲۳۵۳۲)

(۱) عن عمر رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "أربع ركعات قبل الظهر بعد الزوال تحسب بمثلهن في صلاة السحر. وما من شيء إلا وهو يسبح الله تلك الساعة ثم قرأ: (يتفياً ظلاله عن اليمين والشمائل سجداً له وهم داخرون) رواه الترمذی والبيهقي في شعب الإيمان. (مشكاة المصابيح - محمد بن عبد الله الخطيب العمري، أبو عبد الله، ولي الدين، التبريزي (م: ۷۴۱)ھ: ۳۶۹/۱، رقم الحديث: ۱۱۷۷، كتاب الصلاة، باب السنن وفضائلها، الفصل الثالث، ت: محمد ناصر الدين الألباني، ط: المكتب الإسلامي - بيروت ☆ ص: ۱۰۵، مكتبة تهانوي - ديوبند)

(۲) فمصلية وحده يصلها معه. (ولو لم يصلها) أي التراويح (بالإمام) أو صلاحها مع غيره (له أن يصلي الوتر معه) بقي لو تر كها الكل هل يصلون الوتر بجماعة؟ فليراجع. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله ولو لم يصلها إلخ) ذكر هذا الفرع والذي قبله في البحر عن القنية، وكذا في متن الدرر، لكن في التتارخانية عن التتمة أنه سأل علي بن أحمد عن صلى الفرض والتراويح وحده أو التراويح فقط هل يصل الوتر مع الإمام؟ فقال لا. ثم رأيت القهستاني ذكر تصحيح ما ذكره المصنف، ثم قال: لكنه إذا لم يصل الفرض معه لا يتبعه في الوتر، فقوله: ولو لم يصلها أي وقد صلى الفرض معه، لكن ينبغي أن يكون قول القهستاني معه احتراز عن صلاحها منفرداً؛ أما لو صلاحها جماعة مع غيره ثم صلى الوتر معه لا كراهة تأمل. (رد المحتار على الدر المختار: =

## [۳۰] جمعہ کی پہلی چار سنت مؤکدہ چھوٹ جائے تو کب پڑھے؟

۹۱۵- سوال: یہاں کناڈا میں اکثر لوگ کام کاج سے سیدھے نماز جمعہ کے لیے آتے ہیں، بعض لوگ خطبہ کے وقت مسجد میں پہنچتے ہیں، جس کی بناء پر پہلی چار رکعت سنت مؤکدہ نہیں پڑھ پاتے، اب اگر وہ چھوٹی ہوئی سنت مؤکدہ فرض نماز کے بعد پڑھنا چاہیں، تو کیا وہ چھوٹی ہوئی سنت پہلے پڑھیں یا فرض کے بعد والی سنتیں پہلے پڑھیں؟ بندے نے عالم گیری اور شامی کے حوالے بعض اردو کتابوں میں دیکھے، لیکن جواب مختلف فیہ ملا۔ امید ہے کہ آپ راجح قول بیان فرمائیں گے، نیز اگر جمعہ کے بعد والی سنتیں پہلے پڑھیں؟ تو کیا چار رکعت پڑھیں یا چھ رکعت؟

### الجواب حامدا ومصليا:

آپ کے لکھنے کے مطابق شامی، عالم گیری، کبیری وغیرہ کتابیں دیکھیں؛ لیکن اس (جمعہ) کے بارے میں کوئی مستقل جزئیہ نہیں مل سکا۔

البتہ کفایت المفتی اور فتاویٰ دارالعلوم میں لکھا ہے کہ متروکہ سنتیں پہلے اور بعد میں دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

لیکن بہتر وہ ہے، جو فتاویٰ دارالعلوم کے حاشیہ میں لکھا ہے اور جس میں سنتوں کے بارے میں بحث ہے؛ لیکن اس میں بھی جمعہ کی متروکہ سنتوں کا مستقلاً بیان نہیں ہے؛ بل کہ ظہر کی چھوٹی ہوئی سنتوں کا بیان ہے کہ ظہر کی چار سنتیں اگر فرض کی اقامت کی وجہ سے چھوٹ گئیں، تو اسے مصلیٰ فرض کے بعد والی دو رکعت سنتوں کے بعد پڑھے؛ کیوں کہ پہلی چار رکعات سنت مؤکدہ تو اپنی جگہ سے ہٹ ہی گئی ہیں، اب ان کو ادا کرنے کے لیے بعد والی دو رکعت سنت مؤکدہ کو اپنی جگہ سے نہ ہٹایا جائے؛ لہذا اس پر قیاس کرتے ہوئے

= ۴۸/۱، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، قبیل: مطلب في كراهة الاقتداء في النفل على سبيل التداعي وفي صلاة الرغائب، ط: دار الفکر - بیروت

(۱) جمعہ سے پہلے کی چار رکعتیں نماز کے بعد پڑھ لے اور چاہے انہیں پہلے پڑھ لے یا بعد والی پہلے پڑھے، دونوں جائز ہے۔ (کفایت المفتی: ۳۱۷/۳، کتاب الصلاة، جمعہ کی پہلی سنتیں رہ جائیں، تو کب پڑھے، جواب: ۵۱۵، ط: دارالاشاعت، کراچی) بعد فرض کے چار سنت پڑھے، دو سنت سے پہلے یا پیچھے، اور نیت سنت ظہر کی کرے۔ (فتاویٰ دارالعلوم: ۲۰۲/۳، ظہر کی جماعت کے وقت آنے والا پہلی سنت کب پڑھے گا، سوال: ۱۶۸۵، ط: ذکر یاد یوبند)

جمعہ کی چار سنن قبلہ، فرض نماز کے بعد والی چار سنتوں کو ایک سلام سے یا چھ رکعت سنتوں کو دو سلام سے ادا کرنے کے بعد پڑھی جائے۔ امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی قول ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم کے حاشیہ میں لکھا ہے:

وفي مبسوط شيخ الاسلام انه الأصح لحديث عائشة رضي الله عنها انه عليه الصلوة والسلام كان اذا فاتته الأربع قبل الظهر يصلين بعد الركعتين وهو قول ابي حنيفة. (فتاویٰ دارالعلوم ۳/۲۰۴، فی الحاشیہ)<sup>[۲]</sup> فقط، والله اعلم بالصواب۔

[۲] عن عائشة، قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا فاتته الأربع قبل الظهر، صلاها بعد الركعتين بعد الظهر. (سنن ابن ماجه: ۸۰، رقم الحديث: ۱۱۵۸، كتاب إقامة الصلاة، والسنة فيها، باب من فاتته الأربع قبل الظهر، ط: البدر - ديوبند)

(بخلاف سنة الظهر) وكذا الجمعة (فإنه) إن خاف فوت ركعة (يتركها) ويقتدي (ثم يأتي بها) على أنها سنة (في وقته) أي الظهر (قبل شفعه) عند محمد، وبه يفتي جوهره. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله عند محمد) وعند أبي يوسف بعده، كذا في الجامع الصغير الحسامي وفي المنظومة وشرحها: الخلاف على العكس. وفي غاية البيان: يحتمل أن يكون عن كل من الإمامين روايتان ح عن البحر.

(قوله وبه يفتي) أقول: وعليه المتون، لكن رجح في الفتح تقديم الركعتين. قال في الإمداد: وفي فتاوى العتابي أنه المختار، وفي مبسوط شيخ الإسلام أنه الأصح لحديث عائشة: أنه - عليه الصلاة والسلام - كان إذا فاتته الأربع قبل الظهر يصلين بعد الركعتين، وهو قول أبي حنيفة، وكذا في جامع قاضي خان اهـ والحديث قال الترمذي حسن غريب فتح. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۵۸-۵۹، باب إدراك الفريضة، مطلب هل الإساءة دون كراهة أو أفحش، ط: دار الفكر - بيروت)

مزید دیکھیے: فتاویٰ دارالعلوم: ۳/۲۰۲-۲۰۳، باب مسائل سنن مؤکدہ، ظہر کی جماعت کے وقت آنے والا پہلی سنت کب پڑھے گا، سوال: ۱۶۸۵، مرتب و محشی: مفتی محمد ظفر الدین مفتاحی، ط: ذکر یاد یوبند۔

## باب الاستسقاء

### [ طلب باراں کا بیان ]

[۱] قحط سالی میں قنوت نازلہ اور نماز استسقاء پڑھنا

۹۱۶- سوال: فی الحال یہاں باران رحمت بالکل نہیں ہے؛ لہذا درخواست ہے کہ آپ خاص طور پر دارالعلوم میں زیر تعلیم طلبہ سے دعا کرائیں، کیا ایسی حالات میں قنوت نازلہ پڑھ سکتے ہیں؟ اسی طرح نماز استسقاء؟ بالتفصیل جواب تحریر فرمائیں۔

#### الجواب حامدا ومصليا:

بارش کے لیے دعا مانگنی چاہیے، گناہوں سے استغفار کرنا چاہیے،<sup>(۱)</sup> اور ایک خاص نماز پڑھنی چاہیے، جسے نماز استسقاء (صلاة الاستسقاء) کہتے ہیں۔ (عالم گیری)<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) تَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۖ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ۖ وَيَمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَيُبَدِّلْ لَكُمْ جَنَّتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا ﴿۱۰۰﴾ (نوح: ۱۰-۱۲)

[۲] قال أبو حنيفة - رحمه الله تعالى - ليس في الاستسقاء صلاة مسنونة في جماعة، كذا في الهداية، ولا خطبة فيه ولكنه دعاء واستغفار وإن صلوا وحدانا فلا بأس به، كذا في الذخيرة وليس فيه قلب رداء عند أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - هكذا في التبيين.

وقالا: يخرج الإمام ويصلي بهم ركعتين يجهر فيهما بالقراءة، كذا في العيني شرح الهداية، ويخطب خطبتين بعد الصلاة ويستقبل الناس بوجهه قائما على الأرض لا على المنبر ويفصل بين الخطبتين بجلسة وإن شاء خطب خطبة واحدة ويدعو الله ويسبحه ويستغفر للمؤمنين والمؤمنات وهو متكى قوسا فإذا مضى صدر من خطبته قلب رداءه، كذا في المضمورات. ————— وصفة تقليب الرداء إن كان مر بعا جعل أسفله أعلاه وأعلاه أسفله وإن كان مدورا جعل الجانب الأيمن على الأيسر والأيسر على الأيمن ولكن القوم لا يقلبون أرديتهم، هكذا في الكافي والمحيط والسراج الوهاج وفي التحفة وإذا فرغ الإمام من الخطبة يجعل ظهره إلى الناس ووجهه إلى القبلة ويقرب رداءه ثم يشتغل بدعاء الاستسقاء قائما والناس قعود مستقبلون ووجههم إلى القبلة في الخطبة والدعاء فيدعوا الله تعالى

ويستغفر للمؤمنين ويجددون التوبة ويستغفرون ثم عند الدعاء إن رفع يديه نحو السماء فحسن وإن ترك ذلك وأشار بأصبعه السبابة فحسن وكذا الناس يرفعون أيديهم أيضاً؛ لأن السنة في الدعاء بسط اليدين، كذا في المضمورات. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۵۳، ۱۵۴، كتاب الصلاة، الباب التاسع عشر في الاستسقاء، ط: دار الفكر) کسی حادثہ اور طاعون وغیرہ کی وجہ سے دعاء قنوت کا پڑھنا شروع ہے، قنوت سالی میں دعاء قنوت کا اہتمام منقول نہیں، اس کے لیے صلاة الاستسقاء منقول و متواتر ہے:

(ولا يقنت لغيره) إلا النازلة فيقنت الإمام في الجهرية، وقيل في الكل. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله إلا لنازلة) قال في الصحاح: النازلة الشديدة من شدائد الدهر، ولا شك أن الطاعون من أشد النوازل، أشباه. (قوله فيقنت الإمام في الجهرية) يوافق ما في البحر والشرنبلالية عن شرح النقابة عن الغاية: وإن نزل بالمسلمين نازلة قنت الإمام في صلاة الجهر. وهو قول الثوري وأحمد اهـ وكذا ما في شرح الشيخ إسماعيل عن البنانية: إذا وقعت نازلة قنت الإمام في الصلاة الجهرية، لكن في الأشباه عن الغاية: قنت في صلاة الفجر، ويؤيده ما في شرح المنية حيث قال بعد كلام: فتكون شرعيته: أي شرعية القنوت في النوازل مستمرة، وهو محمل قنوت من قنت من الصحابة بعد وفاته - عليه الصلاة والسلام -، وهو مذهبنا وعليه الجمهور. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۱/۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في القنوت للنازلة، ط: دار الفكر - بيروت)





عن ابن عباس-رضی اللہ تعالیٰ عنہما- أن النبی-صلی اللہ  
 علیہ وسلم- کان یصلی فی رمضان عشرين رکعة سوى الوتر.

(معجم اوسط- ابوالقاسم طبرانی (م: ۳۶۰): ۱/۲۳۳، رقم الحدیث: ۷۹۸)

## باب التراويح

[تراویح کا بیان]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب التراویح

### [ تراویح کا بیان ]

#### [۱] بیس رکعات تراویح کا ثبوت اور اس کی حقیقت

۹۱۷- سوال: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح کی کتنی رکعات ثابت ہے، آٹھ، بارہ یا بیس؟ احادیث کے حوالے سے جواب عنایت فرمائیں۔

#### الجواب حامدا ومصليا:

علمی بحث و مباحثہ آپ کا کام نہیں، آپ کے لیے اتنا جان لینا کافی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں وتر کے علاوہ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے۔ (طبرانی، بیہقی - عن ابن عباسؓ) [۱] مصنف

[۱] عن ابن عباس، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يصلي في رمضان عشرين ركعة سوى الوتر. (المعجم الأوسط - أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰هـ): ۱/ ۲۳۳، رقم الحديث: ۷۹۸، باب الألف، من اسمه أحمد، ت: طارق بن عوض الله بن محمد، عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني، ط: دار الحرمين - القاهرة، ورواه أيضا برقم: ۵۵۴۴، باب الميم، من اسمه محمد ☆ المعجم الكبير: ۱۱/ ۳۹۳، رقم الحديث: ۱۲۳۰۲، باب العين، مقسم عن ابن عباس، ت: حمدي بن عبد المجيد السلفي، ط: مكتبة ابن تيمية - القاهرة)

عن الحكم، عن مقسم، عن ابن عباس قال: "كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي في شهر رمضان في غير جماعة بعشرين ركعة، والوتر". (السنن الكبرى - أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸هـ): ۲/ ۶۹۸، رقم الحديث: ۴۲۸۶، جماع أبواب صلاة التطوع، وقيام شهر رمضان، باب ما روي في عدد ركعات القيام في شهر رمضان، ت: محمد عبد القادر عطاء، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

ابن ابی شیبہ میں بھی اس روایت کو نقل کیا گیا ہے۔<sup>(۲)</sup>

جب حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں بیس رکعات تراویح پڑھی ہے، تو ان کے پاس لامحالہ کوئی مضبوط دلیل ہوگی، تبھی انہوں نے بیس رکعات پڑھی ہے، بغیر دلیل کے ان سے اس فعل کا صدور ممکن نہیں ہے، اس جانب بھی توجہ دیں کہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین کی اتباع کا حکم دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين<sup>(۳)</sup> کہ تم پر میری اور راہ یاب خلفائے راشدین کی سنت کی اتباع لازم ہے، حضرت عمرؓ کے اس فیصلے کو تمام صحابہ کرامؓ نے تسلیم کیا تھا، معلوم یہ ہوا کہ بیس رکعات تراویح پر اجماع صحابہ ہے۔ نیز ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی بیس رکعت سے کم کے قائل نہیں ہیں۔<sup>(۴)</sup>

شامی میں لکھا ہے کہ بیس رکعات تراویح جمہور علمائے کرام کا مذہب ہے، نیز اہل مشرق و مغرب کا اسی پر عمل ہے۔ (شامی: ۱/۶۶۰) [۵]

(۲) عن ابن عباس، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر. (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار - أبو بكر بن أبي شيبة (م: ۲۳۵هـ): ۲/۱۶۳، رقم الحديث: ۷۹۲، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد - الرياض)

(۳) ... أو صيكم بتقوى الله والسمع والطاعة، وإن عبدا حبشيا، فإنه من يبعث منكم بعدي فسيرى اختلافا كثيرا، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء المهديين الراشدين، تمسكوا بها وعضوا عليها بالواجد، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. (سنن أبي داود: ۲/۶۳۵، رقم الحديث: ۴۶۰۷، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن الترمذي: ۲/۹۶، رقم الحديث: ۲۶۷۶، أبواب العلم، باب ما جاء في الأخذ بالسنة واجتناب البدع، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن ابن ماجه: ۱/۵، رقم الحديث: ۴۲، افتتاح الكتاب في الإيمان وفضائل الصحابة والعلم، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، ط: البدر - ديوبند)

(۴) لم يقل أحد من الأئمة الأربعة بأقل من عشرين ركعة في التراويح، وعليه جمهور الصحابة رضوان الله عليهم أجمعين. (العرف الشذوي على هامش سنن الترمذي: ۱/۱۶۶، أبواب الصوم، باب الترغيب في قيام شهر رمضان وما جاء فيه من النفل، ط: فيصل - ديوبند)

[۵] (التراويح سنة) مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال والنساء) إجماعا (ووقتها بعد صلاة العشاء) إلى الفجر (قبل الوتر وبعده) في الأصح... (والجماعة فيها سنة على الكفاية) في الأصح، فلو تركها أهل مسجد أثموا إلا لو ترك بعضهم، وكل ما شرع بجماعة فالمسجد فيه أفضل قاله الحلبي. (وهي عشرون ركعة) [الدر المختار] قال ابن عابدين: (قوله سنة مؤكدة) صححه في الهداية وغيرها، وهو المروي عن أبي حنيفة. وذكر في الاختيار أن أبا يوسف سأل أبا حنيفة عنها وما فعله عمر، فقال: التراويح سنة مؤكدة، ولم يتخرجه عمر من تلقاء نفسه، ولم =

الغرض بیس رکعات تراویح پر تمام حضرات صحابہ کرام کا اجماع اور اتفاق ہے؛ یعنی ان کو بیس رکعات تراویح کا علم ضرور تھا، اسی لیے انہوں نے اس کو بلا کسی اختلاف کے تسلیم کر لیا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲] حضرت عمرؓ کا بیس رکعات تراویح پر لوگوں کو جمع کرنے کی حکمت

۹۱۸- سوال: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کو پابندی کے ساتھ باجماعت اس لیے نہیں ادا فرمایا تھا؛ تاکہ امت پر وہ فرض نہ ہو جائے، تو پھر حضرت عمرؓ نے کن وجوہات کی بنیاد پر اس کو فرض قرار دیا اور باجماعت ادا کیا؟

### الجواب حامدا ومصليا:

آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، حضرت عمرؓ نے اس کی حیثیت کو تبدیل نہیں کیا ہے کہ سنت کو فرض قرار دیا ہو؛ بل کہ تراویح، الگ الگ جگہوں پر الگ الگ ائمہ کے پیچھے ہوا کرتی تھی، ہر ایک امام کے پیچھے پانچ چھ مقتدی ہوتے تھے، تو حضرت عمرؓ نے ان تمام مقتدیوں کو ایک ہی امام کے پیچھے تراویح پڑھنے کی ترغیب دی، نفس تراویح میں آپ کی جانب سے کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا ہے؛ کیوں کہ اسلام اجتماعیت اور اتحاد کا داعی ہے، حضرت عمرؓ نے صرف اسی اجتماعیت اور اتحاد کی بناء پر لوگوں کو توجہ دلائی ہے۔<sup>(۱)</sup>

= یکن فیہ مبتدعا؛ ولم یأمر بہ إلا عن أصل لديہ وعہد من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.... وفي شرح منیة المصلي: وحكى غير واحد الإجماع على سنتها، وتماهه في البحر. (قوله لمواظبة الخلفاء الراشدين) أي أكثرهم؛ لأن المواظبة عليها وقعت في أثناء خلافة عمر - رضي الله عنه -، ووافقه على ذلك عامة الصحابة ومن بعدهم إلى يومنا هذا بلا تكبير، وكيف لا وقد ثبت عنه - صلي الله عليه وسلم - عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ، كما رواه أبو داود، بحر.... (قوله وهي عشرون ركعة) هو قول الجمهور وعليه عمل الناس شرقا وغربا. (رد المحتار: ۲/۳۳-۳۵، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/۱۱۶-۱۱۷، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الكتاب ديوبند)

(۱) وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا. وَأَذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً قَالَفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا، وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا. كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْتَدُونَ. (۳-آل عمران ۱۰۳)

عن عبد الرحمن بن عبد القاري، أنه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب رضي الله عنه، ليلة في رمضان إلى المسجد، فإذا الناس أوزاع متفرقون، يصلي الرجل لنفسه، ويصلي الرجل فيصلي بصلاته الرهط، فقال عمر: إني أرى لو جمعت هؤلاء على قاري واحد، لكان أمثل، ثم عزم، فجمعهم على أبي بن كعب، ثم خرجت معه ليلة أخرى، والناس يصلون بصلاة قارئهم، قال عمر: نعم البدعة هذه، والتي ينأون عنها أفضل من التي يقومون، يريد آخر الليل وكان الناس يقومون أوله. (صحيح البخاري: ۱/۲۶۹، رقم: ۲۰۱۰، كتاب الصوم، باب فضل من قام رمضان، ط: ديوبند)

الغرض حضرت عمرؓ نے اصل حکم میں کوئی تبدیلی نہیں فرمائی ہے، صرف تمام کو جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔

آج بھی یہ حکم ہے کہ مسجد میں فرض نماز پڑھ لیجیے اور گھر آکر۔ اگر کوئی تراویح پڑھانے والا موجود ہو، تو اس کے پیچھے۔ باجماعت تراویح پڑھ لیجیے، مسجد کے امام کے پیچھے تراویح پڑھنا ضروری نہیں ہے، اصل سنت ادا ہو جائے گی، یہ دوسری بات ہے کہ مسجد کی فضیلت حاصل نہ ہوگی۔<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳] بیس رکعات تراویح کا ثبوت حضرت عمرؓ کے عمل سے

۹۱۹- سوال: تراویح کی بیس رکعات احادیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہے، تو اس کا حوالہ عنایت فرمائیں۔

#### الجواب حامدا ومصليا:

اصول فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ: مسائل کا ثبوت قرآن مجید سے بھی ہوتا ہے، اسی طرح احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع امت اور قیاس کے ذریعہ بھی ہوتا ہے؛ اس لیے آپ کا حوالے میں صرف حدیث طلب کرنا صحیح نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup>

[۱] (والجماعة فيها سنة على الكفاية) في الأصح، فلو تركها أهل مسجد أثموا إلا لو ترك بعضهم، وكل ما شرع بجماعة فالمسجد فيه أفضل قاله الحلبي. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله والجماعة فيها سنة على الكفاية الخ) أفاد أن أصل التراويح سنة عين، فلو تركها واحد كره، بخلاف صلاحتها بالجماعة فإنها سنة كفاية، فلو تركها الكل أساءوا؛ أما لو تخلف عنها رجل من أفراد الناس وصلّى في بيته فقد ترك الفضيلة، وإن صلى أحد في البيت بالجماعة لم ينالوا فضل جماعة المسجد وهكذا في المكتوبات كما في المنية. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۳-۳۵، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح، ط: دار الفکر)

(۲) الأدلة المثبتة للأحكام نوعان: متفق عليه ومختلف فيه. فالمتفق عليه أربعة وهي: الكتاب والسنة والإجماع والقياس، التي ترجع إليها أدلة الفقه الإجمالية، والمختلف فيه كثير جمعها القرافي في مقدمة الذخيرة، منها: الاستحسان، والمصالح المرسلة، وسد الذريعة، والعرف، وقول الصحابي، وشرع من قبلنا، والاستصحاب، وإجماع أهل المدينة، وغيرها. ويقصد بالأحكام: الأحكام التكليفية الخمسة: الوجوب، والندب، والإباحة، والكراهة، والحرمة. والأحكام الوضعية: كالشرط، والمانع، والسبب ونحوها. (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۲۱/۲۳، حرف الدال، ماده: دليل، صادر عن: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية - الكويت ☆ أصول الشاشي - نظام الدين أبو علي أحمد بن محمد بن إسحاق الشاشي (م: ۳۴۴ھ)، ص: ۱۳، بحث كون أصول الفقه أربعة، ط: دار الكتاب العربي - بيروت)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تم میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھام لو۔<sup>(۱)</sup> خلفائے راشدین میں سے حضرت عمرؓ نے امام کو بیس رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا تھا، حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں بھی بیس رکعات تراویح پڑھائی جاتی تھی۔ (بیہقی:، مؤطا امام محمد: حاشیہ: ۱۰، صفحہ: ۱۴۳)<sup>[۲]</sup>

جب تینوں خلفاء کے زمانے میں تراویح بیس رکعات پڑھی جاتی رہی ہے، تو آپ ان کی اقتدا کریں گے یا نام نہاد دین کے ٹھکیداروں (سامرودی جیسے اہل حدیث ہونے کے دعوے داروں) کی۔ اس سلسلے میں غیر مقلدین کے مشہور پیشوا نواب صدیق حسن بھوپالیؒ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ

(۱) ... أو صيكم بتقوى الله والسمع والطاعة، وإن عبدا حبشيا، فإنه من عيش منكم بعدي فسيروا اختلافاً كثيراً، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء المهديين الراشدين، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة. (سنن أبي داود: ۲/۲۳۵، رقم الحديث: ۴۶۰۷، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن الترمذي: ۲/۹۶، رقم الحديث: ۲۶۷۶، أبواب العلم، باب ما جاء في الأخذ بالسنة واجتناب البدع، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن ابن ماجه: ۱/۵، رقم الحديث: ۴۲، افتتاح الكتاب في الإيمان وفضائل الصحابة والعلم، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، ط: البدر - ديوبند)

[۲] عن السائب بن يزيد قال: "كانوا يقولون على عهد عمر بن الخطاب رضي الله عنه في شهر رمضان بعشرين ركعة" قال: "وكانوا يقرءون بالمئين، وكانوا يتوكتون على عصيهم في عهد عثمان بن عفان رضي الله عنه من شدة القيام". (السنن الكبرى - أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸هـ): ۲/۲۹۸، رقم الحديث: ۴۲۸۸، جماع أبواب صلاة التطوع، وقيام شهر رمضان، باب ما روي في عدد ركعات القيام في شهر رمضان، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

... أبو الخصيب قال: "كان يؤمننا سويد بن غفلة في رمضان فيصلي خمس ترويحاً بعشرين ركعة" وروينا عن شتير بن شكل، وكان من أصحاب علي رضي الله عنه "أنه كان يؤمهم في شهر رمضان بعشرين ركعة، ويوتر بثلاث". (حوالہ سابق: حدیث نمبر: ۴۲۹۰)

عن أبي عبد الرحمن السلمي، عن علي رضي الله عنه قال: "دعا القراء في رمضان فأمر منهم رجلا يصلي بالناس عشرين ركعة" قال: وكان علي رضي الله عنه يوتر بهم" (حوالہ سابق: حدیث نمبر: ۴۲۹۱)

... انهم كانوا يقولون على عهد عمر بعشرين ركعة وعلى عهد عثمان وعلى مثله. (مؤطا مالك - رواية محمد بن الحسن في حاشية: ۳۵۵/۱، باب قيام شهر... الخ، ط: دار القلم دمشق)

... ان عمر جمع الناس على ثلاث وعشرين ركعة مع الوتر. (مؤطا مالك، رواية محمد بن الحسن في حاشية: ۳۵۵/۱، باب قيام شهر... الخ، ط: دار القلم دمشق)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو بیس رکعات پڑھی گئیں، اس کو علماء نے اجماع کے مثل شمار کیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

خلاصہ یہ کہ ہر مسئلے کے لیے حدیث کا ہونا ضروری نہیں ہے اور حدیث شریف سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین کی اقتدا اور اتباع کا حکم دیا ہے اور حضرت عمر فاروقؓ نے لوگوں کو بیس رکعات تراویح باجماعت پڑھنے کا حکم دیا ہے؛ لہذا تراویح کی بیس رکعات ہوں گی نہ کہ آٹھ رکعات۔<sup>(۲)</sup> واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات مغرہ [۱۹۷۷/۹/۳۰ء]

### [۴] مستقل امام کو حق تراویح ہے یا دوسرے مقررہ حافظ کو؟

۹۲۰- سوال: میں مسجد کا دائمی امام اور مدرسہ کا مدرس بہ مشورہ کمیٹی طے ہوا ہوں اور محمد اللہ حافظ ہوں، تراویح ہر سال پڑھا تا رہتا ہوں، بندہ کے تقرر سے پہلے ایک غیر حافظ امام تھے، جن کی موجودگی میں قرآن کریم سنانے کے لیے ایک بزرگ صاحب یوپی سے آیا کرتے تھے جو وقتاً فوقتاً تقریر بھی کرتے تھے اور چندہ بھی؛ لہذا اس سال بھی بندہ کی بغیر اجازت و رضامندی کے ان صاحب کو دعوت دی گئی اور بندہ کو ایک نخت مصلیٰ سے دور کر دیا گیا، حتیٰ کہ چار رکعت کا بھی موقع نہیں دیا گیا، سوال یہ ہے کہ یہ کہاں تک صحیح ہے؟ نیز آنے والے بزرگ کو دائمی امام کی حق تلفی کہاں تک زیب دیتی ہے، جو محض دھونس سے ایک غریب و بے بس امام کے حق میں کی جاتی ہے؟ قبل رمضان جلد از جلد جواب مرحمت فرمائیں، تاکہ فتنہ سے پہلے صلح ہو جائے۔

#### الجواب حامداً ومصلياً:

آپ کا تقرر پنج وقتہ نمازوں کی امامت اور تعلیم الصبيان (بچوں کی تعلیم) کے لیے ہوا ہے، آپ کی

(۱) والمعروف وهو الذي عليه الجمهور، أنه عشرون ركعة بعشر تسليمات، وذلك خمس ترويحيات، كل ترويحة أربع ركعات بتسليمتين غير الوتر، وهو ثلاث ركعات، وفي سنن البيهقي بإسناد صحيح كما قال ابن العراقي في شرح التقريب، عن السائب بن يزيد قال: كانوا يقومون على عهد عمر الخطاب في شهر رمضان بعشرين ركعة، وفي الموطن عن يزيد بن رومان قال: كان الناس يقومون في زمن عمر بثلاث وعشرين. وفي رواية باحدى عشرة، وجمع البيهقي بينهما بأنهم كانوا يقومون باحدى عشرة ثم قاموا بعشرين وأتروا بثلاث وقد عدوا ما وقع في زمن عمر رضي الله عنه كالأجماع. (عون الباري - نواب صديق حسن خان (م: ۱۳۰۷ھ): ۸۶۱/۲، كتاب صلاة التراويح، ط: دار الرشيد - حلب)

(۲) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: بیس رکعات تراویح کا ثبوت اور اس کی حقیقت۔

ذمہ داری تراویح کی نہیں تھی؛ اس وجہ سے اگر اہل قریہ آپ کو تراویح کی ذمہ داری حوالہ نہ کریں، تو آپ کا کوئی حق تلف نہیں ہوا،<sup>(۱)</sup> ان کا یہ فعل جائز ہے؛ البتہ آپ کی ذمہ داری پنج وقتہ نمازوں کی تھی، اس کے متعلق حق تلفی ہوئی ہو، تو آپ ان سے رجوع کر سکتے ہیں، مگر احقر کا مشورہ ہے کہ ایک ماہ کا مسئلہ ہے، مہمان چلے جائیں، اس کے بعد اپنی ذمہ داری ادا کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۵] نابالغ کا تراویح پڑھانا

۹۲۱- سوال: ایک لڑکے کی برتھ سرٹیفکیٹ (ولادت نامہ) ہم بھیج رہے ہیں، وہ لڑکا تراویح

(۱) مستقل امام کو تراویح ہے یا دوسرے مقررہ حافظ کو؟ اس سلسلے میں حضرت مفتی بیات صاحب نے جو کچھ رقم فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مستقل امام کے ذمہ تراویح نہیں ہے، حالانکہ فتاویٰ دارالعلوم میں ہے کہ تراویح کی امامت کا حق بھی امام راتب ہی کو حاصل ہے، ملاحظہ فرمائیں اصل سوال اور جواب:

سوال: بکر ایک مسجد میں امام مقرر ہوا، اور حافظ قرآن ہے، اور زید بھی حافظ قرآن ہے، وہ زمانہ بعید سے اس مسجد میں تراویح پڑھاتا ہے، اب بکر کہتا ہے کہ میں اب امام مقرر ہوا ہوں، تو تراویح پڑھانے کا حق مجھ کو ہی ہے، اور وہ حافظ کہتا ہے کہ میرا قدیمی حق ہے، تو کس کو حق حاصل ہے؟

الجواب: صورت مسئلہ میں جب کہ بکر امام مقرر ہو گیا، تو تراویح کی امامت کا حق بھی اسی کو حاصل ہے، فقط۔ (فتاویٰ دارالعلوم: ۲۸۲/۳، مسائل تراویح، سوال نمبر: ۱۸۳۳، مرتب: مفتی ظفر الدین مفتاحی، ط: زکریا- دیوبند) حضرت مفتی عبدالرحیم لاج پورئی ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں:

تراویح پڑھانے کا حق امام کا ہے، اگر امام نہ پڑھا سکے، یا امام اجازت دے دے، تو دوسرے حافظ کو سپر کرنا چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۲۵۷/۶، مسائل تراویح، مقرر امام تراویح پڑھانے کا حق دار ہے، ط: دارالاشاعت، پاکستان) امامت کا ترجیحی بنیاد پر کون زیادہ مستحق ہے؟ اس مسئلہ کو علامہ حصلگی نے یوں لکھا ہے:

(و) اعلم أن (صاحب البيت) ومثله إمام المسجد الراتب (أولى بالإمامة من غيره) مطلقاً. علامہ شامی نے وضاحت کی ہے: (قوله مطلقاً) أي وإن كان غيره من الحاضرين من هو أعلم وأقرأ منه. (رد المحتار مع الدر المختار: ۵۵۹/۱، کتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفکر- بیروت)

الغرض امام راتب ترجیحی بنیاد پر تراویح پڑھانے کا حق دار ہے، فتاویٰ دارالعلوم اور فتاویٰ رحیمیہ میں یہی ہے، علامہ شامی کی مندرجہ بالا عبارت کے عموم سے بھی یہی بات مترشح ہوتی ہے؛ اس لیے خیال ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب کی رائے اس صورت پر محمول ہے، جب کہ یہ شرط امام اور متولی کے درمیان طے ہوئی ہو کہ صرف پنج وقتہ نماز اور تعلیم الصبیان کے لیے امام کی تقرری عمل میں لائی جا رہی ہے، جیسا کہ مفتی صاحب کے جواب کے ابتدائی جملوں سے معلوم ہو رہا ہے، نیز ہمارے عرف میں بھی ایسا ہی ہے؛ اس لیے اگر یہ شرط ہو، تو ”المسلمون علی شروطہم“ [ابوداؤد، باب فی الصلح، حدیث نمبر: ۱۳۵۲، عن ابی ہریرۃ] کے پیش نظر متولی کو حق ہوگا کہ تراویح کے لیے کسی اور کو موقوف دے اور یہ امام راتب کی حق تلفی نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]



پڑھانا چاہتا ہے، تو کیا وہ تراویح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ جلد جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

مسک احتناف میں نابالغ لڑکے کو فرائض، تراویح اور دیگر نوافل میں امام بنانا جائز نہیں۔<sup>(۱)</sup> اگر لڑکے کو احتلام ہوتا ہو، خواہ اس کی عمر بارہ سال ہو، وہ بالغ شمار ہوگا، اس کو امام بنانا جائز ہے، اور اگر احتلام نہ ہوتا ہو، تو پندرہ سال کی عمر ہونے کے بعد اسے بالغ قرار دیا جائے گا، اس سے پہلے اس کو امام بنانا جائز نہیں ہے۔<sup>[۲]</sup>

(۱) ولا يجوز للرجال أن يقتدوا بامرأة أو صبي ".... وأما الصبي فلأنه متنفل فلا يجوز اقتداء المفترض به، وفي التراويح والسنن المطلقة جوزه مشايخ بلخ رحمهم الله ولم يجوزه مشايخنا رحمهم الله... والمختار أنه لا يجوز في الصلوات كلها. (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر، المرغيناني، برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۵۷/۱، باب الإمامة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت)

[۲] (بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال) والأصل هو الإنزال (والجارية بالاحتلام والحيض والحبل) ولم يذكر الإنزال صريحاً لأنه قلما يعلم منها (فإن لم يوجد فيها) شيء (فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى) لقصر أعمار أهل زماننا (وأدنى مدته له اثنا عشرة سنة ولها تسع سنين) هو المختار كما في أحكام الصغار. (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۱۵۳-۱۵۴، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، ط: دار الفكر- بيروت) ثم بلوغه إما أن يكون بالعلامة أو بالسن والعلامة في ذلك الإنزال بالاحتلام والإحبال، وفي حق الجارية بالاحتلام والحبل والحيض قالوا وأدنى المدة في حق الغلام اثنا عشر سنة، وفي حق الجارية تسع سنين... وأما بلوغهما بالسن فقد روي أبو حنيفة- رحمه الله تعالى- في الجارية بسبع عشرة سنة، وفي الغلام بتسع عشرة سنة.

وفي كتاب الوكالة ذكر في الغلام ثمان عشرة سنة في موضع، وفي موضع تسع عشرة سنة من أصحابنا من وفق فقال المراد أن يتم له ثمان عشرة سنة ويظن في التاسع عشرة ولكن ذكر في نسخ أبي سليمان في كتاب الوكالة حتى يستكمل تسع عشرة سنة فقيهروا وابتان إذن.

وعلى قول أبي يوسف ومحمد والشافعي رحمهم الله تعالى في الغلام والجارية يتقدر بخمس عشرة سنة لحديث ابن عمر- رضي الله تعالى عنه- قال: عرضت على رسول الله- صلى الله عليه وسلم- يوم أحد وأنا ابن أربع عشرة سنة فردني، ثم عرضت عليه يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة سنة فأجازني. ولما سمع عمر بن عبد العزيز- رضي الله تعالى عنه- هذا الحديث، قال: هذا هو الفصل بين البالغ وغير البالغ وكتب به إلى أمراء الأجناد والمعنى فيه أن العادة الظاهرة أن البلوغ لا يتأخر عن هذه المدة. (الميسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۳۸۳ھ): ۶/۵۴، كتاب الطلاق، باب العدة وخروج المرأة من بيتها، ط: دار المعرفة- بيروت) ☆ بدائع الصنائع: ۷/۱۷۲، كتاب الحجر، فصل في بيان ما يرفع الحجر، ط: دار الكتب العلمية ☆ الهداية في شرح بداية المبتدي- المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۳/۲۸۱، كتاب الحجر، فصل: في حد البلوغ، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت)

لڑکا جب بالغ ہو جاتا ہے، تو مرد کے حکم میں ہوتا ہے، اس پر نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا فرض ہو جاتا ہے، اسی طرح اس کی امامت بھی درست ہو جاتی ہے۔ (شامی<sup>(۱)</sup>، عالمگیری<sup>(۲)</sup>) [۳] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] مسجد کے فنڈ سے تراویح پڑھانے والے کا ہدیہ اور خطیب کا خرچ ادا کرنا

۹۲۲- سوال: تراویح پڑھانے والے امام صاحب کو ہدیہ دینا، اسی طرح کسی عالم کو بیان و تقریر کے لیے بلانے پر ان کے ٹکٹ وغیرہ کا انتظام کرنا مسجد کے فنڈ سے جائز ہے یا نہیں؟ یعنی مسجد کی رقم ان امور میں صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب حامدًا ومصلياً:**

چندہ دینے والوں نے کس مقصد سے چندہ دیا ہے، اس کا اعتبار ہوگا، اگر چندہ میں صراحتاً یا عرفاً اس کی اجازت ہو، تو گنجائش ہے۔ [۴]

البتہ تراویح کا معاوضہ لینا اور دینا جائز نہیں ہے، حنفی مسلک میں امامت (اور دیگر طاعات) پر

(۱) رد المحتار علی الدر المختار: ۱/۵۷۶-۵۷۷، کتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفکر - بیروت

(۲) الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۸۵، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل الثالث فی بیان من یصلح إماماً لغيره، ط: دار الفکر۔

(۳) عن عائشة رضي الله عنها، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "رفع القلم عن ثلاثة: عن النائم حتى يستيقظ،

وعن المتبلى حتى يبرأ، وعن الصبي حتى يكبر"۔ (سنن أبي داود: ۲/۶۰۴، رقم الحديث: ۴۳۹۸، كتاب الحدود،

باب في المجنون يسرق أو يصيب حداً، ط: البدر - ديوبند، وانظر رقم: ۴۴۰۱، عن ابن عباس، ۴۴۰۳، عن

علي ☆ سنن الترمذي، رقم الحديث: ۱۲۲۳، أبواب الحدود، باب ما جاء فيمن لا يجب عليه الحد ☆ المجتبي من

السنن = السنن الصغرى للنسائي، رقم الحديث: ۳۲۳۲، كتاب الطلاق، باب: من لا يقع طلاقه من الأزواج

[۴] (ويبدأ من غلته بعمارته) ثم ما هو أقرب لعمارة كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم ثم السراج

والبساط كذلك إلى آخر المصالح وتاممه في البحر۔

في الشامية: قال في الحاوي القدسي: والذي يبدأ به من ارتفاع الوقف أي من غلته عمارته شرط الواقف أو لائم ما هو

أقرب إلى العمارة، وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد، والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلى قدر كفايتهم، ثم

السراج والبساط كذلك إلى آخر المصالح، هذا إذا لم يكن معينا، فإن كان الوقف معينا على شيء يصرف إليه بعد

عمارة البناء اهـ... وقوله إلى آخر المصالح: أي مصالح المسجد يدخل فيه المؤذن والناظر ويدخل تحت الإمام

الخطيب لأنه إمام الجامع اهـ ملخصاً. (رد المحتار على الدر المختار: ۴/۳۶۷، كتاب الوقف، مطلب في وقف

المنقول قصداً، ط: دار الفکر - بيروت)

اجرت ضرورتاً جائز ہے<sup>(۱)</sup> تراویح میں ختم قرآن ضروری نہیں؛ لہذا یہاں ضرورت متحقق نہیں ہے۔ ہاں تراویح پڑھانے والے امام صاحب کے ذمہ ایک دو فرض نماز پڑھانا بھی مقرر کیا جائے، تو ان فرض نمازوں کی اجرت لینا جائز ہوگا۔<sup>(۲)</sup> تراویح کے نام پر کچھ بھی معاوضہ لینا اور دینا جائز نہیں۔ پس مسجد کے فنڈ سے تراویح کے نام پر رقم دینا جائز نہ ہوگا۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۷] تراویح کے بعد وتر سے پہلے اجتماعی دعاء کا حکم

۹۲۳- سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین، اس مسئلہ میں کہ: رمضان کے مہینے میں تراویح کے بعد وتر نماز سے پہلے جو اجتماعی دعا کی جاتی ہے، کیا وہ خلاف شریعت ہے؟

**الجواب حامداً ومصلياً:**

تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد امام اور مقتدیوں کو اختیار ہے کہ تسبیح پڑھیں، قرآن شریف پڑھیں یا انفرادی طور پر چار رکعت نفل پڑھیں یا خاموش بیٹھے رہیں، یا مسجد الحرام میں ہوں تو طواف کریں اور مدینہ

(۱) ویفتی الیوم بصحتها لتعليم القرآن والفقہ والإمامة والأذان. (الدر المختار)

(قوله ویفتی الیوم بصحتها لتعليم القرآن إلخ) قال فی الهدایة: وبعض مشایخنا - رحمهم الله تعالیٰ - استحسنا الاستنجار علی تعليم القرآن الیوم لظهور التواني فی الأمور الدینیة، ففي الامتناع تصبیح حفظ القرآن، وعلیه الفتویٰ اه، وقد اقتصر علی استثناء تعليم القرآن ایضاً فی متن الكنز و متن مواهب الرحمن و کثیر من الکتب، و زاد فی مختصر الوقایة و متن الإصلاح لتعليم الفقه، و زاد فی متن المجمع الإمامة، و مثله فی متن الملتقى و درر البحار.

و زاد بعضهم الأذان والإقامة والوعظ، و ذکر المصنف معظمها، ولكن الذي فی أكثر الکتب الاقتصار علی ما فی الهدایة، فهذا مجموع ما أفتی به المتأخرون من مشایخنا... وقد اتفقت کلماتهم جمیعاً فی الشروح و الفتاویٰ علی التعلیل بالضرورة و هي خشية ضیاع القرآن كما فی الهدایة. (رد المحتار علی الدر المختار: ۲/۵۵-۵۶، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب فی الاستنجار علی الطاعات، ط: دار الفکر)

(۲) فالحاصل: أن ما يتخلص به الرجل من الحرام أو يتوصل به إلى الحلال من الحیل فهو حسن، وإن ما يكره ذلك أن يحتال فی حق لرجل حتى يبطله، أو فی باطل حتى يموهه، أو فی حق حتى يدخل فيه شبهة، فما كان علی هذا السبيل فهو مكروه، وما كان علی السبيل الذي قلنا أولاً فلا بأس به. (المبسوط للسرخسی - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسی (م: ۳۸۳ھ): ۲۱۰/۳۰، کتاب الحیل، ط: دار المعرفة - بیروت)

(۳) و يكره للرجال أن يستأجروا رجلاً يؤمهم في بيتهم؛ لأن استنجار الإمام فاسد. (الفتاویٰ الهندیة: ۱/۱۱۶، کتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراويح، ط: دار الفکر - بیروت)

(مسجد نبوی) میں ہوں، تو چار رکعت انفراداً پڑھیں۔ (البحر الرائق شرح کنز: ۶۹/۲ - عالمگیری: ۲/۱) [۱]

اسی طرح بیس رکعت کے بعد اور وتر سے قبل تسبیح، تمجید، درود شریف، استغفار وغیرہ پڑھیں یا انفرادی واجتماعی دعائیں؛ سب جائز ہے، فتاویٰ دارالعلوم میں ہے کہ تراویح کے بعد دعائے گناہ درست؛ بل کہ مستحب ہے اور متاخرین کا اس پر عمل ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم: ۲/۲۵۳) لہذا اس موقع پر دعائے گناہ شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۸] تراویح پڑھانے والے کو ہدیہ پیش کرنا

۹۲۴- سوال: تراویح پڑھانے والے کو ہدیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

تراویح پڑھانے والے کو بہ طور اجرت کچھ بھی دینا جائز نہیں ہے۔ (۲) البتہ ہدیہ دینے کی گنجائش ہے۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۹] تراویح پر اجرت لینا

۹۲۵- سوال: اگر کوئی حافظ قرآن رمضان المبارک میں تراویح پڑھائے، اور وہاں کے لوگ

اس کو یہ کہیں کہ ہم آپ کو تین سو روپے دے رہے ہیں، اس میں سے آپ اپنے کھانے پینے کا انتظام بھی

[۱] وقد قالوا أنهم مخيرون في حالة الجلوس إن شاءوا سبحوا، وإن شاءوا قرءوا القرآن، وإن شاءوا صلوا أربع ركعات فرادى، وإن شاءوا أعددوا ساكتين، وأهل مكة يطوفون أسبوعاً ويصلون ركعتين، وأهل المدينة يصلون أربع ركعات فرادى. (البحر الرائق: ۱۲۲/۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الكتاب - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱۱۵/۱، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، زكريا - ديوبند)

ويستحب الجلوس بين الترويحتين قدر ترويحة، وكذا بين الخامسة والوتر. كذا في الكافي وهكذا في الهداية، ولو علم أن الجلوس بين الخامسة والوتر يثقل على القوم لا يجلس. هكذا في السراجية، ثم هم مخيرون في حالة الجلوس إن شاءوا سبحوا، وإن شاءوا أعددوا ساكتين، وأهل مكة يطوفون أسبوعاً ويصلون ركعتين، وأهل المدينة يصلون أربع ركعات فرادى. كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية: ۱۱۵/۱، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح)

(۲) وَلَا تَشْتَرُوا بِإِيحَىٰ تَمَنَّا قَلِيلًا ۖ وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ ﴿۲﴾ - البقرة: ۲۱

(۳) مسئلہ کی تفصیل اور تخریج کے لیے دیکھیے عنوان: ”مسجد کے فنڈ سے تراویح پڑھانے والے کا ہدیہ اور خطیب کا خرچ ادا کرنا“ کے حواشی۔

کر لینا، اور اسی میں سے آپ کی تراویح کا ہدیہ بھی ہو جائے گا، تو کیا ایسی رقم لے کر تراویح پڑھانا جائز ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

تراویح پر اجرت لینا جائز نہیں۔<sup>(۱)</sup>

اس کی جائز صورت یہ ہے کہ حافظ صاحب معاملہ اس طرح طے کریں کہ رمضان میں ایک نماز مثلاً مغرب کی نماز پڑھاؤں گا، اور اجرت تین سو روپے لوں گا، کھلانے کی ذمہ داری گاؤں والوں کی نہیں رہے گی، تو ایسی صورت میں خشک تنخواہ تین سو روپے دے دینا جائز ہے۔<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۰] تراویح پڑھانے کی اجرت لینا

۹۲۶- سوال: رمضان المبارک میں تراویح پڑھانے کے بعد بہ طور ہدیہ جو رقم دی جاتی ہے، اُس کا لینا کیسا ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

تراویح پڑھانے کے لیے اجرت لینا جائز نہیں ہے۔<sup>(۳)</sup>

(۱) وَلَا تَشْتَرُوا بِإِيحَىٰ تَمَنًا قَلِيلًا ۖ وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ ﴿۲۱﴾ (البقرة: ۲۱)

عن بریدة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من قرأ القرآن يتأكل به الناس، جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم. (شعب الإيمان - أبو بكر البيهقي (م: ۳۵۸ھ): ۱۹۵/۳، رقم الحديث: ۲۳۸۳، تعظيم القرآن، فصل في ترك قراءة القرآن في المساجد والأسواق ليعطى وليستأكل به، ط: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون)

عن زاذان، قال: سمعته يقول: من قرأ القرآن يأكل به الناس، جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم. (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار - أبو بكر بن أبي شيبة (م: ۲۳۵ھ): ۱۶۸/۲، رقم الحديث: ۷۷۴۱، في الرجل يقوم بالناس في رمضان فيعطى، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد - الرياض)

[۲] (و) لا لأجل الطاعات مثل (الأذان والحج والإمامة وتعليم القرآن والفقہ) ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقہ والإمامة والأذان. (الدر المختار) \_\_\_\_\_ قال العلامة بن عابدين: قال في الهداية: وبعض مشايخنا - رحمهم الله تعالى - استحسنا الاستنجا على تعليم القرآن اليوم لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن وعليه الفتوى اهـ. (ردالمحتار: ۵۵/۶، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في

الاستنجا على الطاعات، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) دیکھیے عنوان ”تراویح پر اجرت لینا“ کا حاشیہ نمبر: ۱

بہتر یہ ہے کہ تراویح پڑھانے والا ٹرٹی کے ساتھ بات کر کے ایک دو نماز پڑھانے کی ذمہ داری قبول کر کے اجرت طے کرے، اور تراویح فی سبیل اللہ پڑھائے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۱] تراویح اور ہدیہ

۹۲۷- سوال: ختم تراویح کے موقع سے مصلیان بہ خوشی کچھ رقم دیتے ہیں، سو ان کا لینا کیسا ہے؟ اور تراویح سے پہلے طے کرنا کہ میں اتنی رقم لوں گا، درست ہے یا نہیں؟ یہاں ایک عالم باعمل کہتے ہیں کہ تراویح پر پیسے لینا قرآن شریف بیچنے کے برابر ہے، اور اس پر اجرت لینا بالکل جائز نہیں ہے۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

خوشی خوشی دیتے ہوں، تو لینے کی گنجائش ہے، لیکن پہلے سے شرط لگانا کہ اتنی رقم دیں گے، تو تراویح پڑھاؤں گا، حرام ہے، اس صورت میں دی گئی رقم لینا جائز نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup>

حیلہ یہ ہے کہ حافظ صاحب یوں طے کریں کہ میں صبح، بچوں کو روزانہ دو گھنٹے پڑھاؤں گا، اور دو سو روپیہ لوں گا، تو یہ جائز ہے؛ [اس رقم کو اپنے خرچ میں استعمال کریں اور تراویح لکھ پڑھائیں] کیوں کہ بچوں کو پڑھانے پر تنخواہ لینا جائز ہے۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) فالحاصل: أن ما يتخلص به الرجل من الحرام أو يتوصل به إلى الحلال من الحيل فهو حسن، وإن ما يكره ذلك أن يحتال في حق لرجل حتى يبطله أو في باطل حتى يموهه أو في حق حتى يدخل فيه شبهة فما كان على هذا السبيل فهو مكروه، وما كان على السبيل الذي قلنا أولاً فلا بأس به. (المبسوط للسرخسي - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۸۳۸ھ): ۲۱۰/۳۰، كتاب الحيل، ط: دار المعرفة - بيروت)

(۱) وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِنَا ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ وَإِن آيَاتِنَا تَقْوُونَ ﴿۲﴾ (البقرة: ۲۱)

عن بريدة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قرأ القرآن يتأكل به الناس، جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم. (شعب الإيمان - أبو بكر البيهقي (م: ۳۵۸ھ): ۱۹۵/۳، رقم الحديث: ۲۳۸۳، تعظيم القرآن، فصل في ترك قراءة القرآن في المساجد والأسواق ليعطى وليستأكل به، ط: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون)

عن زاذان، قال: سمعته يقول: من قرأ القرآن يأكل به الناس، جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم. (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار - أبو بكر بن أبي شيبة (م: ۲۳۵ھ): ۱۶۸/۲، رقم الحديث: ۷۷۴۱، في الرجل يقوم بالناس في رمضان فيعطى، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد - الرياض)

[۳] (و) لا لأجل الطاعات مثل (الأذان والحج والإمامة وتعليم القرآن والفقہ) ويفتى اليوم بصحتها لتعليم =

[۱۲] رمضان میں عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ نہ پڑھنے والے کے لیے وتر کا حکم

۹۲۸- سوال: رمضان المبارک میں کسی شخص کو عشاء کی نماز نہ ملے اور وہ تراویح میں شرکت کر لے تو اس کے لیے وتر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا کیسا ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

عشاء کی فرض نماز پڑھنے کے بعد ہی سنن اور تراویح پڑھے، فرض نماز ادا کیے بغیر وتر اور تراویح کی نماز ادا نہیں ہوگی۔<sup>(۱)</sup> فرض اگر امام کے ساتھ نہ پڑھ سکا ہو، تو تہادا کر لے، اس کے بعد ہی تراویح میں شامل ہو اور جس قدر رکعات تراویح امام صاحب کے ساتھ ملے، اسے پڑھ لے، پھر وتر جماعت کے ساتھ ادا کر لے، تراویح کی جتنی رکعات باقی رہ گئی ہیں، انھیں بعد میں پڑھ لے۔<sup>(۲)</sup> فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] تراویح کے کسی ترویج میں آیت سجدہ چھوٹ جانے پر دوسرے ترویج میں قضا کرنا

۹۲۹- سوال: ایک حافظ صاحب تراویح پڑھا رہے تھے، وہ آیت سجدہ پڑھے بغیر ہی سجدے میں چلے گئے، دوسری رکعت میں بھی انہوں نے آیت سجدہ نہیں پڑھی، اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے اور نماز

= القرآن والفقہ والإمامة والأذان. (الدر المختار)۔ قال العلامة بن عابدين: قال في الهداية: وبعض مشايخنا - رحمهم الله تعالى - استحسنا الاستنجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن وعليه الفتوى اهـ. (رد المحتار: ۶/۵۵، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستنجار على الطاعات، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) والصحيح أن وقتها ما بعد العشاء إلى طلوع الفجر قبل الوتر وبعده؛ حتى لو تبين أن العشاء صلاها بلا طهارة، دون التراويح والوتر، أعاد التراويح مع العشاء دون الوتر؛ لأنها تتبع للعشاء هذا عند أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - ... وعندهما الوتر سنة العشاء كالتراويح فابتداء وقتها بعد أداء العشاء فتجب الإعادة إذا أدى قبل العشاء وإن كان بالنسيان عندهما كالتراويح وبالجملة إعادة الوتر مختلف فيها، وأما إعادة التراويح وسائر سنن العشاء، فمتفق عليها إذا كان الوقت باقيا هكذا في التبيين. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۵، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، ط: دار الفكر)

(۲) صلى العشاء وحده فله أن يصلي التراويح مع الإمام ولو تركوا الجماعة في الفرض ليس لهم أن يصلوا التراويح بجماعة وإذا صلى معه شيئا من التراويح أو لم يدرك شيئا منها أو صلاها مع غيره له أن يصلي الوتر معه هو الصحيح، كذا في القنية. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۷، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، ط: دار الفكر)

پوری کر لی، اب دوسرے حافظ صاحب نے چھوٹی ہوئی اسی آیت کو پڑھ کر لوگوں کو دوبارہ سجدہ کروایا، تو وہ دو رکعت جس میں پہلے حافظ صاحب نے آیت سجدہ پڑھے بغیر ہی لوگوں کی نماز پوری کرادی تھی، آیا یہ دو رکعت صحیح ہوگی یا نہیں؟ اور اگر صحیح نہ ہو تو نماز لوٹانی پڑے گی یا کچھ اور کرنا پڑے گا؟ اگر نماز لوٹانی پڑے گی تو کیا ان لوگوں کو، جو اگلے روز نماز میں حاضر تھے، ان کو آج سجدے کے وقت اطلاع کرنی پڑے گی؟

### الجواب حامدا ومصليا:

آیت سجدہ پڑھے بغیر اگر امام صاحب نے تراویح سجدہ کر لیا، تو اس پر سجدہ سہو کرنا لازم تھا۔<sup>(۱)</sup> سجدہ سہو نہیں کیا، تو اس پر اسی وقت دو رکعت دوبارہ پڑھنا لازم ہوا؛ کیوں کہ سجدہ سہو چھوٹ جانے سے اس پر نماز کا لوٹانا واجب تھا، اب وقت گزر گیا؛ اس لیے نماز لوٹانا ضروری نہیں۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۳] تراویح کی تمام رکعت کی ایک ساتھ نیت کرنا کافی ہے

۹۳۰- سوال: کیا تراویح کی بیس رکعت کی نیت ایک ساتھ کر لینا کافی ہے یا دو دو رکعت کی

الگ الگ نیت کرنا ضروری ہوگا؟

### الجواب حامدا ومصليا:

ہر دو رکعت پر نیت کرنا افضل ہے، اور ایک ساتھ بیس رکعت کی نیت کرنا بھی جائز ہے (فتاویٰ قاضی خان، فتاویٰ ہندیہ)<sup>[۳]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ولا یجب السجود الا بترك واجب، أو تأخیرہ، أو تأخیر ركن، أو تقدیمہ، أو تکرارہ، أو تغیر واجب، بأن یجهر فیما یخافت، وفي الحقیقۃ وجوبہ بشیء واحد، وهو ترك الواجب. (الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۲۶، کتاب الصلاة، الباب الثاني عشر فی سجود السہو، ط: دار الفکر)

(۲) والوجوب مقید بما إذا كان الوقت صالحا؛ حتی إن من علیہ السہو فی صلاة الصبح، إذا لم یسجد حتی طلعت الشمس بعد السلام الأول سقط عنه السجود... وکل ما یمنع البناء إذا وجد بعد السلام یسقط السہو. (الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۲۵، کتاب الصلاة، الباب الثاني عشر فی سجود السہو، ط: دار الفکر ☆ البحر الرائق: ۲/۱۶۳، کتاب الصلاة، باب سجود السہو، ط: دار الکتاب دیوبند ☆ رد المحتار: ۲/۵۳۲، کتاب الصلاة، باب سجود السہو، ط: مکتبہ زکریا- دیوبند)

[۳] وهل یحتاج لكل شفع من التراویح أن ینوی التراویح الأصح أنه لا یحتاج؛ لأن الكل بمنزلة صلاة واحدة، هكذا فی فتاویٰ قاضی خان فإذا صلی التراویح مع الإمام ولم یجد لكل شفع نية جاز، كذا فی السراجیة. (الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۱۷، کتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح، ط: دار الفکر- بیروت) =



## [۱۵] رمضان کی ستائیسویں شب میں ہی قرآن مکمل کرنا ضروری نہیں ہے

۹۳۱- سوال: پوری دنیا میں رمضان کی ستائیسویں شب میں قرآن کریم پورا کیا جاتا ہے؛ لیکن یہاں (انگلینڈ) میں چھبیسویں تراویح میں مولانا صاحب نے قرآن کریم مکمل کیا، جب ان سے پوچھا گیا، تو کہنے لگے کہ: ستائیسویں تراویح میں قرآن ختم کرنا اور شیرینی تقسیم کرنا بدعت ہے، تو کیا ستائیسویں تراویح میں قرآن پورا کرنا یا کوئی میٹھی چیز تقسیم کرنا بدعت ہے؟ کیا اس پر ہمیشہ عمل کرنے میں کوئی حرج ہے؟ اس بارے میں پیسے جمع کر کے اس سے کوئی مٹھائی خرید کر تقسیم کرنا جائز ہے؟ اگر یہ سمجھ کر کہ ستائیسویں تراویح میں قرآن مکمل کرنا بدعت ہے، کسی اور رات میں مکمل کرے، تو کیا اس میں بھی کوئی حرج ہے؟ بالتفصیل جواب مرحمت فرمائیں۔

### الجواب حامدا ومصليا:

تراویح میں ایک مرتبہ قرآن کریم پورا کرنا سنت ہے، دو مرتبہ مستحب اور تین مرتبہ افضل ہے؛ لیکن در مختار میں لکھا ہے اس طرح پڑھے کہ لوگ تکلیف محسوس نہ کریں؛ اس لیے قرآن کریم مکمل کرنے کے لیے کوئی تاریخ مقرر کرنا ضروری نہیں ہے۔ ۲۱ تا ۲۹ / جب چاہے مکمل کر سکتے ہیں؛ لیکن ۲۷ کی رات میں پورا کرنے کو علامہ شامیؒ نے زیلعیؒ کے حوالے سے مستحب لکھا ہے۔<sup>[۱]</sup>

= وهل يحتاج لكل شفع من التراويح أن ينوي ويعين قال بعضهم يحتاج؛ لأن كل شفع صلاة والأصح أنه لا يحتاج؛ لأن الكل بمنزلة صلاة واحدة. اهـ. (البحر الرائق: ۱/ ۲۹۳، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الجوهرة النيرة - أبو بكر بن علي، الحدادي، الزبيدي، الحنفي (م: ۸۰۰ھ): ۱/ ۹۹، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان، ط: المطبعة الخيرية)

[۱] (والختم) مرة سنة ومرتين فضيلة وثلاثاً أفضل. (ولا يترك) الختم (لكسل القوم) لكن في الاختيار: الأفضل في زماننا قدر ما لا يثقل عليهم. (الدر المختار) — وفي الشامية: قال الزيلمي: ومنهم من استحَب الختم في ليلة السابع والعشرين، رجاء أن ينالوا ليلة القدر؛ لأن الأخبار تظاهرت عليها. (رد المحتار: ۲/ ۴۹۷، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: مكتبة زكريا - ديوبند)

وقوله والختم مرة... على أن السنة الختم مرة فلا يترك لكسل القوم، ويختم في الليلة السابع والعشرين، لكثرة الإخبار أنها ليلة القدر، ومرتين فضيلة، وثلاث مرات، في كل عشر مرة أفضل كذا في الكافي، وذكر في المحيط والاختيار: أن الأفضل أن يقرأ فيها مقدار ما لا يؤدي إلى تنفير القوم في زماننا؛ لأن تكثير الجمع أفضل من تطويل القراءة. (البحر الرائق: ۲/ ۱۲۰، ۱۲۱، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: مكتبة دار الكتاب - ديوبند)

لیکن جب امر مستحب، رسم بن جائے، لوگ اس کو ضروری سمجھ کر کرنے لگیں، اس طور پر کہ، جو لوگ ۲۷ کی رات میں قرآن کریم مکمل نہ کریں، ان کو برا بھلا کہا جائے، تو اس طرح ضروری سمجھنا، بدعت ہے؛ اس طرح جب کوئی امر مستحب، بدعت بن جائے، تو اس کو چھوڑ دینا چاہیے؛ لہذا مذکورہ خرابی کی وجہ سے اور بدعت سے بچنے کے لیے آپ کے امام صاحب نے ۲۷ کی بجائے ۲۶ کی شب میں قرآن کریم مکمل کیا، تو یہ شریعت کے عین مطابق ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۱۶] ۲۷ رویں شب میں ختم قرآن کو ضروری سمجھنا

۹۳۲- سوال: آج کل تقریباً ہر جگہ، تراویح میں ۲۷ رویں شب ہی کو قرآن کریم ختم کیا جاتا ہے اور بہت سے لوگ اسی رات میں ختم کرنا ضروری سمجھتے ہیں؛ حتیٰ کہ اگر کوئی کسی اور رات میں ختم کرنے کی بات کرتا ہے، تو اس کی سخت مخالف کی جاتی ہے اور دلیل کے طور پر کہا جاتا ہے کہ ستائیسویں رات میں ہی شب قدر ہوتی ہے، تو کیا تعین کے ساتھ ستائیسویں رات میں ہی شب قدر کا ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے؟ بینوا تو جروا۔

#### الجواب حامد اوصلیا:

تراویح میں ختم قرآن کے لیے کسی تاریخ کو متعین کرنا اور اسی میں ختم کو ضروری سمجھنا بدعت ہے۔<sup>(۲)</sup> رمضان المبارک کی کسی بھی رات میں تراویح مکمل کی جاسکتی ہے، اور ہی شب قدر کی بات، تو یہ مبارک رات اخیر عشرے کی طاق راتوں میں زیادہ تر ہوتی ہے، اور رمضان المبارک کے پہلے دو عشرے میں بھی اس کا امکان ہے اور جفت راتوں میں بھی؛ مگر زیادہ تر ستائیسویں رات میں ہوتی ہے۔<sup>(۳)</sup>

(۱) قال ابن حجر في شرحه: قال ابن المنير: فيه أن المندوبات قد تقلب مكرهات إذا رفعت عن رتبها؛ لأن التيامن مستحب في كل شيء، أي من أمور العبادة؛ لكن لما خشى ابن مسعود أن يعتقدوا وجوبه، أشار إلى كراهته، والله أعلم. (فتح الباري - ابن حجر العسقلاني (م: ۸۵۲ھ) - ۳۳۸/۲، قوله باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال، رقم الحديث: ۸۵۲، ط: دار المعرفة - بيروت، ۱۳۷۹)

(۲) تقدم تفصيله وتخریجه تحت عنوان: "رمضان کی ستائیسویں شب میں ہی قرآن مکمل کرنا ضروری نہیں ہے۔"

(۳) عن عائشة رضي الله عنها: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: تحروا ليلة القدر في الوتر، من العشر الأواخر من رمضان. (صحيح البخاري: ۲۷۰/۱، رقم الحديث: ۲۰۱۷، كتاب الصوم، باب تحري ليلة القدر في الوتر من العشر الأواخر، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۳۷۰/۱، رقم الحديث: ۲۱۹-۱۱۶۹)، كتاب الصيام، باب استحباب صوم ستة أيام من شوال إتياعا لرمضان، ط: البدر - ديوبند)

ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب قسم کھا کر کہتے تھے کہ وہ (لیلیۃ القدر) ستائیسویں ہی رات ہے، اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس رات کی نشانی بھی بتلائی ہے اور ہمیں وہ علامت یاد ہے۔ حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابیؓ سے دریافت کیا اے ابوالمنذر! تم نے کیسے جانا کہ شب قدر ستائیسویں رات ہی کو ہوتی ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں خبر دی کہ اس رات کی صبح میں یہ آفتاب اس حال میں طلوع ہوتا ہے کہ اس کی کوئی شعاع نہیں ہوتی، ہم لوگوں نے ان علامتوں کو شمار کیا اور اچھی طرح یاد کر لیا، اور قسم بہ خدا! حضرت ابن مسعودؓ بھی جانتے ہیں کہ وہ رمضان المبارک کی ستائیسویں رات ہے؛ لیکن ابن مسعود تمہیں اس لیے بتلانے پر راضی نہیں ہوئے کہ تم لوگ (ستائیسویں شب پر) اعتماد کر کے بیٹھ جاؤ گے (اور دوسری راتوں میں عبادت کرنا ترک کر دو گے) [ترمذی شریف جلد ۱ صفحہ ۱۶۴] <sup>(۱)</sup>

= عن أبي ذر قال: قلت: يا رسول الله أخبرني عن ليلة القدر أفي كل رمضان هي؟ قال: نعم، قلت: أف تكون مع الأنبياء، وإذا رفعوا رفعت أو إلى يوم القيامة؟ قال: لا بل إلى يوم القيامة، ثم حدث رسول الله صلى الله عليه وسلم وحدث فاهتبلت غفلة رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت: بأبي وأمي في أي رمضان هي؟ قال: في العشر الأول والعشر الأخير، ثم حدث رسول الله صلى الله عليه وسلم وحدث، فاهتبلت غفلة رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت: بأبي وأمي يا رسول الله، في أي العشرين هي؟ قال: في العشر الأخير، ثم حدث رسول الله صلى الله عليه وسلم وحدث فاهتبلت غفلة رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت: بأبي وأمي يا رسول الله، أقسم عليك بحقي لما أخبرتني في أي العشر هي فغضب علي غضبا لم يغضب علي قبله مثله ثم قال: في السبع الأخير، لا تسألني عن شيء بعدها. (السنن الكبرى - أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳-۳): ۳/ ۴۰۷، رقم الحديث: ۳۴۱۳، كتاب الاعتكاف، ليلة القدر في كل رمضان، قبيل: كتاب المحاربة، ت: حسن عبد المنعم شلبي، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت ☆ مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۳۵/ ۳۹۳، رقم الحديث: ۲۱۴۹۹، مسند الأنصار، حديث أبي ذر الغفاري رضي الله عنه، ط: مؤسسة الرسالة ☆ المستدرک علی الصحیحین - أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله بن محمد بن حمدويه، النيسابوري المعروف بابن البيع (م: ۵۰۵-۵): ۱/ ۲۰۳، رقم الحديث: ۱۵۹۲، كتاب الصوم، وأما حديث شعبة ت: مصطفى عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۱) وقد روي عن أبي بن كعب أنه: "كان يحلف أنها ليلة سبع وعشرين، ويقول: أخبرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بعلامتها فعددنا وحفظنا". (سنن الترمذی: ۱/ ۱۶۴، تحت رقم الحديث: ۹۲، أبواب الصوم، باب ما جاء في ليلة القدر، ط: البدر - ديوبند)

عن زر قال: قلت لأبي بن كعب: أنى علمت أبا المنذر أنها ليلة سبع وعشرين، قال: بلى أخبرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أنها ليلة صبيحتها تطلع الشمس ليس لها شعاع، فعددنا، وحفظنا والله لقد علم ابن مسعود أنها في رمضان، وأنها ليلة سبع وعشرين، ولكن كره أن يخبركم فتكلموا. (سنن الترمذی: ۱/ ۶۳، رقم الحديث: ۹۳، أبواب الصوم، باب ما جاء في ليلة القدر)

مذکورہ روایتوں کے پیش نظر بزرگان دین نے ستائیسویں شب میں ختم قرآن کو مستحب قرار دیا ہے، اور اسی شب میں ختم قرآن کا معمول رہا ہے، اگرچہ اسی کو ضروری سمجھ لینا ٹھیک نہیں، مگر اس کی بنیاد درست اور صحیح ہے؛ لہذا ستائیسویں شب کو قرآن ختم کرنے میں حرج نہیں؛ بل کہ ضروری سمجھے بغیر اس رات میں قرآن کریم ختم کیا جائے تو اچھی بات ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۱۷] بلا عذر تنہا نماز تراویح ادا کرنا

۹۳۳- سوال: ہمارے محلہ میں ایک نوجوان وصحت مند شخص نماز کا پابند ہے، اس کا گھر مسجد کے پڑوس ہی میں ہے، مسجد میں باجماعت نماز اور تراویح ہوتی ہے، بہ ظاہر اسے کوئی عذر نہیں ہے، اس کے باجود مسجد میں نماز ادا کرنے کے بجائے اپنے گھر میں نماز ادا کرتا ہے، تو کیا اس کی نماز ادا ہو جائے گی؟ مذکورہ شخص کا یہ معمول طویل عرصہ سے ہے، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

#### الجواب حامدًا ومصليًا:

بیچ وقتہ نماز کا باجماعت ادا کرنا ضروری ہے، کوئی آدمی بلا عذر بغیر جماعت کے تنہا نماز پڑھنے کی عادت بنا لے، تو وہ سخت گنہگار ہے، ایسے شخص کی گواہی مردود ہے۔ (درمختار جلد ۱ صفحہ ۵۵۲)<sup>[۲]</sup>

(۱) دیکھیے عنوان: ”رمضان کی ستائیسویں شب میں ہی قرآن مکمل کرنا ضروری نہیں ہے۔“ کا حاشیہ نمبر ۱-۲۔

[۲] عن أبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: والذي نفسي بيده لقد هممت أن أمر بحطب، فيحطب، ثم أمر بالصلاة، فيؤذن لها، ثم أمر رجلاً فيؤم الناس، ثم أختلف إلى رجال، فأحرق عليهم بيوتهم، والذي نفسي بيده لو يعلم أحدهم، أنه يجد عرفاً سمينا، أو مرامتين حسنتين، لشهد العشاء. (صحيح البخاري: ۸۹/۱، رقم الحديث: ۶۳۴، كتاب الأذان، باب وجوب صلاة الجماعة، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۲۳۲/۱، رقم الحديث: ۲۵۱-۶۵۱)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها...، ط: البدر - ديوبند)

(والجماعة سنة مؤكدة للرجال)... (وقيل واجبة وعليه العامة) أي عامة مشايخنا وبه جزم في التحفة وغيرها. قال في البحر: وهو الراجح عند أهل المذهب (فتسن أو تجب) ثمرته تظهر في الإثم بتركها مرة (على الرجال العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج)... (فلا تجب على مريض ومقعد وزمن ومقطوع يد ورجل من خلاف) أو رجل فقط، ذكره الحدادي... وكذا اشتغاله بالفقه لا بغيره، كذا جزم به الباقي تبعاً للبهنسي: أي إذا واطب تكاسلاً فلا يعذر ويعزرو لو بأخذ المال يعني بحسبه عنه مدة ولا تقبل شهادته إلا بتأويل

بدعة الإمام أو عدم مراعاته. (الدردر المختار: ۱/۵۵۲-۵۵۶)

البتہ تراویح کی نماز بلاجماعت پڑھنا جائز ہے، تاہم باجماعت بہتر ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۸] محلہ کی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں نماز اور تراویح ادا کرنا

گذشتہ سے بہتر

۹۳۴- سوال: مذکورہ شخص اور ایک دوسرے آدمی نے اپنے محلہ کی مسجد میں (محلہ میں صرف پانچ قبیلے آباد ہیں) تراویح کی نماز نہیں پڑھی اور آدھے کلومیٹر دور، دوسری مسجد میں تراویح پڑھی، تو اس کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

### الجواب حامد او مصليا:

محلہ کی مسجد کا حق زیادہ ہے؛ لہذا مستحب یہ ہے کہ پنج وقتہ نماز محلہ کی مسجد میں ادا کرے، تراویح دوسری مسجد میں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (در مختار)<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= قال ابن عابدین: (قوله بترکھا مرة) أي بلا عذر، وهذا عند العراقيين، وعند الخراسانيين إنما يأتى إذا اعتاده كما في القنية... (قوله من غير حرج) قيد لكونها سنة مؤكدة أو واجبة، فبالحرج يرتفع الإثم ويرخص في تركها، ولكنه يفوته الأفضل... لكن في نور الإيضاح: وإذا انقطع عن الجماعة لعذر من أعتدوا كانت نيته حضورها لولا العذر يحصل له ثوابها وهو الظاهر أن المراد به العذر المانع كالمرض والشيخوخة والفلج بخلاف نحو المطر والطين والبرد والعمى تأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۵۴-۵۵۵، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت) ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۲-۸۳، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، ط: دار الفكر ☆ الهداية: ۱/ ۱۲۱، باب الإمامة، ط: ياسر نديم - ديوبند

(۱) ونفس التراويح سنة على الأعيان عندنا، كما روى الحسن عن أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - وقيل: تستحب والأول أصح. والجماعة فيها سنة على الكفاية، كذا في التبيين وهو الصحيح، كذا في محيط السرخسي. لو أدى التراويح بغير جماعة أو النساء وحدهن في بيوتهن يكون تراويح، كذا في معراج الدراية. ولو ترك أهل المسجد كلهم الجماعة فقد أساءوا أو أثموا، كذا في محيط السرخسي. وإن تخلف واحد من الناس وصلاها في بيته فقد ترك الفضيلة ولا يكون مسيئا ولا تار كالسنة وأما إذا كان الرجل ممن يقتدى به وتكثر الجماعة بحضوره وتقل عند غيبته فإنه لا ينبغي له ترك الجماعة، كذا في السراج الوهاج. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۱۶، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، ط: دار الفكر - بيروت)

[۲] و مسجد حيه أفضل من الجامع. (الدر المختار) \_\_\_\_\_ قال ابن عابدین: (قوله و مسجد حيه أفضل من الجامع) أي الذي جماعته أكثر من مسجد الحي، وهذا أحد قولين حكاهما في القنية، والثاني العكس، وما هنا جزم به في شرح المنية كما مر، وكذا في المصطفى والخانية، بل في الخانية: لو لم يكن لمسجد منزله مؤذن، فإنه يذهب =

[۱۹] پیشگی اعلان کرنا کہ پہلی یا دوسری رکعت میں سجدہ تلاوت ہے

۹۳۵- سوال: تراویح میں سجدہ تلاوت کی جو آیت آنے والی ہو، اس کا پہلے سے ہی مقتدیوں

میں اعلان کرنا کہ دوسری رکعت میں سجدہ تلاوت ہے، کیا اس طرح کہنا صحیح ہے؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

اس طرح اعلان کرنا مناسب نہیں ہے، بزرگوں کے طریقے کے خلاف ہے، اور کوئی خاص فائدہ بھی

نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

ولا يجب السجود إلا بترك واجب، أو تأخير، أو تأخير ركن  
أو تقديمه، أو تكراره أو تغيير واجب، بأن يجهر فيما يخافت، وفي  
الحقيقة وجوبه بشيء واحد، وهو ترك الواجب، كذا في الكافي.  
(عالمگیری: ۱/۱۲۶، سجود السهو، بیروت)

## باب سجود السهو والتلاوة

[سجدة سهو اور سجدة تلاوت کا بیان]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب سجود السهو

### [سجدهٴ سهو کا بیان]

[۱] ارکان کی ادائیگی کے دوران ایک رکن کی مقدار میں یا اس سے زیادہ تفکر کرنا

۹۳۶-سوال: نماز جسمانی و زبانی عبادت کا مجموعہ ہے اور جو عبادات بدنی ہیں، ان میں چار چیزیں گویا ظروف ہیں: قیام، رکوع، سجود اور قعود۔ اور ان چاروں میں جو عبادت زبانی ہیں، وہ گویا مظروف ہیں، اب کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ظرف اور مظروف دونوں لازم ہوتے ہیں؛ مثلاً: جہاں فرض اور واجب دونوں ایک ساتھ پائے جائیں؛ جیسا کہ قعدۂ اخیرہ ظرف اور اس میں تشہد کا پڑھنا مظروف ہیں؛ لیکن قعدہ بہ ذات خود تو فرض ہے اور اس میں تشہد کا پڑھنا واجب ہے؛ ہاں قعدۂ اولیٰ میں دونوں واجب ہیں، الغرض ایک شکل تو یہ ہوئی۔ دوسری شکل یہ ہے کہ ظرف ضروری اور مظروف غیر ضروری ہو؛ مثلاً: رکوع اور سجود ظرف ہیں، جو کہ فرض ہیں؛ لیکن ان کا مظروف، یعنی ان میں تین مرتبہ تسبیحات کا پڑھنا، مسنون، تین سے زیادہ مرتبہ مستحب اور تین سے کم مکروہ۔

تیسری شکل یہ ہے کہ ظرف تو ضروری ہو؛ مگر ان کا مظروف مخلوط، یعنی بعض صورتوں میں ضروری اور بعض صورتوں میں غیر ضروری؛ مثلاً: قیام بہ ذات خود ضروری، مگر اس میں ثناء کا پڑھنا غیر ضروری اور سورۂ فاتحہ کا پڑھنا اور سورت کا ملنا ضروری، اس میں غیر ضروری مقدم اور ضروری مؤخر اور اس کے برعکس قعدۂ اخیرہ میں تشہد ضروری جو کہ مقدم ہے اور درود و دعاء غیر ضروری جو کہ مؤخر ہیں۔

اب ایک بات تو بالکل یقینی ہے کہ شکل اول میں اگر تفکر بہ قدر ایک رکن تاخیر کا سبب بنے، تو وہ



موجب سجدہ سہو ہے؛ لیکن دوسری اور تیسری شکل میں ایسا تفکر موجب سجدہ سہو ہوگا یا نہیں؟ مثلاً رکوع میں جانے کے بعد تین تسبیحات پڑھنے سے پہلے یا پڑھنے کے بعد یا پڑھنے کے دوران تفکر میں لگ گیا اور زبان پڑھنے سے بالکل بند ہے اور یہ تفکر ایک رکن کی مقدار میں یا اس سے زیادہ رہا، تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ نیز تحریمہ کے بعد سوچنا شروع کیا اور ایک رکن کی تاخیر کی مقدار میں تفکر کرتا رہا، اس کے بعد ثناء شروع کیا یا ثناء کے بعد یا ثناء کے درمیان میں تفکر پایا گیا؛ نیز قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد یہ تفکر پایا گیا، تو ان تمام صورتوں میں سجدہ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

### الجواب حامدا ومصليا:

سجدہ سہو کا وجوب، رکن کی تقدیم و تاخیر سے بھی ہوتا ہے، جیسا کہ فقہائے کرام نے اس کی صراحت کی ہے؛ لہذا رکوع و سجود کی تسبیحات گرچہ فرض نہیں ہیں، مگر ایک رکن کی مقدار میں تفکر، [غور و فکر میں لگے رہنا] رکن کی تاخیر کو مستلزم ہے؛ اس لیے سجدہ سہو لازم ہوگا، شامی میں ہے:

وإن كان تفكره ليس إلا إطالة القيام أو الركوع أو السجود، وهذه الأذكار سنة لكنه آخر واجبا أو ركنا لا بسبب إقامة السنة بل بسبب التفكير، وليس التفكير من أعمال الصلاة. اهـ. [شامی: ۷۶/۱] <sup>[۱]</sup>

عدم وجوب سجدہ سہو کی روایت غریب اور نادر ہے۔ (سعایہ شرح وقایہ: ۲۰۸/۱) خلاصہ کلام یہ کہ سجدہ سہو کے وجوب کا مدار رکن کی تقدیم و تاخیر ہے یا ترتیب واجب کا سقوط یا سہو کسی واجب کا چھوڑ دینا ہے، کسی سنت یا نفل کو طویل کر دینے سے سجدہ سہو لازم نہیں ہوگا۔ شامی میں لکھا ہے: ”... أن الملزم للسجود ما كان فيه تأخير الواجب أو الركن عن محله، إذ ليس في مجرد التفكير مع الأداء ترك واجب.“ (شامی: ۷۰۷/۱) <sup>[۲]</sup> واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] ایک رکعت کا مسبوق فوت شدہ رکعت میں سورت ملانا بھول گیا تو؟

۹۳۷- سوال: ایک شخص کی مغرب کی ایک رکعت فوت ہوگئی، امام کے سلام کے بعد جب وہ

[۱] رد المحتار علی الدر المختار: ۹۳/۲، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، دار الفکر - بیروت ☆ الفتاویٰ

الهندیة: ۱۲۶/۱، کتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، ط: زکریا - دیوبند.

[۲] رد المحتار علی الدر المختار: ۹۳/۲، کتاب الصلاة، باب سجود السهو.

رکعت پوری کرنے کے لیے کھڑا ہوا، تو وہ سورہ فاتحہ کے بعد سورت ملانا بھول گیا، سجدہ میں یہ بات یاد آئی اور اس نے اخیر میں سجدہ سہو کر لیا، تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ اور نماز میں قراءت فرض ہے یا واجب؟ جواب عنایت فرمائیں، مہربانی ہوگی۔

### الجواب حامداً ومصلياً:

امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے موافق نماز کی صحت کے لیے فرض کی دو رکعت اور نفل کی تمام رکعات میں مطلق قراءت فرض ہے اور سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ تین چھوٹی آیتوں کے بقدر قراءت کرنا واجب ہے۔<sup>[۱]</sup> مسبوق اپنی فوت شدہ رکعت کو پوری کرنے کے لیے کھڑا ہوا، سورہ فاتحہ پڑھ لی؛ لیکن سورت ملانا بھول گیا، تو واجب ترک ہوا، چونکہ اس نے سجدہ سہو کر لیا ہے، اس لیے اس کی نماز ہوگئی۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳] تیسری رکعت میں سہواً کس قدر بیٹھنے سے سجدہ سہو لازم ہوگا؟

۹۳۸- سوال: امام صاحب تیسری رکعت میں بھول کر بیٹھ گئے اور مقتدی کے لقمہ کے بعد چوتھی رکعت کے لیے کھڑے ہوئے، تو اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہوا یا نہیں؟ اگر بنا سجدہ سہو کیے نماز پوری کر لی ہو، تو کیا حکم ہے؟ بیّنوا تو جروا۔

[۱] (قوله ومنها القراءة) أي قراءة آية من القرآن، وهي فرض عملي في جميع ركعات النفل والوتر وفي ركعتين من الفرض... وأما قراءة الفاتحة والسورة أو ثلاث آيات فهي واجبة أيضاً. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۴۳۶، كتاب الصلاة، مبحث القراءة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) ولا يجب السجود إلا بترك واجب، أو تأخير ه، أو تأخير ركن أو تقديمه، أو تكراره أو تغيير واجب، بأن يجهر فيما يخافت، وفي الحقيقة وجوبه بشيء واحد، وهو ترك الواجب، كذا في الكافي. (الفتاوى الهندية - لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/۱۲۶، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، ط: دار الفكر ☆ بدائع الصنائع: ۱/۱۶۳، فصل بيان سبب وجوب سجود السهو، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

ولو سها عن الفاتحة فيهما أو في إحداهما، أو عن السورة فيهما أو في إحداهما - فعليه السهو؛ لأن قراءة الفاتحة على التعيين في الأوليين واجبة عندنا... وكذا قراءة السورة على التعيين، أو قراءة مقدار سورة قصيرة وهي ثلاث آيات واجبة، فيتعلق السجود بالسهو عنهما. (بدائع الصنائع: ۱/۱۶۲، فصل بيان سبب وجوب سجود السهو)

## الجواب حامد اومصلیٰ:

پہلی اور تیسری رکعت کے بعد تھوڑی دیر بیٹھنا (جلسہ استراحت) امام شافعیؒ کے نزدیک مستحب ہے۔<sup>(۱)</sup> جب کہ احناف کے یہاں افضل یہ ہے کہ جلسہ استراحت نہ کرے۔<sup>[۲]</sup> اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے علامہ شامیؒ نے صفحہ ۴۳۸ پر لکھا ہے کہ اگر زیادہ دیر تک بیٹھ جائے۔ اور وہ التحیات پڑھ لینے کی مقدار ہے۔ تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔ اور اگر تھوڑی دیر بیٹھ جائے۔ اور وہ التحیات سے کم مقدار ہے۔ تو سجدہ سہو واجب نہ ہوگا۔<sup>(۳)</sup> شامی کی اسی بحث کی بنیاد پر فتاویٰ دارالعلوم جدید (۲۷۷/۴) میں اس کے موافق فتویٰ دیا گیا ہے۔

لہذا صورت مسئلہ میں سجدہ سہو واجب نہیں ہوا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) قال الماوردي: إذا رفع من السجدة علي ما وصفنا فقد أكمل الركعة الأولى فيستحب له بعدها أن يجلس قبل قيامه إلى الثانية جلسة الاستراحة، وهي سنة، وليست واجبة. (الحاوي الكبير في فقه مذهب الإمام الشافعي - أبو الحسن الماوردي (م: ۳۵۰ھ) ۱۳۱/۲، باب صفة الصلاة وما يجزئ منها وما يفسدها وعدد سجود القرآن، ت: علي محمد معوض - عادل أحمد عبد الموجود، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

فإن كانت الركعة تستعقب تشهداً، جلس للشهد... وإن كانت تستعقب قياماً، فينبغي أن يجلس على إثر السجدة الثانية جلسة خفيفة، ثم ينتهض منها قائماً، وهذه الجلسة تسمى جلسة الاستراحة، وهي مسنونة عندنا. (نهاية المطلب في دراية المذهب - عبد الملك بن عبد الله، الجويني، أبو المعالي، الملقب بـ 'إمام الحرمين' (م: ۳۷۸ھ) ۱۷۰/۲، رقم المسئلة: ۸۶۲، باب صفة الصلاة، ط: دار المنهاج)

[۲] (ويقوم مستويا بلا اعتماد) على الأرض... (ولا قعود) قبل القيام يسمى جلسة الاستراحة كما ذهب إليه الشافعي. (درر الحکام شرح غرر الأحكام - ملا - أوملا أو المولى - خسرو (م: ۸۸۵ھ) ۷۳/۱، باب صفة الصلاة، ط: دار إحياء الكتب العربية ☆ البناية شرح الهداية - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵ھ) ۲۵۰/۲، باب في صفة الصلاة، سنن الصلاة، قول سبحان ربي الأعلى في السجود، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ مراقبي الفلاح شرح متن نور الإيضاح - حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹ھ) ۱۰۷، باب شروط الصلاة وأركانها، فصل: في كيفية تركيب أفعال الصلاة من الابتداء إلى الانتهاء، اعتنى به وراجعته: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

(۳) وكذا القعدة في آخر الركعة الأولى أو الثالثة فيجب تركها، ويلزم من فعلها أيضاً تأخير القيام إلى الثانية أو الرابعة عن محله، وهذا إذا كانت القعدة طويلة، أما الجلسة الخفيفة التي استحباها الشافعي فتركها غير واجب عندنا، بل هو الأفضل كما سيأتي وهكذا كل زيادة بين فرضين يكون فيها ترك واجب بسبب تلك الزيادة؛ ويلزم منها ترك واجب آخر وهو تأخير الفرض الثاني عن محله. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۵۹/۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الفكر - بيروت)

[۳] سوال: اگر پہلی اور تیسری رکعت میں سہو بیٹھ کر کھڑا ہو جائے، تو کتنے وقفے میں "سجدہ سہو" لازم ہوگا؟ =

## [۴] قعدہ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود شریف پڑھنا

۹۳۹- سوال: ”سنت نماز“ میں سہو ہو گیا اور سجدہ سہو نہیں کیا، تو کیا حکم ہے؟ سہو یہ ہوا تھا کہ چار رکعت والی نماز کے قعدہ اولیٰ میں التحیات کے بعد بھول سے ”درود ابراہیم“ پڑھ لی تھی اور آخر میں سجدہ سہو کرنا بھی بھول گیا، تو نماز ہوگئی یا نہیں؟

## الجواب حامدًا ومصلياً:

اگر کوئی شخص فرض، واجب، ظہر اور جمعہ سے پہلے کی چار رکعت اور جمعہ کے بعد کی چار رکعت والی سنت مؤکدہ کے قعدہ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود شریف ”اللہم صلی علی محمد“ تک بھول سے پڑھ لے، تو اس کے لیے سجدہ سہو کرنا واجب ہوگا، ان کے علاوہ باقی سنن و نوافل کے قعدہ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود شریف پڑھنے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا ہے۔ (شامی: ۱/۶۳۳، عالمگیری) [۱]

اگر نماز میں واقع ہونے والی کسی غلطی کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہو، اور اسے ادا کرنا بھول جائے، تو

= الجواب: طویل قعدہ سے سجدہ سہو لازم آتا ہے، جیسے بقدرا التحیات پڑھنے کے مثلاً، یا اس سے قریب ہو، باقی جلسہ خفیف سے سجدہ سہو لازم نہیں آتا۔ (فتاویٰ دارالعلوم مکمل ومدلل: ۲/۴۷۷، مسائل تراویح، سوال نمبر: ۱۸۳۱، پہلی اور تیسری رکعت میں کتنی دیر بیٹھنے سے سجدہ سہو لازم ہوتا ہے)

[۱] (ولا یصلی علی النبی - صلی اللہ علیہ وسلم - فی القعدة الأولى فی الأربع قبل الظهر والجمعة وبعدها) ولو صلی ناسیا فعليه السهو. (الدر المختار)۔ قال ابن عابدین: (قوله ولا یصلی الخ) أقول: قال فی البحر فی باب صفة الصلاة: إن ما ذکر مسلم فیما قبل الظهر، لما صرح حواہ من أنه لا تبطل شفعة الشفیع بالانتقال إلى الشفع الثاني منها، ولو أفسدها قضی أربعة، والأربع قبل الجمعة بمنزلتها. وأما الأربع بعد الجمعة فغیر مسلم فإنها کفیرها من السنن، فإنهم لم یثبتوا لها تلك الأحكام المذكورة اهـ ومثله فی الحلیة، وهذا مؤید لما بحثه الشرنبالی من جوازها بتسلیمتین لعذر. (رد المحتار علی الدر المختار: ۲/۴۵۶، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الفکر)

وکذا لو زاد علی التشهد الصلاة علی النبی - صلی اللہ علیہ وسلم -، کذا فی التبین وعلیه الفتوی، کذا فی المضمورات، واختلفوا فی قدر الزیادة، فقال بعضهم: یجب علیه سجود السهو بقوله: اللهم صل علی محمد، وقال بعضهم: لا یجب علیه حتی یقول: وعلی آل محمد والأول أصح. (الفتاویٰ الہندیة: ۱/۱۲۷، کتاب الصلاة، الباب الثاني عشر فی سجود السهو، ط: دار الفکر - بیروت)

نوٹ: جمعہ کے بعد کی چار رکعت سنت مؤکدہ کے قعدہ اولیٰ میں اگر کوئی شخص درود شریف پڑھ لے، تو سجدہ سہو واجب ہوگا (جیسا کہ حضرت مفتی صاحبؒ کے فتویٰ سے ظاہر ہے) یہ بات محل نظر ہے، جیسا کہ عبارت شامی سے واضح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جب تک نماز کا وقت باقی ہے، اس نماز کا اعادہ واجب ہے، اور وقت ختم ہونے پر اعادہ مستحب ہے۔ (شامی ۱۲۵/۱-طحاوی: ۱۸۹)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] قیام میں امام صاحب کا تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے بہ قدر خاموش کھڑا رہنا اور قراءت شروع نہ کرنا

۹۴۰- سوال: نماز فجر کی دوسری رکعت میں امام صاحب نے قراءت شروع نہیں کی اور اتنی دیر تک خاموش کھڑے رہے کہ تین مرتبہ سبحان اللہ پڑھی جاسکے، پیچھے سے مقتدی حضرات امام صاحب کو متوجہ کرنے کے لیے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہا، تو انہوں نے سورہ فاتحہ پڑھنا شروع کیا، اور اخیر میں سجدہ سہو کیے بغیر امام صاحب نے نماز مکمل کر دیا، تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں، کیا اس صورت میں سجدہ سہو واجب نہیں تھا؟

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

تین چھوٹی آیات پڑھی جاسکے اس سے زیادہ اگر وقت امام صاحب خاموش کھڑے رہے ہوں، تبھی سجدہ سہو لازم ہوگا۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] فرض کی تیسری رکعت میں سورت ملائینے سے سجدہ سہو واجب نہ ہوگا

۹۴۱- سوال: اگر امام صاحب یا منفرد چار رکعت والی فرض نماز کی تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ

(۲) ثم اعلم أن الوجوب مقيد بما إذا كان الوقت صالحا حتى أن من عليه السهو في صلاة الصبح، إذالم يسجد حتى طلعت الشمس بعد السلام الأول، سقط عنه السجود وكذا إذا سها في قضاء الفائتة فلم يسجد حتى احمرت، وكذا في الجمعة إذا خرج وقتها، وكل ما يمنع البناء إذا وجد بعد السلام يسقط السهو. (البحر الرائق: ۲/۱۶۳، باب سجود السهو، كتاب الصلاة، ط: دار الكتاب ديوبند، رد المحتار على الدر المختار: ۲/۵۴۰-۵۴۲، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا-ديوبند)

كل صلاة أدت مع كراهة التحريم تعاد أي وجوبا في الوقت، وأما بعده فنذبا. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۶۳، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) ولا يجب السجود إلا بترك واجب أو تأخيرها أو تأخير ركن أو تقديمه أو تكراره أو تغييره واجب بأن يجهر فيما يخافت وفي الحقيقة وجوبه بشيء واحد وهو ترك الواجب، كذا في الكافي. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۶، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، ط: دار الفكر)

کے بعد سورت ملا لے، تو کیا سجدہ سہو واجب ہوگا؟

### الجواب حامدا ومصليا:

خواہ امام ہو یا منفرد، انہیں فرض نماز کی تیسری رکعت میں سورت نہیں ملانی چاہیے؛ لیکن اگر کسی نے ملائی، تو سجدہ سہو واجب نہ ہوگا۔ (عالمگیری: جلد ۱، صفحہ ۱۲۶)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] قعدہ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنے سے سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں

۹۳۲- سوال: چار رکعت والی نماز، خواہ فرض ہو یا نفل، سنت مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ، کوئی شخص اس کے قعدہ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود شریف کو ”اللہم صل علی محمد“ تک پڑھے، تو فرض، سنت اور نفل؛ تمام نمازوں میں سجدہ سہو واجب ہوگا، یا صرف فرض نمازوں ہی میں سجدہ سہو واجب ہوگا؟ بیّنوا تو جروا۔

### الجواب حامدا ومصليا:

نفل نماز کے قعدہ اولیٰ میں درود شریف پڑھنے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔<sup>(۲)</sup> البتہ فرض اور واجب نماز، نیز ظہر کی چار رکعت سنت مؤکدہ کے پہلے قعدہ میں تشہد کے بعد درود شریف ”اللہم صل علی

[۱] ولو قرأ في الأخيرين الفاتحة والسورة لا يلزمه السهو وهو الأصح. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۶، الباب الثاني عشر في سجود السهو، ط: دار الفكر)

(قوله وهل يكره) أي ضم السورة (قوله المختار لا) أي لا يكره تحريما بل تنزيها لأنه خلاف السنة. قال في المنية وشرحها: فإن ضم السورة إلى الفاتحة ساهبا يجب عليه سجدة السهو في قول أبي يوسف لتأخير الركوع عن محله وفي أظهر الروايات لا يجب لأن القراءة فيهما مشروعة من غير تقدير، والاقتصار على الفاتحة مسنون لا واجب. اهـ. وفي البحر عن فخر الإسلام أن السورة مشروعة في الأخيرين نفلا. وفي الذخيرة أنه المختار. وفي المحيط: وهو الأصح. اهـ. والظاهر أن المراد بقوله نفلا الجواز، والمشروعية بمعنى عدم الحرمة فلا ينافي كونه خلاف الأولى كما أفاده في الحلية. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۴۵۹، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة، مطلب كل صلاة أدت مع كراهة التحريم تجب إعادتها، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/۱۰۲، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۲) وفي الأربع قبل الظهر والجمعة وبعدها لا يصلي على النبي - صلى الله عليه وسلم - في القعدة الأولى ولا يستفتح إذا قام إلى الثالثة بخلاف سائر ذوات الأربع من النوافل. كذا في الزهدي. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۳، الباب التاسع في النوافل، ط: دار الفكر)

محمد“ تک پڑھ لے گا، تو سجدہ سہو واجب ہو جائے گا، جمعہ کی دو رکعت فرض سے پہلے کی چار رکعت کا بھی یہی حکم ہے۔ (در مختار)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۸] امام صاحب کا قعدہ اولیٰ میں درود شریف پڑھنا موجب سہو ہے

۹۴۳- سوال: چار رکعت والی نماز مثلاً ظہر پڑھاتے ہوئے امام صاحب نے قعدہ اولیٰ میں

تشہد کے بعد درود شریف ”اللہم صل علی محمد“ سے بھی زیادہ پڑھ لیا، تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

[۱] (ولا یصلی علی النبی - صلی اللہ علیہ وسلم - فی القعدة الأولى فی الأربع قبل الظهر والجمعة وبعدها) ولو صلی ناسیا فعليه السهو، وقيل لا شمئني. (الدر المختار)۔ قال ابن عابدين: (قوله ولا یصلی الخ) أقول: قال فی البحر فی باب صفة الصلاة: إن ما ذکر مسلم فیما قبل الظهر، لما صرحوا به من أنه لا تبطل شفعة الشفیع بالانتقال إلى الشفع الثاني منها، ولو أفسدها قضی أربعاً، والأربع قبل الجمعة بمنزلتها. وأما الأربع بعد الجمعة فغیر مسلم فإنها کغیرها من السنن، فإنهم لم یشتروا لها تلك الأحكام المذكورة آهـ ومثله فی الحلیة... (قوله وقيل لا الخ) قال فی البحر: ولا یخفی ما فیہ والظاهر الأول. زاد فی المنح ومن ثم عولنا علیہ وحکینا ما فی القنية بقیل. (رد المحتار علی الدر المختار: ۱۶/۲، باب الوتر والنوافل، قبیل: مطلب قولهم کل شفیع من النفل صلاة لیس مفرداً) ولو کرر التشهد فی القعدة الأولى فعليه السهو وكذا لو زاد علی التشهد الصلاة علی النبی - صلی اللہ علیہ وسلم -، کذا فی التیین وعلیه الفتوی، کذا فی المضمرات واختلفوا فی قدر الزیادة فقال بعضهم: یجب علیہ سجود السهو بقوله: اللهم صل علی محمد وقال بعضهم: لا یجب علیہ حتی یقول: وعلی آل محمد والأول أصح. (الفتاویٰ الهندیة: ۱/۱۲، الباب الثاني عشر فی سجود السهو، ط: دار الفکر)

نوٹ: اگر نوافل کے علاوہ مذکورہ نماز کے قعدہ اولیٰ میں غلطی سے درود شریف ”اللہم صل علی محمد“ تک پڑھے، تو سجدہ سہو سے تلافی ہو جائے گی؛ لیکن جان بوجھ کر پڑھے، تو عام ضابطہ کے موافق اعادہ واجب ہوگا، اسی کی صراحت متعدد عبارتوں میں ملتی ہے؛ لیکن در مختار کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ واجب کو جان بوجھ کر ترک کرنے کی وجہ سے اعادہ لازم ہوگا، إلا فی أربع مسائل، انہی میں درود شریف کا قعدہ اولیٰ میں پڑھنا ہے۔ جس کا حاصل یہ نکلا کہ عمداً پڑھنے کی صورت میں بھی سجدہ سہو سے اس کی تلافی ہو جائے گی، تاہم اس قول کو ”قبیل“ کے ذریعے نقل کیا گیا ہے، متعلقہ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

فلا سجود فی العمد، قیل إلا فی أربع: ترک القعدة الأولى، وصلاته فیہ علی النبی - صلی اللہ علیہ وسلم -، وتفکره عمداً حتی شغله عن رکن، وتأخیر سجدة الرکعة الأولى إلى آخر الصلاة، نهر. (الدر المختار مع رد المحتار:

۸۰/۲، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: دار الفکر)

(ولا یزید) فی الفرض (علی التشهد فی القعدة الأولى)؛ إجماعاً (فإن زاد عامدا کره) فتجب الإعادة (أو ساهیا) وجب علیہ سجود السهو إذا قال: اللهم صل علی محمد) فقط (علی المذهب) المفتی بہ لا لخصوص الصلاة بل لتأخیر القيام. (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۱۰-۵۱۱، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسیة أو التوراة أو الإنجیل)

(۲) امام صاحب نے تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے بہ قدر، قراءت کرنے میں تاخیر کی، تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

### الجواب حامدا ومصليا:

اگر امام صاحب نے چار رکعت والی فرض نماز میں التحیات کے بعد درود شریف ”اللهم صل علی محمد“ تک پڑھ لیا ہو، تو سجدہ سہو واجب ہوگا، چار رکعت نفل نماز میں التحیات کے بعد درود شریف پڑھنے کی وجہ سے سجدہ سہو واجب نہ ہوگا؛ بل کہ چار رکعت والی نفل نماز میں دو رکعت پر بیٹھ کر التحیات کے بعد درود شریف پڑھنا افضل ہے۔ (درمختار)<sup>[۱]</sup>

دوسری رکعت کے قراءت میں یا کسی بھی رکعت کی قراءت میں کسی سوچ میں پڑ جانے کی وجہ سے تاخیر ہوئی اور سوچنا تین تسبیح کے بہ قدر ہو گیا، تو سجدہ سہو واجب ہوگا، اگر کسی نے سجدہ سہو نہ کیا، تو نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔<sup>(۲)</sup>

قراءت کے دوران یا قراءت کے شروع میں کسی دعاء یا تسبیح پڑھنے کی بنا پر قراءت میں تاخیر ہو جائے، تو سجدہ سہو واجب نہ ہوگا۔ (فتاویٰ قاضی خان علی ہاشم العالمگیری: ۱/۱۲۲)<sup>[۳]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۹] سجدہ سہو میں دو کے بجائے ایک ہی سجدہ کیا، تو کیا حکم ہے؟

۹۴۴- سوال: نماز میں ترک واجب کی بنا پر سجدہ سہو لازم ہوتا ہے، اگر سجدہ سہو کرتے ہوئے کسی نے دو سجدوں کے بجائے ایک ہی سجدہ کیا، تو کافی ہوگا یا نہیں؟ سہو ایک کیا، تو کیا حکم ہے؟ اور عمداً کیا، تو کیا حکم ہے؟

(۱) قد تقدم تخريجه وتفصيله تحت عنوان: تعدد اوليٰ في تشهد کے بعد درود شریف پڑھنے سے سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں۔  
(۲) قال في المنية وشرحها الصغير: ثم الأصل في التفكير أنه إن منعه عن أداء ركن كقراءة آية أو ثلاث أو ركوع أو سجود أو عن أداء واجب كالقعود يلزمه السهو لاستلزام ذلك ترك الواجب وهو الإتيان بالركن أو الواجب في محله، وإن لم يمنعه عن شيء من ذلك بأن كان يؤدي الأركان ويتفكر لا يلزمه السهو. (رد المحتار على المختار: ۹۳/۲، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: دار الفکر)

(۳) وإن افتتح الصلاة، فقرأ التشهد في قيامه قبل أن يشرع في قراءة الفاتحة عامداً أو ساهياً لا سهو عليه. (فتاویٰ قاضی خان علی ہاشم الہندیة: ۱/۱۲۲، فصل فيما یوجب السهو وما لا یوجب السهو، ط: زکریا- دیوبند)



## الجواب حامد اومصلیا:

سہو کے لیے دو سجدے واجب ہیں، اگر عمداً ایک سجدہ چھوڑ دے، تو گنہگار ہوگا، اگر سہواً چھوٹ گیا، تو واجب ادا نہیں ہوا، لیکن سجدہ سہو لازم نہ ہوگا، کیوں کہ سہو میں سہو سے سجدہ لازم نہیں ہوتا۔ (طحطاوی علی المراقی صفحہ ۲۵۰)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] تیسری رکعت میں قعدہ کر کے چوتھی رکعت کے بعد سجدہ سہو کر لے تو نماز درست ہو جائے گی

۹۳۵- سوال: میں ایک مرتبہ ظہر کی نماز پڑھا رہا تھا، تیسری رکعت میں کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ گیا، پیچھے سے مقتدی حضرات لقمہ دے رہے تھے، تا کہ میں کھڑا ہو جاؤں؛ لیکن میں اپنے اس گمان کے مطابق کہ ایک مرتبہ مکمل طور پر بیٹھ جانے کے بعد کھڑے ہونے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، بیٹھا رہا، اور تیسری رکعت پر سلام پھیر کر مقتدیوں سے کہا کہ نماز فاسد ہو گئی ہے، دوبارہ پڑھنی پڑے گی، چنانچہ پھر سے چار رکعت پڑھادی۔ اب کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر آپ تیسری رکعت سے کھڑے ہو کر چوتھی رکعت پڑھ لیتے اور سجدہ سہو کر لیتے، تو کافی ہو جاتا، تو ان دونوں صورتوں میں کون سی صورت افضل ہوگی؟ کیا تیسری رکعت میں غلطی سے بیٹھ جانے کی وجہ سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

## الجواب حامد اومصلیا:

تیسری رکعت میں بھول سے بیٹھ جانے کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی، خواہ پوری التیات ہی کیوں نہ پڑھ لی ہو؛ لہذا ایسی صورت میں جب بھی یاد آ جائے، کھڑے ہو کر چوتھی رکعت پڑھ لینے اور التیات کے بعد سجدہ سہو کر لینے سے نماز ہو جائے گی، جماعت والی نماز کو لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup>

[۱] ویجب "سجدتان" لأنه صلى الله عليه وسلم سجد سجدتين للسهو، وهو جالس بعد التسليم وعمل به الأکابر من الصحابة والتابعين "بتشهد وتسليم". (مراقی) — قال الطحطاوي (م: ۲۳۱ ھ): فلو اقتصر على سجدة واحدة، لا يكون آتيا بالواجب، ولا شيء عليه إن كان ساهيا، وإن تعمد به يأثم. وفي البحر: لو سها في سجود السهو، لا يسجد لهذا السهو. وفي المضمرة: لو سها في سجود السهو، عمل بالتحري ولا يجب عليه سجود السهو؛ لئلا يلزم التسلسل، ولأنه يفتقر في التابع ما لا يفتقر في المتبوع. (حاشية الطحطاوي على مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۴۶۰، باب سجود السهو، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية) (۲) قال: "ويلزمه السهو إذا زاد في صلاته فعلا من جنسها ليس منها" وهذا يدل على أن سجدة السهو واجبة هو =

البتہ اگر تہا نماز پڑھ رہا ہو اور پہلی مرتبہ ایسی بھول ہو جائے، بار بار ایسی بھول نہ ہوتی ہو، تو نماز کو لوٹانا افضل ہے، نہ لوٹائے اور سجدہ سہو کر لے، تو بھی جائز ہے۔ بار بار ایسی بھول ہوتی ہو، تو سجدہ سہو کر لینا چاہیے، لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ (در مختار)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۱] سجدہ تلاوت کی آیت پڑھنے سے قبل سجدہ تلاوت کرنا

۹۴۶- سوال: امام صاحب نے سجدہ تلاوت کی آیت پڑھنے سے پہلے ہی غلطی سے سجدہ تلاوت کی آیت سمجھ کر سجدہ کر لیا، پھر سجدہ کی آیت پڑھی، رکوع کیا اور رکوع میں سجدہ کی نیت کر لی، تو کیا سجدہ سہو واجب ہوگا؟

**الجواب حامد اومصلیا:**

سجدہ سہو واجب ہوگا۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۲] امام کا تعدہ اخیرہ چھوڑ کر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو جانا

۹۴۷- سوال: میں ایک مسجد میں امام ہوں، ایک مرتبہ چار رکعت والی نماز میں مجھ سے یہ غلطی ہوئی کہ چوتھی رکعت کے سجدہ سے فراغت کے بعد تعدہ اخیرہ میں بیٹھنے کے بجائے کھڑا ہو گیا، مقتدی حضرات

=الصحيح لأنها تجب لجبر نقص تمكن في العبادة فتكون واجبة كالدعاء في الحج وإذا كان واجبا لا يجب إلا بترك واجب أو تأخيرہ أو تأخير ركن ساهيا هذا هو الأصل وإنما وجب بالزيادة لأنها لا تعرى عن تأخير ركن أو ترك واجب. (الهداية: ۱/۴۲، باب سجود السهو، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

[۱] "ومن شك في صلاحته فلم يدر أثلاثا صلى أم أربعا وذلك أول ما عرض له استأنف" لقوله عليه الصلاة والسلام "إذا شك أحدكم في صلاحته أنه كم صلى فليستقبل الصلاة" "وإن كان يعرض له كثير ابني علي أكبر رأيه" لقوله عليه الصلاة والسلام "من شك في صلاحته فليتحر الصواب" "وإن لم يكن له رأي بنى علي اليقين" لقوله عليه الصلاة والسلام "من شك في صلاحته فلم يدر أثلاثا صلى أم أربعا بنى علي الأقل". (الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر، المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/۲۶، باب سجود السهو، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(۲) ولا يجب السجود إلا بترك واجب، أو تأخيرہ، أو تأخير ركن، أو تقديمه، أو تكرارہ، أو تغيير واجب: بأن يجهر فيما يخافت... الخ. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۶، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، ط: زكريا - ديوبند) رد المحتار على الدر المختار: ۲/۵۴۳، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: زكريا - ديوبند)

کے لقمہ دینے کی وجہ سے متنبہ ہو کر بیٹھ گیا اور سجدہ سہو کر کے نماز مکمل کی۔

نماز کے بعد ایک مقتدی عالم کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ سجدہ سہو کے باوجود نماز صحیح نہیں ہوئی، لہذا میں نے دوسری مرتبہ نماز پڑھائی، اب سوال یہ ہے کہ کیا پہلی مرتبہ جو نماز سجدہ سہو کے ساتھ پڑھی گئی تھی، وہ صحیح تھی یا نہیں؟ اور کیا اس صورت میں اعادہ واجب تھا؟

### الجواب حامدًا ومصليًا:

آپ نے پہلی مرتبہ جو نماز سجدہ سہو کے ساتھ پڑھائی، وہ بالکل صحیح تھی، جس مقتدی عالم نے اعادہ کے لیے کہا، وہ مسئلہ سے ناواقف ہیں، اگر مصلی (یعنی نماز پڑھنے والا، خواہ امام بن کر نماز پڑھائے یا منفرداً نماز ادا کر رہا ہو) قعدہ اخیرہ میں بیٹھنے کے بعد یا بغیر بیٹھے کھڑا ہو جائے؛ تو جب تک رکعت زائدہ کا سجدہ نہ کر لے، اس وقت تک اُس کا حکم یہی ہے کہ وہ بیٹھ جائے اور سجدہ سہو کر کے نماز مکمل کرے۔ (شامی: ۲/۸۵)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] [ولو سها عن القعود الأخير) كله أو بعضه (عاد) ويكفي كون كلا الجلستين قدر التشهد (ما لم يقيدها بسجدة) لأن ما دون الركعة محل الرفض وسجد للسهو لتأخير القعود (وإن قيدها) بسجدة عامداً أو ناسياً أو ساهياً أو مخطئاً (تحول فرضه نفلاً). [رد المحتار على رد المحتار: ۲/۸۵، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: دار الفكر - بيروت]

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے ”باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیہا“ کا عنوان: ”امام کا قعدہ اخیرہ چھوڑ کر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہوجانا“

## باب سجود التلاوة

### [سجدة تلاوت کا بیان]

[۱] خارج صلاة شخص نے امام صاحب سے سجده کی آیت سنی، تو کیا کرے؟

۹۳۸- سوال: ہمارے یہاں امام صاحب جمعہ کے روز فجر کی نماز میں سورہ سجده پڑھتے ہیں، تو اس میں سجده کی آیت وہ لوگ سن لیں، جو ابھی نماز میں شامل نہیں ہوئے ہیں؛ بل کہ وضو کر رہے ہیں، تو ان پر سجده تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟ بیوقوف، تو جروا۔

#### الجواب حامدًا ومصلياً:

اگر کوئی شخص امام صاحب سے سجده کی آیت سننے کے بعد اسی رکعت میں شامل ہو گیا، تو اس پر سجده تلاوت کا الگ سے ادا کرنا واجب نہیں، کیوں کہ اس کا سجده تلاوت حکماً ادا ہو گیا، اور اگر دوسری رکعت میں شریک ہوا یا بالکل شریک نہیں ہوا، تو اس کے ذمہ سجده تلاوت ادا کرنا واجب ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] نماز کے باہر کوئی شخص، امام سے آیت سجده سننے

۹۳۹- سوال: اگر کوئی شخص سجده تلاوت امام صاحب سے نماز کے باہر سننے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۱) ولو سمعها من الإمام أجنبي ليس معهم في الصلاة ولم يدخل معهم في الصلاة لزمه السجود، كذا في الجوهرية النيرة، وهو الصحيح، كذا في الهداية. \_\_\_\_\_ سمع من إمام فدخل معه قبل أن يسجد سجده معه وإن دخل في صلاة الإمام بعدما سجدها الإمام لا يسجدها وهذا إذا أدر كه في آخر تلك الركعة أما لو أدر كه في الركعة الأخرى يسجدها بعد الفراغ، كذا في الكافي، وهكذا في النهاية. (الفتاوى الهندية- لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/ ۱۳۳، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، ط: دار الفكر ☆ الجوهرية النيرة - أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزبيدي اليمني الحنفي (م: ۸۰۰ھ) - ۱/ ۸۲، باب سجود التلاوة، ط: المطبعة الخيرية ☆ الفتاوى التاتار خانية: ۲/ ۶۷، كتاب الصلاة، سجدة التلاوة، ط: مكتبة زكريا - ديوبند)

**الجواب حامد اومصلیا:**

مذکورہ صورت میں وہ شخص اگر اسی رکعت میں امام کی اقتدا کر لے، تو وہ سجدہ تلاوت پانے والا ہوگا؛ لیکن اگر اس نے اس رکعت میں اقتدا نہیں کی؛ بل کہ دوسری رکعت میں اقتدا کی، تو اب یہ نماز کے باہر الگ سے سجدہ کرے گا۔ (عالمگیری، قدوری، ہدایہ، شامی) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

**[۳] ایک ہی جگہ متعدد آیات سجدہ تلاوت کرنے کا حکم**

۹۵۰- سوال: قرآن شریف کی تلاوت کے دوران دو یا زیادہ سجدے کی آیتیں ایک ہی جگہ تلاوت کرتے ہوئے پڑھنے میں گذریں، تو ہمیں کتنے سجدے کرنے ہوں گے؟

**الجواب حامد اومصلیا:**

جو شخص ایک ہی جگہ تین یا چار سجدے کی مختلف آیتوں کی تلاوت کرے، تو اس پر اسی کے بقدر سجدے واجب ہوں گے؛ البتہ ایک آیت کو ایک ہی جگہ، متعدد بار تلاوت کرے، تو ایک ہی سجدہ واجب ہوگا؛ اس لیے صورت مسئلہ میں سجدے کی جتنی آیتیں پڑھی گئیں ہیں، اتنے سجدے کیے جائیں۔ (شامی) (۲)، عالمگیری (۳) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] "فإن قرأها الإمام، وسمعها رجل ليس معه في الصلاة، فدخل معه بعدما سجدها الإمام لم يكن عليه أن يسجدها؛ لأنه صار مدر كآلها يادراك الركعة" وإن دخل معه قبل أن يسجدها سجدها معه؛ لأنه لو لم يسمعها سجدها معه، فهنا أولى "وإن لم يدخل معه سجدها وحده" لتحقق السبب". (الهداية: ۱/۱۶۳، باب في سجود التلاوة، ط: ياسر ندیم - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۳، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، ط: زكريا، ديوبند ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۵۲، باب الاستخلاف، ط: زكريا - ديوبند ☆ الجوهر النيرة - أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي، الزبيدي الحنفي (م: ۸۰۰هـ): ۱/۸۲، باب سجود التلاوة، ط: المطبعة الخيرية)

(۱) رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۱۳، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ط: دار الفكر - بيروت.

(۲) الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۳، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، ط: دار الفكر.

(۳) اجتماع سبب الوجوب وهما: التلاوة، والسماع بأن تلا السجدة ثم سمعها، أو سمعها ثم تلاها، أو تكرر أحدهما فنقول: الأصل أن السجدة لا يتكرر وجوبها إلا بأحد أمور ثلاثة: إما اختلاف المجلس، أو التلاوة، أو السماع؛ حتى أن من تلاية واحدة مراراً في مجلس واحد تكفيه سجدة واحدة، والأصل فيه ماروي أن جبريل - عليه السلام - كان ينزل بالوحي فيقرأ آية السجدة على رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ورسول الله - صلى الله عليه وسلم - كان يسمع ويتلن ثم يقرأ أعلى أصحابه وكان لا يسجد إلا مرة واحدة، وروي عن أبي عبد الرحمن السلمى معلم الحسن =

## [۴] مسجد کی مختلف جگہوں میں آیت سجدہ متعدد بار تلاوت کرنے کا حکم

۹۵۱- سوال: بہشتی زیور (۲/۴۴) میں ”سجدہ تلاوت کے بیان میں“ کے عنوان سے مسئلہ

نمبر ۲۲ میں ہے کہ: مسجد کا بھی یہی حکم ہے جو کمرے کا ہے، یعنی سجدہ کی ایک آیت اگر متعدد دفعہ پڑھے گا، تب بھی ایک ہی سجدہ واجب ہوگا، خواہ ایک ہی جگہ بیٹھ کر پڑھے یا مسجد میں ادھر ادھر چلتا پھرتا پڑھے۔<sup>(۱)</sup> تو اس میں سوال یہ ہے کہ چھوٹی اور بڑی مسجد دونوں کا ایک ہی حکم ہے؟ یا دونوں کے حکم میں فرق ہے؟ ہمارے گاؤں ”کوسمڑی“ کی تو بڑی مسجد ہے جو تقریباً ۶۰×۵۵ ہے، تو کیا اس کا بھی یہی حکم ہوگا؟ اگر چھوٹی بڑی مسجد میں فرق ہے، تو مندرجہ بالا حوالہ میں اس کی قید کیوں نہیں لگائی گئی، وہاں مسئلہ کو مطلق رکھنے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹی یا بڑی مسجد ہونے سے حکم میں کوئی فرق نہیں ہوتا، تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب حامداً ومصلياً:

مذکور مسئلہ کے متعلق عالمگیری ۱/۴۸، شامی ۱/۷۲، الجوهرة النيرة: ۱/۸۴،<sup>(۳)</sup> اور مجمع الاسہر:

= والحسين - رضي الله عنهم - أنه كان يعلم الآية مراراً، وكان لا يزيد على سجدة واحدة، والظاهر أن علياً - رضي الله عنه - كان عالماً بذلك ولم ينكر عليه. — روي عن أبي موسى الأشعري - رضي الله عنه - أنه كان يكرر آية السجدة حين كان يعلم الصبيان وكان لا يسجد إلا مرة واحدة، ولأن المجلس الواحد جامع للكلمات المتفرقة. (بدائع الصنائع: ۱/۱۸۱، فصل سجدة التلاوة، فصل في سبب وجوب السجدة، ط: دار الكتب العلمية)

(۱) مسجد کا بھی یہی حکم ہے، جو ایک کوٹھری کا حکم ہے، کہ اگر سجدہ کی ایک آیت کئی دفعہ پڑھے، تو ایک ہی سجدہ واجب ہے، چاہے ایک ہی جگہ بیٹھے دہرایا کرے، یا مسجد میں ادھر ادھر ٹہل ٹہل کر پڑھے۔ (بہشتی زیور: ۲/۴۰، باب نوازہ ہم، سجدہ تلاوت کا بیان، ط: امدادیہ لاہوری، چوک بازار، ڈھا کہ)

(۲) والمجلس واحد وإن طال، أو أكل لقمة، أو شرب شربة، أو قام، أو مشى خطوة أو خطوتين، أو انتقل من زاوية البيت أو المسجد إلى زاوية، إلا إذا كانت الدار كبيرة كدار السلطان، وإن انتقل في المسجد الجامع من زاوية إلى زاوية لا يتكرر الوجوب وإن انتقل فيه من دار إلى دار ففي كل موضع يصح الاقتداء يجعل مكان واحد. (الفتاوى الهندية - لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/۱۳۴، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، ط: دار الفكر)

(۳) رد المحتار على الدر المختار - ابن عابدين، الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲ھ) ۲/۱۱۶، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ط: دار الفكر - بيروت.

(۴) ولو قرأها في المسجد الجامع في زاوية ثم تلاها في زاوية أخرى منه كفته سجدة واحدة، لأن المسجد مع تباعد أطرافه يجعل كبقعة واحدة في حق الصلاة فأولى أن يكون كذلك في حق السجدة، لأنها دونها. (الجوهرة النيرة - =

۱۵۸/۱<sup>(۵)</sup> میں جو کچھ لکھا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بڑی مسجد اور چھوٹی مسجد؛ دونوں کا ایک ہی حکم ہے، ایک آیت سجدہ اس میں متعدد بار پڑھنے سے - خواہ کونہ بدل جائے یا چلتا پھرتا پڑھے - ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔ البتہ مسجد بہت زیادہ بڑی ہو اور مجمع الانہر میں اس کی مثال ”مسجد حرام“ سے دی گئی ہے،<sup>(۶)</sup> تو سمت بدل جانے سے حکم بدل جائے گا، پس مسجد حرام کے شمالی حصے میں آیت سجدہ تلاوت کی، پھر مغرب یا جنوب کے حصے میں آکر اسی آیت کی دوبارہ تلاوت کی، تو تبدیلی مجلس کا حکم لگایا جائے گا اور متعدد سجدے واجب ہوں گے۔

اسی طرح مکان بھی مجلس واحد کے حکم میں ہوتا ہے، مگر فقہاء لکھتے ہیں کہ بادشاہ کا مکان (محل، قلعہ) مجلس واحد کے حکم میں نہیں ہے، اس میں سمت: شمال، جنوب وغیرہ کے بدلنے سے مجلس بدل جائے گی اور متعدد سجدے واجب ہوں گے۔<sup>(۷)</sup>

آپ کے گاؤں کی مسجد ”مسجد حرام“ جتنی وسیع نہیں ہے؛ بل کہ اس کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے؛ لہذا وہ پوری مسجد مجلس واحد کے حکم میں ہوگی اور ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] نماز میں دو مرتبہ ایک ہی آیت سجدہ کی تلاوت سے، ایک سجدہ واجب ہوگا

۹۵۲- سوال: امسال میرے ساتھ ایک طالب علم نے تراویح پڑھائی، اس نے سجدہ کی آیت آنے کی وجہ سے سجدہ ادا کیا، اس کے بعد قیام ہی کی حالت میں پھر سے اس کو پڑھا، تو کیا دوسری مرتبہ سجدہ واجب ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح رکن کے بدلنے سے کیا دوسری مرتبہ سجدہ واجب ہوگا؟ جیسا کہ تبدیل مجلس سے واجب ہوتا ہے؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

صورت مسؤلوں میں دوسری مرتبہ سجدہ واجب نہیں ہوگا۔ عالمگیری میں لکھا ہے کہ اگر ایک شخص نے پہلی رکعت میں سجدہ تلاوت ادا کر دیا، پھر دوسری رکعت میں اسی سجدہ کی آیت کا اعادہ کیا، تو سجدہ اولیٰ کافی

= أبو بکر بن علی، الحدادی (م: ۸۰۰ھ)؛ ۱/۸۳، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ط: المطبعة الخيرية (۵-۶) ثم المجلس لا يختلف بمجرد القيام ولا بخطوة أو خطوتين ولا بالانتقال من زاوية إلى زاوية إلا أن يكون كبيرا كالمسجد الحرام (مجمع الأنهر - داماد آدندی (م: ۱۰۷۸ھ)؛ ۱/۲۳۵، کتاب الصلاة، سجود التلاوة، ط:

فقيه الأمة - ديوبند)

(۷) دیکھیے: حاشیہ نمبر ۱۔

ہو جائے گا دوسرا سجدہ واجب نہیں ہوگا۔ (۱۰۷/۱) [۱]

جب رکعت کے بدلنے سے دوسرا سجدہ واجب نہیں ہوتا ہے، تو اسی رکعت میں پڑھنا تو ایک جگہ کے درجہ میں ہے؛ اس لیے اس صورت میں بھی سجدہ واجب نہیں ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۶] نماز میں آیت سجدہ پر سجدہ تلاوت نہ کرنا

۹۵۳- سوال: ہمارے یہاں تراویح میں یہ واقعہ پیش آیا کہ امام صاحب نے سجدے کی آیت میں کچھ غلطی کی، جس کی وجہ سے دو تین دن کے بعد اس کو دوسرے حافظ صاحب نے پھر سے پڑھا؛ لیکن انہوں نے سجدہ تلاوت نہیں کیا؛ حالانکہ آیت سجدہ کے بعد فوراً رکوع بھی نہیں کیا تھا، بل کہ اس کے بعد آٹھ دس آیتوں کی تلاوت کی تھی، پوچھنے پر بتلایا کہ میں نے پہلے سے سجدہ نہ کرنے کی نیت کی تھی اور انہوں اپنے ساتھی حافظ صاحب کو بھی کہا تھا کہ آج میں سجدہ کی آیت پڑھوں گا؛ لیکن سجدہ تلاوت نہیں کروں گا۔

تو سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح پہلے سے سجدہ نہ کرنے کی نیت سے سجدہ تلاوت ساقط ہو جاتا ہے؟ اگر نہیں ہوتا ہے، تو واجب ترک ہونے سے اس کے تلافی کی کیا صورت ہوگی؟ اور نماز کے متعلق اب کیا حکم ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

سجدہ کی آیت جب دوسرے تیسرے دن تلاوت کی گئی، تو سجدہ کرنا واجب تھا، لیکن امام صاحب نے پہلے سے سجدہ نہ کرنے کا ارادہ کر رکھا تھا، اسی وجہ سے سجدہ نہیں کیا اور رکوع بھی سجدہ کی آیت کے آٹھ دس آیتوں کے بعد کیا؛ اس لیے سجدہ تلاوت اس کے ضمن میں ادا نہ ہوگا۔ اور نماز کے سجدہ کی قضا نماز کے باہر نہیں ہو سکتی ہے؛ اس لیے واجب ترک ہونے سے گناہ لازم ہوا، جس پر توبہ ضروری ہے، البتہ تراویح کی دو رکعت ادا ہو جائے گی اور سجدہ تلاوت نہ کرنے کا گناہ ہوگا۔ (شامی: ۱۵۸/۱) [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] ولو قرأها فسجد ثم قرأ القرآن بعد ذلك طويلاً ثم أعاد تلك السجدة لا تجب عليه أخرى. (الفتاوى الهندية:

۱۳۴/۱، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، ط: دار الفكر)

(۲) ويأثم بتأخيرها ويقضيها ما دام في حرمة الصلاة ولو بعد السلام فتح... (ولو تلاها في الصلاة سجدها فيها لا

خارجها) لما مر. وفي البدائع: وإذا لم يسجد أثم فتلزمه التوبة. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله ولو بعد =



## [۷] سجدہ کی آیت سننے والوں پر سجدہ کا واجب ہونا

۹۵۴- سوال: قرآن کریم کی آیت سجدہ اگر باجماعت نماز میں پڑھی جائے، تو تمام نمازیوں پر سجدہ واجب ہوتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اگر نماز سے باہر محفل میں لوگ بیٹھے ہوں اور کوئی آیت سجدہ تلاوت کرے، تو اس صورت میں بھی تمام سامعین پر سجدہ واجب ہوگا؟ بینوا تو جروا۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

قرآن مجید میں چودہ سجدے ہیں، جو پڑھنے اور سننے والے؛ دونوں پر واجب ہوتے ہیں، مجلس میں قرآن مجید کی آیت سجدہ جو بھی سنے گا، اس پر سجدہ واجب ہوگا۔ (شامی، عالمگیری) [۱] ہاں ٹیپ ریکارڈ اور ریڈیو سے آیت سجدہ سننے سے سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا ہے۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۸] امام کا وقتاً فوقتاً نماز میں آیت سجدہ پڑھنا

۹۵۵- سوال: اگر کوئی امام نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت بار بار کرتا ہے اور مقتدیوں کو اس سے

= (السلام) أي ناسيا ما دام في المسجد وروي أنه لا يسجد بعد السلام ناسيا تتار خانية... (قوله وإذا لم يسجد أثم الخ) أفاد أنه لا يقضيها. قال في شرح المنية: وكل سجدة وجبت في الصلاة، ولم تؤد فيها، سقطت أي لم يبق السجود لها مشروعاً لغوات محلها. اهـ. \_\_\_\_\_ أقول: وهذا إذا لم يركع بعدها على الفور وإلا دخلت في السجود وإن لم ينوها كما سيأتي وهو مقيد أيضاً بما إذا تر كها عمداً حتى سلم وخرج من حرمة الصلاة. أما لو سهوا وتذكروها ولو بعد السلام قبل أن يفعل منافياً يأتي بها ويسجد للسهو كما قدمناه. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۱۰/۲، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، دار الفكر - ديوبند ☆ بدائع الصنائع: ۱۹۱/۱، كتاب الصلاة، فصل وأما بيان وقت أدائها... الخ، ط: دار الكتب العلمية)

[۱] (يجب) بسبب (تلاوة آية) أي أكثرها مع حرف السجدة (من أربع عشرة آية)... (بشرط سماعها) فالسبب التلاوة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۰۳/۲ - ۱۰۴، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۲۱۰/۲ - ۲۱۳، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ط: دار الكتاب - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱۳۴/۱، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، ذكرها - ديوبند)

[۲] (لا) تجب (بسماعه من الصدى والظير) [الدر المختار] — قال ابن عابدين: (قوله من الصدى) هو ما يجيبك مثل صوتك في الجبال والصحاري ونحوهما كما في الصحاح. — (قوله والظير) هو الأصح زيلعي وغيره، وقيل تجب. وفي الحجة هو الصحيح تتار خانية. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۰۸/۲ - ۱۰۹، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ط: دار الفكر - ديوبند)

پریشانی ہوتی ہے، تو یہ شریعت میں درست ہے یا نہیں؟

عبداللہ میاں، بھارت ڈیری والا

### الجواب حامداً ومصلياً

امامت ایک اہم ذمہ داری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی امامت کرائے تو قراءت مختصر کرے اس لیے کہ مقتدیوں میں بعض ضعیف بیمار اور عمر دراز بھی ہوتے ہیں۔ (بخاری شریف: ۵۹۴/۱) [۱]

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے امام کی لمبی قراءت کی شکایت کی گئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بہت ناراضگی کا اظہار کیا۔ (بخاری: ۹۸/۱) [۲]

اس لیے مقتدیوں میں اگر کمزور، بیمار اور بوڑھے لوگ ہوں، تو ایسی سورت کی تلاوت نہ کرے، جس میں سجدہ تلاوت ہو، خلاصہ کے حوالہ سے منقول ہے کہ سجدہ کی آیت تلاوت کرنے والے کو یہ معلوم ہو کہ سننے والوں کا وضو نہیں ہے، یا وضو تو ہے؛ لیکن سجدہ تلاوت نہیں کریں گے، یا سجدہ تلاوت کرنے میں ان کو مشقت ہوگی، تو نماز میں ہو یا نماز سے باہر، سجدہ کی آیت کو آہستہ تلاوت کرنا مستحب ہے۔ (عالمگیری: ۱۰۹/۱) [۳]

لہذا مستحب یہ ہے کہ امام مقتدیوں کا خیال رکھتے ہوئے آیت سجدہ کے علاوہ کی سورتوں کو پڑھے، فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «إذا صلى أحدكم للناس، فليخفف، فإن منهم الضعيف والسقيم والكبير، وإذا صلى أحدكم لنفسه فليطول ما شاء». (صحيح البخاري: ۹۷/۱، رقم الحديث: ۷۰۳، كتاب الاذان، باب إذا صلى أحدكم لنفسه فليطول ما شاء، ط: البدر ديوبند)

[۲] عن أبي مسعود، قال: قال رجل: يا رسول الله إني لأتأخر عن الصلاة في الفجر مما يطيل بنا فلان فيها، فغضب رسول الله صلى الله عليه وسلم، ما رأيت غضب في موضع كان أشد غضباً منه يومئذ، ثم قال: يا أيها الناس، إن منكم منفرين، فمن أم الناس فليتجوز، فإن خلفه الضعيف والكبير وذو الحاجة. (صحيح البخاري: ۹۸/۱، رقم الحديث: ۷۰۳، كتاب الاذان، باب من شكأ إمامه إذا طول، ط: البدر - ديوبند)

(۳) القارئ إذا كان عنده قوم إن كانوا متأهبين للسجود ويقع في قلبه أنه لا يشق عليهم أداء السجدة ينبغي أن يقرأ جهراً وإن كانوا محدثين أو يظن أنهم يسمعون ولا يسجدون أو يشق عليهم أداء السجدة ينبغي أن يقرأ في نفسه سواء كان في الصلاة أو خارج الصلاة، كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱۳۵/۱، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، ط: زكريا - ديوبند)

[۹] آیت سجدہ پڑھ کر فوراً رکوع کر کے، اس میں سجدے کی نیت کر لینا

۹۵۶- سوال: اگر امام نے نماز میں سورہ بجم پڑھی اور اس کی آخری آیت - جو کہ آیت سجدہ ہے

- کو پڑھ کر فوراً ہی رکوع کر لیا اور رکوع میں سجدہ تلاوت کی نیت کر لی، تو مقتدیوں کے لیے نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر مقتدیوں نے نیت نہیں کی، تو ان کا سجدہ تلاوت ادا ہوگا یا نہیں؟

**الجواب حامد او مصليا:**

مستحب یہ ہے کہ سجدہ تلاوت کو مستقل ادا کیا جائے۔<sup>[۱]</sup>

اگر رکوع میں امام نے تو سجدہ تلاوت کی نیت کی؛ لیکن مقتدیوں نے نیت نہیں کی، تو مقتدیوں کا سجدہ تلاوت ادا نہیں ہوگا، وہ امام صاحب کے سلام کے بعد سجدہ تلاوت اور قعدہ اخیرہ کا اعادہ کریں گے۔ (در مختار مع شامی: ۱/ ۷۲۴)<sup>[۲]</sup>

ہاں! اگر مقتدیوں نے بھی رکوع میں نیت کر لی ہے، تو ان کی جانب سے بھی سجدہ تلاوت ادا ہو جائے گا، اسی طرح سے اگر آیت سجدہ ختم کر کے فوراً سجدہ کر لیا اور آگے کچھ بھی نہیں پڑھا، تو نماز کے سجدے میں سجدہ تلاوت بلا کسی نیت کے بھی ادا ہو جائے گا۔ (در مختار)<sup>[۳]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] (وتؤدی برکوع وسجود) غیر رکوع الصلاة وسجودها (في الصلاة) [الدر المختار] — قال ابن عابدین: (قوله وتؤدی برکوع وسجود) الواو بمعنى أو. قال في الحلية والأصل في أدائها السجود وهو أفضل ولورکع لها على الفور جاز وإلا لا آه أي وإن فات الفور لا يصح أن يرکع لها... الخ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۱۱/۲، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ط: دار الفکر - بیروت)

والمستحب أنه إذا أراد أن يسجد وإذ أرفع رأسه من السجود يقوم ثم يقعد، كذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۵، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ط: دار الفکر)

[۲] (و) تؤدی (برکوع صلاة) إذا كان الركوع (على الفور من قراءة آية) أو آيتين وكذا الثلاث على الظاهر كما في البحر (إن نواه) أي كون الركوع (لسجود) التلاوة على الراجح (و) تؤدی (بسجودها كذلك) أي على الفور (وإن لم ينو) بالإجماع، ولو نواه في ركوعه ولم ينوها المؤتم لم تجزه ويسجد إذا سلم الإمام ويعيد القعدة، ولو تركها فسدت صلاته كذا في القنية وينبغي حمله على الجهرية. نعم لو ركع وسجد لها فوراً ناب بلانية. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۱۱/۲ - ۱۱۲، باب سجود التلاوة، ط: دار الفکر)

[۳] (و) تؤدی (بسجودها كذلك) أي على الفور (وإن لم ينو) بالإجماع. (حواله سابق)

## [۱۰] سجدہ تلاوت ادا کرنے کا طریقہ

۹۵۷- سوال: قرآن مجید کی تلاوت کے ختم پر جو سجدہ تلاوت کیے جاتے ہیں، وہ تمام سجدے ایک ساتھ بیٹھ کر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یا ہر سجدہ ادا کرتے وقت کھڑا ہونا ضروری ہے؟

## الجواب حامدا ومصليا:

صورت مسؤلہ میں تمام سجدہ تلاوت ایک ساتھ ادا کیے جائیں، تو ادا ہو جائیں گے، ہر ہر سجدے کے لیے قیام کرنا اور قیام کی حالت میں تکبیر کہتے ہوئے سجدے کے لیے جانا ضروری نہیں ہے۔ (در مختار و عالم گیری)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۱] تفسیر قرآن کے دوران لوگوں کی رعایت کرتے ہوئے آیت سجدہ آہستہ پڑھنا

۹۵۸- سوال: ایک عالم دین نماز فجر کے بعد قرآن پاک کی تفسیر کرتے ہیں، مگر آیت سجدہ آتی ہے، تو اُسے آہستہ پڑھتے ہیں، تاکہ بڑے مجمع کو سجدہ نہ کرنا پڑے اور تفسیر میں بیٹھنے کے بجائے کوئی نکل نہ جائے، اس طرح عوام کی رعایت کرتے ہوئے وہ آیت سجدہ کو آہستہ پڑھتے ہیں، اور خود اکیلے جا کر سجدہ کرتے ہیں، کیا اُن یہ عمل درست ہے؟

[۱] وستہا التکبیر ابتداء وانتهاء، کذا فی محیط السرخسی هو الظاهر، کذا فی التبیین فاذا اراد السجود کبر و لا یرفع یدہ و سجد ثم کبر و رفع رأسہ و لا تشهد علیہ و لا سلام، کذا فی الہدایۃ، و یقول فی سجودہ: سبحان ربی الاعلیٰ ثلاثا و لا ینقص عن الثلاث کما فی المکتوبۃ، کذا فی الخلاصۃ، و هو الصحیح، ہکذا فی فتاویٰ قاضی خان و لو لم یدکر فیہا شیئا ینجزیہ کما فی المکتوبۃ، کذا فی الخلاصۃ، و یرفع صوتہ بالتکبیر و المستحب أنہ إذا اراد أن یسجد و إذا رفع رأسہ من السجود یقوم ثم یقعد، کذا فی الظہیریۃ. (الفتاویٰ الہندیۃ: ۱/۱۳۵، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوة، ط: دار الفکر - بیروت)

(وہی سجدۃ بین تکبیرتین) مسنونتین جہرا و بین قیامین مستحبین (بلا رفع ید و تشهد و سلام و فیہا تسبیح السجود) فی الاصح (علی من کان) متعلق بیجب (أهلا لوجوب الصلاۃ) لأنها من أجزائها. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۰۷، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوة، ط: دار الفکر)

اگرچہ مستحب یہ ہے کہ ہر ایک کو مستقل کھڑا ہو کر ادا کرے اور ہر سجدے کے بعد کھڑا ہو جائے، جیسا کہ مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہے؛ لیکن اگر سجدہ تلاوت کرنے کے بعد کھڑا نہ ہو؛ بل کہ بیٹھے بیٹھے ہی دوسرا سجدہ تلاوت کر لے تو بھی ادا ہو جائے گا، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، مفتی صاحب نے اسی دوسری شق کو ذکر کیا ہے۔

## الجواب حامدًا ومصليًا:

افضل تو یہی ہے کہ تفسیر قرآن کے دوران آیتِ سجدہ آجائے، تو اُسے بھی دیگر آیات کی طرح بالجہر پڑھے اور اُسی وقت سجدہ بھی کرے، کہ فوری سجدہ کر لینا ہی مسنون ہے، اور لوگوں سے بھی کہہ دے کہ سجدہ کر لیجیے، اس میں لوگوں کو سجدہ تلاوت کا حکم اور طریقہ بھی معلوم ہوگا، اور عظمت بھی ظاہر ہوگی، اور اس بنا پر مجمع میں کسی قسم کی کمی کا اندیشہ نہیں ہے، اس لیے کہ مسجد میں اکثر لوگ با وضو ہوتے ہیں، اور اگر بے وضو بیٹھتے ہوں، تو اُن کو تاکید کرنی چاہیے کہ وہ اس جیسی مجالس میں با وضو ہونے کی حالت میں شریک ہوں۔ (رد المحتار: ۱۲۰/۲)<sup>[۱]</sup>

البتہ اگر ایسا مجمع ہو کہ اُن میں بے وضو لوگ بھی ہوں، تو سجدہ کی آیت آہستہ پڑھ لینا بھی جائز ہے، اُس میں کوئی حرج نہیں، تاکہ بے وضو شخص کا بے وضو ہونا مجمع کے سامنے ظاہر نہ ہو۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] عن أبي سعيد الخدري، أنه قال: قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو على المنبر ص، فلما بلغ السجدة نزل فسجد وسجد الناس معه... الحديث. (سنن أبي داود ۵/۱: ۲۰۰، رقم الحديث: ۱۳۱۰، كتاب الصلاة، باب السجود في ص، ط: البدر - ديوبند)

ولو تلا على المنبر سجد وسجد السامعون. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله وسجد السامعون) أي لا غيرهم بخلاف الصلاة، تتارخانية. وفي البدائع: ولو تلاها الإمام على المنبر يوم الجمعة سجدها وسجدها معه من سمعها؛ لما روي أنه - عليه الصلاة والسلام - تلا سجدة على المنبر، فنزل وسجد وسجد الناس معه، اهـ والله تعالى أعلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۲۰، باب سجود التلاوة، قبيل باب صلاة المسافر، ط: دار الفكر)

(۲) واستحسن إخفاؤها عن سامع غير متهيئ للسجود. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله واستحسن إخفاؤها إلخ) لأنه لو جهر بها لصار موجبا عليهم شيئا بما يتكاسلون عن أدائه فيقعون في المعصية، فإن كانوا متهيئين جهر بها، بحر عن البدائع، قال في المحيط بشرط أن يقع في قلبه أن لا يشق عليه أداء السجدة، فإن وقع أخفاها اهـ وينبغي أنه إذا لم يعلم بحالهم أن يخفيها، نهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۱۸، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ط: دار الفكر)

ولو قرأ آية السجدة وعنده ناس فإن كانوا متوضئين متهيئين للسجدة قرأها فإن كانوا غير متهيئين ينبغي أن يخفض قراءتها؛ لأنه لو جهر بها لصار موجبا عليهم شيئا بما يتكاسلون عن أدائه فيقعون في المعصية. (بدائع الصنائع: ۱۹۲/۱، سجدة التلاوة، فصل في سنن السجود، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)



عن أنس بن مالك - رضي الله عنه - قال: صليت الظهر مع النبي - صلى الله عليه وسلم - بالمدينة أربعاً، والعصر بنى الحليفة ركعتين.  
(بخاری شریف: ۱۳۸/۱)

وخرج علي بن أبي طالب - رضي الله عنه - فقصر وهو يرى البيوت، فلما رجع قيل له هذه الكوفة قال: لا حتى ندخلها.  
(بخاری شریف: ۱۳۸/۱)

## باب صلاة المريض والمسافر

[مريض اور مسافر کی نماز کا بیان]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ]

## باب صلاة المريض والمسافر

[مريض اور مسافر کی نماز کا بیان]

[۱] پہلی صف میں کرسی پر نماز پڑھنا

۹۵۹- سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ: ایک شخص پیر سے معذور ہے، اس کے لیے مسجد میں پہلی صف میں کرسی لگائی جاتی ہے، وہ اس پر بیٹھ کر لنگڑا پیر لٹکا کر فرائض اور سنن ادا کرتا ہے۔ کیا اس طرح پہلی صف میں کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا، جب کہ پیچھے بھی دو تین صفیں ہوتی ہوں، درست ہے؟ اس کو آخری صف میں نماز پڑھنا چاہیے یا پہلی صف میں، درست کیا ہے؟ فرائض و سنن کے بعد وہ شخص فرش پر بیٹھ جاتا ہے، زمین پر بیٹھنے میں اس کے لیے کوئی دقت نہیں، صرف سجدہ میں سر، زمین پر نہیں رکھ سکتا ہے، تو ایسے شخص کے متعلق مذکورہ صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامدًا ومصلياً:

فرض نماز میں قیام: یعنی کھڑے ہو کر نماز پڑھنا، فرض ہے اور رکوع، سجدہ بھی فرض ہے، اگر کوئی شخص کھڑے رہنے کی استطاعت<sup>(۱)</sup> نہیں رکھتا، تو جس قدر بھی کھڑا رہ سکتا ہو۔ خواہ صرف تکبیر تحریمہ کھڑا ہو کر کہہ سکتا ہو۔ تو اس قدر کھڑا رہنا فرض ہے، ورنہ نماز صحیح نہ ہوگی، لیکن اگر بالکل بھی کھڑا نہ رہ سکتا ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے اور بیٹھنے میں جو بھی طریقہ اختیار کرے، درست ہے نماز ادا ہو جائے گی، البتہ جہاں

(۱) استطاعت نہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں مثلاً سر چکراتا ہو، گر جانے کا اندیشہ ہو، بیماری کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو، گھٹنے یا اور کسی جگہ شدید درد ہو، جس کی وجہ سے کھڑے ہونے میں دقت ہوتی ہو، معمولی درد یا معمولی تکان کی وجہ سے بیٹھ کر فرض و واجب نماز ادا کرنا درست نہیں ہے۔ (در مختار مع شامی: ۲/۹۵-۹۸، باب صلاة المريض، ط: دار الفکر - بیروت)



تک ممکن ہو، قبلہ کی طرف پیر لبانہ کرے؛ کیوں کہ بلا عذر قبلہ کی طرف پیر کرنا مکروہ ہے، بیٹھنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ قعدہ میں بیٹھنے کی طرح بیٹھے، اگر اس طرح ممکن نہ ہو، تو چارزا نو (پالٹی مار کر) بیٹھے، یہ بھی ممکن نہ ہو تو ٹوک کر کے بیٹھے، یعنی سرین پر بیٹھ کر پیروں کو موڑ کر شمال یا جنوب میں کر دے۔ (شامی: ۲۰۹/۱-۲)

الغرض صحیح وسالم اور تندرست شخص کے لیے قیام، رکوع اور سجدہ کرنا فرض ہے، اگر قیام پر قدرت نہ ہو، تو زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھے، اگر زمین پر بیٹھ کر بھی نماز نہ پڑھ سکتا ہو، تو کرسی پر پڑھے۔ اس تفصیل کے بعد جاننا چاہیے کہ مسجد میں اگلی صف میں نماز پڑھنے کے لیے کرسی رکھنا مکروہ ہے، کیوں کہ اگر وہ معذور موجود نہیں ہوگا، تو صفیں ٹوٹیں گی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوں کو توڑنے والے کے لیے بددعا اور جوڑنے والے کے لیے دعا فرمائی ہے۔<sup>(۳)</sup>

صورت مسؤلہ میں معذور شخص جب زمین پر بیٹھ سکتا ہے، جس کی علامت یہ ہے کہ وہ نوافل بیٹھ کر ہی

[۲] (من تعذر علیہ القيام) أي کله (لمرض) حقیقی وحده أن یلحقه بالقيام ضرر به یتفتی... (أو حکمی بأن (خاف زیادته أو بطء برئه بقیامه أو دوران رأسه أو وجد لقیامه ألماً شدیداً) أو کان لو صلی قائماً سلس بوله... (صلی قاعدا) ولو مستندا إلى وسادة، أو إنسان؛ فإنه یلزمه ذلك علی المختار (کیف شاء) علی المذهب؛ لأن المرض أسقط عنه الأركان فالهیئات أولی. وقال زفر: کالمشهد، قبل وبه یتفتی (برکوع وسجود وإن قدر علی بعض القيام) ولو متکنا علی عصا أو حائط (قام) لزوما بقدر ما یقدر ولو قدر آیه أو تکبیرة علی المذهب... (وإن تعذرا) لیس تعذرهما شرط بل تعذر السجود کاف (لا القيام أو ما)... (قاعدا) وهو أفضل من الإیماء قائماً؛ لقربه من الأرض (ویجعل سجوده أخفض من رکوعه)... (ولا یرفع إلى وجهه شیئا یسجد علیه) فإنه یکره تحریماً. (الدر المختار مع رد المختار: ۹۵/۲-۹۸، کتاب الصلاة، باب صلاة المریض، ط: دار الفکر - بیروت ☆ الفتاویٰ الہندیة: ۱۳۶/۱-۱۳۷، کتاب الصلاة، الباب الرابع عشر فی صلاة المریض، ط: دار الفکر - بیروت ☆ الہدیة: ۱۶۱/۱، کتاب الصلاة، باب صلاة المریض، ط: یاسر ندیم - دیوبند)

(۳) عن عبد الله بن عمر... أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: أقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب وسدوا الخلل ولينو بأيدي إخوانكم... ولا تذروا فرجات للشيطان ومن وصل صفا وصله الله، ومن قطع صفا قطعه الله. (سنن أبي داود: ۱/۹۷، رقم الحديث: ۶۶۶، کتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، ط: البدر - دیوبند ☆ المجتبی من السنن = السنن الصغرى للنسائي - أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳هـ): ۹۳/۲، رقم الحديث: ۸۱۹، کتاب الإمامة، من وصل صفات: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مکتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

پڑھتا ہے، تو اس کے لیے کرسی وغیرہ رکھنے کی ضرورت نہیں ہے، متولی اور ٹرسٹیوں کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کو ایسے کام سے منع کریں، اور خود معذروں کی بھی ذمہ داری ہے کہ صفوں میں خلل پیدا نہ کریں، پہلی صف میں کرسی وغیرہ رکھنے سے مندرجہ ذیل قباحت لازم آتی ہے:

- ۱- مسجد میں جو شخص پہلے آتا ہے، وہ جہاں چاہے بیٹھ سکتا ہے، اگر کرسی رکھی ہوگی، تو مسجد میں پہلے آنے والا شخص اس جگہ نہیں بیٹھ سکے گا، اور اس طرح جگہ روکنا لازم آئے گا، جو درست نہیں ہے۔
  - ۲- اگر وہ معذور کسی وجہ سے مسجد نہیں آسکا، تو پہلی صف ناقص رہ جائے گی۔
  - ۳- اس میں ضرورت سے زیادہ جگہ روکنا ہے۔
  - ۴- صف توڑنے کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے۔
- لہذا کرسی، ٹیبل وغیرہ مسجد میں رکھنے سے بچنا چاہیے اور مسجد کے فرش پر نیچے بیٹھ کر نماز پڑھنی چاہیے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲] مسافر کا چار رکعت پڑھنا یا پڑھانا

۹۶۰- سوال: اگر کوئی مسافر چار رکعت پڑھ لے، یا پڑھا لے، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامدا ومصليا:

اگر کوئی مسافر چار رکعت پڑھ لے؛ لیکن تعدہ اولیٰ میں بیٹھا ہو اور اخیر میں سجدہ سہو کیا ہو، تو نماز ہو جائے گی؛<sup>[۱]</sup> لیکن اس کے پیچھے مقیم کی نماز نہ ہوگی۔<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] (فلو أتم مسافر إن قعد في) القعدة (الأولى تم فرضه و) لكنه (أساء) لو عا مدا؛ لتأخير السلام، وترك واجب القصر، وواجب تكبيره افتتاح النفل، وخلط النفل بالفرض، وهذا لا يحل... (وما زاد نفل) كمصلي الفجر أربعاً، وإن لم يقعد بطل فرضه) وصار الكل نفلًا لترك القعدة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۲۸، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: زكريا- ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱۳۹/۱، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: زكريا- ديوبند ☆ البحر الرائق: ۲/۲۳۰، كتاب الصلاة، باب المسافر، ط: زكريا- ديوبند)

(۲) ولو نوى الإقامة لا لتحققها بل ل يتم صلاة المقيم لم يصر مقيماً. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله لم يصر مقيماً) فلو أتم المقيمون صلاتهم معه فسدت؛ لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل، ظهيرية. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۳۰، باب صلاة المسافر، قبل: مطلب في الوطن الأصلي ووطن الإقامة، ط: دار الفكر)

### [۳] ایام حج میں مسافر کا امامت کرنا

۹۶۱- سوال: ایام حج میں اگر کوئی شخص امامت کروائے تو قصر و اتمام کے متعلق کیا حکم ہوگا؟

اُس میں ائمہ کے اختلاف سے کیا فرق پڑے گا؟

**الجواب حامدًا ومصلياً:**

منفرد نماز پڑھے یا امام بن کر، ہر حال میں قصر لازم ہے۔ اُس میں ائمہ کے اختلاف سے کوئی فرق

نہیں ہوگا، اگر اتمام کرے گا، تو مکروہ تحریمی کا مرتکب ہوگا، اور وقت کے رہتے ہوئے نماز کا اعادہ لازم ہوگا۔<sup>(۱)</sup>  
فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۴] ایس ٹی کا کنڈیکٹر روزانہ اٹھتر کلومیٹر کا سفر کرے، تو کون سی نماز پڑھے گا؟

۹۶۲- سوال: میں ایس ٹی محکمے میں کنڈیکٹر ہوں، میرا گاؤں پریج ہے، جو بھروچ ضلع میں ہے

، میری ملازمت انگلیشورڈپو میں ہے، روزانہ ۸۷ اٹھتر کلومیٹر سے زیادہ مجھے سفر کرنا ہوتا ہے، تو کیا میں شرعا مسافر کہلاؤں گا یا نہیں؟ نیز میں اپنے گاؤں پریج سے نکل کر بھروچ پہنچوں، تب بھی مجھے سفر کی نماز پڑھنی پڑے گی یا نہیں؟

**الجواب حامدًا ومصلياً**

جب آپ اپنے گاؤں سے اس اردے سے نکلیں، کہ مجھے اٹھتر کلومیٹر دور یا اس سے زیادہ بہ طور

کنڈیکٹر جانا ہے، تو آپ گاؤں کی آبادی سے نکلتے ہی شرعاً مسافر ہوں گے اور آپ پر مسافر کے احکام جاری ہوں گے۔ خواہ اتنی دور روزانہ ہی کیوں نہ جانا پڑتا ہو، اس لیے جب آپ بھروچ پہنچیں، اور نماز ادا کرنی

(۱) و فرض المسافر في الرباعية ركعتان، كذا في الهداية، والقصر واجب عندنا، كذا في الخلاصة فإن صلى أربعاً وقعد في الثانية قدر التشهد أجزأته والأخريان نافله ويصير مسيئلاً لتأخير السلام وإن لم يقعد في الثانية قدرها بطلت، كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۹، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: دار الفكر) وكذا كل صلاة أدت مع كراهة التحريم تجب إعادتها. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۵۷، باب واجبات الصلاة، ط: دار الفكر - بيروت)

پڑے، تو چار رکعات والی نماز بہ طور قصر دو رکعت پڑھیں۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۵] مسافر سفر سے واپس ہوتے ہوئے کہاں پہنچے گا، تو مقیم ہوگا؟

گذشتہ سے بہتہ

۹۶۳-سوال: میں اپنی ملازمت سے واپس اپنے گھر کے لیے جاؤں، تو میں کس جگہ سے شرعاً مقیم شمار کیا جاؤں گا، یعنی میں ملازمت سے فارغ ہو کر جب گھر جاؤں، اور بھروج میں مجھے نماز پڑھنی پڑے، تو میں کون سی نماز پڑھوں مسافر کی یا مقیم کی؟

### الجواب حامدًا ومصلياً:

سفر ختم کر کے اپنے گاؤں کی حدود (قبرستان، عید گاہ، گاؤں کی آبادی) میں داخل ہونے سے آپ مقیم بنیں گے؛ لہذا بھروج میں آپ مسافر ہی رہیں گے اور نماز قصر ادا کریں گے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۶] بس کی سیٹ پر نماز پڑھنا

۹۶۴-سوال: بس کی سیٹ پر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(۱) قال محمد - رحمه الله تعالى - يقصر حين يخرج من مصره ويخلف دور المصر، كذا في المحيط وفي الغياثة هو المختار وعليه الفتوى، كذا في التتارخانية الصحيح ما ذكر أنه يعتبر مجاوزة عمران المصر لا غير إلا إذا كان ثمة قرية أو قرى متصلة برض المصر فحينئذ تعتبر مجاوزة القرى بخلاف القرية التي تكون متصلة ببناء المصر فإنه يقصر الصلاة وإن لم يجاوز تلك القرية، كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۹، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/۲۲۵-۲۳۳، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: دار الكتاب - ديوبند ☆ الهداية في شرح بداية المبتدي: ۱/۸۰، باب صلاة المسافر، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۲۱-۱۲۳، باب صلاة المسافر، ط: دار الفكر)

(۲) وكذا إذا عاد من سفره إلى مصره لم يتم حتى يدخل العمران ولا يصير مسافرًا بالنية حتى يخرج ويصير مقيمًا بمجرد النية، كذا في محيط السرخسي. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۹، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: دار الفكر)

(قولہ حتیٰ یدخل موضع مقامہ) أي الذی فارق بیوتہ سواء دخلہ بنية الاجتياز أو دخلہ لقضاء حاجة لأن مصره متعین للإقامة فلا یحتاج إلى نية جوهره، ودخل فی موضع المقام ما ألحق به كالربض كما أفاده القهستاني. (رد المحتار علی الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۲۳، باب صلاة المسافر، ط: دار الفكر)

**الجواب حامد أومصلياً:**

اگر کسی مقام پر نماز پڑھنے کا موقع نہ ملے، اور نماز کا وقت ختم ہونے کے قریب ہو، تو جس قدر فرانس و اجبات کی رعایت کے ساتھ ممکن ہو، نماز پڑھ لے، نماز بالکل ترک نہ کرے۔<sup>(۱)</sup> ہاں منزل پر پہنچ کر اعادہ کر لے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

**[۷] بس کے انجن کی سیٹ پر نماز پڑھنا**

۹۶۵- سوال: بس کے انجن کی سیٹ پر نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب حامد أومصلياً:**

ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے نماز پڑھ سکتے ہیں، اور سجدے میں سر اور پیشانی ٹک جاتی ہے، تو سجدہ ادا ہو جائے گا، اور اگر سیٹ نہیں ہے اور سجدے میں پیشانی ٹکتی نہ ہو، تو سجدہ ادا نہ ہونے کی وجہ سے نماز ادا نہ ہوگی۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) .. في تيمم الحلية عن المبتغى مسافر لا يقدر أن يصلي على الأرض لنجاستها وقد ابتلت الأرض بالمطر يصلي بالإيماء إذا خاف فوت الوقت اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۴/۳۱، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في القادر بقدره غير ه، ط: دار الفكر)

(۲) وفي الخلاصة وفتاوى قاضي خان وغيرهما الأسير في يد العدو إذا منعه الكافر عن الوضوء والصلاة يتيمم ويصلي بالإيماء ثم يعيد إذا خرج... لأن هذا عذر جاء من قبل العباد فلا يسقط فرض الوضوء عنه اهـ. — فعلم منه أن العذر إن كان من قبل الله تعالى لا تجب الإعادة، وإن كان من قبل العدو جبت الإعادة. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۱/۱۳۹، كتاب الطهارة، باب التيمم، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۳) (أما إذا كان الكور) على رأسه فقط وسجد عليه مقتصراً) أي ولم تصب الأرض جبهته ولا أنفه على القول به (لا) يصح لعدم السجود على محله وبشرط طهارة المكان وأن يجد حجم الأرض والناس عنه غافلون. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله على محله) أي محل السجود الذي هو الجبهة والأنف... (قوله وأن يجد حجم الأرض) تفسيره أن الساجد لو بالغ لا يتسفل رأسه أبلغ من ذلك، فصح على طرفه وحصره وشعره وسريره وعجلة وإن كانت على الأرض لا على ظهر حيوان كبساط مشدود بين أشجار، ولا على أرز أو ذرة إلا في جوارق أو تلج إن لم يلبده وكان يغيب فيه وجهه ولا يجد حجمه، أو حشيش إلا إن وجد حجمه، ومن هنا يعلم الجواز على الطراحة القطن، فإن وجد الحجم جاز وإلا فلا بحر (قوله والناس عنه غافلون) أي عن اشتراط وجود الحجم في السجود على نحو الكور والطراحة، كما يغفلون عن اشتراط السجود على الجبهة في كور العمامة. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۵۰۰، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، مطلب في إطالة الركوع للجاني، ط: دار الفكر) مزيد تفصيل کے لیے دیکھیے سابق سوال: ”بس کی سیٹ پر نماز پڑھنا“۔

## [۸] منی، عرفات اور مزدلفہ میں نمازوں کا حکم

۹۶۶- سوال: میں تاریخ شمسی کے لحاظ سے تین کو مکہ پہنچا تھا، تیرہ تاریخ کو منی میں پہنچا، چودہ تاریخ کو عرفات میں جا کر حج کیا، میں نے حج کے ایام میں نمازیں پوری (چار رکعت) پڑھی ہے، سوال یہ ہے کہ کیا مجھے دوبارہ نمازوں کو قصر کے طور پر دہرانا پڑے گا؟ میرا ارادہ مکہ مکرمہ میں اٹھائیس دن ٹھہرنے کا تھا؛ اس لیے میں نے حج کے ایام میں نمازیں پوری پڑھی تھیں، میرے پیچھے مزید ایک دو آدمیوں نے نماز پڑھی ہے، جو مجھ سے تقریباً پچیس دن پہلے آچکے تھے، تو کیا ان کو بھی اپنی نمازیں دہرانی پڑیں گی؟ بیوقوف تو جروا۔

## الجواب حامدا ومصليا:

آپ کو چوں کہ ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷ تاریخوں میں منی، عرفات اور مزدلفہ میں قیام کرنا ہے اور ان مقامات میں اقامت کی نیت کرنا صحیح نہیں ہے؛ اس لیے ان مقامات میں آپ مسافر کہلائیں گے، لہذا مذہب حنفی کے مطابق آپ کے لیے قصر کرنا واجب تھا، اور چار رکعت والی نماز میں صرف دو رکعت پڑھنا لازم تھا، آپ نے دو کے بجائے چار پڑھی ہے؛ اس لیے (وقت رہتے ہوئے) اعادہ ضروری ہے۔<sup>(۱)</sup> اور وہ حضرات، جو آپ سے پچیس دن سے پہلے مکہ مکرمہ پہنچ چکے ہیں، انہوں نے اگر وہاں اقامت کی نیت کر لی ہے، تو ان کا آپ کے پیچھے پوری نماز پڑھنا صحیح نہیں ہوا، اس لیے ان پر بھی نماز کا اعادہ لازم ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) (فی قصر ان نوى) الإقامة (في أقل منه) أي في نصف شهر (أو نوى) (فيه لكن في غير صالح) أو كنحو جزيرة، أو نوى فيه لكن (بموضعين مستقلين كمكة ومنى) فلو دخل الحاج مكة أيام العشر لم تصح نيته؛ لأنه يخرج إلى منى وعرفة، فصار كنية الإقامة في غير موضعها، وبعد عوده من منى تصح... (فلو أتم مسافر إن قعد في) القعدة (الأولى تم فرضه، و) لكنه (أساء) لو عاود التأخير السلام، وترك واجب القصر، وواجب تكبيرة افتتاح النفل، وخلط النفل بالفرض... (وإن لم يقعد بطل فرضه) وصار الكل نفلا لترك القعدة المفروضة... (وصح اقتداء المقيم بالمسافر في الوقت وبعده فإذا قام) المقيم (إلى الإتمام لا يقرأ) ولا يسجد للسهو (في الأصح) لأنه كاللاحق.

(الدر المختار مع رد المحتار: ۱۲۵/۲-۱۲۸، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: دار الفكر - بيروت)

وكذا كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها. (المصدر السابق: ۱/۲۵۷، باب واجبات الصلاة)

(۲) (فلو أتم المقيمون صلاتهم معه فسدت) لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل ظهيرة. (رد المحتار على الدر المختار:

۱۳۰/۲، باب صلاة المسافر)

## [۹] سفر کے دوران فرض نمازوں کا حکم

۹۶۷- سوال: ایک شخص سفر کی نیت کر کے اپنے وطن سے روانہ ہوا اور تین منزل سفر طے کر کے اسے کسی ایک جگہ پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنا ہے، تو اب اپنے وطن سے اس جگہ تک جاتے ہوئے اور وہاں سے وطن واپس آتے ہوئے سفر کے درمیان کی نمازوں میں قصر کرے گا یا پوری پڑھے گا؟

### الجواب حامدا ومصليا:

اڑتالیس میل کے ارادے سے جب اپنے شہر کے حدود سے نکل جائے گا، تو اسے قصر کرنا ہوگا، شہر کی آبادی سے باہر منزل پر پہنچ کر جب پندرہ دن کے قیام کا ارادہ کرے، تو پوری نماز پڑھے اور راستہ میں ان نمازوں میں قصر کرے گا۔ (شامی، عالمگیری) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۰] مختلف مقامات میں ٹھہرنے کی نیت سے نمازوں کا حکم

۹۶۸- سوال: عمر نے جو ہانس برگ سے ویرلم جاتے ہوئے - جو تقریباً چار سو میل ہے - کا سفر طے کیا ہے، وہ ویرلم میں بارہ دن تک رہے گا، وہاں قیام کے دوران ویرلم کے اطراف میں بھی اس کی آمدورفت رہے گی، جو ویرلم سے تین منزل کے اندر اندر ہے، کبھی اسے رات کا قیام بھی وہیں کرنا پڑے گا، پھر وہ چار دن ڈربن میں رہے گا، ان چار دنوں میں بھی اسے ادھر ادھر تین منزل کے اندر اندر آنا جانا رہے گا، یہ سب مل کر کل سولہ دن ہوں گے، ان سولہ دنوں میں وہ اپنی نمازیں قصر پڑھے یا پوری؟

### الجواب حامدا ومصليا:

مسافر شرعی پر احکام اقامت کے لزوم کے لیے فقط ایک جگہ پندرہ دن کا قیام شرط ہے؛ لہذا صورت مسؤلہ میں قصر ہی کے احکامات جاری ہوں گے؛ اس لیے کہ ویرلم میں بارہ دن کے قیام کا ارادہ ہے، اطراف

[۱] (من خرج من عمارة موضع إقامته)... (قاصدا مسيرة ثلاثة أيام ولياليها)... (بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة صلى الفرض الرباعي ركعتين)... (حتى يدخل موضع مقامه)... (أو ينوي إقامة نصف شهر بموضع واحد (صالح لها) من مصر أو قرية (فيقصر إن نوى) الإقامة (في أقل منه) أي في نصف شهر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۲۱/۲-۱۲۵، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۸، ۱۳۹، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: مكتبة زكريا - ديوبند)

وجوانب میں چار پانچ دن سیر و تفریح کا ارادہ ہے؛ لہذا ایک جگہ پندرہ دن کے قیام کا ارادہ نہیں ہوا: اس لیے وہ مسافر ہی رہے گا۔ (شامی)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۱] ٹھہر ٹھہر کر سفر کرنے کی صورت میں نمازوں کا حکم

۹۶۹- سوال: بکرا اپنے مکان سے چھ سو میل دور ویرلم میں پندرہ دن سے زائد ٹھہرنے کی نیت سے چلا ہے، دوران سفر اسے بعض جگہ ایک دن اور بعض جگہ دو دن ٹھہرتے ہوئے ویرلم جانا ہے، ویرلم جا کر وہاں وہ پندرہ دن سے زائد ٹھہرے گا، لیکن وہاں سے ویرلم کے اطراف وجوانب میں اس کی آمد و رفت محض تفریحاً رہے گی، اب سوال یہ ہے کہ وہ شرعی مسافر ہوگا یا نہیں، نیز وہ اپنی نمازوں میں قصر کرے گا یا اتمام؟

### الجواب حامداً ومصلياً:

تین، چار یا پانچ، چھ سو میل کے سفر کا ارادہ ہے؛ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اول مرحلہ میں اس کا ارادہ کتنے میل سفر کرنے کا ہے، اگر اول مرحلہ میں اڑتالیس میل یا اس سے زیادہ کے سفر کا ارادہ ہے، تو وہ شرعی مسافر ہوگا؛ لہذا اب اگر پندرہ بیس میل پر ایک دو دن کے قیام کا ارادہ ہے، تب بھی اس پر مسافر کے احکام ہی جاری ہوں گے؛ لیکن جب وہ ویرلم یا ڈربن پہنچے گا اور پندرہ دن کے قیام کا ارادہ کر لے گا، تو وہ مقیم ہو جائے گا، اس پر اقامت کے احکام جاری ہوں گے، ویرلم یا ڈربن میں جب اس نے پندرہ دن یا ایک مہینہ کے قیام کا ارادہ کر لیا؛ اور اطراف وجوانب میں اڑتالیس میل سے کم کے سفر پر جائے گا، تو وطن اقامت باطل نہیں ہوگا، اڑتالیس میل سے زائد کے ارادے سے جائے گا، تو وہ مسافر ہو جائے گا اور وطن اقامت باطل ہو جائے گا، ویرلم آ کر دوبارہ پندرہ دن کے قیام کا ارادہ کرے گا، تو مقیم بنے گا، ورنہ مسافر ہی رہے گا۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱-۲) من خرج من عمارة موضع إقامته... قاصداً... ميسرة ثلاثة أيام ولياليها (باليسر الواسط مع الاستراحات المعتادة)... صلى الفرض الرباعي ركعتين... (حتى يدخل موضع مقامه)... (أو ينوي) (إقامة نصف شهر) (بموضع) واحد (صالح لها) من مصر أو قرية... (فيقصر إن نوى) الإقامة (في أقل منه) أي في نصف شهر. (أو) نوى (فيه لكن في غير صالح) الخ... الإقامة أصل إلا إذا قصدوا موضعاً بينهما مدة السفر فيقصر ون إن نوى وسفراً وإلا لا. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۲۱/۲-۱۲۸، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۱۳۸/۱، ۱۳۹، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: مكتبة زكريا-ديوبند)



## [۱۲] ملازمت کرنے والا جب اپنے وطن اصلی آئے تو اس کی نمازوں کا حکم

۹۷۰- سوال: احمد اپنے آبائی وطن سے تقریباً سو میل کی مسافت پر تدریسی خدمت انجام دے رہا ہے، چھٹیوں میں وہ اپنے والدین کے گھر پر آتا رہتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا جب وہ اپنے والدین کے گھر پر آئے گا تو اس وقت وہ اپنی نمازوں میں قصر کرے گا یا اتمام؟ نیز شادی کے بعد اگر وہ عارضی طور پر یا مستقل طور پر اپنی اس ملازمت والی جگہ پر جائے، اور مکان کرائے پر لے کر یا خرید کر وہاں رہنے لگے، تو کیا اس صورت میں جب وہ اپنے والدین کے گھر ملاقات کے لیے آیا کرے گا، تو وہ مسافر شمار ہوگا یا مقیم؟ اور راستہ میں آتے جاتے ہوئے وہ اپنی نمازوں میں قصر کرے گا یا اتمام؟

## الجواب حامدا ومصليا:

احمد کا تولد جس جگہ ہوا ہے، وہ اس کا وطن اصلی ہے، ملازمت والا مکان وطن اقامت ہے؛ لہذا والدین کے پاس آنے جانے سے بلا کسی نیت کے اس پر اقامت کے احکام جاری ہوں گے۔<sup>(۱)</sup> ملازمت والی جگہ پر جب بھی جائے گا، وہاں پر پندرہ دن سے زیادہ اگر ٹھہرنے کا ارادہ کرے گا، تو اس پر اقامت کے احکام جاری ہوں گے، ورنہ اس پر سفر کے احکام ہی جاری ہوں گے۔<sup>(۲)</sup> ملازمت والے شہر میں اگر مکان خرید لیا یا کرایہ پر لے لیا اور وہاں ہمیشہ ہمیش کے لیے رہنے کا ارادہ کر لیا ہے، تو یہ اب اس کا وطن اصلی ہو جائے گا اور اپنے والدین کے مکان پر جانے سے وہ مسافر ہوگا۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۳] مسافر کسی ایک جگہ پندرہ دن اقامت کی نیت کرنے سے مقیم ہو جاتا ہے

۹۷۱- سوال: میں جتالی سے بمبئی ٹریننگ حاصل کرنے کے لیے آیا ہوں؛ لیکن مجھے بمبئی میں

(۱) ویبطل (وطن الإقامة بمثلہ و) بالوطن (الأصلي). (الدر المختار) قال الشامي: (قوله ويبطل وطن الإقامة) ... وهو ما خرج إليه بنية إقامة نصف شهر. (رد المحتار: ۲/۱۳۲، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الإقامة، ط: دار الفکر)

(۲) ولا يزال على حكم السفر حتى ينوي الإقامة في بلدة أو قرية خمسة عشر يوما أو أكثر. (الفتاوى الهندية: ۱۳۹/۱، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: دار الفکر)

(۳) أن يتوطن في بلدة أخرى وينقل أهل إليها فيخرج الأول من أن يكون وطنا أصليا حتى لو دخله مسافر الا يتم.

(البحر الرائق: ۲/۱۳۷، باب صلاة المسافر، ط: دار الكتب العلمية)

کتنے دن رہنا ہے، میں نے یہ متعین نہیں کیا، تو مجھے قصر نماز کب تک پڑھنی پڑے گی؟

### الجواب حامدا ومصليا:

مسافر جب تک ایک جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کرے، اس وقت تک اس کے لیے قصر کرنا ضروری ہے۔ آپ ٹریننگ کے لیے آئے ہیں۔ اب اگر آپ نے پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی ہے، تو آپ مقیم ہو جائیں گے، پوری نماز پڑھنی پڑے گی۔ اور اگر کوئی نیت نہیں ہے، تو بغیر نیت کے آٹھ، دس، بیس، پچیس مہینے بھی رہیں گے، تب بھی آپ مقیم نہ ہوں گے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۱۳] قیم کا مسافر امام کی اقتداء میں نماز ادا کرنا

۹۷۲- سوال: ہمارے یہاں مسافر خانہ میں کوئی بھی شخص نماز پڑھا دیتا ہے، خواہ وہ مسافر ہو یا مقیم، اب بہت سی مرتبہ میں جماعت میں تاخیر سے شامل ہوتا ہوں، تو مجھے کس طرح نیت کر کے نماز پڑھنی چاہیے، مثلاً امام مسافر ہے، قعدہ اخیرہ میں ہے، میں نے اس کی قعدہ اخیرہ میں اقتداء کی، جب کہ میں مقیم ہوں، مجھ پر قصر نہیں ہے، اب مجھے امام کے سلام پھیرنے کے بعد پتہ نہیں چلا کہ چار رکعت پڑھانی یا دو رکعت؟ تو ایسی صورت میں میری نماز مکمل شمار ہوگی یا نہیں؟

### الجواب حامدا ومصليا:

اولاً تو آپ نماز باجماعت پڑھنے کے لیے امام کا انتظام کیجیے؛ تاکہ مذکورہ مسائل پیدا ہی نہ ہوں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ امام مسافر ہو، تو وہ دو رکعت پر سلام پھیر کر فوراً اعلان کرے کہ ”میں مسافر ہوں، مقیم حضرات اپنی نماز مکمل کر لیں“۔ اس اعلان سے آپ کو بھی امام کے مسافر ہونے کی اطلاع ہو جائے گی، اور آپ چوں کہ مقیم ہیں؛ اس لیے اب آپ کو چار رکعت ہی پڑھنی ہوگی اور اگر امام مسافر ہے اور مقتدی بھی مسافر ہے، تو اس صورت میں بھی کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے، سب کو دو ہی رکعت پڑھنی ہے؛ لیکن مقتدی

(۱) ولایزال علی حکم السفر، حتی ینوی الإقامة فی بلدة أو قرية خمسة عشر یوماً أو أكثر... الخ "ولو دخل مصر علی عزم أن ینخرج غداً أو بعد غد ولم ینو مدة الإقامة حتی بقی علی ذلك سنین قصر". (الهدایة- علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل الفرغانی المرغینانی، أبو الحسن برهان الدین (م: ۵۹۳ھ): ۱/۱۶۶، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: یاسر ندیم اینڈ کمپنی- دیوبند ☆ رد المحتار: ۲/۲۰۶-۲۰۷، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: مکتبہ زکریا- دیوبند)

حضرات مقیم ہوں اور امام مسافر ہوں، تو اس صورت میں پریشانی ہوگی کہ وہ چار رکعت پڑھے، یا دو رکعت پڑھے؛ اس لیے اس پریشانی کو دور کرنے کے لیے مسافر خانہ میں ایک نوٹ لکھ کر لگا دیں کہ جو بھی شخص امامت کرائے، وہ اعلان کر دے کہ وہ مسافر ہے یا مقیم، ورنہ تو حنفی مذہب کے مطابق بہت سی پریشانیاں کھڑی ہوں گی، اس لیے کہ حنفی مذہب میں قصر کرنا واجب ہے، اب اس صورت میں، جب کہ امام مسافر ہے اور مقتدی حضرات مقیم ہیں، امام کے لیے تو دو رکعت پر بیٹھنا فرض ہے؛ کیوں کہ اس کے حق میں دوسری رکعت کا قعدہ قعدہ اخیرہ ہے اور یہ قعدہ فرض ہے، اب قعدہ کرنے کے بعد سلام سے قبل تیسری یا چوتھی رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا، تو سلام میں تاخیر کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوگا، اگر اس نے سجدہ سہو نہ کیا، تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۱۵] سفر شرعی کی مقدار

۹۷۳- سوال: شرعی اعتبار سے سفر کے احکام کتنی مسافت پر جاری ہوں گے؟

**الجواب حامد اوصلیا:**

شرعی سفر جس سے نماز میں قصر واجب ہوتا ہے ۴۸ میل ہے جس کے ۷۶ کیلومیٹر ۸۰۰ سینٹی میٹر ہوتے ہیں؛ اس لیے ۷۷ کیلومیٹر کے سفر کے ارادہ سے اپنے گاؤں سے نکلا ہے، تو شہر یا فناء شہر کو چھوڑتے ہی سفر کے احکام جاری ہوں گے۔<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] (وصح اقتداء المقيم بالمسافر في الوقت وبعده، فإذا قام المقيم (إلى الإتمام لا يقرأ) ولا يسجد للسهو (في الأصح) لأنه كاللاحق، والقعدتان فرض عليه، وقيل لا (ونذب للإمام) هذا يخالف الخانية وغيرها أن العلم بحال الإمام شرط؛ لكن في حاشية الهداية للهندي الشرط العلم بحاله في الجملة لا في حال الابتداء. وفي شرح الإرشاد ينبغي أن يخبرهم قبل شروعه وإلا بعد سلامه (أن يقول) بعد التسليمين في الأصح «أتموا صلواتكم فإني مسافر» لدفع توهم أنه سها، ولو نوى الإقامة لا لتحقيقها بل لتمام صلاة المقيمين لم يصبر مقيماً، وأما اقتداء المسافر بالمقيم فيصح في الوقت ويتم لا بعده فيما يتغير. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: دار الفكر ☆ الهداية: ۱/ ۱۶۶ - ۱۶۷، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: مكتبة ياسر نديم ايند كمنپي - ديوبند)

[۱] (فاصداً مسيرة ثلاثة أيام ولياليها) من أقصر أيام السنة... (بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة) أي سير الإبل ومشى الأقدام ويعتبر في الجبل بما يناسبه من السير وكذا ما في الفتح من أنه قليل يقدر بواحد وعشرين =

## [۱۶] مسافتِ سفر میں طویل و قریب دور استتوں میں سے کس کا اعتبار ہوگا؟

۹۷۴- سوال: میں اپنے گاؤں سے اطراف کے دیہاتوں میں تجارت کے لیے سفر کرتا ہوں، گاؤں سے نکل کر واپس لوٹنے تک کی مسافت ۴۸ میل سے زیادہ ہوتی ہے؛ لیکن ان میں کوئی ایسا گاؤں نہیں کہ اگر میں اپنے گاؤں سے سیدھا اس گاؤں پہنچوں تو ۴۸ میل ہو جائے، تو کیا مجھ پر سفر کے احکام جاری ہوں گے یعنی: قصر واجب ہوگی یا مکمل نماز پڑھنی ہوگی؟

## الجواب حامدا ومصليا:

آپ جس راستے سے سفر کرتے ہیں اسی راستے کے اعتبار سے حکم لگے گا، یعنی اگر آپ نے ۷۷ رطلو میٹر والا راستہ اختیار کیا ہے، تو اس سے آپ مسافر شمار ہوں گے اور اگر ۷۷ ر سے کم مسافت کا راستہ اختیار کیا ہے، تو مسافر نہ ہوں گے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۷] مسافر کب قصر کرے اور کب اتمام؟

۹۷۵- سوال: ہمارے یہاں والور میں ایک شخص بہ تاریخ ۱۵/۲/۱۹۸۲ پیر کے دن نوکری کی تلاش میں شرعی سفر طے کر کے آیا، ملازمت ملنے کی وجہ سے اس نے وہیں اقامت اختیار کر لی، پھر اس نے ارادہ کیا کہ ۲۹/۲/۱۹۸۲ اتوار کے دن واپس گھر جا کر اہل و عیال کو ساتھ لے آئے، تو کیا وہ اس دوران مکمل نماز پڑھے گا یا قصر کرے گا؟ اگر قصر کا حکم ہے، تو مکمل پڑھی ہوئی نمازوں کا کیا ہوگا یا اس درمیان

= فرسخا وقیل بثمانیة عشر وقیل بخمسة عشر ثم اختلفوا فقیل: واحد وعشرون، وقیل: ثمانية عشر، وقیل: خمسة عشر والفتویٰ علی الثاني لأنه الأوسط. وفي المجتبیٰ فتویٰ أئمة خوارزم علی الثالث. وجه الصحيح أن الفراسخ تختلف باختلاف الطريق في السهل والجبل والبر والبحر. (رد المحتار: ۲/۲۰۰ - ۲۰۳، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: مکتبہ زکریا - دیوبند، الفتاویٰ الہندیة: ۱/۱۳۸، کتاب الصلاة، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر، ط: مکتبہ زکریا - دیوبند)

(۱) فإذا قصد بلدة وإلى مقصده طريقان، أحدهما مسيرة ثلاثة أيام ولياليها، والآخر دونها، فسلك الطريق الأبعد كان مسافرا عندنا، هكذا في فتاوى قاضي خان، وإن سلك الأقصر يتم، كذا في البحر الرائق. (الفتاوى الہندیة: ۱/۱۳۸، کتاب الصلاة، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر، ط: دار الفکر، رد المحتار: ۲/۲۰۳، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: مکتبہ زکریا - دیوبند)

اگر امامت کرائی ہو، تو ان نمازوں کا کیا حکم ہوگا؟

### الجواب حامدا ومصليا:

مسافر ہونے کے بعد جب تک مستقل ۱۵ دن ٹھہرنے کا ارادہ نہ کرے، اس وقت تک وہ مسافر ہی شمار ہوگا، قصر کرنا واجب ہوگا۔ اس دوران اگر امامت کرائے گا، تو دو رکعت پر سلام پھیرنے کے بعد اعلان کر دے کہ میں مسافر ہوں، مقیم حضرات اپنی اپنی نماز مکمل کر لیں۔ (ہاں اگر مسافر نے مقیم امام کے پیچھے مکمل نماز پڑھنے کی نیت کی، تو اس کی نماز ادا ہو جائے گی) اگر مسافر امام نے مکمل نماز (چار رکعت) پڑھائی، تو اس صورت میں مقتدیوں کی نماز صحیح نہ ہوگی؛ البتہ امام کی نماز صحیح ہو جائے گی؛ اس لیے کہ امام کی پہلی دو رکعت فرض تھی اور تیسری اور چوتھی رکعت نفل تھی اور اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>

اور اگر مسافر نے مستقل پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لی، تو اب چار رکعت والی نماز میں اس کا امامت کرنا صحیح ہو جائے گا، اس لیے کہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرنے کی وجہ سے وہ مقیم ہو گیا۔ پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ کیا؛ لیکن کسی ضروری کام کی وجہ سے کہیں جانا پڑا، تو وہ پھر دوبارہ مسافر ہو جائے گا، اب اگر دوبارہ اقامت کی نیت کرے گا، تو ہی مقیم کے احکام اس پر جاری ہوں گے، ورنہ نہیں۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

(۱) اقتداء المفترض بالمتنفل لا يجوز عندنا. (المحيط البرهاني: ۴۰۶/۱، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر في التغني والألحان، ط: دار الكتب العلمية ☆ الهداية: ۱۲۷/۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: مكتبة ياسر نديم اينڈ کمپنی - دیوبند ☆ الفتاویٰ الہندیہ: ۸۶/۱، كتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره، ط: دار الفكر)

(۲) لا يزال على حكم السفر حتى ينوي الإقامة في بلدة أو قرية خمسة عشر يوما أو أكثر وإن نوى أقل من ذلك قصر " وإن صلى المسافر بالمقيمين ركعتين سلم وأتم المقيمون صلاتهم " لأن المقتدي التزم الموافقة في الركعتين فينفر دفي الباقي كالمسوق إلا أنه لا يقرأ في الأصح " ويستحب للإمام إذا سلم أن يقول أتموا صلاتكم فإنما قوم سفر " لأنه عليه الصلاة والسلام قاله حين صلى بأهل مكة وهو مسافر " وإن صلى أربعا وقعد في الثانية قدر التشهد أجزأه الأوليان عن الفرض والأخريان له نافلة " وإن لم يقعد في الثانية قدرها بطلت " لاختلاط النافلة بها قبل إكمال أركانها ". (الهداية: ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: مكتبة ياسر نديم اينڈ کمپنی - دیوبند ☆ الفتاویٰ الہندیہ: ۱۳۲/۱، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: مكتبة زكريا - دیوبند)

## [۱۸] مسافر پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے

۹۷۶- سوال: مسافر پر نماز جمعہ فرض ہے یا نہیں نیز مسافر نماز جمعہ کی امامت کرا سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

مسافر پر نماز جمعہ فرض نہیں ہے؛ مگر جب جمعہ میں حاضر ہوگا، تو اس کی نماز جمعہ ادا ہو جائے گی؛ لہذا امامت کرے گا، تو مقيم مقتدیوں کی نماز درست ہو جائے گی۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

## [۱۹] وطن اصلی میں اتمام ضروری ہے، خواہ ایک دن ہی ٹھہرنے کا ارادہ کیوں نہ ہو

۹۷۷- سوال: میں کبھی کبھی کرمالی اپنے وطن اصلی آتا ہوں، تو کیا مجھ پر قصر واجب ہوگی یا مکمل

نماز پڑھنی پڑے گی؟ حالاں کہ میں کرمالی میں صرف دو دن کا مہمان رہتا ہوں۔

**الجواب حامدا ومصليا:**

وطن اصلی: وہ ہے جہاں انسان کی ولادت ہوئی ہو اور وہاں اس نے ہمیشہ کے لیے رہنے کا ارادہ کر لیا ہو۔ وطن واقامت: انسان جس جگہ کسی کام یا پیشہ وغیرہ کے لیے رہتا ہو، اگر چہ وہ ۵۰/۴۰ سال تک رہے؛ لیکن اس نے اس کو وطن اصلی نہیں بنایا ہے، اس کو ہمیشہ کے لیے قیام گاہ کے طور پر منتخب نہیں کیا ہے، مگر وہاں ۱۵ دن ٹھہرنے کی نیت کرتا ہے، تو اب وہ مقيم ہو جائے گا، اسے پوری نماز پڑھنی پڑے گی۔

آپ کا وطن کرمالی ہے اور آپ نے اس کو ترک نہیں کیا ہے؛ بل کہ وقتاً فوقتاً آپ آتے رہتے ہیں، معلوم ہوا کہ کرمالی کو آپ نے اپنا وطن اصلی باقی رکھا ہے؛ اس لیے کرمالی آکر آپ پوری نماز پڑھیں گے۔ اور اگر آپ نے کرمالی کو چھوڑ دیا اور یہ نیت کی کہ احمد آباد میں ہی اب ہمیشہ رہوں گا، خواہ ملازمت باقی رہے یا نہ رہے، تو اب کرمالی وطن اصلی باقی نہیں رہے گا، اب جب تک آپ کرمالی میں پندرہ دن واقامت کی نیت

(۱) "ویجوز للمسافر والعبد المریض أن يؤم في الجمعة". (الهدایة: ۱/ ۱۶۷، کتاب الصلاة، باب صلاة

الجمعة، ط: مکتبہ یاسر ندیم اینڈ کمپنی - دیوبند ☆ البحر الرائق: ۲/ ۲۶۶، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط:

نہیں کریں گے، اس وقت تک آپ یہاں آنے کے بعد مسافر ہی شمار ہوں گے اور آپ کو قصر ہی کرنی پڑے گی۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۰] مسافر نے بھول سے ظہر کی چار رکعت پڑھ لی تو کیا حکم ہے؟

۹۷۸- سوال: ۱۵۰: ایک آدمی نے ترکیسر سے بمبئی کا سفر کیا، تو کیا وہ مسافر ہو گیا؟ اس کی دوہی

دن ٹھہرنے کی نیت تھی، دوسرے تین آدمی بھی اس کے ساتھ تھے؛ اس شخص نے ظہر کی نماز امام بن کر پڑھائی؛ لیکن قصر کرنا بھول گیا اور تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا اور اس کو تیسری رکعت میں یاد آ گیا کہ وہ مسافر ہے، اس کے باوجود وہ نہیں بیٹھا اور چار رکعت پوری کر لی، تو کیا ظہر کی فرض نماز ادا ہوئی یا نفل؟ اور اگر کوئی جان بوجھ کر سفر کی حالت میں قصر نہ کرے، تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور پیچھے تین مقتدیوں میں سے کسی ایک مقتدی نے دو رکعت پر بیٹھ کر سلام پھیر دیا، تو اس کا کیا حکم ہے، اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں اور سفر کی حالت میں سنت کا کیا حکم ہے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

جان بوجھ کر اگر کوئی مسافر قصر نہ کرے اور چار رکعت پڑھ لے، تو نماز کا اعادہ کرنا واجب ہے، ہاں اگر

بھول سے ایسا ہو گیا ہو، تو سجدہ سہو واجب ہے، اگر سجدہ سہو بھی نہیں کیا، تو اعادہ صلاۃ واجب ہے۔ (شامی: ۲/۱۲۸)<sup>[۲]</sup>

(۱) والوطن الأصلي هو وطن الإنسان في بلدته أو بلدة أخرى اتخذها دارا وتوطن بها مع أهله وولده، وليس من قصده الارتحال عنها بل التعيش بها وهذا الوطن يبطل بمثله لا غير، وأما وطن الإقامة فهو الوطن الذي يقصد المسافر الإقامة فيه، وهو صالح لها نصف شهر. (البحر الرائق: ۲/۲۳۹، كتاب الصلاة، باب المسافر، ط: زكريا- ديوبند) ☆ رد المحتار: ۲/۶۱۳، كتاب الصلاة، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الإقامة، ط: مكتبة زكريا- ديوبند

[۱] (فلو أتم مسافر إن قعد في) القعدة (الأولى تم فرضه و) لكنه (أساء) لو عاد لتأخير السلام وترك واجب القصر وواجب تكبيرة افتتاح النفل وخلط النفل بالفرض، وهذا لا يحل كما حرره القهستاني بعد أن فسر أساء بأتم واستحق النار (وما زاد نفل) كمصلي الفجر أربعا (وإن لم يقعد بطل فرضه) وصار الكل نفلا لترك القعدة المفروضة. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله وصار الكل نفلا) أي بتقييده الثالثة بسجدة لتمكنه من العود قبلها وهذا عندهما بناء على أنه إذا بطل الوصف لا يبطل الأصل خلافا لمحمد. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۲۸، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: دار الفكر- بيروت)

وفرض المسافر في الرباعية ركعتان، كذا في الهداية، والقصر واجب عندنا، كذا في الخلاصة فإن صلى أربعا وقعد في الثانية قدر التشهد أجزأه والأخريان نافلة ويصير مسينا لتأخير السلام وإن لم يقعد في الثانية قدرها بطلت، كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۹، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: دار الفكر)

دورکعت پر قعدہ کرنے کے بعد جو دورکعت پڑھی ہے وہ نفل ہے اور جس مقتدی نے دورکعت کے بعد سلام پھیر دیا، اس کی نماز صحیح ہے، اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ (شامی صفحہ ۵۹۲) [۱]

سفر میں سنتیں پڑھنی چاہیے، جب کہ وقت ہو اور کوئی جلدی نہ ہو، دوران سفر سوائے فجر کے دوسری نماز کی سنتوں کو چھوڑنا جائز ہے، اپنی منزل پر پہنچنے کے بعد سنتیں پڑھنا افضل ہے۔ (درمختار) [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۱] ایک ہی شہر کی مختلف جگہوں پر پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت ہو تو؟

۹۷۹- سوال: ہماری تبلیغی جماعت چار مہینہ کے لیے بنگلور شہر میں آئی ہے، پورے چار مہینہ شہر ہی میں رہنے کا ارادہ ہے اور بنگلور میں کل ۲۶ حلقے ہیں، جو تقریباً ۳۰ سے ۴۰ کلومیٹر کے علاقہ میں پھیلے ہوئے ہیں، اور ہر حلقہ میں زیادہ سے زیادہ ۲ ہفتہ ۱۴ دن کا قیام ہے، تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ ہمیں نماز قصر کرنی ہوگی یا پوری ادا کرنی ہوگی؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

صورت مسئلہ میں۔ کہ بنگلور شہر میں ہی چھبیس حلقے ہیں اور چار مہینہ چھبیس حلقے میں چودہ دن یا اس

[۱] (وأربعة أشياء إذا تعمد الإمام لا يتابعه المقتدي) زاد في صلاته سجدة عمدا،... أو قام إلى الخامسة ساھيا. كذا في الوجيز للكردي، فإن لم يقيد الخامسة بالسجدة وعاد وسلم سلم المقتدي معه وإن قيد الخامسة بالسجدة سلم المقتدي. (الفتاوى الهندية: ۱/۹۰، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل السادس فيما يتابع الإمام وفيما لا يتابعه، ط: دار الفكر)

[۲] (ويأتي) المسافر (بالسنن) إن كان (في حال أمن وقرار وإلا) بأن كان في خوف وفرار (لا) يأتي بها هو المختار لأنه ترك لعذر تجسس، قيل إلا سنة الفجر. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله هو المختار) وقيل الأفضل الترك ترخيصا، وقيل الفعل تقربا. وقال الهندواني: الفعل حال النزول والترك حال السير، وقيل يصلي سنة الفجر خاصة، وقيل سنة المغرب أيضا بحر قال في شرح المنية والأعدل ما قاله الهندواني. اهـ.

قلت: والظاهر أن ما في المتن هو هذا وأن المراد بالأمن والقرار النزول وبالخوف والفرار السير لكن قدمنا في فصل القراءة أنه عبر عن الفرار بالعجلة لأنها في السفر تكون غالبا من الخوف تأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۳۱/۲، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، قبيل: مطلب في الوطن الأصلي ووطن الإقامة، ط: دار الفكر ☆ (الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۹، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: دار الفكر)



سے کم دن کے اعتبار سے گزارنے ہیں۔ پوری نماز پڑھنی پڑے گی؛ کیوں کہ بنگلور شہر میں چار مہینے ٹھہرنے کی نیت ہے اور یہ ایک جگہ اقامت کرنے کے حکم میں ہے۔ (شامی)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۲] مسافت سفر پر جانے والا بس ڈرائیور قصر کرے گا

۹۸۰- سوال: ایک بس ڈرائیور ہے، جو مانڈوی کا باشندہ ہے، وہ بس لے کر ۸۰ سے ۱۰۰ کلومیٹر تک جاتا ہے، وہاں زیادہ سے زیادہ تیس (۳۰) منٹ ٹھہرتا ہے۔ اب وہاں نماز کا وقت ہو جائے۔ تو وہ نماز میں قصر کرے گا یا پوری پڑھے گا؟

### الجواب حامد او مصليا:

۷۷ کلومیٹر سے زیادہ یا ۷۷ کلومیٹر تک جانے والے ڈرائیور کو جہاں بس لے کر جانا ہے، وہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنا ہو، تو قصر کرے گا۔ مذکورہ ڈرائیور ۸۰ کلومیٹر جاتا ہے اور صرف تیس منٹ ٹھہرتا ہے، تو وہ قصر کرے گا اور چار رکعت والی فرض نماز دو ہی رکعت پڑھے گا۔ (عالم گیری)<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] كما لو نوى مبيته بأحدهما أو كان أحدهما تبعا للآخر بحيث تجب الجمعة على ساكنه للاتحاد حكما. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله أو كان أحدهما تبعا للآخر) كالقرية التي قربت من المصر بحيث يسمع النداء على ما يأتي في الجمعة وفي البحر لو كان الموضعان من مصر واحد أو قرية واحدة فإنها صحيحة لأنهما متحدان حكما ألا ترى أنه لو خرج إليه مسافر الم يقصر. اهـ. ط. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۲۶، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: دار الفكر - بيروت)

ولو نوى الإقامة خمسة عشر يوما في موضعين فإن كان كل منهما أصلا بنفسه نحو مكة ومنى والكوفة والحيرة لا يصير مقيما وإن كان أحدهما تبعا للآخر حتى تجب الجمعة على ساكنه يصير مقيما. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۰، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: دار الفكر)

قيد بالمصريين ومراده مضعان صالحان للإقامة، لافرق بين المصرين أو القريتين أو المصر والقرية، للاحتراز عن نية الإقامة في موضعين من مصر واحد أو قرية واحدة فإنها صحيحة؛ لأنهما متحدان حكما، ألا ترى أنه لو خرج إليه مسافر الم يقصر. (البحر الرائق: ۲/۱۳۳، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۲] أقل مسافة تتغير فيها الأحكام مسيرة ثلاثة أيام، كذا في التبيين، هو الصحيح، كذا في جواهر الأخلاطي الأحكام التي تتغير بالسفر هي قصر الصلاة وإباحة الفطر... الخ... والمعتبر السير الوسط، كذا في السراجية وهو سير الإبل ومشى الأقدام في أقصر أيام السنة، كذا في التبيين،... ولا معتبر بالفراسخ هو الصحيح، كذا في الهداية... وتعتبر المدة من أي طريق أخذ فيه، كذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۸، كتاب الصلاة،

الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: دار الفكر)

## [۲۳] مسافتِ سفر میں فناءِ مصر کا اعتبار

۹۸۱- سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ مذہب مسئلہ ذیل کے متعلق کہ:

زید شہر ڈھا کہ کے محلہ خواجہ دیوان میں مقیم بہ وطن اقامت ہے، اگر یہ پندرہ دن سے کم کے لیے اتنی دور کا سفر کرے کہ منزل مطلوب تک محلہ خواجہ دیوان سے ۵۰ میل کی مسافت ہو جاتی ہے، جو کہ مسافتِ سفر شرعی ہے؛ لیکن اگر محلہ کے بجائے شہر کی اُن حدود سے مسافت شمار کی جائے، جن کو وہ عبور کر کے نکلا ہے، تو مسافتِ سفر شرعی پوری نہیں ہوتی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورتِ مذکورہ میں زید حدودِ شہر سے باہر رہنے کی مدت میں، آیا ابتداءً سفر کا اعتبار محلے ہی سے کرتے ہوئے وہ مسافر شمار ہوگا، یا احاطہ حدودِ شہر کا اعتبار کرتے ہوئے وہ مقیم شمار ہوگا؟ جواب مدلل و مفصل باحوالہ تحریر کر کے ممنون فرمائیں۔

## الجواب حامدًا ومصليًا:

فقہاء کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ فناءِ مصر داخلِ مصر ہے۔<sup>(۱)</sup> لہذا فناءِ مصر کے عبور کے بعد ہی مسافت

= ولا يزال على حكم السفر حتى ينوي الإقامة في بلدة أو قرية خمسة عشر يوماً أو أكثر، كذا في الهداية.

(حوالہ سابق: ۱۳۹/۱ ☆ البحر الرائق: ۲/۲۳۰، کتاب الصلاة، باب المسافر، ط: دار الكتاب - دیوبند)

فالذي يصير المقيم به مسافراً، نية مدة السفر، والخروج من عمران المصر، فلا بد من اعتبار ثلاثة أشياء: أحدها: مدة السفر، وأقلها غير مقدر عند أصحاب الظواهر، وعند عامة العلماء مقدر، واختلفوا في التقدير قال أصحابنا: مسير ثلاثة أيام سير الإبل ومشى الأقدام وهو المذكور في ظاهر الروايات. وروي عن أبي يوسف يومان وأكثر الثالث، وكذا روى الحسن عن أبي حنيفة وابن سماعه عن محمد، ومن مشايخنا من قدره بخمسة عشر فرسخاً وجعل لكل يوم خمس فراسخ، ومنهم من قدره بثلاث مراحل. (بدائع الصنائع: ۱/۹۳، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يصير به المقيم مسافراً، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

نوٹ: ۳۸ میل کی مسافت سفر شرعی کے لیے لازم ہے، میل دو طرح کا ہوتا ہے، میل انگریزی اور میل شرعی، میل انگریزی کے حساب سے ۳۸ میل کے ۷۷ کلومیٹر ہوتے ہیں۔ (حضرت مفتی صاحب نے اسی کو اختیار کیا ہے، ہندوستانی علماء کی بڑی تعداد اسی کی قائل ہے۔) جب کہ میل شرعی کے حساب سے ۳۸ میل کے ۸۷ کلومیٹر ہوتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: الاوزان المحمودہ)

(۱) (قوله من خرج من عمارة موضع إقامته)... وأشار إلى أنه يشترط مفارقة ما كان من توابع موضع الإقامة كربض مصر، وهو ما حول المدينة من بيوت ومساكن، فإنه في حكم المصر، وكذا القرى المتصلة بالربض في الصحيح... وأما الفناء وهو المكان المعد لمصالح البلد كرض الدواب ودفن الموتى وإلقاء التراب، فإن اتصل بالمصر اعتبر مجاوزته وإن انفصل بغلوة أو مزرعة فلا. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۲، باب صلاة المسافر)

سفر کا اعتبار کیا جائے گا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ عمل جسے امام بخاریؒ نے نقل فرمایا ہے؛ اُس سے یہ واضح ہوتا ہے:

وخرج علي بن أبي طالب - رضي الله عنه - فقصر وهو يرى البيوت، فلما رجع قيل له هذه الكوفة قال: لا حتى ندخلها. (بخاری: ۱/۱۳۸) [۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ فناء مصر شہر میں داخل ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله عنه، قال: صليت الظهر مع النبي صلى الله عليه وسلم بالمدينة أربعاء، والعصر بذي الحليفة ركعتين. (بخاری: ۱/۱۳۸) [۳]

الغرض صورت مسؤلہ میں زید مقیم شمار ہوگا؛ کیوں کہ وہ جہاں گیا ہے، وہ جگہ سفر شرعی کی مسافت کے بر قدر نہیں ہے۔ (۴) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] صحیح البخاری: ۱/۱۳۸، رواہ تعليقا، کتاب الصلاة، أبواب تقصير الصلاة، باب يقصر إذا خرج من موضعه، ط: البدر - دیوبند.

عن علي بن ربيعة قال: "خرجنا مع علي بن أبي طالب رضي الله عنه متوجهين ههنا، وأشار بيده إلى الشام فصلى ركعتين ركعتين، حتى إذا رجعنا ونظرنا إلى الكوفة حضرت الصلاة، فقالوا: يا أمير المؤمنين، هذه الكوفة تتم الصلاة؟ قال: "لا، حتى ندخلها". (السنن الكبرى - أبو بكر البيهقي (م: ۵۸۵هـ) - ۳/۲۰۹، رقم الحديث: ۵۳۲۸، جماع أبواب صلاة المسافر والجمع في السفر، باب: لا يقصر الذي يريد السفر حتى يخرج من بيوت القرية، ثم يقصر حتى يدخل أدنى بيوتها، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

[۳] صحیح البخاری: ۱/۱۳۸، رقم الحديث: ۱۰۸۹، کتاب الصلاة، أبواب تقصير الصلاة، باب يقصر إذا خرج من موضعه، ط: البدر - دیوبند.

(۴) إذا جاوز المقيم عمران مصره قاصدا مسيرة ثلاثة أيام ولياليها... يلزمه قصر الصلاة. (قاضي خان مع الهندية: ۱/۱۶۳، باب صلاة المسافر، ط: زكريا - ديوبند الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۹، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: زكريا - ديوبند البحر الرائق: ۱/۲۲۶، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: زكريا - ديوبند)

واضح رہے کہ مسافت سفر کا آغاز کہاں سے ہوگا؟ اس موضوع پر اسلامک فقہ اکیڈمی - انڈیا کا باضابطہ سمینار منعقد ہو چکا ہے۔ اس سمینار کا ایک سوال یہی تھا کہ "ایسا شخص جو ایسے مقام کا سفر کر رہا ہو، جو شہر کی انتہائی حدود سے تو ۳۸ میل کے فاصلے پر نہ ہو، لیکن اس کے گھر کے پاس سے ۳۸ میل کا فاصلہ ہو، تو وہ قصر کرے گا یا اتمام؟

عارض مسئلہ نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں مقالہ نگار کی دو طرح کی آراء ہیں، ۲۳ مقالہ نگار حضرات تو اس حق میں ہیں کہ ایسا شخص اتمام کرے گا، جب کہ ۲۱ حضرات اس صورت میں قصر کے قائل ہیں۔ (مسافت سفر کا آغاز - ایک اہم شرعی مسئلہ، ص: ۳۱-۳۲، مسافت سفر کا شمار کہاں سے ہوگا؟ عارض: مفتی حبیب اللہ قاسمی، ط: اسلامک فقہ اکیڈمی - انڈیا) =

## [۲۴] سمندری جہاز کے ملازم کے لیے قصر کا حکم

۹۸۲- سوال: میں سمندری جہاز میں ملازم ہوں، سمندری جہاز میں گھر سے زیادہ سہولیات مہیا ہوتی ہیں، جہاز اکثر اوقات سفر کی حالت میں رہتا ہے، اس صورت میں مجھے نماز مکمل پڑھنی ہوگی یا قصر لازم ہوگا؟ ایک حافظ صاحب سے مسئلہ پوچھنے کے بعد پچھلے دو سال سے قصر کر رہا ہوں۔

## الجواب حامدًا ومصليًا:

اگر آپ کا جہاز سفر کے ارادے سے سفر شرعی کی مسافت (تقریباً ۷۸ کلومیٹر) طے کر لے، تو آپ مسافر شمار ہوں گے، اور حالت سفر میں آپ کو قصر کرنا ہوگا، اور اگر جہاز سفر شرعی کی مسافت سے کم رقبہ میں گھومتا رہتا ہے، تو آپ مسافر شمار نہ ہوں گے، اس صورت میں مکمل نماز پڑھنی ہوگی۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= اس سلسلے میں اکیڈمی کا فیصلہ یہ ہے:

۳- چھوٹے شہروں میں مسافت شرعی کا حساب اس جگہ سے ہوگا، جہاں شہر ختم ہوا ہے، یعنی شہر ختم ہونے کے بعد ۴۸ میل کا سفر کیا جائے، تبھی وہ مسافر ہوگا۔

۴- بڑے شہروں میں، جن کی آبادی میلوں تک پھیل گئی ہے، مسافت شرعی کا شمار کس مقام سے ہوگا، اس میں دو نقاط نظر ہیں: زیادہ حضرات کی رائے ہے کہ جہاں شہر ختم ہوتا ہے، وہیں سے ۴۸ میل کی مسافت شمار کی جائے گی، دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ جس محلہ سے سفر شروع ہوا ہے، وہیں سے مسافت کا شمار ہوگا، البتہ اس پر سمجھوں کا اتفاق ہے کہ نماز میں قصر کا حکم شہر سے باہر نکلنے کے بعد ہی شروع ہوگا۔ (مسافت سفر کا آغاز- ایک اہم شرعی مسئلہ، ص: ۲۴، مسافت سفر کا آغاز، اکیڈمی کا فیصلہ، ط: اسلامک فقہ اکیڈمی- انڈیا) تقریباً یہی بات حضرت مفتی صاحب نے اپنے فتویٰ میں ذکر فرمائی ہے۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

(۱) (من خرج من عمارة موضع إقامته) من جانب خروجه وإن لم يجاوز من الجانب الآخر... (قاصدا)... (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها)... (بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة) حتى لو أسرع فوصل في يومين قصر،... (صلى الفرض الرباعي ركعتين)... (ولو) كان (عاصيا بسفره)... (حتى يدخل موضع مقامه) إن سار مدة السفر، وإلا فيتم بمجرد نية العود... (أو ينوي)... (إقامة نصف شهر) حقيقة أو حكما... (فيقصر إن نوى) الإقامة (في أقل منه) أي في نصف شهر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۲۱/۲-۱۲۵، كتاب الصلاة، باب المسافر، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/۲۲۵ تا ۲۳۱، باب المسافر، ط: دار الكتاب - ديوبند)

والمعتبر في البحر ثلاثة أيام في ریح مستوية غير غالبية ولا ساكنة كما في الجبل يعتبر فيه أيضا ثلاثة أيام وإن كان في السهل تقطع في أقل منها. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۸-۱۳۹، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر ط: دار الفكر)

[۲۵] بیرون ملک سے فرض نماز ادا کر کے ہندوستان آنے والے کی دوبارہ اسی نماز میں شرکت  
 ۹۸۳- سوال: ایک شخص عصر کی نماز بیرون ملک میں ادا کر کے ہندوستان آیا، اُس وقت  
 ہندوستان میں عصر کی نماز کا وقت تھا، تو کیا اس شخص کے لیے عصر کی نماز میں دوبارہ شرکت جائز ہے؟

### الجواب حامدًا ومصليًا:

اس شخص نے جب بیرون ملک میں عصر کی نماز ادا کر لی، تو چونکہ عصر کی نماز کے بعد نوافل نہیں  
 ہے؛ لہذا ہندوستان آ کر وہ عصر میں بہ نیت نفل شامل نہیں ہو سکتا۔<sup>(۱)</sup> البتہ اگر ظہر یا عشاء کی نماز ہو رہی ہو تو بہ  
 نیت نفل شرکت جائز ہے، بہ طور فرض نہیں؛ اس لیے کہ فرض ادا کر چکا ہے، البتہ رمضان المبارک میں  
 ہندوستان آیا، اور یہاں ۲۹ واں یا ۳۰ واں روزہ ہے، تو افطار نہ کرے؛ بل کہ روزہ رکھے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم  
 بالصواب۔

[۲۶] وطن سے کتنی مسافت پر قصر کا حکم ہے؟ کن کن نمازوں میں قصر کا حکم ہے؟ اگر لمبا  
 سفر ہو تو کب تک قصر کرے؟

۹۸۴- سوال: مسافر آدمی وطن سے کتنی مسافت کی دوری پر پہنچے تو اُس کے لیے قصر کا حکم ہوگا؟  
 اگر سفر طویل ہو، تو کب تک قصر کرتا رہے گا؟ مینوا، تو جروا۔

### الجواب حامدًا ومصليًا:

جب گاؤں کی حد، آبادی اور گاؤں کی ضروریات کے لیے قائم کردہ تعمیرات وغیرہ سے آگے نکل

(۱) واعلم أن الأوقات المكروهة نوعان: الأول الشروق والاستواء والغروب. والثاني ما بين الفجر والشمس،  
 وما بين صلاة العصر إلى الاصفرار. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۳۷۳، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم  
 بدخول الوقت، ط: دار الفكر - بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۱/۳۲۹، كتاب الصلاة، بيان وقت المكروه، ط: زكريا -  
 ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۵۳، الباب الأول في مواقيت الصلاة وما يتصل بها، الفصل الثالث في الأوقات التي لا  
 تجوز فيها الصلاة، ط: زكريا - ديوبند ☆ الهداية شرح بداية المبتدي: ۱/۸۲، كتاب الصلاة، باب المواقيت، ط:  
 ياسر ندیم - ديوبند)

(۲) قوله تعالى: قَدْ سَأَلْنَاكَ الشَّهْرَ فَلْيَضْمَنْهُ. (۲- البقرة: ۱۸۵)

جائے تو قصر کا حکم ہے، سفر سے واپسی کے وقت بھی اسی حد پر قصر کا حکم ختم ہوگا۔<sup>[۱]</sup>

ظہر، عصر اور عشاء کی نماز میں قصر کرے یعنی دو رکعت پڑھے، اُن کے علاوہ دیگر تمام نمازیں پوری پڑھے، اپنے وطن سے ۷۸ کیلومیٹر دور کا سفر ہو، تو آدمی مسافر کہلائے گا، لہذا اپنی بستی ختم ہوتے ہی وہ قصر شروع کر دے گا، پھر جب تک سفر میں رہے، قصر کرتا رہے، البتہ اگر دورانِ سفر کسی جگہ پندرہ دن تک ٹھہرنے کی نیت کر لی، تو یہ وطنِ اقامت کہلائے گا، لہذا جب تک اُس جگہ مقیم رہے، پوری نماز پڑھے، ہر نماز کی سننِ قبلیہ اور بعدیہ کو بھی پڑھتا رہے، خصوصاً فجر کی سنت کو ہرگز نہ چھوڑے۔<sup>[۲]</sup>

جس جگہ سفر میں گیا ہے، وہاں پہنچنے کے بعد اگر پندرہ دن یا اُس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت نہ کی ہو، تو قصر کرتا رہے، اگرچہ بغیر نیت کے پندرہ دن سے زیادہ اقامت ہو جائے، پوری مدت قصر کرتا رہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۷] شہر کے ریلوے اسٹیشن سے قصر شروع کرنا

۹۸۵- سوال: ایک شخص نے اپنا سفر شروع کیا، ابھی گھر سے نکل کر اسٹیشن پر پہنچا ہے اور وہاں وہ نماز میں قصر کرتا ہے، تو کیا از روئے شریعت اُس کا یہ عمل صحیح ہے؟

### الجواب حامدًا ومصليًا:

جو شخص ۲۸ میل تقریباً ۷۸ کیلومیٹر کے سفر کے ارادے سے اپنے شہر سے چلا، تو اُس کے لیے قصر

[۱] (من خرج من عمارة موضع إقامته) من جانب خروجه وإن لم يجاوز من الجانب الآخر... (قاصدا)... (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها)... (بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة) حتى لو أسرع فوصل في يومين قصر... (صلى الفرض الرباعي ركعتين)... (ولو) كان (عاصيا بسفره)... (حتى يدخل موضع مقامه) إن سار مدة السفر، وإلا ف يتم بمجرد نية العود... (أو ينوي)... (إقامة نصف شهر) حقيقة أو حكما... (في قصر إن نوى) الإقامة (في أقل منه) أي في نصف شهر (أو) نوى (فيه لكن في غير صالح)... (أو لم يكن مستقلا برأيه) كعبد وامرأة (أو دخل بلدة ولم ينوها) أي مدة الإقامة (بل ترقب السفر) غدا أو بعده (ولو بقي) على ذلك (سنين) إلا أن يعلم تأخر القافلة نصف شهر كما مر... (الدر المختار مع رد المحتار) ۲/۱۲۱-۱۲۵، كتاب الصلاة، باب المسافر، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/۲۲۵ تا ۲۳۱، باب المسافر، ط: دار الكتاب - ديوبند

[۲] (ويأتي) المسافر (بالسنن) إن كان (في حال أمن وقرار وإلا) بأن كان في خوف وفرار (لا) يأتي بها هو المختار لأنه ترك لعذر تجنيس، قيل إلا سنة الفجر. (الدر المختار مع رد المحتار) ۲/۱۳۱، باب صلاة المسافر، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۹، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: زكريا - ديوبند

کا حکم اُس وقت ہوگا جب کہ وہ اپنے شہر یا بستی کی فنا (ضروریات شہر و بستی کے لیے تعمیر شدہ تعمیرات) سے تجاوز کر جائے، جب تک وہ فناء قریہ کی حدود میں ہے، قصر کی اجازت نہیں، اتمام ضروری ہے۔

مذکورہ بالا صورت میں ریلوے اسٹیشن فناء میں داخل ہو، تو اتمام ضروری ہوگا، جیسا کہ عام طور پر اسٹیشن فناء میں داخل ہوتا ہے، کہ وہ بھی شہر کی عمارت میں سے ہے، لیکن اگر قریہ کا اسٹیشن بستی سے اس قدر دور ہے کہ بستی کی فناء ختم ہونے کے بعد تین سو یا چار سو گز کے فاصلہ پر ہو اور دیگر عمارت اور اسٹیشن کے بیچ میں اتصال تعمیر نہ ہو، خلا ہی خلا ہو، تو ایسی صورت میں ریلوے اسٹیشن فناء شہر میں داخل نہیں ہوگا، اور اسٹیشن پہنچنے سے قصر کا حکم ہوگا۔ (در مختار مع الشامی) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۸] ایام حج میں منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کے قیام کے دوران کن نمازوں میں قصر کیا جائے؟

۹۸۶- سوال: ایام حج میں منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کے قیام کے دوران کون کون سی نمازوں میں قصر ہوگا؟ نیز مدینہ منورہ کے قیام کے دوران اور وہاں سے مکہ واپسی کی صورت میں چار رکعات والی نماز جو بغیر جماعت کے ادا کی جا رہی ہو، تو اُس میں قصر ہوگا یا نہیں؟

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

اگر مکہ میں کوئی شخص حج کے لیے ایسے وقت میں پہنچا کہ آٹھویں ذی الحجہ اور منیٰ کے لیے راوگی تک پندرہ دن سے کم مدت ہے، تو وہ مسافر کہلائے گا، اُس کے لیے لازم ہے کہ وہ چار رکعات والی نماز میں قصر

[۱] (قوله من خرج من عمارة موضع إقامته)... وأشار إلى أنه يشترط مفارقة ما كان من توابع موضع الإقامة كربض المصر، وهو ما حول المدينة من بيوت ومساكن، فإنه في حكم المصر، وكذا القرى المتصلة بالربض في الصحيح... وأما الفناء وهو المكان المعد لمصالح البلد كقض الدواب ودفن الموتى وإلقاء التراب، فإن اتصل بالمصر اعتبر مجاوزته وإن انفصل بغلوة أو مزرعة فلا. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۲۱/۲، باب صلاة المسافر، ط: دار الفكر - بيروت)

عن علي بن ربيعة قال: "خرجنا مع علي بن أبي طالب رضي الله عنه متوجهين ههنا، وأشار بيده إلى الشام فصلى ركعتين ركعتين، حتى إذا رجعنا ونظرنا إلى الكوفة حضرت الصلاة، فقالوا: يا أمير المؤمنين، هذه الكوفة نتم الصلاة؟ قال: "لا، حتى ندخلها". (السنن الكبرى - أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸هـ): ۲۰۹/۳، رقم الحديث: ۵۳۳۸، جماع أبواب صلاة المسافر والجمع في السفر، باب: لا يقصر الذي يريد السفر حتى يخرج من بيوت القرية، ثم يقصر حتى يدخل أدنى بيوتها، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

کرے اور دو رکعات پڑھے۔ اگر حج سے پہلے مکہ میں پندرہ دن رہنا اُس کے لیے ممکن ہے؛ لیکن اُس کا ارادہ مکہ میں پندرہ دن رہنے کا نہیں ہے؛ بلکہ مدینہ منورہ، طائف یا جدہ یا کسی اور جگہ جانے ارادہ ہے، تب بھی مسافر کہلائے گا، اور قصر لازم ہوگا، مکہ، مدینہ یا کسی اور جگہ جب تک پندرہ دن قیام کا ارادہ نہ ہو، اس وقت تک قصر کرتا رہے۔ (ردالمحتار: ۱۲۶/۲)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] وطن اصلی کے علاوہ کسی اور جگہ دس بارہ دن رہنے والا شخص مقیم ہوگا یا نہیں؟

۹۸۷- سوال: ایک آدمی کا مکان، کھیت اور مستقبل میں ہونے والی بیوی وطن اصلی میں ہے، اور اُس کے والدین وطن عارضی میں ہیں، تو کیا یہ شخص وطن عارضی میں اگر دس بارہ دن رہنے کی نیت سے جائے، تو مقیم کہلائے گا یا مسافر؟ وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں۔

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

اگر وطن اصلی میں رہنے کا ارادہ ہے، اُس کو ترک نہیں کرتا ہے، اور خود بالغ ہے، تو اس صورت میں

[۱] (من خرج من عمارة موضع إقامته) من جانب خروجه وإن لم يجاوز من الجانب الآخر... (قاصدا)... (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها)... (بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة) حتى لو أسرع فوصل في يومين قصر،... (صلى الفرض الرباعي ركعتين)... (ولو) كان (عاصيا بسفره)... (حتى يدخل موضع مقامه) إن سار مدة السفر، وإلا فيتم بمجرد نية العود... (أو ينوي)... (إقامة نصف شهر) حقيقة أو حكما... (فيقصر إن نوى) الإقامة (في أقل منه) أي في نصف شهر (أو) نوى (فيه لكن في غير صالح) أو كبحو جزيرة أو نوى فيه لكن (بموضعين مستقلين كمكة ومنى) فلو دخل الحاج مكة أيام العشر لم تصح نيته لأنه يخرج إلى منى وعرفة فصار كنية الإقامة في غير موضعها وبعد عود من منى تصح، كما لو نوى مبيته بأحدهما أو كان أحدهما تبعًا للآخر بحيث تجب الجمعة على ساكنه للاتحاد حكما. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۲۱/۲-۱۲۶)

قال ابن عابدين: (قوله فلو دخل الخ) هو ضد مسألة دخول الحاج الشام، فإنه يصير مقيما حكما، وإن لم ينو الإقامة، وهذا مسافر حكما، وإن نوى الإقامة لعدم انقضاء سفره ما دام عازما على الخروج قبل خمسة عشر يوما أفاده الرحمتي. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۲۶/۲، كتاب الصلاة، باب المسافر، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/۲۲۵، باب المسافر، ط: دار الكتاب - ديوبند)

وذكر في كتاب المناسك أن الحاج إذا دخل مكة في أيام العشر ونوى الإقامة خمسة عشر يوما أو دخل قبل أيام العشر لكن بقي إلى يوم التروية أقل من خمسة عشر يوما ونوى الإقامة لا يصح؛ لأنه لا بد له من الخروج إلى عرفات فلا تتحقق نية إقامته خمسة عشر يوما فلا يصح. (بدائع الصنائع: ۱/۹۸، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يصير المسافر به مقيما، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)



مسافر رہے گا؛ لہذا قصر کرے گا:

فلو كان له أبوان ببلد غير مولده وهو بالغ ولم يتأهل به فليس ذلك وطنا له. (رد المحتار: ۲/۱۳۱-۱۳۲) [۱] فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

[۳۰] ۴۸ میل کی مسافت کا ارادہ کرنے والا دوران سفر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کرے، تو قصر کرے گا یا اتمام؟

۹۸۸- سوال: ایک شخص گھر سے ۴۸ میل کے سفر کی نیت سے نکلا، اور ۴۰ میل طے کرنے کے بعد کسی جگہ اُس نے پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی، تو یہ شخص قصر کرے گا یا اتمام؟ مدت سفر مسلسل طے کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہے تو اُس مدت کو قطع کرنے سے قبل کسی مقام پر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی بنا پر قصر جائز نہیں ہونا چاہیے، علم الفقہ کے جزئیہ (جلد: ۲/۱۳۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ ضروری ہے: ”اگر کوئی شخص قبل طے کرنے، مدت مسافت کے، جس کا اعتبار میں سفر میں کیا گیا ہے، کسی مقام میں ٹھہرنے کی یا اپنے وطن لوٹ جانے کی نیت کرے، تو وہ مقیم ہو جائے گا، کہ اُس نے اپنے ارادہ سفر کو ختم کر دیا۔“ اور البحر الرائق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مدت اقامت میں وہ قصر کرے گا، لہذا آل جناب سے گزارش ہے کہ اس کا جواب مع حوالہ کتب دینے کی زحمت گوارا فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

### الجواب حامدًا ومصليًا:

اگر ۴۸ میل کے سفر کی نیت سے نکلا، تو اپنے مقام کی فناء سے نکلنے پر احکام قصر نافذ ہو جائیں گے، بقاء احکام قصر کے لیے اس سفر میں ۴۸ میل تک جاری رہنا اس معنی کر شرط ہے کہ ”قطع سفر“ یا عود الی الوطن کی نیت نہ ہو۔<sup>(۲)</sup>

(۱) کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الإقامة، ط: دار الفکر - بیروت ☆  
الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۳۲، کتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: زکریا - دیوبند.

(۲) ... والحاصل أن شروط الإتمام ستة: النية، والمدة، واستقلال الرأي، وترك السير، واتحاد الموضوع، وصلاحيته، قهستاني. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله ستة) زاد في الحلية شرط آخر وهو أن لا تكون حالته منافية لعزيمته قال كما صرح حوا به في مسائل اهدأ كمسألة من دخل بلدة لحاجة ومسألة العسكر فافهم. ثم هذه شروط الإتمام بعد تحقق مدة السفر وإلا فلا، فلو عزم على الرجوع إلى بلده قبل سيره ثلاثة أيام على قصد قطع السفر فإنه يتم كما مرو كذا لورجوع إلى بلده لأخذ حاجة نسيها كما سنذكره. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۲۸، كتاب الصلاة، باب المسافر)

چنانچہ ۴۰ میل کے بعد کہیں پندرہ دن سے کم کے لیے ٹھہر گیا؛ لیکن ابھی آگے بڑھنے کی نیت برقرار ہے، تب تو احکامِ قصر باقی رہیں گے، اگر ۴۰ میل پر ٹھہرنے کے ساتھ یہ بھی نیت کر لے کہ اب آگے نہیں جانا ہے اور یہاں سے وطن واپس چلا جاؤں گا، تب احکامِ سفر باقی نہیں رہیں گے، ایسی نیت کرتے ہی قصر کا حکم ساقط ہو جائے گا۔ (شامی: ۲/۱۲۳) <sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳۱] تحقق سفر کے لیے وطن ہی سے نیتِ سفر شرط ہے یا نہیں؟

۹۸۹- سوال: ایک آدمی اپنے وطن سے اتنے دور جانے کے لیے روانہ ہوا کہ وہاں جا کر وہ مسافر نہیں بنتا، یعنی ۴۸ میل کی مسافت سے کم ہے، پھر اسی دن اُس جگہ سے دوسری جگہ جانا ہوا؛ لیکن وہ جگہ بھی جہاں سے روانہ ہوا ہے، وہاں سے ۴۸ میل سے کم دوری پر ہے، البتہ اُس کے وطن سے ۴۸ میل کی مسافت پر ہے، تو اب یہ آدمی اس تیسری جگہ مسافر شمار ہوگا یا نہیں؟

مثلاً ایک شخص دیولہ سے کنتھاریہ جو کہ ۶۰ کلومیٹر کی مسافت پر ہے روانہ ہوا، پھر اسی دن کنتھاریہ سے پانولی جانے کے لیے روانہ ہوا، جو کہ کنتھاریہ سے ۳۰ کلومیٹر کی مسافت پر ہے، تو یہ شخص کس جگہ سے مسافر شمار ہوگا؟ اپنے وطن سے یا کنتھاریہ سے روانہ ہونے کے بعد؟ اس لیے کہ یہ شخص جب گھر سے نکلا تو

[۱] (من خرج من عمارة موضع إقامته) من جانب خرو وجه وان لم يجاوز من الجانب الآخر.... (قاصدا)... ومن طاف الدنيا بلا قصد لم يقصر (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها)... (بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة) حتى لو أسرع فوصل في يومين قصر،... (صلى الفرض الرباعي ركعتين)... (ولو) كان (عاصيا بسفره)... (حتى يدخل موضع مقامه). (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۲۱-۱۲۵)

قال ابن عابدين: (قوله بلا قصد) بأن قصد بلدة بينه وبينها يومان للإقامة بها، فلما بلغها بداله أن يذهب إلى بلدة بينه وبينها يومان وهلم جرا. ح. قال في البحر: وعلى هذا قالوا: أمير خرج مع جيشه في طلب العدو، ولم يعلم أين يدر كهف فإنه يتم وإن طالت المدة أو المكث؛ أما في الرجوع فإن كانت مدة سفر قصر. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۲۲، كتاب الصلاة، باب المسافر، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/۲۲۵ تا ۲۳۱، باب المسافر، ط: دار الكتاب - ديوبند)

فتیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: وطن اصلی یا وطن اقامت (یعنی جہاں پندرہ یوم کے قیام کا قصد ہو) سے جب سفر شروع ہو، تو دیکھنا چاہیے کہ کتنی دور چلنے کا مقصد ارادہ ہے، اگر کم از کم تین منزل چلنے کا قصد ہے، خواہ یک دم، خواہ بیچ میں ٹھہرتے ہوئے (بشرطیکہ پندرہ یوم سے کم ٹھہرنے کا قصد ہو) تو قصر کرنا یعنی چار رکعت والے فرض کو دو پڑھنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۵۰۴، سفر میں قصر و اتمام کی صورتیں، سوال نمبر: ۳۶۰۱، باب صلاۃ المسافر، ط: دار المعارف - دیوبند)

اُس کی نیت مسافتِ سفر طے کرنے کی نہیں تھی، جب وہ اپنے اخیری مقام یعنی تیسری جگہ پہنچا تو دوسری اور تیسری جگہ کے درمیان کی مسافت پورے ۴۸ میل کی نہیں ہے، اگرچہ اُس کے وطن سے تیسری جگہ تک ۴۸ میل ہو جاتے ہیں، اگر ہم اُس کو مسافر مانتے ہیں تو فتاویٰ دارالعلوم جلد چہارم صفحہ: ۴۵۴ کی عبارت سوال نمبر: ۲۲۲۱ کے جواب کے خلاف ہوتا ہے، تو جواب طلب امر یہ ہے کہ تحقق سفر کے لیے وطن ہی سے نیت سفر شرط ہے یا نہیں؟

### الجواب حامدًا ومصلياً:

جوازِ قصر کے لیے مدتِ سفر کی نیت شرط ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے ایسے مقام کا قصد کیا ہے جہاں تک مسافتِ سفر پوری نہیں ہوتی، تو وہ مقیم ہے، پھر اُس مقام سے روانہ ہو کر دوسری جگہ گیا، جہاں پہلے مقام سے مسافتِ سفر پوری نہیں ہوتی، اگرچہ اُس کے وطن سے مسافتِ سفر مکمل ہو جائے تب بھی یہ شخص مقیم ہی کے حکم میں رہے گا۔ (شامی: ۱۲۱/۲)<sup>[۱]</sup>

چنانچہ اس مسئلہ میں بدائع الصنائع کی عبارت واضح ہے کہ مدتِ سفر کی نیت جوازِ قصر کے لیے شرط ہے، مذکور تفصیل سے یہ معلوم ہو گیا کہ جہاں سے مدتِ سفر کی نیت ہوگی وہاں سے مسافر شمار ہوگا۔

اس لیے دیولہ سے کنتھاریہ تک نیتِ سفر نہ ہونے کی بنا پر مسافر نہیں ہوا، پھر جب کنتھاریہ سے پانولی کے لیے چلا، تو چوں کہ صرف ۳۰ کیلومیٹر کی مسافت ہے، اس لیے اتمام کرے گا، لیکن اگر یہ نیت کی ہے کہ کنتھاریہ سے پانولی اور پانولی سے کسی دوسرے راستہ سے دیولہ پہنچیں گے تو اب کنتھاریہ سے وہ مسافر ہوگا۔ (بدائع الصنائع: ۹۳/۱)<sup>[۲]</sup>

[۱] قال ابن عابدين: (قوله بلا قصد) بأن قصد بلدة بينه وبينها يومان للإقامة بها، فلما بلغها بداله أن يذهب إلى بلدة بينه وبينها يومان وهلم جرا. ح. قال في البحر: وعلى هذا قالوا: أمير خرج مع جيشه في طلب العدو، ولم يعلم أين يدركهم فإنه يتم وإن طالت المدة أو المكث؛ أما في الرجوع فإن كانت مدة سفر قصر. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۲۲/۲، كتاب الصلاة، باب المسافر، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/۲۲۵ تا ۲۳۱، باب المسافر، ط: دار الكتاب - ديوبند)

[۲] والثاني: نية مدة السفر لأن السير قد يكون سفراً وقد لا يكون؛ لأن الإنسان قد يخرج من مصره إلى موضع لإصلاح الضيعة، ثم تبدو له حاجة أخرى إلى المجاوزة عنه إلى موضع آخر ليس بينهما مدة سفر، ثم، وإلى أن يقطع مسافة بعيدة أكثر من مدة السفر لا لقصد السفر فلا بد من النية للتمييز. (بدائع الصنائع: ۹۳/۱، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يصير به المقيم مسافراً، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

یہ تو اصل مسئلہ ہوا؛ لیکن نیت و قصد سفر سے کیا مراد ہے؟ تو تقریراتِ رافعی تکلمہ شامی صفحہ نمبر ۱۰۷ [۳۱] پر درج ہے کہ اس قصد سے مراد غلبہ ظن ہے، یعنی غالب گمان مراد ہے، قطعی اور یقینی طور پر مدت سفر کی نیت ضروری نہیں ہے، اس لیے ایسا شخص جو جانتا ہے یا اس کا غالب گمان ہے کہ مجھے ”کتھاریہ“ ہو کر ”پانولی“ تک جانا ہے، پھر وہ ”دیولہ“ سے سفر کی نیت نہ کرے، تب بھی مسافر کہلائے گا، یعنی نیت کے اصل معنی ”قلبی ارادہ“ کا اعتبار ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳۲] مسافر کے لیے مقیم امام کی اقتدا میں پوری نماز پڑھنا

۹۹۰- سوال: حالت سفر میں کچھ دور جانے کے بعد نماز میں قصر ضروری ہے، اب مسافر قصر کی شروعات کے بعد نماز کے وقت مسجد میں پہنچا، تو دیکھا کہ دو رکعت ہو چکی ہے، پھر وہ امام کے ساتھ جماعت میں شریک ہوا۔ امام نے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا، تو کیا مسافر اپنی چھوٹی ہوئی دو رکعت کھڑا ہو کر پوری کرے یا دو رکعت پر ہی امام کے ساتھ سلام پھیر دے؟

#### الجواب حامد اومصلیٰ:

مسافر اگر مقیم (چار رکعت پڑھنے والے) کی اقتدا کرے، تو اس کے لیے بھی چار رکعت پڑھنا

= اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں مفتی محمود حسن گنگوہی نے رقم فرمایا ہے: اگر میرٹھ زید کا وطن اصلی یا وطن اقامت ہے، اور وہاں سے صرف مظفر نگر کی نیت سے چلا، جو کہ ۳۵ میل ہے، تو وہ قصر نہیں کرے گا، پھر مظفر نگر سے دیوبند کا ارادہ ہو گیا، تو بھی قصر نہیں کرے گا، پھر دیوبند سے سہارن پور کا ارادہ ہو گیا، تب بھی قصر نہیں کرے گا، اگر چہ میرٹھ سے سہارن پور تک مسافت قصر ہے، مگر چونکہ ابتدائے سفر کے وقت مسافت قصر کی نیت نہیں تھی، اور درمیان میں بھی کسی جگہ سے مسافت قصر کی نیت نہیں کی، جہاں سے بھی نیت کی مسافت قصر سے کم کی نیت کی۔

ضابطہ یہ ہے کہ جب سے پوری مسافت قصر کی نیت سے سفر شروع ہوگا، تب قصر لازم ہوگا، ورنہ تھوڑی تھوڑی مسافت کی نیت سے اگر تمام دنیا میں گھوم جائے، تب بھی قصر نہیں کرے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۸۸، باب صلاة المسافر، سوال نمبر: ۳۵۸۳) [۳] (قول المصنف قاصدا الخ) ویکفی فی ذلك القصد غلبة الظن یعنی إذا غلب علی ظنه أنه یسافر قصر ولا یشرط فیہ التیقن۔ اھ، تبیین۔ (تقریرات الرافعی علی حاشیة ابن عابدین: ۲/۱۲۵، باب صلاة المسافر، ط: زکریا- دیوبند) ولا بد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام حتی یترخص برخصة المسافرین وإلا لا یترخص أبدا ولو طاف الدنيا جمعها بأن كان طالب آبق أو غریم أو نحو ذلك ویکفی فی ذلك القصد غلبة الظن یعنی إذا غلب علی ظنه أنه یسافر قصر ولا یشرط فیہ التیقن، کذا فی التبیین۔ (الفتاویٰ الہندیة: ۱/۱۳۹، کتاب الصلاة، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر، ط: دار الفکر- بیروت)

ضروری ہے، مسافر پر رباعی (چار رکعت والی نماز) میں دو رکعت فرض ہے، مگر یہ حکم اس وقت ہے، جب کہ وہ تنہا نماز پڑھے: مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھنے کی صورت میں چار رکعت پڑھنا ضروری ہے؛ لہذا مسافر کو چھوٹی ہوئی دو رکعت پڑھنی پڑے گی۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) وأما اقتداء المسافر بالمقيم فيصحب في الوقت ويتم. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۳۰، باب صلاة المسافر، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الهداية: ۱/۱۶۶، باب صلاة المسافر، ط: ياسر ندیم - دیوبند)



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ  
 فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۗ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ  
 تَعْلَمُونَ.

(۶۲-۱-الجمعة: ۹)

## باب الجمعة والعیدین

[جمعه اور عیدین کا بیان]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب الجمعة

[جمعه کا بیان]

[۱] جمعہ کی اذان اول پر سعی واجب ہے یا اذان ثانی پر؟

۹۹۱- سوال: جمعہ کے متعلق آیت کریمہ: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۗ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ“<sup>(۱)</sup> کا مصداق جمعہ کی اذان اول ہے یا اذان ثانی؟ دیکھا گیا ہے کہ بہت سے لوگ اذان اول کے بعد بھی مسجد نہیں پہنچتے ہیں اور اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہیں، تو ان کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

**الجواب حامداً ومصلياً:**

رسول پاک ﷺ، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں خطبہ کی اذان تھی، دوسری اذان - جو جمعہ کا وقت ہونے پر دی جاتی ہے - اس کا اضافہ صحابہ کرام کے مشورے سے خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں کیا گیا۔<sup>(۲)</sup>

فقہ کی اکثر کتابوں میں لکھا ہے کہ تمام فقہاء کے نزدیک جمعہ میں پہلی اذان، جو منارہ پر ہوتی ہے،

(۱) ۶۲-۱-الجمعة: ۹-

(۲) عن الزهري، قال: سمعت السائب بن يزيد، يقول: إن الأذان يوم الجمعة كان أوله حين يجلس الإمام، يوم الجمعة على المنبر في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأبي بكر، وعمر رضي الله عنهما، فلما كان في خلافة عثمان بن عفان رضي الله عنه، وكثروا، أمر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثالث، فأذن به على الزوراء، فثبت الأمر على ذلك. (صحيح البخاري: ۱/۱۲۵، رقم الحديث: ۹۱۶، كتاب الجمعة، باب التأذين عند الخطبة، وانظر: رقم: ۹۱۲، باب الأذان يوم الجمعة، ط: البدر - ديوبند)



اسی وقت سے سعی کرنا واجب ہے اور آیت کریمہ کا مصداق یہی ”اذان اول“ ہے، پس اس اذان کے بعد ایسے کام کرنا، جس سے جمعہ کی سعی میں خلل ہو، جیسے کاروبار میں مشغول رہنا، ہوٹلوں اور چوراہوں پر بیٹھنا، یا مسجد کے باہر بیٹھے رہنا وغیرہ؛ سب مکروہ تحریمی ہیں۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲] نماز جمعہ کی جماعت کی صحت کے لیے کتنے مقتدی کا ہونا ضروری ہے؟

۹۹۲- سوال: جمعہ کی نماز کے لیے کتنے افراد کا موجود ہونا ضروری ہے؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

شہر، قصبہ اور بڑا گاؤں۔ جہاں جمعہ کی نماز جائز ہے۔ میں جمعہ کی صحت کے لیے امام کے علاوہ کم از کم تین مقتدیوں کا ہونا ضروری ہے۔ (عالمگیری)<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ويجب السعي وترك البيع بالأذان الأول،... وقال الحسن بن زياد: المعتبر هو الأذان على المنارة، والأصح أن كل أذان يكون قبل الزوال فهو غير معتبر والمعتبر أول الأذان بعد الزوال سواء كان على المنبر أو على الزوراء، كذا في الكافي. (الفتاوى الهندية - لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/۱۳۹، صلاة الجمعة، ط: دار الفكر) (ووجب سعي إليها وترك البيع) ولو مع السعي، في المسجد أعظم وزرا (بالأذان الأول) في الأصح وإن لم يكن في زمن الرسول بل في زمن عثمان. (الدر المختار)

وقال ابن عابدين: (قوله ووجب سعي) لم يقل افتراض مع أنه فرض للاختلاف في وقته هل هو الأذان الأول أو الثاني أو العبرة لدخول الوقت؟ بحر. — وحاصله أن السعي نفسه فرض والواجب كونه في وقت الأذان الأول، وبه اندفع ما في النهر من أن الاختلاف في وقته لا يمنع القول بفرضيته كصلاة العصر فرض إجماع مع الاختلاف في وقتها (قوله وترك البيع) أراد به كل عمل ينافي السعي وخصه اتباعا للآية، نهر. (قوله: ولو مع السعي) صرح في السراج بعدم الكراهة إذا لم يشغله بحر وينبغي التعويل على الأول نهر. — (قوله في الأصح) قال في شرح المنية. واختلفوا في المراد بالأذان الأول فقبل الأول باعتبار المشروعية وهو الذي بين يدي المنبر لأنه الذي كان أولا في زمنه - عليه الصلاة والسلام - وزمن أبي بكر وعمر حتى أحدث عثمان الأذان الثاني على الزوراء حين كثر الناس. والأصح أنه الأول باعتبار الوقت، وهو الذي يكون على المنارة بعد الزوال. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۶۱/۲، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت)

[۲] (ومنها الجماعة) وأقلها ثلاثة سوى الإمام، كذا في التبيين. ولا يشترط كونهم ممن حضر الخطبة، كذا في فتح القدير، ولو خطب الإمام يوم الجمعة ونفر الناس وجاء آخرون وصلى بهم الجمعة أجزأهم، كذا في محيط السرخسي، والشرط فيهم أن يكونوا صالحين للإمامة، أما إذا كانوا لا يصلحون لها كالنساء والصبيان لا تصح الجمعة، كذا في الجوهرة النيرة.

[۳] خطبہ میں ان اللہ وملتئکتہ... سن کر بلند آواز سے درود پڑھنا

۹۹۳- سوال: جمعہ کے خطبہ میں خطیب آیت کریمہ: "إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۗ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا" پڑھے، جس میں درود و سلام پڑھنے کی ہدایت دی گئی ہے، تو اس موقع پر سامعین بلند آواز سے درود شریف پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصلياً:

خطبہ کے دوران بات چیت اور نماز کی ممانعت ہے، حتیٰ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ جو واجب ہے۔ کی بھی اس دوران اجازت نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup> اس لیے خطیب جب آیت کریمہ "إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ

= اگرچہ خطبہ کے وقت تین افراد حاضر نہ ہوں، صرف ایک ہی شخص ہو، تب بھی صحیح قول کے مطابق درست ہے:

خطب و حده أو بحضرة النساء الصحيح أنه لا يجوز، هكذا في معراج الدراية، ولو حضر واحد أو اثنان وخطب وصلى بالثلاثة جاز، كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية- لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/۱۳۶، ط: دار الفكر ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۵۱، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) عن أبي هريرة، أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال: "إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت، والإمام يخطب، فقد لغوت." (صحيح البخارى: ۱/۱۲۷-۱۲۸، رقم الحديث: ۹۳۴، كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب، ط: مكتبة البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۲۸۱، رقم الحديث: ۱۱-۸۵۱، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، فصل في عدم ثواب من تكلم والإمام يخطب...، ط: البدر - ديوبند)

وفي المجتبى: الاستماع إلى خطبة النكاح والختم وسائر الخطب واجب، والأصح الاستماع إلى الخطبة من أولها إلى آخرها، وإن كان فيها ذكر الولاية اهـ. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق - زين الدين بن إبراهيم، المعروف بـ "ابن نجيم المصري" (م: ۹۷۰هـ): ۲/۱۶۸، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(قوله وإذا خرج الإمام فلا صلاة، ولا كلام) لما رواه ابن أبي شيبة في مصنفه عن علي وابن عباس وابن عمر - رضي الله عنهم - كانوا يكرهون الصلاة والكلام بعد خروج الإمام، وقول الصحابي حجة، ولأن الكلام يمتد طبعاً فيخل بالاستماع والصلاة قد تستلزمه أيضاً... وأجمعوا أن الخروج قاطع للصلاة... وفسر الشارح الخروج بالصعود على المنبر وهكذا في المضمرة وذكر في السراج الوهاج يعني خرج من المقصورة وظهر عليهم وقيل صعد المنبر، فإن لم يكن في المسجد مقصورة يخرج منها لم يتركوا القراءة والذكر إلا إذا قام الإمام إلى الخطبة اهـ. (البحر الرائق: ۲/۱۶۷، باب صلاة الجمعة، كتاب الصلاة)

عَلَى النَّبِيِّ ط يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿۱۰﴾ پڑھے، تو سائیں اس آیت کو سن کر بلند آواز سے درود شریف نہ پڑھیں، بل کہ دل ہی دل میں آہستہ سے پڑھ لیں۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۴] جمعہ کے بعد امام سے مصافحہ کرنا

۹۹۴- سوال: جمعہ کی نماز کے بعد امام صاحب سے مصافحہ کے لیے لوگ بھیڑ لگاتے ہیں، تو یہ مصافحہ سنت ہے یا کیا ہے؟ اور اس طرح مصافحہ کا رواج بنالینا کیسا ہے؟

#### الجواب حامدًا ومصلياً:

مصافحہ کرنا عبادت ہے، اور ہر عبادت کے کچھ شرائط و آداب ہوتے ہیں، جن کی رعایت ضروری ہے۔ جب آدمی سفر سے آئے، تو مصافحہ کرنا سنت ہے؛ لیکن اگر کوئی آپ کے محلہ میں رہتا ہو، دن میں کئی بار اس سے ملاقات ہوتی ہو، صرف جمعہ کے دن ہی اس سے مصافحہ کیا جائے اور نہ کرنے والے پر لعن و طعن کیا جائے، یہ جائز نہیں ہے، ایسا مصافحہ بدعت ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] (وكل ما حرم في الصلاة حرم فيها) أي في الخطبة خلاصة وغيرها... (بلا فرق بين قريب وبعيد) في الأصح محيط... والصواب أنه يصلي على النبي - صلى الله عليه وسلم - عند سماع اسمه في نفسه. (الدر المختار) قال ابن عابدين: (قوله في نفسه) أي بأن يسمع نفسه أو يصحح الحروف فإنهم فسروه به، وعن أبي يوسف قلباً ائتماراً لأمرى الإنصات والصلاة عليه - صلى الله عليه وسلم - كما في الكرمانى قهستانى قبيل باب الإمامة. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۵۹/۲، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت) قال الكاساني: قال أبو حنيفة: إن سماع الخطبة أفضل من الصلاة على النبي - صلى الله عليه وسلم - فينبغي أن يستمع ولا يصلي عليه عند سماع اسمه في الخطبة لما أن إحراز فضيلة الصلاة على النبي - صلى الله عليه وسلم - مما يمكن في كل وقت وإحراز ثواب سماع الخطبة يختص بهذه الحالة فكان السماع أفضل. — وروي عن أبي يوسف أنه ينبغي أن يصلي على النبي - صلى الله عليه وسلم - في نفسه عند سماع اسمه لأن ذلك مما لا يشغله عن سماع الخطبة فكان إحراز الفضيلتين أحق. (بدائع الصنائع: ۱/۲۶۳، كتاب الصلاة، فصل صلاة الجمعة، حكم الخطبة، ط: دار الكتب العلمية ☆ البحر الرائق شرح كنز الدقائق بن نجيم المصري (م: ۷۰: ۹۷۰هـ): ۱۶۸/۲، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

قال ابن عابدين: وكذلك إذا ذكر النبي - صلى الله عليه وسلم - لا يجوز أن يصلوا عليه بالجهر؛ بل بالقلب، وعليه الفتوى، رملي. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۵۸/۲، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة) (۲) ونقل في تبیین المحارم عن الملتقط أنه تکره المصافحہ بعد أداء الصلاة بكل حال؛ لأن الصحابة - رضي الله =

[۵] جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے وعظ کہنا اور مقررہ وقت سے زائد لینا

۹۹۵- سوال: (۱) ہمارے یہاں جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے ہر کوئی مولوی بیان کے لیے

کھڑے ہو جاتے ہیں، شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟

(۲) اگر جمعہ کا خطبہ ۱:۳۰ (ڈیڑھ بجے) ہو، تو کبھی وہ مولوی صاحب ۱۵ منٹ، کبھی ۲۰ منٹ زیادہ

بیان کرتے ہیں اور نماز دیر سے کھڑی ہوتی ہے، تو یہ نماز قضا شمار ہوگی یا ادا؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

**الجواب حامداً ومصلياً:**

ہمارے علم میں جمعہ میں ہر کوئی مولوی صاحب بیان کے لیے کھڑے نہیں ہوتے؛ بل کہ امام صاحب کو کمیٹی کی طرف ذمہ داری دی جاتی ہے، یا تو وہ خود بیان کرتے ہیں یا کسی معتبر و مستند عالم دین کا بیان رکھتے ہیں، الغرض کمیٹی کی منشا کے مطابق امام صاحب کی اجازت کے بعد ہی کسی عالم کا بیان ہوتا ہے۔

(۱) جب امام صاحب کی رضا مندی سے وعظ کہا جاتا ہے، تو وعظ کو لوگوں کی طلب اور وقت کا خیال

کر کے وعظ کہنا جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

(۲) بیان کا کوئی وقت ۱۵ یا ۲۰ منٹ مقرر کر لینا چاہیے اور وعظ کو چاہیے کہ وقت پر بیان ختم کر دے،

تا کہ نمازیوں کے کام میں حرج نہ ہو؛ لیکن اگر ۱:۳۰ کی بجائے ۱:۴۵ یا ۱:۵۵ تک بیان کیا گیا، تو اس سے نماز میں فساد نہ آئے گا؛ کیوں کہ جمعہ کا وقت وہی ہے، جو ظہر کا وقت ہے، پس نماز ادا شمار ہوگی نہ کہ قضا۔<sup>(۱)</sup> فقط واللہ اعلم بالصواب۔

= تعالیٰ عنہم - ما صافحوا بعد أداء الصلاة، ولأنها من سنن الروافض اھ ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية: أنها بدعة مكروهة، لا أصل لها في الشرع، وأنه ينه فاعلها أولاً، ويعزر ثانياً، ثم قال: وقال ابن الحاج من المالكية في المدخل: إنها من البدع، وموضع المصافحة في الشرع، إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه، لا في أذبار الصلوات فحيث وضعها الشرع يضعمها فينهى عن ذلك ويزجر فاعله لما أتى به من خلاف السنة اھ. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۸۱/۶، الحظر والإباحة، باب الاستبراء، ط: دار الفكر - بيروت ☆ مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۷/۹، ۷۴، باب المصافحة والمعانقة، ط: مكتبة امدادية - ملتان)

(۱) عن أبي وائل، قال: كان عبد الله يذكر الناس في كل خميس فقال له رجل: يا أبا عبد الرحمن لو ددت أنك ذكرتنا كل يوم؟ قال: أما إنه ينعني من ذلك أني أكره أن أملككم، وإني أتخولكم بالموعظة، كما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولنا بها، مخافة السامة علينا". (صحيح البخاري: ۱۶/۱، كتاب العلم، باب من جعل لاهل العلم اياما معلومة، ط: البدر - ديوبند)

## [۶] جمعہ سے قبل بیان ثابت ہے، بدعت نہیں ہے

۹۹۶- سوال: جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے بیان کے متعلق بہت سے علماء کو جب کہا گیا، تو ان کا کہنا یہ ہے کہ نماز کے بعد لوگ وعظ سننے کے لیے بیٹھتے نہیں ہیں، تو ان کا اگر یہ تاثر ہو، تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ لوگوں میں وعظ سننے کا شوق نہیں ہے، اس سے اکتا گئے ہیں، گویا نماز سے پہلے وعظ کر کے علماء ان کو مجبور کرتے ہیں، زبردستی ان کو وعظ سناتے ہیں، ان کے سر تھوپتے ہیں، مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا ایک مقولہ ہے ”ہر کسی عالم کی ذہنی غلامی کا شکار نہ ہونا چاہیے“ مگر یہاں علماء لوگوں کو ذہنی غلامی کا شکار بناتے ہیں۔ یہ واعظ لوگ، کام کاج والوں کو، بوڑھوں کو، معذروں اور بیماروں کو بیٹھا کر گھنٹہ دو گھنٹہ بیان کرتے رہتے ہیں، اور ان پر ایک قسم کا ظلم کرتے ہیں، کسی کو دکان کا، تو کسی کو کھیتی کا، تو کسی کو آفس کا، تو کسی کو کچھ اور کام ہوتا ہے، ان سننے والوں پر کیا گذرتی ہے، وہ تو جو سہن (برداشت) کرتا ہے، وہی جانتا ہے، ان وعظ کہنے والوں کو اس کا کیا اندازہ؟ میرے اس سوال کا جواب تفصیل سے عنایت فرمائیں۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

آپ کی اس تحریر کا مطلب یہ ہے کہ: علماء لوگوں کو ذہنی غلامی کا شکار بناتے ہیں؛ حالاں کہ بات ایسی نہیں ہے، قرآن وحدیث اور اکابر علماء کی نظر میں جمعہ کے دن کی کیا اہمیت ہے؟ اور لوگ کس راہ پر جارہے ہیں؟ کیا آپ نے ان باتوں کا کبھی اندازہ لگایا؟ ————— پنج وقتہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا اکثر علماء کے نزدیک واجب ہے اور بعض کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔<sup>[۱]</sup>

[۱] (قوله الجماعة سنة) لا يطابق دليله الذي ذكره الدعوى، إذ مقتضاه الوجوب إلا لعذر، إلا أن يريد ثبوتها بالسنة. وحاصل الخلاف في المسألة أنها فرض عين إلا من عذر، وهو قول أحمد وداود وعطاء وأبي ثور، وعن ابن مسعود وأبي موسى الأشعري وغيرهما: من سمع النداء ثم لم يجب فلا صلاة له، وقيل على الكفاية، وفي الغاية قال عامة مشايخنا: إنها واجبة، وفي المفيد أنها واجبة، وتسميتها سنة لوجوبها بالسنة. وفي البدائع: يجب على العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الجماعة من غير حرج. (فتح القدير: ۱/ ۳۶۵-۳۷۵، باب الإمامة، ط: دار الفكر - بيروت) ☆ الهداية في شرح بداية المبتدي - المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/ ۵۶، باب الإمامة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت)

ولو تركها أهل مصر يؤمرون بها، فإن قبلوا وإلا يقاتلون عليها لأنها من شعائر الإسلام. (الاختيار لتعليل المختار - عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي (م: ۶۸۳ھ): ۱/ ۵۷، باب صلاة الجماعة، ط: مطبعة الحلبي)

جمعہ کی اذان کے بعد تجارت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔<sup>(۲)</sup> قرآن کریم میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۗ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۳﴾

کہ اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لیے اذان کہی جایا کرے، تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز و خطبہ) کی طرف (فوراً) چل پڑا کرو اور خرید و فروخت (اور اسی طرح دیگر مشاغل، جو چلنے سے مانع ہوں) چھوڑ دیا کرو، یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے، اگر تم کو کچھ سمجھ ہو (کیوں کہ اس کا نفع باقی ہے اور بیع وغیرہ کا فانی)

جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی (ساعت) آتی ہے، جس میں انسان جو بھی دعا کرے، قبول ہوتی ہے۔ (بخاری، حدیث: ۸۸۳، الساعة التي في يوم الجمعة)<sup>[۴]</sup>

جمعہ کی نماز کو سنن و آداب کی رعایت کے ساتھ ادا کی جائے، تو پچھلے دس دن کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (بخاری، حدیث: ۸۳۴، باب الدهن للجمعة)<sup>[۵]</sup>

علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم نے لکھا ہے کہ جمعہ کا دن ہفتہ کے دنوں کا سردار ہے اور رمضان کا مہینہ

(۲) وقوله تعالى وذروا البيع، قال أبو بكر: اختلف السلف في وقت النهي عن البيع، فروي عن مسروق والضحاك ومسلم بن يسار أن البيع يحرم بزوال الشمس، وقال مجاهد والزهري: يحرم بالنداء، وقد قيل: إن اعتبار الوقت في ذلك أولى، إذ كان عليهم الحضور عند دخول الوقت، فلا يسقط ذلك عنهم تأخير النداء، ولما لم يكن للنداء قبل الزوال معنى، دل ذلك على أن النداء الذي بعد الزوال، إنما هو بعد ما قد وجب إتيان الصلاة، واختلفوا في جواز البيع عند نداء الصلاة، فقال أبو حنيفة وأبو يوسف وزفر ومحمد والشافعي: البيع يقع مع النهي، وقال مالك: البيع باطل. (أحكام القرآن - أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي (م: ۳۷۰ھ) ۳/۵، الجمعة: ۹، ت: محمد صادق القمحاوي، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(۳) ۶۲ - الجمعة: ۹.

(۴) عن أبي هريرة: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ذكر يوم الجمعة، فقال: فيه ساعة، لا يوافقها عبد مسلم، وهو قائم يصلي، يسأل الله تعالى شيئاً، إلا أعطاه إياه، وأشار بيده يقللها. (صحيح البخاری: ۱/۱۲۸، كتاب الجمعة، باب الساعة التي في يوم الجمعة، ط: البدر - ديوبند)

(۵) عن سلمان الفارسي، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: «لا يغتسل رجل يوم الجمعة، ويتطهر ما استطاع من طهر، ويدهن من دهنه، أو يمس من طيب بيته، ثم يخرج فلا يفرق بين اثنين، ثم يصلي ما كتب له، ثم ينصت إذا تكلم الإمام، إلا غفر له ما بينه وبين الجمعة الأخرى». (صحيح البخاری: ۱/۱۲۱، باب الدهن للجمعة، كتاب الجمعة)

تمام مہینوں کا سردار ہے۔<sup>(۶)</sup> پس جمعہ کا دن جیسا گزرے گا، باقی دن بھی ویسے گزریں گے اور رمضان کا مہینہ جیسا گزرے گا، باقی گیارہ مہینے بھی ویسے گزریں گے۔

اس لیے علماء نے سوچا کہ ہفتہ میں ایک دن یا کم از کم مہینہ میں دو جمعے ایسے گزریں کہ ان میں لوگ دین کی باتیں سنیں اور آخرت کی طرف توجہ کریں، اس فانی دنیا سے دل ہٹا کر تھوڑے وقت کے لیے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی باتوں کو سننے میں مشغول رہیں۔

خطبہ سے پہلے وعظ کہنا حضرات صحابہؓ سے ثابت ہے، حضرت ابو ہریرہؓ جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے احادیث بیان کرتے تھے، اس کے بعد حضرت عمرؓ خطبہ دیتے تھے۔ (مستدرک حاکم: ۱/۱۰۸) [۷]

اسی طرح حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت تمیم داریؓ خطبہ سے پہلے بیان کیا کرتے تھے۔ (مسند امام احمد بن حنبل: ۱/۴۴۹) [۸]

علامہ زبیدی (احیاء العلوم کے شارح) تحریر فرماتے ہیں کہ ابن ابی شیبہ نے لکھا ہے کہ حضرت سائبؓ، حضرت عبداللہ بن بسر، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ جمعہ سے پہلے دینی مجلس کو جائز کہتے تھے۔ (شرح احیاء علوم الدین: ۳/۲۷۷) [۹]

(۶) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد - ابن قیم الجوزیة (م: ۵۱: ۷) ۱/۳۶۳، فصل فی خواص یوم الجمعة وہی ثلاث و ثلاثون، ط: مؤسسة الرسالة، بیروت - مکتبة المنار الإسلامية، الکویت۔

[۷] عن عاصم بن محمد بن زید، عن أبيه، قال: كان أبو هريرة يقوم يوم الجمعة إلى جانب المنبر فيطرح أعقاب نعليه في ذراعيه ثم يقبض على رمانة المنبر، يقول: قال أبو القاسم صلى الله عليه وسلم، قال محمد صلى الله عليه وسلم: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قال الصادق المصدوق صلى الله عليه وسلم، ثم يقول في بعض ذلك: ويل للعرب من شر قد اقترب، فإذا سمع حركة باب المقصورة بخروج الإمام جلس. هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه، هكذا وليس الغرض في تصحيح حديث "ويل للعرب من شر قد اقترب" فقد أخرجناه، إنما الغرض فيه استحباب رواية الحديث على المنبر قبل خروج الإمام. (المستدرک علی الصحیحین - أبو عبد اللہ الحاکم، النیسابوری المعروف ب'ابن البیع' (م: ۴۰۵: ۷) ۱/۱۹۰، رقم الحدیث: ۳۶۷، کتاب العلم، ومنہم یحیی بن أبی المطاع القرشي، ت: مصطفیٰ عبدالقادر عطا، ط: دار الکتب العلمیة - بیروت)

عن محمد بن هلال، عن أبيه، قال: كان أبو هريرة، يحدثنا يوم الجمعة حتى يخرج الإمام. (مصنف ابن أبي شيبة: ۱/۴۶۸، رقم الحدیث: ۵۳۱۱، الحدیث یوم الجمعة قبل الصلاة، ت: کمال یوسف الحوت)

(۸) ر: مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۴۸۹/۲۴، وما بعدها، رقم الحدیث: ۱۵۷۱۵، ۱۵۷۱۶، ط: الرسالة، بیروت۔

[۹] قدروی ابن ابی شیبہ جواز ذلك عن السائب وعبد الله بن بسر وابن عمرو وأبي هريرة. (إتحاف السادة =

لہذا جمعہ سے پہلے علماء کا جو بیان ہوتا ہے اور دینی باتیں و مسائل بیان کیے جاتے ہیں، وہ بہت ہی اہمیت کے حامل ہیں۔ حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ ایک دینی بات اور مسئلہ کا جاننا ہزار رکعت نفل نماز پڑھنے سے زیادہ ثواب رکھتا ہے۔ (ابن ماجہ صفحہ ۱۰)<sup>[۱۰]</sup>

فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ کسی علمی بات میں غور و فکر کرنا، پانچ ہزار مرتبہ قل ہو اللہ (سورہ اخلاص) پڑھنے سے زیادہ ثواب رکھتا ہے۔<sup>[۱۱]</sup> اور ایک حدیث میں ہے کہ دینی مسائل سیکھنے کا ایک دن، دس ہزار سال کی عبادت و بندگی سے بہتر ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ: ۱/۱۵۰)<sup>[۱۲]</sup>

پس ان فضائل کے پیش نظر خطبہ سے پہلے بیان کرنا مستحب اور ثواب کا کام ہے، ہر مسلمان کا دینی تقاضہ ہونا چاہیے کہ جمعہ سے پہلے بیان کے لیے امام صاحب سے درخواست کرے کہ یا تو وہ خود بیان کریں یا کسی مستند و معتبر عالم دین کا انتخاب فرمائیں، تاکہ مخلوق خدا ان کے بیان کو سن کر اپنے ایمان کو مضبوط بنائیں۔

افسوس کی بات ہے کہ مغربی تہذیب کے غلبہ کی وجہ سے دینی مزاج بگڑ گیا ہے، جس کی وجہ سے بعض لوگ بیان و وعظ سے نفرت کرتے ہیں اور اس کو ذہنی غلامی سمجھتے ہیں، ایسا گمان نہایت نقصان دہ ہے، یورپ کے رہنماؤں نے لوگوں میں جو آزادی پیدا کی ہے، وہ دین سے آزاد ہو جانا ہے اور سنت نبوی سے نفرت کرنا ہے، جب کہ قرآن کریم ہمیں حکم دیتا ہے: وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔<sup>(۱۳)</sup> کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن چیزوں کے کرنے کا حکم فرمائیں، ان کو بجالاؤ اور جن چیزوں سے منع کریں، ان سے رک جاؤ۔

= المتقين بشرح احياء علوم الدين - محمد بن محمد الحسيني الزبيدي الشهير بـ 'مرتضى الزبيدي' (م: ۱۲۰۵ھ = ۱۷۹۰م): ۲/۳، ط: مؤسسة التاريخ العربي - بيروت ☆ مصنف ابن أبي شيبة: ۱/۴۶۸، رقم الحديث: ۵۴۰۹، الحديث يوم الجمعة قبل الصلاة، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد - الرياض

[۱۰] عن أبي ذر، قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا أبا ذر، لأن تغدو فتعلم آية من كتاب الله، خير لك من أن تصلي مائة ركعة، ولأن تغدو فتعلم بابا من العلم، عمل به أو لم يعمل، خير من أن تصلي ألف ركعة. (سنن ابن ماجه، ص: ۱۰، رقم الحديث: ۲۱۹، افتتاح الكتاب في الإيمان وفضائل الصحابة والعلم، باب فضل من تعلم القرآن وعلمه، ط: البدر - ديوبند)

[۱۱] وعن ابن مقاتل النظر في العلم أفضل من قراءة {قل هو الله أحد} خمسة آلاف مرة كذا في التتارخانية. (الفتاوى الهندية: ۳/۷۵، كتاب الكراهية، الباب الثلاثون في المتفرقات، ط: دار الفكر - بيروت)

[۱۲] لم أجدها الشطر في الفتاوى الهندية.

(۱۳) - الحشر: ۷-



اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين“۔  
(ابوداؤد، حدیث: ۳۹۹۱، السنۃ) [۱۳] تم میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑ لو۔

اسلام کا معنی ہی ہے ماننا اور فرماں برداری کرنا، رسول اللہ ﷺ کی سنتوں پر عمل کیے بغیر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا، ایمان لانے کے بعد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیم کو ماننا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے، اسی پر کام یا بی کا مدار ہے۔ اور علماء اسی ذہنی غلامی (جسے صحیح معنوں میں دینی غلامی کہا جائے، جو درحقیقت اطاعت و بندگی کی واضح علامت ہے) کی طرف بلاتے ہیں، اپنی غلامی کی طرف کوئی نہیں بلاتا، لہذا خطبہ سے پہلے بیان یا وعظ بلاشبہ جائز ہے۔

البتہ اتنا لمبا بیان کرنا کہ لوگوں کو پریشانی ہو اور ان کے کاموں میں حرج ہو، درست نہیں، اس سے اجتناب ضروری ہے، اسی طرح کبھی کبھار جمعہ کا بیان ترک بھی کر دیا جائے، تاکہ لوگ اس کو ضروری نہ سمجھ بیٹھیں۔ پس بہتر یہ ہے کہ امام صاحب یا کمیٹی والے یا ذمہ داران کوئی وقت بیان کا مقرر کر دیں، تاکہ خطیب اپنا بیان لمبا کر کے لوگوں کو تکلیف میں نہ ڈالے، اور وقت پر بیان ختم ہو کر خطبہ اور نماز شروع ہو جائے۔<sup>(۱۵)</sup>  
فقط واللہ اعلم بالصواب۔

## [۷] جمعہ میں خطبہ سے پہلے تقریر کرنا ثابت ہے یا نہیں؟

۹۹۷- سوال: خطبہ سے پہلے تقریر کرنا کیسا ہے؟ بعض عرب حضرات کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے۔

**الجواب حامدا ومصليا:**

جائز ہے، اور صحابہ کرام کے عمل سے ثابت ہے، فتاویٰ رحیمیہ، جو انگریزی میں بھی چھپی ہوئی ہے،

(۱۳) سنن أبي داود ۲/۲: ۶۳۵، رقم الحدیث: ۲۶۰۷، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ، ط: البدر - دیوبند ☆ سنن الترمذی: ۲/۹۱، رقم الحدیث: ۲۶۷۶، أبواب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنۃ واجتناب البدع ☆ سنن ابن ماجہ، ص: ۵، رقم الحدیث: ۴۲، ۴۳، افتتاح الكتاب، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين.

(۱۵) عن أبي وائل، قال: كان عبد الله يذكر الناس في كل خميس فقال له رجل: يا أبا عبد الرحمن لو ددت أنك ذكرتنا كل يوم؟ قال: أما إنه يمنعني من ذلك أني أكره أن أملككم، وإني أتخولكم بالموعظة، كما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولنا بها، مخافة السامة علينا". (صحيح البخاري: ۱۶/۱، كتاب العلم، باب من جعل لاهل العلم اياما

اس میں ملاحظہ فرمائیں۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۸] جمعہ کے خطبہ سے پہلے کس موضوع پر بیان کرنا چاہیے؟

۹۹۸-سوال: ہمارے یہاں جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے خطبہ کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ اس ترجمہ میں نصیحت کے طور پر کچھ خارجی باتیں۔ جو خطبہ میں نہ ہوں۔ بیان کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً آج کل مسلمان ہندوؤں کے تہوار میں شریک ہوتے ہیں، ان کی ہولی، دیوالی، اور نوراتری وغیرہ میں جاتے ہیں؛ بل کہ نوراتری میں تو مسلمان لڑکیاں ان کے ناچ میں بھی شریک ہوتی ہیں، تو اس طرح کی معاشرتی برائیوں سے لوگوں کو متنبہ کرنا اس ترجمہ میں جائز ہے یا نہیں؟ بیٹو اتو جروا۔

### الجواب حامداً ومصلياً:

خطبہ سے پہلے خطیب کا وعظ و نصیحت کرنا جائز؛ بل کہ مستحسن ہے، اور جو خطبہ عربی میں ہے، اسی کا ترجمہ ضروری نہیں، خطیب کو جو موضوع مناسب لگے، اس پر وہ تقریر کر سکتے ہیں۔

آپ نے جن موضوعات کا سوال میں ذکر کیا ہے، ان پر وعظ کہنا بہت ہی ضروری ہے، بعض جگہوں پر تو مسلمانوں کا ایمان خطرے میں ہے، ان کے ایسے کرتوت ہیں کہ ایمان سے نکل جانے کا اندیشہ ہے، پس ان چیزوں سے انہیں متنبہ کرنا ضروری ہے، تاکہ ان کا ایمان محفوظ ہو جائے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) مسئلہ کی تفصیل و تخریج کے ملاحظہ فرمائیں عنوان: ”جمعہ سے قبل بیان ثابت ہے، بدعت نہیں ہے“۔

(۲) عن تمیم الداری أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: الدين النصيحة، قلنا: لمن؟ قال: لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم. (الصحيح لمسلم: ۱/۵۴، رقم الحديث: ۹۵-۹۵)، كتاب الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، ط: مختار ايند كمپني - ديوبند) \_\_\_\_\_ قال النووي: وأما نصيحة عامة المسلمين وهم من عدا ولاية الأمر فإرادهم لمصالحهم في آخرتهم وديارهم وكف الأذى عنهم فيعلمهم ما يجهلون من دينهم ويعينهم عليه بالقول والفعل وستر عوراتهم وسد خلاتهم ودفع المضار عنهم وجلب المنافع لهم وأمرهم بالمعروف ونهيهم عن المنكر برفق وإخلاص والشفقة عليهم وتوقير كبيرهم ورحمة صغيرهم... قال ابن بطال رحمه الله في هذا الحديث: ... النصيحة فرض يجزي فيه من قام به ويسقط عن الباقي، قال: والنصيحة لازمة على قدر الطاقة، إذا علم الناصح أنه يقبل نصحه، ويطاق أمره، وأمن على نفسه المكروه، فإن خشى على نفسه أذى، فهو في سعة، والله أعلم. (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج - أبو بكر يامحبي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ۶۷۷-هـ):

۳۹/۲، باب بيان أن الدين النصيحة، ط: دار إحياء التراث العربي)

## [۹] جمعہ کے دن اذان اور خطبہ کے درمیان وعظ کا حکم

۹۹۹-سوال: جمعہ کے دن جمعہ کی اذان اور خطبہ کے درمیان امام صاحب وعظ کہتے ہیں، تو کیا یہ جائز ہے؟ حالاں کہ اذان اور خطبہ کے درمیان لوگ سنتیں پڑھتے ہیں، تو کیا اس میں خلل واقع نہ ہوگا؟ اور کیا اذان اور خطبہ کے درمیان وعظ کیا جائے، یہ بہتر ہے یا جمعہ کی نماز اور دعا کے بعد کیا جائے، وہ بہتر ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب حامدًا ومصلياً

جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے وعظ اور تقریر کرنا جائز ہے، لوگوں کے جمع ہونے پر خطبہ سے پہلے وعظ کرنے میں زیادہ فائدہ ہے۔ نماز سے فراغت کے بعد وعظ کہنے پر لوگ اپنے کام کی وجہ سے روانہ ہو جائیں گے؛ اس لیے خطبہ سے پہلے بیان بہتر ہے۔

وعظ شروع ہونے کے بعد آنے والوں کی نماز میں خلل ہو، تو وہ بھی وعظ میں شریک ہو جائیں

= عن أبي وائل، قال: كان عبد الله يذكر الناس في كل خميس، فقال له رجل: يا أبا عبد الرحمن، لو ددت أنك ذكرتنا كل يوم؟ قال: أما إنه يمنعني من ذلك أني أكره أن أملككم، وإني أتخولكم بالموعظة، كما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولنا بها، مخافة السامة علينا". (صحيح البخاري: ۱/۱۶، رقم الحديث: ۷۰، كتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم أياماً معلومة، ط: البدر - ديوبند)

الثالثة والثلاثون: إنه يوم اجتماع الناس وتذكيرهم بالمبدأ والمعاد، وقد شرع الله سبحانه وتعالى لكل أمة في الأسبوع يوماً يتفرغون فيه للعبادة ويجتمعون فيه لتذكير المبدأ والمعاد، والثواب والعقاب، ويتذكرون به اجتماعهم يوم الجمع الأكبر قياماً بين يدي رب العالمين، وكان أحق الأيام بهذا الغرض المطلوب اليوم الذي يجمع الله فيه الخلائق، وذلك يوم الجمعة. (زاد المعاد في هدي خير العباد - شمس الدين ابن قيم الجوزية (م: ۷۱: ۷)، فصل في خواص يوم الجمعة وهي ثلاث وثلاثون، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت - مكتبة المنار الإسلامية، الكويت)

فقیر الامت مفتی محمود حسن گنگوہی رقم طراز ہیں: رہا خصوصیت کے ساتھ نماز جمعہ اور خطبہ سے قبل یا بعد نماز جمعہ، سو اس سے متعلق انکار کسی جگہ وارد نہیں، بل کہ اصل یہ ہے کہ جس وقت سہولت سے آدمی جمع ہو جائیں، یا جس وقت ضرورت پیش آئے، اسی وقت اس فریضہ تبلیغ کو ادا کرنی چاہیے، جمعہ کا دن اجتماع مسلمین کا دن ہوتا ہے، اس لیے اس دن کو اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۸/۲۶۵، خطبہ سے پہلے اردو میں وعظ، ط: دارالمعارف - دیوبند)

اور وعظ کے بعد پانچ منٹ کا وقت سنتوں کے لیے دیا جائے، تاکہ بعد میں آنے والے سنتیں پڑھ لیں، اس طرح نماز میں کوئی خلل واقع نہ ہوگا۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۱۰] جمعہ کی نماز کے لیے عمامہ باندھنا

۱۰۰۰-سوال: میں ہر جمعہ کو جب گھر سے مسجد نماز پڑھنے کے لیے جاتا ہوں، تو عمامہ باندھ کر جاتا ہوں اور نماز پڑھ کر جب گھر آتا ہوں، تو عمامہ کھول دیتا ہوں، گھر سے مسجد سات آٹھ منٹ کا راستہ ہے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ خاص جمعہ کو عمامہ باندھنا بدعت ہے، تو اس سلسلہ میں شریعت کی روشنی میں صحیح رہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں۔

#### الجواب حامدًا ومصلياً:

عمامہ باندھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے، تو مبارک سر پر، کالا عمامہ تھا۔<sup>(۲)</sup>

ایک حدیث میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور اچھے کپڑے پہنے، خوشبو لگائی، اگر خوشبو موجود ہو اور جمعہ کے لیے نکلا، اس حال میں کہ لوگوں کی گردنوں کو اس نے نہیں پھلانگا، اس کے بعد اس نے نماز پڑھی اور خاموش رہا، جب امام خطبہ کے لیے نکلا، تو اس کا یہ عمل گزشتہ جمعہ سے اس جمعہ تک کے جتنے (صغیرہ) گناہ ہوں گے، سب کے لیے کفارہ بن جائے گا۔ (ابوداؤد شریف)<sup>[۳]</sup>

(۱) مسئلہ کی تفصیل و تخریج کے ملاحظہ فرمائیں عنوان: ”جمعہ سے قبل بیان ثابت ہے، بدعت نہیں ہے“ اور ”جمعہ کے خطبہ سے پہلے مس موضوع پر بیان کرنا چاہیے؟“

(۲) عن جابر بن عبد الله، أن النبي صلى الله عليه وسلم دخل يوم فتح مكة، وعليه عمامة سوداء. (الصحيح لمسلم: ۴۳۹/۱، رقم الحديث: ۱۳۵۸، كتاب الحج، باب جواز دخول مكة بغير إحرام، ط: البدر - ديوبند)

(۳) عن أبي سعيد الخدري، وأبي هريرة، قالوا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من اغتسل يوم الجمعة ولبس من أحسن ثيابه، ومس من طيب إن كان عنده، ثم أتى الجمعة فلم يتخط أعناق الناس، ثم صلى ما كتب الله له، ثم أنصت إذا خرج إمامه، حتى يفرغ من صلاته، كانت كفارة لما بينها وبين جمعته التي قبلها». (سنن ابوداؤد: ۱/۱۵۲، رقم الحديث: ۳۲۳، باب الغسل يوم الجمعة، ط: البدر - ديوبند)

ایک روایت میں حضرت عبد اللہ بن سلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر کسی میں استطاعت ہو تو روزانہ کے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے لیے ایک مخصوص کپڑے کا جوڑا بنائے رکھے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (ابن ماجہ) [۱]

ان تمام روایات سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں: (۱) عمامہ باندھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ (۲) ممکن ہو تو ایک عمدہ جوڑا کپڑے کا استطاعت کے موافق بنا کر رکھے اور ہر جمعہ کو نیز ایک روایت کے بموجب عیدین میں اس کو پہننے، کہ یہ بہتر ہے۔ (۳) جمعہ کے دن اچھے عمدہ کپڑے پہننے۔

لہذا اگر آپ جمعہ یا عیدین میں اچھے کپڑے پہنتے ہیں، اور عمامہ باندھتے ہیں، تو یہ عین سنت ہے، اس کو بدعت کہنا جائز نہیں، البتہ اگر سنت کو ضروری سمجھ لیا جائے گا اور دوسرے لوگ۔ جو عمامہ نہیں باندھتے ہیں۔ ان پر تنقید کی جائے، تو یہ عمل بدعت بن جائے گا۔ (۲) پس آپ جب تک مذکورہ احادیث کے پیش نظر اس کو سنت زائدہ (مستحب) سمجھ کر کریں گے، جائز ہوگا اور بدعت کہنے والے غلطی پر ہیں، اور غلط مسئلہ بتانا گناہ کا کام ہے اور ایسے جاہل مفتی۔ جو سنت کو بدعت بتلا رہے ہیں۔ کا پیدا ہونا، قیامت کی علامتوں میں سے ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۱] خطیب کا ہاتھ میں عصا لینا

۱۰۰۱- سوال: ہمارے یہاں امام صاحب جمعہ کے خطبہ میں کبھی ہاتھ میں عصا لیتے ہیں اور کبھی نہیں لیتے ہیں، تو شرعاً خطبہ کے وقت عصا لینے کے متعلق کیا حکم ہے؟ تفصیل سے بیان فرمائیں۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

جمعہ اور عیدین کے خطبہ میں عصا لینے کے متعلق درمختار میں خلاصۃ الفتاویٰ کے حوالہ سے مکر وہ

(۱) عن عبد الله بن سلام، أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول على المنبر في يوم الجمعة: ما على أحدكم لو اشترى ثوبين ليوم الجمعة، سوى ثوب مهنته. (ابن ماجه، ص: ۷۷، رقم الحديث: ۱۰۹۵، باب ماجاء في الزينة يوم الجمعة، ط: أشرفي - ديوبند، ورواه أيضا عن عائشة - رضي الله عنها، برقم: ۱۰۹۶، سنن أبي داود: ۱۵۳/۱، رقم الحديث: ۱۰۷۸، باب اللبس للجمعة، ط: البدر - ديوبند)

(۲) قال ابن المنير: فيه أن المندوبات قد تنقلب مكرهات إذا رفعت عن رتبها؛ لأن التيامن مستحب في كل شيء أي من أمور العبادة لكن لما خشى بن مسعود أن يعتقدوا وجوبه أشار إلى كراهته. (فتح الباری - ابن حجر العسقلاني: ۳۲۸/۲، كتاب الأذان، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال، ط: دار المعرفة - بيروت)

لکھا ہوا ہے۔<sup>(۱)</sup> اسی طرح عالم گیری میں بھی اس کو مکروہ لکھا ہے۔<sup>(۲)</sup> لیکن طحاوی میں سنت لکھا ہے۔<sup>(۳)</sup> شامی میں بھی اس کا سنت ہونا مذکور ہے۔<sup>(۴)</sup> اور یہی (سنت ہونے کی بات) صحیح ہے؛ کیوں کہ ابوداؤد شریف کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ میں عصا یا کمان کا سہارا لیتے تھے۔<sup>(۵)</sup> مذکورہ اختلاف میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ عصا ہاتھ میں لینا سنن زوائد میں سے ہے؛ لیکن اگر اس کو ضروری سمجھا جائے اور نہ لینے پر لعن طعن ہو، تو عصا لینا مکروہ ہوگا؛ کیوں کہ سنت کو ضروری سمجھنے سے شریعت کی حدیں ٹوٹی ہیں۔

اسی بناء پر علماء نے لکھا ہے کہ امر مستحب پر اصرار بدعت ہے، جس کو ترک کرنا لازم ہے۔<sup>(۶)</sup> لہذا سوال میں آپ نے جو صورت بیان کی ہے کہ امام صاحب گاہے عصا لیتے ہیں اور گاہے نہیں لیتے ہیں، تو وہ صحیح

(۱، ۲) وفي الخلاصة: ويكره أن يتكى على قوس أو عصا. (الدر المختار) — وقال ابن عابدين: (قوله وفي الخلاصة إلخ) استشكله في الحلية بأنه في رواية أبي داود أنه - صلى الله عليه وسلم - قام: أي في الخطبة متوكئا على عصا أو قوس. اهـ. ونقل القهستاني عن المحيط أن أخذ العصا سنة كالقيام (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۶۳، باب الجمعة، ط: دار الفكر)

(۲) ويكره أن يخطف متكئا على قوس أو عصا، كذا في الخلاصة، وهكذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۸، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: دار الفكر)

(۳) وفيه إشارة إلى أنه يكره الإتكاء على غيره كعصا وقوس خلاصة؛ لأنه خلاف السنة محيط وناقش فيه ابن أمير حاج بأنه ثبت أنه صلى الله عليه وسلم قام خطيباً بالمدينة متكئا على عصا أو قوس كما في أبي داود وكذا رواه البراء بن عازب عنه صلى الله عليه وسلم وصححه ابن السكن. (حاشية الطحاوي على المراقي - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحاوي الحنفي (م: ۱۲۱۳ هـ)، ص: ۵۱۵، باب الجمعة، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۵) عن شعيب بن رزيق الطائفي، قال: جلست إلى رجل له صحبة من رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقال له: الحكم بن حزن الكلبي، فأنشأ يحدثنا، قال: وفدت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم سابع سبعة - أو تاسع تسعة - فدخلنا عليه، فقلنا: يا رسول الله، زرنناك فإدع الله لنا بخير، فأمر بنا، أو أمر لنا بشيء من التمر، والشأن إذ ذاك دون، فأقمنا بها أياما شهدنا فيها الجمعة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام متوكئا على عصا، أو قوس، فحمد الله وأثنى عليه... الحديث. (سنن أبي داؤد: ۱/ ۱۵۶، رقم الحديث: ۱۰۹۶، كتاب الصلاة، باب الرجل يخطف على قوس، ط: البدر - ديوبند)

(۶) قال ابن حجر في شرحه: قال ابن المنير: فيه أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبها؛ لأن التيامن مستحب في كل شيء، أي من أمور العبادة؛ لكن لما خشى ابن مسعود أن يعتقدوا وجوبه، أشار إلى كراهته، والله أعلم. (فتح الباري - ابن حجر العسقلاني (م: ۸۵۲ هـ)، ۲/ ۳۳۸، قوله باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال، رقم الحديث: ۸۵۲، ط: دار المعرفة - بيروت)

کرتے ہیں؛ کیوں کہ ہر جمعہ میں عصا لینے سے عوام اس کو ضروری سمجھنے لگے گی، پس کبھی نہ لے، تو اس کی گنجائش ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۲] جمعہ کے دن خطبہ دیتے وقت خطیب کا عصا کو ہاتھ میں لینا

۱۰۰۲- سوال: جمعہ کی نماز میں خطبہ کے وقت امام صاحب کے لیے عصا ہاتھ میں پکڑنا کیسا ہے؟

**الجواب حامدًا ومصلياً:**

جمعہ کے خطبہ میں امام صاحب کا ہاتھ میں عصا پکڑنا مستحب ہے؛ لیکن اس کو ضروری سمجھ لینا غلط ہے، اگر لوگ ضروری سمجھتے ہوں، تو نہ پکڑے اور اگر ضروری نہ سمجھتے ہوں، تو پکڑنا مستحب ہے۔ (شامی جلد ۲ صفحہ ۱۶۳)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] خطبہ جمعہ میں امام کا عصا لے کر کھڑا ہونا

۱۰۰۳- سوال: کیا جمعہ کے خطبے میں امام کے لیے ہاتھ میں عصا لے کر کھڑا ہونا ضروری ہے؟

عصا کا کیا درجہ ہے؟

**الجواب حامدًا ومصلياً:**

خطبہ کے وقت عصا یا تلوار ہاتھ میں لینا واجب اور ضروری نہیں ہے، خطبہ کی صحت کا مدار اُس پر نہیں ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ خطبے کے وقت عصا پکڑنا مستحب ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) وفي الخلاصة: ويكره أن يتكئ على قوس أو عصا. (الدر المختار) — وقال ابن عابدين: (قوله وفي الخلاصة الخ) استشكله في الحلية بأنه في رواية أبي داود: أنه - صلى الله عليه وسلم - قام: أي في الخطبة متوكفاً على عصا أو قوس. اهـ. ونقل القهستاني عن المحيط أن أخذ العصا سنة كالقيام (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۶۳، باب الجمعة، ط: دار الفكر)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: ”خطیب کا ہاتھ میں عصا لینا“

(۲) قد تقدم تخريجه عن سنن أبي داؤد (۱/ ۱۵۶)، رقم الحديث: ۱۰۹۶، كتاب الصلاة، باب الرجل يخطب على قوس، ط: ديوبند) وحاشية الطحطاوي على المراقي (ص: ۵۱۵)، باب الجمعة، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية) و الفتاوى الهندية (۱/ ۱۳۸)، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: دار الفكر) و رد المحتار على الدر المختار (۲/ ۱۶۳، باب الجمعة، ط: دار الفكر) تحت عنوان: ”خطیب کا ہاتھ میں عصا لینا“

[۱۴] خطبہ جمعہ کے دوران امام کا عصا پکڑنا

[۱۵] سنت مؤکدہ، غیر مؤکدہ اور مباح کے معنی

۱۰۰۴- سوال: (الف) ایک مسجد کے امام صاحب بعض مرتبہ خطبہ جمعہ میں عصا ہاتھ میں لیتے ہیں، اور بعض جمعہ میں عصا نہیں پکڑتے، تو عصا ہاتھ میں لے کر خطبہ پڑھنا مسنون ہے یا مستحب؟ عصا چھوڑ دینے کی وجہ سے امام گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ تفصیلاً رہنمائی فرمائیں۔

(ب): ایک مرتبہ جب امام صاحب جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے، اُس دوران ایک شخص نے کھڑے ہو کر بہ آواز بلند امام صاحب سے کہا کہ عصا ہاتھ میں لیجیے، عصا لے کر خطبہ پڑھنا سنت ہے، تو کیا اس طرح خطبے کے دوران بات کرنا جائز ہے؟ جمعہ کا خطبہ شروع ہونے کے بعد سنتیں پڑھی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

(ج): جب عصا پکڑنے کے متعلق بحث ہوئی کہ عصا پکڑنا مسنون ہے، تو امام صاحب نے فرمایا کہ سنت غیر مؤکدہ ہے، اور سنت غیر مؤکدہ اور مستحب دونوں ایک ہی ہیں، تو کیا یہ صحیح ہے؟ یا دونوں میں کچھ فرق ہے؟ سنت مؤکدہ، غیر مؤکدہ اور مستحب وغیرہ کے درجات کیا ہیں؟ بالتفصیل سمجھائیں۔

### الجواب حامداً ومصلياً:

(الف) جو علاقے جہاد کے ذریعہ فتح ہوئے ہیں اُن میں تلوار ہاتھ میں لے کر خطبہ دینا مستحب ہے۔<sup>(۱)</sup>  
لہذا عصا پکڑنا مستحب ہے، ضروری نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup>

(ب): جب امام خطبہ کے لیے نکلے، تو کوئی بھی نماز یا بات جائز نہیں ہے۔<sup>(۳)</sup>

(۱) ويتقلد الخطيب السيف في كل بلدة فتحت بالسيف، كذا في شرح الطحاوي. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۸، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: دار الفكر)  
(۲) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: "خطیب کا ہاتھ میں عصا لینا"۔

(۳) وإذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۷، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: دار الفكر) رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۶۰، باب الجمعة، ط: دار الفكر

"وإذا خرج الإمام يوم الجمعة ترك الناس الصلاة والكلام حتى يفرغ من خطبته". (الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر المرغيناني (م: ۵۹۳ھ): ۱/۸۴، باب صلاة الجمعة، ط: دار احياء التراث العربي)



رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن امام کے خطبہ دینے کے دوران بات کی، وہ اُس گدھے جیسا ہے، جس پر کتا میں لدی ہوئی ہوں، اور وہ شخص جو اُس سے کہے کہ خاموش رہ، اُس کو جمعہ کی فضیلت کا کوئی حصہ نصیب نہ ہوگا۔<sup>(۴)</sup>

نیز ایک روایت میں ہے کہ جس نے کسی بات کرنے والے سے کہا کہ: خاموش رہ، اُس نے بھی لغوبات کی۔<sup>(۵)</sup>

ان روایات حدیث و فقہ کے پیش نظر اگر کوئی شخص دو خطبوں کے درمیان کھڑا ہو کر امام سے عصا پکڑنے کے لیے کہے، تو وہ بہت بڑا گنہگار ہے؛ اس لیے کہ متعدد احادیث میں یہ مروی ہے کہ کسی بات کرنے والے کو خاموش کرنا بھی لغوکام ہے، حالانکہ عام احوال میں تبلیغ ہر شخص کا فریضہ ہے، اُس سے بھی خطبہ کے دوران منع فرمایا گیا، جس سے انصت یعنی خاموش رہ کر خطبہ سننے کا وجوب مستفاد ہوتا ہے۔<sup>(۶)</sup>

دوسرا گناہ یہ ہے کہ امام کی برسر عام توہین کی ہے، جو فسادِ عام کا سبب اور ایذاءِ مسلم ہے، اور ایذاءِ مسلم حرام ہے۔<sup>(۷)</sup> لہذا ایسے شخص کو امام صاحب کے پاس معافی مانگنی چاہیے۔

(۴) عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من تكلم يوم الجمعة والإمام يخطب، فهو كمثل الحمار يحمل أسفارا، والذي يقول له: أنصت، ليس له جمعة". (مسند الإمام أحمد بن حنبل (م: ۲۱۳ھ): ۳/۷۵۴، رقم الحديث: ۲۰۳۳، مسند عبد الله بن العباس بن عبد المطلب، عن النبي صلى الله عليه وسلم، ت: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة)

(۵) .. سعيد بن المسيب، أن أبا هريرة، أخبره: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت، والإمام يخطب، فقد لغوت". (صحيح البخاري: ۱/۱۲۷-۱۲۸، رقم الحديث: ۹۳۴، كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۲۸۱، رقم الحديث: ۱۱- (۸۵۱)، باب في الإنصات يوم الجمعة في الخطبة، ط: البدر - ديوبند)

(۶) (واستقبلوه مستمعين) منصتين سواء كانوا أقربيين أو بعيدين في الأصح فلا يشمتون عاطسا ولا يردون سلاما ولا يقرءون قرآنا. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد، المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ 'داماد أفندي' (م: ۷۸۰ھ) ۱/۱۷۱، باب صلاة الجمعة، شرط وجوب الجمعة، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۷) (ما يحل لمؤمن أن يشتد إلى أخيه) في الإسلام (بنظرة تؤذيه) فإن إيذاء المؤمن حرام ونه بحرمة النظر على حرمة ما فوقه من نحو سب أو شتم أو ضرب بالأولى. (فيض القدير شرح الجامع الصغير - زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين بن علي الحدادي ثم المناوي القاهري (م: ۱۰۳۱ھ) ۵/۵۰۴، رقم الحديث: ۸۱۲۳، حرف الميم، ط: المكتبة التجارية الكبرى - مصر)

تیسرا یہ کہ باعتبار حکم شرعی عصا پکڑنا مستحب ہے، لہذا اُس کو ضروری سمجھ کر ردِ عمل کے طور پر کسی ناجائز فعل کا ارتکاب کرنا گناہ ہے، لہذا احرام ہے۔

(ج): سنت غیر مؤکدہ کو مستحب بھی کہا جاتا ہے، لہذا امام صاحب کا فرمان بجا ہے، سنت مؤکدہ آپ ﷺ کے اُس عمل کو کہا جاتا ہے، جسے آپ ﷺ نے اکثر کیا ہو اور کبھی کبھی چھوڑ دیا ہو، لہذا سنت مؤکدہ کو چھوڑنے کی عادت بنانا گناہ ہے، البتہ کبھی کبھار چھوڑ دینے سے گناہ نہ ہوگا۔ (شامی)<sup>[۸]</sup>

سنن زوائد جسے مستحب یا نفل بھی کہا جاتا ہے؛ وہ آپ ﷺ کا ایسا عمل ہے، جو آپ نے ہمیشہ نہ کیا ہو، کبھی کیا ہو اور کبھی چھوڑ دیا ہو، یا اکثر چھوڑ دیا ہو، اس پر عمل کرنے سے ثواب ملے گا؛ البتہ چھوڑنے والا گنہگار نہیں ہوگا۔<sup>(۹)</sup>

مثلاً فجر سے قبل دو رکعت سنت مؤکدہ ہے، اگر کوئی شخص اُسے ہمیشہ چھوڑنے کی عادت بنا لے، تو گنہگار ہوگا، فاسق شمار ہوگا، اُس کے برخلاف عصر سے قبل کی چار رکعت، یا تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد وغیرہ سنن (۸) فما كان فعله أولى من تركه مع منع الترتك إن ثبت بدليل قطعي ففرض، أو بظني فواجب، وبلا منع الترتك إن كان مما واطب عليه الرسول - صلى الله عليه وسلم - أو الخلفاء الراشدون من بعده فسنة، وإلا فمندوب ونفل. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۱۰۲، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، مطلب في السنة وتعريفها، ط: دار الفكر) والسنة نوعان: سنة الهدى، وتركها يوجب إساءة وكرهية كالجماعة والأذان والإقامة ونحوها.

وسنة الزوائد، وتركها لا يوجب ذلك كسير النبي - عليه الصلاة والسلام - في لباسه وقيامه وقعوده... السنة هي الطريقة المسلوكة في الدين، فهي في نفسها عبادة... ولما لم تكن من مكملات الدين وشعاره سميت سنة الزوائد، بخلاف سنة الهدى، وهي السنن المؤكدة القريبة من الواجب التي يضلل تاركها؛ لأن تاركها استخفاف بالدين. (حوال السابق: ۱/۱۰۳)

فالأولى ما في التحرير أن ما واطب عليه مع ترك ما بلا عذر سنة، وما لم يواظب عليه مندوب ومستحب وإن لم يفعل بعد ما رغب فيه أهد بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۱۲۳، سنن الوضوء، ط: دار الفكر)

(۹) النفل... يثاب فاعله ولا يسيء تاركه. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۱۰۳، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، مطلب في السنة وتعريفها، ط: دار الفكر)

اعلم أن الذي عليه الأصوليون عدم الفرق بين المستحب والمندوب وأن ما واطب عليه - صلى الله تعالى عليه وسلم - مع ترك ما بلا عذر سنة وما لم يواظب عليه مندوب ومستحب وإن لم يفعل بعد ما رغب فيه كذا في التحرير وعند الفقهاء المستحب ما فعله النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم - مرة وتركه أخرى، والمندوب ما فعله مرة أو مرتين تعليماً للجواز كذا في شرح النقاية. (منحة الخالق على البحر الرائق: ۲/۷۸، كتاب الصوم، أقسام الصوم، ط: دار الكتاب الإسلامي، البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۱/۲۹، سنن الوضوء، ط: دار الكتاب الإسلامي)

زوائد ہیں، اگر کوئی شخص اُن پر عمل کرے گا تو ثواب ملے گا، لیکن چھوڑ دینے سے گنہگار نہیں ہوگا۔  
 مباح یعنی وہ عمل جو جائز ہو، یعنی جس کے کرنے پر ثواب نہیں اور نہ کرنے پر کوئی گناہ بھی نہیں، البتہ اگر نیک نیتی کے ساتھ کوئی عمل مباح کیا جائے، تو اُس پر ثواب ملے گا۔<sup>(۱)</sup> مثلاً مقوی دوا کھانا جائز ہے، اب کسی نے یہ دوا استعمال کرتے وقت یہ نیت کی کہ اس کے ذریعہ قوت حاصل ہوگی اور میں تین دن کی جماعت میں نکل سکوں گا، یا میرا فلاں مریض رشتہ دار۔ جو ۱۰۰ کلومیٹر دور رہتا ہے۔ اُس کی عیادت کے لیے جا سکوں گا، تو مذکورہ نیت کا ثواب ملے گا، مزید تفصیل کے لیے رسالہ ”عقائد اسلام“ صفحہ: ۱۸-۲۱۷ کا مطالعہ کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۱۶] بڑی مسجد میں خطبہ اردو میں ہو تو چھوٹی مسجد میں قیام جمعہ

۱۰۰۵-سوال ہمارے گاؤں میں تین مسجد ہے، جن میں سے ایک ”جمعہ مسجد“ بھی ہے اور دوسری دو چھوٹی مسجدیں ہیں، گاؤں کا ماحول بدعت زدہ ہے۔ ”جمعہ مسجد“ میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور اس میں بھی خطبہ اردو میں ہوتا ہے، ایک چھوٹی مسجد کے امام صاحب پابند شریعت ہیں، گاؤں کے ماحول کی وجہ سے وہ جمعہ مسجد میں عربی میں خطبہ نہیں دے سکتے؛ لیکن وہ اپنی چھوٹی مسجد میں عربی میں خطبہ دینا چاہتے ہیں اور بعض لوگ بھی امام صاحب کی بات کو پسند کرتے ہیں، تو کیا شرعی طور پر اس مسجد میں جمعہ قائم کی جاسکتی ہے؟

#### الجواب حامداً ومصلياً:

مذہب اسلام آپس میں محبت، مودت اور اتفاق پیدا کرنے کے لیے آیا ہے؛ لہذا جب تک ہو سکے، ”جمعہ مسجد“ ہی میں جمعہ کی نماز ادا کرتے رہنا چاہیے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) والمباح ما أجزى للمكلفين فعله وتركه بلا استحقاق ثواب وعقاب، نعم يحاسب عليه حساباً يسيراً اختياراً. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۳۶/۲، كتاب الحظر والإباحة، دار الفكر - بيروت)  
 (۲) عن أبي هريرة، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "المؤمن مألّف، ولا خير فيمن لا يألف، ولا يؤلف". (مسند الإمام أحمد: ۱۵/۱۰۷، رقم الحديث: ۹۱۹۸، مسند أبي هريرة، ط: الرسالة، ورواه أيضاً عن سهل بن سعد الساعدي برقم: ۲۲۸۳۰)

عن حذيفة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا تكونوا إمامة، تقولون: إن أحسن الناس أحسنًا، وإن ظلموا ظلمنا، ولكن وطنوا أنفسكم، إن أحسن الناس أن تحسنوا، وإن أساءوا فلا تظلموا". (سنن الترمذي: ۲۱/۲، رقم الحديث: ۲۰۰۷، أبواب البر والصلة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب الإحسان والعفو، ط: البدر - ديوبند)

”جمعہ مسجد“ کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں نماز ادا کرنا بہتر نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۱۷] خطبہ جمعہ کا اردو ترجمہ منبر پر پڑھنا

۱۰۰۶- سوال: ہماری مسجد کے امام صاحب جمعہ کے دن جمعہ کا خطبہ اولیٰ اولاً عربی زبان میں پڑھتے ہیں، پھر اُس کا اردو ترجمہ پڑھتے ہیں، تو کیا اس طرح خطبہ کا اردو ترجمہ منبر پر پڑھنے سے جمعہ کی نماز صحیح ہو جائے گی؟

#### الجواب حامداً ومصلياً:

عربی زبان میں خطبہ جمعہ پڑھنے کے بعد اُس کا اردو ترجمہ پڑھنا مکروہ ہے، البتہ خطبہ صحیح ہو جائے اور نماز جمعہ بھی صحیح ہو جائے گی۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۱۸] ایک گاؤں میں دو جگہ جمعہ کی نماز قائم کرنا

۱۰۰۷- سوال: ہمارے گاؤں میں دو مسجدیں ہیں اور مسلمانوں کی دو سو گھر کی آبادی ہے، زیادہ

(۱) اس لیے کہ جمعہ کا ایک اہم مقصد اظہار شوکت ہے، جو بڑی جمعیت کے ساتھ ایک جگہ ادا کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بلا ضرورت جگہ جگہ جمعہ قائم کرنے سے یہ مقصد زیادہ حاصل نہیں ہوتا؛ اس لیے یہ طریقہ ناپسندیدہ ہے:

الخاصة الثالثة: صلاة الجمعة التي هي من اكد فروع الإسلام، ومن أعظم مجامع المسلمين، وهي أعظم من كل مجمع يجتمعون فيه وأفرضه سوى مجمع عرفة، ومن تركها تهاونا بها طبع الله على قلبه، وقرب أهل الجنة يوم القيامة وسبقهم إلى الزيارة يوم المزيّد بحسب قربهم من الإمام يوم الجمعة وتبكيرهم. (زاد المعاد في هدي خير العباد- ابن قيم الجوزية (م: ۷۵۱ھ) ۱/۳۶۵، فصل في خواص يوم الجمعة وهي ثلاث وثلاثون، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت - مكتبة المنار الإسلامية، الكويت)

البتہ اردو میں خطبہ مکروہ تحریمی ہے، لیکن اس کے باوجود نماز جمعہ ادا ہو جائے گی:

لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم، والصحابة رضي الله تعالى عنهم، فيكون مكروهاً وتحريماً. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية: ۱/۲۰۰، كتاب الصلاة، باب الجمعة، رقم الحاشية: ۲، ط: سعیدہ- پاکستان)

(۲) لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم، والصحابة رضي الله تعالى عنهم، فيكون مكروهاً وتحريماً. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية: ۱/۲۰۰، كتاب الصلاة، باب الجمعة، رقم الحاشية: ۲، ط: سعیدہ- پاکستان)

تر آبادی بڑی مسجد کے اطراف میں ہے، چھوٹی مسجد کے اطراف میں صرف آٹھ دس گھر کی آبادی ہے۔ گاؤں کی دونوں مسجد میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، بڑی مسجد میں نماز کے لیے لوگ زیادہ جاتے ہیں اور چھوٹی مسجد میں کم؛ کیوں کہ بڑی مسجد گاؤں کے اندر ہے اور چھوٹی مسجد اسٹیشن پر ہے، تو سوال یہ ہے کہ دونوں مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اسٹیشن والی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے والوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟ یا ان کے ذمہ ظہر کی نماز باقی رہے گی؟ اور اگر گاؤں والے اس مسجد میں جمعہ کی نماز بند کر کے ایک ہی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھیں، تو یہ کیسا ہے؟

### الجواب حامدًا ومصليًا:

بہتر یہی ہے کہ ایک ہی جگہ ایک ہی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی جائے، تاکہ نمازیوں سے مسجد بھر جائے اور عید کا سماں محسوس ہو، اور مسلمانوں کی خاص شان کا اظہار ہو، اس کے علاوہ اور بھی کئی فائدے ہیں؛ مثلاً مسلم قوم میں اتحاد و اجتماعیت کا اظہار ہو، جس کی آج خاص ضرورت ہے۔<sup>(۱)</sup> البتہ دونوں جگہ جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے، نماز جمعہ بلا کراہت صحیح ہوگی۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) جمعہ کا ایک اہم مقصد اظہار شوکت ہے، جو بڑی جمعیت کے ساتھ ایک جگہ ادا کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بلا ضرورت جگہ جگہ جمعہ قائم کرنے سے یہ مقصد زیادہ حاصل نہیں ہوتا؛ اس لیے یہ طریقہ ناپسندیدہ ہے:

الخاصة الثالثة: صلاة الجمعة التي هي من أكدفروض الإسلام، ومن أعظم مجامع المسلمين، وهي أعظم من كل مجمع يجتمعون فيه وأفرضه سوى مجمع عرفة، ومن تركها تهاونا بها طبع الله على قلبه، وقرب أهل الجنة يوم القيامة وسبقهم إلى الزيارة يوم المزيدي بحسب قربهم من الإمام يوم الجمعة وتبكيرهم. (زاد المعاد في هدي خير العباد- ابن قيم الجوزية (م: ۷۵۱-هـ): ۱/۳۶۵، فصل في خواص يوم الجمعة وهي ثلاث وثلاثون، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت - مكتبة المنار الإسلامية، الكويت)

(۲) (وتؤدى في مصر واحدا بمواضع كثيرة) مطلقا على المذهب وعليه الفتوى شرح المجمع للعيني وإمامة فتح القدير. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله مطلقا) أي سواء كان المصير كبير أو لا وسواء فصل بين جانبيه نهر كبير ك بغداد أو لا وسواء قطع الجسر أو بقي متصلا وسواء كان التعدد في مسجدين أو أكثر هكذا يفاد من الفتح، ومقتضاه أنه لا يلزم أن يكون التعدد بقدر الحاجة كما يدل عليه كلام السرخسي الآتي (قوله على المذهب) فقد ذكر الإمام السرخسي أن الصحيح من مذهب أبي حنيفة جواز إقامتها في مصر واحدا في مسجدين وأكثر به نأخذ لإطلاق "لا جمعة إلا في مصر" شرط المصير فقط، وبما ذكرنا اندفع ما في البدائع من أن ظاهر الرواية جوازها في موضعين لا في أكثر وعليه الاعتماد اهـ فإن المذهب الجواز مطلقا بحر. (رد المحتار على الدر المختار:

## [۱۹] ایک سے زیادہ جگہ پر جمعہ ادا کرنا

۱۰۰۸-سوال: ہمارے یہاں ”نگینہ“ نامی ایک مسجد ہے، جس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، دوسری مسجد ”زینۃ الاسلام“ ہے، جس میں جمعہ نہیں ہوتی، آج سے سات سال پہلے نگینہ مسجد کے امام صاحب سے جھگڑا ہوا تھا، جس کی بنا پر رائیڈ کے مفتی صاحب سے پوچھنے کے بعد مسجد زینۃ الاسلام میں جمعہ ادا کی گئی تھی، پھر ان امام صاحب کو برطرف کر دیا گیا، جس کی بنا پر زینۃ الاسلام میں جمعہ بند ہو گئی۔

اب کثرت آبادی کی بنا پر ہم زینۃ الاسلام میں جمعہ شروع کرنا چاہتے ہیں، جس کی وجوہات درج ذیل ہیں: بوڑھے اور کمزور لوگوں کو نگینہ مسجد تک جانے میں دشواری ہوتی ہے، نگینہ مسجد میں جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے، نگینہ مسجد کے امام صاحب کی آواز پیچھے تک سنائی نہیں دیتی اور اگر زینۃ الاسلام میں جمعہ شروع کی جائے، تو لوگوں کو گاڑی سے جانے کی سہولت حاصل ہو جائے گی۔

کیا ان وجوہات کی بناء پر دوبارہ مسجد زینۃ الاسلام میں جمعہ شروع کرنا درست ہے؟ بیوقوف تو جروا۔

## الجواب حامدًا ومصليًا:

مذکورہ صورت میں آپ حضرات، اپنے گاؤں کے جناب مفتی نور محمد صاحب سے مشورہ لیتے اور اس پر عمل کرتے، تو بہتر تھا۔

حنفی مسلک میں جس شہر اور بڑے گاؤں میں جمعہ فرض ہے، وہاں چند مسجدوں میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے؛ لہذا مذکورہ وجوہات کی بنا پر زینۃ الاسلام میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے اور اسی وجہ سے سات آٹھ سال قبل فتویٰ دیا گیا تھا اور جمعہ کی نماز ادا کی گئی تھی؛ البتہ فقہاء اور علماء کا عمل یہ بتاتا ہے کہ بڑے گاؤں میں ایک ہی مسجد (جمعہ مسجد) میں جمعہ ادا کی جائے، تاکہ اتحاد و اتفاق باقی رہے اور ایک جگہ جمع ہونے سے مسلمانوں کے جذبات میں ترقی آئے، اس کے علاوہ کئی مصلحتوں کی بنا پر ایک جگہ جمعہ ادا کرنا بہتر ہوتا ہے، البتہ سوال میں مذکور تحریر کے مطابق لوگوں کو نگینہ مسجد جانے میں تکلیف ہوتی ہے اور بھی دیگر وجوہات ہیں، اس لیے زینۃ الاسلام میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے۔ (شامی) <sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] رد المحتار علی الدر المختار: ۲/۱۴۴-۱۴۵، کتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفکر - بیروت.

## [۲۰] ایک گاؤں میں دو جگہ جمعہ ادا کرنا

۱۰۰۹- سوال: ہمارے بودھان گاؤں میں دو مسجد ہے، ۱۹۶۲ء سے مرحوم مولانا احمد اشرف صاحب کے ساتھ ایک جمعہ اس مسجد میں اور دوسری جمعہ دوسری مسجد میں گاؤں والے ادا کرتے تھے؛ لیکن ابھی گاؤں کے دو چار آدمی یہ کوشش کر رہے ہیں کہ دونوں مسجد میں الگ الگ نماز ہو، اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ نماز کے وقت بہت شور ہوتا ہے، گاؤں کی آبادی بڑھ گئی ہے؛ اس لیے جگہ بھی تنگ ہو جاتی ہے؛ لیکن جگہ کی تنگی کی وجہ بے بنیاد ہے، البتہ شور کا زیادہ ہونا حقیقت ہے۔

۱۹۶۲ء سے پہلے دونوں مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی جاتی تھی، تو ایک ہی مسجد میں نماز ادا کی جائے یا (امام کے تعلق سے) بے بنیاد وجہ بیان کر کے دو جگہ نماز جمعہ ادا کی جائے؟

## الجواب حامد اومصلیٰ:

دین اسلام کی بنیاد عبادت، بندگی اور اللہ کے احکام کو بلا چوں و چرا مان لینے پر ہے، جس میں اہم تعلیم اتفاق واتحاد اور اجتماعیت ہے۔

غور کیجیے! نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا، حج میں احرام کی یکسانیت، امیر و غریب بادشاہ اور رعایا تمام کے لیے حج کا مقام اور اس کا وقت ایک ہی رکھا گیا ہے، کسی کو آگے پیچھے کرنے کی اجازت نہیں ہے، روزے کا نائم بھی ایک ہی رکھا گیا ہے، توحید و رسالت کا اقرار بھی تمام کے لیے ایک ہی طور پر رکھا گیا ہے، اور نماز جس کو دن میں پانچ بار ادا کرنا فرض ہے، اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام نیک ہو یا بد اس کے پیچھے نماز پڑھ لو۔ (حدیث<sup>[۱]</sup>)

متولی اور ٹرسٹی کا فرض تھا کہ متقی، پرہیزگار کو امامت کے لئے متعین کرے، لیکن انہوں نے بے توجہی کرتے ہوئے متقی کو امام نہیں بنایا، تب بھی قوم کی ذمہ داری ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھے۔

[۱] سنن الدارقطنی - أبو الحسن علی بن عمر، البغدادی الدارقطنی (م: ۳۸۵ھ): ۲/۴۰۳، رقم الحدیث: ۱۷۶۸، کتاب العیدین، باب صفة من تجوز الصلاة معه و الصلاة علیه، ت: شعيب الارنؤوط و آخرون، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت.

لو قدموا فاسقا يأمون ببناءً على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، لعدم اعتنائه بأمر دينه. (حلی کبیر - ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحلبي (م: ۹۵۶ھ)، ص: ۳۱۵، کتاب الصلاة، الأولى بالإمامة، ط: سہیل اکیڈمی - لاہور)

لہذا آپ کے بودھان گاؤں کی دونوں مسجد کے متولیان کی بات سن کر حضرت مولانا اشرف صاحبؒ نے جو صلاح دی تھی اور ذمہ داران نے آج تک اس پر عمل کیا اور دونوں مسجدوں میں باری باری نماز ادا کی جاتی رہی، اسی پر عمل کرنے میں بہتری ہے اور مسلمانوں کا اتحاد بھی اسی میں قائم رہے گا۔ اگرچہ مسئلہ کی رو سے شہر یا قصبہ میں چند جگہ پر جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے؛ لیکن آپ کے گاؤں میں الگ الگ دو مسجدوں میں جمعہ کی نماز ادا کرنا بہتر نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۲۱] شہر یا قصبہ کی ایک سے زائد مسجدوں میں جمعہ جائز ہے

۱۰۱۰- سوال: محترم و مکرم جناب مفتی صاحب! سورت ضلع میں ویارا نامی ایک گاؤں ہے، جہاں مسلمانوں کی آبادی اچھی خاصی ہے، اس میں دو مسجد اور دو عبادت گاہ ہیں، ایک عبادت گاہ ریلوے اسٹیشن پر ہے اور ایک عبادت گاہ گاؤں کے کنارے ہائی وے پر ہے، یہاں ایک تعلیم الاسلام نامی مدرسہ چلتا ہے اور پنج وقتہ نماز بھی ہوتی ہے۔ یہ جگہ ”اسلام پورا“ کے نام سے پہچانی جاتی ہے، یہاں مسلم گھروں کی تعداد کم از کم ۸۰ ہے اور سارے لوگ معماری کا پیشہ اختیار کیے ہوئے ہیں اور بالکل ان پڑھ ہیں۔

اب پوچھنا یہ ہے کہ ہم نے حالات کے پیش نظر یہاں جمعہ کی نماز شروع کی ہے۔ (پنج وقتہ نماز تو ہوتی ہی ہے) اور الحمد للہ جمعہ کی نماز میں تقریباً ۷۰ یا ۸۰ نمازی حضرات اور ۲۵ یا ۳۰ بچے آتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلام پورا سے گاؤں کی مسجد اندازاً آدھے کلومیٹر کی دوری پر ہے اور یہ معمار پیشہ لوگ اپنے کام سے ۱۲ بجے آتے ہیں، اور دوری کی وجہ سے ۹۹ فیصد مسلمان، جمعہ کی نماز میں حاضر نہیں ہوتے، زیادہ سے زیادہ آٹھ دس افراد، نماز جمعہ کے لیے گاؤں کی مسجد میں جاتے ہیں۔

ان صورت حال کو دیکھتے ہوئے ہم نے وہاں پر جمعہ کی نماز شروع کی ہے اور اس کے نتیجہ میں

(۱) الخاصة الثالثة: صلاة الجمعة التي هي من أكاد فروض الإسلام، ومن أعظم مجامع المسلمين، وهي أعظم من كل مجمع يجتمعون فيه وأفرضه سوى مجمع عرفة، ومن تركها تهاونا بها طبع الله على قلبه، وقرب أهل الجنة يوم القيامة وسبقهم إلى الزيارة يوم الميزيد بحسب قربهم من الإمام يوم الجمعة وتبكيرهم. (زاد المعاد في هدي خير العباد- ابن قيم الجوزية (م: ۷۵۱ھ): ۱/۳۶۵، فصل في خواص يوم الجمعة وهي ثلاث وثلاثون، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت - مكتبة المنار الإسلامية، الكويت)  
تفصیل و تخریج سابقہ جوابات میں ملاحظہ فرمائیں۔



سارے مسلمان نماز جمعہ کے لیے آتے ہیں۔

گاؤں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ وہاں جمعہ کی نماز بند کی جائے اور اپنے اس قول کی تائید میں وہ کوئی ایسی حدیث پیش کرتے ہیں کہ ۸ محلے ہو، پھر بھی ایک ہی جگہ نماز جمعہ ادا کی جائے۔

جمعہ بند کرنے کی صورت میں جیسا کہ میں نے بتایا کہ صرف آٹھ دس آدمی ہی وہاں سے جمعہ کے لیے آتے ہیں۔ تو کیا ہم وہاں جمعہ بند کر دیں یا جاری رکھیں؟ اگر بند کر دیں، تو لوگوں کی نماز جمعہ فوت ہو جاتی ہے۔ جب کہ جاری رکھنے کی صورت میں جمعہ کی برکت سے دوسرے نمازی بھی آتے ہیں، اور دینی ماحول بننے کی امید ہے؛ لہذا جمعہ جاری رکھنے سے کوئی نقصان ہوتا ہو، تو بتائیں، نیز جمعہ بند کرنی چاہیے یا جاری رکھنی چاہیے، واضح انداز میں بتائیں۔

### الجواب حامدا ومصليا:

وہ شہر، قصبہ یا بڑا گاؤں، جس میں نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے، وہاں ضرورت کی بناء پر ایک سے زیادہ جگہوں پر بھی نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے۔<sup>(۱)</sup> لہذا آپ نے ضرورت کی بنیاد پر اسلام پورا میں جو جمعہ کی نماز شروع کی ہے، اور جن ضرورتوں کا آپ نے تذکرہ کیا ہے، وہ ضرورت واقعی ہے: اس لیے جمعہ جاری رکھیں، بند نہ کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۲] بلا ضرورت گاؤں کی متعدد مساجد میں جمعہ شروع کرنا

۱۰۱۱- سوال: فی الحال ہمارے گاؤں میں چار مساجد ہیں، ان میں سے دو میں کچھ عرصہ سے

(۱) (وتؤدی فی مصر واحد بمواضع كثيرة) مطلقاً علی المذہب وعلیہ الفتوی شرح المجمع للعینی وإمامة فتح القدير. (الدر المختار) — قال ابن عابدین: (قوله مطلقاً) أي سواء كان المصر كبيراً أو لا وسواء فصل بين جانبیه نهر كبير كبغداد أو لا وسواء قطع الجسر أو بقي متصلاً وسواء كان التعدد في مسجدين أو أكثر هكذا يفاد من الفتح، ومقتضاه أنه لا يلزم أن يكون التعدد بقدر الحاجة كما يدل عليه كلام السرخسي الآتي (قوله على المذهب) فقد ذكر الإمام السرخسي أن الصحيح من مذهب أبي حنيفة جواز إقامتها في مصر واحد في مسجدين وأكثر به نأخذ لإطلاق "لا جمعة إلا في مصر" شرط المصر فقط، وبما ذكرنا اندفع ما في البدائع من أن ظاهر الرواية جوازها في موضعين لا في أكثر وعليه الاعتماد اه فإن المذهب الجواز مطلقاً بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۳۴/۲-۱۳۵، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت، الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۵، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت)

جمعہ کی نماز ہوتی ہے، ان دونوں میں گاؤں کے تمام مصلیٰ حضرات آرام سے نماز پڑھ سکتے ہیں، کسی قسم کی تکلیف و دشواری نہیں ہے، اب ہمارا تیسری مسجد میں بھی جمعہ و عیدین کو قائم کرنے کا ارادہ ہے، تو کیا تیسری مسجد میں جمعہ و عیدین کی نماز قائم کر سکتے ہیں، اس بارے میں شرعی فیصلہ کیا ہے؟

واضح رہے کہ اس مسجد کی تعمیر کے وقت یہ نیت کی تھی کہ ہم اس مسجد میں پانچ نمازیں ہی پڑھیں گے، عیدین و جمعہ ”جامع مسجد“ میں پڑھیں گے، تو کیا اس طرح کی نیت کے بعد ہم اس مسجد میں جمعہ و عیدین قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟

### الجواب حامدا ومصليا:

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ ”اجتماعی عبادت کے لیے تمام حضرات کا روزانہ جمع ہونا مشکل امر تھا، اس لیے اس کے لیے کسی مدت کی تعیین ضروری تھی، یہ مدت نہ اتنی مختصر ہو کہ لوگوں کا جمع ہونا دشوار ہو جائے اور نہ ہی اتنی طویل کہ مقصد فوت ہو جائے، بین بین مدت ہونی چاہیے، اور وہ ہفتہ کی مدت ہے، عرب و عجم اور اکثر مذاہب میں یہ مدت مستعمل ہے، اور اس مقصد کے لیے کارآمد بھی ہے، اس لیے ہفتہ واری اجتماعی طے کیا گیا۔<sup>(۱)</sup>

یہ ہفتہ واری اجتماع اس لیے بھی طے ہوا ہے کہ لوگ جمع ہو کر نفع و نقصان کے متعلق سوچ سکیں اور کوئی لائحہ عمل تیار کر سکیں؛ اس وجہ سے بعض علماء کرام نے تو ایک شہر یا قصبہ میں دو تین جگہ پر جمعہ قائم کرنے کو ناجائز کہا ہے؛ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ضرورت کی بناء پر (جیسے آبادی کا دور دور ہونا، مسجد کا لوگوں سے بھر جانا، گرمی و سردی میں مصلیوں کا ایک ہی جگہ جمع ہونے میں تکلیف کا سامنا کرنا) ایک شہر یا قصبہ کی مختلف مساجد میں جمعہ پڑھنا جائز ہے۔

مسجد کی تعمیر کے وقت خواہ نیت کی ہو یا نہ کی ہو، دونوں مساجد میں نماز پڑھنے میں جب کوئی عذر و حرج نہیں ہے، تو تیسری مسجد میں جمعہ شروع کرنا بہتر نہیں ہے۔ نیز اگر مسجد بنانے والے یا متولی کی خاندانی

(۱) الأصل فیہا أنه لما كانت إشاعة الصلاة في البلد - بأن يجتمع لها أهلها - متعذره كل يوم و جب أن يعين لها حد لا يسرع دورانه جدا، فيتعسر عليهم، ولا يبطؤ جدا، فيفوتهم المقصود و كان الأسبوع مستعملا في العرب والعجم. وأكثر الملل، و كان صالحا لهذا الحد، فوجب أن يجعل ميقاتها ذلك. (حجة الله البالغه - أحمد بن عبد الرحيم، المعروف ب'الشاہ ولی اللہ دہلوی'، (م: ۶۷۱ھ) ۲/۲۳، الجمعة: ت: السيد سابق، ط: دار الجليل، بيروت)

شرافت کو اجاگر کرنے کی وجہ سے اس تیسری مسجد میں قیام جمعہ کی سعی ہوگی، تو جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہوگا، لیکن دلوں کو حال اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں؛ اس لیے بہتر ہے کہ وہاں جمعہ کی نماز شروع نہ کی جائے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] بارش کے عذر کی وجہ سے صرف برسات کے موسم کے لیے عبادت خانہ میں جمعہ پڑھنا ۱۰۱۲-سوال: ہمارے یہاں عبادت خانہ میں صرف پنج وقتہ نماز ہوتی ہے، جمعہ کی نماز کے لیے مسجد میں جانا پڑتا ہے، اور بارش کے موسم میں مسجد جانے کے لیے ضعیف اور کمزور لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے، تو کیا صرف بارش کے موسم میں عبادت خانہ میں جمعہ کی نماز ہو سکتی ہے؟

#### الجواب حامدا ومصليا:

جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے لیے ”مسجد کا ہونا“ شرط نہیں ہے، عبادت خانہ میں بھی جمعہ کی نماز ادا کرنا جائز ہے۔<sup>(۲)</sup>

البتہ بہتر یہ ہے کہ ایک ہی جگہ پر جمعہ کی نماز ادا ہو؛ لیکن بارش وغیرہ اعذار کی بناء پر دو جگہ نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔ (درمختار)<sup>[۳]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

#### [۲۴] جمعہ کی صرف دو رکعتیں فرض پڑھنا اور سنتوں کو چھوڑ دینا

۱۰۱۳-سوال: جمعہ کے روز ہمارے بہت سے بھائی جمعہ کی صرف دو رکعت فرض پڑھ کر گھر چلے جاتے ہیں، یا مسجد سے باہر بیٹھ کر یا کھڑے کھڑے گپ شپ کرتے رہتے ہیں، تو کیا ان کی نماز جمعہ درست ہوگی؟

(۱) تقدم تفصيله و تخريجه ضمن عنوان: ایک گاؤں میں دو جگہ جمعہ کی نماز قائم کرنا۔

(۲) السلطان إذا أراد أن يجمع بحشمه في داره فإن فتح باب الدار وأذن إذنا عاما جازت صلاحته شهدها العامة أو لم يشهدوها، كذا في المحيط ويكره، كذا في التتارخانية وإن لم يفتح باب الدار وأجلس البوابين عليها لم تجز لهم الجمعة، كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۸، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/ ۲۴۷، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: زكريا - ديوبند)

(۳) وتؤدى الجمعة في مصر واحدا في مواضع كثيرة وهو قول أبي حنيفة ومحمد - رحمهما الله تعالى - وهو الأصح وذكر الإمام السرخسي أنه الصحيح من مذهب أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - وبه نأخذ، هكذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۵)

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان: ”ایک گاؤں میں دو جگہ جمعہ کی نماز قائم کرنا“ کا حاشیہ نمبر: ۲۔

## الجواب حامدًا ومصليًا:

صورت مسئلہ میں ان کی فرض نماز تو ادا ہو جائے گی۔

سنن مؤکدہ کو چھوڑنے کی عادت بنا لینا جائز نہیں، اس سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے، جس کی دینی معاملات میں گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔<sup>(۱)</sup>

اسی طرح مسجد میں دنیوی باتیں کرنا حرام ہے، کیوں کہ اس کی وجہ سے نمازیوں کو نماز میں خلل واقع ہوگا، نیز مسجد میں دنیوی باتیں کرنے سے مسجد کی بے حرمتی ہوگی۔

ایک حدیث پاک میں آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”مسجد کے اندر دنیوی باتیں کرنے سے نیکیاں اس طرح جل جانی ہیں، جس طرح خشک گھاس کو آگ جلا دیتی ہے۔“<sup>(۲)</sup> لہذا جو لوگ صرف جمعہ کی دو رکعت پڑھتے ہیں اور سنت بالکل ہی نہیں پڑھتے، مسجد میں دنیوی گفتگو کرتے ہیں، وہ فاسق ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) فما كان فعلة أولى من تركه مع منع الترك إن ثبت بدليل قطعي ففرض، أو بظني فواجب، وبلا منع الترك إن كان مما واطب عليه الرسول - صلى الله عليه وسلم - أو الخلفاء الراشدون من بعده فسنة، وإلا فمندوب ونفل. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۱۰۲، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، مطلب في السنة وتعريفها، ط: دار الفكر) والسنة نوعان: سنة الهدي، وتركها يوجب إساءة وكرهية كالجماعة والأذان والإقامة ونحوها. وسنة الزوائد، وتركها لا يوجب ذلك كسير النبي - عليه الصلاة والسلام - في لباسه وقيامه وقعوده... السنة هي الطريقة المسلوكة في الدين، فهي في نفسها عبادة... ولما لم تكن من مكملات الدين وشعائره سميت سنة الزوائد، بخلاف سنة الهدي، وهي السنن المؤكدة القريبة من الواجب التي يضلل تاركها؛ لأن تركها استخفاف بالدين. (حوال السابق: ۱/۱۰۳)

(۲) وعن الحسن مرسلًا قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «يأتي على الناس زمان يكون حديثهم في مساجدهم في أمر دنياهم. فلا تجالسوهم فليس لله فيهم حاجة». رواه البيهقي في شعب الإيمان. (مشكاة المصابيح: ۱، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الثالث، ط: ياسر نديم - ديوبند، شعب الإيمان - أبو بكر البيهقي (م: ۵۸، ۳۸۷)، رقم الحديث: ۲۷۰۱، الصلاة، فصل في المشي إلى المساجد، ط: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض)

(و) فيها يكره (الكلام في المسجد وخلف الجنائز وفي الخلاء وفي حالة الجماع) [الدر المختار] قال ابن عابدين: (قوله وفيها) أي في السراجية (وقوله يكره الكلام في المسجد) ورد «أنه يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب» وحمله في الظهيرية وغيرها على ما إذا جلس لأجله وقد سبق في باب الاعتكاف وهذا كله في المباح لا في غيره فإنه أعظم وزرا. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/۲۱۸، كتاب الحظر والإباحة، فرع يكره إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم يتخطر قاب الناس، ط: دار الفكر - بيروت)

## [۲۵] جمعہ کی نماز کے لیے جامع مسجد جانا ضروری نہیں

۱۰۱۴- سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

کیا جمعہ کی نماز کے لیے جامع مسجد جانا واجب ہے؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

نماز جمعہ کے لیے جامع مسجد جانا واجب نہیں ہے، مستحب ہے، ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ کی نماز جائز ہے، اگر جامع مسجد بڑی ہے اور شہر کی آبادی تھوڑی ہے، تو بہتر یہی ہے کہ ایک جگہ جمعہ ہو۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۶] جمعہ کی پہلی اذان کے بعد غسل کرنے کا حکم

۱۰۱۵- سوال: کیا جمعہ کی پہلی اذان کے بعد وضو اور غسل ناجائز ہے؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

جمعہ کی پہلی اذان ہوتے ہی مسجد کے لیے نکلنا واجب ہے، کوئی ایسا کام، جو اذان کے بعد مسجد جانے سے مانع ہو، جائز نہیں ہے، اذان کے بعد غسل کرنا بھی جائز نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) والمسجد الجامع ليس بشرط لصحة الجمعة؛ حتى أجمعوا على صحة الجمعة في المصلى. (حلبی کبیر: ۵۵۱/۱، سہیل اکیڈمی-لاہور)

(وتؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرة) مطلقا على المذهب وعليه الفتوى شرح المجمع للعيني وإمامة فتح القدير. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله مطلقا) أي سواء كان المصر كبير أو لا وسواء فصل بين جانبيه نهر كبير كبغداد أو لا وسواء قطع الجسر أو بقي متصلا وسواء كان التعدد في مسجدين أو أكثر هكذا يفاد من الفتح، ومقتضاه أنه لا يلزم أن يكون التعدد بقدر الحاجة كما يدل عليه كلام السرخسي الآتي (قوله على المذهب) فقد ذكر الإمام السرخسي أن الصحيح من مذهب أبي حنيفة جواز إقامتها في مصر واحد في مسجدين وأكثر به نأخذ لإطلاق "لا جمعة إلا في مصر" شرط المصر فقط، وبما ذكرنا اندفع ما في البدائع من أن ظاهر الرواية جوازها في موضعين لا في أكثر وعليه الاعتماد اه فإن المذهب الجواز مطلقا بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۳۴/۲-۱۳۵، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَوَدَّيَ لِلضَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۗ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ (۶۲-الجمعة: ۹)

وقال ابن عباس رضي الله عنهما: يحرم البيع حينئذ، وقال عطاء: تحرم الصناعات كلها. (صحيح البخاري: ۱/۱۲۴، كتاب الجمعة، باب المشي إلى الجمعة، تعليقا، ط: ديوبند)

ہاں غسل واجب ہو، تو کرنا ضروری ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲۷] منبر کے چوتھے زینے سے خطبہ دینا کیسا ہے؟

۱۰۱۶- سوال: امام کا منبر کے چوتھے زینے سے خطبہ دینے کے متعلق فقہاء کیا فرماتے ہیں؟

### الجواب حامدا ومصليا:

آپ ﷺ کے منبر کے تین زینے تھے، اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ چوتھے زینے پر بیٹھنا جائز نہیں ہے، اگر چوتھے زینے پر چڑھ کر خطبہ دینے سے سامعین تک آواز اچھی طرح پہنچتی ہو، تو جائز ہے، ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= ويجب السعي وترك البيع بالأذان الأول،... وقال الحسن بن زياد: المعتبر هو الأذان على المنارة، والأصح أن كل أذان يكون قبل الزوال فهو غير معتبر والمعتبر أول الأذان بعد الزوال سواء كان على المنبر أو على الزوراء، كذا في الكافي. (الفتاوى الهندية - لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۱/۱۳۹، صلاة الجمعة، ط: دار الفكر) (ووجب سعي إليها وترك البيع) ولو مع السعي، في المسجد أعظم وزرا (بالأذان الأول) في الأصح وإن لم يكن في زمن الرسول بل في زمن عثمان. (الدر المختار)

وقال ابن عابدين: (قوله ووجب سعي) لم يقل افترض مع أنه فرض للاختلاف في وقته هل هو الأذان الأول أو الثاني أو العبرة لدخول الوقت؟ بحر. — وحاصله أن السعي نفسه فرض والواجب كونه في وقت الأذان الأول، وبه اندفع ما في النهر من أن الاختلاف في وقته لا يمنع القول بفرضيته كصلاة العصر فرض إجماعا مع الاختلاف في وقتها (قوله وترك البيع) أراد به كل عمل ينافي السعي وخصه اتباعا للآية، نهر. (قوله: ولو مع السعي) صرح في السراج بعدم الكراهة إذا لم يشغله بحر وينبغي التعويل على الأول نهر. — (قوله في الأصح) قال في شرح المنية. واختلفوا في المراد بالأذان الأول فليل الأول باعتبار المشروعية وهو الذي بين يدي المنبر لأنه الذي كان أولا في زمنه - عليه الصلاة والسلام - وزمن أبي بكر وعمر حتى أحدث عثمان الأذان الثاني على الزوراء حين كثر الناس. والأصح أنه الأول باعتبار الوقت، وهو الذي يكون على المنارة بعد الزوال. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۱۶۱، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۲/۲۷۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: دار الكتاب - ديوبند ☆ الهداية: ۱/۱۷۱، كتاب الصلاة باب الجمعة، ط: ديوبند)

(۱) الباب الثالث في شروط الصلاة، وهي عندنا سبعة: الطهارة من الأحداث، والطهارة من الأنجاس... الخ. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۸، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الأول في الطهارة وستر العورة، ط: دار الفكر) (۲) ومن السنة أن يخطب عليه اقتداء به - صلى الله عليه وسلم -... ومنبره - صلى الله عليه وسلم - كان ثلاث درج غير المسماة بالمستراح. قال ابن حجر في التحفة. (رد المحتار: ۲/۱۶۱، كتاب الصلاة، مطلب في حكم المرقى، الخ، ط: دار الفكر)

## [۲۸] جمعہ کا بیان مقررہ وقت پر ختم نہ کرنا

۱۰۱۷- سوال: ۸۰-۹۰ ہزار کی آبادی والا ایک شہر ہے، اس میں مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد ہے، اس شہر کے اطراف میں بھی مسلم بڑی تعداد میں آباد ہیں، صنعتی شہر ہے، جس کی وجہ سے ملازمین بھی کثیر تعداد میں رہتے ہیں، ان وجوہ سے شہر کی مسجدوں میں اچھے خاصے لوگ نماز جمعہ کے لیے جمع ہوتے ہیں، ریلوے اسٹیشن اور بس ڈپو بھی شہر کے بالکل قریب ہے، اس کے علاوہ سرکاری آفس اور تجارت کی ایک بڑی منڈی بھی ہے۔ جمعہ کی نماز بھی شہر کی بہت سی مسجدوں میں ہوتی ہے؛ لیکن ریلوے اسٹیشن اور بس ڈپو کی مساجد میں بہت بھیڑ ہوتی ہے، حتیٰ کہ مسجد کے باہر کمپاؤنڈ میں بھی نماز ادا کرنی پڑتی ہے، جمعہ کی نماز کا وقت ایک بج کر تیس منٹ مقرر ہے، مسجد میں اوقات کے بورڈ لگے ہوئے ہیں اور یہ وقت برسوں سے متعین ہے۔ اس وقت کے مطابق آس پاس کے مصلیان، جیسے کہ ملازمین، تاجر اور مسافرین نماز ادا کرتے ہیں۔

ایک عالم صاحب۔ جن کا بڑا اونچا مقام ہے۔ جمعہ کے دن باہر گاؤں سے آ کر تقریر کرتے ہیں، یوں تو وہ پہلے سے ہی بیان کرتے ہیں؛ لیکن آٹھ دس جمعہ سے وقت کا خیال نہیں کرتے اور دو بجے تک اپنی تقریر جاری رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو دقت ہوتی ہے، ٹرین میں سفر کرنے والوں کی ٹرین چھوٹ جاتی ہے، ملازمین سے آفس کے وقت کی پابندی نہیں ہوتی، یہ بات مسجد کے ٹرسٹی حضرات کے سامنے رکھی گئی، تو انہوں نے بھی اس بات پر توجہ دی اور مذکورہ عالم صاحب سے انہوں نے وقت کی رعایت کے متعلق بات کی؛ لیکن عالم صاحب اپنی ضد پر اڑے رہے، ایک مرتبہ جمعہ کی نماز میں ایک بج کر پینتیس منٹ پر ایک ٹرسٹی نے کھڑے ہو کر عالم صاحب کو بیٹھنے کے لیے کہا، تو وہ یہی کہتے رہے: جس کو تقریر نہ سنی ہو، وہ دوسری مساجد میں نماز پڑھ لے، خیر بعد میں خطبہ ہوا، نماز ہوئی، اس واقعہ سے متعلق۔ جو مفصل بیان کیا گیا ہے۔ دریافت طلب امر درج ذیل ہیں، امید ہے کہ جلد جواب عنایت فرمائیں گے:

(۱) وقت کی پابندی کرنی چاہیے یا نہیں؟

(۲) کیا مولانا (عالم) کا ضد کرنا مناسب ہے؟

(۳) عالم دین کا یہ کہنا کہ ”دوسری مساجد میں چلے جاؤ“ کیا مناسب ہے؟

(۴) اس زمانہ کے ماحول کو دیکھتے ہوئے لمبی لمبی تقریر کرنا مناسب ہے؟

(۵) مولانا اخیر جمیع میں روکنے کے باوجود نہ رکنے، اور تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے اور بیان میں یہ بھی کہا کہ میں نے بھی اس جگہ کے لیے قربانی دی ہے، تو کیا یہ لفظ کہنا مناسب ہے، کیا آئندہ چل کر کوئی آدمی مسجد بنوا کر اس طرح بول سکتا ہے؟

### الجواب حامداً ومصلياً:

(۱) آج کل دنیا کا پورا نظام، اوقات کے مطابق انجام پاتا ہے، اس بات کو سامنے رکھ کر نماز کے اوقات مقرر کرنے میں حرج نہیں، اور جو وقت مقرر ہو، اس پر نماز ہونی چاہیے، اور وقت کی پابندی بھی ہونی چاہیے، خاص طور پر بس اسٹینڈ اور ریلوے اسٹیشنوں کی مساجد میں لوگ اس لیے نماز پڑھنے آتے ہیں کہ نماز پڑھ کر گاڑی پکڑنے میں انھیں آسانی رہے، ان کے علاوہ دیگر حضرات بھی نماز کے وقت کے مطابق اپنا نظام بناتے ہیں؛ اس لیے طے شدہ وقت سے لاپرواہی کرنے میں بہت سے لوگوں کے نقصان کا اندیشہ ہے؛ لہذا وقت کی پابندی ایک ضروری امر ہے۔

لیکن کوئی ایک مرتبہ، کسی عذر کی بناء پر دیر ہو جائے، تو اس پر انگلی نہیں اٹھانی چاہیے، البتہ ایک وقت مقرر ہو جانے کے بعد جان بوجھ کر ہر مرتبہ دیر کرنا مناسب نہیں۔

جب نماز کی حالت میں کوئی ایسا عذر پیش آجائے، جس سے نمازیوں کا اطمینان ختم ہو رہا ہو، تو ایسے وقت میں امام کو چاہیے کہ نماز کو مختصر کر دے، تاکہ نمازی کی نماز میں حرج نہ ہو؛ اس لیے جو لوگ نماز کے لیے حاضر ہو گئے ہیں، نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کر کے انہیں مشقت میں ڈالنا مناسب نہیں ہے۔ (مراتی)<sup>[۱]</sup>

(۱) عن أبي قتادة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إني لأقوم في الصلاة أريد أن أطول فيها، فأسمع بكاء الصبي، فأتجوز في صلاتي كراهية أن أشق على أمه. (صحيح البخاري: ۱/۹۸، رقم الحديث: ۷۰۷، باب من أخف الصلاة عند بكاء الصبي، ط: البدر - ديوبند)

قال أنس: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسمع بكاء الصبي مع أمه وهو في الصلاة، فيقرأ بالسورة الخفيفة، أو بالسورة القصيرة. (الصحيح لمسلم: ۱/۱۸۸، رقم الحديث: ۱۹۱ - (۷۰)، كتاب الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، ط: البدر - ديوبند)

دیکھیے: مرآتی الفلاح شرح نور الإيضاح - حسن بن عمار بن علي الشرنبلالی المصري الحنفی (م: ۱۰۶۹ھ)، ص:

۱۳۳، أحكام الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، فصل في المكروهات، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية

وكان رءوفاً رحيماً بالأطفال حتى إذا سمع بكاء الصبي خفف في صلاته كي لا يشق على أمه خلفه. (حاشية الشلبي مع تبیین الحقائق شرح كنز الدقائق - شهاب الدين أحمد بن محمد، الشلبي (م: ۱۰۲۱ھ) ۱/۱۶۰، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة)



(۲) ہمیشہ تاخیر کرنے کی عادت بنالینا مناسب نہیں ہے اور نامعقول بات پر ضد کرنا، زیادہ نامناسب ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۳) پہلے ہی سے نماز کا وقت تاخیر سے پڑھنا مقرر کیا ہو، تاکہ کسی کی نماز نہ چھوٹے اور جماعت میں زیادہ سے زیادہ لوگ شریک ہوں؛ ایسی صورت میں کوئی کہے کہ جلدی وقت کیوں مقرر نہیں کیا؟ تو اس کو کہہ سکتے ہیں کہ دوسری مسجد میں نماز پڑھ لو؛ لیکن ایک وقت مقرر ہے، اس کے مطابق مصلیوں کے حاضر ہو جانے کے بعد تاخیر کرنے کی عادت بنالینا اور کوئی توجہ دلائے، تو اس پر یہ کہنا کہ ”دوسری مسجد میں چلے جاؤ“ قطعاً غیر مناسب ہے، اس سے اجتناب لازم ہے۔<sup>(۳)</sup>

(۴) لمبی تقریر کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے؛ لیکن جلدی شروع کر کے مقررہ وقت پر ختم کر دے۔  
(۵) مسجد کے لیے قربانی تو آخرت میں ثواب حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے، دنیا کے لیے نہیں ہوتی، اس کے باوجود شریعت میں گنجائش ہے کہ جس آدمی نے قربانی دی ہو، وہ مسجد کا متولی اور نر سٹی بن سکتا ہے اور اس کی قربانی کا خیال کرتے ہوئے اسے متولی بنانا بھی چاہیے؛ لیکن اس کی وجہ سے مقررہ وقت میں تاخیر کر کے دوسرے لوگوں کو پریشانی میں مبتلا کرنے کا اختیار نہیں ملتا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] جمعہ کے روز تقریر کو ضروری سمجھنا اور اس کی وجہ سے جمعہ کو مؤخر کرنا

۱۰۱۸- سوال: جمعہ سے قبل ضروری سمجھ کر تقریر کرنا اور نماز کا وقت متعین ہونے کے باوجود

وقت سے تاخیر کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مسلمانوں میں دین سے دوری عام ہے؛ اس لیے ترغیب و ترہیب اور حالات حاضرہ پر مشتمل خطاب، وقت کی اہم ضرورت ہے، اس کے بڑے فائدے ہیں، اسی کے پیش نظر ہندوستان کی مساجد میں

(۲) عن أبي أمامة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنأزعم بيت في ربح الجنة، لمن ترك المراء، وإن كان محققاً، وبيت في وسط الجنة، لمن ترك الكذب، وإن كان مازحاً، وبيت في أعلى الجنة، لمن حسن خلقه. (سنن أبي داود: ۲/۶۶۱، رقم الحديث: ۴۸۰۰، كتاب الأدب، باب في حسن الخلق، ط: البدر - ديوبند)

(۳) وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسُغِيَ فِي حُرَابِهِمْ أُولَئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ؛ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا جُزْءٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۲۴﴾ (البقرة: ۱۲۴)

خطبہ سے قبل اردو یا مقامی زبان میں تقریر کا رواج ہے، یہ لازم اور ضروری نہیں ہے کہ اس کے بغیر جمعہ کی نماز ہی درست نہیں ہوگی، متولی یا امام تقریر کرنے کو فرض سمجھتے ہوں، تو یہ گناہ ہے؛ کیوں کہ یہ امر مباح ہے اور امر مباح کو لازم و ضروری سمجھنا، درحقیقت اس کو اس کے درجے سے بڑھانا ہے، جو جائز نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>

نماز کے وقت کی تعیین اس لیے ہوتی ہے کہ مختلف شعبہ سے وابستہ افراد اپنی اپنی ضرورتوں کو آگے پیچھے کر کے مقررہ وقت پر نماز باجماعت ادا کر سکیں۔ اگر جمعہ کے دن تقریر کو طول دینے کی وجہ سے یہ مقصد متاثر ہو، اور مقتدی حضرات کی تکلیف کا باعث بنے، تو ناجائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انسان کی عقل مندی یہ ہے کہ نماز کو طویل کرے اور خطبہ کو مختصر کرے۔ (الحديث)<sup>[۲]</sup>

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ نماز میں لمبی قرأت کی، تو ایک صحابی، جو کاشتکار تھے، انھیں اس سے تکلیف ہوئی اور نماز توڑ کر چلے گئے۔ دوسرے دن آپ ﷺ سے طویل قرأت کے متعلق شکایت کی، تو آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا کہ: اے معاذؓ! کیا تملوگوں کو فتنہ میں ڈالنا چاہتے ہو؟ نماز میں ضعیف، مریض اور حاجت مند؛ ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ بات آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمائی۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۷۷) [۳] اس سے ثابت ہوا کہ امام کو تمام مقتدیوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

(۱) قال ابن حجر في شرحه: قال ابن المنير: فيه أن المندوبات قد تقلب مكرهات إذا رفعت عن رتبها؛ لأن النيام مستحب في كل شيء، أي من أمور العبادة؛ لكن لما خشى ابن مسعود أن يعتقدوا وجوبه، أشار إلى كراهته، والله أعلم. (فتح الباري - ابن حجر العسقلاني (م: ۸۵۲ھ): ۳۳۸/۲، قوله باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال، رقم الحديث: ۸۵۲، ط: دار المعرفة - بيروت، ۷۹، ۱۳۷)

(۲) قال أبو وائل: خطبنا عمار، فأوجز وأبلغ، فلما نزل قلنا: يا أبا اليقظان لقد أبلغت وأوجزت، فلو كنت تنفست فقال: إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: إن طول صلاة الرجل، وقصر خطبته، منته من فقهه، فأطيلوا الصلاة، واقصروا الخطبة، وإن من البيان سحرا. (الصحيح لمسلم: ۲۸۶/۱، رقم الحديث: ۷۷-۸۶۹)، كتاب الجمعة، فصل في إيجاز الخطبة وإطالة الصلاة، ط: ديوبند)

(۳) عن عمرو، قال: سمعت جابر بن عبد الله، قال: كان معاذ بن جبل يصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم، ثم يرجع، فيؤم قومه، فصلى العشاء، فقرأ بالبقرة، فانصرف الرجل، فكأن معاذ تناول منه، فبلغ النبي صلى الله عليه وسلم فقال: "فتان، فتان، فتان" ثلاث مرار - أو قال: فاتنا، فاتنا، فاتنا، وأمره بسورتين من أوسط المفصل. قال عمرو: لا أحفظهما. (صحيح البخاري: ۱/۷۷، رقم الحديث: ۷۰۱، كتاب الأذان، باب إذا طول الإمام، وكان للرجل حاجة، فخرج فصلی، ط: البدر - ديوبند)

اس روایت کو مکمل تفصیل کے ساتھ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح نقل کیا ہے: =

الغرض جس خطیب امام کی یہ حالت ہو۔ جو سوال میں مذکور ہے۔ تو ذیلی مجلس (کمیٹی) سے شکایت کرنی چاہیے۔

بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرا جی چاہتا ہے کہ میں قرأت کو طویل کرو؛ لیکن جب بچے کے رونے کی آواز آتی ہے، تو میں قراءت کو مختصر کر دیتا ہوں؛ کیوں کہ بچے کے رونے کی وجہ سے بچے کی ماں کو تکلیف ہوتی ہے، اور وہ حیران و پریشان ہو جاتی ہے۔ (جلد: ۱/۹۸) [۴]

اس لیے امام کو چاہیے کہ لمبی تقریر کر کے اپنے مقتدیوں کو پریشان نہ کرے، خطیب و مقرر کو چاہیے کہ جو وقت ۸ یا ۱۰ یا ۱۵ منٹ کا متعین ہو، مصلحت کے پیش نظر اسی پر اپنی تقریر کو ختم کر لے اور لوگوں کو فتنہ میں مبتلا ہونے سے بچائے، ایسے لوگوں کو بیان و تقریر سے کیا فائدہ ہوگا، جب کہ اس کو سننے کے لیے لوگوں کے دل ہی آمادہ نہ ہوں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳۰] جمعہ کی اذانِ ثانی امام کے سامنے ہونی چاہیے یا صحنِ مسجد میں؟

۱۰۱۹- سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ جامع مسجد میں

= عن جابر قال: كان معاذ، يصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم، ثم يأتي فيؤم قومه، فصلى ليلة مع النبي صلى الله عليه وسلم العشاء، ثم أتى قومه، فأهمهم، فافتتح بسورة البقرة، فانحرف رجل، فسلم ثم صلى وحده، وانصرف، فقالوا له: أنا فقت؟ يا فلان، قال: لا. والله ولأتين رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا أخبرنه. فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله، إنا أصحاب نواضح نعمل بالنهار، وإن معاذاً صلى معك العشاء، ثم أتى فافتتح بسورة البقرة، فأقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم على معاذ، فقال: يا معاذ أفتان أنت؟ اقرأ بكذا واقرأ بكذا، قال سفيان: فقلت لعمرو، إن أبا الزبير، حدثنا عن جابر، أنه قال: اقرأ أو الشمس وضحاها والضحى، والليل إذا يغشى، وسبح اسم ربك الأعلى، فقال عمرو نحو هذا. (الصحيح لمسلم: ۱/۱۸۷، رقم الحديث: ۱۷۸- (۲۶۵)، كتاب الصلاة، باب القراءة في العشاء، ط: البدر - ديوبند صحیح البخاري: ۱/۱۸، رقم الحديث: ۷۰۵، كتاب الأذان، باب من شكوا إمامه إذا طول، ط: البدر - ديوبند)

(۴) عن أبي قتادة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إني لأقوم في الصلاة أريد أن أطول فيها، فأسمع بكاء الصبي، فأتجوز في صلاتي كراهية أن أشق على أمه. (صحيح البخاري: ۱/۱۸، رقم الحديث: ۷۰۷، باب من أخف الصلاة عند بكاء الصبي، ط: البدر - ديوبند)

قال أنس: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسمع بكاء الصبي مع أمه وهو في الصلاة، فيقرأ بالسورة الخفيفة، أو بالسورة القصيرة. (الصحيح لمسلم: ۱/۱۸۸، رقم الحديث: ۱۹۱- (۴۷۰)، كتاب الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، ط: البدر - ديوبند)

جمعہ کی اذانِ ثانی، ہمیشہ سے امام کے سامنے منبر کے پاس ہوتی ہے؛ لیکن کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ یہ اذان مسجد کے صحن میں ہونی چاہیے، منبر کے پاس اذان کہنا مکروہ تحریمی ہے، اب حضرت والا سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ مسئلہ، فقہ حنفی کے مطابق مؤید بالادلّ واضح فرمائیں۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

مذکورہ سوال کے متعلق مختلف فتاویٰ میں تفصیل سے لکھا گیا ہے، مختصر یہ کہ خطیب جب منبر پر بیٹھ جائیں، تو ان کے سامنے دوسری اذان دی جائے، تسلسل کے ساتھ اسی پر عمل ہے:

وإذا جلس على المنبر أذن بين يديه وأقيم بعد تمام الخطبة بذلك جرى التوارث، كذا في البحر الرائق. (عالمگیری: ۱۳۹/۱)<sup>[۱]</sup>

(ويؤذن) ثانيا (بين يديه) أي الخطيب. (درمع الشامی: ۱۶۱/۲، مطبع: اچ ایم سعید کمپنی)<sup>[۲]</sup>

وإذا صعد الإمام المنبر جلس وأذن المؤذنون بين يدي المنبر بذلك جرى التوارث. (ہدایہ، باب صلاة الجمعة)<sup>[۳]</sup> فقط واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳۱] قید خانہ میں نماز جمعہ ادا کرنا

۱۰۲۰- سوال: قید خانہ میں جمعہ کی نماز اور خطبہ وغیرہ درست ہے یا نہیں؟

[۱] کتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت.  
(قوله فإذا جلس على المنبر أذن بين يديه وأقيم بعد تمام الخطبة) بذلك جرى التوارث، والضمير في قوله بين يديه عائد إلى الخطيب الجالس، وفي القدوري بين يدي المنبر، وهو مجاز إطلاقاً لاسم المحل على الحال كما في السراج الوهاج، فأطلق اسم المنبر على الخطيب. (البحر الرائق: ۱۶۹/۲، باب صلاة الجمعة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۲] قال ابن عابدين: (قوله: ويؤذن ثانياً بين يديه) أي على سبيل السنة كما يظهر من كلامهم رملي. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۶۱/۲، باب الجمعة، مطلب في حكم المرقى بين يدي الخطيب، ط: دار الفكر)

[۳] الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر المرغيناني (م: ۵۹۳ھ): ۸۳/۱، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي ☆ الاختيار لتعليل المختار - عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ۶۸۳ھ): ۸۵/۱، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ت: الشيخ محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة ☆ بدائع الصنائع: ۲۷۰/۱، فصل صلاة الجمعة، ط: دار الكتب العلمية)

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

قید خانہ اگر شہر یا اُس کی فناء میں داخل ہے اور قید خانہ کی مسجد میں نماز جمعہ کے لیے ہر شخص کو آنے کی اجازت ہے، جسے اذن عام کہا جاتا ہے، تو وہاں نماز جمعہ درست ہے۔

اگر اذن عام ہے؛ مگر قید خانہ شہر یا فناء شہر میں واقع نہیں ہے، یا قید خانہ تو شہر یا فناء شہر میں ہے؛ لیکن اذن عام نہیں ہے، کہ قید خانہ کے احاطہ میں رہنے والے لوگوں کے علاوہ دیگر کسی شخص کو اُس میں آنے کی اجازت نہیں ہے، تو ایسی جگہ جمعہ ادا کرنا جائز نہیں ہے۔<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

**[۳۲] جمعہ کی نماز کے وقت تجارت کے لیے دکان کھلی رکھنا**

۱۰۲۱-سوال: جمعہ کے دن اگر دکان دار اپنی دکان کھلی رکھ کر کسی غیر مسلم یا نابالغ لڑکے کو سپرد کر کے خود نماز کے لیے جائے، تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر ایک مسلمان نوکر بے نمازی ہے، اُسے ہم نماز کی دعوت دیتے ہیں؛ لیکن وہ نماز کے لیے نہیں آتا، تو نماز کے وقت دکان اُس نوکر کے حوالے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

غیر مسلم، نابالغ بچہ، بیمار یا مسافر اور وہ لوگ جن پر جمعہ فرض نہیں ہے، انہیں جمعہ کی نماز کے وقت دکان پر بٹھانا جائز ہے، اور ان کی تجارت بھی جائز ہے۔<sup>(۲)</sup>

[۱] (ومنها الإذن العام) وهو أن تفتح أبواب الجامع فيؤذن للناس كافة حتى أن جماعة لو اجتمعوا في الجامع وأغلقوا أبواب المسجد على أنفسهم وجمعوا لم يجز وكذلك السلطان إذا أراد أن يجمع بحشمه في داره فإن فتح باب الدار وأذن إذنا عاما جازت صلاته شهدها العامة أو لم يشهدوها، كذا في المحيط ويكره، كذا في التتارخانية وإن لم يفتح باب الدار وأجلس البوابين عليها لم تجز لهم الجمعة، كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۸، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۵۲، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر)

(ويشترط لصحتها) سبعة أشياء، الأول المصبر... وعليه فتوى أكثر الفقهاء. (رد المحتار على الدر المختار: ۵/۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: زكريا - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۵، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: زكريا - ديوبند ☆ الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ) - ۱/۸۲، باب صلاة الجمعة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت)

(۲) اس لیے کہ ان کے حق میں یوم جمعہ نماز کے اعتبار سے دوسرے ایام کی طرح ہے... لأن ساکن المصر مأمور بشيئين في هذا الوقت بترك الجماعات وشهود الجمعة، والمعذور قدر على أحدهما وهو ترك الجماعات فيؤمر بالترك. وأما =

جس پر جمعہ کی نماز فرض ہے اور وہ بے نمازی ہے، تو جمعہ کے وقت اُس کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے، خرید و فروخت سے وہ اتنا ہی گنہگار ہوگا جس قدر ترک جمعہ سے ہوتا ہے، لیکن اُس نے جمعہ کے وقت جو سودا کیا ہے، وہ گناہ کے ساتھ درست ہوگا، لہذا کسی ایسے شخص کو جس پر جمعہ فرض ہے، جمعہ کے وقت دکان پر بٹھانا جائز نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۳۳] جمعہ کے خطبہ کے دوران مسجد کا چندہ کرنا

۱۰۲۲-سوال: جمعہ کے دن جب خطبہ شروع ہوتا ہے اور لوگ فارغ بیٹھے ہوتے ہیں، اس وقت دو شخص ہر مصلیٰ کے سامنے سے مسجد کے خرچ کے لیے جھولی لے کر گزرتے ہیں، جس کو دینا ہوتا ہے، اپنی خوشی سے دیتا ہے اور جو نہیں دیتا ہے، اس پر کوئی زبردستی نہیں ہوتی، تو شرعاً یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

#### الجواب حامدًا ومصليًا:

ضرورت کی بنا پر مانگنے والے کو چندہ دینا جائز ہے، بشرطیکہ لوگوں کی گردنیں پھلانگنا، نمازی کے سامنے سے گذرنا اور چمٹ کر مانگنا لازم نہ آتا ہو، اور یہ اس وقت ہے جب کہ مانگنا خطبہ شروع ہونے سے پہلے ہو، اگر دوران خطبہ ہے، تو اس کی اجازت نہیں ہے؛ کیوں کہ خطبہ سننا ہر شخص پر واجب ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= أهل القرى فإنهم يصلون الظهر بجماعة بأذان وإقامة؛ لأنه ليس عليهم شهود الجمعة ولأن في إقامة الجماعة فيها تقليل جمع الجمعة فكان هذا اليوم في حقهم كسائر الأيام. (بدائع الصنائع: ۱/۲۷۰، فصل بيان ما يستحب في يوم الجمعة وما يكره فيه، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۱) وكذا يكره البيع والشراء يوم الجمعة... لقوله تعالى: يا أيها الذين آمنوا إذا نودي للصلاة من يوم الجمعة فأسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع [الجمعة: ۹] والأمر بترك البيع يكون نهياً عن مباشرته وأدنى درجات النهي الكراهة. ولو باع يجوز؛ لأن الأمر بترك البيع ليس لعين البيع بل لترك استماع الخطبة. (حوالہ سابق)

(۲) قال في النهي: والمختار أن السائل إن كان لا يمر بين يدي المصلي، ولا يتخطى الرقاب، ولا يسأل إلحافاً؛ بل لأمر لا بد منه، فلا بأس بالسؤال والإعطاء اهـ ومثله في البزازية. وفيها ولا يجوز الإعطاء إذalm يكونوا على تلك الصفة المذكورة. قال الإمام أبو نصر العياضي: أرجو أن يغفر الله - تعالى - لمن يخرجه من المسجد. وعن الإمام خلف بن أيوب: لو كنت قاضياً لم أقبل شهادة من يتصدق عليهم. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۶۴، باب الجمعة، مطلب في الصدقة على سؤال المسجد، ط: دار الفكر - بيروت)

مزید دیکھیے: فتاویٰ محمودیہ: ۸/۳۶۶ ☆ کتاب المسائل: ۱/۲۶۴۔

عن ابن عباس - رضی اللہ تعالیٰ عنہما - : أنه قال: إن أول  
 جمعة جمعت بعد جمعة في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم،  
 في مسجد عبد القيس بجواثي من البحرين. (بخاری شریف: ۱/۱۲۲، حدیث نمبر: ۸۹۲)

عن عبد الرحمن بن كعب بن مالك، وكان قائد أبيه بعدما  
 ذهب بصره، عن أبيه كعب بن مالك، أنه كان إذا سمع النداء يوم  
 الجمعة ترحم لأسعد بن زرارة، فقلت له: إذا سمعت النداء ترحمت  
 لأسعد بن زرارة، قال: "لأنه أول من جمع بنا في هزم النبیت  
 من حرّة بنی بیاضة فی نقیع، یقال له: نقیع الخضبات"، قلت: کم  
 أنتم یومئذ، قال: أربعون. (ابوداؤد شریف: ۱/۱۵۳، حدیث نمبر: ۱۰۶۹)

## باب الجمعة في القرى

[ گاؤں میں جمعہ کا قیام ]

ضروری نوٹ: حضرت مفتی بیات صاحبؒ کے ”جمعہ فی القرئی“ کے تمام فتاویٰ کے مطالعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جمہور علماء احناف کی طرح ان کے نزدیک بھی قیام جمعہ کے لیے بنیادی طور پر مصر شرط ہے، چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں، تاہم کسی چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز عرصہ دراز سے ہو رہی ہو، اور اسے بند کرنے میں فتنہ و فساد کا اندیشہ ہو، تو حضرت مفتی صاحبؒ کا نظریہ یہ ہے کہ اسے بند نہ کیا جائے، نماز پڑھ لی جائے، امام ہو، تو وہ بھی جمعہ کی نیت سے نماز پڑھا دے، نماز ہو جائے گی، اور ظہر کی نماز بہ طور احتیاط (احتیاط الظہر) پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں، ہاں کوئی گاؤں بالکل ہی چھوٹا ہے، کہ جہاں ضروریات زندگی کی اکثر چیزیں دست یاب نہیں ہیں، وہاں احتیاط الظہر کا حکم دیتے ہیں؛ اگر یہ وضاحت پیش نظر رہے، تو آئندہ صفحات کے بعض فتاویٰ سے پیدا ہونے والا خلجان ان شاء اللہ رفع ہو جائے گا۔

یہ بھی واضح رہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ جمعہ فی القرئی کے قیام کے سلسلے میں توسع والے قول کو اختیار کرتے نظر آتے ہیں، اکابر علماء میں مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں، جگہ جگہ اپنے فتاویٰ میں ان کی رائے کو نقل بھی فرماتے ہیں، ساتھ ہی یہ بھی لکھتے ہیں کہ بعض علاقوں میں بہت سے افراد جو حقیقت میں بد عملی کا شکار ہیں۔ قیام جمعہ کی وجہ سے ہی دین سے اپنی وابستگی محسوس کرتے ہیں، اس دن غسل کرتے ہیں، ذکر و اذکار کا اہتمام کرتے ہیں اور اپنے مسلمان ہونے کو محسوس کرتے ہیں اور دھیرے دھیرے پابند شرع ہو جاتے ہیں؛ اس لیے جن گاؤں میں جمعہ قائم و جاری ہے، اسے بند نہ کیا جائے۔ (دیکھیے عنوان: رویدرا میں جمعہ)

یہی بات اکابر علماء میں حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور موجودہ دور کے ممتاز فقیہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کے فتاویٰ میں بھی ملتی ہے۔

مجتبیٰ حسن قاسمی

خادم شعبہ افتاء: دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب الجمعة في القرى

[ گاؤں میں جمعہ کا قیام ]

[۱] چھوٹے گاؤں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جا رہا ہو تو؟

۱۰۲۳- سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

ایک گاؤں میں جمعہ شرعی اعتبار سے صحیح نہیں ہوتا ہے؛ لیکن لوگ پرانے زمانہ سے جمعہ ادا کرتے چلے آ رہے ہیں، اور امام صاحب نفل نماز کی نیت کرتے ہیں، تو مقتدیوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟ بعض لوگ جمعہ کے بجائے ظہر پڑھتے ہیں، تو ان میں سے اگر کسی کو نماز کی ذمہ داری سونپی جائے اور وہ نماز جمعہ پڑھائے، تو نماز ہوگی یا نہیں؟ جواب دے کر مومن فرمائیں۔

**الجواب حامدًا ومصلياً:**

مذہب حنفی میں چھوٹے گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز نہیں، جمعہ پڑھنے سے ظہر کا ذمہ ادا نہ ہوگا، جو لوگ ظہر پڑھتے ہیں، وہ صحیح راہ پر ہیں۔<sup>(۱)</sup>

امام صاحب کی ذمہ داری یہ ہے کہ صحیح مسائل لوگوں کو حکمت کے ساتھ سمجھا کر انہیں جمعہ نہ پڑھنے کی تاکید

(۱) (ویشترط لصحتها) سبعة أشياء:

الأول: (المصر، وهو ما لا يسهل أكبر مساجده أهله المكلفين بها) وعليه فتوى أكثر الفقهاء، مجتبی؛ لظهور التواني في الأحكام. — قال ابن عابدين: (قوله وعليه فتوى أكثر الفقهاء إلخ) وقال أبو شجاع: هذا أحسن ما قيل فيه. وفي الولو الجية وهو صحيح بحر، وعليه مشى في الوقاية و متن المختار و شرحه و قدمه في متن الدرر على القول الآخر و ظاهره ترجيحه و أيداه صدر الشريعة بقوله لظهور التواني في أحكام الشرع سيما في إقامة الحدود في الأمصار. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۱۳، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت)

کریں، قرآن مجید میں ہے: {أُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ} [۱] اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دیجیے، اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کریں، جو بہترین ہو؛ لیکن اگر لوگ ماننے کے لیے تیار نہ ہوں، تو جمعہ ہی کی نیت سے جمعہ پڑھائیں، امام کی ذمہ داری ادا ہو جائے گی۔ [۲] النحل: ۱۲۵۔

(۳) گاؤں میں جمعہ کی نماز پڑھنا احناف کے نزدیک درست نہیں ہے، جواز جمعہ کے لیے 'مصر' شرط ہے، ان کا استدلال "لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر" (مصنف عبدالرزاق (م: ۲۱۱ھ): ۱۶۷/۳، حدیث نمبر: ۵۱۷۵، ۵۱۷۶، باب القری الصغار، محقق: حبیب الرحمن اعظمی، ط: مجلس علمی - ڈابھیل) سے ہے، کہ جمعہ اور تشریق صرف شہروالوں پر ہے۔ پھر 'مصر' کی مختلف تعریف کی گئی ہے، اور صحیح میں خاصہ اختلاف ہے، جیسا کہ حاشیہ نمبر (۱) اور اگلے سوال میں مذکور ہے، نیز اس روایت میں "لا" صحت کی نفی کے لیے بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ احناف کا مسلک ہے، اور نفی وجوب کا بھی احتمال رکھتا ہے، اس دوسرے احتمال کو یوں بھی تقویت حاصل ہے کہ متعدد روایت سے "جمعہ فی القری" کی اجازت معلوم ہوتی ہے، مثلاً:

① عن عبد الرحمن بن كعب بن مالك، وكان قائد أبيه بعد ما ذهب بصره، عن أبيه كعب بن مالك، أنه كان إذا سمع النداء يوم الجمعة ترحم لأسعد بن زرارة، فقلت له: إذا سمعت النداء ترحم لأسعد بن زرارة، قال: "لأنه أول من جمع بنا في هزم النبي من حرة بني بياضة في نقيع، يقال له: نقيع الخضعات"، قلت: كم أنتم يومئذ، قال: أربعون. (سنن أبي داود: ۱/۱۵۳، رقم الحديث: ۱۰۶۹، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القري، ط: البدر - ديوبند)

② عن ابن عباس: أنه قال: إن أول جمعة جمعت بعد جمعة في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم، في مسجد عبد القيس بجواثي من البحرين. (صحيح البخاري: ۱/۱۲۲، رقم الحديث: ۸۹۲، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القري والمدن، ط: رشيدية - ديوبند)

③ وروى البيهقي في "المعرفة" عن مغازي ابن إسحاق وموسى بن عقبة: أن النبي - صلى الله عليه وسلم - حين ركب من بني عمرو بن عوف في هجرته إلى المدينة، مر على بن سالم وهي قرية بين قباء والمدينة، فأدركته الجمعة فصلى فيهم الجمعة، وكانت أول جمعة صلاها حين قدم. — ووصله ابن سعد من طريق الواقدي بأسانيد له، وفيه: أنهم كانوا حينئذ مائة رجل. (التميز في تلخيص تحريج أحاديث شرح الوجيز المشهور بـ "التلخيص الحبير" - ابن حجر العسقلاني (م: ۸۵۲ھ): ۳/۹۹۳، رقم: ۱۹۰۳، كتاب الجمعة، ت: د. محمد الثاني بن عمر بن موسى، ط: دار أضواء السلف)

نیز جن روایات سے احناف نے استدلال کیا ہے، سند کے اعتبار سے بھی اس پر کلام کیا گیا ہے، مثلاً: "لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع" کو زبیلی نے "موقوف علی علی" قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں: قلت: غریب مرفوعاً، وإنما وجدناه موقوفاً علی علی. (نصب الرایة لأحادیث الهدایة - جمال الدین الزبیلی (م: ۷۶۲ھ): ۲/۱۹۵، باب صلاة الجمعة، ت: محمد عوامة، ط: مؤسسة الريان للطباعة والنشر - بيروت / دار القبلة للثقافة الإسلامية - جدة)

احناف کا استدلال اس روایت سے بھی ہے: "الجمعة علی من آواه الليل إلى أهله". (ترمذی، باب ما جاء من كم توتی =

کرانے کے سلسلہ میں جھگڑا کرنے کی اجازت نہیں ہے، لڑائی جھگڑا کرنا حرام ہے، نفل کی نیت سے جمعہ کی نماز پڑھانا اور بعد میں اپنے طور پر نظر پڑھنا کسی طرح جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس طرح مقتدی کو دھوکہ دینا اور ان کی نماز کو فاسد کرنا لازم آئے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= [الجمعة، حدیث نمبر: ۵۰۲] لیکن محدثین نے اسے بھی ضعیف قرار دیا ہے۔ [قال الحافظ (في التلخیص الحبیبر: ۳/۹۹۲، رقم الحدیث: ۱۹۰۲): ضعفه أحمد و الترمذی. وله شاهد من حدیث أبي قلابة مرسل. رواه البيهقي] (ضروری نوٹ: ان تفصیلات کے ذکر کرنے کا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے کہ اس سلسلے میں احناف کے دلائل کمزور ہیں، احناف کے دلیل کی قوت دیکھنا ہو، تو اوثق العری فی تحقیق الجمعدنی القرئی اور حضرت مولانا ظلیل احمد سہارن پوریؒ کے فتاویٰ دیکھیں، نیز علامہ نیوٹی اور حضرت گنگوہیؒ کی بھی اس سلسلے میں مفصل تحریر موجود ہے۔ ضعف دلیل کی وجہ سے یہاں مذہب غیر پر فتویٰ نہیں ہے؛ بل کہ ایک خاص مصلحت مقتضی ہے کہ جہاں جمعہ قائم ہے، اسے نہ روکا جائے، اکابر میں مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کی تحریر میں اس کی جانب اشارہ موجود ہے۔)

اس لیے اگر کسی گاؤں میں جمعہ کی نماز ہوتی چلی آ رہی ہو، اور اس کے روکنے سے فتنہ و فساد کا اندیشہ ہو، تو جمعہ کی نماز ادا کر لینا چاہیے، حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے:

”حنفیہ کے اصول کے بہ موجب دیہات میں اقامت جمعہ درست نہیں، مصر ہونا جواز جمعہ کے لیے شرط ہے، لیکن مصر کی تقریبیں مختلف اور متعدد منقول ہیں، اس مسئلے میں زیادہ سختی کا موقع نہیں ہے، اور اس زمانے کے مصالح عامہ مہمہ اس امر کے مقتضی ہیں کہ اقامت جمعہ کو نہ روکا جائے، تو بہتر ہے، بالخصوص ایسی حالت میں کہ مدت دراز سے جمعہ قائم ہو، اس کو روکنا بہت سے مفسد عظیمہ کا موجب ہوتا ہے۔ (کفایت المفتی: ۳/۲۴۲، دارالاشاعت، کراچی)

ایک سوال کے جواب میں حضرت مفتی صاحب رقم طراز ہیں: ”لا جمعۃ ولا تشریق..... الخ“ حنفیہ نے اس میں ’لا‘ سے نفی صحت مراد لی ہے، مگر محتمل ہے کہ نفی وجوب مراد ہو۔ (حوالہ سابق)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں: فقہاء احناف کے نزدیک جمعہ و عیدین نہیں پڑھی جائے گی، بل کہ جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز ادا کی جائے گی، اس لیے کہ حضرت علی سے مروی ہے کہ: ”لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع“ جمعہ و عیدین شہری میں پڑھی جائیں، لیکن شہر (مصر) سے کیا مراد ہے؟ یہ حدیث میں متعین نہیں ہے، فقہاء نے اپنے ذوق و مزاج اور اپنے عہد کے عرف کو ملحوظ رکھتے ہوئے مصر کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں خاصا اختلاف ہے، فقہاء کے نزدیک شہر کا جو مفہوم رائج ہے، وہ یہ ہے کہ اگر اس جگہ کے تمام لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں تو مسجد نا کافی ہو جائے، یہ شہر کا ایسا مفہوم ہے، کہ اس کے اعتبار سے شہر کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے، اور ضرورت اس وقت یہی ہے کہ شہر کا ایسا مفہوم متعین ہو کہ زیادہ سے زیادہ مقامات پر نماز جمعہ کی گنجائش نکل آئے، کیوں کہ جمعہ نہ صرف ایک عبادت ہے، بل کہ تذکرہ و موعظت کا بھی بہترین موقع ہے اور بعض علاقوں میں جمعہ ہی کی وجہ سے اسلام سے اپنی وابستگی محسوس کرتے ہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳۶۱-۳۷۷، نماز کے متعلق سوالات، دیہات میں جمعہ، ط: نعیمیہ۔ دیوبند)

## [۲] دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل

۱۰۲۴-سوال: اقامت جمعہ میں جہاں اور شرطیں ہیں، وہاں دو خاص شرطیں: ”وجود سلطان“ اور ”مصر جامع“ کی ہے، شرط سلطان تو ہمارے ملک میں نہیں ہے، اسی بناء پر تمام مفتیان کرام نے اس کو فتویٰ میں ملحوظ نہیں رکھا ہے، رہی ”مصر جامع“ کی شرط، تو اس میں بہت اجمال ہے اور اس کی تفصیل میں متعدد اقوال ہیں، من جملہ یہ ہیں:

- ۱- مصر سے مراد وہ جگہ ہے، جہاں حدود و احکام کا نفاذ ہو۔ — ۲- اتنا بڑا گاؤں ہو کہ پورا قریہ اس کی مسجد میں نہ سما سکے۔ — ۳- جہاں دس ہزار آدمی رہتے ہوں۔ — ۴- جہاں ہر حرفت (پیشہ) والا رہتا ہو۔ — ۵- جہاں امیر موجود ہو۔ — ۶- جہاں ۵۰۰۰ آزاد آدمی رہتے ہوں۔ — ۷- جس میں موت سے کمی اور ولادت سے زیادتی نہ معلوم ہوتی ہو۔ — ۸- جہاں کے باشندے مشکل سے شمار کیے جاسکیں۔ — ۹- جہاں دشمن سے مقابلہ کے وقت کسی سے مدد نہ لینا پڑے۔ — ۱۰- جس بستی میں ۱۰۰ آدمی مقیم ہوں،<sup>(۱)</sup> وغیرہ وغیرہ.....

(۱) أما المصر الجامع فقد اختلفت الأقاويل في تحديده، ذكر الكرخي أن المصر الجامع ما أقيمت فيه الحدود ونفذت فيه الأحكام، وعن أبي يوسف روايات ذكر في الإملاء كل مصر فيه منبر وقاض ينفذ الأحكام ويقوم الحدود فهو مصر جامع تجب على أهله الجمعة، وفي رواية قال: إذا اجتمع في قرية من لا يسعهم مسجد واحد بنى لهم الإمام جامعاً ونصب لهم من يصلي بهم الجمعة، وفي رواية: لو كان في القرية عشرة آلاف أو أكثر أمرتهم بإقامة الجمعة فيها، وقال بعض أصحابنا: المصر الجامع ما يتعش فيه كل محترف بحرفته من سنة إلى سنة من غير أن يحتاج إلى الانتقال إلى حرفة أخرى، وعن أبي عبد الله البلخي أنه قال: أحسن ما قيل فيه إذا كانوا بحال لو اجتمعوا في أكبر مساجدهم لم يسعهم ذلك حتى احتاجوا إلى بناء مسجد الجمعة فهذا مصر تقام فيه الجمعة، وقال سفيان الثوري: المصر الجامع ما يعده الناس مصر عند ذكر الأمصار المطلقة، وسئل أبو القاسم الصفار عن حد المصر الذي تجوز فيه الجمعة، فقال: أن تكون لهم منعة لو جاءهم عدو قدر واعلى دفعه فحينئذ جاز أن يمصر وتمصره أن ينصب فيه حاكم عدل يجري فيه حكماً من الأحكام، وهو أن يتقدم إليه خصمان فيحكم بينهما.

وروي عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمه و علمه أو علم غيره و الناس يرجعون إليه في الحوادث، وهو الأصح. (بدائع الصنائع: ۱/۲۵۹-۲۶۰، كتاب الصلاة، فصل بيان شرائط الجمعة، ط: دار الكتب العلمية)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: التنف في الفتاوى - أبو الحسن علي بن الحسين بن محمد الشافعي، حنفي (م: ۳۶۱ھ) =:

اب آپ ہی بتائیں کہ ہم مصر کی صحیح تعریف کیا کریں۔

آیات قرآنی جمعہ کے بارے میں غیر مقید ہیں، وہاں شرط کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اور وہ احادیث جو آیت کریمہ کی تفسیر ہیں، ان میں بعض افراد (مسافر، عورت اور بچے) کا استثناء کیا گیا ہے؛ لیکن دیہات کا استثناء نہیں کیا گیا ہے، چنانچہ احادیث میں ہے: ۱- الجمعة حق واجب... الحدیث (أبو داؤد) ۲- من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فعليه الجمعة... الحدیث (مشکوٰۃ) ۳- الجمعة واجبة على كل قرية... الحدیث (دارقطنی). ۴- إن اول جمعة جمعت بعد جمعة في مسجد رسول الله -صلى الله عليه وسلم- في مسجد عبد القيس. (بخاری، ابوداؤد)

اور بہت سے آثار صحابہ میں بھی ”مصر جامع“ کی شرط نہیں ہے، مثلاً: ۱- اثر حضرت عمرؓ (فتح الباری: ۴۸۶/۱: ۲) اثر ابوزرؓ (کبیری شرح منیہ: ۵۱۲) ۳- اثر حضرت عبداللہ بن عمرؓ (فتح الباری: ۴۸۶/۱: ۲) ان کے علاوہ بھی آثار صحابہ اس باب میں ہیں، جن میں مصر جامع کی شرط نہیں ہے، سوائے حضرت علیؓ کے، کہ وہ فرماتے ہیں: ”لا جمعة ولا تشريق الا في مصر جامع“؛ لیکن سوال یہ ہے کہ اس اثر علیؓ میں لافنی کمال ہونے کا بھی تو احتمال ہے اور لافنی کمال سے مطلق لافنی لازم نہیں آتی۔

پھر کیا وجہ ہے کہ آیت کریمہ کے مطلق ہونے کے باوجود، احادیث میں عدم صراحت مصر کے باوجود اور آثار صحابہ کے معارض ہونے کے باوجود اس اثر علیؓ کو ضروری سمجھا جاتا ہے اور چھوٹے دیہات میں جمعہ کو ہمارے مفتیان کرام منع کرتے ہیں۔ اگر ”مصر جامع“ کی شرط اتنی ہی ضروری تھی، تو شارع علیہ السلام نے بعض افراد کے استثناء کے ساتھ اس کو بھی کیوں واضح نہیں فرمایا اور اس کو مستثنیٰ میں شامل کیوں نہیں کر لیا؟ اس کی عدم شمولیت اور بہت سے آثار صحابہ کے معارض ہونے سے تو یہ گمان ہوتا ہے کہ اثر حضرت علی رضی اللہ عنہ میں ”لا“ لافنی کمال سمجھ کر دیگر احادیث و آثار میں تطبیق دی جائے، اور اقامت جمعہ شہر و دیہات ہر جگہ عام ہو، واللہ اعلم بالصواب، اس سوال کا جواب مفصل عنایت فرمائیں۔

= ۹۱/۱، مطلب صلاة الجمعة، تعريف المصر، ت: صلاح الدين الناهي، ط: دار الفرقان / مؤسسة الرسالة - عمان الأردن / بيروت ☆ المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۲۳/۲، باب صلاة الجمعة، ط: دار المعرفة - بيروت ☆ الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر المرغيناني (م: ۵۹۳ھ): ۸۲/۱، باب صلاة الجمعة، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت

## الجواب حامداً ومصلياً:

فقہ یعنی مسائل شرعیہ فرعیہ کے اثبات کا مبنی قرآن، احادیث، اجماع امت اور قیاس شرعی ہے۔ جمعہ کی فرضیت کے متعلق قرآن میں ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۗ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ} (۱) فقہاء نے غور کیا کہ اس فریضہ جمعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے کہاں ادا فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہاں ادا کرنے کا حکم فرمایا، اور کیا قریہ صغیرہ اور جنگل میں جمعہ جائز ہے؟ تو اس سلسلہ میں بنیادی احادیث ان کے سامنے یہ تھی: ۱- ماروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم - قال: لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع. (۲)

۲- وعن علی رضی اللہ عنہ: لا جمعة ولا تشریق ولا فطر ولا أضحی الا فی مصر جامع. (بدائع) (۳)

۳- عن ابن عباس رضی اللہ عنہما، قال: "أول جمعة جمعت، بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فی مسجد عبد القیس بجواثی، یعنی قریہ من البحرین." (۴)

اور بدائع الصنائع میں ہے: وکذا الصحابة رضي الله عنهم فتحوا البلاد وما نصبوا المنابر الا في الأمصار فكان ذلك إجماعاً منهم على أن المصر شرط. (بدائع) [۵]

اگر جمعہ کا حکم مطلق ہوتا، تو دیہات و جنگل میں بھی جمعہ ادا کرنے کا حکم ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم وہاں جمعہ ادا کرنے کا حکم فرماتے؛ لیکن ایسا نہیں ہے، معلوم ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مقید فرمایا ہے، نیز صحابہ کے اقوال غیر مدرک بالقیاس کو حدیث کا حکم دیا گیا ہے اور صحابہ کی روایات (آثار)

(۱) ۶۲-۱-۹- الجمعة

(۲-۳) بدائع الصنائع: ۱/۲۵۹، کتاب الصلاة، شرائط الجمعة، ط: دار الكتب العلمية.  
"لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع" کو زیلعی نے "موقوف علی علی" قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں: قلت: غریب مرفوعاً، و إنما وجدناه موقوفاً علی علی. (نصب الرایة لأحادیث الهدایة- جمال الدین الزیلعی (م: ۶۲ھ) ۲/۱۹۵، باب صلاة الجمعة، ت: محمد عوامة، ط: مؤسسة الريان للطباعة والنشر - بیروت / دار القبله للثقافة الإسلامية - جدة  
نیز زیلعی نے سنن کبریٰ (۳/۱۷۹) میں لکھا ہے: "إنما یروی عن علی موقوفاً، فأما النبی صلی اللہ علیہ وسلم فإنه لا یروی عنه فی ذلك شيء." حاشیہ بدائع: ۱/۵۸۳، زکریا - دیوبند

(۴) صحیح البخاری: ۲/۶۲۷، رقم الحدیث: ۴۳۷۱، کتاب المغازی، باب وفد عبد القیس، وانظر: رقم: ۸۹۲، باب الجمعة فی القرى والمدن، ط: البدر - دیوبند.

[۵] بدائع الصنائع: ۱/۲۵۹، کتاب الصلاة، فصل بیان شرائط الجمعة، ط: دار الكتب العلمية

سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ شہر ہی میں صحیح ہوتا ہے۔

اور جن روایات میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو اٹی (یا جو ثناء) قریہ بحرین میں مدینہ کے بعد جمعہ ادا فرمایا تھا، تو قریہ کا اطلاق قرآن شریف میں شہر پر بھی آیا ہے: {وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمَةٍ} [۶] پس قریتین کا اطلاق یہاں مکہ اور طائف پر ہوا ہے، جو شہر اور قلعہ بھی تھا (لہذا قریہ کا لفظ لے کر دیہات میں جمعہ ثابت نہیں کیا جاسکتا)۔

”صحابہ کرام“ منبروں کو صرف شہروں ہی میں قائم فرماتے تھے، یہ بھی اس پر دال ہے کہ قریہ صغیرہ میں جمعہ صحیح نہیں، جمعہ کے لیے شہر یا قصبہ کا ہونا ضروری ہے، اسی بنا پر مسلک احناف میں اس کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

نیز اس لیے بھی کہ ظہر کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے، اس کو ترک نہیں کیا جائے گا مگر نص قطعی ہی سے اور شہر میں ظہر ترک کر کے جمعہ کی ادائیگی کے متعلق نص وارد ہوئی ہے، دیہات کے متعلق نہیں ہے؛ لہذا قریہ و دیہات میں ظہر ترک کر کے جمعہ ادا نہیں کیا جائے گا۔ اور آپ نے یہ تحریر کیا ہے کہ بعض صحابہ سے مصر کی قید ثابت نہیں ہے، مگر غور فرمائیں کہ عمل رسول ﷺ اور عمل صحابہ کیا ہے؟ صاحب بدائع کے الفاظ پر غور فرمائیں کہ: فكان ذلك إجماعاً منهم على أن المصير شرط. (بدائع) [۷]

اور آپ کی بیان کردہ روایات: ۱- الجمعة حق واجب... اور ۲- من كان يوم من بالله واليوم الآخر فعليه الجمعة... یہ روایات مطلق ہیں، ان کو مقید پر محمول کریں گے، اور ۳- الجمعة واجبة على كل قرية... الحدیث اور ۴- فی مسجد عبد القیس... والی روایات میں قریہ سے مراد شہر ہے اور قریہ ”بحرین“ شہر ہی تھا (جیسا کہ محقق ہے) لہذا امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک جمعہ شہر میں ادا کرنا ہوگا، دیہات میں جائز نہیں۔ پس مذکورہ تفصیل کی بنا پر حضرت علیؓ کے اثر میں ”لا“ نفی کمال کا نہیں ہے، بلکہ نفی صحت کا ہے۔

علاہ ازیں شعرا کو ہر مکان میں ادا کرنے سے شعرا کی عظمت باقی نہیں رہتی، کیوں کہ کچھ شعرا ایسے ہیں، جو مکان مخصوص، وقت مخصوص اور عمر مخصوص ہی میں ادا کیے جاتے ہیں؛ لہذا جمعہ کو جو شعرا اسلام ہے۔ مصر ہی میں ادا کرنے سے اس کی عظمت باقی رہے گی۔ جس کا اندازہ بالفعل آپ لگا سکتے ہیں؛ بل کہ اس شعرا کا تقاضہ یہ

[۶] ۴۳- الزخرف: ۳۱۔

[۷] بدائع الصنائع: ۱/۲۵۹، کتاب الصلاة، فصل بیان شرائط الجمعة، ط: دار الکتب العلمیة.

ہے کہ دیہات کے لوگ شہر ہی جا کر اجتماعیت کا ثبوت دیں: ولأن الجمعة من أعظم الشعائر فنختص  
بمكان إظهار الشعائر وهو المصر. (بدائع: ۲۵۹/۱) [۸]

اور مصر کی تعریف میں کئی اقوال ہیں؛ لیکن راجح قول عرف و محاورے کا ہے۔ (یعنی عرف میں جو شہر  
شمار ہوتا ہو، وہ شہر ہے) جیسا کہ صاحب بدائع نے تمام اقوال ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے۔ (بدائع) [۹]  
اور صحت جمعہ کے لیے قیود صرف امام اعظم ابو حنیفہ کے یہاں نہیں ہیں؛ بل کہ دیگر ائمہ نے بھی صحت  
جمعہ کے لیے قیود مقرر کی ہیں، چنانچہ عمدة القاری میں ہے: واختلف العلماء في الموضع الذي تقام فيه  
الجمعة، فقال مالك: كل قرية فيها مسجد أو سوق فالجمعة واجبة على أهلها، ولا يجب على أهل  
العمود وإن كثروا؛ لأنهم في حكم المسافرين. وقال الشافعي وأحمد: كل قرية فيها أربعون رجلاً  
أحراراً بالغين عقلاء مقيمين بها لا يظعنون عنها صيفاً ولا شتاءً إلا ظعن حاجة، فالجمعة واجبة عليهم،  
وسواء كان البناء من حجر أو خشب أو طين أو قصب أو غيرها، بشرط أن تكون الأبنية مجتمعة، فإن  
كانت متفرقة لم تصح،... ومذهب أبي حنيفة، رضي الله تعالى عنه: لا تصح الجمعة إلا في مصر جامع  
أو في مصلى المصر، ولا تجوز في القرى، وتجوز في منى إذا كان الأمير أمير الحاج، أو كان الخليفة  
مسافراً. وقال محمد: لا جمعة بمنى ولا تصح بعرفات في قولهم جميعاً. وقال أبو بكر الرازي في  
كتابه (الأحكام): اتفق فقهاء الأمصار على أن الجمعة مخصوصة بموضع لا يجوز فعلها في غيره؛  
لأنهم مجتمعون على أنها لا تجوز في البوادي، ومناهل الأعراب، وذكر ابن المنذر عن ابن عمر أنه  
كان يرى على أهل المناهل والمياه أنهم يجمعون. (۱۰)

اور ما شاء اللہ آپ تو عالم ہیں، امید ہے سب امور حل ہو گئے ہوں گے؛ لیکن جہالت کا ماحول ہے،  
ہر ہر قریہ میں گروہ بندی کا دور دورہ ہے؛ اس لیے عوام کو مسئلہ سمجھا دیں، اس کے باوجود جمعہ پر اصرار کریں، تو  
جمعہ پڑھادیں اور اعادہ ظہر کی تلقین کریں، تاکہ ظہر ذمہ میں واجب نہ رہے، اور فتنہ و فساد پھیلے ایسی کوئی سبیل  
اختیار نہ کریں، اس کا خاص خیال رکھیں۔ (۱۱) فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

[۸] حوالہ سابق: ۲۵۹/۱۔

[۹] حوالہ سابق: ۲۶۰/۱۔

(۱۰) عمدة القاری شرح صحیح البخاری - بدر الدین العینی (م: ۸۵۵ھ) : ۱۸۷/۶، کتاب الجمعة، باب الجمعة  
فی القرى والمدن، ط: دار إحياء التراث العربی - بیروت.

(۱۱) تفصیل کے لیے ”چھوٹے گاؤں میں تدمیر زمانے سے جمعہ پڑھا جا رہا ہوتو؟“ کا حاشیہ نمبر ۳ ملاحظہ فرمائیں۔



### [۳] قصبہ میں نماز جمعہ اور دیہات کے باشندے کی اس میں شرکت

۱۰۲۵-سوال: ساتجا گاؤں میں نئی مسجد بناتے وقت اس میں جمعہ وعیدین پڑھنے کی نیت کی، تو اس میں جمعہ وعیدین کی ادائیگی صحیح ہوگی یا نہیں؟ واضح رہے کہ مذکور گاؤں ”ساتجا“ ایک قصبہ ہے، ضروریات زندگی کی ساری چیزیں وہاں دست یاب ہوجاتی ہیں، نیز اس گاؤں کے اطراف میں دوسرے تین گاؤں بھی ہیں، جو بالکل قریب قریب ہیں، امید ہے کہ ان دیہاتوں کے باشندے بھی جمعہ پڑھنے آویں گے؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

”ساتجا“ اگر قصبہ ہے، جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، تو وہاں جمعہ اور عیدین جائز ہے اور اس نیت سے مسجد بنانے میں ثواب ہے، اطراف کے چھوٹے دیہات والوں پر جمعہ کی نماز فرض نہیں؛ لیکن اگر وہ لوگ ”ساتجا“ آکر جمعہ کی نماز ادا کر لیں، تو نماز درست ہو جائے گی۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۴] چار ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم

۱۰۲۶-سوال: ہمارے یہاں تقریباً تین سے چار ہزار تک کی آبادی ہے، تو ہمارے یہاں

(۱) تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۳۸/۲، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت)

القروي إذا دخل المصر يوم الجمعة إن نوى أن يمكث ثمة يوم الجمعة يلزمه الجمعة، وإن نوى أن يخرج في ذلك اليوم قبل الوقت أو بعده لا جمعة عليه؛ لأنه في الأول صار كواحد من أهل المصر في ذلك اليوم وفي الثاني لم يصر. (درر الحکام شرح غرر الأحكام - ملا - أو منلا أو المولى - خسرو (م: ۸۸۵هـ) ۱۳۱/۱، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار إحياء الكتب العربية ☆ المحيط البرهاني - أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مازة البخاري الحنفي (م: ۷۱۶هـ) ۸۷/۲، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في صلاة الجمعة، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ البحر الرائق شرح كنز الدقائق - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ) ۱۵۱/۲، باب الجمعة، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۱۶۲/۲، باب الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت)

القروي إذا دخل المصر ونوى أن يمكث يوم الجمعة لزمته الجمعة؛ لأنه صار كواحد من أهل المصر في حق هذا اليوم وإن نوى أن يخرج في يومه ذلك قبل دخول الوقت أو بعد الدخول لا جمعة عليه ولو صلى مع ذلك كان مأجوراً، كذا في فتاوى قاضي خان والتجنيس والمحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۵، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/۲۳۷، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: زكريا - ديوبند)

جمعہ کی نماز جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور جواز جمعہ کے لیے کتنی آبادی کا ہونا ضروری ہے؟ اور اس کے لیے کیا کیا شرائط ہیں؟ تفصیلی جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

### الجواب حامداً ومصلياً

شہر، قصبہ یا بڑا گاؤں، جہاں ضرورت کی اشیاء مل جاتی ہوں، وہاں جمعہ پڑھنا واجب ہے۔ جمعہ کے جواز کے لیے مصر شرط ہے، آبادی کی کوئی خاص تعداد متعین نہیں ہے، اس سلسلے میں متعدد باتیں کہی گئی ہیں۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۵] چھوٹے دیہات والوں کا جمعہ کے دن ظہر پڑھنا

۱۰۲۷- سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین ذیل کے مسئلہ میں کہ:

ایک چھوٹا سا دیہات ہے، جہاں جمعہ کی نماز جائز نہیں؛ لیکن وہاں کے باشندے جمعہ پڑھتے ہیں، وہاں دارالعلوم بھی ہے، سوال یہ ہے کہ اگر دارالعلوم کے اساتذہ و طلباء اپنی تمام نمازیں اِدارے میں ادا کرتے ہوں، جمعہ کے دن ظہر کی نماز ادا کرتے ہوں، اور مسلسل کئی جمعہ تک وہ لوگ قریب کے شہر یا قصبہ میں نہ جائیں، تو یہ حضرات درج ذیل احادیث کے مصداق ہوں گے یا نہیں؟

عن أبي الجعد الضمري، وكانت له صحبة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من ترك ثلاث جمع تها ونا بها، طبع الله على قلبه. (رواه أبو داود)<sup>[۲]</sup>

ترجمہ: حضرت ابو الجعد ضمري رضی اللہ عنہ، روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

(۱) قد تقدم التخریج عن: رد المحتار علی الدر المختار: ۵/۳، کتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: زکریا- دیوبند ☆  
الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۳۵، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة، کتاب الصلاة، مکتبہ زکریا- دیوبند  
مسئلے کی مزید تفصیل و تخریج کے لیے ”چھوٹے گاؤں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جا رہا ہوتو؟“ کا حاشیہ نمبر ۱۳ اور ”دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل“ کے تمام حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

[۲] سنن أبي داود: ۱/۱۵۱، رقم الحديث: ۱۰۵۲، کتاب الصلاة، باب التشديد في ترك الجمعة، ط: البدر- دیوبند  
☆ سنن الترمذی: ۱/۱۱۲، رقم الحديث: ۵۰۰، أبواب الجمعة، باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر، ط: البدر-  
دیوبند ☆ المجتبی من السنن = السنن الصغرى للنسائي (م: ۳۰۳ھ) : ۳/۸۸، رقم الحديث: ۱۳۶۹، کتاب  
الجمعة، باب التشديد في التخلف عن الجمعة، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مکتب المطبوعات الإسلامية- حلب.

جو شخص محض سستی اور کاہلی کی بنا پر تین جمعہ چھوڑ دے گا، تو اللہ تعالیٰ اُس کے دل پر مہر لگا دیں گے۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من ترك الجمعة من غير ضرورة كتب منافقا في كتاب لا يمحي ولا يبدل، وفي بعض الحديث: ثلاثا. (رواه الشافعي) [1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بغیر کسی عذر کے نماز جمعہ چھوڑ دیتا ہے، وہ اُس کتاب میں منافق لکھ دیا جاتا ہے جو نہ کبھی مٹائی جاتی ہے اور نہ کبھی تبدیل ہوتی ہے، اور بعض روایات میں ہے کہ جو شخص تین جمعہ چھوڑ دے۔

### الجواب حامدًا ومصليا:

چھوٹے دیہات جہاں جمعہ واجب نہ ہو؛ لیکن پہلے سے پڑھا جا رہا ہو، تو جائز ہے، جو لوگ جمعہ پڑھ لیں گے، اُن کا جمعہ درست ہے، اور جو لوگ اُسے ناجائز سمجھ کر ظہر پڑھتے ہیں، وہ بھی گنہگار نہیں ہیں۔ (کفایت الفتی: ۱۸۹/۳) [2]

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ فرض ہوتے ہوئے اگر کوئی اُسے ترک کر دیتا ہے، تو وہ مستحق وعید ہے، اگر سستی کی بنا پر چھوڑ دیتا ہے، تو نفاق کی مہر لگے گی، نماز جمعہ کے استخفاف یا اُس کی فرضیت کے انکار کی بنا پر ترک کرتا ہے، تو مہر کفر لگے گی، یعنی قلب مسخ ہو جائے گا۔ (کوکب) [3]

[1] مسند الشافعي - الإمام أبو عبد الله محمد بن إدريس بن العباس بن عثمان بن شافع بن عبد المطلب بن عبد مناف المطليبي القرشي المكي الشافعي (م: ۲۰۳ھ): ۷۰/۱، ومن كتاب ايجاب الجمعة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت (رقم الحديث: ۹۳۸، على ترتيب السندي) \* معرفة السنن والآثار - أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸ھ): ۴/۲۱۷، رقم الحديث: ۶۶۶۵، كتاب الجمعة، التشديد في ترك الجمعة، ت: عبد المعطي أمين قلعي، ط: جامعة الدراسات الإسلامية (كويتي - باكستان)، دار قتيبة (دمشق - بيروت)، وغيرهما.

[2] كفايت الفتى: ۳/۲۰۲، ۲۰۷، ۲۰۸، كتاب الصلاة، فصل دوم، شرائط جمعہ، ط: كتب خانہ رشیدیہ، دہلی، سنٹرل بک ڈپو، دہلی۔ \* مسئلے کی مزید تفصیل و تخریج کے لیے ”چھوٹے گاؤں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جا رہا ہو تو؟“ کا حاشیہ نمبر ۳ اور ”دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل“ کے تمام حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

[3] اعلم أن ترك الجمعة إما أن يكون لتسهيل أمرها وعدم اهتمام بشانها فالطبع طبع نفاق، أعاذنا الله منها، وإما أن يكون لا لتسهيل أمر، بل لاهانة نفسه في ترك ما يجب عليه أداءه، فالطبع طبع رين وغين، والحديث يشمل كليهما. (الكوكب الدرري على جامع الترمذي: ۱۹۸/۱، كتاب الصلاة، أبواب الجمعة، قوله: باب ما جاء في ترك الجمعة من غير عذر، ط: المكتبة الأشرفية - ديوبند)

جو لوگ مدرسہ میں ظہر کی نماز پڑھیں اور مسلسل کئی جمعہ تک کہیں جمعہ پڑھنے کے لیے نہ جائیں تب بھی وہ لوگ مذکورہ عید کے مستحق نہیں ہیں، اس لیے کہ جمعہ اُن پر واجب ہی نہیں ہے، البتہ گاؤں اگر کسی شہر کی فناء میں داخل ہو، یا فناء شہر سے اس قدر متصل ہو کہ فناء شہر سے اذان کی آواز وہاں تک پہنچ جاتی ہے، یا زوال کے بعد پیدل جا کر جمعہ میں شرکت کر کے شام ہونے سے پہلے واپس گھر آسکتے ہوں، تو ایسے گاؤں والوں پر بعض فقہاء کے نزدیک شہر میں جا کر جمعہ ادا کرنا ضروری ہے، لیکن صحیح یہی ہے کہ فناء اگر شہر سے باہر ہو، تو جمعہ کے لیے شہر میں جانا ضروری نہیں ہے، اگر جائے تو بہتر ہے۔ (شامی: ۲/۱۵۳) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۶] چار ہزار کی آبادی والے گاؤں میں جمعہ پڑھنا

۱۰۲۸- سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذا میں کہ ہماری بستی میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، جس کی آبادی جملہ چار ہزار ہے، اس میں مسلمانوں کے دس مکان ہیں، جن کی آبادی کی تعداد ۶۰۰ تک ہے، بستی میں بازار بھی لگتا ہے، دکانیں وغیرہ بھی ہیں، پنچایت بھی ہے، پوسٹ آفس ہے، دو خانہ ہے، مسجد بنی ہوئی نہیں ہے، صرف ایک جھونپڑا ہے، وہیں پانچ وقت کی نماز ہوتی ہے، وہیں جمعہ کی نماز بھی ہوتی ہے؛ لیکن بستی سے پانچ کلومیٹر ایک شہر یعنی قصبہ ہے، جہاں دو مسجدیں ہیں، ایسی حالت میں ہم بستی میں جمعہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

[۱] (وشرط لافتراضها) تسعة تختص بها (إقامة بمصر) وأما المنفصل عنه فإن كان يسمع النداء تجب عليه عند محمد وبه يفتى كذا في الملتقى، وقد منا عن الولوالجية تقديره بفرسخ، ورجح في البحر اعتبار عوده لبيتة بلا كلفة. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله يسمع النداء) أي من المنابر بأعلى صوت كما في القهستاني (قوله وقد منا إلخ) فيه أن ما مر عن الولوالجية في حد الفناء الذي تصح إقامة الجمعة فيه، والكلام هنا في حد المكان الذي من كان فيه يلزمه الحضور إلى المصر ليصل إليها فيه، نعم في التتارخانية عن الذخيرة: أن من بينه وبين المصر فرسخ يلزمه حضور الجمعة، وهو المختار للفتوى (قوله ورجح في البحر إلخ) هو ما استحسنته في البدائع وصحح في مواهب الرحمن قول أبي يوسف بوجوبها على من كان داخل حد الإقامة أي الذي من فارقه يصير مسافرا وإذا وصل إليه يصير مقيما، وعلله في شرحه المسمى بالبرهان بأن وجوبها مختص بأهل المصر والخارج عن هذا الحد ليس أهله. اهـ. — قلت: وهو ظاهر المتون. وفي المعراج أنه أصح ما قيل. وفي الخانية المقيم في موضع من أطراف المصر إن كان بينه وبين عمران المصر فرجة من مزارع لا جمعة عليه وإن بلغه النداء وتقدير البعد بغلوة أو ميل ليس بشيء هكذا رواه أبو جعفر عن الإمامين، وهو اختيار الحلواني، وفي التتارخانية ثم ظاهر رواية أصحابنا لا تجب إلا على من يسكن المصر أو ما يتصل به فلا تجب على أهل السواد ولو قريبا وهذا أصح ما قيل فيه اهـ وبه جزم في التجنيس. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۵۳، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة: ط: دار الفكر)

اور عیدین کی نماز ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (پچیس سال پہلے پولیس چوکی بھی تھی، اب نہیں ہے) بیٹو، تو جروا۔

### الجواب حامدًا ومصلياً

صورت مسئلہ میں۔ کہ آپ کے بستی کی آبادی چار ہزار ہے، ضروریات کی اکثر و بیشتر چیزیں مل جاتی ہیں، دو خانہ اور پوسٹ آفس ہے اور بازار بھی لگتا ہے۔ جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے۔<sup>[۱]</sup> کوشش فرما کر جھونپڑے کی جگہ اینٹوں سے پختہ مسجد بنالیں۔<sup>(۲)</sup> آپ نے جھونپڑا بیچ وقتہ نماز کے لیے بنایا ہے، اسی میں نماز ادا کر سکتے ہیں، نماز کے لیے پختہ مسجد کا ہونا ضروری نہیں ہے۔<sup>(۳)</sup> فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

[۱] (قوله شرط أدائها المصغر) أي شرط صحتها أن تؤدى في مصر حتى لا تصح في قرية، ولا مفازة؛ لقول علي - رضي الله عنه - لا الجمعة، ولا تشریق، ولا صلاة فطر، ولا أضحى إلا في مصر جامع أو في مدينة عظيمة. (البحر الرائق: ۲/۲۳۵، أبواب الصلاة، صلاة الجمعة، ط: دار الكتاب - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۵، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: ذكر ياديو بند) مسئلے کی مزید تفصیل و تخریج کے لیے ”چھوٹے گاؤں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جا رہا ہو تو؟“ کا حاشیہ نمبر ۳، اور ”دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل“ کے تمام حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) عثمان بن عفان، يقول عند قول الناس فيه حين بنى مسجد الرسول صلى الله عليه وسلم: إنكم أكثرتم، وإني سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "من بنى مسجدا - قال بكير: حسبت أنه قال: يبتغي به وجه الله - بنى الله له مثله في الجنة". (صحيح البخاري: ۱/۶۲، رقم الحديث: ۴۵۰، كتاب الصلاة، باب من بنى مسجدا، ط: البدر - ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۲۰۱، رقم الحديث: ۲۴-۵۳۳، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل بناء المساجد والحث عليها، ط: البدر - ديوبند)

فيه: أن التعاون في بنیان المسجد من أفضل الأعمال لأنه مما يجري للإنسان أجره بعد موته. (عمدة القاري - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵ھ): ۴/۲۰۹، باب التعاون في بناء المسجد، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(۳) المسجد: كل موضع يتعبد فيه... عرفا: الموضع المبني للصلاة. (القاموس الفقهي لغة واصطلاحاً - الدكتور سعدي أبو حبيب، ص: ۱۶۷، حرف السين، ط: دار الفكر - دمشق - سوربة)

التسليم في المسجد أن تصلي فيه جماعة ياذنه وعن أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - فيه روايتان في رواية الحسن عنه يشترط أداء الصلاة فيه بالجماعة ياذنه اثنان فصاعداً، كما قال محمد - رحمه الله تعالى - رواية الحسن، كذا في فتاوى قاضي خان ويشترط مع ذلك أن تكون الصلاة بأذان وإقامة جهرا لا سرا، حتى لو صلى جماعة بغير أذان وإقامة سرا لا جهرا لا يصير مسجدا عندهما، كذا في المحيط والكفاية. ————— ولو جعل رجلا واحدا مؤذنا وإماما وأقام وصلى وحده صار مسجدا بالاتفاق، كذا في الكفاية وفتح القدير. (الفتاوى الهندية: ۲/۴۵۵، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الأول فيما يصير به مسجدا وفي أحكامه وأحكام ما فيه، ط: دار الفكر ☆ الدر المختار على الدر المختار: ۴/۳۵۶، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد)

## [۷] رویدرا میں جمعہ

۱۰۲۹-سوال: ہمارے گاؤں رویدرا میں پہلے جمعہ کی نماز پڑھی جاتی تھی، تقریباً ۱۹۸۵ء سے جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز پڑھی جاتی ہے؛ لیکن یاد رہے کہ اسی گاؤں کی اسی مسجد میں عید کی نماز اب بھی پڑھی جاتی ہے، ادھر دونوں گاؤں (رویدرا اور کرمالی) کے متعدد افراد کو اپنے اپنے گاؤں میں رہ کر جمعہ پڑھنے کا شوق ہوا ہے اور اس کا سبب یہ ہے گذشتہ سالوں کے مقابلے میں فی الحال حالات میں بہت تبدیلی آئی ہے۔

رویدرا اور کرمالی کو جوڑنے والا ۲۰ رُفٹ کا راستہ، دونوں کے درمیان حد فاصل ہے، ورنہ دونوں ایک ہی گاؤں جیسے ہیں، ناواقف شخص دونوں کو ایک ہی گاؤں سمجھے گا، دونوں کے ایک ہی گاؤں ہونے کی دوسری بہت سی مثالیں ہیں، مثلاً: دونوں گاؤں کے مدارس اور خاص طور پر بڑا دارالعلوم، کرمالی کا ہونے کے باوجود رویدرا گاؤں کی حد میں ہے، اور رویدرا و کرمالی کی پانچویں کلاس کے بعد کی اسکولی تعلیم صرف رویدرا گاؤں میں ہے، اسی طرح پوسٹ آفس، پی۔سی۔او (PCO) اور دو ہسپتال رویدرا میں ہیں۔

گاؤں میں کتنے لوگ بستے ہیں؟ اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

رویدرا گاؤں میں کل ۱۶۲۳ (سولہ سو تیس) افراد ہیں، جن میں ۸۰۱ (آٹھ سو ایک) مرد اور ۸۲۲ (آٹھ سو بائیس) عورتیں ہیں۔ اور کرمالی گاؤں میں کل ۱۰۸۲ (ایک ہزار بیاسی) افراد ہیں، جن میں ۵۴۲ مرد اور ۵۴۰ عورتیں ہیں اور ساتھ ہی رویدرا گاؤں میں ”مدنی دارالتر بیت“ نام کا ایک ”دارالعلوم“ ہے اور ساتھ ساتھ گاؤں میں دو مکتب بھی ہے، جن میں صرف ”رویدرا“ کے مکتب میں بچوں کی تعداد ۳۰۰ تک ہے، جن کو ۱۳ اساتذہ تعلیم دے رہے ہیں، ”رویدرا“ کے اسکول میں بچوں کی تعداد ۳۳۵ ہیں اور ۸ اساتذہ (ٹیچرس) ہیں اور کرمالی کے اسکول میں بچوں کی تعداد ..... ہے اور ۴ اساتذہ ہے، نیز لڑکیوں کا مدرسہ بھی گاؤں میں ہے، دو واٹرورکس ہیں، چکیاں بھی ہیں، ”رویدرا“ مدرسے کے کرایہ کے تقریباً ۲۴ مکانات ہیں، کرمالی گاؤں میں تقریباً ۱۲ مکانات کرایہ کے ہیں، رویدرا گاؤں میں ضرورت کی تمام چیزیں ملتی ہیں، شہر کے بھاؤ پر یا اس سے کچھ کم وزیادہ قیمت پر ضرورت کی اشیاء دست یاب ہو جاتی ہیں، رویدرا گاؤں کے اسکول میں ۷ رکلاس تک کی تعلیم ہے، جس میں دوسرے گاؤں کے بچے بھی ہیں، گاؤں میں دو ڈاکٹر ہیں، جن میں سے ایک ۲۴ گھنٹے گاؤں میں رہتا ہے، سرکاری ہسپتال اور جانوروں کا دو خانہ بھی ہے، رویدرا اور کرمالی کی تمام دوکانیں

مل کر تقریباً ۵۱ / ہیں۔ (ناچیز کو ۵۱ / دکانوں اور مذکورہ بالا اشیاء میں سے بعض کے موجود ہونے میں تردد ہے، ہو سکتا ہے کہ ناقل فتادئی سے چوک ہوئی ہو۔ مجتبیٰ حسن قاسمی)

گاؤں میں لائبریری بھی ہے اور مفتیان کرام بھی ہیں اور زمانہ کے تقاضے کے مطابق کمپیوٹرائزڈ فون کا بھی انتظام ہے، جس کے ذریعہ دنیا کے کونے کونے تک بات پہنچائی جاسکتی ہے۔

کھیتی کے لیے (گاؤں کے زیادہ تر لوگ کاشتکار ہونے کی وجہ سے) کاشتکاروں کی اشیاء ضرورت بھی گاؤں میں دستیاب ہیں، پولٹری فارم، قصاب، گاؤں سے شہر جانے کے لیے ہر طرح کی بسیں اور آٹورکشہ بھی ہیں اور بجلی کا بھی انتظام ہے۔

ان تمام باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے شریعت کی رو سے ہم لوگ دونوں گاؤں میں جمعہ کی نماز پڑھنا چاہتے ہیں، جس سے گاؤں کے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں جمعہ کے دن اور جمعہ کی نماز کی اہمیت پیدا ہو، تو ہمارے لیے جمعہ کی نماز پڑھنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

### الجواب حامد اومصلیٰ:

حنفی مسلک کے مطابق چھوٹی بستی میں جمعہ کی نماز جائز نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup> بڑے گاؤں اور قصبے میں جائز ہے۔<sup>(۲)</sup> حنفی مسلک کے مطابق گاؤں کی آبادی اور بستی کی کوئی حد متعین نہیں ہے، زمانہ کے حالات کے مطابق گاؤں اور قصبے کا معیار بدلتا رہتا ہے، پہلے زمانہ کا قصبہ آج کے اعتبار سے بڑے گاؤں جتنا ہوتا تھا، اس لیے جمعہ کی نماز کے جو قواعد ہیں، ان کی رعایت کرتے ہوئے جمعہ کے بارے میں تھوڑی نرمی اختیار کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے، حنفی مسلک کے شرائط بہت سی جگہوں پر متحقق نہیں ہوتے؛ اس لیے جمعہ کے بارے میں اس ناچیز کی رائے نرمی کی ہے اور مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ صاحبؒ کے بہت سے فتاویٰ سے بھی یہی خلاصہ نکلتا ہے۔<sup>(۳)</sup>

ناچیز کے تجربے کے مطابق مسلمان جمعہ کے دن غسل کرتے ہیں اور طہارت حاصل کرنے کا خاص اہتمام کرتے ہیں، عورتیں اور بچے بھی حصول طہارت کا خاص اہتمام کرتے ہیں، اور جمعہ کی عظمت کے سبب

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: ”دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل“۔

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: ”قصبہ میں نماز جمعہ اور دیہات کے باشندے کی اس میں شرکت“۔

(۳) دیکھیے عنوان: ”چھوٹے گاؤں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جا رہا تو؟“ کا حاشیہ نمبر ۳۔

ذکر و تلاوت کرتے ہیں اور جو لوگ مسجد سے دور رہتے ہیں، بدن اور کپڑے کی پاکی کا جن کو کچھ خیال بھی نہیں ہوتا، وہ بھی جمعہ کے دن مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آتے ہیں اور اس بہانے کچھ وعظ و نصیحت بھی سنتے ہیں اور جن لوگوں کو نماز ایک بوجھ لگتا ہے اور جو لوگ نماز کی پابندی نہیں کرتے، وہ بھی جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے آتے ہیں اور جمعہ کی نماز کی وجہ سے ان کے اندر یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اس دن ایک بار تو ہمیں نماز پڑھنی ہی چاہیے، ایک ہفتے میں اتنا احساس بھی پیدا ہو جانا، بڑی بات ہے؛ کیوں کہ اس کی وجہ سے بالکل احساس ختم ہو جانے اور مسجد سے دور ہو جانے کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی، اس احساس کے ساتھ مسجد میں آکر وعظ و نصیحت سن کر اور نیک لوگوں کی زیارت کر کے لوگ پانچوں وقت کے نمازی بن جاتے ہیں۔ اگر جمعہ بھی نہ ہو، تو پھر دوسرا کوئی موقع ایسا نہیں، جس میں لوگ ایک ساتھ جمع ہو سکیں، اگر یہ احساس بھی ختم ہو جائے، تو دین سے بالکل دور ہو جائیں گے، نیز بچوں کی تعلیم اور مدارس و علماء سے ربط کا خیال بھی نہیں رہے گا، یہ صرف رویدر کی بات نہیں، رویدر تو تعلیم یافتہ گاؤں سمجھا جاتا ہے۔ اس سے چھوٹے گاؤں میں جمعہ ہوتی ہے؛ لہذا جمعہ کی نماز کو بڑے گاؤں میں ناجائز کہنے میں بڑا نقصان ہے، جہاں جمعہ ہو رہی ہے، وہاں بند نہ کرنی چاہیے؛ بڑے گاؤں میں شروع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔<sup>(۳)</sup>

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے تو صرف ۲۰۰ آدمیوں کی آبادی والے گاؤں میں بھی ایک مرتبہ جمعہ شروع ہو جانے کے بعد جمعہ کو جائز کہا ہے۔ جہاں ۲۵ رسال سے نماز جمعہ بند کر دی گئی تھی، دو بارہ جاری کی گئی، تو مفتی صاحب کا کہنا ہے کہ جائز ہے اور لکھا ہے کہ اسلام کے دشمنوں کی چالیں ایسے گاؤں پر

(۳) حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں: فقہاء احناف کے نزدیک جمعہ و عیدین نہیں پڑھی جائے گی، بل کہ جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز ادا کی جائے گی، اس لیے کہ حضرت علی سے مروی ہے کہ: "لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع" جمعہ و عیدین شہر ہی میں پڑھی جائیں؛ لیکن شہر (مصر) سے کیا مراد ہے؟ یہ حدیث میں متعین نہیں ہے، فقہاء نے اپنے ذوق و مزاج اور اپنے عہد کے عرف کو ملحوظ رکھتے ہوئے مصر کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں خاصا اختلاف ہے، فقہاء کے نزدیک شہر کا جو مفہوم رائج ہے، وہ یہ ہے کہ اگر اس جگہ کے تمام لوگ وہاں کی بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں تو مسجد ناکافی ہو جائے، یہ شہر کا ایسا مفہوم ہے، کہ اس کے اعتبار سے شہر کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے، اور ضرورت اس وقت یہی ہے کہ شہر کا ایسا مفہوم متعین ہو کہ زیادہ سے زیادہ مقامات پر نماز جمعہ کی گنجائش نکل آئے، کیوں کہ جمعہ نہ صرف ایک عبادت ہے؛ بل کہ تذکیر و موعظت کا بھی بہترین موقع ہے اور بعض علاقوں میں جمعہ ہی کی وجہ سے اسلام سے اپنی وابستگی محسوس کرتے ہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳۶۳-۷۳ نماز کے متعلق سوالات، دیہات میں جمعہ، ط: نعیمیہ- دیوبند)



اثر انداز نہیں ہوتیں، جہاں جمعہ ہوتی ہے۔ (کفایت المفتی) (۵)

یہ حقیقت ہے کہ ایسے گاؤں میں، جہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی، وہاں دھیرے دھیرے مسجدیں ویران ہونے لگتی ہیں اور ارتداد کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے؛ لہذا بہت چھوٹے گاؤں کے علاوہ بڑے گاؤں میں جمعہ جائز ہونی چاہیے، رویدرا میں عید کی نماز ہوتی ہے، تو اب جمعہ پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں، اگر فرض کر لیا جائے کہ دونوں گاؤں (رویدرا اور کرمالی) جدا جدا ہیں، تب بھی رویدرا میں تمام ضروریات کا انتظام ہے، جس کی وجہ سے رویدرا میں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہوگا، کرمالی میں نہ پڑھی جائے، ایک ہی جگہ نماز پڑھی جائے؛ لیکن جمعہ کی نماز پڑھی جائے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

(۵) دوسوا بادی والے گاؤں میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

سوال: ایک موضع کرینڈا، ریاست الور، جس کی آبادی قریب دوسوا آدمیوں کی ہے، ان میں سے دوسری قوموں کے صرف پچیس، تیس آدمی ہیں، بقیہ سب مسلمان ہیں، جو شگاہ نماز قریب پچاس آدمی ہیں، اس گاؤں میں سنا گیا ہے کہ تیس پچیس سال قبل جمعہ ہوتا تھا، یہاں کے باشندگان کو نماز جمعہ کی سخت تکلیف ہوتی ہے، جس مقام پر قدیمی جمعہ ہوتا چلا آتا ہے، وہ اس گاؤں سے تین چار کوس کے فاصلے پر ہے، وہاں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے جانا اور واپس آنا، اس میں بہت تکلیف ہوتی تھی، تمام دن بے کار ہو جاتا تھا، اس گاؤں میں صرف ایک مسجد ہے، اس میں جو مقررہ امام ہیں، سال بھر سے جمعہ پڑھنا شروع کر دیا ہے، دس بارہ آدمی کسی جمعہ میں باہر کے بھی آجاتے ہیں، جمعہ کی نماز میں بلاشبہ ہر جمعہ کو اندازاً چالیس پچاس آدمی ہو جاتے ہیں، لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس گاؤں میں جمعہ قائم کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور آیا یہ ایک سال سے جو جمعہ ہو رہا ہے، اس کو بند کر دیا جائے یا جاری رکھا جائے؟

جواب: جمعہ بند نہ کیا جائے، جاری رکھا جائے، اور سب لوگوں کو لازم ہے کہ اتفاق سے رہیں، آپس میں اختلاف کرنا بہت برا ہے۔

قلت: هذا وإن كان غير موافق لما عليه الحنفية، ولكنه أشد موافقة لمصالح الإسلام الاجتماعية؛ خصوصاً في هذا القطر، وفي هذا الزمان، فإن أعداء الإسلام يظفرون بمقاصدهم المشومة في قري لا تقام فيها الجمعة ويخبون في مواضع إقامة الجمعة، والتوفيق من الله عز وجل، وحفاظة الإسلام خير من الإصرار على تركها، والمسألة مجتهد فيها.

محمد کفایت اللہ کان اللہ، دہلی

(کفایت المفتی: ۲۵۰-۲۵۱، پانچوں باب، نماز جمعہ، دوسوا بادی والے گاؤں میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ ط: زکریا- دیوبند)

نوٹ: گاؤں میں فتنے کے خوف کی وجہ سے جمعہ جاری رکھنے کا حضرت مفتی صاحب کا یہ قول توسع پر مبنی ہے، یہی رائے اکابر علماء میں مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کی رائے بھی اس سلسلے میں نرمی اختیار کرنے کی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

[مجتبیٰ حسن قاسمی]

## [۸] رویدرا اور کرمالی میں جمعہ جائز ہے؟

گذشتہ سے بہتہ

۱۰۳۰-سوال: ہمارے رویدرا، کرمالی گاؤں میں درج ذیل صورت حال ہے، کیا یہاں جمعہ کی

نماز جائز ہوگی؟

(۱) رویدرا گاؤں میں پہلے جمعہ کی نماز ادا کی جاتی تھی؛ لیکن غالباً ۱۹۸۵ء سے جمعہ کی جگہ نماز ظہر ادا کی جانے لگی، البتہ گاؤں کی اسی مسجد میں عید کی نماز اب بھی ادا کی جا رہی ہے، اب چونکہ گاؤں کے حالات تبدیل ہو گئے ہیں؛ اس لیے دونوں گاؤں والے یہاں جمعہ قائم کرنا چاہ رہے ہیں، ان حالات سے آپ بھی واقف ہیں۔

(۲) رویدرا اور کرمالی دونوں گاؤں کے درمیان صرف ۲۰ رنٹ کا راستہ ہی حائل ہے، دونوں گاؤں ایک گاؤں کے مانند ہی ہے۔ دیکھنے والے کو پہلے سے معلوم نہ ہو، تو ایک ہی گاؤں سمجھے اور بہت سی علامات ہیں، جو دونوں کے ایک ہونے پر دال ہیں، مثلاً کرمالی کا بڑا دارالعلوم رویدرا کی حد میں ہی ہے، رویدرا اور کرمالی کی پانچویں کلاس کے بعد کا اسکول بھی صرف رویدرا گاؤں میں ہی ہے، اسی طرح رویدرا اور کرمالی کی سرکاری آفس، راشن ڈپو، ڈاک خانہ، پی سی او (PCO) اور دو دو خانے بھی صرف رویدرا میں ہی ہیں۔

(۳) رویدرا کی کل پبلک ۱۶۲۳ ہے، جس میں ۸۰۱ مرد اور ۸۲۲ عورتیں ہیں اور کرمالی کی کل پبلک ۱۰۸۲ ہے، جس میں ۵۳۲ مرد اور ۵۵۰ عورتیں ہیں، ان کے علاوہ ایک ”مدنی دارالتر بیت“ نامی دارالعلوم ہے، جس میں کئی طلبہ مقیم ہیں، کرمالی مدرسہ میں تقریباً ۱۲۶ طلبہ ہیں، دو مکتب ہیں، تقریباً ۳۰۰ طلبہ ہیں، رویدرا کے اسکول میں ۳۳۵ اسٹوڈنٹ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

(۴) رویدرا گاؤں میں ضروریات زندگی کی ساری چیزیں مہیا ہیں؛ لہذا ہم جمعہ ادا کرنا چاہتے ہیں،

تو کیا ہمارا جمعہ ادا کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

**الجواب: حامداً ومصلياً:**

آپ کا جواب لکھنے سے پہلے میں بعض باتیں پیش خدمت ہیں:

۱۹۴۹ء میں ہم: مولانا محمد لولات بھگت رویدروی، مولانا محمد موسیٰ جلا د ہاسوڑ اور احقر (مفتی

احمد بیات رحمۃ اللہ علیہ، صاحب فتاویٰ) دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

کر مالی میں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تھی اور رویدرا میں ہوتی تھی، چھوٹے گاؤں میں خفی مسلک کے مطابق جمعہ جائز نہیں ہے؛ لیکن فتنہ کے خوف سے مذکورہ مسلک والے بھی خاموش رہے، ۱۹۵۳ء یا ۱۹۵۵ء میں حضرت عبدالرحمن صاحب (خلیفہ شیخ الاسلام سید مولانا حسین احمد مدنی) نے حضرت مدنی کو خط لکھ کر اپنے لیے مشورہ طلب کیا۔

جواب میں حضرت مدنی نے کہا کہ گاؤں چھوٹا ہے، جمعہ جائز نہیں، البتہ فتنہ کے ماحول میں بہت سے گاؤں میں یہ حالت ہے؛ لہذا مسئلہ بتادو، لوگ مان لیں تو ٹھیک ہے، نہ مانیں، تو فتنہ برپا مت کرنا، مسئلہ بتادینے سے آپ کی ذمہ داری ادا ہو جائے گی؛ لیکن آپ جمعہ پڑھا کر ظہر پڑھ لینا۔ چنانچہ رویدرا میں جمعہ جاری رہی۔

اس کے بعد حضرت مفتی عبداللہ پٹیل صاحب نے عوام کو سمجھایا کہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے اور اللہ کالا کھلا کھلا شکر ہے، سمجھ دار عوام نے مفتی صاحب کے سمجھانے سے جمعہ پڑھنا بند کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی محنت کو قبول فرمائے (آمین) اور سمجھ دار کارکنان کو بہترین بدلہ عطا فرمائے (آمین) اس معاملہ کو تقریباً ۹ سال ہو گئے ہیں۔

۱۹۸۳ء اور ۸۴، ۸۵ کے بعد جی، آئی، ڈی، سی (گجرات انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن) انگلیشور آئی، جس کی وجہ سے انگلیشور کے دیہات کے احوال تبدیل ہو گئے، حکومتی اور سیاسی اسکیموں کی وجہ سے مالی حالات ٹھیک ہوئے، غریبوں کے جھونپڑے مکانات میں تبدیل ہوئے، موٹر، رکشا، ڈاکٹر، ماسٹر اور اساتذہ میں اضافہ ہوا، دارالعلوم کی طلبہ کی ضروریات کی وجہ سے دکانوں اور دکانوں کی اشیاء میں زیادتی ہوئی، رویدرا اور کر مالی کے مدرسہ کے آمدنی کے اسباب اور مکانات مہیا کیے گئے، شہروں سے تعلقات بڑھنے کی وجہ سے ٹیلی فون اور جی، آئی، ڈی، سی کے لیے ایس ٹی ڈی کا انتظام وجود میں آیا، جس کا انتظام بعض بڑے شہروں میں بھی نہیں ہے اور آبادی تین ہزار سے زیادہ ہے؛ لہذا رویدرا اور کر مالی ”گاؤں“ [قریہ کبیرہ] کے درجہ میں ہے، جہاں جمعہ پڑھنا لازم ہے، علامہ ”شامی“ نے لکھا ہے: تقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرة التي فیہا أسواق. (شامی ۱/۷۸۸) [۱]

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے سوال نمبر ۲۳۸۳ (حصہ ۵) کا خلاصہ ہے کہ سوچر ضلع مظفر نگر کا گاؤں

ہے، جس میں اندازاً تین ہزار کی آبادی ہے، لیکن گاؤں میں بازار نہیں ہے، کپڑے اور نانا کی دکان نہیں ہے تو جمعہ جائز ہوگی؟

جواب: شامی میں ہے جمعہ شہر، قصبہ اور بڑے گاؤں میں صحیح ہو جاتی ہے اور مذکورہ گاؤں بڑا گاؤں ہے، اس لیے کہ اس کی آبادی تین ہزار کے قریب ہے؛ لہذا جمعہ پڑھنا واجب ہے اور صحیح۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم ۶۶/۵) ۱۲

لہذا دونوں گاؤں ایک گاؤں کے حکم میں ہونے کی بنا پر دونوں گاؤں والے جمعہ ادا کر سکتے ہیں؛ اس لیے کہ سوال کی تحریر کے مطابق دکان، ڈاکٹر، ماسٹر، کرایے پر ملنے والے مکان اور ٹیلی فون وغیرہ کا انتظام برسوں سے ہے، لہذا جمعہ ادا کرنا جائز ہے۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] چھوٹے گاؤں میں عرصہ سے جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھی جا رہی ہے تو اس کو بند کرنا کیسا ہے؟

۱۰۳۱- سوال: ہمارا گاؤں بہت چھوٹا ہے، مسلمانوں کے تقریباً چالیس مکانات ہیں، غیر قوم کے بھی کچھ مکانات ہیں۔ فقہی کتابوں میں ذکر کردہ صحت جمعہ کی شرائط میں سے ایک بھی شرط اس گاؤں میں نہیں پائی جاتی ہے؛ لیکن گاؤں والے برسوں سے اس میں جمعہ اور عیدین ادا کرتے چلے آ رہے ہیں، جمعہ میں بیس بچپیس افراد نماز میں آتے ہیں، جب کہ عام دنوں میں صرف چھ سات افراد ہوتے ہیں، کچھ دن پہلے دو تین حضرات نے جمعہ بند کرنے کے متعلق کچھ بات بھی چلائی تھی، مگر گاؤں کے ان لوگوں کا کہنا تھا، جو صرف جمعہ میں آتے ہیں، کہ ہفتہ بھر میں ہم نہادھو کر صرف ایک نماز کے لیے آتے ہیں، اس کو بھی آج کل کے مولوی بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ اگر جمعہ کسی طرح بند ہو جائے، تو بھی نماز عیدین کا بند کرنا بہت مشکل ہے، اس میں سخت فتنے کا اندیشہ ہے، گاؤں کے لوگ اس پر کسی حال میں راضی نہیں ہو سکتے ہیں، تو ایسی صورت میں اس گاؤں میں جمعہ اور عیدین کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟ جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

**الجواب حامداً ومصلياً:**

مذکورہ گاؤں میں جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے، علماء کا کام مسئلہ بتانا ہے، ہدایت دینا اللہ

[۲] فتاویٰ دارالعلوم: ۶۶/۵، مسائل نماز جمعہ، جب آبادی تین ہزار ہو تو جمعہ درست ہے، سوال نمبر: ۲۳۸۲، ط: زکریا - دیوبند۔

(۳) تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں، سابق سوال۔

تعالیٰ کا کام ہے، جو بھی عالم گاؤں میں ہوگا، اور واقعی حقیقت اور صحیح صورت حال سے آگاہ کر دے گا، تو اس کا ذمہ بری ہو جائے گا۔

اگر جمعہ و عیدین کے بند کرنے میں فتنہ کا اندیشہ ہو، تو امام مسئلہ بتلا کر نماز پڑھالے، ان شاء اللہ گناہ نہ ہوگا، اور گاؤں والوں کی یہ دلیل قابل اعتبار نہیں کہ صرف ایک دن ہمیں نہادھو کر مسجد میں آنے کی توفیق ہوتی ہے، اور مولوی حضرات اس کو بھی بند کر دینا چاہتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وہ غسل کر کے عمدہ کپڑا پہن کر قریب کے شہر یا قصبہ میں جمعہ و عیدین کے لیے جاسکتے ہیں، کیا دنیوی حاجت کی تکمیل کے لیے قریب کے شہر و قصبہ میں انسان نہیں جاتا ہے؟ تو جمعہ ادا کرنے کے لیے بھی جانے میں حرج نہیں ہونا چاہیے۔ بخاری شریف (۱۲۳/۱)<sup>[۱]</sup> میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے جانے والے کو اللہ کی راہ میں نکلنے سے تعبیر فرمایا ہے۔ لہذا اگر کسی میں دین داری ہو، اور وعظ و تقریر سننا چاہتا ہو، تو گاؤں میں جمعہ پڑھنے کی بجائے شہر و قصبہ میں جاسکتا ہے۔

بہر صورت فتنہ اور لڑائی نہیں ہونی چاہیے، جو لوگ کسی وجہ سے گاؤں میں قیام جمعہ پر مجبور ہیں، کہ اگر وہ جمعہ قائم نہ کریں، تو فتنہ و فساد برپا ہوگا، تو وہ گاؤں میں جمعہ کی نماز ادا کر لینے کی وجہ سے گنہگار نہ ہوں گے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۰] چھوٹے گاؤں میں جمعہ اور عید کی نماز پڑھنا

۱۰۳۲- سوال: ہمارے گاؤں میں آج سے چھ سال قبل ایک مسجد بنائی گئی تھی، جس کے افتتاح میں حضرت مفتی احمد بیات صاحب، حضرت مولانا امیر صاحب، حضرت مفتی سعید صاحب وغیرہ بزرگان دین تشریف لائے تھے، اس موقع پر یہ بات لوگوں کے سامنے آئی تھی کہ اس گاؤں میں جمعہ اور عیدین پڑھنا

(۱) عن عبایة بن رفاعة، قال: أدر کنی أبو عبس وأنا أذهب إلى الجمعة، فقال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: من اغبرت قدما في سبيل الله حرمه الله على النار. (صحيح البخاري: ۱/۱۷۷، كتاب الجمعة، باب المشي إلى الجمعة، ط: البدر - ديوبند)

وفي الحاشية: من حيث أن الجمعة تدخل فيه [أي في سبيل الله] لأن السبيل اسم جنس مضاف فيفيد العموم، ولأن أبا عبس جعل حكم السعي إلى الجمعة حكم الجهاد. (حوالہ سابق)

(۲) تفصیل کے لیے ”چھوٹے گاؤں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جا رہا ہو تو؟“ کا حاشیہ نمبر ۳ اور ”دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل“ کے تمام حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

صحیح نہیں ہے، جس پر سب لوگوں نے اتفاق کیا تھا؛ لیکن آج جب کہ آبادی اور دکانیں وغیرہ اس وقت کے مقابلہ میں کم ہیں، گذشتہ سال بقر عید کا خطبہ و نماز پڑھی گئی تھی، جس عالم صاحب نے نماز پڑھائی، ہم نے ان سے جب صحیح صورت حال کی وضاحت کی، تو انہوں نے اپنے دونوں کان پکڑ کر غلطی کا اعتراف کیا اور کہا آئندہ ایسا نہیں ہوگا؛ لیکن اس سال پھر انہوں نے نقض عہد کرتے ہوئے عید الفطر کی نماز پڑھائی، تو اس سلسلہ میں اسلامی شریعت کیا کہتی ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

خفی مذہب میں جمعہ کی نماز کی صحت کے لیے شہر یا قصبہ۔ جس میں ضروریات زندگی کی اشیاء ملتی ہوں۔ ہونا ضروری ہے، آپ کی تحریر کے مطابق پانچ سال میں آبادی اور تجارت کم ہوئی ہے، تو وہاں جمعہ جائز نہیں۔ اسی طرح ایسے گاؤں میں عید کی نماز بھی پڑھنا مکروہ ہے، اگر امام صاحب اپنی رضا و اختیار سے عید کی نماز پڑھائیں گے، تو گنہ گار ہوں گے، اگر متولی یا ٹرنٹیان یا لوگوں کے مجبور کرنے کی وجہ سے۔ جب کہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو۔ پڑھاتے ہیں، تو گنہ گار نہ ہوں گے، الغرض امام کا کام لوگوں کو صحیح مسئلہ بتلادینا ہے، لوگ مجبور کرتے ہوں اور نماز نہ پڑھانے میں فتنہ کا اندیشہ ہو، تو پڑھانے سے ان پر ان شاء اللہ کوئی گناہ نہ ہوگا۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۱۱] جمعہ کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے اپنے گاؤں میں جمعہ کی نماز قائم کرنا

۱۰۳۳- سوال: ہمارے گاؤں کی کل آبادی ۲۳۰۰ سے ۲۴۰۰ افراد پر مشتمل ہے، گاؤں میں ضرورت کی تمام اشیاء مہیا ہو جاتی ہیں اور مصلیوں کی تعداد بھی اچھی خاصی رہتی ہے؛ ہم لوگ جمعہ کی نماز کے لیے انگلینڈ اور اس کے پڑوس کے گاؤں جیتی اور کونڈھ وغیرہ جاتے ہیں، یہ گاؤں ہماری بستی سے تین میل کے فاصلے پر ہے، جمعہ کی نماز کے لیے گاؤں کے تمام لوگ انگلینڈ یا جیتی نہیں جاتے ہیں، صرف چار پانچ آدمی چلے جاتے ہیں اور بقیہ تمام لوگ جمعہ کی نماز کی فضیلت سے محروم رہ جاتے ہیں، اس وجہ سے گاؤں کے لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اگر ہمارے گاؤں میں جمعہ کی نماز شروع ہو جائے، تو دوسرے لوگ جو نماز سے محروم رہ

(۱) شرائط صحت کے لحاظ سے جمعہ اور عیدین میں کوئی فرق نہیں ہے۔

تفصیل کے لیے ”چھوٹے گاؤں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جا رہا ہو تو؟“ کا حاشیہ نمبر: ۳، اور ”دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل“ کے تمام حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

جاتے ہیں، وہ بھی جمعہ کی نماز کے لیے آنے لگیں گے اور آہستہ آہستہ لوگوں میں دین داری کا ماحول بھی بن جائے گا اور دلوں میں خوف خدا بھی پیدا ہوگا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مذکورہ وجوہات کی بنیاد پر ہم لوگ اپنے گاؤں میں جمعہ کی نماز قائم کر سکتے ہیں؟

احقر احمد محمد ٹیبل جیتی والا

### الجواب حامدا ومصليا:

آپ کی تحریر کے مطابق ۲۳۰۰/۲۴۰۰ افراد کی آبادی آپ کے گاؤں میں ہے اور روزمرہ کی ضروریات بھی مہیا ہو جاتی ہیں؛ اگر یہ بات درست ہے، تو پھر آپ کے گاؤں میں جمعہ کی نماز ادا کرنا درست ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

### [۱۲] چھوٹے دیہات میں جمعہ اور عیدین کی نماز کا شرعی حکم

۱۰۳۴- سوال: ہمارے گاؤں کی آبادی اس وقت تقریباً آٹھ سو کے آس پاس ہے، ضروریات کی تمام چیزیں تقریباً مہیا ہو جاتی ہیں، گاؤں میں ڈاک خانہ بھی ہے، واٹرورکس (پانی کی بڑی ٹینکی) بھی ہے، ایک چکی بھی ہے، بڑھئی بھی ہے، معمار بھی، پکارا سہ بھی ہے اور بسوں کا انتظام بھی ہے، اس کے علاوہ دو خانہ بھی ہے، جس میں سند یافتہ ڈاکٹر اور حکیم صاحبان خدمت انجام دے رہے ہیں، گاؤں میں ایک کتب خانہ بھی ہے اور اسکول بھی، جس میں گجراتی میڈیم میں سات کلاس تک کی تعلیم کا نظم ہے، گاؤں میں تقریباً ایک سو ساٹھ مکانات ہیں، اس صورت حال میں شرعی طور پر ہم یہاں جمعہ اور عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

### الجواب حامدا ومصليا:

جمعہ اور عیدین کی نماز کے صحیح ہونے کے لیے شہر، قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا ضروری ہے، جس میں ضروریات زندگی کی تمام چیزیں باسانی مہیا ہو جاتی ہوں، آپ کا گاؤں چھوٹا کہلائے گا؛ اس لیے آپ کے لیے جمعہ اور عیدین کی نماز اپنے گاؤں میں پڑھنا جائز نہیں ہے، البتہ پہلے سے اگر جمعہ اور عیدین کی نماز جاری

[۱] (قولہ شرط أدائها المصغر) أي شرط صحتها أن تؤدى في مصر حتى لا تصح في قرية، ولا مفازة، بقول علي - رضي الله عنه - لا جمعة، ولا تشرق، ولا صلاة فطر، ولا أضحى إلا في مصر جامع أو في مدينة عظيمة. (البحر الرائق: ۲/۲۴۵، أبواب الصلاة، صلاة الجمعة دار الكتاب ديوبند☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۴۵، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: زكريا ديوبند)

مسئلے کی مزید تفصیل و تخریج کے لیے ”چھوٹے گاؤں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جا رہا ہو تو؟“ کا حاشیہ نمبر ۳، اور ”دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل“ کے تمام حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

ہو، تو بند کروانے کے لیے لڑائی جھگڑا کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔<sup>(۱)</sup> کیوں کہ مولوی، مفتی اور سمجھ دار آدمی کی ذمہ داری تو بس اتنی ہی ہے کہ صحیح مسئلہ بتلا دے، عمل کروانا تو اسلامی حکومت کا کام ہے، آپ کے پاس کوئی طاقت نہیں ہے، اس لیے اس مسئلہ میں لوگوں سے لڑائی جھگڑا کرنا درست نہیں۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۱۳] بڑے دیہات اور قصبہ میں نماز جمعہ کا شرعی حکم

۱۰۳۵- سوال: ہمارے گاؤں میں اس وقت ایک ہزار سات سو دس (۱۷۱۰) افراد کی آبادی ہے، ضروریات زندگی کی اکثر چیزیں مل جاتی ہیں؛ علاوہ ازیں دو دینی مکاتب، اور ۳۳ عدد مسجدیں ہیں، ڈاک خانہ، ٹیلی فون آفس اور ایک اسکول ہے، جس میں گجراتی میڈیم میں سات کلاس تک کی تعلیم کا نظم ہے، اس کے علاوہ ”ستے داموں کی اناج کی دوسر کاری دوکانیں بھی ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہمیں اپنی اس بستی میں از روئے فقہ حنفی، نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے؟ جمعہ کی نماز ادا کر لینے کے بعد احتیاطاً ظہر کی نماز تو ادا نہیں کرنی پڑے گی؟

محمد عابد عبدالرحیم گڈھا (سارکانتھا)

### الجواب حامدا ومصليا:

سوال میں مندرج تفصیل کے مطابق آپ کے گاؤں میں جواز جمعہ کی گنجائش ہے، اس لیے احتیاط الظہر کے کوئی معنی نہیں۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۱۴] فناء شہر کے باشندگان پر جمعہ لازم ہے

۱۰۳۶- سوال: پیرامن گاؤں انگلشور شہر سے تقریباً ایک کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور پیدل

(۱) مسئلے کی مزید تفصیل و تخریج کے لیے ”چھوٹے گاؤں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جا رہا ہو تو؟“ کا حاشیہ نمبر ۳، اور ”دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل“ کے تمام حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۲۸﴾ - القصص: ۲۸

ترجمہ: آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے؛ بل کہ اللہ جس کو چاہے، ہدایت کر دیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا علم (بھی) اسی کو ہے۔ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ. (۲- البقرة: ۱۹۱) — ترجمہ: اور فتنہ قتل سے زیادہ سنگین برائی ہے۔

(۳) قد تقدم تخریجہ عن: رد المحتار علی الدر المختار: ۵/۳، کتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: زکریا- دیوبند ☆

الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۲۵، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة، کتاب الصلاة، مکتبہ زکریا- دیوبند  
مسئلے کی مزید تفصیل و تخریج کے لیے ”چھوٹے گاؤں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جا رہا ہو تو؟“ کا حاشیہ نمبر ۳ اور ”دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل“ کے تمام حواشی ملاحظہ فرمائیں۔



جانے والا راستہ تو اس سے بھی کم مسافت کا ہے، تو کیا اس گاؤں کے باشندوں کو جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے انگلیشور جانا لازم ہوگا؟ بیوقوف تو جروا۔

### الجواب حامد اومصلیا:

چھوٹے گاؤں کے باشندوں کے لیے جمعہ کی نماز پڑھنا فرض نہیں ہے؛ البتہ کوئی گاؤں اگر شہر سے اتنا نزدیک ہو کہ شہر کی اذان اس گاؤں میں سنائی دیتی ہو، تو پھر اس کے گاؤں کے باشندوں پر جمعہ کی نماز پڑھنا فرض ہوگا؛ اس اعتبار سے آپ کا گاؤں انگلیشور شہر سے نزدیک شمار کیا جائے گا؛ اس لیے گاؤں والوں پر لازم ہے کہ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے انگلیشور شہر جائیں۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] گاؤں سے چار کیلومیٹر کی دوری پر واقع باڑی میں کام کرنے والوں کے لیے نماز جمعہ کا حکم

۱۰۳۷- سوال: ایک گاؤں ہے، جس سے تقریباً چار کیلومیٹر کی دوری پر ایک باڑی<sup>(۱)</sup> ہے، اس

میں تین چار آدمی کام کرتے ہیں، جہاں روزانہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں؛ ان کے لیے جمعہ کی نماز کا کیا حکم ہے؟ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ گاؤں میں جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے وہاں (باڑی) سے نکلتے ہیں، کبھی تو ان کو سواری مل جاتی ہے اور کبھی نہیں ملتی، چار کیلومیٹر پیدل آنا دشوار ہے، پھر ان میں سے

(۱) أما المصر الجامع فشرط وجوب الجمعة وشرط صحه أداؤها عند أصحابنا حتى لا تجب الجمعة إلا على أهل المصر ومن كان ساكناً في توابعه وكذا لا يصح أداء الجمعة إلا في المصر وتوابعه فلا تجب على أهل القرى التي ليست من توابع المصر ولا يصح أداء الجمعة فيها. — وأما تفسير توابع المصر فقد اختلفوا فيهاروي عن أبي يوسف أن المعتبر فيه سماع النداء إن كان موضعاً يسمع فيه النداء من المصر فهو من توابع المصر وإلا فلا. . . وروى ابن سماعه عن أبي يوسف كل قرية متصلة بربض المصر فهي من توابعه وإن لم تكن متصلة بالربض فليست من توابع المصر، وقال بعضهم: ما كان خارجاً عن عمران المصر فليس من توابعه، وقال بعضهم: المعتبر فيه قدر ميل وهو ثلاثة فراسخ، وقال بعضهم: إن كان قدر ميل أو ميلين فهو من توابع المصر وإلا فلا. . . وبعضهم قدره بستة أميال. . . وعن أبي يوسف أنها تجب في ثلاثة فراسخ، وعن الحسن البصري أنها تجب في أربعة فراسخ، وقال بعضهم: إن أمكنه أن يحضر الجمعة ويبيت بأهله من غير تكلف تجب عليه الجمعة وإلا فلا وهذا حسن. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۵۹-۲۶۰، كتاب الصلاة، فصل في بيان شرائط الجمعة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت) ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۳۸-۱۳۹، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر- بيروت) ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۵، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: زكريا- ديوبند

(۲) باڑی = بانچي، چھوٹا سا چمن، کپاس کا کھیت۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۶۷، ب-۱، ط: فیروز سنز، کراچی)

بعضوں کی عمر ستر، پچھتر سال ہے؛ اس لیے بعض لوگ اتنی لمبی مسافت پیدل چلنے پر قدرت نہیں رکھتے، تو ان حضرات کے لیے جمعہ کی نماز کا کیا حکم ہوگا؟

حاجی آدم بھائی، ویرمگام

**الجواب حامد اومصلیٰ:**

آپ کی تحریر کے مطابق، آپ اور آپ کے دوسرے ساتھی گاؤں سے تقریباً تین چار کلومیٹر دور رہتے ہیں، ایسی صورت میں آپ حضرات کے لیے جمعہ کی نماز پڑھنے گاؤں میں آنا ضروری نہیں، آپ پر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے، ظہر پڑھ لیں گے، تو فریضہ ادا ہو جائے گا۔

چھوٹے گاؤں کے باشندوں پر جمعہ کی نماز فرض نہیں، آپ نے جس گاؤں کا تذکرہ کیا ہے، اگر وہ بڑا گاؤں یا قصبہ ہے، تو وہاں جمعہ کی نماز صحیح ہوگی، چھوٹا گاؤں ہے، تو جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔ (شامی، عالمگیری)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] سروس والے گاؤں میں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تو کیا کیا جائے؟

سوال: ۱۰۳۸- میں ”دینوا“ گاؤں میں سروس کرتا ہوں، جو ”آچھود“ گاؤں سے تقریباً دس کلومیٹر کی دوری پر ہے، وہاں پوری آبادی غیر مسلموں کی ہے، وہاں سے قریب ”مانگرول“ گاؤں پڑتا ہے، جہاں ایک مسجد ہے؛ لیکن گاؤں چھوٹا ہے، سات سو چھپن (۷۶) آدمی کی آبادی ہے، تو سوال یہ ہے کہ مجھے مانگرول میں جمعہ کی نماز ادا کرنی چاہیے یا ”دینوا“ گاؤں میں ظہر کی نماز ادا کرنا کافی ہو جائے گا، نیز مانگرول کے لوگوں کی جمعہ کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

(۱) (ویشتر ط لاصحتھا) سبعة أشياء:

الأول: (المصر، وهو ما لا یسع أكبر مساجده أهله المکلفین بها) وعلیه فتویٰ اکثر الفقهاء، مجتبیٰ؛ لظهور التواني فی الأحكام۔ قال ابن عابدين: (قوله وعلیه فتویٰ اکثر الفقهاء الخ) وقال أبو شجاع: هذا أحسن ما قيل فيه. وفي اللؤلؤ الجية وهو صحيح بحر، وعلیه مشی فی الوقایة و متن المختار و شرحه و قدمه فی متن الدرر علی القول الآخر و ظاهره تر جیح و آید صدر الشریعة بقوله لظهور التواني فی أحكام الشرع سیمافی إقامة الحد و فی الأمصار. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۳۷/۲، کتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفکر - بیروت ☆ الفتاویٰ

الهنديّة: ۱۲۵/۱، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة، کتاب الصلاة، مکتبہ زکریا - دیوبند)

مسئلے کی مزید تفصیل و تخریج کے لیے ”چھوٹے گاؤں میں قدیم زمانے سے جمعہ پڑھا جا رہا، تو؟“ کا حاشیہ نمبر ۳، ”دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل“ اور ”شہر سے متصل ایک کلومیٹر کے فاصلے کی آبادی میں جمعہ کی نماز پڑھنا“ کے تمام حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

## الجواب حامداً ومصلياً ومسلماً

آپ ”دینوا“ میں رہ کر ظہر ہی کی نماز ادا کریں، مانگ رول جا کر جمعہ کی نماز ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے؛ کیوں کہ مانگ رول چھوٹا گاؤں ہے، وہاں جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup> واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۷] چھوٹی بستی میں جمعہ کی نماز کا حکم

۱۰۳۹-سوال: ہمارے گاؤں سنجالی کی آبادی تقریباً ۱۲۰۰ بارہ سو افراد کی ہے، اس میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً چالیس فیصد ہے، گاؤں سے تقریباً آدھے کیلومیٹر کے فاصلے پر جی آئی ڈی سی کے کارخانے چلتے ہیں، اب آبادی بڑھی ہے اور جی آئی ڈی سی سے بھی تقریباً دس پندرہ افراد جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے ہمارے گاؤں میں آتے ہیں، ضروریات زندگی کی تمام اشیاء یہاں مل جاتی ہیں، چوبیس گھنٹے میں چار مرتبہ بس آتی ہے، یہاں پر کھوں کے زمانے سے جمعہ کی نماز ہوتی چلی آئی ہے، تمام لوگ جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں، اس کے باوجود بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ یہاں جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہے، اب رمضان المبارک بھی سامنے آرہا ہے، تو اگر جمعہ کی نماز یہاں صحیح نہ ہوتی ہو تو اعتکاف کرنے والے کیا کریں گے، وہ لوگ جمعہ کی نماز پڑھیں گے یا ظہر کی نماز؟ جی آئی ڈی سی کی بستی اور گاؤں کی آبادی کو سامنے رکھ کر جواب دینے کی درخواست ہے۔

## الجواب حامداً ومصلياً:

چھوٹی بستی میں جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہوتی ہے۔<sup>(۲)</sup> البتہ اعتکاف صحیح ہو جائے گا۔<sup>(۳)</sup> نقطہ، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱-۲) تفصیلی مسئلہ اور تخریج کے لیے عنوان: ”دیہات میں جمعہ جائز نہ ہونے کے دلائل“ کے تمام حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) وأطلق في المسجد فأفاد أن الاعتكاف يصح في كل مسجد وصححه في غاية البيان لإطلاق قوله تعالى { وأنتم عاكفون في المساجد } — وصح قاضي خان في فتاواه أنه يصح في كل مسجد له أذان وإقامة واختار في الهداية أنه لا يصح إلا في مسجد الجماعة، وعن أبي يوسف تخصيصه بالواجب أما في النفل فيجوز في غير مسجد الجماعة ذكره في النهاية وصح في فتح القدير عن بعض المشايخ ماروي عن أبي حنيفة أن كل مسجد له إمام ومؤذن معلوم ويصلي فيه الجمعة بالجماعة يصح الاعتكاف فيه وفي الكافي أراد به أبو حنيفة غير الجامع فإن الجامع يجوز الاعتكاف فيه وإن لم يصلوا فيه الصلوات كلها ويوافق ما في غاية البيان عن الفتاوى يجوز الاعتكاف في الجامع وإن لم يصلوا فيه بالجماعة. (البحر الرائق: ۲/۳۲۳، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الكتاب الإسلامي) ومنها [من شرائطه] مسجد الجماعة فيصح في كل مسجد له أذان، وإقامة هو الصحيح كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۲۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، ط: دار الفكر)

## [۱۸] چھوٹے گاؤں میں جمعہ و عیدین صحیح نہیں ہے

تمہید ۱۰۴۰-سوال:

ہمارے گاؤں اٹالوا کی بستی ۶۰-۷۰ رمدکانوں پر مشتمل ہے، دو محلہ اور دو مسجدیں ہیں، پہلے بڑی مسجد میں جمعہ اور چھوٹی مسجد میں ظہر کی نماز ہوتی تھی؛ بعض ظہر کی نماز پڑھنے تھے اور بعض جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے بلیسٹر ڈابھیل، ویسما، نوساری یا سورت چلے آتے تھے اور بعض لوگ گاؤں میں ہی جمعہ پڑھتے تھے، گاؤں کی بڑی مسجد میں اس سے متعلق ڈابھیل سے فتویٰ پوچھا گیا، تو جواب ملا کہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ پڑھنا صحیح نہیں ہے؛ لہذا جمعہ کی نماز نہیں ہوگی، ظہر کی فرض پڑھنا ضروری ہے۔ اس کے بعد گاؤں والے جمع ہوئے اور مشورہ کیا کہ جب جمعہ ادا کرنے سے ادا نہیں ہوتی تو پھر کیوں جمعہ پڑھیں؟ تو بعض نے کہا کہ باب دادا کے زمانہ سے پڑھتے چلے آ رہے ہیں، تو اس کو کیسے بند کر سکتے ہیں؟ لیکن اکثر لوگوں نے فتویٰ کے مطابق عمل کیا اور کہا کہ غلط مسئلہ پر چلنا نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے یہ اعلان کیا گیا کہ آئندہ جمعہ سے ظہر کی نماز ہوگی اور ظہر کی نماز بغیر لڑائی جھگڑے کے شروع ہوگئی۔

چار پانچ مہینہ کے بعد جب عید کی نماز کا مسئلہ پیش آیا، تو وہ لوگ، جو جمعہ پڑھنا چاہتے تھے، انہوں نے موقع دیکھ کر عید کا اعلان کروا دیا، پھر وہ لوگ دوسرے دن عید کی نماز پڑھنے کے لیے اٹل رہے، حالاں کہ وہی لوگ جمعہ کی ادائیگی میں حاضر نہیں ہوتے تھے اور دوسری بڑی مسجد میں چلے جاتے تھے۔ عید کا اعلان صرف ایک غلط کام کرنے کے لیے کیا، ان کی یہ سوچی سمجھی سازش تھی کہ جمعہ پھر سے اسی طرح شرع کروادیں گے۔ اس صورت حال میں درج ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں۔

{۱} جب جمعہ جائز نہیں ہے، تو کیا عید کی نماز جائز ہوگی؟

{۲} شرعی قاعدہ کے مطابق جب جمعہ کی ادائیگی بند کر دی گئی، تو اب اس کو پھر سے شروع کرنا کیسا ہے؟

{۳} کیا گاؤں کے ذمہ داروں پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ کوشش کریں کہ جمعہ شروع نہ ہو سکے۔

امید ہے کہ آپ دلائل سے مسائل کا حل فرما کر لوگوں کو صحیح حکم پر عمل کرنے کی ترغیب دیں گے، تاکہ

فتنہ ختم ہو جائے۔

## الجواب حامد اومصلیا:

{۱} ڈاہیل کے مفتی صاحب کا فتویٰ صحیح ہے کہ جمعہ چھوٹے گاؤں میں جائز نہیں ہے، قیام جمعہ کی جو شرطیں ہیں، وہی عیدین کی نماز کے لیے بھی ہیں؛ اس لیے عید کی نماز بھی جائز نہیں ہے۔ اور بعضوں کا یہ کہنا کہ: ”آباء واجداد پڑھتے آئے ہیں، تو پھر ہم کو بھی پڑھنا چاہیے“ درست نہیں ہے؛ کیوں کہ اگر آباء واجداد نے کوئی ناجائز کام کیا ہو، تو ہمارے لیے اس کو بجالانا جائز نہیں، حرام ہے۔<sup>(۱)</sup> حنفی فقہ کی تمام کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ اور عیدین کی نماز جائز نہیں ہے۔ (بجر، شامی، عالمگیری، ہدایہ)<sup>[۲]</sup>

{۲} جمعہ کے بہ حسن و خوبی بند ہو جانے کے بعد جو لوگ جمعہ شروع کریں گے یا کسی بھی طرح شروع کرنے میں مدد کریں گے، وہ سب گنہگار ہوں گے۔ اور جمعہ کی ادائیگی درست نہ ہونے کی وجہ سے ظہر، ذمہ

(۱) وَإِذَا قِيلَ لَهُم تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۵﴾ (المائدہ: ۱۰۴)

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کلام نازل کیا ہے، اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ، تو وہ کہتے ہیں کہ: ہم نے جس (دین پر) اپنے باپ دادوں کو پایا ہے، ہمارے لیے وہی کافی ہے۔ بھلا اگر ان کے باپ دادے ایسے ہوں کہ نہ ان کے پاس کوئی علم ہو، اور نہ کوئی ہدایت تو کیا پھر بھی (یہ انہی کے پیچھے چلتے رہیں گے؟) [ترجمہ مفتی عثمانی دامت برکاتہم]

وَإِذَا قِيلَ لَهُم اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَحْبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿۳۱﴾ (آل عمران: ۲۳)  
اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کا اتباع کرو، جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے، تو کہتے ہیں کہ نہیں! ہم اس کا اتباع کریں گے، جس پر اپنے بڑوں کو پایا ہے، کیا اگر شیطان ان کے بڑوں کو عذاب دوزخ کی طرف بلاتا رہا، ہو تب بھی۔ (ترجمہ حضرت تھانوی)

(۲) (قولہ شرط أدائها المصغر) أي شرط صحتها أن تؤدى في مصر حتى لا تصح في قرية، ولا مفازة، لقول علي - رضي الله عنه - لا جمعة، ولا تشریق، ولا صلاة فطر، ولا أضحي إلا في مصر جامع أو في مدينة عظيمة. (البحر الرائق: ۲/۲۳۵، أبواب الصلاة، صلاة الجمعة دار الكتاب دیوبند ☆ الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۳۵، کتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: زکریا دیوبند)

(ویشترط لصحتها) سبعة أشياء، الأول المصغر... وعليه فتوى أكثر الفقهاء. (رد المحتار على الدر المختار): ۵/۳، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: زکریا- دیوبند ☆ الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۳۵، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: زکریا- دیوبند ☆ الهدایة في شرح بداية المبتدی- علی بن ابی بکر المرغینانی، أبو الحسن برهان الدین (م: ۵۹۳ھ): ۱/۸۲، باب صلاة الجمعة، ت: طلال یوسف، ط: دار احیاء التراث العربی- بیروت)

وفي القنية: صلاة العيد في القرى تکره تحريماً. (الدر المختار)۔ قال ابن عابدين: (قوله: صلاة العيد) ومثله الجمعة. (رد المحتار على الدر المختار: ۳/۴۶، کتاب الصلاة، باب صلاة العيد، ط: زکریا- دیوبند ☆ الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۵۲، الباب السابع عشر في صلاة العيد، ط: زکریا- دیوبند)

میں باقی رہے گی، اور ظہر چھوڑ دینے کا گناہ لاحق ہوگا، جو لوگ ظہر کو چھوڑ دیں گے، وہ تو گناہ گار ہوں گے ہی، ساتھ ہی جو لوگ مدد کریں گے، ان کو بھی جمعہ پڑھنے والوں کی ظہر ترک کرنے کا سبب بننے کی وجہ سے گناہ ہوگا۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) الدال علی الخیر کفاعله، والدال علی الشر کفاعله. (حدیث) <sup>(۳)</sup>

(۲) من سن فی الإسلام سنة حسنة، فله أجرها، وأجر من عمل بها بعده، من غیر أن ینقص من أجورهم شیء، ومن سن فی الإسلام سنة سیئة، کان علیہ وزرہا ووزر من عمل بها من بعده، من غیر أن ینقص من أوزارهم شیء. <sup>[۴]</sup>

جو شخص اچھا کام کرے گا اس کو اس کا ثواب ملے گا، اور جو اس پر چلے گا، اس کا بھی ثواب اس کو ملے گا، اسی طرح جو شخص برا طریقہ رائج کرے گا، تو اس کا گناہ ہوگا اور جو اس کے رائج کیے ہوئے طریقے پر چلے گا، اس کا بھی گناہ اس کو ہوگا۔

{۳} گاؤں کے بڑے اور ذمہ دار حضرات اپنی طاقت کے مطابق لوگوں کو سمجھائیں کہ یہاں جمعہ شروع نہیں کر سکتے، یہ ہر ایک عقل مند مؤمن کی ذمہ داری ہے: ألا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ. <sup>(۵)</sup> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خبردار! تم میں سے ہر ایک ذمہ دار و نگراں ہے، تم سب سے اس کی ذمہ داری کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

گاؤں کے بڑے، سمجھ دار، ذمہ دار حضرات، لوگوں کو سمجھائیں، اگر وہ لوگ سمجھ جائیں، تو یہی ہمارا

(۳) المعجم فی أسامی شیوخ أبی بکر الإسماعیلی - أبو بکر أحمد بن إبراہیم بن إسماعیل بن العباس بن مرداس الإسماعیلی الجرجانی (م: ۳۱۷ھ) / ۱: ۴۶۶، عن أنس رضی اللہ عنہ، حرف الألف، ت: د. زیاد محمد منصور، ط: مکتبۃ العلوم والحکم - المدینۃ المنورۃ.

[۴] الصحیح لمسلم: ۱/ ۳۲۷، رقم الحدیث: ۶۹- (۱۰۱۷)، کتاب الزکاة، باب الحث علی الصدقة الخ، ط: البدر - دیوبند.

(۵) عن عبد اللہ، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: کلکم راع و کلکم مسئول، فالإمام راع و هو مسئول، والرجل راع علی أهلہ و هو مسئول، والمرأة راعیة علی بیت زوجها وھی مسئولة، والعبد راع علی مال سیدہ و هو مسئول، ألا فکلکم راع و کلکم مسئول. (صحیح البخاری: ۲/ ۷۹۷، رقم الحدیث: ۵۱۸۸، کتاب النکاح، باب: قوا أنفسکم وأہلیکم ناراً، ط: البدر - دیوبند)

مقصود ہے، ورنہ ان کے ساتھ لڑائی جھگڑانہ کریں، کہ یہ فتنہ و فساد کا سبب بنے گا جو کہ حرام ہے۔<sup>(۱)</sup>  
بل کہ ایسی صورت جو لوگ جمعہ پڑھنا چاہتے ہیں، وہ شہر یا بڑے قصبہ میں جا کر جمعہ ادا کر لیں اور لوگوں کی نماز کی ذمہ داری اپنے سر پر لینے سے بچیں۔ اور گاؤں میں اختلاف کی چنگاری کو ہوا دینے کی کوشش نہ کریں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۱۹] بستی سے باہر ایک کلومیٹر کی دوری پر کالونی میں جمعہ ادا کرنا

۱۰۴۱- سوال: ہمارے گاؤں سے باہر ایک کلومیٹر کی دوری پر ایک کالونی بنائی گئی ہے، کالونی حکومتی قانون کے اعتبار سے نگر پنچایت کی حدود میں درج ہے، جہاں مسلمانوں کے پچاس گھر آباد ہیں، اُس سے متصل بھی کچھ مسلمانوں کے گھر ہیں، پھر اُس کالونی سے آدھے کلومیٹر کے فاصلے پر دوسرا گاؤں ہے، فی الحال اس کالونی میں بیچ وقتہ نماز باجماعت ادا کی جا رہی ہے، اور کالونی کے مسلمانوں کی اب یہ تمنا ہے کہ نماز جمعہ بھی قائم کریں، تو اس کالونی میں جمعہ کے قیام کے متعلق حکم شرعی کیا ہے؟

#### الجواب حامدًا ومصليًا:

سوال میں مذکور کالونی چوں کہ بستی کی حد سے باہر ہے، اس لیے اُس میں جمعہ قائم کرنا جائز نہیں ہے، جمعہ کے قیام کے لیے بستی کی حد میں ہونا، تمام ضروریات زندگی کا دستیاب ہونا اور بستی کا بڑا ہونا شرط ہے، جو اس کالونی میں نہیں پائی جا رہی ہیں، لہذا اُس میں جمعہ قائم کرنا صحیح نہیں ہے۔<sup>(۲)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۲۰] چھوٹے دیہات میں رہنے والے کا جمعہ ترک کرنا

۱۰۴۲- سوال: میں گڑکا چھ نامی ایک چھوٹے دیہات میں امامت کرتا ہوں، ساتھ میں مکتب کے

(۱) [أَنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ، وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ] (۲۸- القصص: ۵۶)

ترجمہ: آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے؛ بل کہ اللہ جس کو چاہے، ہدایت کر دیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا علم (بھی) اسی کو ہے۔ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ. (۲- البقرة: ۱۹۱) — ترجمہ: اور فتنہ قتل سے زیادہ سنگین برائی ہے۔

(۲) (ويشترط لصحتها) سبعة أشياء، الأول المصر... وعليه فتوى أكثر الفقهاء. (رد المحتار على الدر المختار: ۵/۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: زكريا- ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱۳۵/۱، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: زكريا- ديوبند ☆ الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۸۲/۱، باب صلاة الجمعة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت)

بچوں کو دینی تعلیم بھی دیتا ہوں، چھوٹا دیہات ہونے کے سبب وہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی؛ لہذا میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز پڑھاتا ہوں، سوال یہ ہے کہ جس آدمی کی مسلسل تین جمعہ یا ظہر چھوٹ جائے اُس کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح اگر کوئی آدمی گاؤں کا باشندہ ہے اور مسلسل تین جمعہ تک کسی کام سے جمعہ میں شامل نہ ہو سکا، تو اُس کا کیا حکم ہے؟

### الجواب حامداً ومصلياً:

گڑ کا چھ جب چھوٹا دیہات ہے، جس میں صحتِ جمعہ کے شرائط نہیں پائے جا رہے ہیں؛ تو وہاں جمعہ پڑھنا صحیح نہیں ہے، آپ ظہر پڑھا رہے ہیں، وہی صحیح ہے، لیکن اگر آپ کے گاؤں گڑ کا چھ کا کوئی باشندہ اپنی کسی بھی ضرورت سے موسالی، مانگرول یا سورت جیسے بڑے قصبے یا شہر میں آیا ہے اور جمعہ کا وقت ہو چکا ہے، تو اس پر جمعہ کی نماز فرض ہوگی، اگر یہ آدمی جمعہ چھوڑ دے گا، تو گنہگار ہوگا، مسلسل تین جمعہ کے چھوڑنے کی وعید اس شخص کے لیے ہے، جس پر جمعہ فرض ہو اور وہ ایسی جگہ رہتا ہو، جہاں جمعہ فرض ہو، آپ کے دیہات میں جمعہ فرض نہیں ہے، لہذا جو لوگ جمعہ کے وقت گاؤں ہی میں ہیں، اُن پر جمعہ فرض نہیں ہے؛ انھیں ظہر کی نماز پڑھنا ضروری ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۲۱] چھوٹی بستی میں قیام جمعہ

۱۰۴۳- سوال: ہماری بستی کھیتوں میں آباد ہے، جس میں مسلمانوں کے کل بائیس مکانات ہیں، اور تمام مکانات ایک دوسرے سے کافی دوری پر واقع ہیں، تمام ضروریاتِ زندگی دستیاب نہیں ہیں، اور اُس کے علاوہ جمعہ کے دیگر شرائط بھی مفقود ہیں، تو ہمیں جمعہ کے دن جمعہ ادا کرنی چاہیے یا ظہر پڑھنی چاہیے؟

(۱) (ويشترط لصحتها) سبعة أشياء، الأول المصر... وعليه فتوى أكثر الفقهاء. (رد المحتار على الدر المختار: ۵/۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: زكريا- ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۵، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: زكريا- ديوبند ☆ الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/۸۲، باب صلاة الجمعة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت) وفي الخلاصة القروي إذا دخل المصر يوم الجمعة إن نوى أن يمكث فيه يوم الجمعة لزمته الجمعة، وإن نوى الخروج من ذلك المصر من يومه قبل دخول وقت الصلاة لا تلممه وبعد دخول وقت الجمعة تلممه قال الفقيه إن نوى الخروج من يومه ذلك، وإن كان بعد دخول وقت الجمعة لا تلممه. (البحر الرائق: ۲/۱۵۱، باب صلاة الجمعة، ط: دار الكتاب الإسلامي)



**الجواب حامدًا ومصليًا:**

جمعہ کے صحیح ہونے کے لیے شہر، قصبہ یا ایسا بڑا گاؤں ہونا ضروری ہے، جہاں تمام ضروریاتِ زندگی دست یاب ہوں، نیز لوگوں کی سہولت کے خاطر پولس چوکی اور پوسٹ آفس وغیرہ کا انتظام ہو، اور یہ تمام چیزیں نہ ہونے کی وجہ سے آپ کی بستی چھوٹی ہے، جس میں جمعہ صحیح نہیں، آپ لوگوں کو چاہیے کہ جمعہ کے دن ظہر کی نماز ادا کریں۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

**[۲۲] کارخانے والے علاقے میں جمعہ کا حکم**

۱۰۴۴-سوال: ایک چوراہے پر ایک مسجد واقع ہے، اس چوراہے کی چاروں جانب میں مسلسل چار کلومیٹر تک کارخانے اور رہائشی تعمیرات ہیں، چوراہے کے اس علاقہ میں مخلوط آبادی ہے، سرکاری اسکول بھی قائم ہے، نیز تمام ضروریاتِ زندگی دستیاب ہیں، ان احوال کے پیش نظر کیا اس مسجد میں جمعہ صحیح ہے یا نہیں؟

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

اگر مسجد کا جائے وقوع ایسے علاقہ میں ہے کہ وہاں کارخانوں کے علاوہ رہائشی مکانات بھی ہیں، جن کی وجہ سے کارخانوں کے بند رہنے کے اوقات میں بھی بڑے گاؤں جیسی آبادی رہتی ہو، ضروریاتِ زندگی دست یاب ہوں اور کم از کم دو یا تین ہزار کی آبادی ہو، تو یہ جگہ بھی مستقل قریہ کبیرہ کے حکم میں ہے، اس جگہ جمعہ صحیح؛ بل کہ واجب ہے۔<sup>(۲)</sup>

اگر اس جگہ کارخانوں کے بند ہونے کے اوقات میں آبادی نہ رہتی ہو، تو جمعہ جائز نہیں۔<sup>(۳)</sup>

(۱) تقدم تخريجه غير مرة.

(۲) تقع فرضا في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۳۸، كتاب

الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) (ويشترط لصحتها) سبعة أشياء:

الأول: (المصر، وهو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها) وعليه فتوى أكثر الفقهاء، مجتبي؛ لظهور التواني في الأحكام. — قال ابن عابدين: (قوله وعليه فتوى أكثر الفقهاء إلخ) وقال أبو شجاع: هذا أحسن ما قيل فيه. وفي الولو الجية وهو صحيح بحر، وعليه مشى في الوقاية و متن المختار و شرحه و قدمه في متن الدرر على القول الآخر و ظاهره ترجيحه و أيداه صدر الشريعة بقوله لظهور التواني في أحكام الشرع سيما في إقامة الحدود و في الأمصار. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۳۷، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت)

اگر یہ جگہ کسی شہر یا بڑی بستی کے فناء میں واقع ہو، تو آبادی کے کم ہونے کے باوجود جمعہ صحیح ہے۔  
 فناء کا مطلب یہ ہے کہ شہر یا بستی کی وہ تعمیرات اور جگہیں جو اُس شہر یا بستی کے مصالح اور سہولیات کے لیے قائم ہوں، مثلاً عید گاہ، قبرستان، اسکول، ہسپتال اور پولس تھانہ وغیرہ۔<sup>(۱)</sup>  
 سوال میں مذکور کارخانوں کی تعمیرات اگر کسی قصبہ سے متعلق نہ ہوں، تو وہ اُس کے فناء میں داخل نہیں ہیں، اور اس شکل میں وہاں جمعہ جائز نہیں، الا یہ کہ ان کارخانوں سے قطع نظر کرتے ہوئے اُس جگہ کی مستقل آبادی اتنی ہو کہ وہ قریہ کبیرہ کے حکم میں ہو۔ (در مختار علی الشامی: ۲/۱۳۸) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۲۳] دیہات میں فتنہ و فساد سے بچنے کے لیے امام کا نماز جمعہ پڑھانا

۱۰۴۵- سوال: آج سے دس سال پہلے میں نے جمعہ کی نماز کے بارے میں مسئلہ پوچھا تھا اور اپنے گاؤں کی پوری تفصیل ذکر کی تھی۔ جامعہ کی مہر کے ساتھ لکھا تھا کہ مذکورہ تفصیل کے مطابق آپ کے گاؤں میں نماز نہیں ہوتی۔ ظہر پڑھنی بہتر ہے؛ لیکن صورت حال یہ ہے کہ ہمارے گاؤں میں لوگ کئی سالوں سے

(۱) أما المصر الجامع فشرط وجوب الجمعة وشرط صحة أداؤها عند أصحابنا حتى لا تجب الجمعة إلا على أهل المصر ومن كان ساكناً في توابعه وكذا لا يصح أداء الجمعة إلا في المصر وتوابعه فلا تجب على أهل القرى التي ليست من توابع المصر ولا يصح أداء الجمعة فيها. — وأما تفسير توابع المصر فقد اختلفوا فيهاروي عن أبي يوسف أن المعتبر فيه سماع النداء إن كان موضعاً يسمع فيه النداء من المصر فهو من توابع المصر وإلا فلا... وروى ابن سماعه عن أبي يوسف كل قرية متصلة بربض المصر فهي من توابعه وإن لم تكن متصلة بالربض فليست من توابع المصر، وقال بعضهم: ما كان خارجاً عن عمران المصر فليس من توابعه. وقال بعضهم: المعتبر فيه قدر ميل وهو ثلاثة فراسخ، وقال بعضهم: إن كان قدر ميل أو ميلين فهو من توابع المصر وإلا فلا، وبعضهم قدره بستة أميال،... وعن أبي يوسف أنها تجب في ثلاثة فراسخ، وعن الحسن البصري أنها تجب في أربعة فراسخ، وقال بعضهم: إن أمكنه أن يحضر الجمعة ويبيت بأهله من غير تكلف تجب عليه الجمعة وإلا فلا وهذا حسن. (بدائع الصنائع: ۱/۲۵۹-۲۶۰، كتاب الصلاة، فصل في بيان شرائط الجمعة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت) ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۳۸-۱۳۹، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر- بيروت) ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۵، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ط: زكريا- ديوبند)

وَأما الفناء وهو المكان المعد لمصالح البلد كركض الدواب ودفن الموتى وإلقاء التراب. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۲۱، باب صلاة المسافر)

جمعہ کی نماز پڑھتے چلے آ رہے ہیں؛ اس لیے جمعہ بند نہیں کر سکتے، ایک مرتبہ کوشش بھی کی تھی لیکن ناکام رہا۔ بہت سی مرتبہ مجھے بھی جمعہ پڑھانی پڑتی ہے، تو اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ ظہر پڑھنی چاہیے یا جمعہ پڑھنی چاہیے؟

### الجواب حامدا ومصليا:

آپ کی تحریر کے مطابق آپ کے پاس فتویٰ موجود ہے کہ آپ کے گاؤں میں از روئے شرع جمعہ کی نماز نہیں ہو سکتی؛ اس لیے اصل حکم تو یہی ہے کہ جمعہ نہ پڑھی جائے اور ظہر کی نماز باجماعت ادا کی جائے۔<sup>(۱)</sup> لیکن چونکہ لوگ پہلے سے پڑھتے چلے آئے ہیں؛ اس لیے اسے بند کرنے میں اگر فتنہ کا اندیشہ ہو، تو ان کو جمعہ کی نماز پڑھنے دیں اور بہتر یہی ہے کہ آپ پڑھا دیں؛ کیوں کہ قرآن میں ہے: وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ.<sup>(۲)</sup> یعنی فتنہ برپا کرنا خون خرابے سے زیادہ خطرناک ہے؛ لہذا آپ ایسے حالات میں جمعہ پڑھا سکتے ہیں؛ لیکن جمعہ کے بعد آپ کے لیے ظہر کی چار رکعت پڑھ لینا ضروری ہے؛ ثم فی کل موضع وقع الشک فی جواز الجمعة لوقوع الشک فی المصر أو غیرہ و أقام أهلہ الجمعة ینبغي أن یصلوا بعد الجمعة أربع رکعات وینووا بها الظہر حتی لو لم تقع الجمعة موقعها یخرج عن عہدة فرض الوقت بیقین، کذا فی الکافی، وھکذا فی المحيط ثم اختلفوا فی نیتھا قیل: ینوی آخر ظہر علیہ وھو الأحسن والأحوط أن یقول: نویت آخر ظہر أدرکت وقتہ ولم أصلہ بعد، کذا فی القنیة. (عالم گیری: ۱۳۵/۱) [۳] واللہ اعلم بالصواب۔

### [۲۴] قصبہ سے قریب ہوٹل والوں پر جمعہ

۱۰۴۶- سوال: ”ممبئی-دہیسر“ سے ہماری ہوٹل دو کلومیٹر دور ہے، جو ایک چھوٹا سا دیہات ہے، وہاں کئی شافعی مسلمانوں کی آبادیاں ہیں، اس جگہ جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور ممبئی کی حد ”دہیسر“ چیک ناکہ پر ختم ہو جاتی ہے اور یہاں پر مسلمانوں کی آبادی نہیں ہے، ہمارے قریب میں دائیں جانب ”دلی دربار ہوٹل“ ہے۔ اور بائیں طرف بھینس کا طبیلہ (بھینس کا باڑا) ہے، جہاں تھوڑے سے مسلمان ہیں۔ ممبئی بی ایس ٹی

(۱) ومن لا تجب علیہم الجمعة من أهل القرى والبوادي لهم أن يصلوا الظہر بجماعة يوم الجمعة بأذان وإقامة. (الفتاویٰ الہندی: ۱/۱۳۵، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة، ط: دار الفکر- بیروت)  
(۲) البقرة: ۲۱۷۔  
(۳) الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة، ط: دار الفکر- بیروت.

(مبئی کی سرکاری بسیں) رکشہ اور ٹیکسی یہاں تک نہیں آتی، دو کلومیٹر پہلے چیک ناکہ ہے، وہاں تک یہ سب سہولت ہے۔

یہاں سے گجرات کی طرف بس گھنٹہ دو گھنٹہ بعد ملتی ہے، ضروریات زندگی کی تمام چیزیں یہاں دست یاب نہیں ہیں، زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کی آبادی ۲۰۰۰ سے ۳۰۰۰ کے قریب ہوگی، ’دلی دربار ہوٹل‘ سے تھوڑے فاصلے پر میرا گاؤں (کاشی) ہے، وہاں پولس چوکی ہے اور مسلمانوں کی آبادی ہے، بڑی مسجد بھی ہے اور پانچوں وقت نماز بھی ہوتی ہے اور جمعہ کی نماز بھی ادا کی جاتی ہے؛ لیکن ہم لوگ اپنی ہوٹل، دہلی دربار میں اور طویلہ (تینوں جگہ) ظہر ادا کرتے ہیں، جمعہ پڑھنے کے لیے گاؤں نہیں جاتے، یہاں نہ کورٹ ہے، نہ گجراتی اسکول ہے اور نہ اردو اسکول ہے اور شہر میں جو سہولتیں رہتی ہے، وہ یہاں نہیں ہے اور سامنے نیشنل ہائی وے ہے، جس پر کم از کم ایک منٹ پر ایک گاڑی کا گذر ہوتا ہے۔ ان تمام تفصیلات کی روشنی میں بتائیں کہ کیا ہم پر جمعہ واجب ہے؟

### الجواب حامد اوصلیا:

شہر یا قصبہ کی اذان آپ سنتے ہوں، تو جمعہ کے لیے قصبہ یا شہر جانا ضروری ہے، اگر آپ اذان کی آواز نہیں سنتے اور آپ جس بستی میں رہتے ہیں، وہاں ضروریات زندگی نہیں ملتیں، تو آپ کو ظہر پڑھنی چاہیے، جمعہ کے لیے قصبہ یا شہر جانا ضروری نہیں۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) وأما تفسير توابع المصر فقد اختلفوا فيها، روي عن أبي يوسف أن المعتمر فيه سماع النداء إن كان موضعا يسمع فيه النداء من المصر فهو من توابع المصر وإلا فلا، وقال الشافعي: إذا كان في القرية أقل من أربعين فعليهم دخول المصر إذا سمعوا النداء، وروي ابن سماعه عن أبي يوسف: كل قرية متصلة بربض المصر فهي من توابعه، وإن لم تكن متصلة بالربض فليست من توابع المصر، وقال بعضهم: ما كان خارجا عن عمران المصر فليس من توابعه. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۶۰، كتاب الصلاة، فصل في شرائط الجمعة، ط: دار الكتب العلمية ☆ الاختيار لتعليل المختار: ۱/ ۸۷، باب صلاة الجمعة، ط: دار الكتب العلمية ☆ البناية شرح الهداية - بدر الدين العيني (المتوفى: ۸۵۵هـ): ۳/ ۲۳، باب صلاة الجمعة، صلاة الجمعة في القرى، ط: دار الكتب العلمية - بيروت، لبنان)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## باب العیدین

### [ عیدین کا بیان ]

[۱] ۱۳/ذی الحجہ کی عصر کی نماز اور عید کی نماز کے بعد تکبیر تشریق پڑھنے کا حکم

۱۰۴۷- سوال: تکبیر تشریق ذی الحجہ کی ۹ تاریخ سے ۱۳/ذی الحجہ کی عصر تک پڑھی جاتی ہے، تو کیا ۱۳/ذی الحجہ کی عصر کی نماز کے بعد بھی تکبیر پڑھی جائے گی؟ نیز عید کی واجب نماز کے بعد تکبیر کہنے کے متعلق کیا حکم ہے؟

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

تکبیر تشریق ۱۳/ذی الحجہ کی عصر کی نماز کے بعد بھی پڑھنا واجب ہے۔ ۹/ذی الحجہ کی صبح کی نماز سے لے کر ۱۳/ذی الحجہ کی عصر کی نماز تک کل ۲۳ نمازوں کے بعد تکبیر کہنا۔ کچھ شرائط کے ساتھ۔ واجب ہے۔ (عالمگیری: ۱/۵۵- البحر الرائق: ۲/۱۶۵)<sup>[۱]</sup>

اور عید کے نماز کے بعد تکبیر کے متعلق علماء احناف کے درمیان اختلاف ہے، علمائے بلخ عید کی نماز

[۱] وعندهما ينتهي بالتكبير عقب العصر من آخر أيام التشریق وهي ثلاث وعشرون صلاة، وهو قول عمر وعلي ورجحاه؛ لأنه الأكثر، وهو الأحوط في العبادات ورجح أبو حنيفة قول ابن مسعود؛ لأن الجهر بالتكبير بدعة فكان الأخذ بالأقل أولى احتياطاً. — وقد ذكر وفي مسائل السجدة أن ماتر ددين بدعة وواجب فإنه يؤتى به احتياطاً وماتر ددين بدعة وسنة يترك احتياطاً كما في المحيط وغيره، وهو يقتضي ترجيح قولهما؛ ولهذا ذكر الإسيباجي وغيره أن الفتوى على قولهما، وفي الخلاصة، وعليه عمل الناس اليوم، وفي المجتبى والعمل والفتوى في عامة الأمصار وكافة الأعصار على قولهما. (البحر الرائق: ۲/۱۷۸، باب صلاة العیدین، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۵۲، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العیدین، ط: زكريا- ديوبند)

کے بعد بھی تکبیر پڑھا کرتے تھے۔ (شامی: ۷۸۶/۱-۱- البحر الرائق: ۱۶۵/۲) [۱] اسی پر مسلمانوں کا تسلسل کے ساتھ عمل ہے، گویا یہ عمل متواتر ہے۔

نوٹ: ۲۳ نمازوں میں عید کی نماز داخل نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۲] تکبیر تشریق پڑھنے کی مقدار

۱۰۴۸- سوال: عید الاضحیٰ کے موقع پر ہر نماز کے بعد بلند آواز کے ساتھ تکبیر تشریق پڑھی جاتی ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ بلند آواز سے کتنی مرتبہ یہ تکبیر پڑھنا واجب ہے؟ بعض جگہوں پر تین مرتبہ پڑھتے ہیں، تو یہ تین مرتبہ پڑھنا واجب ہے یا مستحب؟ تفصیل سے بیان کیجیے۔

### الجواب حامدا ومصليا:

تکبیر تشریق ایک مرتبہ بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے۔ (عالمگیری ☆ شامی: ۷۸۵/۱) [۲] اور ایک سے زائد دفعہ پڑھنا سنت کے خلاف ہے۔ (مجمع الانهر: ۱۷۶/۱- شامی: ۷۸۵/۱) [۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] ولا بأس به عقب العيد لأن المسلمين توارثوه فوجب اتباعهم، وعليه البلخيون. (الدر المختار) — قال ابن عابدين: (قوله ولا بأس إلخ) كلمة لا بأس قد تستعمل في المنذوب كما في البحر من الجنائز والجهاد ومنه هذا الموضوع لقوله فوجب اتباعهم (قوله فوجب) الظاهر أن المراد بالوجوب الثبوت لا الوجوب المصطلح عليه، وفي البحر عن المجتبي: والبلخيون يكبرون عقب صلاة العيد لأنها تؤدي بجماعة فأشبهت الجمعة اهـ وهو يفيد الوجوب المصطلح عليه ط. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۸۰/۲، باب العيدين)

وفي المجتبي والبلخيون يكبرون عقب صلاة العيد؛ لأنها تؤدي بجماعة فأشبه الجمعة اهـ. وفي مبسوط أبي الليث، ولو كبر على إثر صلاة العيد لا بأس به؛ لأن المسلمين توارثوا هكذا فوجب أن يتبع توارث المسلمين اهـ. (البحر الرائق: ۱۷۹/۲، كتاب الصلاة، باب العيدين)

(۲) وأما عدده وماهيته فهو أن يقول مرة واحدة: الله أكبر لا إله إلا الله والله أكبر الله أكبر والله الحمد. (الفتاوى الهندية: ۱۵۲/۱، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين، تكبيرات أيام التشریق، ط: دار الفكر) (ويجب تكبير التشریق) في الأصح للأمر به (مرة) وإن زاد عليها يكون فضلا قاله العيني. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله وإن زاد إلخ) أفاد أن قوله مرة بيان للوجوب، لكن ذكر أبو السعود أن الحموي نقل عن القراحصاري أن الإتيان به مرتين خلاف السنة اهـ. — قلت: وفي الأحكام عن البرجندي ثم المشهور من قول علمائنا أنه يكبر مرة وقيل: ثلاث مرات. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۷۷-۱۷۸، باب العيدين، مطلب يطلق اسم السنة على الواجب، ط: دار الفكر - بيروت)

[۳] (وصفته) أي صفة التكبير (أن يقول مرة) حتى لو زاد لقد خالف السنة. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - داماد أفندي (م: ۱۰۷۸-هـ): ۷۶/۱، باب صلاة العيدين، صفة التكبير في صلاة العيد، ط: دار إحياء التراث العربي)

### [۳] عید کی نماز میں ایک زائد تکبیر چھوٹ جائے، تو کیا حکم ہے؟

۱۰۴۹- سوال: ہمارے گاؤں میں عید الاضحیٰ کی نماز میں امام صاحب نے پہلی رکعت میں تین زائد تکبیروں کے بجائے صرف دو تکبیر کہی، تو نماز ہوئی یا نہیں؟ پھر مصلیوں کے کہنے پر دوبارہ نماز پڑھائی گئی، تو یہ کیسا ہے؟

#### الجواب حامدًا ومصلياً:

عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں مجتمع ہو کر دو رکعت کی صورت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت و بندگی کی جاتی ہے، اس میں ۶ زائد تکبیریں واجب ہیں، واجب اگر بھول سے چھوٹ جائے، تو سجدہ سہو واجب ہوتا ہے؛<sup>(۱)</sup> اور امام سجدہ سہو کر لے، تو نماز ہو جاتی ہے؛ یہاں بھی واجب کا ترک ہوا ہے؛ اس لیے اصولاً سجدہ سہو کرنا چاہیے؛ لیکن عید کی نماز میں امام نے سجدہ سہو اس لیے نہیں کیا کہ لوگ زیادہ ہیں، سجدہ سہو کرنے سے غلط فہمی پیدا ہوگی، کوئی کرے گا اور کوئی نہیں کرے گا، گویا ایک طرح کا انتشار پیدا ہوگا، اس وجہ سے امام نے بغیر

(۱) امام اگر قراءت سے پہلے تکبیرات زائد کو بھول جائے، تو اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر رکوع میں جانے سے قبل یاد آ جائے، تو اسی وقت اسے ادا کر لے، اور اگر رکوع میں چلا گیا، تو اب کیا کرنا چاہیے؟ اس سلسلے میں دو رائے ہیں: ایک یہ کہ رکوع ہی میں ان زائد تکبیرات کو کہہ لے، اور دوسری یہ کہ ان تکبیرات کو کہنے کی ضرورت نہیں رہی، یوں ہی نماز پوری کر لی جائے۔ (وإذ انسى الإمام تكبيرات العيد حتى قرأ فإنه يكبر بعد القراءة، أو في الركوع ما لم يرفع رأسه، كذا في التتارخانية). (عالمگیری: ۱/۱۵۱، کتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العیدین، ط: دار الفکر - بیروت ☆ در مختار مع شامی: ۲/۱۷۴، باب العیدین، ط: بیروت ☆ مستفاد از: کتاب الفتاویٰ - مولانا خالد سیف اللہ رحمانی: ۲۰۹-۲۱۰)

پہلا قول راجح ہے، کیوں کہ تکبیرات زائد واجب ہیں اور تسبیحات مسنون ہیں، اور مسنون کے مقابلے میں واجب کی ادائیگی مقدم ہے۔ ثم إذا ركع يكبر تكبيرات العيد في الركوع عند أبي حنيفة ومحمد، وقال أبو يوسف: لا يكبر؛ لأنه فات عن محلها وهو القيام فيسقط كالقنوت، ولهما أن للركوع حكم القيام ألا ترى أن مدر كه يكون مدر كاللركعة فكان محلها قائما فيأتي بها ولا يرفع يديه، بخلاف القنوت؛ لأنه بمعنى القراءة فكان محلها القيام المحض، وقد فات ثم إن أمكنه الجمع بين التكبيرات والتسبيحات جمع بينهما، وإن لم يمكنه الجمع بينهما بالتكبيرات دون التسبيحات؛ لأن التكبيرات واجبة والتسبيحات سنة، والاشتغال بالواجب أولى. (بدائع الصنائع: ۱/۲۷۸، فصل صلاة العیدین، فصل بيان قدر صلاة العیدین وكيفية أدائها، ط: دار الكتب العلمية ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۳/۵۵-۵۷، كتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، ط: زكريا ديوبند)

سجده سہو کے نماز پوری کر لی، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، نماز ہو گئی، اسے دوہرانے کی ضرورت نہیں۔ (عالم گیری، شامی) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۴] امام صاحب اگر عیدین کی زائد تکبیر کہنا بھول جائے

۱۰۵۰- سوال: عید کی نماز میں چھ تکبیرات زائدہ واجب ہیں، اور ان کی ادائیگی کا محل بھی مقرر و متعین ہے، اگر اس کے خلاف ہو جائے، تو کیا نماز ہوگی یا نہیں؟ مثلاً اگر امام پہلی رکعت میں تکبیر بھول جائے، تو اب وہ اس کو کب ادا کرے؟ اگر ایک ہی وقت میں چھ تکبیریں ایک ساتھ ادا کر دے، تو صحیح ہے یا نہیں؟ اور اگر دونوں ہی رکعتوں میں تکبیر بھول جائے، تو کیا سجده سہو سے اس کی تلافی ہو جائے گی؟ بیٹو، تو جروا۔

#### الجواب حامدا ومصليا:

عید کی ۶ تکبیریں واجب ہیں، بھول سے کمی بیشی ہو جائے، یا بالکل بھول جائے، یا غیر محل میں ہو جائے، تو سجده سہو سے نماز ادا ہو جائے گی۔ یہ بات بدائع الصنائع اور البحر الرائق میں لکھی ہے۔ (۲) اسی

[۱] (ومنها تكبيرات العيدين) قال في البدائع: إذا تر كها أو نقص منها أو زاد عليها أو أتى بها في غير موضعها فإنه يجب عليه السجود، كذا في البحر الرائق. — ويستوي في الزيادة والنقصان القليل والكثير فقد روي عن الحسن عن أبي حنيفة - رحمه الله - إذا سها الإمام عن تكبيرة واحدة في صلاة العيد يسجد للسهو، كذا في الذخيرة. السهو في الجمعة والعيدين والمكتوبة والتطوع واحد إلا أن مشايخنا قالوا لا يسجد للسهو في العيدين والجمعة؛ لتلايق الناس في فتنه، كذا في المضممرات ناقلا عن المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۸، الباب الثاني عشر في سجود السهو، فصل سهو الإمام يوجب عليه وعلى من خلفه السجود، ط: دار الفكر ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۹۲، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) وكذلك تكبيرات العيدين إذا تر كها أو نقص منها؛ لأنها واجبة، وكذا إذا زاد عليها أو أتى بها في غير موضعها؛ لأنه يحصل تغيير فرض أو واجب. — وكذلك قراءة التشهد إذا سها عنها في القعدة الأخيرة ثم تذكرها قبل السلام أو بعد ما سلم ساهيا - قرأها وسلم وسجد للسهو، لأنها واجبة. (بدائع الصنائع: ۱/۱۶۷، كتاب الصلاة، فصل بيان سبب وجوب سجود السهو، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

العاشر: تكبيرات العيدين قال في البدائع إذا تر كها أو نقص منها أو زاد عليها أو أتى بها في غير موضعها فإنه يجب عليه السجود. (البحر الرائق: ۲/۱۰۳، باب سجود السهو، الإمام إذا سها عن التكبيرات حتى ركع، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۹۲، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ط: دار الفكر - بيروت)



طرح عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۱۰۲ میں بھی موجود ہے۔<sup>(۱)</sup>

لیکن آگے محیط کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جمعہ وعیدین میں غلطی ہو جائے، تو سجدہ سہو نہ کرے۔  
(عالمگیری جلد ۱، صفحہ ۱۰۳)<sup>(۲)</sup>

کیوں کہ بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہوں گے کہ جو سال میں ایک نماز ادا کرنے والے ہوں گے، وہ سجدہ سہو کا سلام پھیرنے کی وجہ سے یہ سمجھ لیں گے کہ نماز ختم ہوگئی، جس کی وجہ سے ایک فتنہ کھڑا ہو جائے گا۔ اسی طرح عید کی طریقہ نماز سے نا آشنا لوگ یہ گمان کر لیں گے کہ عید کی نماز کا طریقہ یہی ہے کہ آخری رکعت میں چار سجدے ہوتے ہیں؛ اس لیے فقہاء کرامؒ نے لکھا ہے کہ عیدین کی نماز میں سہو ہو جائے، تو سجدہ سہو نہ کرے۔<sup>(۳)</sup>

جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۃ الم سجدہ پڑھنا مسنون ہے۔<sup>(۴)</sup> اس سورت میں سجدہ کی آیت ہے، جس کی وجہ سے پہلی رکعت میں سجدہ تلاوت کیا جاتا ہے۔ بعض ممالک کے حجاج، حج کے لیے گئے، وہاں سے لوٹ کر عرض کیا کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں جمعہ کے دن فجر کی نماز ”تین رکعت“ ہوتی ہے۔

[۱] (ومنها تکبيرات العيدين) قال في البدائع: إذا تر كها أو نقص منها أو زاد عليها أو أتى بها في غير موضعها فإنه يجب عليه السجود، كذا في البحر الرائق. — ويستوي في الزيادة والنقصان القليل والكثير فقد روي عن الحسن عن أبي حنيفة - رحمه الله - إذا سها الإمام عن تكبيرة واحدة في صلاة العيد يسجد للسهو، كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۸، الباب الثاني عشر في سجود السهو، فصل سهو الإمام يوجب عليه وعلى من خلفه السجود، ط: دار الفكر)

(۲-۳) السهو في الجمعة والعيدين والمكتوبة والتطوع واحد إلا أن مشايخنا قالوا لا يسجد للسهو في العيدين والجمعة؛ لتلايقع الناس في فتنة، كذا في المضممرات، ناقلاً عن المحيط. (حوالہ سابق)

(۴) عن ابن أبي رافع، قال: استخلف مروان أبو هريرة على المدينة، وخرج إلى مكة، فصلى لنا أبو هريرة الجمعة، فقرأ بعد سورة الجمعة، في الركعة الأخيرة: إذا جاءك المنافقون، قال: فأدر كت أبو هريرة حين انصرف، فقلت له: إنك قرأت بسورتين كان علي بن أبي طالب يقرأ بهما بالكوفة، فقال أبو هريرة: إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقرأ بهما يوم الجمعة. (الصحيح لمسلم: ۱/۲۸۷، رقم الحديث: ۶۱- (۸۷۷)، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب ما يقرأ في صلاة الجمعة، ط: البدر - ديوبند)

ولو قرأ في الركعة الأولى بفاتحة الكتاب وسورة الجمعة وفي الثانية بفاتحة الكتاب وسورة المنافقون فحسن تبركا بفعل النبي عليه السلام. (تحفة الفقهاء - محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م):

نحو ۵۴۰ھ) ۱/۱۶۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت

در مختار میں لکھا ہے کہ واجبات سہواً ترک ہو جائیں، تو سجدہ سہو لازم ہوگا، خواہ جمعہ ہو یا عیدین، فرض یا نفل سب اس سلسلے میں برابر ہیں۔ متاخرین فقہاء نے لکھا ہے کہ عیدین میں سجدہ سہو نہ کرنا بہتر ہے۔ (شامی جلد ۱ صفحہ ۷۰۵) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۵] عید کے دن مصافحہ کرنا

۱۰۵۱- سوال: عید کے دن مصافحہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامد او مصليا:

مصافحہ کرنا سنت ہے، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ ملاقات کرے، تو سلام کرے اور مصافحہ کرے یا صرف سلام پر اکتفاء کرے؛ جائز ہے، سنت ادا ہو جائے گی۔<sup>(۲)</sup> لیکن عید کے دن مصافحہ کرنا، معانقہ کرنا، اور جو لوگ ایسا نہ کریں، ان کو برا بھلا کہنا اور ان کی غیبت کرنا ناجائز اور حرام ہے، اس سے اجتناب لازم و ضروری ہے۔

آج کل صورت حال یہ ہے کہ لوگ رات دن میں کئی مرتبہ ملتے ہیں، مصافحہ کی بات تو دور، آپس میں سلام بھی نہیں کرتے اور عید کے دن مصافحہ کو واجب سمجھتے ہیں اور مصافحہ نہ کرنے والے کو برا بھلا کہتے ہیں۔ خوشی کے دن کو لڑائی جھگڑوں میں تبدیل کرنا اور دین میں اپنی مرضی کے مطابق غیر ضروری چیز کو ضروری

[۱] (والسہو فی صلاة العید والجمعة والمکتوبۃ والتطوع سواء) والمختار عند المتأخرین عدمہ فی الأولین لدفع الفتنة كما في جمعة البحر، وأقره المصنف، وبه جزم في الدرر. (الدر المختار) — قال ابن عابدین: (قوله عدمہ فی الأولین) الظاهر أن الجمع الكثير فيما سواهما كذلك كما بحثه بعضهم طو وكذا بحثه الرحمتي، وقال خصوصاً في زماننا. وفي جمعة حاشية أبي السعود عن العزيمة أنه ليس المراد عدم جوازه، بل الأولى تركه لئلا يقع الناس في فتنة. اهـ۔ (قوله وبه جزم في الدرر) لكنه قيده محشيها الواني بما إذا حضر جمع كثير، وإلا فلا داعي إلى الترك ط. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۹۲، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مطلب إذا أسلم المرتد هل تعود حسناته أم لا؟ ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تدخلون الجنة حتى تؤمنوا، ولا تؤمنوا حتى تحابوا، أولا أدلكم على شيء إذا فعلتموه تحاببتم؟ أفشوا السلام بينكم. (الصحيح لمسلم: ۱/۵۳، رقم الحديث: ۹۳-۵۳)، كتاب الإيمان، باب بيان أنه لا يدخل الجنة إلا المؤمنون، وأن محبة المؤمنين من الإيمان، وأن إفشاء السلام سبباً لحصولها، ط: البدر - ديوبند

سمجھنا بدعت اور گمراہی کی بات ہے؛ اس لیے عید کے دن ملاقات کو ضروری گمان کرنا حرام ہے۔ البتہ کوئی دوسرے گاؤں، یا شہر سے آیا ہو، تو رواج کے بغیر اس سے مصافحہ کرنا جائز ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۶] نماز عید میں تقدیم خطبہ مکروہ ہے

۱۰۵۲-سوال: امام صاحب نے عید کی نماز پڑھاتے ہوئے پہلے خطبہ پڑھا، جس میں انہوں نے خطبہ جمعہ پڑھا، پھر بعد میں نماز پڑھائی، تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

#### الجواب حامدًا ومصلياً:

اگر امام صاحب عید کی نماز کا خطبہ نماز سے قبل پڑھے، تو نماز ہو جائے گی، دوسری بار پڑھنے کی ضرورت نہیں، البتہ ان کا یہ فعل خلاف سنت ہے اور مکروہ ہے، سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے نماز پڑھی جائے، پھر خطبہ پڑھا جائے۔<sup>[۲]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۷] خطبہ سننے کے لیے لوگوں کو پھلانگ کر آگے جانا

۱۰۵۳-سوال: عید کی نماز کے بعد خطبہ سننے کے لیے صفیں پھلانگ کر لوگ آگے بڑھتے ہیں، حالانکہ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے بھی خطبہ سنائی دیتا ہے، تو اس طرح لوگوں کو پھلانگ کر آگے بڑھنا شرعاً کیسا ہے؟ اپنی جگہ بیٹھ کر ہی خطبہ سننا چاہیے یا آگے بڑھنا چاہیے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

(۱) تفصیل و تخریج کے لیے دیکھیے عنوان: ”جمعہ کے بعد امام سے مصافحہ کرنا“۔

[۲] (قوله: ثم يخطب بعد الصلاة خطبتين) بذلك ورد النقل المستفيض، والخطبة ليست بواجبة؛ لأن الصلاة تتقدم عليها، ولو كانت شرطاً لتقدمت على الصلاة كالجمعة، وهي سنة، فإن تركها كان مسيئاً، وإن خطب قبل الصلاة أجزأه مع الإساءة، ولا تعاد بعد الصلاة كذا في النهاية. (الجوهرة النيرة - أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزبيدي اليمني الحنفي (م: ۸۰۰ھ): ۱/۹۳، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، ط: المطبعة الخيرية ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۵۰، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين، ط: دار الفكر ☆ فتح القدير: ۲/۷۹، باب صلاة العيدين، ط: دار الفكر ☆ الاختيار لتعليل المختار - عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ۶۸۳ھ): ۱/۸۵، باب صلاة العيدين، فصل ما يستحب في يوم الفطر وفي يوم الأضحى، ت: الشيخ محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي)

## الجواب حامداً ومصلياً:

بلا ضرورت آگے بیٹھے ہوئے لوگوں کو پھلانگ کر جانا بہتر نہیں ہے۔ البتہ خطبہ سننے کے لیے (لوگوں کو تکلیف دینے بغیر) آگے جانا جائز ہے، جب کہ پیچھے سے نہ سنائی دیتا ہو۔ (شامی<sup>(۱)</sup>) [۲] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

## [۸] عید میں نماز، دعا، خطبہ اور بیان میں ترتیب

۱۰۵۴-سوال: ہمارے یہاں عید کے موقع پر مندرجہ ذیل ترتیب سے نماز، خطبہ اور بیان ہوتا ہے:  
”سب سے پہلے عید کی نماز ہوتی ہے، پھر خطبہ ہوتا ہے، پھر کسی عالم کا بیان ہوتا ہے اور بیان کے بعد

(۱) رد المحتار علی الدر المختار: ۲/۱۶۳، کتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفکر - بیروت۔  
[۲] عن أبي الزهرية، قال: كنا مع عبد الله بن بسر صاحب النبي صلى الله عليه وسلم يوم الجمعة، فجاء رجل يتخطى رقاب الناس، فقال عبد الله بن بسر: جاء رجل يتخطى رقاب الناس يوم الجمعة، والنبي صلى الله عليه وسلم يخطب، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: اجلس فقد أذيت. (سنن أبي داؤد: ۱۵۹/۱، رقم الحديث: ۵۱۳، كتاب الصلاة، باب تخطى رقاب الناس يوم الجمعة، كتاب الصلاة، ط: البدر - ديوبند ☆ المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي - أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳-۱۳، رقم الحديث: ۱۳۹۹، كتاب الجمعة، النهي عن تخطى رقاب الناس والإمام على المنبر يوم الجمعة، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

وذكر الفقيه أبو جعفر رحمه الله عن أصحابنا رحمهم الله: أنه لا بأس بالتخطي ما لم يأخذ الإمام في الخطبة، ويكره إذا أخذ؛ لأن للمسلم أن يتقدم ويدنو من المحراب إذا لم يكن الإمام في الخطبة، ليتسع المكان على من يجيء بعده، وينال فضل القرب من الإمام، فإذا لم يفعل الأول فقد ضيع ذلك المكان من غير عذر، فكان للذي جاء بعده أن يأخذ ذلك المكان. ————— أما من جاء والإمام يخطب فعليه أن يستقر في موضعه من المسجد؛ لأن مشيه وتقدمه عمل في حالة الخطبة، وروى هشام عن أبي يوسف أنه للناس بالتخطي ما لم يخرج الإمام، أو يؤذ أحداً. (المحيط البرهاني - ابن مازة البخاري الحنفی (م: ۶۱۶-۹۱، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في صلاة الجمعة، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ البناية شرح الهداية - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵-۹۲، باب صلاة الجمعة، البيع والشراء بعد أذان الجمعة الأول، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ البحر الرائق شرح كنز الدقائق - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰-۱۷۰، باب صلاة الجمعة، قبيل باب العيدین، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفی (م: ۱۲۳۱-۵۲۳، باب الجمعة، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية بيروت - لبنان)

اجتماعی دعا کی جاتی ہے۔“

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح کی ترتیب شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اس کی تصدیق مطلوب ہے، امید ہے کہ جواب دے کر ممنون و مشکور فرمائیں گے۔

### الجواب حامدًا ومصلياً:

سوال میں بیان کردہ ترتیب میں ”دعا“ آخر میں ہے، یہ ترتیب بہتر نہیں ہے، بہتر ترتیب یہ ہے کہ پہلے عید کی نماز ہو، نماز کے بعد ہی متصلاً دعا ہو، پھر خطبہ اور خطبہ کے بعد بیان۔

مجموعہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پاک ﷺ اور صحابہ کرامؓ عید کی نماز کے موقع سے دعاء مانگتے تھے۔<sup>(۱)</sup> لیکن اس کی وضاحت احادیث میں نہیں ہے کہ نماز کے بعد دعا ہوتی تھی یا خطبہ کے بعد۔ تاہم عید کے علاوہ دوسری پنج وقتہ نمازوں کے متعلق احادیث میں نماز کے بعد (دبر صلاة) دعا کی صراحت ملتی ہے۔<sup>(۲)</sup>

اس لیے علمائے دوسری نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے عید میں بھی، نماز کے بعد دعا کو بہتر کہا ہے:

(۱) عن أم عطية، قالت: أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم، أن نخرجهن في الفطر والأضحى، العواتق، والحیض، وذوات الخدور، فأما الحيض فيعتزلن الصلاة، ويشهدن الخير، ودعوة المسلمين، قلت: يا رسول الله إحدانا لا يكون لها جلباب، قال: «لتلبسها أختها من جلبابها». (الصحيح لمسلم: ۲۹۱/۱، رقم الحديث: ۱۲- (۸۹۰)، كتاب صلاة العیدین، باب ذکر إباحة خروج النساء في العیدین إلى المصلي وشهود الخطبة، مفارقات للرجال، ط: البدر- دیوبند)

(۲) عن ثوبان، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم، إذا انصرف من صلاته استغفر ثلاثاً وقال: اللهم أنت السلام ومنك السلام، تباركت ذا الجلال والإكرام، قال الوليد: فقلت للأوزاعي: "كيف الاستغفار؟" قال: تقول: أستغفر الله، أستغفر الله". (الصحيح لمسلم: ۲۱۸/۱، رقم الحديث: ۱۳۵- (۵۹۱)، كتاب المساجد ومواقع الصلاة، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفة، ط: البدر- دیوبند)

عن عائشة- رضي الله تعالى عنها-، قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا سلم لم يقعد إلا مقدار ما يقول: اللهم أنت السلام ومنك السلام، تباركت ذا الجلال والإكرام، وفي رواية ابن نمير: يا ذا الجلال والإكرام. [حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۱۳۶- (۵۹۲)]

عن وراذ، مولى المغيرة بن شعبة، قال: كتب المغيرة بن شعبة إلى معاوية، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا فرغ من الصلاة وسلم، قال: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير، اللهم لا مانع لما أعطيت، ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد. [حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۱۳۷- (۵۹۳)]

لہذا نماز کے بعد دعا ہونی چاہیے، تاکہ اس میں تمام مسلمان شرکت کر لیں، خطبہ یا بیان کے بعد دعا بہتر نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۹] نماز عید کے بعد کب دعاء مانگی جائے؟

۱۰۵۵-سوال: عید کی نماز کے بعد دعاء کب مانگی جائے؟ نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

مسلمانوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ عیدین میں دعاء مانگتے تھے اور اس کے بعد بھی یہ عمل باقی رہا۔ امام بخاری نے اپنی عظیم الشان کتاب میں اس طرح عنوان قائم کیا: ”باب شہود الحائض العیدین ودعوة المسلمین، ويعتزلن المصلی“۔<sup>(۲)</sup> کہ حائضہ عورت کا عیدین اور مسلمان کی دعاؤں میں حاضر ہونا اور نماز کی جگہ سے دور رہنا۔

اس باب میں حضرت حفصہؓ سے ایک روایت منقول ہے، جس کا ایک ٹکڑا اس طرح ہے: عورتیں پردے کا اہتمام کر کے خیر کی جگہ اور مسلمانوں کی دعاؤں کی جگہ حاضر ہوں۔ (ج-۱ صفحہ ۴۷)<sup>[۳]</sup>

(۱) حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم رقم طراز ہیں: احادیث میں نمازوں کے بعد دعا کا ذکر آیا ہے، گا ہے گا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد اجتماعی دعاء بھی فرمائی ہے؛ لیکن خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد الگ سے دعاء کا ذکر نہیں ملتا، اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہے کہ خود خطبہ میں دعاء شامل ہوتی ہے، اس لیے نماز کے بعد دعاء پر اکتفا کرنا چاہیے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲۱۷/۸، نماز عیدین کا بیان، دعاء نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد☆ مزید دیکھیے: فتاویٰ دارالعلوم: ۲۱۳/۵، مسائل نماز عیدین، عید میں بعد خطبہ، دعائیں ہے، مسئلہ نمبر: ۲۶۶۱)

(۲) صحیح البخاری: ۴۷/۴، کتاب الحيض، بعد: باب من اتخذ ثياب الحيض سوى ثياب الطهر، ط: البدر، ديوبند۔ [۳] پوری روایت اس طرح ہے: عن حفصة، قالت: كنا نمنع عواتقنا أن يخرجن في العیدین، فقدمت امرأة، فنزلت قصر بني خلف، فحدثت عن أختها، وكان زوج أختها غزامع النبي صلى الله عليه وسلم ثنتي عشرة غزوة، وكانت أختي معه في ست، قالت: كنا ندأوي الكلمى، ونقوم على المرضي، فسألت أختي النبي صلى الله عليه وسلم: أعلى إحدانا بأس إذ لم يكن لها جلباب أن لا تخرج؟ قال: لتلبسها صاحبها من جلبابها ولتشهد الخير ودعوة المسلمين، فلما قدمت أم عطية، سألتها أسمعت النبي صلى الله عليه وسلم؟ قالت: بأبي، نعم، وكانت لا تذكره إلا قالت: بأبي، سمعته يقول: يخرج العواتق وذوات الخدور، أو العواتق ذوات الخدور، والحيض، وليشهدن الخير، ودعوة المؤمنین، ويعتزلن الحيض المصلی، قالت حفصة: فقلت الحيض، فقالت: أليس تشهد عرفة، وكذا وكذا۔ (صحیح البخاری: ۴۶/۱-۴۷-۴۸، رقم الحديث: ۳۲۴، کتاب الحيض، باب شہود الحائض العیدین ودعوة المسلمين، ويعتزلن المصلی، ط: البدر-ديوبند)

مذکورہ روایت سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ نے عورتوں کو دعاؤں میں شریک ہونے کا حکم دیا تھا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس موقع سے دعا ہوتی تھی، البتہ آپ ﷺ نے اس موقع سے دعاء کب مانگی ہے؟ یہ ثابت نہیں ہے؛ لہذا امام کو اختیار ہے، نماز یا خطبہ کے بعد جب چاہے، دعا مانگ لے اور اس کے علاوہ بقیہ نمازوں میں دعا نماز کے بعد ہی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نماز یا خطبہ دونوں میں سے کسی ایک کے بعد دعا مانگ لے، کسی ایک کو ضروری سمجھنا یا دونوں میں ضروری سمجھنا اور دونوں وقت دعا نہ مانگنے والے کے ساتھ لڑائی، جھگڑا کرنا اور گالی گلوچ کرنا حرام ہے؛ لہذا سنت کو سنت کے مطابق ادا کیا جائے، دو صورت جائز ہے، کسی ایک کو لازم سمجھنا غلط ہے؛ اس لیے امام صاحب کو ان میں سے کسی ایک امر پر مجبور نہ کیا جائے، اگر ان کا دل چاہے، تو نماز کے بعد مانگے، اگر چاہے تو خطبہ کے بعد مانگے، دونوں ہی طریقہ درست ہے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۱۰] نماز عید کے بعد دعا کا مناسب محل

۱۰۵۶-سوال: عید کے دن دو رکعت نماز پڑھانے کے بعد امام صاحب ممبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے ہیں، پھر اس کے بعد دعا کراتے ہیں؛ حالانکہ اسی امام صاحب کا کہنا ہے کہ عید کی نماز کے فوراً بعد دعا کر لینی چاہیے، پھر ممبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا چاہیے، تو اس میں صحیح طریقہ کیا ہے؟ پہلے دعا پھر خطبہ، یا خطبہ کے بعد دعا کرنی چاہیے؟ بینوا تو جروا۔

#### الجواب حامدا ومصليا:

نماز کے بعد دعا قبول ہوتی ہے، اور فرض نماز کے بعد بھی فوراً دعا مانگی جاتی ہے؛ اس لیے عید کی نماز کے بعد فوراً دعا مانگ لینی چاہیے، تاہم عید کی نماز کے بعد دعا مانگنا صاف صاف منقول نہیں ہے؛ لہذا خطبہ کے بعد دعا مانگنے کو بدعت نہیں کہا جائے گا۔ (امداد الفتاویٰ ج-۱، ص: ۶۰۲/۳)<sup>[۲]</sup> البتہ قاعدے کے مطابق دعا نماز کے بعد مانگ لینا بہتر ہے۔<sup>(۳)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) تاہم بہتر یہ ہے کہ نماز کے بعد دعا ہونی چاہیے، تا کہ اس میں تمام مسلمان شرکت کر لیں، خطبہ یا بیان کے بعد دعا بہتر نہیں ہے۔ جیسا کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ما قبل کے فتویٰ میں تحریر فرمایا ہے۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

[۲] اگرچہ دعاء ہر وقت جائز ہے، مگر یہ تخصیص بلا دلیل شرعی ہے، البتہ بعد نماز کے آثار کثیرہ میں مشروع ہے اور درصلاۃ اوقات اجابت دعاء بھی ہے، بہر حال بعد نماز دعا نہ کرنا اور بجائے اس کے بعد خطبہ مقرر کرنا تغیر سنت ہے، اور قابل احترام، وھذا کلمہ ظاہر۔ (امداد الفتاویٰ: ۶۰۲-۶۰۳، باب صلاۃ الجمعة والعیدین، نماز عید کے بعد دعا کا ثبوت عموماً نصوص سے ہے، خطبہ کے بعد ثبوت نہیں ہے، ط: ذکر یا- دیوبند)

(۳) تقدم تفصیله و تخریجه تحت عنوان: "عید میں نماز، دعا، خطبہ اور بیان میں ترتیب نماز عید کے بعد دعا مانگی جائے؟"

## [۱۱] عید گاہ میں نماز جنازہ اور جنازہ گاہ میں عید کی نماز پڑھنا

۱۰۵۷- سوال: ہمارے گاؤں میں عید گاہ بنائی گئی ہے، کیا اس میں جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے؟ نیز جنازہ کی نماز پڑھنے کے لیے جنازہ گاہ بنائی گئی ہے، تو اس حصے میں عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

### الجواب حامداً ومصلياً:

جنازہ گاہ، یعنی جنازہ کی نماز کے لیے جو جگہ مختص کی گئی ہے، اس میں عید کی نماز پڑھنا جائز ہے، البتہ جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ سامنے قبریں نہ ہوں۔ اسی طرح عید گاہ میں بھی جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے۔<sup>(۱)</sup> نیز جنازہ کی نماز کسی عمارت میں پڑھنا جائز ہے، جب کہ مالک کی اجازت ہو، البتہ عام راستے پر مکروہ ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) عن جابر بن عبد الله، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أعطيت خمسا لم يعطهن أحد قبلي: نصرت بالرعب مسيرة شهر، وجعلت لي الأرض مسجداً وطهوراً، فأبى من أمتي أدركته الصلاة فليصل، وأحللت لي المغانم ولم تحل لأحد قبلي، وأعطيت الشفاعة، وكان النبي يبعث إلى قومه خاصة وبعثت إلى الناس عامة." (صحيح البخاري: ۱/۴۸، رقم الحديث: ۳۳۵، كتاب التيمم، قبل باب إذا لم يجد ماءً أو لا تراباً، وانظر رقم: ۴۳۸، ط: البدر - ديوبند، صحيح لمسلم: ۱/۱۹۹، رقم الحديث: ۳- (۵۲۱)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب جعلت لي الأرض مسجداً وطهوراً، ط: البدر - ديوبند)

إلا إذا غسل موضعاً منه ولا تمثال؛ أو صلى في موضع نزع الثياب، أو كان في المقبرة موضع أعد للصلاة ولا قبر ولا نجاسة فلا بأس كما في الخانية. اهـ... وفي القهستاني: لا تكره الصلاة في جهة قبر إلا إذا كان بين يديه؛ بحيث لو صلى صلاة الخاشعين وقع بصره عليه كما في جنازات المضمورات. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۶۵۴، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في بيان السنة، والمكروه، ط: دار الفكر)

"وتكره الصلاة عليه في مسجد الجماعة. (مراقي) — قال الطحطاوي: وقيد بمسجد الجماعة لأنها لا تكره في مسجد أعد لها وكذا في مدرسة ومصلى عيد لأنه ليس لها حكم المسجد في الأصح إلا في جواز الاقتداء وإن لم تتصل الصفوف كذا في ابن أمير حاج والحلي وفي شرح موطأ الإمام محمد للمنلا علي. (حاشية الطحطاوي على المراقي - أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۱۳هـ) ص: ۵۹۳، باب أحكام الجنائز، المحقق: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۲) "تكره صلاة الجنائز في الشارع وأراضي الناس" (مراقي) وقال الطحطاوي: قوله: "تكره الجنائز الخ" لشغل حق العامة في الأول وحق المالك في الثاني. (حوالہ سابق، ص: ۵۹۶)



عید کی نماز عید گاہ میں پڑھنا مستحب ہے، لیکن اگر کوئی عذر ہو، مثلاً بارش وغیرہ ہو، تو پھر جامع مسجد میں پڑھنا مستحب ہے۔ (طحطاوی: ۲۹۰)<sup>[۱]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۲] عیدین کی نماز کہاں ادا کرنا افضل ہے؟

۱۰۵۸-سوال: ہمارے یہاں عیدین کی نماز ادا کرنے کے لیے بستی سے باہر کوئی خاص جگہ عید گاہ کے طور پر بنی ہوئی نہیں ہے؛ بل کہ ایک کھلا میدان ہے، جہاں کرکٹ میچ اور دوسرے کھیل وغیرہ کھیلے جاتے ہیں، گاؤں کے لوگ اسی میدان میں عید کی نماز ادا کر لیتے تھے اور دوسری جانب ہمارے گاؤں کی مسجد نمازیوں کے اعتبار سے بہت ہی چھوٹی تھی؛ لیکن ابھی اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے گاؤں کے لوگوں نے ایک بڑی شان دار مسجد بنوائی ہے، جس میں گاؤں کے تمام مصلی بہ آسانی سما سکتے ہیں اور اس میں ہر طرح کی راحت اور آرام کا بھی انتظام ہے اور پہلے جس میدان میں عیدین کی نماز پڑھتے تھے، گاؤں کی اس مسجد سے بالکل قریب ہے، اب سوال یہ ہے کہ ہمارے لیے سنت اور بہتر طریقہ کون سا ہے، آیا عیدین کی نماز مسجد میں پڑھنا یا اسی میدان میں جس میں پہلے پڑھا کرتے تھے؟

اسماعیل ڈیانی

### الجواب حامدا ومصليا:

بستی سے باہر جا کر عید کی نماز پڑھنا مسنون ہے؛ گرچہ گاؤں کی مسجد بڑی ہو۔

شامی میں لکھا ہے: (والخروج إليها) أي الجبابة لصلاة العيد (سنة وإن وسعهم المسجد

الجامع) هو الصحيح. (شامی: ۱۷۶/۱)<sup>[۲]</sup>

لہذا اگر بارش نہ ہو تو عیدین کی نماز بستی سے باہر جا کر ادا کرنا مسنون ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] (والخروج إليها) أي الجبابة لصلاة العيد (سنة وإن وسعهم المسجد الجامع) هو الصحيح. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله: هو الصحيح) قال في الظهيرية. وقال بعضهم: ليس بسنة وتعارف الناس ذلك لضيق المسجد وكثرة الزحام والصحيح هو الأول. اهـ. — وفي الخلاصة والخاتمة السنة أن يخرج الإمام إلى الجبابة، ويستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء بناء على أن صلاة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق، وإن لم يستخلف فله ذلك. اهـ. نوح. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۶۹/۲، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

[۲] الدر المختار مع رد المحتار: ۱۶۹/۲، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، ط: دار الفكر ☆ بدائع الصنائع:

۱/۲۲۵، كتاب الصلاة، فصل في بيان ما يستحب يوم العيد، ط: مكتبة زكريا - ديوبند.

[۱۳] عید الفطر میں عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیر آہستہ آواز سے پڑھی جائے

۱۰۵۹- سوال: عید الفطر کے دن عید کی نماز ادا کرنے کے لیے عید گاہ کی جانب جاتے وقت راستہ میں تکبیر تشریح کا آہستہ آواز سے پڑھنا ثابت ہے، کیا یہی عمل عید الاضحیٰ کی نماز کے لیے جاتے وقت بھی کیا جائے گا یا اس موقع سے بلند آواز سے تکبیر کہی جائے گی؟

### الجواب حامدا ومصليا:

عید الاضحیٰ میں تکبیر تشریح زور سے پڑھنا عید الاضحیٰ کا خصوصی عمل ہے، عید الاضحیٰ کے بعد ۱۳ رزی الحجہ تک تکبیر کے ایام ہیں، اس میں اللہ کی بڑائی اور کبریائی کا ظہور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق کو انسان اپنی جان کے بدلہ میں اللہ کے سامنے پیش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ انسان کی جان کی قربانی بھی طلب کر سکتے ہیں، اس کو پوری کائنات اور تمام مخلوقات پر قدرت ہے، اللہ کے حکم کے بغیر کسی کو کسی پر کوئی اختیار نہیں؛ لہذا یہ خاص طور پر بڑائی ظاہر کرنے کا وقت ہے، حالت حج میں بہ آواز بلند، لہیک (تلبیہ) پڑھا جاتا ہے، دوسرے لوگوں کے لیے تکبیر ہے۔

عید الفطر بھی خدا کی جانب سے بندوں کی ضیافت کا دن ہے، اس سے پہلے کا پورا مہینہ روزہ کا ہے، رمضان المبارک میں روزہ رکھنے اور عبادت کرنے کی توفیق نصیب ہوئی، اللہ نے ہدایت دی اور پورے سال کے گناہوں اور خطاؤں سے توبہ کر کے نفس کی پاکیزگی حاصل کی، تو حکم ہوا کہ اللہ کا شکر ادا کرو، عید کے دن سب سے پہلے نماز ادا کرو اور زائد تکبیروں کے ساتھ نماز ادا کرو، اللہ کی بڑائی کا اقرار کر کے شکر یہ کا اظہار کرو؛ لیکن روزے کی عبادت جس طرح چھپ کر سکون کے ساتھ ادا ہوتی ہے، اسی طرح اللہ کا شکر بھی آہستہ سے ادا کرو، اس لیے نماز کے علاوہ تکبیر آہستہ پڑھنے کا حکم ہے، یعنی اگر تکبیر پڑھنی ہو، تو آہستہ پڑھے، اگر نہ پڑھے تو بھی حرج نہیں۔

عید الاضحیٰ کی تکبیر کی اصل یہ ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے اسماعیل کے فدیہ (بدلہ) میں ذبح لے کر آئے، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ کہیں جلدی میں ابراہیم علیہ السلام اسماعیل پر چھری نہ پھیر دیں؛ اس لیے جبرئیل علیہ السلام نے زور سے کہا: اللہ اکبر، اللہ اکبر (اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو چھری پھیر چکے تھے) جب حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جبرئیل

امین علیہ السلام کو دیکھا، تو فرمایا: ”لا الہ الا اللہ، واللہ اکبر“ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ فدیہ میں ذنبہ آچکا ہے، تو وہ بھی پکار اٹھے: اللہ اکبر واللہ الحمد۔

الغرض عید الاضحیٰ کی نماز کے لیے جاتے وقت بلند آواز سے اور عید الفطر کی نماز کے لیے جاتے وقت آہستہ سے تکبیر کہی جائے گی۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

### [۱۳] صرف عید الفطر کی رات کو لیلیۃ الجائزہ کہا جاتا ہے

۱۰۶۰- سوال: عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں کی راتوں کو لیلیۃ الجائزہ کہا جاتا ہے، یا صرف عید الفطر کی رات کو؟ اسی طرح یوم الجائزہ دونوں عید کے دنوں کو کہا جاتا ہے یا صرف عید الفطر کے دن کو؟

#### الجواب حامدا ومصليا:

دونوں عید کی راتوں میں عبادت کرنا اور انہیں زندہ رکھنا (یعنی عبادت سے آباد رکھنا) فضیلت اور ثواب کا کام ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص دونوں عید کی راتوں کو زندہ رکھے گا، (یعنی عبادت سے آباد رکھے گا) اس کا دل پورے سال زندہ (نیک کاموں کے لیے قوی) رہے گا۔ (مراتی)<sup>[۲]</sup>

(۱) ومنها أن يغدو إلى المصلی جاهر بالتكبير في عيد الأضحى، فإذا انتهى إلى المصلی ترك؛ لما روي عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه كان يكبر في الطريق.

وأما في عيد الفطر فلا يجهر بالتكبير عند أبي حنيفة... لأن الأصل في الأذكار هو الإخفاء إلا فيما ورد التخصيص فيه، وقد ورد في عيد الأضحى فبقي الأمر في عيد الفطر على الأصل. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۷۹-۲۸۰، فصل صلاة العيدين، فصل بيان ما يستحب في يوم العيد، ط: دار الكتب العلمية)

ويكبر في الطريق في الأضحى جهرًا يقطعها إذا انتهى إلى المصلی وهو المأخوذ به، وفي الفطر المختار من مذهبه أنه لا يجهر وهو المأخوذ به، كذا في الغيائية أما سرفمستحب، كذا في الجوهرة النيرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۵۰، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العيدين، ط: دار الفكر - بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۱۷۰، ۱۷۱، كتاب الصلاة، باب العيدين، ط: دار الفكر - بيروت)

وروي أنه لما ذبحه قال جبريل: الله أكبر الله أكبر. فقال الذبيح: لا إله إلا الله والله أكبر. فقال إبراهيم: الله أكبر والحمد لله، فبقي سنة. (الجامع لأحكام القرآن = تفسير القرطبي - أبو عبد الله محمد بن أحمد، شمس الدين القرطبي (م: ۶۷۱هـ): ۱۵۰/ ۱۰۲، الصافات: ۱۰۲-۱۰۳، ت: أحمد البردوني وإبراهيم أطفيش، ط: دار الكتب المصرية - القاهرة)

[۲] عن أبي أمامة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من قام ليلتي العيدين محتسبا لله لم يمت قلبه يوم تموت القلوب. (سنن ابن ماجه: ۱/ ۱۲۷، رقم الحديث: ۱۷۸۲، كتاب الصيام، باب فيمن قام في ليلتي العيدين، ط: ديوبند، =

مگر عید الفطر کی رات ہی کو ”لیلۃ الجائزۃ“ کہا جاتا ہے، جائزہ کا معنی ہے انعام، اس کو انعام کی رات اس لیے کہا جاتا ہے کہ رمضان المبارک میں روزہ دار نے جو مشقت برداشت کی ہے، اس کے انعامات اس رات میں تقسیم کیے جاتے ہیں؛ عید الاضحیٰ کی رات کو ”لیلۃ الجائزۃ“ نہیں کہا جاتا، اسی طرح عید کے دنوں کو بھی ”یوم الجائزۃ“ نہیں کہا جاتا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۵] عید کی نماز سے پہلے نفل نماز پڑھنا

۱۰۶۱- سوال: عید کے دن فجر کی نماز کے بعد سے عید کی نماز ختم ہو جانے تک نفل نماز پڑھنا منع ہے یا مکروہ؟ نیز منع اور مکروہ میں کیا فرق ہے؟

**الجواب حامدا ومصليا:**

عید کی نماز سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے، خواہ گھر پڑھے یا مسجد میں، ہاں! عید کے بعد اگر عید گاہ یا مسجد میں پڑھے، تو ممنوع ہے، گھر پڑھنے کی اجازت ہے۔ (عالم گیری ☆ در مختار)<sup>[۱]</sup>

منع: اس کا اطلاق عموماً شرعی اور عرفی پابندیوں پر ہوتا ہے، کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز ممنوع ہے، یعنی

= في الزوائد إسناده ضعيف لتدليس بقیة ☆ شعب الإيمان - أبو بكر البيهقي (م: ۳۵۸ھ) : ۲۸۷/۵، الصيام، التماس ليلة القدر في... الخ، ط: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند) "و ندب" إحياء ليلة العیدین "الفطر والأضحى لحديث: "من أحيأ ليلة العيد أحيأ قلبه يوم تموت القلوب" ويستحب الإكثار من الاستغفار بالأسحار وسيد الاستغفار: "اللهم أنت ربي لا إله إلا أنت خلقتني وأنا عبدك وأنا على عهدك ووعدك ما استطعت أعوذ بك من شر ما صنعت أبوء لك بنعمتك علي وأبوء بذنبي فاغفر لي فإنه لا يغفر الذنوب إلا أنت" والدعاء فيها مستجاب. (مراقي الفلاح شرح نور الايضاح، ص: ۱۵۰، فصل في بيان النوافل، فصل في تحية المسجد وصلاة الضحى وإحياء الليالي وغيرها، اعتنى به وراجعته: نعيم زرور، ط: المكتبة العصرية)

[۱] (و كذا يكره تطوع عند إقامة صلاة مكتوبة)... (وقبل صلاة العیدین مطلقا، وبعدها بمسجد لا بيت) في الأضحى. (الدر المختار)۔ قال ابن عابدين: (قوله: مطلقا) أي سواء كان في المسجد أو في البيت بقريئة التفصيل في مقابلة ح. (قوله: في الأضحى) رد على من يقول لا يكره في البيت مطلقا سواء كان قبلها أو بعدها، وعلى من يقول لا يكره بعدها مطلقا سواء كان في المسجد أو في البيت ح. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۷۸، كتاب الصلاة، قبل باب الأذان، ط: دار الفكر بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۲/ ۱۸-۱۹، كتاب الصلاة، الأوقات التي يكره فيها التطوع، ط: زكريا- ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۳، الباب الأول في مواقيت الصلاة وما يتصل بها، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلاة وتكره فيها، ط: دار الفكر- بيروت)

اس کا استعمال جائز نہیں، خواہ شرعاً ممانعت ہو، یا عرفاً۔

جب کہ مکروہ اصطلاحی لفظ ہے، جس کی دو قسم ہے، مکروہ تنزیہی اور مکروہ تحریمی،<sup>(۱)</sup> منع کے لفظ میں یہ دونوں شامل ہو سکتے ہیں، اسی طرح کسی اور وجہ سے کسی شے کی ممانعت ہو، تو وہ بھی اس میں داخل ہو سکتی ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۶] عید گاہ نہ ہونے کی وجہ سے کھیل کود کے میدان میں عیدین کی نماز ادا کرنا

۱۰۶۲- سوال: ہمارے یہاں ری یونین کے سینٹ وینس شہر میں عید گاہ نہیں ہے، اس وجہ سے فی الحال ہم فناء شہر جو کہ تقریباً آدھے میل کے فاصلہ پر ہے، عید کی نماز ادا کرتے ہیں، اور میونسپلٹی والوں کے پاس کوئی ایسی فارغ زمین بھی نہیں ہے جو ہم خرید سکیں، اور نہ ہی ہم میں سے کسی کے پاس کوئی ایسی زمین ہے، ہر سال ہم شہر کے لوگوں کو مذکور جگہ میں عید کی نماز کے لیے بلا تے ہیں، پندرہ سو مصلیوں میں سے صرف تین سو آتے ہیں، اور نہ آنے والے مذکورہ ذیل وجوہات پیش کرتے ہیں:

(۱)..... عید گاہ کا کوئی نظم نہیں ہے، پہلے آپ عید گاہ بنائیے، پھر ہم آئیں گے۔

(۲)..... یہ تو کھیل کود کا میدان ہے، ہم اس پر نماز نہیں پڑھیں گے۔

(۳)..... وہاں نماز پڑھنے سے عید گاہ میں نماز کا ثواب نہیں ملے گا۔

ہماری جماعت کے پاس ایک بہت بڑا میدان ہے؛ لیکن وہ سینٹ وینس شہر کے مشرقی کنارے پر شہر سے چھ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، اور شہر کے بعض باشندے اگر وہاں آنا چاہیں تو انہیں دس کیلومیٹر طے کر کے آنا پڑے گا، دوسری بات یہ کہ وہ میدان میونسپلٹی کی حدود میں ہے، سینٹ وینس شہر میں نہیں ہے۔ تو اب ہم عیدین کی نماز کے لیے کیا کریں؟

### الجواب حامدًا ومصليًا:

عید گاہ میں نماز ادا کرنا مسنون ہے، عام طور پر فقہاء کرام اُسے سنت لکھتے ہیں، جہاں مندوب و مستحب کے الفاظ منقول ہیں، تو اُن سے سنت ہی مراد ہے، چنانچہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے: والسنة أن

(۱) المکروہ تحریم عند الحنفیۃ: ہو ما کان الی الحرام أقرب... المکروہ تنزیہ عند الحنفیۃ: ہو ما کان ترکہ

أولی من فعله. (القاموس الفقہی لغت و اصطلاحاً، لسعدی أبو جیب، ص: ۳۱۸، ط: دار الفکر - بیروت)

یخرج الإمام إلى الجبانة. (قاضی خان) [۱]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے بجائے عید کی نماز عید گاہ میں ادا فرمائی ہے۔ (۲)

صرف ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے مسجد نبوی میں ادا کی ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں تحریر فرمایا ہے: ولا يصلي في المسجد إلا عن ضرورة، وروى ابن زياد عن مالك، قال: السنة الخروج إلى الجبانة إلا لأهل مكة، ففي المسجد، وقال الشافعي في (الأم): بلغنا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يخرج في العيدين إلى المصلى بالمدينة وكذا من بعده إلا من عذر مطر ونحوه، وكذا عامة أهل البلدان إلا مكة، شرفها الله تعالى. (عینی) [۳]

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عید کی نماز بلا ضرورت و بلا عذر مسجد میں نہ پڑھی جائے، ابن زیاد نے مالک سے نقل کیا ہے کہ سنت یہی ہے کہ عید کی تمام کے لیے آبادی کو چھوڑ کر کھلے میدان یا صحراء کی جانب نکلے، صرف مکہ والوں کے لیے مسجد میں پڑھنے کا حکم ہے، کتاب الام میں امام شافعی کی روایت ہے کہ

[۱] قاضی خان علی ہامش الہندیہ: ۱/۱۸۳، باب صلاة العيدين وتكبيرات أيام التشريق، ط: زكريا-ديوبند.

والخروج إلى الجبانة لصلاة العيد سنة، وإن كان يسعهم المسجد الجامع على هذا عامة المشايخ. وبعضهم قالوا: الخروج إلى الجبانة ليس سنة، وإنما تعارف الناس ذلك لضيق المسجد، والصحيح ما عليه عامة المشايخ: أنهم لا يخرجون عن المصر؛ بل يقيمونها في فناء المصر؛ لأن المصر شرط جواز هذه الصلاة وفناء المصر من المصر. ألا ترى أن أفنية البيوت كأجوافها فكذا فناء المصر كجوفه، أما ما زاد على فناء المصر ليس من المصر؛ فللهذا قال يقيمونها في فناء المصر. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني- أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مازة البخاري الحنفی (م: ۶۱۶ھ): ۲/۱۰۰، الفصل السادس والعشرون في صلاة العيدين، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۲) عن أبي سعيد الخدري، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى... الحديث. (صحيح البخاري: ۱/۱۳۱، رقم الحديث: ۹۵۶، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، ط: البدر-ديوبند)

[۳] عمدۃ القاری شرح صحيح البخاري- بدر الدين العيني (م: ۸۵۵ھ): ۲/۲۸۱، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت ☆ شرح صحيح البخاري لابن بطال (م: ۴۳۹ھ): ۲/۵۵۳، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، ت: أبو تميم ياسر بن إبراهيم، ط: مكتبة الرشد-السعودية، الرياض ☆ إحكام الأحكام شرح عمدۃ الأحكام - ابن دقيق العيد (م: ۷۰۲ھ): ۱/۳۳۷، باب العيدين، ط: مطبعة السنة المحمدية ☆ فتح الباري شرح صحيح البخاري- أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني (م: ۸۵۲ھ): ۲/۴۵۰، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، ط: دار المعرفة-بيروت.

وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں روایت پہنچی ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ اپنے مدینہ کے قیام کے دوران نمازِ عید کے لیے عید گاہ میں تشریف لے جاتے تھے، اور آپ ﷺ کے خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرامؓ کا بھی یہی معمول رہا ہے، مکہ کے سوا دوسرے تمام بلادِ اسلامیہ کا بھی یہی معمول رہا۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عید گاہ میں نماز، مؤکد ہے، البتہ فقہاء کرام نے کمزوروں اور معذورین کو قریب کی مسجد جامع میں نماز عید کی اجازت دی ہے، اور فرمایا ہے کہ وہاں نماز عید جائز ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، جب کوفہ تشریف لائے، تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو شہر میں عید کی نماز کے لیے نائب بنایا، تاکہ وہ ضعفاء کو نماز پڑھائیں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بزرگانِ امت کی معیت میں شہر سے باہر پیدل تشریف لے گئے۔ (بدائع الصنائع: ۱/۲۸۰) [۴]

لہذا جو لوگ منع کرتے ہیں، اور فناء مصر میں نماز عید کے لیے نہیں جاتے ہیں، وہ غلطی پر ہیں، انہیں بہانہ بنانے کے بجائے نماز کے لیے وہاں جانا چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

## [۱۷] بارش کی وجہ سے عید گاہ میں چھت قائم کرنا

گذشتہ سے بہتر

۱۰۶۳- سوال: ہمارے یہاں ری یونین میں اکثر چاند نظر آنے سے پہلے یا بعد میں ایک دو دن تک ہلکی ہلکی بارش ہوتی ہے، کبھی زور کی بارش بھی ہو جاتی ہے، تو بارش سے بچنے کے لیے عید گاہ میں چھت بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر چھت بنانا جائز نہ ہو، تو وقتی طور پر بارش سے بچنے کے لیے شامیانہ لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر ہم بارش سے بچنے کے لیے کوئی انتظام نہیں کریں گے، تو اکثر مصلیٰ بارش کے خوف سے مسجد میں عید کی نماز پڑھ لیں گے، تو ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

[۴] (ومنها) أنه يستحب للإمام إذا خرج إلى الجبانة لصلاة العيد أن يخلف رجلا يصلي بأصحاب العليل في المصر صلاة العيد؛ لما روي عن علي - رضي الله عنه - أنه لما قدم الكوفة استخلف أبا موسى الأشعري ليصلي بالضعفة صلاة العيد في المسجد، وخرج إلى الجبانة مع خمسين شيخاً يمشي ويمشون؛ ولأن في هذا إعانة للضعفة على إحراز الثواب فكان حسناً، وإن لم يفعل لا بأس بذلك؛ لأنه لم ينقل ذلك عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ولا عن الخلفاء الراشدين سوى علي - رضي الله عنه -؛ ولأنه لا صلاة على الضعفة، ولكن لو خلف كان أفضل؛ لما بينا (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود، الكاساني (م: ۵۸۷ھ)؛ ۱/۲۸۰، فصل صلاة العيدين، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

بارش میں عید کی نماز مسجد میں پڑھی جائے گی، اُس وقت عید گاہ میں جانا ضروری نہیں ہے۔<sup>(۱)</sup>  
 چھت یا شامیانہ لگانے سے دھوپ کی حرارت اور معمولی بارش سے بچا جاسکتا ہے؛ اس لیے دیوار  
 قائم کیے بغیر صرف چھت یا عارضی طور پر شامیانہ لگا دیا جائے تو جائز ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

**[۱۸] کھیل کود کے میدان میں عید کی نماز پڑھنا**

گذشتہ سے بہتہ

سوال: ۱۰۶۲- کھیل کود کے میدان میں عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا اس صورت میں  
 عید کی نماز کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

**الجواب حامدًا ومصليًا:**

عید گاہ بنانا ضروری نہیں ہے، کھیل کے میدان میں یا صحراء میں نیز شہر سے باہر کسی بھی جگہ عید کی نماز  
 پڑھنے سے عید گاہ کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔<sup>(۲)</sup> البتہ کسی ایک جگہ کو متعین کر لینا بہتر ہے، اگر عید گاہ کی  
 زمین وقف ہے، یا باقاعدہ عید گاہ کے لیے کمپاؤنڈ اور منبر و محراب بناتے ہیں، تو پھر اُس جگہ کو کھیل کود کے لیے  
 استعمال کرنا جائز نہیں ہے، ایسے احاطہ والی جگہ کا حکم کلی طور پر مسجد کا سا تو نہیں ہے؛ کہ اُس میں حائضہ عورتیں  
 اور اہل جنابت داخل نہ ہو سکیں، تاہم نجاست اور گندگیوں سے اُسے پاک و صاف رکھنا ضروری ہے۔ (شامی:  
 ۶۱۵۷)<sup>[۳]</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) ولا يصلي في المسجد إلا عن ضرورة. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵ھ):  
 ۲۸۱/۶، کتاب العیدین، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت ☆ شرح صحيح  
 البخاري لابن بطلال (م: ۳۳۹ھ): ۵۵۳/۲، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، ت: أبو تميم ياسر بن إبراهيم، ط:  
 مكتبة الرشد - السعودية، الرياض ☆ فتح الباري شرح صحيح البخاري: ۲/۴۵۰، باب الخروج إلى المصلى بغير  
 منبر، ط: دار المعرفة - بيروت.

(۲) عن أبي سعيد الخدري، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى...  
 الحديث (صحيح البخاري: ۱/۱۳۱، رقم الحديث: ۹۵۶، کتاب العیدین، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر، ط: البدر - ديوبند)  
 [۳] (و) أما (المتخذ لصلاة جنازة أو عيد) فهو (مسجد في حق جواز الاقتداء) وإن انفصل الصفوف رفقا بالناس  
 (لا في حق غيره) به يفتى نهاية (فحل دخوله لجنب وحائض) كفناء مسجد ورباط ومدرسة ومساجد حياض  
 وأسواق لا قوارع. (الدر المختار)



## [۱۹] عید کی نماز میں شافعی امام کی اقتدا کرے، تو کتنی تکبیر کہے؟

۱۰۶۵- سوال: یہاں (کویت میں) عید کی نماز میں زائد ۱۳ تکبیریں کہی جاتی ہیں، جب کہ ہمارے نزدیک زائد ۶ تکبیریں ہیں، تو شافعی امام کے پیچھے عید کی نماز پڑھتے وقت حنفی کو ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

### الجواب حامدا ومصليا:

غیر حنفی امام کے پیچھے اگر حنفی مقتدی عید کی نماز پڑھے، تو دونوں رکعتوں میں امام کی اتباع میں ۱۶ تکبیرات تک اتباع کرنا ضروری ہے۔ حنفی مقتدی امام کے مطابق تکبیریں بھی کہے اور ہاتھ بھی اٹھائے۔<sup>(۱)</sup> فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= قال ابن عابدين: (قوله: به يفتى. نهاية) عبارة النهاية: والمختار للفتوى أنه مسجد في حق جواز الاقتداء بالخ؛ لكن قال في البحر: ظاهره أنه يجوز الوطء والبول والتخلى فيه، ولا يخفى ما فيه فإن الباني لم يعده لذلك فينبغي أن لا يجوز وإن حكما بكونه غير مسجد، وإنما تظهر فائدته في حق بقية الأحكام، وحل دخوله للجنب والحائض. اهـ. ومقابل هذا المختار ما صححه في المحيط في مصلى الجنائز أنه ليس له حكم المسجد أصلا، وما صححه تاج الشريعة أن مصلى العيد له حكم المساجد، وتماه في الشر نبلاية. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۵، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فروع اشتمال الصلاة على الصماء... الخ مطلب في أحكام المسجد، ط: دار الفكر)

(۱) (ويصلي الإمام بهم ركعتين مثنيا قبل الزوائد، وهي ثلاث تكبيرات في كل ركعة) ولو زاد تابعه إلى ستة عشر لأنه مأثور. (الدر المختار) \_\_\_\_\_ قال ابن عابدين: (قوله: ولو زاد تابعه الخ) لأنه تبع لإمامه فتجب عليه متابعتة وترك رأيه برأي الإمام لقوله - عليه الصلاة والسلام - إنما جعل الإمام ليؤتم به فلا تختلفوا عليه، فما لم يظهر خطؤه بيقين كان اتباعه واجبا ولا يظهر الخطأ في المجتهديات فأما إذا خرج عن أقوال الصحابة فقد ظهر خطؤه بيقين فلا يلزمه اتباعه... (قوله إلى ستة عشر) كذا في البحر عن المحيط. وفي الفتح قيل: يتابعه إلى ثلاث عشرة، وقيل إلى ست عشرة. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۱۷۲-۱۷۳، باب العيدين، مطلب أمر الخليفة لا يبقى بعد موته، ط: دار الفكر - بيروت)

قال محمد - رحمه الله تعالى - في الجامع إذا دخل الرجل مع الإمام في صلاة العيد وهذا الرجل يرى تكبيرات ابن مسعود - رضي الله تعالى عنهم - فكبر الإمام غير ذلك، اتبع الإمام إلا إذا كبر الإمام تكبير الم يكبره أحد من الفقهاء فحينئذ لا يتابعه، كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۵۱، الباب السابع عشر في صلاة العيدين، ط: دار الفكر)

## کچھ ”فتاویٰ فلاحیہ“ کے بارے میں

نمونے کی فائل سے:

مفتی اعظم گجرات، حضرت مفتی احمد بیات کے فتاویٰ نہایت ہی قیمتی ہیں، جن کو شائع کرنے کی ذمہ داری جناب حافظ اسجد صاحب نے اپنے سر اٹھائی، ایک بہت ہی اہم کام ہے، امت کو اس کی خوب ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ اس بڑی ذمہ داری کو پایہ تکمیل تک بہ سہولت پہنچائے اور تمام مرحومین خصوصاً حضرت مفتی اعظم مرحوم کے حق میں ثواب جاریہ اور حافظ اسجد صاحب کے حق میں اپنی رضامندی کا ذریعہ بنائے، آمین۔

مرحوم مفتی احمد بیات صاحب نور اللہ مرقدہ کے فتاویٰ نہایت پختہ، مضبوط، مستحکم اور مدلل ہیں، مگر مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی صاحب دامت برکاتہم کی ترتیب و تصحیح کی خوبی نے سونے پہ سہاگہ کا کام کیا ہے، سب ہی فتاویٰ کو مدلل بنا دیا، اور وہ بھی سہل و سلیس اردو زبان میں۔ میں نے پہلی جلد کا بالاستیعاب مطالعہ کیا، بہت بہتر کام ہوا، سب ہی معتبر فقہ و فتاویٰ کے حوالجات سے مزین و مستحکم ہے۔

### حضرت مولانا مفتی عبداللہ کاوی والا رحمہ اللہ

(صدر مفتی: دارالافتاء، دارالعلوم عربیہ اسلامیہ، کنتھاریہ، بھروچ)

محترم و مکرم جناب مولانا مفتی مجتبیٰ صاحب قاسمی زید مجدکم  
وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ  
امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے۔

احقر نے فتاویٰ حضرت مفتی احمد بیات صاحب کا تیار کردہ محقق مسودہ دیکھا، ماشاء اللہ اچھی محنت کی گئی ہے، اور یہ انداز بہتر، مفید اور قابل تعریف ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد اس منصوبہ کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں، امت کے لیے نافع بنائیں اور سبھی معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائیں، آمین۔

(حضرت مولانا مفتی) محمد سلمان منصور پوری (دامت برکاتہم)